نقوش

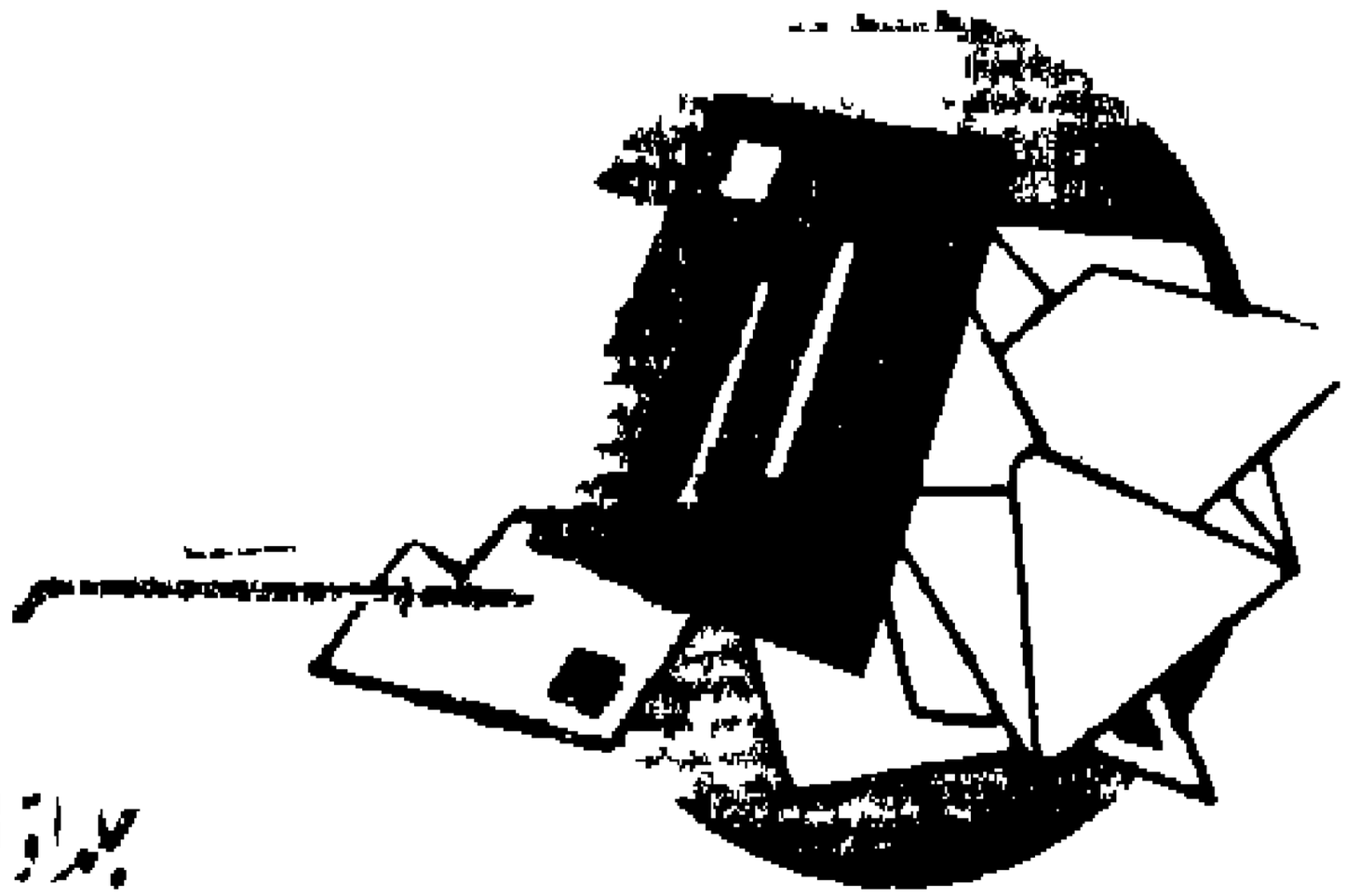

جلد اوّل

مکاتیب نمبر

زندگی آموز اور زندگی آموز ادب کا مدت سے

نقوش

لاہور

مکاتیب

۶۵ ، ۶۶

نومبر ۱۹۵۸ء

مرتبہ

محمد طفیل

سالانہ چندہ
۲۰ روپے

موجودہ شمارہ
۱۰ روپے

ادارۂ فروغ اُردو (ایبک روڈ، انارکلی) لاہور

محمد طفیل پرنٹر، سلشر اینڈ مشر نے نقوش پریس لاہور میں چھپوا کر ادارۂ فروغ اُردو ایبک روڈ لاہور سے شائع کیا

جملہ حقوق محفوظ ہیں، بلا اجازت کوئی خط نقل نہ کیا جائے

Accession Number
.....13142
Date....4.2.96

ترتیب

وطیہ خدوم ربانی تاباں

۵	علم وادب میں خطوط کا درجہ	غلام رسول مہر ، ۱۱
	اُردو خط نگاری	ڈاکٹر سید عبداللہ ، ۱۴
	اُردو کے مسفرد مکتوب نگار	مالک رام ، ۳۹
	متاہیر ادب (سوانح)	محمد عبداللہ قریشی ، ۹۲۱

مکتوب نگار	تعداد	صفحہ	مکتوب الیہ		
۱ - غالب دہلوی	۸ خطوط	۱۰۵	چودھری عبدالغفور سرور ، ۱	ذکی دہلوی ، ۱	نواب امین الدین خاں ، ۲
			عزیز اللہ شاہ عزیز ، ۲	نواب ضیاء الدین خاں علائی ، ۱	نامعلوم ، ۱
۲ - سرسید احمد خاں	۶ خطوط	۱۱۱	سید حبیب اللہ ، ۱	نواب سید علی حسن ، ۱۴	محمد عبدالسلام ، ۱
۳ - محمد حسین آزاد	۵ خطوط	۱۲۱	محمد نوح رضوی ، ۱	میجر حسن ، ۲	نامعلوم ، ۲
۴ - امیر مینائی	۴ خطوط	۱۲۴	منشی محمد عسکری وسیم ، ۲	مرزا داغ دہلوی ، ۱	دل شاہجہانپوری ، ۸
			منشی امیر احمد خاں ، ۲	احسن مارہروی ، ۱	
۵ - داغ	۴ خطوط	۱۳۰	نواب حسن علی خاں ، ۲	لقمان الدولہ دلی ، ۲	
۶ - منشی ذکاء اللہ	۲ خطوط	۱۳۲	مولانا محمد حسین آزاد ، ۱	نواب محسن الملک ، ۱	
۷ - ڈپٹی نذیر احمد	۷ خطوط	۱۳۴	نواب سید علی حسن ، ۲	مولوی بشیر الدین احمد ، ۴	نواب مہدی الملک ، ۱۰
۸ - مولانا حالی	۲۹ خطوط	۱۳۷	نواب محسن الملک ، ۱۰	مولوی عبدالرحیم خاں ، ۱	مولانا حبیب الرحمن شروانی ، ۱۲
			نواب سید علی حسن ، ۲	مولوی بشیر الدین ، ۲	عبداللہ حسینی حریت ، ۱
			مولوی قمر علی ، ۱	سید افتخار عالم ، ۱	نامعلوم ، ۵
۹ - نواب محسن الملک	۲۲ خطوط	۱۴۹	منشی ذکاء اللہ ، ۱	سید احمد دہلوی ، ۱	مولوی بشیر الدین ، ۱۲
			نواب سید علی حسن ، ۲	مولوی نظام الدین حسن ، ۱	نواب افسر الدولہ بہادر ، ۱
			نواب وقار الملک ، ۱	منشی مصطفیٰ علی ، ۱	نامعلوم ، ۳۰
۱۰ - نواب وقار الملک	۹ خطوط	۱۶۵	سر آسمان جاہ ، ۱	مولوی حسین عطاء اللہ ، ۱	سرسید احمد خان ، ۱۰
			نواب سید علی حسن ، ۲	مولوی بشیر الدین ، ۷	حکیم محمد عبدالسلام ، ۱
			سید افتخار عالم ، ۳	نواب محسن الملک ، ۱	محمد یونس ، ۱
			منشی محمد محمود شاہ ، ۱		
۱۱ - جلال لکھنوی	۲ حصے	۱۷۹	نواب وقار الملک ، ۱	شاہ زین الدین ، ۱	
۱۲ - شبلی نعمانی	۴۴ خطوط	۱۸۲	مفتی شیر علی ، ۱۴	مولوی بشیر الدین ، ۶	مولانا حبیب الرحمن شروانی ، ۱۵
			مولوی عبدالحق ، ۱	نواب سید علی حسین خان ، ۵	وقار الملک ، ۱
			سید ہمایوں مرزا ، ۱	سید افتخار عالم ، ۱	

۱۳ ۔ اکبرالہ آبادی	۱۶ خطوط 199	مولوی بشیرالدین، ۸	محمد دین فوق، ۴	نواب سید علی حسن، ۱
		نامعلوم، ۳		
۱۴ ۔ شاد عظیم آبادی	۱۰ خطوط ۲۰۵	پروفیسر محمد مسلم، ۷	شاہ سلیمان پھلواری، ۱	سید وصی احمد فانی بلگرامی، ۲
۱۵ ۔ مولانا عبدالعظیم شرر	۱۰ خطوط ۲۱۴	مولانا حبیب الرحمٰن شروانی، ۱	سید ہمایوں مرزا، ۲	نواب سید علی حسن، ۲
		مولوی سید ممتاز علی، ۱	احسن مارہروی، ۱	مہاراجہ کشن پرشاد، ۱
		ڈاکٹر محی الدین زور، ۱	نامعلوم، ۱	
۱۶ ۔ ڈاکٹر سید محمود	۳ خطوط ۲۲۱	نواب ذوالفقار الملک، ۱	حسین عطاء اللہ، ۱	مولانا حبیب الرحمٰن شروانی، ۱
۱۷ ۔ رسا رامپوری	۱۷ خطوط ۲۲۶	احسن مارہروی، ۱۷		
۱۸ ۔ سید احمد دہلوی	۷ خطوط ۲۳۹	مدار المہام، ۱	صفدر علی خوش نویس، ۲	مولانا حبیب الرحمٰن شروانی، ۳
		مہاراجہ کشن پرشاد، ۱		
۱۹ ۔ ریاض خیرآبادی	۹ خطوط ۲۴۴	احسن مارہروی، ۴	دل شاہجہانپوری، ۲	سید شاہد علی، ۱
		چودھری فتح محمد شبقتہ، ۱	جگر، ۱	
۲۰ ۔ غلام قادر گرامی	۶ خطوط ۱۵۱	نواب عماد الملک بہادر، ۱	وتانر یہ کیفی، ۳	نواب حسن علی خاں، ۲
۲۱ ۔ سید امداد امام اثر	۳ خطوط ۲۵۶	احسن مارہروی، ۱	سید ہمایوں مرزا	محمد دین فوق، ۱
۲۲ ۔ نظم طباطبائی	۶ خطوط ۲۵۹	مولوی حبیب احمد مدایونی، ۱	صغریٰ ہمایوں، ۴	مہاراجہ کشن پرشاد، ۱
۲۳ ۔ حبیب الرحمٰن	۸۷ خطوط ۲۶۲	سید مخدوم عالم، ۴	مولانا حالی، ۱	نواب وقار الملک، ۱
		نواب رفعت یار جنگ، ۴	نواب سید علی حسن، ۱	علامہ عبدالعزیز میمن، ۱
		ڈاکٹر محی الدین زور، ۳	مہتی سنبر علی، ۲	نصیر الدین ہاشمی، ۴
		ضیا احمد بدایونی، ۱	اصباز علی عرشی، ۱۴	نواب شمس الحسن، ۱۰
		ڈاکٹر سید محمود، ۱	کیفی اعظمی، ۱	مالک رام، ۱۱
		غلام یزدانی، ۱	طاہر فاروقی، ۱۰	ہمایوں مرزا، ۱
		نامعلوم، ۷		
۲۴ ۔ علامہ اقبال	۴۹ خطوط ۲۹۳	محمد دین فوق، ۱۷	محمد امین زبیری، ۱	منشی سراج دین، ۳
		میر خورشید احمد، ۷	نصیر الدین ہاشمی، ۲	سر حسن الدین، ۱
		تمکین کاظمی، ۳	غلام رسول مہر، ۱۰	رشید احمد صدیقی، ۱
		مولانا محمد عرفان، ۱	مولوی عبدالحق، ۱۰	سید مبارک علی شاہ میلانی، ۱
		نامعلوم، ۱		
۲۵ ۔ سر عبدالقادر	۳۳ خطوط ۳۱۸	مولوی بشیرالدین، ۳	مولوی حبیب الرحمٰن، ۶	ڈاکٹر اقبال، ۱
		مولانا عبدالعزیز، ۱	سید ہمایوں مرزا، ۲	ڈاکٹر محی الدین زور، ۷
		صوفی غربت قادری، ۲	بشیر النساء بیگم، ۱	آغا صادق، ۷
		تمکین کاظمی، ۱	نصیر الدین ہاشمی، ۱۰	نامعلوم، ۱
۲۶ ۔ مولانا محمد علی جوہر	۱۰ خطوط ۳۴۶	نواب سید علی حسن، ۱	غلام رسول مہر، ۲	مولانا شوکت علی، ۲
		مولوی محمود احمد عباسی، ۱	غلام بھیک نرنگ، ۱	اکبر الملک بہادر، ۱
		مولوی محمد عرفان، ۱	نامعلوم، ۱	
۲۷ ۔ مولانا شوکت علی	۴ خطوط ۳۶۷	غلام رسول مہر، ۳	نامعلوم، ۱	

۲۸ ۔ سرکشن پرشاد	۳ خطوط ۳۷۱	عماد الملک ، ۶	نصیر حسین خیال ، ۴	خواجہ حسن نظامی ، ۱
		بے نظیر شاہ ، ۱	نواب اکبر الملک ، ۱	
۲۹ ۔ بیخود بدایونی	۳ خطوط ۳۷۸	مولانا احسن مارہروی ، ۳		
۳۰ ۔ خواجہ عشرت لکھنوی	۲ خطوط ۳۸۱	مولانا احسن مارہروی ، ۲		
۳۱ ۔ راشد الخیری	۴ خطوط ۳۸۳	مولوی سید ممتاز علی ، ۳	سید امتیاز علی تاج ، ۱	
۳۲ ۔ حکیم اجمل خاں	۶ خطوط ۳۸۶	نواب وقار الملک ، ۱	نواب محسن الملک ، ۱	مولانا شوکت علی ، ۱
		غلام رسول مہر ، ۱	نواب سید علی حسن ، ۱	مولانا حبیب الرحمٰن شروانی ، ۱
۳۳ ۔ سائل دہلوی	۴ خطوط ۳۹۰	احسن مارہروی ، ۵	سید افتخار عالم ، ۱	سید ہمایوں مرزا ، ۱
		دل شاہجہانپوری ، ۳	دتاتریہ کیفی ، ۱	نواب میر حسن علی ، ۱
		دل محمد فضا ، ۱	اعجاز سکندر نازش ، ۱	
۳۴ ۔ محمد دین فوق	۹ خطوط ۳۹۹	محمد عبداللہ قریشی ، ۹		
۳۵ ۔ ڈاکٹر انصاری	۳ خطوط ۴۰۴	مولوی محمد عرفان ، ۱	نامعلوم ، ۲	
۳۶ ۔ غلام بھیک نیرنگ	۸ خطوط ۴۰۷	سید ممتاز علی ، ۱	مخبار جنگ بہادر ، ۱	حکیم محمد اسحٰق حقانی ، ۶
۳۷ ۔ سر پیچ بہادر سپرو	۳ خطوط ۴۱۷	طاہر فاروقی ، ۱	مولوی عبدالحق ، ۱	نصیر الدین ہاشمی ، ۱
۳۸ ۔ آغا شاعر قزلباش	۱۰ خطوط ۴۱۹	مہاراجہ کشن پرشاد ، ۵	بسمل دہلوی ، ۱	آغا آفتاب علی ، ۱
		سیلز ٹری اردو کانفرنس ، ۲	صادق حسین غبار ، ۱	
۳۹ ۔ ظفر الملک	۲ خطوط ۴۲۵	سید افتخار عالم ، ۱	پروفیسر محمد مسلم ، ۲	سید الطاف علی بریلوی ، ۱
		جلیل قدوائی ، ۱	محمد دین فوق ، ۱	محمد اظہار الحسن ، ۶
۴۰ ۔ احسن مارہروی	۲۶ خطوط ۴۳۵	مولوی بشیر الدین ، ۱	محمد دین فوق ، ۶	محمد اظہار الحسن ، ۵
		دل شاہجہانپوری ، ۳	منشی مہیش پرشاد ، ۱	سید الطاف بریلوی ، ۱
		نمکین کاظمی ، ۳	خواجہ حمید الدین احمد ، ۱	ڈاکٹر محی الدین زور ، ۵
۴۱ ۔ صفی لکھنوی	۱ خطوط ۴۵۵	محمد کبیر رسا جالندھری ، ۶	دل شاہجہانپوری ، ۳	طاہر فاروقی ، ۲
۴۲ ۔ دیا نرائن نگم	۶ خطوط ۴۶۵	احسن مارہروی ، ۱	نمکین کاظمی ، ۲	محمد اظہار الحسن ، ۳ نامعلوم ۱
۴۳ ۔ وحید الدین سلیم	۶ خطوط ۴۶۸	نواب سید علی حسن ، ۳	نصیر الدین ہاشمی ، ۳	
۴۴ ۔ نصیر حسین خیال	۱۰ خطوط ۴۷۲	انوار احمد ، ۱	پروفیسر محمد مسلم ، ۳	مہاراجہ کشن پرشاد ، ۳
		مسعود حسن رضوی ، ۳		
۴۵ ۔ جالب دہلوی	۴ خطوط ۴۷۹	احسن مارہروی ، ۲	شاہ حسین میاں ، ۱	سید الطاف علی بریلوی ، ۱
۴۶ ۔ سید سلیمان ندوی	۶۱ خطوط ۴۸۶	ہمایوں مرزا ، ۱	نواب سید علی حسن ، ۹	محمد عبداللہ قریشی ، ۴
		میمن عبدالعزیز ، ۱	ڈاکٹر سید عبداللہ ، ۱	مولوی محمد عرفان ، ۱
		صغریٰ ہمایوں ، ۱	امتیاز علی عرشی ، ۹	اثر صہبائی ، ۱
		نصیر الدین ہاشمی ، ۶	غلام رسول مہر ، ۱	نواب شمس الحسن ، ۳
		سید الطاف علی بریلوی ، ۱	محمد امین زبیری ، ۱۱	مالک رام ، ۵
		عبدالرزاق کانپوری ، ۱	نمکین کاظمی ، ۲	مولوی عبدالباری ۱۱
		نامعلوم ، ۲		
۴۷ ۔ خواجہ حسن نظامی	۲۹ خطوط ۵۱۸	محمد دین فوق ، ۲	مہاراجہ کشن پرشاد ، ۲	صغریٰ ہمایوں مرزا ، ۵

		بشیر النسا بیگم ، ۲	محی الدین زور ، ۳	مولوی وحید احمد ، ۲
		شفا گوالیاری ، ۱	خواجہ حمید الدین شاہد ، ۱	شاہ سلیمان پھلواری ، ۱
			نصیر الدین ہاشمی ، ۲	
		سید ہمایوں مرزا ، ۴		
۴۸ - دتاتریہ کیفی	۲۱ خطوط ۵۲۵	محمد دین فوق ، ۴	شیخ محمد اسمٰعیل پانی پتی ، ۱	طاہر فاروقی ، ۴
		آغا محمد صادق ، ۱	امتیاز علی عرشی ، ۵	حبیب کیفوی ، ۱
		مختار الدین آرزو ، ۳	شفا گوالیاری ، ۱	دل محمد فضا ، ۱
۴۹ - مناظر احسن گیلانی	۶ خطوط ۵۴۳	سید الطاف علی بریلوی ، ۱	محی الدین زور ، ۵	محمد وارث کامل ، ۳
		مظہر احسن گدنی ، ۱	سید انوار اعظم ، ۱	مولانا محمد عون ، ۱
		پروفیسر شیو موہن لعل ، ۱	نصیر الدین ہاشمی ، ۳	
۵۰ - سجاد حیدر یلدرم	۸ خطوط ۵۵۶	حلسل قدوائی ، ۸		
۵۱ - عظمت اللہ خاں	۵ خطوط ۵۶۱	تمکین کاظمی ، ۵		
۵۲ - سر راس مسعود	۹ خطوط ۵۶۶	محمد امین زبیری ، ۱	کیفی حریاکوٹی ، ۱	نصیر الدین ہاشمی ، ۴
		مولوی عبد الحق ، ۱	مہاراجہ کشن پرشاد ، ۱	رفعت یار جنگ ، ۱
۵۳ - مرزا محمد ہادی عزیز لکھنوی	۵ خطوط ۵۷۰	دل شاہجہانپوری ، ۵		
۵۴ - خواجہ عزیز الدین عزیز لکھنوی	۱ خط ۵۷۳	محمد دین فوق ، ۱		
۵۵ - مفتی کفایت اللہ	۳ خطوط ۵۷۶	غلام رسول مہر ، ۲	دل محمد فضا ، ۱	
۵۶ - عبد الرحمٰن بجنوری	۳ خطوط ۵۷۹	مولوی عبد الحق ، ۳		
۵۷ - منشی پریم چند	۲۸ خطوط ۵۸۴	امتیاز علی تاج ، ۲۷	مولوی عبد الحق ، ۱	
۵۸ - اصغر گونڈوی	۹ خطوط ۶۰۱	کیفی چریاکوٹی ، ۱	محی الدین زور ، ۷	ضیا احمد بدایونی ، ۱
۵۹ - حسرت موہانی	۱۱ خطوط ۶۰۷	نشاط النسا بیگم ، ۱۰	مولوی نصیر الدین ، ۱	
۶۰ - وحشت کلکتوی	۱۲ خطوط ۶۱۵	وفا راشدی ، ۱۰	شفا گوالیاری ، ۱	طاہر فاروقی ، ۱
۶۱ - پروفیسر محفوظ الحق	۱۹ خطوط ۶۲۲	نصیر الدین ہاشمی ، ۳	مختار الدین آرزو ، ۱۴	سید الطاف علی بریلوی ، ۱
		نامعلوم ، ۱		
۶۲ - منشی مہیش پرشاد	۲۸ خطوط ۶۳۴	سید مسعود حسن رضوی ، ۱	محی الدین زور ، ۶	مالک رام ، ۱۴
		نصیر الدین ہاشمی ، ۱	مختار الدین آرزو ، ۶	
۶۳ - شاداں بلگرامی	۷ خطوط ۶۵۰	آغا صادق حسین ، ۵	سید دل محمد فضا ، ۱	عبد الصمد صارم ، ۱
۶۴ - سیماب اکبر آبادی	۴ خطوط ۶۶۵	منشی محمد دین فوق ، ۴	محمد عبد اللہ قریشی ، ۲	نثار اٹاوی ، ۳
		ظفر الحق ، ۱	شفا گوالیاری ، ۴	
۶۵ - فرحت اللہ بیگ	۷ خطوط ۶۷۴	محی الدین زور ، ۴	نصیر الدین ہاشمی ، ۱	بشیر النسا بیگم ، ۱
		غلام یزدانی ، ۱		
۶۶ - فانی بدایونی	۷ خطوط ۶۷۷	میکش اکبر آبادی ، ۱	حکیم مختار احمد ، ۵	الطاف علی بریلوی ، ۱
۶۷ - آرزو لکھنوی	۵ خطوط ۶۸۱	محمد علی اثر رامپوری ، ۳	سید مسعود حسن رضوی ، ۱	شفا گوالیاری ، ۱
۶۸ - محمود شیرانی	۷ خطوط ۶۸۵	محی الدین زور ، ۱	ڈاکٹر سید عبد اللہ ، ۶	
۶۹ - تاجور نجیب آبادی	۱۳ خطوط ۶۹۱	مہاراجہ کشن پرشاد ، ۲	شاکر صدیقی ، ۶	محمد اظہار الحسن ، ۲
		محی الدین زور ، ۳		

۷۰ ۔ یگانہ چنگیزی ۱۵ خطوط ۷۰۱

مولوی ضیا احمد ، ۱
رفیق احمد بدایونی ، ۱۰
پروفیسر محمد مسلم ، ۱
قاضی عبدالودود ، ۱
عبدالقادر دسنوی ، ۸
حمیدہ سلطان ، ۶۰
طاہر فاروقی ، ۳
فصیح اللہ خاں ، ۱
ڈاکٹر وحید قریشی ، ۳
غلام رسول مہر ، ۵
نواب کمس الحسن ، ۱
عبدالمجید سالک ، ۳۰
مالک رام ، ۱۵

دل شاہجہانپوری ، ۲
مالک رام ، ۸
مولانا عبدالماجد دریابادی ، ۲
مختارالدین آرزو ، ۳
وحید احمد خاں ، ۱
مولانا محمد عرفان ، ۲

اعجاز سکندر بانش ، ۱۱
تاجور نجیب آبادی ، ۱
عبدالمجید سالک ، ۹
ڈاکٹر سید عبداللہ ، ۸
محمد ایوب اولیا ، ۱
مختارالدین آرزو ، ۳

راغب مرادآبادی ، ۲
نامعلوم ، ۱
عبدالستار صدیقی ، ۱
نصیرالدین ہاشمی ، ۱
شہاب الدین دسنوی ، ۱
سید الطاف علی بریلوی ، ۱

۷۱ ۔ قاضی عبدالغفار ۲۸ خطوط ۷۱۵

۷۲ ۔ سلطان حیدر جوش ۳ خطوط ۷۳۲
۷۳ ۔ اختر شیرانی ۱۹ خطوط ۷۳۵

ڈاکٹر وحید قریشی ، ۳

۷۴ ۔ ڈاکٹر تاثیر ۴ خطوط ۷۵۱
۷۵ ۔ عبدالسلام ندوی ۹ خطوط ۷۷۰
۷۶ ۔ چراغ حسن حسرت ۴ خطوط ۷۷۴
۷۷ ۔ اختر جوناگڑھی ۱۸ خطوط ۷۷۸

ڈاکٹر سید عبداللہ ، ۳

(۳)

۷۸ ۔ سید نذیر حسین محدث دہلوی ایک خط ۷۹۱
۷۹ ۔ نواب سر مزمل اللہ خان ۳ خطوط ۷۹۱
۸۰ ۔ محمد سمیع اللہ ۲ خطوط ۷۹۲
۸۱ ۔ ابو محمد عبدالحق ایک خط ۷۹۳
۸۲ ۔ سر اسمان جاہ ۲ خطوط ۷۹۴
۸۳ ۔ سید شوکت حسن شوکت فہمی ایک خط ۷۹۵
۸۴ ۔ مولانا اظہر علی آزاد ایک خط ۷۹۵
۸۵ ۔ رضا بلگرامی آرزو ایک خط ۷۹۶
۸۶ ۔ نواب صدرالدین حسین ایک خط ۷۹۷
۸۷ ۔ منیر شکوہ آبادی ایک خط ۷۹۷
۸۸ ۔ مولوی خدا بخش ایک خط ۷۹۸
۸۹ ۔ سید عبدالحی ایک خط ۹۹ ۔
۹۰ ۔ سید عباس حسن فصاحت ۲ خط ۹۹ ۔
۹۱ ۔ امیر علی رضوی ایک خط ۸۰۱
۹۲ ۔ جسٹس انور علی رضوی ایک خط ۸۰۲
۹۳ ۔ سید علی بلگرامی ۲ خطوط ۸۰۴
۹۴ ۔ سید میر حسن ایک خط ۸۰۴
۹۵ ۔ مولانا میر حسن ایک خط ۸۰۵
۹۶ ۔ عبدالرزاق کانپوری ۲ خطوط ۸۰۶

شاہ سلیمان پھلواری ، ۱
مولانا حالی ، ۱
نامعلوم ، ۲
نواب عماد الملک بہادر ، ۱
میر محبوب علی خان ، ۲
منشی محمد دین فوق ، ۱
منشی محمد دین فوق ، ۱
نامعلوم ، ۱
نواب سید علی حسن ، ۱
سید محمد نوح شہبر ، ۱
سید افتخار عالم ، ۱
سید عبدالعلی لکھنوی ، ۱
رباغ حیرآبادی ، ۱
سید عباس حسن فصاحت ، ۱
سید خورشید علی ، ۱
وقار الملک ، ۱
منشی محمد دین فوق ، ۱
منشی محمد دین فوق ، ۱
منشی محمد دین فوق ، ۱

نواب سید علی ، ۱ نامعلوم ، ۱۰

سید محمد عسکری وسیم ، ۱

نامعلوم ، ۱

محمد امین زبیری ، ۱

۹۷ - شاہ سلیمان پھلواری	ایک خط ۸۰۷	سید جعفر شاہ پھلواری ، ۱	
۹۸ - محمد علی رودولوی	ایک خط ۸۰۹	تمکین کاظمی ، ۱	
۹۹ - مولانا عبدالباری	۲ خطوط ۸۱۰	شاہ حسین میاں پھلواری ، ۱	مولانا شوکت علی ، ۱
۱۰۰ - جلیل مانک پوری	ایک خط ۸۱۰	حسرت موہانی ، ۱	
۱۰۱ - مہدی حسن	۲ خطوط ۸۱۱	نواب سید علی حسن ، ۱	سید افتخار عالم ، ۱
۱۰۲ - ہوش بلگرامی	ایک خط ۸۱۱	مہاراجہ کشن پرشاد ، ۱	
۱۰۳ - کشن پرشاد کول	۲ خطوط ۸۱۲	سید مسعود حسن رضوی ، ۱	نامعلوم ، ۱
۱۰۴ - تسلیم بھرت پوری	ایک خط ۸۱۳	آسی مارہروی ، ۱	
۱۰۵ - میر نثار علی شہرت	ایک خط ۸۱۳	منشی محمد دین فوق ، ۱	
۱۰۶ - خوشی محمد ناظر	ایک خط ۸۱۴	منشی محمد دین فوق ، ۱	
۱۰۷ - غلام احمد مہجور	۳ خطوط ۸۱۴	منشی محمد دین فوق ، ۳	
۱۰۸ - مولانا رشید احمد گنگوہی	ایک خط ۸۱۶	نامعلوم ،	
۱۰۹ - مولوی بشیر الدین	ایک خط ۸۱۶	شاہ سلیمان پھلواری ، ۱	
۱۱۰ - مولانا عبدالباری آسی	۲ خطوط ۸۱۶	راجہ دیکم ، ۱	نامعلوم ، ۱
۱۱۱ - مولانا آزاد سبحانی	ایک خط ۸۲۰	شاہ سلمان پھلواری ، ۱	
۱۱۲ - پنڈت شیو نرائن شمیم	۳ خطوط ۸۲۰	منشی محمد دین فوق ، ۳	
۱۱۳ - میرزا ثاقب لکھنوی	۲ خطوط ۸۲۲	طاہر جاروقی ، ۲	
۱۱۴ - بیخود موہانی	ایک خط ۸۲۳	دل شاہجہانپوری ، ۱	
۱۱۵ - آزاد انصاری	۲ خطوط ۸۲۳	میاں محمد صادق ، ۲	
۱۱۶ - مولوی عنایت اللہ	ایک خط ۸۲۴	شیخ محمد اسمٰعیل پانی پتی ، ۱	
۱۱۷ - مولوی نور الحسن نیر	۳ خطوط ۸۲۸	سید مسعود حسن رضوی ، ۳	
۱۱۸ - مولانا حمید الدین فراہی	ایک خط ۸۳۰	نامعلوم ، ۱	
۱۱۹ - میر ناصر علی	ایک خط ۸۳۰	ڈاکٹر غلام یزدانی ، ۱	
۱۲۰ - مرزا ہادی رسوا	۲ خطوط ۸۳۱	ڈاکٹر محی الدین زور ، ۱	مسعود حسن رضوی ، ۱
۱۲۱ - بے نظیر شاہ	۲ خطوط ۸۳۲	سر امین جنگ بہادر ، ۱	سر راس مسعود ، ۱
۱۲۲ - شفق عماد پوری	ایک خط ۸۳۴	کمپنی جرمانہ کوٹی ، ۱	
۱۲۳ - ڈاکٹر ضیاء الدین	۲ خطوط ۸۳۴	مولوی محمود احمد عباسی ، ۱	مولوی بشیر الدین ، ۱
۱۲۴ - مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی	۳ خطوط ۸۳۵	منشی محمد دین فوق ، ۱	الطاف علی بریلوی ، ۱ غلام رسول ، ۱
۱۲۵ - سید طفیل احمد منگلوری	ایک خط ۸۳۷	سید الطاف علی بریلوی ، ۱	
۱۲۶ - مولانا ظہور احمد وحشی	ایک خط ۸۳۷	نامعلوم ، ۱	
۱۲۷ - مولانا عبدالماجد بدایونی	ایک خط ۸۳۸	شاہ حسین میاں پھلواری ، ۱	
۱۲۸ - مولوی سید ممتاز علی	ایک خط ۸۳۹	نامعلوم ،	
۱۲۹ - سر سید رضا علی	۲ خطوط ۸۴۰	سید الطاف علی بریلوی ، ۱	نامعلوم ، ۱
۱۳۰ - منشی نوبت رائے نظر	ایک خط ۸۴۲	سید مسعود حسن رضوی ، ۱	
۱۳۱ - عبداللہ یوسف علی	ایک خط ۸۴۳	صغریٰ ہمایوں مرزا ، ۱	

۱۳۲ - بہادر یار جنگ	۳ خطوط	نواب سید شمس الحسن ، ۱	مولانا شاہ سلیمان پھلواری ، ۱
		سید اطاف علی بریلوی ، ۱	
۱۳۳ - سید ضمیر الدین احمد عرش	ایک خط ۸۴۵	مولوی نصبا احمد بدایونی ، ۱	
۱۳۴ - مرزا محمد عسکری	ایک خط ۸۴۶	مولانا غلام رسول مہر ، ۱	
۱۳۵ - مولوی محمد اکرام خاں ندوی	ایک خط ۸۴۷	سید الطاف علی بریلوی ، ۱	
۱۳۶ - سعید انصاری	ایک خط ۸۵۰	سید مبارک علی شاہ ، ۱	
۱۳۷ - مولانا مسعود عالم ندوی	ایک خط ۸۵۰	نواب شمس الحسن ، ۱	
۱۳۸ - مولانا مسعود علی ندوی	۳ خطوط ۸۵۱	نواب سید علی حسن ، ۲	نامعلوم ، ۱
۱۳۹ - مولوی عزیز مرزا	۲ خطوط ۸۵۵	حبیب الرحمٰن شروانی ، ۲	
۱۴۰ - سید فرزند علی صغیر بلگرامی	۵ خطوط ۸۵۶	عبد الرحمٰن خاں ، ۱	سردار سند رسنگھ ، ۱
		سید رجب علی شاہ ، ۱	مرزا داغ دہلوی ، ۱
		سر سید احمد خاں ، ۱	
۱۴۱ - مولوی غلام حسنین کنتوری	۵ خطوط ۸۶۱	حبیب الرحمٰن شروانی ، ۴	سید افتخار عالم ، ۱
۱۴۲ - مولوی عبد الغفور شہباز	۸ خطوط ۸۶۶	سید افتخار عالم ، ۷	حبیب الرحمٰن شروانی ، ۱
۱۴۳ - سید علی حسن خاں	ایک خط ۸۷۳	ابو الکلام آزاد ، ۱	
۱۴۴ - سید حسین بلگرامی	۹ خطوط ۸۷۴	مہاراجہ کشن پرشاد ، ۸	نامعلوم ، ۱
۱۴۵ - سر آفتاب احمد	۴ خطوط ۸۷۹	وقار الملک بہادر ، ۱	مولوی محمود اختر جائسی ، ۱
		شاہ سلیمان پھلواری ، ۱	کبھی چڑیا کوئی ، ۱
۱۴۶ - حکیم حبیب الرحمٰن شروانی	۱۲ خطوط ۸۸۲	محمد دین فوق ، ۱۲	
۱۴۷ - وجاہت جھنجھانوی	۹ خطوط ۸۸۹	احسن مارہروی ، ۷	محمد دین فوق ، ۲
۱۴۸ - حکیم ناطق گلاوٹھی	۳ خطوط ۸۹۳	آسی لکھنوی ، ۳	
۱۴۹ - مولوی سید محمد حسین محوی	۹ خطوط ۸۹۸	نصیر الدین ہاشمی ، ۹	
۱۵۰ - جسٹس شاہ دین ہمایوں	۶ خطوط ۹۰۸	مولانا حالی ، ۱	نواب محسن الملک ، ۴
		محمد دین فوق ، ۲	
۱۵۱ - حکیم فقیر محمد چشتی	۳ خطوط ۹۱۲	محمد دین فوق ، ۱	حکیم نور احمد نعمانی ، ۲
۱۵۲ - بیخود دہلوی	۲ خطوط ۹۱۴	سید دل محمد فضا ، ۲	
۱۵۳ - مولانا محمد عرفان	۳ خطوط ۹۱۶	غلام رسول مہر ، ۳	
۱۵۴ - مولانا اسلم جیراجپوری	۲ خطوط ۹۱۸	پروفیسر محمد مسلم پٹنہ ، ۲	
۱۵۵ - مہدی بیگم	۲ خطوط ۹۱۹	دل محمد فضا ، ۲	

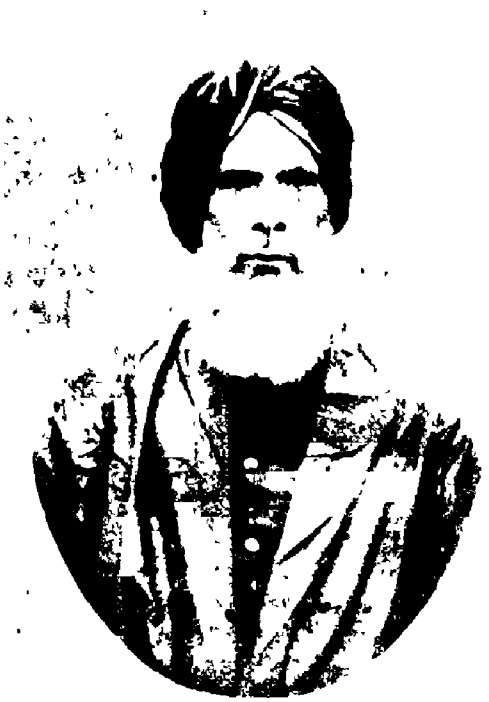

امیر مینائی

محمد حسین آزاد

مشير الدين

صفير بلكرامي

ب وقار الملك

داغ

ڈپٹی نذیر احمد

مولانا شبلی

مولانا حالی

مولانا حبیب الرحمن شروانی

شاد عظیم آبادی

امداد امام اثر

مولانا گرامی

ڈاکٹر اقبال

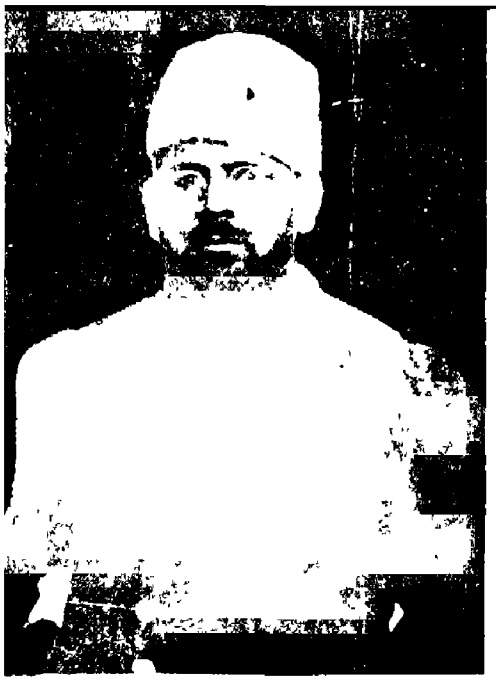

مولانا محمد علی

مولانا راشد الخیری

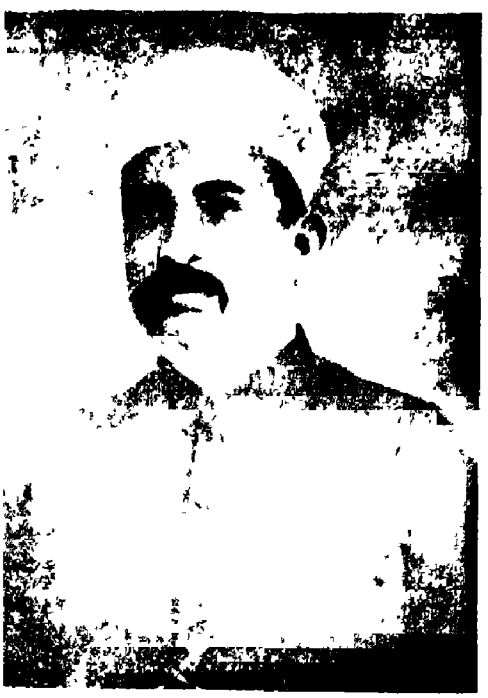

سید علی باکرامی

مولانا ظفر علی خان

میر ناصر علی

مهدی افادی

مارمروی

دنانریه کبیر

حسن نظامی

سجاد حیدر یلدرم

فرحت الله بیک

حضرت موہانی ... آرزو لکھنوی

صفی لکھنوی ... سائل دہلوی

سیماب اکبر آبادی

سلطان حمد حوش

اختر شیرانی

نمبار	مکتوب	صفحہ	مکتوب الیہ
۱	ابوالکلام	۹۷۰	بیگم حسرت موہانی
۲	مولانا عبدالحق	۹۷۱	ڈاکٹر عابد حسین
۳	مولانا عبدالماجد دریابادی	۹۷۳	ضیا احمد بدایونی
۴	پطرس	۹۷۵	عبدالمجید سالک
۵	نیاز فتحپوری	۹۷۹	مختارالدین آرزو
۶	ڈاکٹر ذاکر حسین	۹۷۹	مولانا محمد عرفان
۷	غلام رسول مہر	۹۸۰	مختارالدین آرزو
۸	عبدالمجید سالک	۹۸۱	دل محمد فضا
۹	ڈاکٹر عبدالستار صدیقی	۹۸۲	ڈاکٹر سید عبداللہ
۱۰	ڈاکٹر عابد حسین	۹۸۳	ڈاکٹر سید عبداللہ
۱۱	رشید احمد صدیقی	۹۸۴	طاہر فاروقی
۱۲	خواجہ غلام السیدین	۹۸۵	زہرہ بلقیس
۱۳	ڈاکٹر تارا چند	۹۸۶	تمکین کاظمی
۱۴	فراق گورکھپوری	۹۸۶	طاہر فاروقی
۱۵	مالک رام	۹۸۷	ڈاکٹر مختارالدین آرزو
۱۶	ڈاکٹر محی الدین زور	۹۸۸	طاہر فاروقی
۱۷	امتیاز علی عرشی	۹۸۹	مالک رام
۱۸	سید مسعود حسن رضوی	۹۹۰	ڈاکٹر سید عبداللہ
۱۹	شیخ محمد اکرام	۹۹۱	ڈاکٹر سید عبداللہ
۲۰	پروفیسر حامد حسن قادری	۹۹۲	نثار اٹاوی
۲۱	پروفیسر محمد شفیع	۹۹۲	ڈاکٹر مختارالدین آرزو
۲۲	مولانا حسین احمد مدنی	۹۹۵	عبدالصمد صارم
۲۳	شیخ محمد عبداللہ	۹۹۵	مولانا غلام رسول مہر
۲۴	جوش ملیح آبادی	۹۹۶	میکش اکبرآبادی
۲۵	حفیظ جالندھری	۹۹۷	عبدالمجید سالک
۲۶	جگر مرادآبادی	۹۹۸	شہناز ہاشمی
۲۷	نوح ناروی	۹۹۹	یٰسین علی خان
۲۸	اثر لکھنوی	۱۰۰۰	عطا آصفی
۲۹	آل احمد سرور	[illegible]	خلیل الرحمٰن اعظمی
۳۰	مختارالدین آرزو	۱۰۰۲	خلیل الرحمٰن اعظمی
۳۱	سید احتشام حسین	۱۰۰۵	ممتاز شیریں

نمبار	مکتوب	صفحہ	مکتوب الیہ
۳۲	اختر حسین رائے پوری	[illegible]	[illegible]
۳۳	محمد حسن عسکری	۱۰۰۶	ممتاز شیریں
۳۴	عندلیب شادانی	۱۰۰۷	ممتاز شیریں
۳۵	سید امتیاز علی تاج	۱۰۰۸	بیگم فصیح اللہ
۳۶	جوش ملسیانی	۱۰۰۸	آغا محمد صادق
۳۷	فیض احمد فیض	۱۰۰۹	چراغ حسن حسرت
۳۸	ن۔م راشد	۱۰۱۰	ممتاز شیریں
۳۹	کرشن چندر	۱۰۱۱	ممتاز شیریں
۴۰	عصمت	۱۰۱۲	اختر انصاری
۴۱	احمد علی	۱۰۱۲	صمد شاہین
۴۲	راجندر سنگھ بیدی	۱۰۱۳	ممتاز شیریں
۴۳	غلام عباس	۱۰۱۴	ممتاز شیریں
۴۴	حیات اللہ انصاری	۱۰۱۵	صمد شاہین
۴۵	علی عباس حسینی	۱۰۱۵	صمد شاہین
۴۶	خواجہ احمد عباس	۱۰۱۷	ممتاز شیریں
۴۷	احمد ندیم قاسمی	۱۰۱۹	اختر انصاری
۴۸	اوپندر ناتھ اشک	۱۰۲۰	ممتاز شیریں
۴۹	ممتاز مفتی	۱۰۲۲	ممتاز شیریں
۵۰	بلونت سنگھ	۱۰۲۳	ممتاز شیریں
۵۱	عزیز احمد	۱۰۲۳	ممتاز شیریں
۵۲	قرۃ العین	۱۰۲۴	ممتاز شیریں
۵۳	حجاب امتیاز علی	۱۰۲۵	بیگم فصیح اللہ
۵۴	ہاجرہ مسرور	۱۰۲۵	نصیرالدین ہاشمی
۵۵	خدیجہ مستور	۱۰۲۶	ممتاز شیریں
۵۶	تسنیم سلیم چھتاری	۱۰۲۷	اختر انصاری
۵۷	کنہیالال کپور	۱۰۲۸	ممتاز شیریں
۵۸	شوکت تھانوی	۱۰۲۹	چراغ حسن حسرت
۵۹	معین احسن جذبی	۱۰۳۰	باقر مہدی
۶۰	میراجی	۱۰۳۳	مختارالدین آرزو، ۱ قیوم نظر ۱
۶۱	منٹو	۱۰۳۶	ممتاز شیریں، ۳
۶۲	مجاز	۱۰۳۹	رضا انصاری، ۱، اختر انصاری ۳

طلوع

جناب، السلام علیکم

جی چاہتا ہے کہ آپ سے روایتی ہی انداز میں یوں بات شروع کروں "یہاں سب خیریت ہے اور آپ کی خیر و عافیت خداوند کریم سے نیک مطلوب!" آپ کی خیریت بے شک مطلوب ہے مگر یہاں سب خیریت ہے۔ اس کا مجھے کچھ علم نہیں، اپنی سُنہ بُدھ ہی کہاں ہے۔

میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا کہ مشاہیر کے خطوط جلد پیش کروں گا۔ جلد پیش نہ کرنے کی وعدہ خلافی ہوئی۔ شرمندہ ہوں جیسے جیسے دن گزرتے گئے میری پریشانیاں بڑھتی گئیں۔ اگر آپ کو یقین آسکے تو میں یہ عرض کروں گا کہ میں نے یہ خطوط دن رات ایک کر کے جمع کئے ہیں۔ واضح رہے دن رات کا فقرہ میں نے بطور محاورہ استعمال نہیں کیا ہے۔

میں نے ان خطوں کیلئے کیا کچھ نہیں کیا۔ شہر شہر گھوما، گھر گھر صدا دی۔ کسی نے میرے شوق کو سینے سے لگایا۔ کسی نے بات بھی نہ پوچھی۔ یوں سمجھ لیجئے کہ دورا ہے پر چلتا چلتا تھم جاں ہو گیا۔ مگر عزم میں کمی واقع نہ ہوئی۔

بچپن میں چوری کی ہو تو کی ہو۔ اس عمر میں تو نہیں کی تھی۔ مگر اس کمبخت شوق میں یہ کام بھی کیا۔ بخدا اپنی خاطر نہیں۔ آپ کی خاطر، اگر میں نے یہ چوری اپنی ذات کے لئے کی ہو تو مرتے وقت کلمہ نصیب نہ ہو۔

چاہئے تو یہ ہے کہ میں آپ کی خدمت میں جتنے خطوط پیش کر رہا ہوں۔ ان سب کے بارے میں آپ سے کچھ عرض کروں۔ واقعی یہ ضروری بات ہے مگر اس ضروری بات کی وضاحت کے لئے کم از کم بھی پچاس صفحے درکار ہوں گے۔ اتنی ضخامت میں اور پچاس صفحوں کا اضافہ کروں۔ یہ بات مجھے پسند نہیں۔ جبکہ مجھے یہ بھی معلوم ہو کہ میرا مخاطب خوب پڑھا لکھا ہے اور اسے رہبری کی ضرورت نہیں۔

خطوط کے اب تک کئی مجموعے چھپ چکے ہیں۔ گویا یہ صنف ادب کچھ زیادہ مُردہ نہیں ہے۔ غالب، سرسید، محمد حسین آزاد، محسن الملک، وقار الملک، شبلی، حالی، مہدی افادی، اقبال، نیاز فتحپوری اور ابوالکلام کے مکاتیب کے مجموعے آپ کے سامنے ہیں۔ ان میں میری بھی یہ ایک مخلصانہ کوشش شامل کر لیجئے۔

خطوط صرف ادب و انشا ہی کے آئینہ دار نہیں ہوتے۔ بلکہ اس سے علمی، ادبی، سماجی اور سیاسی تاریخیں بھی مرتب کی جا سکتی ہیں۔ میرا یہ دعویٰ غلط نہیں ہے۔ اگر آپ نے خطوط کو اس نظر سے دیکھا، تو آپ کو ان میں بڑا مواد ملے گا۔ اس اعتبار سے مجھے یہ چھوٹا سا دعویٰ کر لینے دیجئے کہ میری اس کاوش سے سو سال علمی، ادبی، سماجی اور سیاسی تاریخ مرتب کی جا سکتی ہے۔ یا مرتب کرنے میں مدد مل سکتی ہے۔

میرے نزدیک خطوط کو دلچسپی کے اعتبار سے اوّلیت کا درجہ حاصل ہے۔ مجھ سمیت کوئی بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکے گا کہ اس نے لوگوں کے خط چوری چھپے نہ پڑھے ہوں۔ باپ نے بیٹے کے خط پڑھے، بیٹے نے باپ کے خط پڑھے۔ ماں نے بیٹی کے خط پڑھے، بیٹی نے ماں کے خط پڑھے۔ اور ویسے خط کس نے نہیں پڑھے۔

یہ ٹھیک ہے کہ میں نے اس کام پر دو برس صرف کر دیئے ہیں۔ مگر اتنا عرض کر دوں۔ یہ کام دس برس کا تھا۔ جسے میں نے دو برس میں کیا ہے۔ اگر مجھے جز مستعار پر اعتبار ہوتا، تو میں آپ کی ناراضی کی پروا نہ کرتے ہوئے اس کام پر دس ہی برس صرف کرتا۔ تاکہ میری اس سے زیادہ ڈھارس بندھتی، اس سے زیادہ سکون نصیب ہوتا۔ مگر زندگی کا اعتبار ہی کیا۔

لیجئے اب اجازت دیجئے۔ میری یاوہ گوئی تو ختم ہوئی۔ کچھ اپنی بھی تو کہئے۔

آپ کا

محمد طفیل

تصریحات

۱ — اپنی دانست میں، ہم نے تمام خطوط غیر مطبوعہ جمع کئے ہیں۔ لاعلمی میں چند ایک خطوط مطبوعہ بھی پیش ہو گئے ہوں تو کچھ کہہ نہیں سکتے۔

۲ — ہم نے اپنی طرف سے پوری چھان بین کی ہے کہ اس نمبر میں جتنے بھی خطوط چھپیں، وہ اصل کے عین مطابق ہوں۔ جس خط کے بارے میں شبہ ہوا۔ اُسے ہم نے خارج ہی کر دیا۔

۳ — اس نمبر میں صرف مرحومین کے خطوط ہیں۔ انتخاب میں اور سختی سے کام لیا جاتا تو کچھ اور خطوط، اس مجموعہ میں شامل ہونے سے رہ جاتے اور کبھی نہ کبھی ضائع ہو جاتے۔ چونکہ اس نمبر میں میرے نزدیک ایک بھی مکتوب نگار غیر اہم نہیں ہے۔ اس لئے میں نے چاہا ہے کہ مرحوم مشاہیر ادب کے زیادہ سے زیادہ خطوط محفوظ ہو جائیں۔

۴ — ہم نے کوشش کی ہے کہ ایسے خطوط نہ چھپیں، جو کسی کی بھی دل آزاری کا موجب بنتے ہوں یا جو لکھے ہی اس غرض سے گئے ہوں کہ ذرا دیکھیں تو، یا ایسے خط، جن میں دل کے کچھ نازک معاملات رقم ہوں۔ ہمیں اس امر کی بے حد خوشی ہے کہ ہم نے مسنی خیز مکتوباست کی اشاعت سے پرہیز کیا ہے۔

۵ — بعض خطوط کو پڑھنا بے حد مشکل تھا۔ کوشش کے باوجود بعض الفاظ نہیں پڑھے جا سکے۔ وہاں ہم نے جگہ خالی چھوڑ دی۔ مثال کے طور پر محسن الملک، منشی ذکاء اللہ، داغ اور راشد الخیری کے (عکسی) خطوط پڑھ کے دیکھ لیں۔

۶ — ان خطوط کو کسی حد تک زمانی اعتبار (یہ لحاظ مکتوب نگار) سے ترتیب دیا گیا ہے۔ مندرج خطوں کو بھی تاریخ وار پیش کیا گیا ہے۔ جن خطوں پر تاریخ نہیں تھی۔ وہ اس حصہ کے آخر میں درج کر دیئے گئے ہیں۔ البتہ عکسی خطوط کے سلسلے میں زمانی ترتیب قائم نہ رکھ سکے۔

۷ — ہم نے زیادہ معروف ادبا و شعرا کے عکسی خط پیش کر دیئے ہیں۔ اگر زیادہ اخراجات کا خوف نہ ہوتا، تو یہ سارا نمبر ہی عکسی خطوط میں پیش کر دیا جاتا۔ چند مشاہیر کے خطوط کو ضرورتاً REDUCE کر کے پیش کیا گیا ہے۔ اصل خط اس سے ڈیوڑھا سمجھ لیجئے۔ ایسے مشاہیر کے نام یہ ہیں: سرسید، حالی، حبیب الرحمٰن شروانی، مولوی حنایت اللہ، ظفر الملک اور غلام بھیک نرنگ۔

۸ — اس نمبر کی دو جلدیں ہیں۔ ان جلدوں کو الگ الگ کرنے کا جواز سوائے اس کے کچھ نہیں کہ اس نمبر کی ضخامت کو بانٹ دیا جائے۔ کسی اصول اور ضابطہ کے تحت اس کی تقسیم ممکن نظر نہ آئی۔

۹ — ترتیب میں اس نمبر کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ نمبر ۱ میں اُن مشاہیر کے خطوط ہیں جن کی تعداد زیادہ تھی۔ نمبر ۲ میں اُن ادیبوں کے خطوط ہیں جن کی تعداد نسبتاً کم تھی یا جو بعد میں ملے۔ اس ترتیب سے بھی میرے نزدیک خطوں کے معیار اور اس کی افادیت میں کوئی فرق نہیں۔ نمبر ۳ میں صرف چند زندہ ادیبوں کا ایک ایک خط شامل کیا گیا ہے تاکہ یہ نمبر بھی اپنی جگہ مکمل ہو جائے۔ پروگرام کے مطابق زندہ ادیبوں کے خطوط کا ایک الگ نمبر پیش کیا جائے گا۔ اس کے بعد مرحومین کے خطوط کا نمبر ۴ جلد پیش کی جائے گی۔ چوتھی جلد تمام مکاتیبی سرمایہ کے انتخاب پر مشتمل ہوگی۔

۱۰ — ہم نے میراجی، منٹو اور مجاز کو زندہ ادیبوں کے ساتھ پیش کر دیا ہے۔ اگر ہم انھیں پہلے جگہ دیتے تو یوں معلوم ہوتا جیسے یہ اپنے قافلے سے بچھڑ گئے ہوں۔

۱۱ — اس نمبر میں خطوط پر مقالات بھی ہیں تاکہ یہ نمبر کسی جہت سے تشنہ نہ رہے۔ مشاہیر ادب کے مختصر احوالِ زندگی پر بھی ایک کارآمد مضمون شامل کیا گیا ہے تاکہ مکتوب نگار اور مکتوب الیہ کے مرتبہ کا بھی کچھ نہ کچھ اتہ پتہ ملتا جائے۔

۱۲ — رئیس احمد جعفری صاحب کے ارشاد اور پھر اصرار پر میں نے اس کام کو شروع کیا تھا۔ جب مشکلیں بڑھیں تو مولانا غلام رسول مہر، مولوی محمد عبداللہ قریشی، ڈاکٹر عبادت بریلوی، ڈاکٹر عبدالقادر سروری، ڈاکٹر عبدالحق اور ڈاکٹر عبدالستار صدیقی نے میری دستگیری فرمائی۔ مجھے سہارا دیا۔ اور مولوی محمد صدیق صاحب خیر آبادی نے خطوط کی نقول اور پروف ریڈنگ میں میری امداد فرمائی۔ میں ان سب حضرات کے احسانات کا شکریہ ادا کر دوں تو کس طرح کروں۔ صرف چند الفاظ ان کی محبت کا جواب نہیں ہو سکتے آخر میں میں نے اپنے دوستوں کے عنایت فرمائے ہوئے خطوط کی نام بہ نام فہرست بھی چھاپ دی ہے (اس میں زندہ ادیبوں کے خطوط کی فہرست شامل نہیں ہے) اس فہرست میں سے بیشتر خطوط پیش کر دیئے گئے ہیں۔ کچھ خطوط بروقت نہ ملنے کی وجہ سے نہیں آ سکے۔ آئندہ سہی

(محمد طفیل)

علم و ادب میں خطوط کا درجہ

غلام رسول مہر

اس حقیقت سے غالباً کسی کو بھی اختلاف نہ ہوگا کہ شخصیت کا زیادہ سے زیادہ صحیح، قطعی اور قابلِ اعتماد اندازہ مقصود ہو تو ان افکار و خیالات اور ان عواطف و امیال کا ذخیرہ فراہم کرنا چاہیے جو شخصیت کے قلب و دماغ میں زندگی بھر موجزن رہے۔ ان میں سے صرف تھوڑے ہی عمل کا لباس پہن کر محسوس و مشہود شکل میں منظرِ عام پر جلوہ گر ہونے ہیں۔ اکثر ضروری اسباب کے فقدان یا موانع کی فراوانی اور مساعدت کی ناسازگاری کے باعث بطونِ قلب و دماغ ہی میں مصروفِ سیر و گردش رہتے ہیں یہاں تک کہ آخری منزل پیش آجاتی ہے۔ بلکہ اعمال کی حقیقی حیثیت متعین کرنے کے لیے بھی تو ہمیں انسان کے افکار و احساسات ہی کا پیمانہ استعمال کرنا پڑتا ہے۔ ظاہر ہے کہ قصد و نیت کے اندازے کسی اور کوئی تدبیر نہیں۔ کائنات انسانیت کے سب سے بڑے ہادی اور فطرت کے سب سے بڑے نباض صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جملہ ارشاد محتاجِ تشریح نہیں کہ انما الاعمال بالنیات و انما لکل امرئ ما نوی۔ اعمال کا مدار نیتوں پر ہے اور ہر آدمی کو وہی ملتا ہے جس کی وہ نیت کرتا ہے۔

لیکن سوال کیا جا سکتا ہے کہ کسی انسان کے افکار و احساسات اور عواطف و امیال کلاً یا جزواً معلوم کرنے کی کیا صورت ہے؟ سائنس کی پرواز اب انتہائی بلندیوں پر پہنچ گئی ہے حتیٰ کہ چاند تک سفر کے راستے میں سنگ ہائے مسیل بھی لگ گئے تاہم اب تک کوئی ایسا آلہ ایجاد نہیں ہوا جو انسانوں کے افکار، احساسات شبانہ روزانہ کا مکمل خاکہ تیار کرتا رہے۔ ایسا کوئی کیمرا اب تک تیار نہیں کیا جا سکا جو باطن کی گہرائیوں کے اسرار و رموز کی مرئی تصویریں لے سکے۔ زمانے کے مصریوں نے ممی کے ذریعے سے مردہ جسموں کو محفوظ کر دینے کا طریقہ دریافت کر لیا تھا اور ہزاروں سال پیشتر کی محفوظ شدہ لاشیں آج عجائب خانوں میں تماشائیوں کے لیے عبرت و استعجاب کا پیغام بنی ہوئی ہیں۔ مگر افکار و احساسات کے تحفظ کی کوئی ہنرمندی اتنی بھی نہ سوچھ سکی۔ پھر اس کے سوا چارہ کیا ہے کہ انسان جو کچھ بولتے اور لکھتے ہیں۔ اسی کو ہم مدارِ غور و فکر بنائیں، بہ نظرِ غائر دیکھیں، تحقیق کی ترازو میں تولیں، پھر ہر پہلو کا لحاظ رکھتے ہوئے بے حیف و میل کسی نتیجے پر پہنچ جائیں۔

اس طریقِ تفتیش و فیصلہ کی مشکلات بالکل واضح اور مبرہن ہیں اور ان کی تشریح ضروری نہیں۔ اول سرمایۂ تحقیق کی حیثیت "بضاعتِ مزجاۃ" کی نہ بھی ہو آخری فیصلہ صادر کرنے میں انتہائی احتیاط و کاوش سے کام لینا لازم ہے اس لئے کہ ہر مفولے اور ہر تحریر کے محرکات و منعاقات اتنے عریاں اور روشن نہیں ہوتے جنہیں دو جمع دو چار کی طرح یقینی و قطعی قرار دیا جا سکے۔ ہر سراغ اور ہر کھوج کے لئے بڑی حد تک قیاس کا معیار استعمال کرنا پڑتا ہے اور اس کی درستی و پایداری کتنا ہی اعتماد کر لیا جائے تاہم لغزش و خطا کا امکان بہرحال باقی رہتا ہے۔

پھر خطابت و نگارش کے دائرے میں جو کچھ ہمارے سامنے آتا ہے ضروری نہیں کہ وہ ہر شخص کے محسوسات و واردات قلب یا افکار و خیالات کا واقعی صحیح مظہر ہو۔ بناوٹ اور مصنوعیت انسان کی فطرت میں داخل ہے اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ بیشتر انسان ڈاکٹر جیکل اور مسٹر ہائیڈ کی طرح دوگونہ زندگیاں بسر کرتے ہیں۔ خواجہ شیراز نے تو ایک گروہ کے بارے میں فرمایا تھا جو شومئی قسمت سے ہر دور کے شعرا کی زندہ و فعال طبقہ بازیوں کا ہدف بنا رہا ہے:

واعظاں کیں جلوہ بر محراب و منبر می کنند ۔۔۔ چوں بہ خلوت می روند آں کار دیگر می کنند

حقیقتِ حال پر نظر رکھی جائے تو یہ دوگونگی اور جلوت و خلوت کا تفاوت بلکہ تضاد عرب و اعجم تک محدود نہیں بلکہ انسانیت کے بڑے حصے کی صحیح تصویر ہے۔ وہ خلوت و تفرید کی پردہ پوشیوں میں پہنچ جاتے ہیں تو تکلفات کا ہر حجاب ان کی شخصیت کے چہرے سے اٹھ جاتا ہے اور جب منظرِ عام پر جلوت و روشنائی کی نوبت آتی ہے تو وضع و ساخت کی ہنرمندیوں اور نقش بندیوں سے ان تمام پہلوؤں کو نظر افروز آرائشوں میں چھپا لیتے ہیں۔ جن کی عریانی و بے نقابی کو وہ باب حظوظ اور شکوہ و برتری کے منافی سمجھتے ہیں۔ ہم اہلِ قلم کی تصانیف اور ارباب خطابت کی سحر کار بلند آہنگیوں کے دفائر و مکاتیب میں اس غرض سے خواہی نہ خواہی پر آمادہ ہیں کہ ان کے باب میں زیادہ سے زیادہ صحیح معلومات کے گوہر ہاتھ آجائیں گے۔ لیکن ہمیں یہ حقیقت فراموش نہ کرنی چاہیے کہ جو گوہر اپنے دامن میں جمع کر لیتے ہیں ہ

ہے اگر ان سے بعض یا اکثر صرف وضعیت کی جلاکاری کے باعث جگمگا رہے ہوں۔

ہمارے سامنے مختلف زبانوں میں خود نوشتہ سوانح کا بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ ان میں ایسے مرقعے بھی یقیناً موجود ہیں جن کے نقاشوں کی راستبازی نظر بظاہر تمام شبہات سے بالا ہے لیکن یہ مرقعے اس علم و یقین کی بنا پر تیار کئے گئے تھے کہ کسی نہ کسی وقت لازماً عوام کے سامنے پہنچیں گے اور ایک مرتبہ شائع ہو جانے کے بعد ان کے کسی نقش کو نہ دھویا اور مٹایا جا سکے گا اور نہ اس پر کوئی نیا رنگ چڑھا دینے سے پہلے نقش کی یاد حافظہ عوام سے محو کی جا سکے گی۔ لہٰذا کون وثوق سے دعویٰ کر سکتا ہے کہ اس علم و یقین نے نقاشوں کی وضعِ احتیاط اور شیوۂ حزم پر کم یا زیادہ اثر نہ ڈالا ہوگا اور اس اثر نے راستبازی کی بیرنگی میں اک گونہ وضعیت کی رنگ آمیزی غیر محسوس طور پر نہ کر دی ہوگی۔ غرض نظر بظاہر یہ سرمایہ معلومات بھی کیفیت و کمیت کے اعتبار سے اس درجہ شایانِ اعتماد نہیں سمجھا جا سکتا جتنا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے کم از کم وضعیت و ساخت کے اختلاط سے برأت کا طرہ کا دعویٰ مشکل ہے خواہ اس کا عمل بیانات میں جاری نہ ہوا ہو اور محض بعض وقائع کے ترک و حذف اور بعض کے اختیار و انتخاب تک محدود رہا ہو۔

تحریر و نگارش کے ذخیروں میں سے صرف ایک صنف ایسی ہے جس کے متعلق وضعیت و تکلف کے اختلاط و آمیزش کی کم سے کم گنجایش باقی رہ جاتی ہے یعنی بزرگانِ علم و فضل اور اکابرِ حکمت و دانش کے خطوط و مکاتیب جو انھوں نے اپنے عزیزوں، دوستوں اور نیازمندوں کو لکھے۔ ان کا سرمایہ ہر زبان کے ادبیات میں بڑا ہی گراں قدر اور بیش بہا سمجھا جاتا ہے اور اس ابرِ مطیر کی گوہر بار بوندوں نے خود ہماری زبان کے دامن میں بھی متاعِ شہوارہ فراہم کر دی ہے۔

ذخیرۂ مکاتیب کے سلسلے میں بھی ایک شبہ نظر انداز نہیں کیا جا سکتا یعنی کاتبوں نے سب کے سب نہیں تو زیادہ تر خطوط اس علم و احساس کے ساتھ حوالۂ قلم کیے کہ وہ شائع ہوں گے۔ گویا وضعیت و تکلف کی کارفرمائی اس صنف میں بھی کم و بیش جاری رہی۔ اس اعتراض کا کوئی ایسا جواب دینا محال ہے جس سے شکوک و شبہات کا قطعی ازالہ ہو جائے۔ اور میں خود یہاں بھی امکانِ وضعیت کا اعتراف کرتا ہوں۔ اسی لئے عرض کیا کہ اس میں تو آمیزش کی کم سے کم گنجایش رہ جاتی ہے یہ نہ کہا کہ کوئی گنجایش ہی نہیں رہتی لیکن یہ بات پیشِ نظر رکھ لینی چاہیے کہ مجموعہ ہائے خطوط ہر صاحبِ قلم کی زندگی کے طویل حصے پر حاوی ہوتے ہیں اور آغاز سے انجام تک وضعیت کی آمیزش کا شبہ ہرگز معقول و پائدار نہیں سمجھا جا سکتا۔ وجوہ طول کلام اور درازیٔ سخن کے مساعی یہاں صرف بعض اہم امور کی طرف توجہ منعطف کرا دینا کافی ہے۔ مثلاً:۔

۱۔ کوئی صاحبِ قلم اس وقت تک اپنے خطوط کی اشاعت کا خیال بھی دل میں نہیں لا سکتا جب تک وہ شہرت و ہر دلعزیزی میں ایک درجہ حاصل نہ کر لے۔ یہ درجہ اکثر اکابر کو عمر کے خاصے طویل حصے کے بعد نصیب ہوتا ہے جہاں کے قلم کی ہر تراوش کے لئے اہلِ ذوق اور عوام مدتوں کی پیاسی ہوتی ہے اور خطوط نگاری کا سلسلہ ابتدا سے جاری رہتا ہے لہٰذا عقلِ سلیم کا فیصلہ یہی ہونا چاہیے کہ ذخیرۂ مکاتیب کا بڑا حصہ تکلف اور بناوٹ کی آمیزش سے پاک ہوتا ہے۔

۲۔ خطوط نگاری کا آغاز عموماً ان دوستوں، عزیزوں اور دلی محرموں کے ساتھ ہوتا ہے جن سے ہر راز بے تکلف کہہ دیا جاتا ہے۔ بعض اوقات اپنے خواص و افکار کے چہرے سے اس لئے پردہ اٹھایا جاتا ہے کہ دوست اور عزیز خوش ہوں اور ان کے دل میں اعتبار جم جائے۔ البتہ دائرۂ شہرت پھیلتا اور وسیع تر ہوتا جاتا ہے تو اجنبی اور نامحرم بھی مکتوب الیہم میں شامل ہونے لگتے ہیں۔ اس وقت یقیناً وضعیت و ساخت کی دیواروں کا چناؤ شروع ہو جاتا ہے، لیکن خاصا بڑا سرمایہ اس آمیزش سے محفوظ رہتا ہے۔

۳۔ پھر بعض اصحاب خاص محرکات و مہمات کی خود فراموشیوں میں بعض مکتوب الیہم تک دل کی باتیں زیادہ سے زیادہ واشگاف انداز میں پہنچاتے ہوئے شامل نہیں ہوتے۔ ایسے کاتیب کے ہوسِ اکابر و مشاہیر کے مجموعوں میں بھی ملتے ہیں جنھیں یقیناً احساس ہوگا کہ یہ خود فراموستان زمانے کی نگاہوں سے ہمیشہ مستور نہ رہ سکیں گی۔ مثلاً کبھی خاص ذاتی مقاصد کا انجاح مکتوب الیہم سے وابستہ ہوتا ہے اور دل کا بھید صاف زبانِ قلم پر لائے بغیر بات نہیں بنتی کبھی خاص قسم کے جذبات و تاثرات کا سیل متلاطم و موجِ احتیاط اور فکرِ مآل کے اس حصار کو توڑ ڈالتا ہے جو انسان کی دانش آرائی اور عاقبت اندیشی تحفظِ شخصیت کے لئے بڑے اہتمام سے تعمیر کرتی ہے۔ سیل گزر جائے یا اس کا زور و تلاطم و موج ختم ہو کر حالات لمحی صورت اختیار کر لیں تو ممکن ہے ان کاتبوں پر پشیمانی کا احساس پیدا ہو لیکن جو گوشۂ سیرت ایک مرتبہ بے نقاب ہو جائے پھر اس پر تاویلات و دور از کار کے پردے ڈالنا یا معذرت کی تہیں اٹھانا بالکل بے سود رہ جاتا ہے اور یہ ظاہر ہی ہے کہ: نوشتہ بماند سیہ بر سفید

ہمارے بعض بلند مرتبت اکابر کے مجموعوں میں بھی ایسی مثالیں موجود ہیں۔ اگر یہ مثالیں محفوظ نہ ہو جاتیں تو ہم ان کی سیرت کے بعض اہم پہلوؤں کی نظارہ آشامی سے محروم رہ جاتے۔ محرمی کی یہ تقریب خطوط و مکاتیب ہی کے ذریعے سے ہمیں میسر آئی۔ تصانیف کی وضعیت میں اس کا سراغ کب مل سکتا تھا۔

غرض خطوط و مکاتیب ہر شخص کی حقیقی حیثیت کا اندازہ کرنے کے لیے نہایت عمدہ اور بڑی حد تک قابلِ اعتماد سرمایہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اکابر دانشا کے خطوط کو غیر معمولی طور پر ارباب علم و ادب ہمیشہ بہ اہتمام خاص متوجہ رہے اور اس سرمایے کو ادبیات دیسر کا بڑا قیمتی اندوختہ سمجھا جاتا ہے۔

ایک پہلو اور بھی ہے۔ بعض اکابر کی گراں قدر تصانیف کے مطالعے سے کم تر اصحاب مستفید ہوتے ہیں لیکن مکاتیب کو اس سے زیادہ شوق سے پڑھا جاتا ہے کہ ان کے مطالب میں تصانیف کی متانت و یک رنگی کے بجائے تنوع اور بوقلمونی کی گل افشانیاں ہوتی ہیں۔ نیز مکاتیب علم و ادب کے چھوٹے چھوٹے جواہر پارے ہوتے ہیں، جنھیں پڑھتے اوقات صاف پر زیادہ بوجھ نہیں پڑتا۔ استفادہ بیشتر ہوتا ہے اور زحمت کمتر۔

مشاہیر کے خطوط و مکاتیب کی اہمیت کے متعلق میری رائے مدت سے یہی ہے۔ جب میرے عزیز دوست محمد طفیل صاحب مدیر "نقوش" نے اپنے گراں قدر رسالے کا ایک ضخیم خطوط نمبر مرتب کرنے کا ارادہ کیا تو میں نے ترددل سے اس کا خیر مقدم کیا کہ اس طرح ان اہم خطوط کے فراہم ہو جانے کا قوی امکان تھا جو عام حالات میں شاید مرتب ہو کر شائع نہ ہو سکتے اور جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں، میرے نزدیک خطوط کی افادی حیثیت کا دائرہ بہت وسیع ہے۔

طفیل صاحب نے اپنے رسالے کے خاص نمبروں کی ترتیب میں جو درجۂ اتیاز حاصل کیا، کون کہہ سکتا ہے کہ اس کے لئے سعی و اہتمام میں کس حد تک زحمتیں اٹھائیں۔ خطوط نمبر کی ترتیب کے بعض مراحل کا علم مجھے بھی وقتاً فوقتاً ہوتا رہا، اس لئے اندازہ کر سکتا ہوں کہ اس میں انھیں بدرجہا زیادہ زحمت برداشت کرنی پڑی، لیکن انسان جب کسی کام کا بیڑا اٹھا لیتا ہے تو بہتر سے بہتر شکل میں انجام دینے کے لئے سعی و ہمت کی حتی الوسع صرف کرنے میں دریغ نہ ہونا چاہیے۔ یہی تقاضائے ذمہ داری ہے اور یہی شیوۂ مردی ہے۔ باقی رہا مسئلہ نتائج تو اسے زمانے کے ذوقِ نظر اور صلاحیتِ قبول کے حوالے کئے بغیر کوئی راستہ ہی نہیں سب سی راستہ رکھنے کے لئے مجبور ہیں۔ اس سلسلے میں نظیری نیشاپوری کا یہ حکیمانہ ارشاد مجھے کبھی نہیں بھولتا:

مشتری گوردکن دلال گو در پا مکن　　جنس گر خوب است خواہد کرد پیدا قیمتے

آخر میں اتنا اور عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں کہ اردو زبان بہ اعتبار سنین جو دوسری دیرینہ سال زبانوں کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ یہ مختلف تہذیبوں اور قدیموں کے اتصال و آمیزش سے پیدا ہوئی۔ ابتدا میں محض بولی تھی، جو مختلف اللسان افراد کی عام ضرورتوں میں ایک دوسرے تک پہنچانے کا واسطہ اور ذریعہ بنی رہی۔ آہستہ آہستہ اس نے زبان کی حیثیت اختیار کی۔ پہلے پہل اس نے منظومات کے لئے ایک ایسا لباس لیا کیا، جو نے عوام سے پسندیدگی و دل آویزی کی خاص سند حاصل کر لی۔ انیسویں صدی کے اوائل میں نثر نگاری کی طرف توجہ ہوئی۔ اس زمانے تک فارسی زبان ہی کو مدارِ علم و فضل مانا جاتا تھا اور ہماری اردو کے لئے اہلِ علم کی بارگاہِ جلال میں بار پانے کی بہ ظاہر کوئی صورت نہ تھی۔ انیسویں صدی کے وسط تک کم و بیش یہی حالت رہی۔ بایں ہمہ اردو اپنی ذاتی خوبیوں اور عوام کے طبائع سے عمدہ درجہ غیر معمولی مناسبت و سازگاری کی بنا پر قدم آگے بڑھاتی رہی۔ اگرچہ آج اسے منزلِ بلوغ پر پہنچے ہوئے صرف سوڈیڑھ سو سال گزرے ہیں۔ تاہم اس قلیل مدت میں اس کا دامن مختلف اصناف علم و فن کے جن جواہر پاروں سے جگمگا رہا ہے، وہ ان زبانوں کے لئے بھی باعث صد رشک ہیں، جو صدیوں سے شہ پارے فراہم کرنے میں مصروف ہیں۔ پھر اس میں گوناگوں اسالیب و مناہج پیدا ہوئے اور ہر اسلوب و نہج کی اپنی خاص شان دل آویزی اور منفرد طرز دل پذیری ہے۔

اس کی ایک وجہ یقیناً یہ ہے کہ ہمارے وطن نے گزشتہ سو سوا سو سال میں جو نادر العصر مشاہیر علم پیدا کئے، ان میں اکثر کی گوہر باریاں دامنِ اردو ہی کے لئے وقف رہیں لیکن ساتھ ساتھ اس پہلو کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ اردو کی وضع و ساخت کے حسن خداداد نے ان سب کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ اور چونکہ یہ عوام کی زبان تھی، اس لئے عوام تک پہنچنے کے ہر آرزو مند کو اس کا سہارا لینا پڑا۔ گویا یہ زبان خود بھی حیرت انگیز تیزی سے آگے بڑھی اور اپنا دامن تھامنے والوں کو بھی ہر لحظہ تیزی کی انتہائی منزل میں پہنچا دیا۔

مکاتیب و خطوط ہی کے مجموعوں کو لے لیجئے۔ اس زبان میں جسے بہ لحاظ عمر ہمیں "تازہ واردانِ ہوائے بساطِ دل" میں شمار کرنا چاہیے، اتنا گراں ارز ذخیرہ موجود ہے کہ کہن سال پر فخر کرنے والی زبانوں میں بھی ویسا ذخیرہ بہ آسانی نہ مل سکے گا۔ پھر اس ذخیرے کا بیشتر حصہ اتنا حسین و جمیل اور اس درجہ خوش پیکر و بدیع اوصاف ہے کہ ہر صاحب نظر اسے دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے۔ یقیناً اس لئے کہ اتنی تھوڑی مدت میں ایسا نادر ذخیرہ فراہم ہو جانا واقعی اردو زبان کا ایک معجزہ ہے۔

یہ موضوع جس توجہ، فراغ خاطر اور فرصت و مہلت کا متقاضی تھا۔ وہ مجھے بعض ذاتی پریشانیوں کی وجہ سے میسر نہ آ سکی۔ بہرحال عزیزی طفیل صاحب کے ارشاد کی تعمیل ہو گئی

اُردو خطاطی

ڈاکٹر سید عبداللہ

خط تہذیب انسانی کے محیر العقول عجائبات میں سے ہے۔ انسان کی یہ اختراع اس کی زندگی کے عجیب و غریب اور ہمہ گیر تقاضوں سے پیدا ہوتی ہے۔ پہلے محض سادہ ضرورتوں کو پورا کرنے کی حد تک محدود رہی اس کے بعد جملہ فنون عالیہ کی طرح ایک فن لطیف ـــــ بلکہ بقول بعض لطیف ترین فن بن گئی۔

یہ ایجاد ضرورت ابلاغ کی رہین منت ہے اور ابلاغ خلقتِ انسانی کا ایک ناگزیر تقاضا اور ایک حد تک اجتماعی عمل بھی ہے۔ اجتماع خود بھی اپنی ماہیت کے اعتبار سے ایک ابلاغی مظاہرۂ حیات ہے۔ انسانوں کا کوئی اجتماع ـــــ اور اجتماعی ایسے کام کی ذوالضعاف اقل یعنی دو انسانوں کا باہمی معمولی افہام و تفہیم بھی ابلاغ کی مدد کے بغیر ممکن نہیں۔ بلکہ اگر صرفیانہ و عامیانہ اغراض میں گفتگو کرنے کی اجازت ہو تو یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ خود ذاتِ باری بھی ابلاغ کی (از روئے حکمت بالغہ) مشتاق و آرزومند ہے ـــــ اور انسانی معاشرے میں تو ابلاغ ہی تمام تمدن کی اساس اولیٰ ہے جس کے بغیر مدنیت تو درکنار بشریت بھی قائم و برقرار نہیں رہ سکتی ـــــ!

انسان نے جب مشیت کا آغاز کیا ہوگا تو اسے محسوس ہوا ہوگا کہ بالمشافہ ابلاغ تو ایک قدرتی عامل ہے اور اس کے اظہار میں کوئی خاص دقت نہیں مگر جو لوگ حدِ سماعت کے اندر موجود نہیں ان تک بھی ابلاغی مقاصد کی خاطر پہنچنے کی کوئی سبیل ہونی چاہیئے خصوصاً ان لوگوں کے لئے جن کے فاصلے بعید ہیں جن کی دوری سماعت کے لئے ناقابل عبور ہے۔ یا جن کی نزدیکی بھی مدت کے مترادف ہے۔ اس سے مجبور ہو کر ذہن انسانی نے اپنی خداداد قوتِ مختردہ سے کام لے کر خط ایجاد کیا اور ایک ایسا "نیا وسیلۂ اظہار" پیدا کر لیا جو نہ صرف زبان کا قائم مقام تھا بلکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو اپنی بے زبانی کے باوجود زبان سے بھی زیادہ شیوا بیان اور لطیف سے زیادہ فصیح اللسان تھا ـــــ یہ اس دنیا کی بات نہیں جہاں خموشی بھی گفتگو بن جایا کرتی ہے۔ اور سکوت گویائی کی حریف بن کر بقول نظیری۔ ؎

نمی گردید کوتہ رشتۂ معنی رہا کردم
حکایت بود بے پایاں بخاموشی ادا کردم

بخلاف دنیا کی جہاں گفتگو بہرحال ضروری ہوتی ہے مگر ایسی گفتگو جو زبانی مکالمے سے بلیغ تر ہو۔ مندرجہ بالا شعر پر

مزید غور کیا جائے تو نتیجہ یہی نکلے گا کہ گفتگو (بذریعہ زبان) کی نارسائی ایک مسلم سی شے ہے گویا محض گفتگو کے مقابلے میں تو خاموشی بھی زیادہ بلیغ ذریعہ ہے ـــــ لہٰذا تحریر کی بلاغتیں مجرد نطق کے مقابلے میں بے حد دلاآویز ہیں۔ تفصیل سے بچنے کے لئے اگر صرف ایک دلیل پر ہی کوئی اکتفا کرنا چاہے تو کہہ سکتا ہے کہ نطق (یا ابلاغ بذریعہ زبان) بہت رسا بھی ہو جاتے تو بھی فاصلوں (مکانی یا معنوی) کی دشواریوں کو طے کرنا اس کے بس کی بات نہیں ـــــ یہاں پہنچ کر وہ منزل بھی آجاتی ہے جہاں زبان خود اپنے آپ سے شرمندہ ہو کر بے زبانی کی سپاس گزار بن جانا چاہتی ہے ؎

تماشائے زبان محوِ سپاسِ بے زبانی ہے
مٹا جس سے تقاضا شکوۂ بے دست و پائی کا

خلاصہ یہ ہے کہ خط (یا تحریر) کی ایجاد ذہنِ انسانی کے دو رارتقا کی ایک اہم ایجاد ہے، یہ اس کی اپنی گوناگوں مجبوریوں سے پیدا ہوئی ہے اور اس کی تہذیبی میں سعی اور جد و جہد کو بڑا دخل ہے اسی لئے اس کی فتوحات و فیوض بھی غیر معمولی ہیں ـــــ خانۂ انسان کے لئے حاصلے کا مسئلہ حل کر دیا ہے اور ایک لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو ابجاد کی تسخیر کے جو کمالات انسان نے بعد میں دکھائے ان کا پہلا اور اہم قدم یہی واقعہ ایجادِ خط تھا ـــــ گویا دوری کا احساس یا مجبوری ایک اہم چیز ہے جس نے انسان کو گفتگو کے ابہام و ابہام اور اس کے شکوک و شبہات، اس کی تحریف و مسخ اور اس کے ناقابلِ اعتماد ذرائع ابلاغ سے ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا۔ اور اگر یہ نہ ہوتا تو زبانی ابلاغ ابدالآباد تک نارسا ہی رہتا اور مکالمات کو مشکوک و ضعیف ہی رکھتا دیکھئے غالب کے محبوب نے بھی جس شے کو ہراساں انگیز اور مشکوک بنانا تھا اس کو قاصد کی زبان کے حوالے یوں کر دیا ؎

رے کے خط منہ دیکھتا ہے نامہ بر
کچھ تو پیغامِ زبانی اور ہے

عربوں کے تصور میں ایجادِ تحریر کی بنیادی غایت علم و معلومات سے پہلے محض پیغام رسانی اور جذبات یا معاملات ضروری کا ابلاغ تھی یہ اس بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ عربی میں رسم تحریر یا تحریر ہی کو "خط" کہتے ہیں۔ اگرچہ بعد میں ابلاغ کی مختلف صورتوں کے لئے مختلف نام تجویز ہو گئے اور اس صورتِ خاص کے لئے جس کو خط و کتابت کا مرادف کہا جا سکتا ہے مکاتیب اور مراسلت وغیرہ کی اصطلاح وضع ہوئی ـــــ اسلامی تہذیب نے اپنے دور میں مکاتیب و مراسلت کو اس درجہ اہمیت دی کہ قدیم زمانہ میں ادب و انشا کی تکمیل کی بنیاد ہی اچھی خط و طرزِ نویسی قرار پائی ـــــ جو شخص اس زبان و بیان سے کامل شناسائی رکھتا تھا جس کا تعلق دوسروں کے دل و دماغ سے ہے، باجو شخص ان آداب و رسوم سے زیادہ واقف ہوتا تھا جن کا تعلق روابط و تعلقات کی گوناگوں نوعیتوں سے ہے۔ اس کو اسلامی ادوار میں اکتسابات و فضائل کے لحاظ سے شائستہ ترین آدمی سمجھا جاتا تھا اور وہ سلطنت کے بڑے سے بڑے عہدوں کا مستحق سمجھا جاتا تھا ـــــ ابلاغ کے ذرائع پر قدرت کی اہمیت و فضیلت کا یہ اعتراف اسلامی عربی تہذیب کی روح شناسی کی ایک اہم کلید ہے چنانچہ ترسل کتابت اور دبیری کی اہمیت پر بعض مصنفوں نے مبسوط کتابیں لکھی ہیں

خیر یہ تو ہوئی سیاسی یا دفتری خط نگاری کی اہمیت۔ عام خط نگاری بھی کچھ کم اہم چیز نہیں۔ یہ انسان کی بنیادی

عمر، رتبہ میں سے ہے دنیا میں شاید ہی کوئی ایسا آدمی ہوگا جس کو کبھی خط لکھنے یا لکھوانے کی ضرورت پیش نہ آئی ہو ـــــ خط سے بڑھ کر کوئی مکالمہ جمہوری یا جمہوری طور پر اجتماعی نہیں ہو سکتا۔ اس اعتبار سے کہ وسعتوں کا یہ عالم ہے کہ یہ محض ایک عام کاروباری پیغامی تحریر سے لے کر ادب عالیہ کے رتبے تک پہنچ سکتا ہے یہ عام بھی ہے اور خاص بھی یہ ایک ایسی چیز ہے جو ہر شخص کی دسترس کے اندر ہے مگر انتہائی خاص بھی ہے کہ ؎

میان عاشق و معشوق رمزیست
کراماً کاتبین را ہم خبر نیست

عام طور سے یہ کہا جاتا ہے کہ کسی انسان کی گفتگو اس کی شائستگی کی علامت ہوتی ہے اور یہ سچ بھی ہے مگر اس سے بھی بڑی علامت کسی کی شائستگی اور تہذیب کی یہ ہے کہ اس کو خط نگاری کا سلیقہ کہاں تک ہے ـــــ جان لاک نے مسئلہ تعلیم سے بحث کرتے ہوئے اسی خیال کا اظہار قدرے وضاحت کے ساتھ یوں کیا ہے [1]

> When they understand how to write English with due connection propriety and order, and are pretty well masters of a tolerable narrative style, they may be advanced to writing of letters.
> The writing of letters has so much to do in all the occurrences of human life, that no gentleman can avoid showing himself in this kind of writing.

آگے چل کر جان لاک نے گفتگو کے مقابلے میں خط کی مشکلات کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ گفتگو میں آواز، لہجہ، چشم و ابرو کی حرکات، اور مشابہ کے دوسرے وسائل متکلم سخن کی خامیوں کو چھپا دیتے ہیں اور بعض اوقات بے کار بات بھی اثر کر جاتی ہے ـــ خطوط خارجی وسائل سے محروم ہوتا ہے مگر جو شخص اس کے باوجود خط کو موثر اور بلیغ بنا سکتا ہے وہ درحقیقت ایک شائستہ اور تربیت یافتہ انسان ہی ہو سکتا ہے۔

خطوط کتابت کی بیسیوں اقسام ہیں مثلاً سیاسی۔ دفتری۔ تجارتی۔ کاروباری۔ عام معمولی اطلاعاتی علمی اور معلوماتی شخصی۔ جذباتی۔ خیالی وغیرہ وغیرہ ـــــ مگر موجودہ مضمون میں سہولت و وضاحت کے نقطۂ نظر سے ان کو صرف دو اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے

(۱) کچھ جن کا تعلق ذات سے ہے۔ یہ پرائیویٹ حیثیت سے لکھے جاتے ہیں اور افشائے عام کے لئے نہیں ہوتے۔
(۲) دوسرے وہ جو چھپ ہو سکتے ہیں ـــــ ہر خانگی طور پر ایک شخصی اور نجی چیز ہے (ماسوا اس صورت کے کہ

---

1. Four centuries of letters - by W. B. Scoones viii

کوئی شخص پبلک کو خط کے ذریعے خطاب کرے) اس لئے اصولاً اس کا افادہ نہایت محدود ہوتا ہے ـــــ مگر عملاً خطوط جب منظر عام پر آکر مطالعہ کی چیز بن جاتے ہیں تو ادب اور علم کا قیمتی ذخیرہ بن جاتے ہیں۔

خطوں کی سب اقسام اپنی جگہ نفع بخش اور مفید ہیں۔ خطوں سے علمی اور معلوماتی فائدے بھی ہو سکتے ہیں مگر پرانے خطوں کی اہمیت کی ایک بڑی بنیاد وہ تاریخی اور سوانحی مواد ہے جو خطوں کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ بعض اوقات خطوط فن اور ادب کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں۔ ہاں اپنی جگہ ہر خط مہذب ہوتا ہے مگر ادبی و علمی مطالعہ کی حیثیت سے خطوط کی اہمیت کچھ اس چیز پر بھی ہے کہ ان کا کاتب کون ہے اور مکتوب الیہ کون ـــــ؟ اس لحاظ سے خط کا فن ایک شخصی فن ہونے کے علاوہ شخصیتوں کا فن بھی بن جاتا ہے ـــــ عام طور سے ان خطوں میں زیادہ دلچسپی لی جاتی ہے جن کے طرفین کی شخصیتیں کسی نہ کسی وجہ سے جاذب توجہ ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ خطوط کے جو مجموعے بھی محفوظ رہے ہیں یا رکھے گئے ہیں وہ عام طور سے وہی ہیں جن کا تعلق جاذب توجہ شخصیتوں سے ہے۔ یہ مجموعے تاریخ شخصیات نگاری اور سوانح نگاری کے لئے بیش بہا مواد کا ذخیرہ رکھتے ہیں۔

اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالنا چاہیئے کہ ہر بڑا آدمی (خواہ ادب سے متعلق ہو یا کسی دوسرے شعبۂ زندگی سے) لازماً اچھا خط نگار بھی ہو سکتا ہے ـــــ خط نگاری تو بذات خود ایک بڑا فن ہے اور اس میں کامیاب وہی شخص ہو سکتا ہے جو قدرت کی طرف سے اس فن کا فیضان لے کر آیا ہے۔ خط نگار کا ایک خاص مزاج ہوتا ہے اس کے علاوہ اچھی خط نگاری ایک خاص شخصی ماحول پر بھی موقوف ہے۔ خط نگاری کے فن کی ایک عجیب خصوصیت یہ ہے کہ یہ سب سے آسان فن ہے جو ہر اس شخص کے لئے سہل الحصول ہے جو اس کا قصد کرے ـــــ مگر تعجب انگیز بات یہ ہے کہ یہی آسان ترین فن نازک ترین فن بھی ہے۔ کیونکہ اس میں فنی نزاکتوں کی نمود کچھ اس طرح کی مشکل شے ہے جیسے کوئی شے عدم سے وجود حاصل کرتی ہے ـــــ عدم سے وجود اس لئے کہ خط نگاری ادب کے دوسرے شعبوں کے برعکس اصلاً ادب نہیں بلکہ محض ایک میکانکی اور افادی عمل ہے۔ خط نگاری خود ادب نہیں مگر جب اس کو خاص ماحول، خاص مزاج، خاص استعداد، ایک خاص آن، خاص گھڑی اور خاص ساعت میسر آجائے تو یہ ادب بن سکتی ہے ـــــ مگر خط کو ادب بنانے کا کام بہت مشکل ہے۔ یہ شیشہ گری ہے، شیشہ گری ـــــ اور پھر آئینہ ساز ہو کر بھی کم ہی لوگ ایسے ہوں گے جو سچ مچ ایسا آئینہ ڈھال سکتے ہوں گے جس کے جلوے خود تقاضائے نگاہ بن جائیں گے اور پھر نظارہ اپنے جوہری ہر ادا پر یکبارگی قربان جاویں ؎

جلوہ از بس کہ تقاضائے نگہ کرتا ہے
جوہر آئینہ بھی چاہے ہے مژگاں ہونا

غرض یہ کہ خط نگاری اصلاً فن لطیف نہ سہی ہو سب بھی لیکن اوقات لطیف بلکہ "لطیف ترین" فن کے درجہ اعلیٰ تک پہنچ جاتی ہے ـــــ اس لحاظ سے خط نگاری کے فن پر نظر ڈالی جائے تو اچھی اور باذوق خط نگاری کی کچھ خاص شرائط سامنے آتی ہیں۔

ایک نہایت ہی اہم بات خط نگاری کے سلسلے میں یہ ہے کہ ہر اچھے خط کو وہ مقصد ضرور پورا کرنا چاہیئے جو اس کے لئے

اصلاً محرک ہوا ہے یعنی پیغام کے مطالب کا علمی ابلاغ جس کا مطلب یہ ہے کہ خط نگار جو کہنا چاہتا ہے وہ تو بہرحال ایسے انداز میں کہے کہ مکتوب نگار کو پیغام کی جزئیات کا قطعی علم ہو جائے۔ اس لحاظ سے ہر خط کی اولین صفت اس کی قطعیت ہے ——— اس کے علاوہ جتنی شرطیں ہیں وہ عام نہیں خاص ہیں اور خط نگار کی شخصیت اس کی ضرورت اور زمانے کے مذاق کے مطابق بدلتی رہتی ہیں اور ان کے لئے صحیح معنوں میں کوئی شرط عاید نہیں کی جا سکتی۔ زبان کے حسن کا کوئی بندھا اصول یا معیار مقرر ہو سکتا ہے البتہ ایک خاص معیار ایسا ہے جس کو بمنزلہ اصول کے سمجھا جا سکتا ہے اور وہ ہے خط کی دلچسپی جو کسی خط کو ابلاغ مطالب اور ابلاغ پیغام کے علاوہ بھی زندہ رکھ سکے اور مطالب کی زمانی اور مکانی حد ختم ہو جانے کے بعد بھی کسی پڑھنے والے کے لئے مسرت انگیز ثابت ہو سکے ——— کون سا خط دلچسپ ہوتا ہے اور کون سا غیر دلچسپ یہ بھی ایک اضافی سی بات ہے مگر یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ جن خطوں کی انشائی یا اسٹائل اپیل کامیاب ہوگی وہ خط زیادہ مقبول اور مستقل طور پر دلچسپ ہوں گے ——— اسی طرح جن خطوں میں شخصی عنصر کو استعمال کچھ ایسے انداز میں ہوا ہے کہ شخصی ہونے کے باوجود اس کی حیثیت وسیع معنوں میں انسانی ہو گئی ہے ان خطوں کی دلچسپی اور دیرپا مقبولیت میں کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا ——— ! جب تک کسی خط میں شخصیت کی ترسیع کی یہ صورت نہیں ہوگی اس کو بآسانی ٹھکرایا جا سکتا ہے۔

کوئی معترض یہ کہے اس خیال پر فوراً یہ نکتہ چینی کر سکتا ہے کہ ہر خط (سوائے پبلک مراسلات کے) نجی ہوتا ہے اس لئے کہ نجی چیز سے یہ توقع ہی کیوں رکھی جائے کہ اس کی اپیل اجتماعی بن کر "شرکت و فیرے" کے جبری نفاذ کے زد میں آ جائے ——— پھر یہ بھی کہ خط تو ایسے بھی ہو سکتے ہیں جن کے سرنامے پر جلی عنوان سے یہ لکھ دیا جاتا ہے "یہ صرف آپ کی نگاہ کے لئے ہے۔ ستاروں تک کی نظر بھی اس پر نہ پڑے ——— اخفا کی یہ حد اور انتساب کا یہ انداز۔ اس میں بھلا کب کسی سوشل اپیل کی گنجائش باقی رہتی ہے؟ معترض یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ یہ تو خالص ذاتی آواز ہے اس میں معمولی حد سے باہر گونج بننے کی صلاحیت ہی نہیں ہوتی ورنہ رسوائی اور اندیشہ ہائے گوناگوں کو جو دنیائے عاشقی میں عام اور مسلّم ہیں ——— جن میں مازہ داری، ایمان محبت کے آداب اوّلین میں سے ہے ورنہ غالبؔ کی اطلاع کے مطابق نامہ بروں کی فہرست میں ہی نام درج ہو رہتا ہے۔ ؎

غیر پھرتا ہے لئے یوں ترے خط کو کہ اگر
کوئی پوچھے کہ یہ کیا ہے تو چھپائے نہ بنے

معترض کا یہ اندیشہ بظاہر درست معلوم ہوتا ہے مگر اتنا ہی طور پر کیا ہم بھی یہ پوچھ سکتے ہیں کہ صاحب، اگر کسی کے خط محض نجی ہیں اور ان کو شخصی آواز ہو کر ختم ہو جانا چاہیئے تو پھر کسی دوسرے کو اس طومار خشک میں سر کھپانے اور اس پر آنکھوں کے تیل کو جلانے کی کار صالح کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ یعنی ایک نے لکھا، دوسرے نے پڑھ کر مقصد کی بات پالی۔ چلو چھٹی کو یا ایک گھنٹے یا ایک دن کے لئے یا پھر ایک مدت العمر تک کے لئے اس کی چمک باقی رہی۔ پھر معدوم و مفقود! کسی دوسرے انسان کو بعد میں یا ان کے زمانے میں ان کی طرف توجہ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ خیر یہ تو الزامی جواب ہوا۔ مگر اس کا ایک معقول اور تشفی بخش جواب بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ خط "روئیت" تک محدود ہونے کے باوجود ایک ایسے جذبے سے ابھرتا ہے

جو وسیع معنوں میں ایک وسیع تر انسانی جذبہ ہے ـــــ اسی لئے خط کا نام جب زبان پر آتا ہے تو ایک پراسرار قسم کی جستجو، پر لطف سی گدگدی طبیعت میں پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ خط کے مطالعہ سے مسرور یا متاثر ہونے کا جذبہ ہر انسان کے لئے اس لئے دوسروں کے خطوط پڑھ کر ایک حد تک انسان اپنے ہی تجربات کا اعادہ کر رہا ہوتا ہے پھر جب وہ انسانی مزاج اور نگار تاثرات کی طلسم انگیز دلفگاریوں کو دیکھتا ہے تو کسی ادب پارے کی طرح خطوط سے بھی عام انسانی دلچسپیوں کے ہم خیال انگیز مسرت نصیب ہوتی ہے۔ یہ بھی کہ خطوں میں خالص سچائی اور صداقت کی توقع ہوتی ہے۔ ڈر، خوف، شہرت، نمائش اور اس قسم کی دوسری رکاوٹیں اس کی راہ میں حائل نہیں ہوتیں اس "برہنہ صداقت" کے تجربے سے ایک خاص کیفیت ہے اس کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ خط کی بنیاد ہی ضرورت یا بنیادی جذبہ ہم کلامی کی نمائندگی ہے ـــــ وہ خط جن کا مخاطب کوئی بھی نہیں ہوتا ـــــ وہ بھی صورت اور سمت کے اعتبار سے ہم کلامی کی آرزو ہی سے پیدا ہوتے ہیں۔ ایسی ہم کلامی کا جذبہ کو وجود میں لاتا ہے۔ خط بہرحال شاعری کی طرح کلامی سے مختلف شے ہے ـــــ زندان احمد نگر کی تنہائیوں میں جب ابوالکلام آزاد کسی سے کلام کرنے کی آرزو لئے تو انہوں نے وہ خط لکھے جو ہر چند خود کلامی ہی کی ایک صورت ہے مگر خط ہونے کی وجہ سے کسی دوسرے نام منسوب ہوتے ـــــ قصہ مختصر ـــــ خط بنیادی طور پر دو انسانوں کے وجود کا طالب ہے پھر اس میں "غیبت" یا اور ایسا تحیر انگیز ماحول بھی شامل ہو جاتا ہے جو ادب میں موجود نہیں ہوتا۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو اس میں سوشل اپیل ہے نہیں بھی ـــــ! اگر خط نگار کو مناسب فضا مل جائے تو خطوط ایک عجیب و غریب پر مسرت اجتماعی نظام یا "ادارہ" بن سکتے ہیں خط نگاروں میں اس فضا کے پیدا کرنے اور باقی رکھنے کی استعداد زیادہ ہوتی ہے ان کے خطوط وسیع تر مطالعہ کے وقت زیادہ اور پر تاثیر بن جاتے ہیں۔

ایک پرانا مقولہ ہے "المکتوب نصف الملاقات" یہ ایک لحاظ سے درست ہے مگر مجھے اکثر محسوس ہوا ہے کہ اس منصب کی قدر سے تنقیص ہوتی ہے کیونکہ محض کاروباری مفہوم سے قطع نظر ایک مادی ضرورت کی حد تک بھی خط محض نصف نہیں ہوتے بلکہ ایک معنی میں پوری ملاقات ہوتے ہیں۔ بعض اوقات تو یہ ملاقات ظاہری ملاقات سے بھی زیادہ دلچسپ ہو جاتی ہے۔ اس سے کہیں زیادہ بلیغ اس سے زیادہ رسا۔ خوشگوار اور مسرت بخش پھر صورت "نصف ملاقات" تو ایک کاروباری تخیل ہے ـــــ ملاقاتیں بعض اوقات تلخ اور ناکام ثابت ہوتی ہیں۔ لہٰذا اس قسم کی ملاقات کی کوتاہیوں سے بچنے کے خط کی ملاقات کا سہارا ڈھونڈا جاتا ہے ـــــ زندگی میں بارہا ایسی صورتیں پیش آتی ہیں جن میں روزانہ اور ہر وقت کے باوجود بھی حقیقی مسرت اس غائبانہ ملاقات ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ جس کا موقع خط ہم پہنچاتا ہے۔ بنابریں میں خط کو ملاقات قرار دیتے میں متامل ہوں، اور اس کو ملاقات کی ایک ارفع صورت قرار دیتا ہوں جس میں جسمانی اور مادی وسیلے بالکل ہو جاتے ہیں ـــــ اور روحوں کی روحوں سے ملاقات ہوتی ہے ـــــ انسانی شعور کی یہ ایسی معراج ہے جس کی لطیف سیر صرف روحوں ہی کے لئے ممکن ہے۔ اجسام کا واسطہ برائے نام ہی رہ جاتا ہے۔

بایں ہمہ خط ملاقات ہی کا نمائندہ ہوتا ہے جو بزبان بے زبانی ان سب جذبات لطیف اور واردات نازک

کرتا ہے جو ملاقات سے وابستہ ہوتے ہیں اور عجیب بات یہ ہے کہ خط میں "رویت" کے باوجود کامل تخلیہ موجود ہوتا ہے چونکہ خط صرفاً باہم بات چیت کا بدل ہوتے ہیں اس لئے ان میں اچھی گفتگو کے ضروری صفات ضرور ہونے چاہئیں۔ گفتگو سے میری مراد مکالمہ یعنی ڈرامہ کے دو کرداروں کی بات چیت نہیں محض گفتگو اور بول چال کے انداز بھی کافی ہیں۔ یہ جو غالب کے یہاں (جن کو میں دنیا کے سب سے اونچے خط نگاروں میں سے سمجھتا ہوں) دو کرداروں کا مکالمہ ہے۔ یہ غالب کی مکتوب نگاری کا صرف ایک پہلو ہے ـــــ اور وہ بھی ایسا نہیں جس پر ان کی مکتوب نگاری کے حسن کی اساس قائم ہو ـــــ یہ تو محض ان کی طبع تنوع پسند کا ایک کرشمہ ہے ـــــ یہ خط تو ـــ

خوبی ہمیں کرشمہ و ناز و خرام ہیست
بیمار شیوہ ہاست بتاں را کہ نام نیست

غرض اچھے خط کے لئے رسمی مکالمہ ضروری نہیں صرف بول چال کی سی بے تکلفی مطلوب ہے ـــــ غالب نے مکالمہ والے خطوں میں اپنے مکتوب الیہ کو اپنے سامنے موجود فرض کیا ہے مگر ایک خاص حد سے زیادہ یہ مکالماتی انداز تکلف اور تصنع میں بدل جاتا ہے۔ خط کی نچلی سطح میں یہ احساس ضرور موجود رہنا چاہیئے کہ باہم جسمانی فاصلہ موجود ہے کیونکہ انسانی روح جس قدر قربت کی متمنی ہے اسی قدر اس کو فرقت اور مسافت میں بھی خیال انگیز مگر ذرا ذرا سا آمیزہ لطف ملتا ہے ـــ مکالمہ کی غیر معمولی صورت سے جہاں ایک ڈرامائی جذبہ کا لطف پیدا ہوتا ہے۔ وہاں احساس دوری کا فقدان لطف سے محروم بھی کر سکتا ہے خط کی خیالی فضا میں قدرے بعد کا احساس ہونا چاہیئے۔ یعنی دل سے نزدیک ہونے کے باوجود دوری! ـــ

باوجودیکہ دل سے ہے نزدیک
غم دوری چلے ہیں ہم سے سہنے

دل سے نزدیک۔ پھر بھی دور آنکھوں سے دور پھر بھی نزدیک! یہ خط کی اصل فضا ہے اس میں حد سے متجاوز عملی مکالمہ ہو تو تصنع کی فضا پیدا ہو جاتی ہے۔

میں نے گزشتہ سطور میں خط کو ملاقات کی ارفع صورت قرار دیا ہے ـــــ مگر یاد رہے کہ یہ ہے پھر بھی ملاقات ـــــ کوئی خط مکمل طور پر حسین بھی بنتا ہے جب اس میں ملاقات کی جملہ صفات اور اس کے جملہ اثرات موجود ہوں ورنہ ممکن بلکہ یقینی ہے کہ نصف الملاقات تو کیا خط ازل الملاقات کے درجے سے بھی گر جائے ـــــ اس سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ خط مکتوب نگار کی شخصیت کا آئینہ دار ہو۔ کوئی خط دل کے سچے جذبات کو نہیں ابھار سکتا اگر اس میں مکتوب نگار کی متحرک تصویر متشکل نہ ہو گی۔ خصوصاً اگر السانی شبیہہ کے سب سے بڑے ترجمان چشم و ابرو اس میں برائے العین نظر نہ آئیں گے۔ اس آخری صورت میں صرف مجرمی نوشتوں کی طرح لمبے چوڑے جذبات اور سراپا لفظی بھاوات کی صورت اختیار کریں گے اور یہ نکتہ مکتوب نگاری کے اسرار و رموز کے شناسا مرزا غالب کی نظر میں بھی تھا۔ تبھی تو انہوں نے اپنے محبوب کو اپنے مکتوب کے ساتھ اپنی آنکھ کی تصویر بھی بھیجی تھی تاکہ مکتوب الیہ کاتب خط کی پوری شخصیت کا عکس اس آنکھ کے آئینے میں عملاً دیکھ سکے۔ مندرجہ ذیل شعر میں یہ حقیقت بڑے دلکش

انداز میں بیان ہوئی ہے ؎

آنکھ کی تصویر سرنامے پہ کھینچی ہے کہ تا
اس پہ کھل جائے کہ اس کو حسرتِ دیدار ہے

مگر یاد رہے کہ آنکھ کی تصویر بھیج کر غالب نے قدرے اضطراب کا اظہار کیا ہے مدعا حاصل نامہ خط اس کا محرومت مند نہیں ہوتا ـــــ خط کے حروف و اشکال اور الفاظ و عبارات خود ہی کاتب کی شبیہہ کی قائم مقامی کر سکتی ہیں۔ شا کے کسی تاثر کے ماتحت کسی نے یہ شعر کہا ہوگا ؎

ہائے رے حسرتِ دیدار کہ اس جاتے کو بھی
لکھتے ہیں ہاتھ دو چشمی سے کتابت دے

ہر حسین خط کاتب خط کی پوری شخصیت کا ترجمان ہوتا ہے۔ تھی تو وہ بے ربانی کے باوجود ـــــ اور ظاہری ا سے بہت دور رہ کر بھی احسن الملاقات کا درجہ حاصل کر پاتا ہے۔ ر نہ پہاڑ کی گونج کی طرح محض خوف اور سراسیمگی یا ابہام و اہمال بے اثر ہو جائے گا اور ملاقات کی جذباتی تاثیر پیدا کرنے سے قاصر رہے گا۔

اچھے خطوں کے سلسلے میں بڑی بنیادی چیز ان کی لطافت ہے دنیا میں جتنے بھی بڑے بڑے خط نگار گزرے ہیں (جن نے نثر فن کا مرتبہ حاصل کیا ہے) ان کے خطوں کے مطالعہ و عائز سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی رنگینی کا بہت بڑا سبب یہ میں ثقل اور بوجھ مطلقاً مرجو نہیں ـــــ یہاں ثقل لفظی بھی مراد ہے۔ مگر زیادہ زور معنی و مدعا کے ثقل پر ہے ـــــ خط کا مد ہو۔ غم و الم یا خوشی۔ شکوہ و شکایت۔ تمنائے وصل یا شکوۂ ہجر ـــــ یہاں تک کہ ضروریات زندگی کے مادی پہلوؤں کی بات بھی اچھے خط نگاروں کے یہاں کچھ ایسے لطیف انداز میں بیان ہوتی ہے کہ ابتذال مدعا کے بعد ایک لطیف کیفیت زائد ہو جاتی ہے اور یہ کمال لہجے کا بھی ہے اور انداز طبیعت کا بھی مگر اس میں شخصیت کے رچاؤ۔ مزاج کی پختگی اور انداز حیات کے رنگ کو بھی دخل نہیں۔

اس لحاظ سے جو شے خط کی لطافت کو سخت نقصان پہنچاتی ہے وہ ہے جذباتیت کا اظہار ـــــ اسی وجہ خط نگاروں کے حاشقانہ خطوں نے فنی رتبہ حاصل نہیں کر پائے۔ شبلی کسی پر عاشق تھے یا نہ تھے مگر یہ تسلیم ہے کہ ان کے و خطوط شبلی نہیں میں عاشقانہ خطوں ہی اور قدرے جذباتی بھی ہیں۔ مگر ان کے لہجے اور ان کی شخصیت کے بھرپور رس نے بڑا رچیلا بنا دیا ہے سبب یہ کہ شبلی تھا میں توازن اور لطافت کے اصول سے اچھی طرح باخبر ہیں وہ غالب کی طرح ہجر میں مزے لینے کی استعداد سے بھی بہرہ مند ہیں۔ شبلی ان شدید جذباتی ہچکولوں سے اکثر بچے ہیں جن کے جھٹکے بعض اوقا لطافت کو زیر و زبر کر دیتے ہیں۔ اچھے عاشقانہ خطوں وہ ہوتے ہیں جن میں جذباتیت اور ہیجان کے جھٹکے نہ ہوں۔ مگر یہ چیز ہے جو لوگ جذبات پرست ہیں وہ سخت ریاضت کے بغیر اس لطافت کو نہیں پہنچ سکتے جو اچھی خط نگاری کی معرا کسیتی بہت بڑا شاعر ہے اس نے جو خانگی برادن کو لکھے تھے وہ شورش انگیز ہونے کے باوجود معیاری

ے سوانح نگاروں نے ان خطوں کی تعریف بھی کی ہے مگر یہ رائے تامل کے بعد ہی تسلیم کرنے کے قابل ہے ان کے سوانح نگاروں کی رائے سے یہ تعریف دو وجہ سے ہے ایک تو اس لئے کہ یہ کنٹس کے خط ہیں دوسرے اس وجہ سے کہ کنٹس کی پرشور جذباتی طبیعت پر یہ خط بہت روشنی ڈالتے ہیں اس کے سوانح اور اس کی نفسیات کو سمجھنے میں بہت مدد دیتے ہیں ـــــ اگر یہ صحیح ہے تو ان خطوں کی یہ تعریف ان کے حسن کی وجہ سے نہیں ہوئی بلکہ ان کے سوانحی افادے کے سبب سے ہے۔ اگر محض عاشقانہ فریاد ہی کسی خط کے عمدہ ہونے کی علامت ہے تو پھر ہر عاشق نامہ خط ایک صحیفۂ فائقہ بن سکنے کا مستحق ہو سکتا ہے۔

یہی حال انشائی خطوں کا ہے ـــ بعض انشاؤں کے خط واقعی معیاری ہوتے ہیں مگر انشائہ نگار نفسی کرائف کا غواص اور تناسبات کا کامل ہو کر بھی انشائہ نگار ہی رہتا ہے اور لہٰذا کم خطوں میں وہ قائم مقام ہی رہتا ہے اصل خط نگار تو نہیں بن جاتا۔ ان خطوں میں جذبات کی قائم مقامی کا میاب بھی ہو تب بھی سچی شخصی خط نگاری کا بدل نہیں بن سکتی۔ ایسی خط نگاری میں قدرے غیر قدرتی پن ضرور در آتا ہے رشحی عبدالغفار کے "لیلیٰ کے خطوط" اپنی رومانی جذباتی چاشنی کے باوجود اور سب کچھ ہو سکتے ہیں کامیاب خط نہیں کہے جا سکتے۔

خطوں کے متعلق پروفیسر رشید احمد صدیقی کی طرف یہ قول منسوب کیا جاتا ہے کہ بہترین خطوط وہ ہوتے ہیں جو پڑھ کر پھاڑ دیئے جاتے ہیں ـــــ میں نہیں کہہ سکتا کہ سچ مچ آستاذ رشید نے پڑھ کر پھاڑ دیے کو کن وجوہ سے اہمیت دی ہے ـــــ مگر میں دعا جانتا ہوں کہ کسی حسین خط کو پھاڑ کر پھینک دینے کی ہمت ہی کب ہو سکتی ہے ـــــ جو خط پڑھ کر پھاڑ دیئے جاتے ہیں وہ شاید ہوتے ہی اس قابل ہے کہ پڑھ کر (یا بعض اوقات بغیر پڑھے ہی) پھاڑ کر پھینک دیئے جائیں ـــــ فن جس خط کو اصلی قرار دیتا ہے وہ تہذیب نفس اور حسن کلام کا غیر معمولی کامیزہ ہوتا ہے۔ اس میں سلیقہ اور شائستگی (نفاست طبع اور لطافت قلم) کا ایسا حسین امتزاج ہوتا ہے کہ کوئی بے درد ہی اس کو پھاڑنے کی جرأت کر سکے گا ـــــ خط ہی پھاڑے جانے کے قابل ہوتے ہیں۔ جو میں ہیجان و طغیان جذبات کا اظہار ہوا ہو اس میں شوق کی بلند مالی یا بے نیازی کا جو تقاضا ہوگا وہ اپنی جگہ درست مگر شوق کے یہ غیر تمیز انداز اصلی خطوں کے معیار کو متزلزل کر دیتے ہیں۔ اسی سبب سے اکثر عاشقانہ مکاتیب ناکام رہتے ہیں اور ان میں ادبیت کا رنگ نکھرنے نہیں پاتا۔

مقصود یہ کہ محض عاشقانہ جذبات کے اظہار سے کوئی خط اصلی خط نہیں بن سکتا ـــــ عاشقانہ جذبات کے ساتھ ساتھ لطافت و توازن کی بھی ضرورت ہے عموماً یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ بعض بڑے بڑے ادیب خط نگاری میں ناکام رہے ہیں۔ اس کے بہت سے اسباب ہیں۔ ایک تو یہی کہ اکثر بڑے ادیب اپنے مخصوص فن میں اس درجہ منہمک رہتے ہیں کہ خط نگاری کے معاملے میں "کوتاہ قلم" سے ہوتے ہیں۔ پھر خط نگاری کا میدان بظاہر تنگ ہے ـــــ ان کو اس کے ادبی امکانات بھی کچھ زیادہ نظر نہیں آتے ایک پرزہ کاغذ ـــــ چند سطریں ـــــ اور وہ بھی اصولاً کاروباری سی۔ غرض خط کی ہستی بظاہر اتنی حقیر نظر آتی ہے کہ اس کو اپنی ریاضت و استعداد کا تختۂ مشق بنانے کی کسی اصلی ادیب کو ہمت ہی نہیں ہوتی۔ اس کے علاوہ خط کی کچھ اور خصوصیات بھی ہیں۔ اول تو ایک عام خط اپنی ماہیت کے اعتبار سے ایجاز و اختصار کا متقاضی ہوتا ہے۔ خط ایک مختصر صنف تحریر ہے اور اس کا حسن اس کے اختصار میں نکھرتا ہے۔ لمبا خط لمبی غزل کی طرح بے کیف ہو جاتا ہے خط نگاری میں طول کلام

عیب ہی نہیں تضیع وقت بھی ہے۔ اس لحاظ سے ادیب کے واسطے میں مشکلات کم ہیں مگر خط لکھنے کے لئے مناسب فرصت کی بہرحال ضرورت ہے اور غالب کی سی خط نگاری تو کم فرصت آدمی کر ہی نہیں سکتا اور کامیاب خط نگاری بھی کم فرصت آدمی سے کبھی دل نہیں لگاتی پھر مزاج و طبیعت کا بھی سوال ہے خواہ کسی کا خط دو سطروں پر مشتمل ہی کیوں نہ ہو مگر طبعی طور پر جو شخص خط نگاری کے لئے سازوار نہ ہو نہیں رکھتا یا خط کے فن کو خط کے شوق سے ملا کر اس کے لئے وقت نہیں نکال سکتا اس کے خط لکھے ہوئے نہیں ہوتے "گھسیٹے" ہوتے ہیں ان کو خط نہیں کہا جا سکتا یہ کوئی لیبل ہی ہوگا یا کوئی غالب جو خط کو کاروباری رسید بھی بناتے گا اور شعلۂ فن بھی ـــــ جو شخص بھی خط کو گھسیٹنے کی چیز نہیں بلکہ لکھنے کی چیز سمجھ کر لکھے گا اس کے خط بہار دانش بھی بنے گئے اور گلدستۂ مسرت بھی! غالب نے تو غزل کی طرح خط کو بھی ایک ادبی مشغلہ بنا لیا تھا ـــــ اس کے خط انہیں تقاضوں سے پیدا ہوتے تھے۔ جن سے ان کی غزل پیدا ہوئی۔ غالب نے اپنے نظام زندگی میں خط کو بھی وہی درجہ اور رتبہ دے رکھا تھا جو اس نے اپنی غزل کو دیا ہوا تھا۔ خط نویسی کا یہی شوق تھا۔ جو خارجی محرکات سے آزاد ہو کر ان کے لئے ایک داخلی تجربہ بن گیا تھا اور وہ کہہ اٹھے تھے ؎

خط لکھیں گے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو
ہم تو عاشق ہیں تمہارے نام کے

اور بعض اوقات تو یہ داخلی تجربہ بالکل ایک طوائف بن جاتی تھی مگر خامہ فرسائی کا ذوق ان سے کہے جاتا تھا کہ ہاں اور ـــــ کہ ہاں اور ؎

یہ جانتا ہوں کہ تو اور پاسخ مکتوب
مگر ستم زدہ ہوں ذوق خامہ فرسا کا

خلاصۂ کلام یہ کہ خط بڑا ہی نازک فن ہے یہ کارگری بھی ہے اور آئینہ سازی بھی ـــــ یہ مختصر اور محدود بھی اور وسیع و بے کراں بھی ہے یہ حد سے زیادہ شخصی بھی ہے مگر اس کے باوجود آفاقی اور اجتماعی بھی ـــــ اس میں دانش بھی ہے اور بینش بھی بظاہر کچھ بھی نہیں مگر اس کا ہر ورق بھی دفتر ہے معرفت کردگار اور معرفت انسان دونوں کا ـــــ یہ لکھنے والے کے لئے تو محض عرض سخن ہے۔ مگر پڑھنے والے کے لئے گنجینۂ فن بھی ہو سکتا ہے ـــــ غرض خط ایک جہان راز ہے جس کے رازہائے سربستہ رہیں تو سینوں کو گہرہائے معنی کے دفینے بنا دیں اور آشکار ہو جائیں تو جذب بے کی ساری دنیا مشکب زار بن جائے۔

دنیا بھر کے مجموعہ ہائے خطوط کے مطالعہ سے یہ ثابت ہوا ہے کہ وہی خط دیرپا اور مستقل ادبی اہمیت اختیار کر سکتے ہیں جن میں طبع انسانی کے بیداری ذوق کی تشفی کے وسیع تر سامان موجود ہیں خطوں کی زرد چار باتوں کا نام ہے مگر چونکہ خط کا ہیولیٰ فن اور شخصیت دونوں سے مل کر تیار ہوتا ہے لہٰذا مستقل شہکار بننے کے لئے دانش و بینش کے جوہر کے علاوہ خط میں کچھ وہ چیز بھی ضروری ہے جس کو آرمیت کا رنگ آشنائی کہا جا سکتا ہے تاکہ ہر مطالعہ کرنے والے کو یہ محسوس ہو کہ کسی خط میں کچھ ایسی باتیں بھی ہیں جن سے اسکی روح مانوس اور شناسا ہے ـــــ یہی وہ روحانی آشنائی ہے جو ہر اونچے ادب کو زمان و مکان کی حدود

پیدا کرتی ہے۔ خط میں بھی یہی روحانی آشنائی مطلوب ہے یہ وہی شے ہے جسے انگریزی خطوط کے ایک ایڈیٹر نے Freindliness سے تعبیر کیا ہے [1] یہ رنگ آشنائی دنیا کے بڑے بڑے خط نگاروں کے مکاتیب میں ہر جگہ موجود ہے۔

جیسا کہ پہلے بیان ہوا خط اپنی بے بنیاد غرض و غائت کے اعتبار سے ایک کاروباری چیز ہے یہ ایک مادی ذریعہ ہے ... کا جیسے مثلاً تار یا ٹیلیفون وغیرہ وغیرہ ـــــ مگر ذہن انسانی نے اس کو تہذیب و تکمیل کے اس درجے پر پہنچا دیا ہے غایت خود ایک فن بھی بن گیا ہے بلکہ اپنے خاص اسلوب سے بلند تر اور وسیع تر ہو کر اس کے بہترین حصوں نے بلند ترین ادب میں م حاصل کر لیا ہے ـــــ چنانچہ ادب کی تاریخ میں اعلیٰ خط بھی ادبی شاہکاروں کے پہلو بہ پہلو رکھے گئے ہیں ـــــ مگر اسلامی ب و تمدن نے خط نگاری کو اس سے بھی زیادہ اہمیت دی ہے مسلمانوں نے خط کو شائستگی اور اعلیٰ تر زندگی کے زاویے سے ہے اسلامی تاریخ کے ہر دور میں یہ سمجھا جاتا تھا کہ جو شخص خط کے فن کا ماہر ہے وہ تہذیب کی روح کا حقیقی شناور بھی ہے۔ مسلمان تور بے مقصد نہ تھا اس سے ہمارا حاصل ان کی اجتماعی نفسیات کے بعض دلکش پہلوؤں کی نقاب کشائی ہوتی ہے۔ انہوں نے ...اور سے جو دلچسپی لی ہے وہ ان کے بعض بنیادی ذہنی رجحانات اور اساسی روحانی اقدار کی طرف رہنمائی کرتی ہے مسلمانوں ب اور غیب الغیب سے جو گہری دلچسپی رہی ہے وہ ظاہر ہے کیونکہ یؤمنون بالغیب کا ارشاد قرآنی ان کے لئے نادیدہ روابط ...داری و محکمی کا ایک بڑا سرچشمہ تھا۔ یعنی نہ دیکھنے کے باوجود ایک برتر ہستی کا یقین کامل تھا ان کے اس قلبی روحانی اور ...ن تعلق نے اسلامی فکریات کے اکثر شعبوں کو بے حد متاثر کیا ہے اور اس سے ان کے یہاں بعض خاص افکار و نظریات کی ...تم ہوئی وہ گویا اپنی تربیت اور ذہن کے اعتبار سے کسی غائب از نظر ہستی یا شخص سے رابطہ رکھنے کی داخلی صلاحیت کے مالک تھے ...و کتابت بھی ایک ایسا ہی عمل ہے۔ چنانچہ مسلمانوں کے گزشتہ ادبیات میں خطوط و مکاتیب کے وسیع ذخیرے موجود ہیں اور ان کے ...سل ایک عظیم علم کا درجہ رکھتا ہے جس کے اصول و معانی پر بے شمار کتابیں لکھی گئی ہیں۔ اس موقعہ پر قدیم خط نگاری پر مفصل تبصرہ ...ضرورت ہے مگر چند اہم رسوم و شرائط کا تذکرہ بے محل نہیں ہوگا ـــــ فن میں سب سے پہلے صورت کا سوال آتا ہے پرانی خط نگاری ...دت کے حسن و جمال پر بڑا اصرار کیا جاتا رہا ہے اس کے مختلف اجزا کی خوبصورتی، مناسبت اور دلکشی کے لئے خاص اہتمام جاتے تھے (سادہ اور رنگین خطوں دونوں میں) سب سے پہلے مثلاً سرنامے کی جستجو ہوتی تھی عنوان کی مناسبت اور سرنامے کی ...یت کا بڑا خیال کیا جاتا تھا۔ موجودہ زمانے کے بعض لوگ بعض اوقات پرانے طریقے کے سرناموں کا اشتغاف کرتے ہیں غالباً ...رکا اور بے خیالی میں! لیکن اگر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو مناسب سرنامے کی تلاش کوئی بری بات نہیں اس سے پہلا اثر جو مکتوب الیہ پر ہوتا ہے خط نگاری کے اس اچھے اصول سے بے اعتنائی کا ایک بڑا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ جدید زمانے میں بلکہ بعض اوقات پڑھے لکھے لوگ بھی خط کے آداب سے نہیں جانتے۔ اور عموماً خطوں میں جو شروع قرطاس، ادب و احترام ...ے اور رتبے کا لحاظ نہیں رکھا جاتا سبب اس کا یہ ہے کہ اب لوگ اس تربیت سے محروم ہو گئے ہیں جو پرانے زمانے میں ...

1. The personal Art - Edited by Philip Wayne vii

اور مکاتیب کے لئے ضروری سمجھی جاتی تھی بہرحال القاب، سرنامے اور خطاب کا سوال بڑا اہم سوال ہے۔ جب اسی میں فرق مراتب ملحوظ نہ رہا تو جذبات اور احساسات کے وہ گوناگوں اور لطیف نازک رنگ کس طرح باقی رہ سکتے ہیں۔ جو کسی قاعدہ دان، مہذب اور شائستہ سوسائٹی میں از خود بخود نکھر آتے ہیں۔ اور سچ تو یہ ہے کہ جس معاشرت کی بہار انہی رنگ برنگ پھولوں اور گلوں سے فروزاں ہے یہ صحیح ہے کہ قدیم خط نگاری میں رفتہ رفتہ القاب کی یہ رسم تکلفات لایعنی کے دائرے میں داخل ہو گئی تھی مگر موجودہ بے رنگی اور فرق مراتب سے بے نیازی کی بعض اوقات کی خلقی اور درشتی تک جا پہنچی ہے ـــــ میرے نزدیک یہ چیز یا تو تہذیبی مزاج کے بگاڑ کا نتیجہ ہے یا استعداد و لیاقت کی کمی کا ـــــ صورت جو بھی ہے بے رنگی معنوان مکتوب نگار کی ذہنی ابتری اور نفسی خلفشار کا ثبوت پیش کرتی ہے۔

فرض خطوں میں خاص اسالیب اور موزوں القاب و آداب و تخاطب و کلام کی مختلف صورتوں کا لحاظ ہی خط کو برقی پیغام یا ٹیلیفون کی چہتانی گفتگو سے فائق تر اور ممتاز تر بناتا ہے۔ ان آداب و رسوم سے خط کے وقار اور حسن میں اضافہ ہوتا ہے بلکہ ان میں سادگی اور خلوص کو برتا جاتے محض کاروباری سا انداز کچ خلقی کے علاوہ خط کو اس کی سپرٹ سے بھی محروم کر دیتا ہے جو کاتب خط کا روح رواں ہے۔

مشرقی خط نگاری کی تاریخ میں جس صورت کے لئے کیا کیا کچھ اہتمام کئے جاتے تھے اس کی سرگزشت بہت طویل ہے۔ یہ سرگزشت بھی دراصل تہذیب کے مختلف ادوار کی تمدنی مزاج کی تفصیل سے وابستہ ہے ـــــ بلکہ خطوط کے مختلف انواع و اقسام میں عجیب عجیب تبدیلیاں رونما ہوتی نظر آتی ہیں اور یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ابتداً خط نگاری میں سادگی، ایجاز و اختصار، مدعا نگاری خلوص اور مناسبت و موزونیت کے اوصاف کو خاص اہمیت دی جاتی تھی مگر تہذیب میں تکلف کا رنگ جتنا چڑھتا گیا اسی قدر خطوں میں بھی تکلف اور رنگینی کا عنصر زیادہ ہوتا گیا۔ طویل سرنامے۔ لمبے القاب و آداب طرز تخاطب میں بناوٹ اور تصنع اور "دفتریت" کے انداز کا بیان ہوتے گئے ـــــ جن کا خاکہ اس اسلوب پر رہا جس کو غالب نے "محمد شاہی روشوں" کا نام دیا ہے یہ روش دراصل محمد شاہ کے زمانے تک محدود نہیں بلکہ اس کا سلسلہ عربی ادب کے "دورِ مصنوعیت" سے جا ملتا ہے جس کے اثر میں کم و بیش سارا ہی فارسی انشائی ادب مدتوں ڈوبا رہا ـــــ مصنوعیت کا ایک سبب دفتریت کا غلبہ تھا جس نے خط نگاری کو بری طرح مسخ اور مجروح کیا اور اس کو بے جا تکلف کے راستوں پر ڈال دیا ـــــ گویا عام خط نگاری بھی "رسائل" (دفتری انشا) کی غلام ہو کر رہ گئی ـــــ خط ایک نجی شخصی و کاروباری چیز نہ رہی بلکہ رنگین نثر کی ایک شاخ بن گئی۔

ہندوستان کے فارسی ادب میں ترسل کا اولین ممتاز ہدایت نامہ "اعجاز خسروی" ہے۔ یہ بھی سادگی سے زیادہ تکلف اور رنگینی ہی کی تحریک کرتا ہے ـــــ کلام میں (بشمول خط) رنگینی کو بڑی اہمیت دیتا ہے ـــــ اور کہتا ہے کہ رنگینی کا ذائقہ ترکوں کو خاص طور سے عطا ہوا ہے مگر یہ رنگینی بھی ایک خاص مرحلے کے بعد ضائع رائج کی رنگینیوں میں ڈوب جاتی ہے ـــــ خسرو کے بعد فن انشا کے اکثر ماہر اسی رنگینی سے متاثر رہے البتہ ابوالفضل نے خط نگاری کو ایک نئے انداز سے آشنا کیا جس کو رنگین تو نہیں کہا جا سکتا۔ مگر اس کو دقیق اور پیچیدہ ضرور کہا جا سکتا ہے اور ہر چند کے اس کے نجی خطوط جو اس کی انشا کے

دوسرے دفتر میں ہیں سرکاری، دفتری حلقوں سے سہل تر ہیں مگر ان کے رنگ ہوئے میں شک نہیں ان میں گہرا انفرادی رنگ پایا جاتا ہے لیکن میں بناوٹ بالکل مرجود نہیں وہ ابوالفضل کی عظیم شخصیت کے قدموں سے نکلے ہیں۔ اور شخصی جزئیات و معاملات کا کثیر عنصر ان میں پایا جاتا ہے اسی لئے ابوالفضل کے خطوط ادب العالیہ میں شمار کئے جاسکتے ہیں۔ فارسی میں اور بھی بڑے بڑے انشاپرداز نامکار ہوگذرے ہیں مگر یہ مضمون چونکہ اردو خطوط نگاری سے متعلق ہے اس لئے اس میں ان سب کے ذکر کرنے اور منتخب کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ــــ سرسری طور پر البتہ اورنگ زیب عالمگیر اور چندر بھان برہمن کا تذکرہ بے عمل نہ ہوگا جن کا تعلق ہندوستان کی خطوط نگاری سے ہے ان دونوں مکتوب نگاروں کی خط نگاری کا امتیاز خاص یہ ہے کہ ان میں سادگی، سلاست اور مدعا نگاری کا عنصر بھی ہے اور ان میں مکتوب نگار کی شخصیت کا انفرادی رنگ بھی پایا جاتا ہے خصوصاً اورنگ زیب کے خطوط تو ادب میں بدیں وجہ خاص مقام رکھتے ہیں کہ ان میں مدعا نویسی کے باوجود ادبی شان اور بلاغت کا کمال پایا جاتا ہے۔ برہمن کے خطوں کی بات یہ ہے کہ تکلف اور رنگینی کے رواج عام کے باوجود اس نے خطوں میں سادگی اور مدعا نگاری کو مقدم رکھا اس کے علاوہ اس کی انشا میں معصوم، نرم و ملائم اور نہذیب یافتہ لہجے کی جاشنی ہے ــــ خط کے فن پر اس کو خاص قدرت معلوم ہوتی ہے۔

انیسویں صدی کے وسط میں جب فارسی کی کاروباری حیثیت کو زوال ہوا اور اردو نے اس کی جگہ لے لی تو اردو میں اصلاحت کا رواج زیادہ ہو کر بڑھتا گیا اور اب عام خط و کتابت انگریزی کے علاوہ اردو ہی میں کی جاتی ہے۔

اردو خط نگاری کا اولیں دور فارسی انداز سے متاثر تھا ــــ وہی القاب و آداب، وہی مراسلے، وہی عنوان، وہی متاسیے، وہی رنگ انشا، وہی طرز تکلف، وہی رنگینی مگر انیسویں صدی کے ربع اول میں سادگی کا کچھ کچھ رجحان پیدا ہوا جیسا کچھ سامنے کے خبر سے ظاہر ہوتا ہے ــــ نئی طرز کی ایجاد کا سہرا صحیح معنوں میں غالب کے سر ہے مرزا غالب کے رنگ بھنگ نہوں نے نئے انداز میں خط لکھ کر اردو میں نہ صرف مکتوب نگاری کی طرز کو نکالی بلکہ خود اردو نثر کو بھی ایک بدیع طرز نگارش سے آشنا کیا۔

مرزا غالب کے خطوط اردو خط نگاری کی تاریخ میں منفرد امتیازات کے حامل ہیں۔ ان میں مرزا کا رنگ طبیعت بلکہ اور پرائیویٹ زندگی کے انعکاسات بھی شعاع ریزی کر رہے ہیں ــــ ان سے پہلے خطوں میں خلوت کی زندگی کے اشارات بھی آتے بھی تھے تو چیستان اور معمہ کی زبان میں آتے تھے ــــ اس کے باوجود ایسے خط شاید ہی کبھی محفوظ رکھے گئے ہوں گے جن میں کسی کی نجی زندگی کا کوئی ایسا پہلو آتا ہوگا جو قابل احتفاظ ہو ــــ مرزا غالب نے اس رسم کو ترک کر کے اپنی زندگی ہی اپنے خطوط شائع ہونے دیکھے اور ان میں دلچسپی لی۔ یہ وہ خط تھے جن میں ذاتی معاملات اور عام مطالب کے علاوہ ان کی زندگی کے ہر قسم کے حالات ملتے ہیں یہاں تک کہ ان کی مے نوشی اور عشق بازی کے تذکرے بھی آگئے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ ان میں اس طرح کے اعترافات گناہ نہیں پائے جاتے جس طرح مثلاً ہم مغرب کے بعض لوگوں کے خطوں میں دیکھتے ہیں پھر پردہ داریوں کے اس دور میں اس صداقت کی یہ "بے پردگی" بھی بڑی جرأت کی بات ہے غالب کے اکثر خطوط کاروباری، معاملاتی تحریک سے زیادہ خط نگاری کے ذوق سے لکھے گئے ہیں ــــ ان کے خطوں میں ہم کلامی کی وہ بے تکلفی آرزو موجزن ہے جو کسی طور تشکین نہیں پاتی اور ایسا

رہ گئی بیٹھا غبارِ مسیحا ان سے
عشق بن یہ ادب نہیں آتا

ان کے عام خطوط علمی و تنقیدی موضوعوں پر ہیں مگر جہاں اپنائیت اور شفقت و محبت کا رنگ ہے وہاں بھی قدرے بالادستی کا انداز ہے مگر سچ تو یہ ہے کہ شبلی کی بالادستیاں بھی کچھ بھلی بھلی محسوس ہوتی ہیں ـــــ پھر ان کے خطوں میں خصوصیت زیادہ ہے۔ مکتوب الیہ کے مشاغل خاص باتیں زیادہ ہوتی ہیں اس لئے عمومی انداز میں دوسرے لوگوں کو ان کے مطالعہ سے بنیادی انسانی رغبتوں کی مسرتیں ذرا کم ہی میسر آتی ہیں مگر خطوں کی زمین اتنی مانوس اور شاداب ہوتی ہے کہ سادہ خطوط ایک قطعۂ چمن معلوم ہوتا ہے۔ مخاطب کے ذوقی تقاضے بھی اتنے مدنظر رہتے ہیں کہ خط میں مکتوب الیہ کے لئے تلخی بھی ہو تو بھی اس کے لئے بڑے مزے ہیں ـــــ بعض بزرگوں نے خطوط شبلی کو حساب کر شبلی کی اخلاقی کمزوری کا ثبوت بہم پہنچایا ہے مگر یہ بھول گئے کہ ہر زمانے کا ایک خاص مذاق ہوتا ہے یہ شبلی کی خوش قسمتی تھی کہ ان کو زمانہ اچھا ملا ـــــ کہنے کو موجودہ زمانے کو تو شبلی کی یہ ادا کچھ اور بھی اچھی لگی بالفرض اگر کوئی اور زمانہ ہوتا تو شاید شبلی کے یہ رازیانہ کی وسوائی کا سامان بنتے یا بنا دیتے جاتے ـــــ مگر اس دور میں تو یہ بے نقابیاں اور بے حجابیاں رنگین مزاج شبلی کے قصے کو کچھ اور بھی رنگین بنا گئیں: اور سچ تو یہ ہے کہ یہ خط نہ بھی چھپتے تو بھی شبلی کی جذباتی نفسیات کے راز تو "شعرالعجم" کے انداز بیان سے ہی کھل جاتے ہیں۔ اس لئے "شعرالعجم" کا مصنف اگر خطوط شبلی کا ہیرو بھی نکلا تو چنداں تعجب نہ ہوا ؎

گرچہ تھی طرزِ تغافل پردہ دار رازِ عشق
پر ہم ایسے کھو گئے جاتے ہیں کہ وہ پا جاتے ہے

سرسید کے گروہ میں حالی کے خطوط بھی ان کی سادہ اور متوازن شخصیت کے آئینہ دار ہیں ان کے خطوط میں خوش مذاقی اور بذلہ سنجی کا پر لطف آمیزہ موجود ہے ان میں شخصی اور عائلی رنگ ہے۔ مکتوب الیہ کا لحاظ زیادہ نمایاں ہے۔ حالی کے خط ان کی ذات سے زیادہ ان کے مکتوب الیہ کے حالات اور ذہنی کوائف پر روشنی ڈالتے ہیں۔ صاف بیانی اور قطعیت، سادگی کے ساتھ آمیز ہو کر ان کے خطوط کو معنی دار بنا دیتے ہیں ـــــ بعض فاضل نقادوں نے حالی کے مزاج کی خشکی کا گلہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ ان کے خط پڑھ کر مکتوب الیہ کو اطمینان بخش پیغام تو مل جاتا ہے مگر دل میں جوش پیدا نہیں ہوتا ـــــ لیکن اس سے انکار نہ ہوگا کہ حالی کے خطوں کے مطالعہ سے تہی کشادگی اور وسعت کی ایک فضا ضرور پیدا ہوتی ہے ـــــ ان کے خطوط آدمیوں کی ذاتی مکیت تک محدود نہیں رہتے بلکہ وہ نفع عام و ذوق عام کی چیز بن جاتے ہیں ـــــ حالی کے خطوط اصل سرسید کی طرح محض مقصد کے جذبے پیدا کرتے ہیں، ان میں خالب کی سی آرزو تڑپ ہم کلامی اور شبلی کا سا جوشِ حیات نہیں جس کی تند رغبتوں کے جذبات اور تقاضوں کی آبیاری سے ہوتی ہے حالی کی زندگی ہی ایک ایسی جوئے نرم رو سے مشابہ ہے جس کی موسیقی کی دھنیں فضا نرم اور روح سی رہی ہیں۔ حالی کے مزاج کا تغزل ان کے خطوں میں کم منعکس ہوا ہے۔ ان کے یہاں خود نمائی نہیں ـــــ ان کے خطوط میں حقیقت کی پرخلوص سادہ بیانی ہے ـــــ انہوں نے خط کو نہ فن کا تماشا بنایا ہے نہ سخن کا پردہ یعنی ان کے خطوط نہ فن ہیں نہ

سخن مختصر خط ہیں جو اپنا اصلی فرض (یعنی مدعا کا ابلاغ) نہایت اچھی طرح انجام دیتے ہیں۔ اور اس سے زیادہ حالی کا ان سے کوئی مطالبہ بھی نہیں۔ زیادہ سے زیادہ ان سے کوئی مطالبہ کر سکتے ہیں۔

سرسید کے زمانے سے لے کر ۱۹۱۴ء تک کے دور تک کے کئی اکابر کے مکاتیبی مجموعے شائع ہوتے ہیں۔ ان میں ہر رنگ کے لکھنے والے اور ہر مزاج کے خطوط نگار سامنے آتے ہیں۔ ان میں داغ دہلوی، امیر مینائی، شوق قدوائی، ریاض خیرآبادی، سید ہادی علی وغیرہ کے خطوں میں جداجدا لہجے اور جداجدا مسرتیں ملتی ہیں۔ ان میں سے بعض ادبیت پر زور دیتے ہیں بعض شخصی جزئیات کے ابلاغ کو مدنظر رکھتے ہیں بعض مکتوب الیہ کے پاس خاطر اور دل جوئی کی باتی ہر شے پر مقدم جانتے ہیں۔ ان سب میں ایک خصوصیت مشترک ہے اور وہ یہ ہے کہ ان سب میں رنگ قدیم کی جھلک نظر آتی ہے۔ یعنی وہ ذرا تکلف، آرائش و آراستگی کا خاص خیال شخصی جزئیات کو گرانبار زینت کی زیادہ احتیاط شعر کا برمحل گدگدانا، "مکتوب الیہ کے رتبے کا خاص لحاظ اور اپنے سے زیادہ اس کی دلداری اور فرحت کا خیال پھر یہ خاص کوشش کہ خط کا کوئی لفظ کوئی خط یا لوک صورت کی سدھ بھی چھوٹ نہ جائے ——— اور یہ قدیم مجلسی اخلاق کا بنیادی عقیدہ تھا ——— ؎

اگر چشم خطا بیں بر نجستند
زمیں ہیچ کس عاجز تر از خویشیں

اس دور میں البتہ القاب و آداب میں بہار رنگ آ گیا ہے یعنی ان میں اختصار بدلظر ہے اور اختتام ہے بھی بس حد مناسب کے اندر ہی۔ امیر مینائی اپنے مختصر القاب میں کبھی کبھی سجع و قافیہ کا اہتمام کرتے ہیں۔ مگر لطف طریقے سے مثلاً سعادت ضمیر، پیارے ضمیر یا عزیز از جان من منشی ضمیر حسن وغیرہ۔

اس دور کے خاکہ نگاروں میں ریاض خیرآبادی کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا ——— ریاض کے خطوں میں ان کی اپنی شخصیت کے داخلی رنگ کھلتے جاتے ہیں۔ کہیں کہیں خالص کی سی بو باس ہے۔ ایک خط میں لکھتے ہیں:

"سرکار کی طرف سے یہ پرورش کیا ہم ہے کہ دونوں وقت پیٹ بھر کر کھاتا ہوں اور دن رات دعائیں دیتا ہوں یہ مستزاد بر آں کہ اللہ نے آپ سے محبت والے کو مجھ سے آس کا ذریعہ بنایا ہے۔ آپ کی ہر چیز کو اپنی چیز سمجھتا ہوں اور خوش رہتا ہوں آپ کو دیکھ کر سب فکریں دور ہو جاتی ہیں۔ انشاء اللہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

اس اقتباس میں سوائے "یہ مستزاد بر آں کہ" کے سوا باقی کسی قدر غالب کے تیور ہیں۔ ان کے خط عموماً مختصر نگر جی چاہے اور ضرورت پڑے تو مناسب طول بھی اختیار کر جاتے ہیں۔ لمبے خطوں میں طبیعت کچھ زیادہ ہی کھلتی دکھائی دیتی ہے۔ ان میں ادبی چاشنی کچھ زیادہ تیز ہے ——— مکتوب الیہ سے زیادہ وہ اپنی طرف متوجہ ہیں۔ ہاں کبھی کبھی جو خیال آ یا ہے تو ایک آنکھ اس کی طرف بھی دیکھ لیتے ہیں، وہ شعر کا استعمال کرتے ہیں۔ مگر جب کرتے ہیں تو برمحل۔

اکبر آلہ آبادی کے خطوط دلچسپ بھی ہیں اور مختصر بھی۔ اختصار کی خصوصیت سے اور اکثر موقعوں سے اپنے ہجو اشعار سے دور کر جاتے ہیں ——— ایک خط ملاحظہ ہو۔

برادرم سلمہ اللہ تعالیٰ

افسردگی طبع روح افزا ہے۔ شاید کچھ کہا بھی ہو تو یاد نہیں ؎

پہلے نباہ سے گھبراتا تھا میں
زندگی سے اب تو گھبرانے لگا

ارادہ ہے کہ آخر اگست میں لکھنؤ میں حاضر ہو جاؤں

آپ کی محبت اور یاد آوری کا ممنون

اکبر

جوابی کے خلاف بستہ لیے ہیں مگر عموماً اختصار پسندی کی طرف میلان ہے ـــــ ایسا معلوم ہوتا ہے خط محض مجبوری سے لکھتے ہیں۔ خطوں کے لئے جذبات کی "زبانی" کا نام نہیں۔ یہ کام وہ اپنی شاعری سے لیتے ہیں اور اسی کو کافی سمجھتے ہیں۔ البتہ جہاں بحث و مذاکرہ کی نوبت آجاتی تو استدلال کی تکمیل اور مخاطب کی تشفی کے لئے طویل نویسی سے بھی دریغ نہیں چنانچہ خواجہ حسن نظامی کے نام ان کے خطوط معمول سے زیادہ طویل ہیں۔ اس دور کے باقی خطوط نگاروں کی بھی اپنی اپنی خصوصیات ہیں مگر یہ مضمون ان کی تفصیلات کا متحمل نہیں ہو سکتا۔

جنگ عظیم اول کے بعد ذہن و فکر نے جو نئے انقلاب بدل کئے ان سے خطوط نگاری بھی متاثر ہوئی۔ یہ دور ۱۹۳۶ء تک قائم رہا۔ اس زمانے میں سرسید کے دور کی کلاسکی منطقی اور افادی روح کے خلاف ایک جذباتی رومانی رو عمل ہوا اس کے بڑے علم بردار ابوالکلام اور اقبال تھے۔ اس قافلے میں جدا جدا حیثیتوں سے مہدی الافادی، نیاز فتحپوری، سید سلیمان ندوی، عبدالماجد دریابادی، رشید احمد صدیقی اور کئی دوسرے اہل قلم بھی شامل ہوتے گئے البتہ سرسید کا رنگ بھی کہیں کہیں قائم رہا۔ اس رنگ کے سب سے بڑے نمائندہ ادیب اور خطوط نگار مولوی عبدالحق ہیں۔

اگر اس دور کی خطوط نگاری میں متفرد اسلوب کے مالک مکتوب نگاروں کے انتخاب کی اجازت ہو تو مندرجہ بالا اکابر میں سے صرف ابوالکلام آزاد اور مولوی عبدالحق ہی کا انتخاب ممکن ہو سکے گا ـــــ مہدی، نیاز، سید سلیمان اور عبدالماجد کے خطوط میں بھی انفرادیت کے نقوش پائے جاتے ہیں۔ اور ان کے ممتاز ادبی خصائص کا عکس ان کے خطوط میں بھی موجود ہے۔ مگر سارے خطوط دو بزرگوں کی خطوط نگاری من کی تاریخ میں بھی اہمیت رکھتی ہے۔ خصوصاً ابوالکلام آزاد کی مکتوب نگاری اختصاص کے اس نقطۂ عروج پر پہنچی ہے جہاں ادب کی بین الاقوامی سرزمین نمودار ہو رہی ہے ان کے خطوط کا جو سلسلہ "مکاتیب ابوالکلام" کے نام سے ادبستان لاہور نے شائع کیا ہے۔ اس میں بعض خطوط ۱۹۱۲ء کے بھی ہیں (ایک سلسلہ کاروان خیال کی بھی ہے) ان خطوط میں ابوالکلام کے اس دور کی شخصیت جلوہ گر ہے جس میں ان کا جوش حیات عین عالم شباب میں تھا۔ اور ان کی تحریر کا رو یا بھی چڑھاؤ پر تھا ـــــ البلاغ (دور اول) کے انداز ان کے ان خطوں میں نمایاں ہیں۔ جوش، خطابت، کہیں سادگی، کہیں اخلاق، اختراع و ایجاد، الفاظ و صناعت ـــــ عربیت، خاص طرز تخاطب، مولوی کے اشعار، قرآن و حدیث کے اقتباسات، فارسی کے اشعار نثر ـــــ جذباتی خطیبانہ اور

سجاوٹی طرز بیان، نثر کی شعریت خیال کی رنگینی ـــــ مخاطب کو اپنے سحر اور طرز تکلم کے طلسم سے مبہوت رکھنے کے ڈھنگ ـــــ غرض رنگ ابوالکلام کی سبھی سحر آفرینیاں ان کے مکاتیب میں موجود ہیں ـــــ ان کے معمولی کاروباری اور معاملاتی خط بھی کاروباری معلوم نہیں ہوتے ـــــ ان میں بھی جسپیدگی اور دل گرمی اور مخاطب سے لگاؤ کی صفات پائی جاتی ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد کی خانگاری کو "غبار خاطر" کے خطوط سے بڑی شہرت حاصل ہوئی ـــــ یہ خطوط ۱۹۴۲ء میں منظر عام پر آئے اور اس وقت سے متعلق ہیں جب مولانا قلعہ احمد نگر میں اسیر فرنگ تھے ـــــ ان کا مخاطب کوئی ہے بظاہر مولانا حبیب الرحمان خاں شروانی ـــــ مگر ان خطوں کے مطالب خصوصیت کی تنگ نامی میں محدود نہیں کئے جا سکتے ـــــ ان کا مخاطب متاثرین و معتبر اور حال و مستقبل کا ہر قاری ہے ـــــ اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ خانگار خود ہی اپنا مکتوب الیہ بھی ہو ـــــ بہرحال یہ خطوط بہت مقبول ہوئے ان کے قبول عام کا دائرہ ایک لحاظ سے تذکرہ اور الہلال سے بھی وسیع تر نکلا اس کا سبب یہ ہے کہ ان خطوط میں ابوالکلام کے لطیف ترین نقوش ملے ہیں ـــــ وہ شخصی رنگ جو ان کی دوسری تحریروں میں چھپ چھپا کر رونمائی کر لیتا تھا اب اس کو قلعہ احمد نگر کی تنہائیوں میں کھلنے کا خوب خوب موقعہ ملا ـــــ ان کی دوسری تحریروں میں گل و سنبل یا سبزہ و گل کے ساتھ خار و خس بھی کھلتے ہیں۔ جوش خطابت اور زور کلام کے سیلاب میں جو کچھ سامنے آتا ہے مرجوں کے سروں پر اٹھتا۔ تیرتا نظر آتا ہے مگر غبار خاطر میں گل ہی گل ہیں۔ یہاں آزاد کی طبیعت کا باغ سدا بہار ہے یہاں بات کا انداز نسبتاً سادہ۔ بیان رنگینی میں خوش بیان، خوش مذاق گفتگو کرنے والے کی مٹھاس، کہانی کی طرح کی دلچسپی ـــــ اس میں جا بجا خیابان فارس سے لاتے ہوئے ارمغان۔ بہترین منتخب اشعار جن میں انسانی ذہن و فکر اور دانش و بینش کا خلاصہ سمٹ آیا ہے۔ سبحان اللہ! اگر یہ غبار خاطر ہے تو پھر شمیم گل کس بلا کا نام ہے۔

غبار خاطر کہنے کو خطوط کا مجموعہ ہے مگر ان کا پیغام والا حصہ اتنا بڑا ہے نام ہے کہ ان کو خط کہنے میں بھی تامل ہوتا ہے۔ خطوط شخصی اور خیالیہ EASSAY ہیں جن میں زیادہ تر اپنی ہی ذات مرکز توجہ ہے۔ ان میں کاتب خط مخاطب کے لئے، یعنے ماحول کے متعلق بہت کچھ سیراب و شاداب معلومات بہم پہنچاتا ہے ـــــ مگر ایسی جن میں مکتوب الیہ کے متعلقات نہ ہونے کے برابر ہیں ـــــ بس اپنی ہی شخصیت اور ماحول کی رنگین اور خیال انگیز تصویر کشی ہے ـــــ غالب کے یہاں بھی اس قسم کا ماحول پیدا ہوتا ہے۔ مگر غالب ایک باقاعدہ خطاکار تھے۔ یعنی ان کے لئے سلسلہ مکاتبت تفریح سے بڑھ کر فن اور فن سے گزر کر جزو زندگی تھا۔ ان کے خطوں میں مکالمہ ہم کلامی یا ہم کلامی کی آرزو ہے ـــــ ابوالکلام کے خط خود کلامی کے سرچشمے سے فیض یاب ہوتے ہیں ان کو کسی خاص مکتوب الیہ کے سہارے کی ضرورت نہیں ـــــ ابوالکلام کے خطوط کے جتنے مجموعے نظر سے گزرے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوالکلام خانگاری میں دو باتوں کا خاص خیال رکھتے ہیں۔ اول یہ کہ وہ مخصوص خط کی بے ساختگی اسی وقت اختیار کرتے ہیں جب کوئی راہ فرار نہ نکل سکے۔ ان کے اکثر خط مناسب طول کے مالک ہیں ـــــ دوسری بات یہ کہ ان کے ہر ایک خط فنی ابلاغ میں سے ایک لطیف ترین فن ہی نہیں بلکہ وہ اسے اعلیٰ درجے کے مجلسی ذوق اور حسن معاشرت کا نمائندہ بھی سمجھتے ہیں ـــــ مولانا ابوالکلام کا ذوق تنہائی اور خلوت سے ان کی محبت کا راز تو سبھی کو معلوم ہے مگر وہ اس تنہائی سے خط کے جلوت کدے میں جب نکلتے ہیں

نرخط کو نصف ملاقات ہی نہیں رہنے دیتے بلکہ اس کو پوری ملاقات کی مسرتوں سے بہرہ ور کر دیتے ہیں وہ دوسروں کے بھی شاداب اور بھرے ہوئے رسائل کے خوش کلام اور لذت یاب ہوتے ہیں مولانا سید سلیمان کو ایک خط میں لکھتے ہیں: ــــ "آپ کے دلچسپ خط نے پوری ملاقات کا لطف دیا" [1] اور اس پوری ملاقات سے مراد سید صاحب کا وہ خط تھا جو دلچسپ تھا اور مفصل بھی ــ وہ خط جو فی زمانہ کو تشنہ ہی رکھے ابوالکلام کے باآتمام مذاق کے ساتھ ان نہیں ــــ ان کے اپنے خطوں میں بھی اس کی پوری احتیاط ملحوظ رکھی گئی ہے۔

ابوالکلام آزاد کے اس منفرد طرز نے اردو ادب اور اردو خطوط نگاری دونوں کو متاثر کیا ــــ اس سے ایک بار پھر اس مصنوعی اور تشنہ خط نگاری کے خلاف ایک ردعمل پیدا ہوا جو دور سرسید کے منطقی اور افادیت پسند ذہن کے زیر اثر رواج پذیر ہو چکا تھا اور اب خط پھر بازی افادیت کے دائرے سے نکل کر جذبے اور تخیل کے دائرے میں داخل ہوتے۔

مولوی عبدالحق زود نگار مدقق اور بلیغ خط نگار کی حیثیت سے ایک منفرد شخص ہیں۔ وہ کثرت سے خط لکھتے ہیں اور اچھے خط لکھتے ہیں ان کا ہر خط اسی سادگی اور بلاغت کے لحاظ سے ایک ادب پارہ ہوتا ہے ــــ ان کے خطوط خاص بیباکی اور کاروباری ہونے کے باوجود ادبی شان رکھتے ہیں۔ بے تکلف بول چال کا انداز اور صرف کام کی بات ان کا امتیازی وصف ہے۔ ــ انشاپردازی اور زبان دانی سے یکسر خالی! وہ ادائے مطلب پر اس قدر قادر ہیں کہ حیرت ہوتی ہے وہ اپنی ذات کو خواہ مخواہ عاشق بنانے نہ مکتوب الیہ کو احباب سے شائق کرتے ہیں ــــ اپنے جذباتی لمحات کے پیچیدہ احساسات سے مکتوب الیہ کو بالکل گرانبار نہیں کرتے ــــ ان کے خطوں کی عملی زندگی کے مصور اور ترجمان ہیں ان کی جلوت خلوت کی زندگی اگر کہیں سے بھی لو وہ اس سے صاف بچ کر نکل جاتے ہیں۔ ان کی جلوت و خلوت یکساں ہے مولانا حالی اور سرسید کی دعا گوئی کے کامیاب نگار وہی ہیں۔ شبلی کی طرح ان کے خط ایک تحریر کے داعی اور کارکن ہیں۔ ان کے خطوط کے معاملے میں صرف مناسبت کے پابند ہیں ضرورت ہو تو لمبے "ضرورت نہ ہو تو چند سطریں" ان کے نزدیک موقعہ و ضرورت ہی سب سے بڑا اصول ہے! وہ شعر اور استعارہ بازی سے شاذ ہی کام لیتے ہیں ــــ ان کی عام گفتگو اور ان کے خط کے درمیانی فاصلے نمایاں طور پر مفرد ہیں واقعیت، سچائی و خلوص ان کا وصف خاص ہے ان کے خطوں میں ان کے سوانح نگار کو ان کے کام کو سمجھنے میں بڑی مدد ملے گی۔

اردو ادب میں سے اقبال ایک ایسے شخص ہیں۔ جن کے خطوط میں مفکر کے بلند پایہ عالموں کے مکاتیب کا علمی رنگ جھلکتا ہے۔ ان کے خط علمی اور سیاسی افکار کے مخزن ہیں اور ان سے اقبال کے اپنے فکر اور شاعری پر اتنی اچھی روشنی پڑتی ہے کہ ان سے ان کا کوئی سوانح نگار بے نیاز نہیں ہو سکتا ــ اقبال کے خط ہر قسم کے تکلف سے پاک ہیں، وہ مدعا مطلب کی بات کہتے اور مطالب کو علمی عبارت میں ادا کرتے ہیں ــــ زیبائش و آرائش یا ادبی شان پیدا کرنے کا کوئی اہتمام ان کے یہاں نہیں ان کے خلوص، سچائی اور افسردگی کے لمحات کی پیداوار نہیں بلکہ ضرورت وقت کے تابع ہوتے ہیں ــــ عموماً مختصر

---

[1] مکاتیب ابوالکلام

لکھتے ہیں۔ جہاں ان کا مدعا ختم ہوا۔ وہیں ان کا قلم رک گیا۔ ان کے خطوں سے ان کی شخصی حالات واردات سے زیادہ ان کے افکار و تصورات کی تشریح ہوتی ہے اور واقعاتی معاملے سے زیادہ ان کے نکتہ پر روشنی پڑتی ہے ان کے خطوط میں مکتوب الیہ کی تفریح کا خاص خیال رہتا ہے۔ نفاست تہذیب، سلیقہ اور شائستگی ان کے خطوں میں بھی کچھ ہے ان کے خطاب کے مخاطبوں کو زیادہ بے نقاب کرتے ہیں خود ان کی اپنی ذات سے بھی زیادہ ـــــ طول و اختصار ان کے یہاں اضافی ہے۔

تبلی تکے رنگِ خاص کے ایک مداح مہدی بھی اچھے خط لکھکر چھوڑ گئے ہیں۔ ان کے خطوط میں مکتوب الیہ کی ذات زیادہ اُبھری رہتی ہے مگر اس سے بھی زیادہ ماحول کا حسن اور اس کا یقین مکتوب الیہ کی ذات کے مطابق ہوتا ہے۔ یا حالات کے وقت وہ بیان میں بول چال سے زیادہ ادبی زبان اور شان کے قائل ہیں۔ ان کے خطوں پر کہیں کہیں مختصر مقالات کا دھوکہ ہوتا ہے۔

نیاز کے خطوں کی عام انشائی، رسمائی تحریروں کی طرح شراب و شعر میں ملفوف ہوتے ہیں ـــــ ایام شباب کے خطوں میں کہیں کہیں ابوالکلام کا رنگ بھی نمایاں ہے جس کا خاص وصف الغاب کی عربیت ہے مگر "صدیقی الاعز" اور اس طرح کے القاب رفتہ رفتہ ترک ہو کر ان کے خطابے القاب بھی ہو گئے ہیں اور "معاف فرمائیے گا" اور "آپ کہاں ہیں" اور "کس رنگ میں ہیں" سے ہی خط کا آغاز ہوجاتا ہے۔ انہوں نے غالب کے سے انداز بھی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے مگر یہ ان کا جنیاری رنگ نہیں ـــ ان کے شخصی ذوق کے ترجمان تو ہیں مگر تفصیلات میں مکتوب الیہ کی شخصیت نگاری کے لئے اچھا مرا چھوڑ جاتے ہیں۔ وہ ادبی مسلک کے لحاظ سے رنگین نگار ہیں اور شعر وغیرہ سے خوب کام لیتے ہیں ان کے خطوں عام مطالعہ کرنے والے کو بہت کچھ دے سکتے ہیں کیونکہ کاروباری نشکی ان میں بالکل موجود نہیں۔ جہاں ایسی حالت پیدا ہوتی بھی ہے وہ کسی رنگین ترکیب یا اچھے سے شعر سے اس کا مداوا کر لیتے ہیں۔ ـــ خطوں میں صاف گوئی کے معتقد ہیں اور ان لوگوں میں سے ہیں جن کے نزدیک حیاتِ انسانی کا کوئی رخ گھناؤنا نہیں بشرطیکہ اس کو پیش کرنے والا سلیقہ مند ہو۔

سید سلیمان ندوی کے خط اپنی نکتہ آفرینی کے لئے اور عبدالماجد دریابادی کے خط اپنی ادبیاز شان کے لئے جس کے ندرت کہیں کہیں طنز کی نوک بھی چبھ رہی ہوتی ہے، خاص طور سے لائق ذکر ہیں۔ ماجد کے خطوں کا مزاج حذباتی ہے جو شبلی کے خاندان کا خاص وصف ہے مگر علم و فضل اور بار بار طرز زندگی کا کچھ ایسا عکس ان پر پڑتا ہے کہ ان کے خطوں کو پڑھنے والا ان میں مستقل دلچسپی لینے لگتا ہے ـــــ سلیمان بھی خانوادۂ شبلی کے ایک فرد ہیں۔ ان کے خطوط ماجد کے خطوں کے مقابلے میں زیادہ نزاکت افزا ہیں ماجد کے خطوں میں کہیں کہیں تلخی اور جھنجھلاہٹ آجاتی ہے۔ سلیمان کی نظر اپنے مکتوب الیہ پر پڑتی ہے مگر ماجد خود پر زیادہ نظر رکھتے ہیں ان کی زندگی میں محاسبہ نفس اور خود سے پیکار کے سلسلے پھیلے ہوتے ہیں اس کا اثر ان کے خطوں پر بھی پڑا ہے۔

سیاسی مشاہیر میں مولانا محمد علی بھی اچھے خط نگاروں میں شامل ہیں ان کے خط مفصل اور مشرح ہوتے تھے وہ کام کی بات بھی پھیلاتے بغیر آگے نہ نکل سکتے تھے۔ مگر بعض خطوں میں خاص ادبی لطف پیدا کر جاتے تھے۔ خصوصاً جب جوش اور ناراضگی کے عالم میں ہوں۔

خواجہ حسن نظامی کے خطوط سادہ اور کاروباری ہوتے ہیں اور مطلب و مدعا سے باہر ان کے خطوں میں کوئی خاص

چسک نہیں جو عام قاری کے لئے لذت آفریں ثابت ہو سکے مگر سادہ بیانی اور لطیف نکتہ آفرینی کے سبب ان کے خط پڑھنے کے قابل ہوتے ہیں تفصیل کے وہ بھی شیدائی ہیں اور جزئیات پر خاص نظر رکھتے ہیں۔

۱۹۳۵ء کے بعد ملک میں حقیقت نگاری اور نفسیات کے مطالعہ کا جو ذوق بیدار ہوا۔ اس کے زیر اثر خط نگاری کے آداب و رسوم نے بھی ایک نئی کروٹ لی۔ اس نئے ماحول میں جن لوگوں کے خامہ نظر عام پر آتے ہیں ان میں واقعیت خاص طور سے ملحوظ ہے اور خود کو چھپانے کا جو انداز اس سے پہلے خطوں میں چلا آتا تھا اب وہ ترک ہوتا گیا۔ اور صاف گوئی کا سلیقہ عام ہو گیا۔ آداب والقاب میں بھی یک گونہ آزادی برتی جانے لگی۔ اور بعض اوقات تو مقام و رتبہ کی مراعات بھی رک ہوتی۔ خطوں میں قدیم وضع داریوں کے خلاف اس دور میں کامل بغاوت نظر آتی ہے۔ اس دور کے خطوط میں اس زمانے کی، مراتفری اور پریشانی طبع کے پورے آثار موجود ہیں عام طور سے خطوں میں علم اور اہتمام کی بھی کمی ہے۔ اور ادبیت کے لئے بھی کوئی خاص کوشش نظر نہیں آتی۔ مگر واقعیت نگاری اور حقیقت پسندی کے غلبے نے خط نگاری پر خاص اثر کیا گزشتہ چند برسوں میں بعض مشاہیر کے خطوں کے کچھ مجموعے شائع ہوتے ہیں۔ مثلاً ہم عصر شعراء کے خطوط (مرتبہ ضیاء الاسلام) اور روح مکاتیب (مرتبہ ساغر نظامی) اول الذکر میں وہ خط ہیں جو ضیاء الاسلام کے نام جوش ملیح آبادی، جگر مرادابادی ساغر نظامی آرزو انصاری ماہر نجیب آبادی۔ وآل شاہجہاں پوری۔ سیماب اکبر آبادی۔ حفیظ جالندھری اور اعظم خسروی جے پوری نے لکھے ہیں ـــــ دوسرے مجموعے میں ساغر نظامی کے نام خطوط ہیں جن کے لکھنے والوں میں کم و بیش علمی۔ ادبی اور سیاسی شخصیتیں ہیں۔ جن میں سے بعض کا تذکرہ گزشتہ صفحات میں آچکا ہے (مزاح و ظرافت کے سلسلے کے لوگوں میں شوکت تھانوی کا مجموعہ بار خاطر بھی ہے) ان سب خطنگاروں میں جوش ملیح آبادی اور فراق کے خطوط خاص طور سے لائق ذکر ہیں ـــــ جوش کے خطوں میں بے باک صاف گوئی ہے چنانچہ ایک خط میں لکھا ہے ـــــ "میں بدنامی اور ننگی کی حد تک صاف گو انسان ہوں۔ بس ان کے خطوط بھی کچھ ایسے ہی ہیں اور اگرچہ ضروری نہیں کہ ان کا ہر خط لاز ماً بدنام کنندہ اور ننگ ہی ہو مگر صاف گوئی کا عنصر ہر جگہ ہے۔

فراق کے خطوں میں صاف گوئی کے معاملے میں جوش کے خطوں سے کسی طرح کم نہیں مگر جب علمی موضوع زیر بحث آتا ہے تو ان کے خطوں میں فاضلانہ اور علمی شان پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ اکثر اپنے خطوں کی رونق اپنے ہی اشعار سے بڑھاتے ہیں۔ اور ان کی توجہ دوسرے سے زیادہ اپنی طرف ہوتی ہے۔ ساغر نظامی نے "روح مکاتیب" کے ایک نوٹ میں ان کے متعلق لکھا ہے ـــــ

"اپنے خطوں میں وہ اپنے تمام وجود کے ساتھ نمایاں ہے وہی لگی ہوئی آنکھیں، وہی مٹکاتا ہوا عجیب عجیب حرکتوں کے ساتھ گوشمن صبیح و ملکش اور دل دوز حرکتوں کے ساتھ ایسی بے ساختگی اور سادگی شاید ہی کسی کے خطوں میں نظر آتے اور اتنی صداقت! جو فراق کی اخلاقی بلندی اور نظر کی علمیت پر دلالت کرتی ہے"

اس نئے زمانے میں اردو میں مکاتیب کے تین اہم مجموعے اور بھی شائع ہوتے ہیں۔ وہ ہیں (۱) نقوش نوداں (سید سجاد ظہیر کے خطوط اپنی بیوی کے نام) (۲) زیر لب (صفیہ اختر کے خط اپنے شوہر جاں نثار اختر کے نام) اور (۳) رقیم کے نام

ڈاکٹر تاثیر کے خطوط اپنے شاگرد عزیز محمود نظامی کے نام) خطوں کے ان مجموعوں کے علاوہ حال ہی میں چودھری محمد علی ردولوی کے خطوط کا مجموعہ "گریبان کھل گیا" کے نام سے انجمن پنجاب نے شائع کیا ہے۔ یہ چاروں سلسلے خلوتگاہی کے جداجدا مگر جدید ترین رجحان کی صحیح نمائندگی کر رہے ہیں۔

بیویوں کے شوہروں کے نام اور شوہروں کے بیویوں کے نام خط کوئی نئی بات نہیں مگر ایسے خطوں کی اشاعت یقیناً نئی سی بات ہے ـــــ تاریخ ستاروں میں واجد علی شاہ کے خطوں بیگمات کے نام ایک ایسا استثنا ہے جو مندرجہ بالا کلیے کی تائید کرتا ہے کسی بیوی کی طرف سے دوری اور تجرد وفرقت کے زمانے میں اشتیاق کا اظہار قدرتی ہونے کے باوجود ذرا سا غیر رسمی فعل معلوم ہوتا ہے مگر دور جدید میں مذاق و میلان کی تبدیلی نے اس صاف گوئی کے لئے میدان تیار کر دیا ہے "نقوش زندان" میں اسی تنہائیوں کی یاد ہے۔ جن میں سید سجاد ظہیر اپنی سخت جان سیاسی زندگی کے باوجود محبت کی دوری کو محسوس کر رہے ہیں۔ سجاد ظہیر کے یہ خطوط واقعیت اور خلوص سے لبریز ہیں ان میں کوئی تصنع نہیں کوئی بناوٹ نہیں بس ان سادہ جذبات کا پاکیزہ سا اظہار ہے جن سے ان کا قلب معمور ہے۔ سجاد ظہیر نے ان میں کسی فلسفیت کا اظہار نہیں کیا۔ واقعات و معاملات سے جو پیغامات وابستہ ہیں ان پر بے تکلف لہجے میں گفتگو کی ہے۔ خطوں میں گھریلو ماحول پیدا کیا ہے۔ بچی کی یاد۔ بچی کی تصویر۔ احمدی بوا کا ذکر۔ نجمہ بی بی کے سلام۔ غرض ان خطوں میں ساری خاندانی فضا آنکھوں میں پھر جاتی ہے۔ پھر شادی کے دور اول کی یادیں ہیں۔ جن کی ایک ایک جھلک خطا نگار بار بار پیش کرتا جاتا ہے ـــــ ان خطوں میں خطا نگار کے اپنے ہی جذبات کا اظہار نہیں بلکہ مکتوب الیہ کے جذبات کا جواب اور ردعمل بھی ہے۔ ان خطوں میں رازونیاز کے دونوں پہلو برابر نظر آتے ہیں یعنی خطا نگار اور مکتوب الیہ دونوں کی تصویر سامنے آتی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔ ان خطوں میں صاف گوئی تو ہے مگر بے باکی نہیں، وقار، ٹھہراؤ، تہذیب سب کچھ ہے ـــــ مگر جھجک نہیں۔ محبت، سچی محبت اپنی ساری شرافتوں اور نزاکتوں کے ساتھ ان خطوں میں جلوہ گر ہے۔ کہیں کہیں تخیل بھی ہے اور خیال کا مصور سچی دنیا کی تصویر کشی کر رہا ہے۔ مبالغہ ہیجان اور بے ضرورت جذباتیت کہیں بھی نہیں ـــــ ہاں درد اور داد تنہائی کی کمی نہیں۔ "نقوش زندان" کے خطا اور دخطوط میں ایک اہم مقام رکھتے ہیں۔

"زیر لب" بھی نقوش زندان ہی کا اثار رنگ ہے۔ مگر ان خطوں میں اطمینان کی وہ فضا نہیں ملتی جو نقوش زندان میں ہے ـــــ ان میں مجبوری اور عوام کے گہرے زخم رستے نظر آتے ہیں اس میں پیاس ہی پیاس ہے ـــــ ایسی پیاس جس سے لب خشک ہی نہیں بلکہ لب گویا پھٹ سے رہے ہیں ع

"لب خشک در تشنگی میرد گاں کا"

ان خطوں کا سارا لہجہ زیر لب کا نہیں ایک فریاد بر لب کا ہے ان میں وہ قدرتی جذباتیت ہے جو نسوانیت کے ساتھ اس وقت ضرور وابستہ ہو جاتی ہے جب اس کا ہونٹ اپنی محرومیوں کے خلاف کھل جائیں۔ ان خطوں میں واقعات و معلومات کا عنصر کم ہے جذباتیت کا زیادہ ـــــ سادگی، بے تکلفی اور خلوص۔ یہ سب صفات ان خطوں میں بھی ہیں ان میں گہری 'اپنائیت' اور خصوصیت ہے گرم جوشی اور خم کی تپش نے ان کی فضا کو قدرے تلخ بنا دیا ہے ـــــ یہ خطوط بھی اس لحاظ سے انفرادیت رکھتے ہیں

کہ اس سے قبل کی چیزیں ہماری زبان میں معدوم ہیں۔

عزیزم کے نام ڈاکٹر تاثیر کے خط ہیں (ایک شاگرد کے نام) ان خطوط کا انداز علمی ہے اور مشبیز جزئیات بھی علم و فضیلت سے متعلق ہیں۔ ان میں خلوص تو ہے مگر بے تکلفی نہیں اور شاگرد و استاد کے درمیان جو فاصلہ ہوتا ہے وہ قائم ہے ذاتی تفصیلات سے زیادہ افادہ و تربیت مدنظر ہے اور بعض خط تو مقالات کی حد میں داخل ہو گئے ہیں۔ اس مجموعے کے اکثر خطوط ہیں مگر ان کا علمی مواد کبھی کبھی ثقیل ہو گیا ہے لیکن اندازِ بیان کی برجستگی اور تاثیر کی گرمی طبیعت نے ان کو خشک نہیں ہونے دیا۔

"گویا دبستان کھل گیا" ایک ایسے شخص کے خطوط ہیں۔ جس نے خط نگاری کو زندگی کا ایک ضروری شعبہ قرار دے رکھا ہے۔ ان خطوں کا مالک خط نگاری کو صرف مسرت کا چشمہ خیال کرتا ہے بلکہ ان کو دانش و بینش اور بصیرتِ حیات کا ذریعہ بھی سمجھتا ہے ـــــ یہ خط ذہنی فراغت اور روحانی سکون سے لبریز ہیں۔ ان میں گھریلو پن بھی ہے اور حقیقت بھی۔ خط نگار کو ادبی گفتگو اور جزئیات نگاری سے خاص دلچسپی ہے۔ غالب کی طرح وہ بھی ماحول کی تفصیل بندی کا خاص شوق رکھتا ہے ان خطوں سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ خط نگار کو مکتوب الیہ کی تالیفِ قلب کا ہر حال میں خیال رہتا ہے۔ چودھری محمد علی کو اردو کا خط نگار ادیب کہا جاتا ہے ان کے ان خطوط نے ان کے اسلوبِ بیان کی انفرادیت کے جوہر خاص طور سے نمایاں کئے ہیں۔ ان خطوں نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ کامیاب ادیب اگر چاہے تو بات چیت اور تحریر کے درمیانی فاصلوں کو بالکل مٹا سکتا ہے ـــــ یہ خطوط اردو خط نگاری کی تاریخ میں ایک نئے مقام کی نشان دہی کر رہے ہیں۔

اُردو کے منفرد مکتوب نگار

مالک رام

بیشتر لوگوں کا خیال ہے کہ اردو میں خطوط نویسی کی ابتدا غالب سے ہوئی۔ یہ درست نہیں۔ غالب سے پہلے فسانۂ عجائب کے رجب علی بیگ سرور نے خطوط لکھے اور شائع کیے اور یوں اکا دکا خط تو کئی اور صحاب کے بھی ملتے ہیں۔ ہاں یہ درست ہے کہ غالب نے خطوں میں ایسا بے تکلف انداز اختیار کیا کہ انہیں سحر حلال بنا دیا۔ پھر اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ اگرچہ غالب کے بعد بیسیوں خطوط کے مجموعے شائع ہوئے لیکن کسی میں وہ خلوص اور صداقت، برجستگی اور آمد نہیں جو ان کے خطوں کا طرۂ امتیاز ہے۔

غالب کی اردو شاعری اپنے مشکل اور کوہ کندن و کاہ برآوردن طرزِ تحریر کے باعث مشہور، بلکہ بدنام ہے اس لئے تعجب ہوتا ہے ان سے بھی سلیس اور سہل ممتنع نثر کیونکر لکھی گئی۔ ان سے پہلے اور خود ان کے زمانے میں بھی فارسی خطوں میں لمبے لمبے القاب و آداب اور عبارت آرائی کی یہ بھرمار تھی کہ سطروں کی سطریں پڑھ جایئے لیکن "مدعا عنقا ہے اپنے عالم تحریر کا"۔ یہ تو ممکن نہیں کہ کسی کو بھی اس اسلوب تحریر کی غرابت کا خیال نہ آیا ہو۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ کسی کو بھی اسے ترک کر دینے یا اس میں اصلاح دینے کی جرأت نہیں ہوئی۔ اس سہرا بھی غالب ہی کے سر رہا۔ وہ نہایت ابتدائی زمانے میں بھی خطوں کا طریقہ بدلنا چاہتے تھے۔ یعنی اس زمانے میں جب وہ خود اپنی تمام تر کتابت فارسی میں کر رہے تھے۔ ۱۸۲۵ء میں جب کہ ان کی عمر مشکل سے ۲۸ برس کی تھی، لکھتے ہیں:

"ادا شناس داند کہ آنچہ در من رنگارش یافتہ کہ چوں کلک و ورق بکف گیرم مکتوب الیہ را بہ لفظے کہ فراخور حالت اوست، در برآغاز صفحہ آوازدہم و زنہار سجع مدعا گم نہ کردم۔ القاب و آداب و خیریت گوئی و عافیت جوئی حشو زاید است و بیچکاں حشو را وضع نہ نہند۔"

(کلیات نثر غالب، صفحہ ۵۔ نولکشور ۱۸۷۵ء)

اگرچہ ان کے فارسی خطوط بھی بیشتر اسی اصول پر لکھے گئے تاہم یہ نہیں کہا جا سکتا کہ واقعی یہ سب کے سب حشو و زواید سے پاک ہیں۔ خیال میں اس کی وجہ یہ تھی کہ اس زمانے میں ان کے مکتوب الیہ عام طور پر ان سے عمر میں بڑے اور پرانے دبستان کے تعلیم یافتہ گزرے تھے۔ یہ اصحاب تھوڑے وضعدار اور رئیس کے قبیل کے تھے۔ وہ بھلا ایسی بدعتوں کو کیوں گوارا کرنے لگے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ فارسی خطوط میں غالب مقررہ اصول سے ہٹ کر کہیں کہیں وہ روایتی تکلفات کا استعمال کر گئے ہیں۔

لیکن جب انہوں نے اردو میں لکھنا شروع کیا تو یہ فضا بدل چکی تھی۔ اب ان کے مخاطب زیادہ تر ان کے ہم عمر دوست

اور ثنا گر تھے۔ جو لوگ ان کی ٹیڑھی ہتھی شاعری کو جھیل چکے تھے۔ ان کے لئے اب ان کی نثری جدتوں کو برداشت کر لینا کیا مشکل تھا۔ ظاہر ہے کہ ان حالات میں وہ اپنا اصلاحی منصوبہ کسی اعتراض یا احتجاج کے خدشے کے بغیر مکمل کر سکتے تھے۔ چنانچہ یہی انہوں نے کیا۔ اردو میں "حضرت مخدوم، مکرم و معظم جناب، فقیر" "صاحب دامت برکاتہم" یا "سید صاحب، جمیل المناقب، عالی خاندان، سعادت و اقبال نوامان" یا "برخوردار، سعادت آثار منشی ہرگوپال سلمہ اللہ تعالیٰ" قسم کے القاب الشاذ کالمعدوم کا حکم رکھتے ہیں۔ وہ مکتوب الیہ کو کسی ایسے لفظ سے مخاطب کرتے ہیں جو اس کے حسب حال ہو۔ میاں، بھائی، صاحب، میری جان، برخوردار، پیر و مرشد، حضرت، جناب عالی، قبلہ، سید صاحب وغیرہ۔ بلکہ بعض اوقات تو وہ کوئی لفظ بھی نہیں لکھتے، فوراً اظہار مدعا کرنے لگتے ہیں:

"کیوں مرزا تفتہ! تم بے وفا ہیں گنہ گار ہو؟"

"سچ ہے، اگر آپ استاد کا مصرع نہ لکھتے تو میں ہر روئے استادِ رنگ کہاں سے لکھتا۔"

"کیوں یار! کیا کہتے ہو؟" وغیرہ۔

اس طرح کے تخاطب کی بے تکلفی اور یگانگت ظاہر ہے۔ اس کا نفسیاتی اثر یہ ہوتا ہے کہ خط پڑھنے والا پہلے لفظ ہی سے اپنے آپ کو لکھنے والے کے بالکل قریب محسوس کرنے لگتا ہے۔ اگر آپ شروع کی دو تین سطریں رسمی ادب و آداب میں صرف کر دیں تو جب تک مکتوب الیہ مطلب کی بات تک پہنچے اس کا ذہن ان تکلفات میں الجھ کر آپ سے کوسوں دور پہنچ چکا ہوگا۔ اس کے برعکس اگر آپ خط ایسے انداز سے شروع کریں جیسے مکتوب الیہ آپ کے سامنے بیٹھا ہے اور آپ اس سے باتیں کر رہے ہیں، تو بُعدِ مکانی کے باوجود آپ دونوں ذہنی اعتبار سے آپس میں بہت قرب محسوس کریں گے اور آپ کو کاغذ پر لکھے ہوئے بے جان الفاظ میں سے بھی لکھنے والے کی آواز سنائی دینے لگے گی۔ میرزا خود بھی اپنے خطوط کی اس خصوصیت سے آگاہ تھے۔ ایک دوست کو لکھتے ہیں:

"میں نے وہ اندازِ تحریر ایجاد کیا ہے کہ مراسلے کو مکالمہ بنا دیا۔"

میرزا کے خطوط کی دوسری خصوصیت ان کا خلوص اور صداقت ہے۔ یقیناً وہ فرشتہ نہیں، بلکہ ہماری طرح کے گوشت پوست کے انسان ہیں اور لازماً ان میں بشری کمزوریاں بھی ہیں اس لئے ان کے خطوں کے بارے میں یہ قسم تو نہیں کھائی جا سکتی کہ ان میں جو کچھ لکھا ہے وہ سب سچ ہے اور انہوں نے کسی واقعے کے مالہ و ماعلیہ سے متعلق سب کچھ بے کم و کاست لکھ دیا ہے اور ان میں کسی جگہ انگلی رکھنے کی گنجائش نہیں۔ لیکن یہ بات بھی اپنی جگہ بالکل درست اور شک و شبہ سے بالا ہے کہ صاف گوئی اور بے ریائی ان کے لفظ لفظ سے ٹپکی پڑتی ہے۔ وہ واقع کے اظہار میں نہ کسی اور کو بخشتے ہیں نہ اپنے آپ کو۔ لوگوں نے ان پر طرح طرح کے اعتراض کئے ہیں اور وہ اپنے دعوے کے ثبوت میں خود غالب ہی کے خطوں سے شہادت پیش کرتے ہیں۔ وہ یہ خیال نہیں کرتے کہ اگر غالب ایسے ہی تھے جیسا ان کا خیال ہے تو وہ یہ مقامات اپنے خطوں میں سے حذف نہ کر دیتے۔ ان میں سے بیشتر خط غالب نے خود اپنے احباب سے جمع کر کے مرتب کے حوالے کئے تھے اور جو دوسروں نے جمع کئے تھے ان سے متعلق بھی گمانِ غالب ہے کہ شائع ہونے سے پہلے ان کی نظر سے گذرے تھے۔ اس صورت میں ان کے لئے ان میں ردّ و بدل اور ترمیم کرنا کیا مشکل تھا۔ وہ چاہتے تو آسانی سے ان کی وہ عبارتیں نکال ڈالتے جن سے ان پر کسی طرح حرف آ سکتا تھا لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا اور ستم یہ کہ آج انہیں خطوں کی بنا پر لوگ ان پر حملے کرتے ہیں

Dr. Zakir Hussain Library
Jamia Nagar
Accession Number
....13142.....
Date....12.6.96

نقوش، مکاتیب نمبر

جیسا کہ میں نے لکھا، وہ بھی انسان ہیں۔ یقیناً بشری مجبوریوں اور دنیوی مصلحتوں کے وہ بھی شکار ہیں۔ لیکن انسان کے کردار کی بنیادی خصوصیت ان کا خلوص اور صاف گوئی ہے جو ان خطوط کی سطر سطر سے جھلک رہی ہے۔

غالب کے بعد گویا خطوط کے مجموعوں کا تانتا بندھ گیا۔ ہر کہ ومہ کے خط چھپنے لگے۔ اگرچہ ان میں واقعی کام کی چیزیں کم آئیں لیکن اس سے ایک فائدہ ضرور ہوا کہ ہماری ادبی اور سماجی زندگی (ادبی زیادہ اور سماجی کم) کی تاریخ مرتب کرنے کے لئے بہت سا خام مواد تیار ہو گیا۔ افسوس ہے کہ آج تک ان خطوں کو اس پہلو سے کسی نے نہیں دیکھا۔ حالانکہ شاید ان میں سے اکثر مجموعوں کی علمی اور ادبی حیثیت کمزور یا مشتبہ ہو۔ لیکن وہ اپنے زمانے کی ادبی تاریخ اور سماجی حالات کا مفید مرقع ضرور ہیں۔ اس زمانے کے مکتوب نگاروں میں سرسید، محسن الملک، وقار الملک، شبلی، حالی، آزاد، اکبر، امیر مینائی، داغ، مہدی افادی زیادہ مشہور ہیں۔ ان میں سے شبلی اور مہدی اس قابل ہیں کہ ان پر ذرا تفصیل سے لکھا جائے۔

علم و فضل کے لحاظ سے شبلی اپنے معاصرین میں بہت بلند اور ممتاز درجہ رکھتے تھے۔ وہ فارسی اور عربی کے منتہی تھے اور اردو کے مایۂ ناز ادیب اور مصنف۔ ان کی شخصیت بڑی ہمہ گیر تھی۔ تاریخ و سیرت، فلسفہ، کلام، حدیث و فقہ، ادب و شعر، غرض وہ کسی میدان میں بند نہیں اور پھر جو کچھ لکھا، قدر اول کا، جتنی پختہ اور پائدار نثر ان کے ہاں ہے اتنی ان کے کسی دوسرے معاصر کے ہاں کم ملے گی۔ بے شک جہاں تک آزاد کا تعلق ہے ان کی انشاء کی تعریف نہیں کی جا سکتی۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ انشاء پر دازی کے علاوہ ان کے ہاں اور نہ ہونے کے برابر یا بہت کم ہے۔ البتہ حالی کا معاملہ دوسرا ہے۔ ان کی قدر نثر کلام اور گہرائی میں شبہ نہیں۔ تاہم ان کی تحریروں میں بھی عام طور پر رنگینی اور دلکشی کم ہے۔ اس کے مقابلے میں شبلی کی کوئی سی کتاب اٹھا لیجئے آپ کو اس میں صفحے کے صفحے اعلیٰ درجے کی نثر کے ملیں گے، اور کسی جگہ تحقیق کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹا۔

منجملہ اور چیزوں کے شبلی کے مکاتیب کے بھی دو مجموعے شائع ہوئے ہیں۔ مکاتیب شبلی (دو جلدوں میں) اور خطوط شبلی مکاتیب شبلی میں وہ خطوط ہیں جو انہوں نے اپنے دوست احباب اور شاگردوں کو لکھے تھے۔ اگرچہ ان میں بھی شبلی کی سرکی قدم خوبیاں موجود ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان میں کوئی ایسی بات نہیں جو انہیں کسی دوسرے مکتوب نگار سے ممتاز کر سکے۔ البتہ خطوط شبلی اردو زبان میں اپنی قسم کی واحد چیز ہے۔ ہمارے یہاں عورتوں کے خطوط کے دو تین مجموعے تو ملتے ہیں لیکن کسی ادیب کے ایسے خطوط جو اس نے اپنی رشتہ دار اور عزیز عورتوں کے سوا کسی اور کے نام لکھے ہوں۔ خطوط شبلی کے علاوہ ابھی تک منظر عام پر نہیں آئے۔

شبلی نے یہ خطوط بھوپال کے ایک علم دوست خاندان کی دو تعلیم یافتہ خواتین۔ زہرا بیگم فیضی اور عطیہ بیگم فیضی کے نام لکھے تھے ان میں سے ایک۔ محمود غالباً ابھی تک حیات ہیں۔ ان خطوط پر بہت کچھ خیال آرائی ہو چکی ہے۔ ان سے متعلق مضمون مکرر کتابوں میں تک لکھی جا چکی ہیں، ریڈیو سے تقریریں نشر ہوئی ہیں۔ مجھے اس جگہ اس نظریے پر، جو ان حضرات نے پیش کیا ہے، محاکمہ منظور نہیں۔ لیکن ایک بات کے لکھ دینے میں بھی کوئی امر مانع نہیں کہ جو کچھ ان اصحاب نے لکھا ہے وہ غلط ہے تو اس کی مدلل تغلیط کیوں نہیں کر دی جاتی تاکہ یہ مسئلہ ہمیشہ کے لئے طے ہو جائے اور اگر بالفرض ان لوگوں کا یہ خیال صحیح ہی ہے تو اس سے شبلی کی علمی اور ادبی حیثیت پر عظمت میں کمی کیوں آئے۔

ان خطوط میں سے چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

مکتوب ایہا کو جلد جلد چند خط لکھ چکے ہیں۔ دل میں اندیشہ گذرا کہ کہیں یہ طبع نازک پر گراں نہ گذرے، عذر کے رنگ

میں لکھتے ہیں :

"عزیزی! میرا ہر خط جواب طلب نہیں ہوتا۔ یہ اس لئے لکھا ہوں کہ تم کو میرا خط نہ لکھنے کا گلہ نہ کرے نہ بروقت لکھنے کی تکلیف دینی ہے۔ جب فرصت ہو اور جی چاہے جواب لکھو۔ لیکن مجھ کو اجازت دو کہ میں ضرورت بے ضرورت، جب جی چاہے لکھوں۔"

مکتوب الیہا یہ سب کے سفر پر گئیں اس لئے خط و کتابت بند ہوگئی۔ واپس آئیں تو یہ سلسلہ پھر سے جاری ہو گیا جب ان کا خط ملا تو جواب میں لکھتے ہیں

"تمہارا خط جو مدت کے بعد ملا بے ساختہ میں نے آنکھوں سے لگایا اور دیر تک بار بار پڑھتا رہا۔ افسوس دیر تک ملنے کی امید نہیں۔ میں وطن، احباب، آرام سب چھوڑ چکا ہوں لیکن ایک مذہبی اور قومی کام کیونکر چھوڑ دوں۔ وہ بھی یا جوج و ماجوج برسے۔ زہرا صاحب سے صورتی روک کے لئے منظور کر لیا کہ پھر بھی لکھنؤ آئیں لیکن تم انہی غریب نوازی کہاں کرو گی؟"

ایک دوست سے معلوم ہوا کہ وہ لکھنؤ آ رہی ہیں۔ دیکھئے کیا رے کا خط لکھا ہے :

"خانوں محترم! کل الصباح سے مولوی مسرور حسین صاحب عدوانی ملنے آ گئے تھے۔ ان سے آپ کے لکھنؤ آنے کا ذکر آ گیا۔ انہوں نے کہا کہ "وہ میری مہمان ہوں گی" اس لئے میں یہ لکھنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اگر آپ لکھنؤ آئیں گی تو میں آپ کی مہمان ہوں تو میں اس زمانہ میں لکھنؤ چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔ یہ بات دوسری ہے کہ ایک دو روز آپ ان کے ہاں ٹھہریں اور ان کے ہاں کی مسرت سے ملیں۔"

پھر اسی مولوی مسرور حسین (رئیس گدہا) سے ان کی آمد کی خبر سن کر دوبارہ لکھتے ہیں :

"مولوی مسرور حسین نے تمہارے ارادۂ سفر کی خوش خبری سنائی لیکن وہ فقرہ مار دیا ہے کہ میرے ہوتے ہوئے اور کہیں ٹھہرو گی تو میں لکھنؤ سے نکل جاؤں گا۔"

بعض خواہشوں کا اظہار کس حسرت سے کرتے ہیں

"اصل یہ ہے کہ میں چاہتا تھا کہ میرے کسی کام میں تمہارے نام کی سرکت ہو۔ اس کا اصلی طریقہ تو یہ تھا کہ کوئی تصنیف تمہارے نام پر ڈیڈیکیٹ کرتا لیکن افسوس نہیں کر سکتا۔ میں جن حالات میں گھرا ہوں تم سمجھتی ہو اور حاتی ہو کہ اس سے دفعتاً ان قومی کاموں کو نقصان پہنچے گا جو میرے ہاتھ میں ہیں۔"

"عطیہ! بار بار جی چاہتا ہے کہ تم کوئی چیز طلب کرو اور میں یہاں سے بھیجوں۔ کیا لکھنؤ میں کوئی چیز تمہارے قابل نہیں؟ آم تو جزیرہ تک اچھے نہ پہنچیں گے۔"

جناب عطیہ بیگم صاحبہ کی ایک بہن جناب نازلی بیگم نواب صاحب جھجر کی بیگم تھیں۔ انہوں نے شبلی کی فرمائش پر ندوہ میں ایک کمرہ اپنے خرچ پر بنوا دیا شبلی نے اس کے لئے کئی رباعیاں چند مصرعے کہے۔ ان میں ایک مصرعہ ہے ؎

نازم کہ ایں عطیہ حضیض ایں پیدہ است کاوازۂ سخاش بہ عالم رسیدہ است

اس میں عطیہ کا لفظ آیا ہے تو اس کی تشریح کرتے ہیں:

"شعراء اور اہل ادب عموماً کنایہ سے نام لینا بلاغت اور لطافت خیال کرتے ہیں جو لوگ جہانگیر بادشاہ کی مدح میں قصیدے لکھتے تھے عموماً نور جہاں بیگم کا نام لاتے تھے۔ لیکن ہمیشہ کنایۃً۔ کبھی کسی نے تصریح نہیں کی۔ مثلاً سعید کا ایک قصیدہ ہے جس کا ایک شعر یہ ہے ؎

اے سایۂ خدا! ز تو پُر نور شد جہاں　　پاد! ہمیشہ نور خدا سایبانِ تو

اسی قصیدہ میں یہ شعر بھی ہے اور یوں بھی صراحۃً مذکور ہے۔ غرض دو واقعہ غزال خبر مقدم وغیرہ سب کچھ لکھ چکا ہوں اور عطیہ لکھنے پڑھنے کی کیا بات ہے! سراہر روگنٹا اور ہر مرحلہ ان تمہاری توصیف اور تعریف کا ایک شعر ہے۔"

سب سے پہلا کہ جناب عطیہ بیگم اس پر بگڑ گئیں کہ میرا نام کیوں سعدیہ میں لکھا ہے۔ لوگ دیکھیں گے تو کیا کہیں گے۔ حالانکہ ابھی لکھ چکے ہیں کہ میں نے کنایۃً یہ تمہارا نام لکھا ہے لیکن اس عتاب سے پٹپٹا گئے اور معذرت کی:

"عزیزی! اچھا ہوا کہ میں نے ان سطروں کے معنی تم سے دریافت کئے، ورنہ ممکن تھا کہ میں پھر تمہارا نام کسی موقع پر لاتا اور تم کو رنج پہنچتا۔ لیکن مجھے حیرت ہے کہ تم یہ کیونکر سمجھتی ہو کہ وہ تمہارا نام ہے۔ عطیہ کے معنی داد و دہش اور انعام کے ہیں اور اسی معنی میں یہ لفظ میں استعمال کرتا ہوں۔ یہ سری بات ہے کہ اتفاق سے یہی تمہارا نام بھی ہے۔ غیر آدمی کیونکر جان سکتا ہے کہ میں نے تمہارا نام لیا ہے۔ اس لئے تم کو رنج کرنے کی کیا وجہ، بہرحال آئندہ نہ لکھوں گا۔ تم شاید اس کو حسن طلب سمجھتی ہو اور میں شاہنشاہ سے بھی اس قسم کا خیال ننگ سمجھتا ہوں۔"

عطیہ بیگم صاحبہ کا خط تین چار مہینے سے نہیں آیا۔ لکھتے ہیں اور صرف ایک مصرع۔ لیکن کیسا مصرع کہ جس کی تفسیر میں ایک پوری کتاب لکھی جا سکتی ہے۔

"چہ شود اگر بہ سلامے دلِ ما شاد کنی"

ایک دوسرے خط کے آخر میں اپنا نام لکھتے ہیں:

"میں وہی شبلی نعمانی ہوں"

لیجئے کہاں تک اقتباس نقل کرتا جاؤں۔ یہ خطوط بقول　　ڈاکٹر مولوی عبدالحق "بمنزلۂ صدا بہار" ہیں۔ یہ ایک مخلص اور بے ریا دل کی آواز ہیں۔ ان میں صداقت کی کھنک ہے اور ان کے لفظ لفظ میں لکھنے والے کی روح بول رہی ہے۔ یہ مختصر مجموعہ مرتبین سے تقاضے کے لائق ہے۔ شبلی اگر ان خطوط کے سوا اور کچھ نہ لکھتے (حالانکہ انہوں نے اپنی تصنیفات سے اس زبان کا دامن مالا مال کر دیا) تو بھی ان کا نام اس وقت تک زندہ رہتا جب تک اردو کے پڑھنے اور سمجھنے والے موجود ہیں۔

مہدی کے مضامین (نادراتِ مہدی) اور خطوط (مکاتیبِ مہدی) کے مجموعے ان کی وفات کے بعد شائع ہوئے۔ ان سے

معلوم ہوتا ہے کہ وہ کتنی صلاحیتوں کے مالک تھے۔ ان کا تنقیدی شعور ایسا پختہ ہے کہ حیرت ہوتی ہے۔ نہ صرف علم و ادب میں بلکہ ملکی سیاسیات پر بھی ان کے اشارے بعد کے واقعات نے صحیح ثابت کر دکھائے۔ بقول نواب سید یار جنگ مرحوم مہدی کے مزاج میں "یونان کے سنگتراشوں کی سی نزاکت اور مصوری ہے۔ ان کے مزاج کی نفاست کا یہ عالم ہے کہ وہ دوم درجہ کی کوئی چیز پسند نہیں کر سکتے کتاب کا رضوع بلند ہو، وہ عمدہ اور اچھے کاغذ پر صاف ستھری چھپے، اس کی جلد اعلیٰ درجے کی ہو۔ یہی صورت مضمون کی بھی ہونا چاہئے، اس میں کوئی جھول یا کھٹکا نہ ہو، اسلوب میں توازن رہے اور زبان میں ہمواری آئے۔ غرض ہر ایک چیز کی تراش خراش پر ان کی نظر رہتی تھی۔ ان کے دماغ میں اُپج کا مادہ بہت تھا۔ ہر روز نئی نئی اصطلاحیں گھڑتے رہتے۔ اگر خود نہ بنا پاتے تو دوستوں سے پوچھتے۔ اسی طرح انہیں لکھنے کے لئے بھی نئے نئے عنوان سوجھتے رہتے اور وہ اپنے ہم عمر پڑھے لکھے دوستوں کو آمادہ کرنے کی کوشش کرتے کہ وہ ان نئے موضوعات پر طبع آزمائی کریں۔ ان کی مولانا سید سلیمان ندوی اور مولانا عبدالماجد دریابادی سے زیادہ اور مولانا پروفیسر عبدالباری سے بہت کم بے تکلفی تھی۔ ان کے نام کے خط دیکھئے۔ ہر خط میں لطیفے دیتے جاتے ہیں کہ اس موضوع پر کتاب لکھئے، اس پر مضمون قلمبند فرمائیے۔ آپ کے فلاں مضمون میں یہ کمی رہ گئی۔ اس میں یہ غیر ضروری بات در آئی۔ اتنا ہی نہیں۔ وہ اپنا حال اپنے حلقے سے باہر بھی کہلانے سے نہیں چوکتے۔ حالی اور عبدالرزاق کانپوری (البرامکہ والے) ان سے عمر میں کہیں بڑے تھے لیکن وہ ان سے بھی فرمائش کرتے ہیں کہ میں نے آپ کے لئے یہ موضوع انتخاب کیا ہے اس پر کتاب لکھ ڈالئے۔ میر ناصر علی سے کہتے ہیں کہ آپ اپنے مضامین کا مجموعہ چھپائیے۔ غرض کہ مہدی نے عجیب و غریب دل و دماغ پایا تھا۔ لکھنا پڑھنا ان کا اوڑھنا بچھونا تھا اور انہیں جب بھی سوجھتی تھی، اردو زبان کی آرائش و زیبائش کی، اس میں تصنیف و تالیف کی اور علم و فن کی ترقی کی۔

مہدی صاحب طرز نثر نگار ہیں۔ ان کی زبان آسان نہیں، بلکہ مشکل الفاظ سے بوجھل ہے، اس کے باوجود اس میں رنگینی اور رومانویت بدرجۂ اتم ہے۔ اگر کھوج لگایا جائے تو معلوم ہوگا کہ حقیقت میں ان کی رومانویت کا سلسلہ بلکہ منبع صلائے عام والے میر ناصر علی دہلوی تک پہنچتا ہے۔ نیاز فتحپوری بھی میر ناصر علی سے بہت متاثر ہوئے ہیں۔ یہ دونوں میر صاحب موصوف کے نیازمند اور دوست صلائے عام کے مداح اور مضمون نگار رہتے۔ میر ناصر علی کی نثر میں ایک خاص قسم کا البیلا پن تھا۔ ان کے حافظے میں خدا معلوم کتنے شعر محفوظ تھے اور وہ اپنی نثر میں ان کا استعمال ایسا برجستہ اور بے ساختہ کرتے تھے جیسا انگوٹھی میں نگینہ جڑ دیا جائے۔ اس صدی کی دوسری اور تیسری دہائی میں ناصر علی بہت مقبول رہے اور ہمارے بہت سے اچھا لکھنے والے پہلے پہل صلائے عام ہی کے افق پر نمودار ہوئے۔ ان میں مہدی اور نیاز نے کامیابی اور شہرت حاصل کی تعجب ہوتا ہے کہ ڈاکٹر محمد حسن نے اپنے مقالے "اردو ادب میں رومانوی تحریک" میں دنیا جہان کی اور باتیں تو لکھی ہیں لیکن اردو کی رومانوی تحریک پر ناصر علی کا کتنا اثر اور احسان ہے، اس کا ذکر تک نہیں کیا۔

اب مہدی کے خطوں سے چند مثالیں ملاحظہ کیجئے۔

مسز سروجنی نائڈو جب ابتدا میں قومی جلسوں میں شریک ہوتی ہیں تو ان کی جاذب نظر شخصیت اور دور انگیز خطابت نے "بحیثیت بنگالہ" اور "فردوس گوشہ" کا ایک ایسا دلفریب امتزاج پیش کیا کہ کتنے صاحب ریش و بروت اور اہل جبہ و عمامہ تک نے ہتھیار ڈال دئے۔ اسی زمانے میں سید سلیمان ندوی نے معارف میں شذرات لکھے اس پر تبصرہ کیا۔ مہدی نے جب یہ شذرات دیکھے تو انہیں خط لکھا:

"آپ نے شاہراہ دکن پر جو بجلیاں گرائی ہیں اور اس سلسلہ میں مختون سوسائٹی پر جس

خوبصورتی سے لے رہے کی ہے۔ سچ یہ ہے کہ وہ نازک خیالی کی آخری حد ہے۔ میں نے بار بار پڑھا اور لطف اٹھاتا رہا۔

جس زمانہ میں یہ پہلی دفعہ اسٹیج پر آئی ہے اور اس کی زبان سے یہ شعر نکلا ہے ؎

در رہ منزل لیلیٰ کہ خطرہا ست بسے
شرط اول قدم آنست کہ مجنوں باشی

خوب یاد ہے کہ بہتیرے دل تھام کر بیٹھ گئے تھے۔ چرمٹھتی دوپہر سے ڈھلتی چھاؤں زبان پر خوشگوار ہوتی ہے یہ حسن و عشق کا ایک نہایت ہی نازک نکتہ ہے۔ عورت اتنی باکیف تو ہو ؎

من فدائے تن شوخے کہ بہ ہنگام وصال
بمن آموخت خود آئین ہم آغوشی را

مدت سے سوچ رہا تھا اس کی لچکدار نسائیت کو اپنی چند سطروں کا تختۂ مشق بناؤں لیکن آپ سے سر سے لئے بالکل گنجائش نہیں چھوڑی اور ساتھ ہی میرے دل کا ارمان پورا کر دیا جو چاکر آپ نے کھینچا ہے اور جس جس پہلو سے چوٹ کی ہے وہ "حال" کی چیز نہیں۔ غلاف شکر میں اس طرح کوٹ کوٹ کر زہر بھرا ہے کہ خود آپ سے داد لینے کو جی چاہتا ہے۔ لیکن ایک خلش رہ گئی۔ اکابر کی تخفیف الحرکتی "تک" تو مصائقہ نہیں لیکن "لعنت صرفی" "ذوالہلال" کی زبان ہے جو آپ کے لب و لہجہ کی نفاست اور موقع کلام کے لحاظ سے بیگانی سی معلوم ہوتی ہے۔ بس اس قدر کافی تھا کہ "حافظ کو آٹھویں صدی میں جس خلوت" کی شکایت تھی۔ جو دھویں صدی کی "خلوت" کچھ اس سے بھی بڑھی ہوئی ہے۔" میری غرض یہ ہے کہ ثقل الفاظ کی جگہ صرف مفہوم کی تلخی سے کام لیا جاتا۔ یہ مانیے کوئی اور آپ کو نہیں لکھے گا لیکن مجھ کو جس حد تک خلوص ہے اس کا اقتضاء طبعی یہ ہے کہ جن نکتوں پر فایت اظہور کی وجہ سے دوسروں کی نگاہ نہیں پڑتی آپ کے نوٹس میں لاؤں۔"

مہدی کے نزدیک عورت پیدا ہی اس لئے ہوئی ہے کہ دنیا کے حسن و لطافت میں اضافہ کرے۔ وہ اس کی ایک ایک ادا پر جان چھڑکتے ہیں۔ عورت کی نفسیات پر اور وہ بھی جنسی نفسیات پر انہوں نے بڑے پتے کی باتیں لکھی ہیں۔ اس میں اگر ان کا کوئی حریف ہے تو خود انہی کا معنوی اسلاف بیزا مرحل۔ افسوس کہ نا مرحل کے مضامین کا مجموعہ شائع نہ ہوا اور اس طرح اردو والے ایک صاحب طرز افشا پرداز کی تحریروں سے محروم ہو گئے اور اسی لئے اسے بھول بھی گئے۔ نوجوانوں میں آج کتنے ہیں جو نا مرحل اور علائے عام کا نام بھی جانتے ہیں، حالانکہ ایک زمانے میں ان دونوں کا طوطی بولتا تھا۔ سچ ہے ہمیشہ رہے نام اللہ کا۔

خیر تو مہدی کے خطوں کے چند اور اقتباس دیکھئے:

(۱) "آپ اکبر پر اس لئے نہ آئیے کہ مسلمانوں کو اونٹ کی سواری کی عادت نہیں رہی ورنہ

چاہیل کی سڑک کچھ بڑی بات نہیں۔ آپ کی نقل و حرکت مشرق و مغرب میں دیکھی گئی، کہ یہ دونوں آپ پر مٹے ہوئے ہیں۔ شملہ آپ کو پسند نہیں آیا، لیکن مجھے تو نام سے دلچسپی ہے دیکھئے پھولوں کی سیج پر "حوائی کی ورزش" کی شائقہ اپنے چاہنے والے سے کیا کہتی ہے ؎

دوسرا تیسرا یہ جملہ ہے　　یہ بھی کیا کوئی شہر شملہ ہے "

---

(۲) "مدت سے وطن اگورکھپور نہیں گیا۔ ایک چکر میں پڑ گیا تھا۔ "گورے" کی دل کی سیاہی جب قلم سے ٹپکتی ہے تو زیادہ پھیلتی ہے۔ لباس متمدن پر ایک کہنہ کی نظر لگی لیکن اصیل مرغ کی ایک ٹانگ "حریف" کو سپر ڈالنی پڑی اور میں خدا خدا کر کے ڈیڑھ سال کے بعد گھر سے چھوٹا، یعنی تعصبات ارضی پر جس کا پیدائی شائق نہیں، منتقل ہو گیا۔ یہ اضافی تصریح اس لئے ہے کہ وطن آیا تو دارالمصنفین میرے لئے گھر آنگن ہوگا اور آپ سے بوسہ و پیام کی جگہ آپ عورت ہوتے تو "لب بہ لب کی ٹھہرے گی۔ آخری فقروں سے آپ کے تقدس میں کچھ فرق تو نہیں آیا؟"

---

(۳) "آپ کا پرسان سفری، وہ بھی "تخت رواں" ریل پر بہت ہی لائق رشک رہا۔ سچ یہ ہے کہ حسن لطیف اپنی پاکیزہ وشی اور رکاوٹ ادائی کے ساتھ "کائنات" کے خوبصورت چہرے کا "غازہ" ہی نہیں بلکہ ہمارے لئے شرط زندگی بھی ہے کہ بغیر اس کے دنیا ہمارے سے رہنے کے لائق نہیں۔"

---

(۴) "بھائی مقبول! مدت سے کچھ خبر نہیں۔ میں بھی خاموش رہا لیکن آپ کے درد دل کے احساس سے خالی نہیں۔ زندگی شراب کی طرح حسی پرانی ہو زیادہ باکیف ہوتی ہے یہ وہ راز ہے جو ہوس پرستی کے سبدانیوں کی سمجھ میں نہ آئے۔ لیکن میں اس کے اندازہ سے قاصر نہیں ہوں۔ کیونکہ اس زہر کی تلخی میرے حصہ میں آ چکی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ میں اس وقت مجروح ہوا جب عمر کی دوپہر تھی لیکن ڈھلتی چھاؤں یعنی عمر کے پچھلے دور میں تو یہ سانحہ بالکل ناقابل تلافی ہوتا ہے۔ خاص کر ایک ایسی خوش صفات اور باوفا ہستی کی ابدی جدائی دراصل شوہر کی روحانی موت ہے۔ ان خیالات کے ساتھ میں کیا آپ کی تسلی کر سکتا ہوں۔ لیکن آپ تو بہت دیندار اور پورے مولوی ہیں، عبارت کے لحاظ سے "مشیت ایزدی" یا اس کی مترادف سہی لیکن ع سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے۔"

صلائے عام کے لئے ایک مضمون بھیجا۔ میرناصر علی نے اسے پسند کیا، اس پر انہیں لکھتے ہیں:

"تعریف سے خوش ہونا انسانی کمزوری ہے جسے اگلے لوگ حماقت سمجھتے تھے ایک سچا اعتراف میرے خیال میں ادبی ترقی کو ابھارتا ہے۔ اس لئے خوش ہوں کہ آپ کے سلسلہ میں میری بات بھی بنی ہوئی ہے۔ "مقیاس النساب" کی آپ کو داد دینی ہوگی۔ نوجوان کے ذکر کے ساتھ کیونکر ممکن تھا کہ اس کا خیال نہ آتا، جسے مغربی شعراء "بہترین عطیۂ فطرت" کہتے ہیں۔ میں نے اس موقع پر "غنچۂ حسن" کے لئے "مقیاس النساب" لکھا ہے اور یہ خاص میری گھڑت ہے۔ آپ دیکھیں گے متانت میں کس قدر شوخی کوٹ کوٹ کر بھری ہے اور گویہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس ترکیب پر مجھے ناز ہے تاہم لذتِ احساس سفارشی ہے کہ اچھی سوجھی۔ آپ کی کیا رائے ہے؟ کہیں اس سے میرے مذاقِ خاص کی غمازی تو نہیں ہوتی! میں آپ کی نگاہ میں ذرا اٹھا رہنا چاہتا ہوں۔"

مہدی کی پہلی بیوی انہیں جوانی میں داغِ مفارقت دے گئی تھی ایک مدت کے بعد دوسرا نکاح کیا۔ اسی زمانے میں میرناصر علی کو اس کی خبر دیتے ہوئے لکھا۔

"پیارے جناب! میں ادھر چند عشرہ آپ کی طرف سے کچھ غافل سا رہا لیکن اس کی وجہ بہت دلچسپ ہے۔ آپ سے زیادہ کوئی نہیں جانتا کہ دنیا میں کسی کو چاہنا غضب ہے لیکن اس سے زیادہ قیامت یہ ہے کہ کہیں سے آواز آئے کہ "تو مجھ پر مرتا ہے تو میں بھی تم پر جان دیتی ہوں"۔ پہلے پہل آنکھیں کھولیں۔ مدت ہوئی ایک رفیقِ زندگی مل گیا تھا تو خوابِ طفلی و آرزوئے شباب پہلو میں تھی۔ زندگی کا بہترین حصہ اس کی پرستش میں گذارا لیکن اس نے ترکِ رفاقت کی آج تک داغ دل میں موجود ہے ؎

یہ سینے میں تازہ لگا ہے نہ تازہ داغ دل میں نشانی رہے گا

دنیا سے طبیعت بیزار ہو گئی۔ قصد کر لیا پھر کبھی عقد نہ کروں گا۔ کئی برس یوں ہی گذرے اپنے ڈھب کی چیز نظر نہ آئی۔ جیسی چاہتا تھا وہ بس کی چیز نہ تھی۔ حد اندازِ اکر کے ایک سیتی جاگتی زہرہ شب الفت آئی اور آج اس لائق ہو گیا کہ آپ کو اپنے احرامِ حج۔ بد کی خبر دینے بیٹھا ہوں میں بعض صورتوں میں کسی حد تک مغربیت پسند کرتا ہوں یعنی تھوڑی سی آزادی لیکن مصیبت یہ ہے کہ تعزیرِ خاندانی کے ساتھ گٹھاؤ کی کوئی حد نہیں اور ہمارے ہاں اس قسم کے احرام اندھیرے کا نشانہ ہیں جس سے مجھ کو طبعی نفرت ہے۔ لیکن شکر ہے کہ اندھیرے میں بھی چمکی اور وہ گوہرِ شب چراغ مل گیا جس کی تلاش تھی۔ عورت اتنی تو ہو جسے آپ مجسم شاعری کہہ سکیں جس کی دلکش آواز کانوں میں موسیقی کا مزا دے جو اپنی لطافت و نزاکت کے لحاظ سے

شائستگی کا انتہائی تخیل ہو۔

نفاست چاہتی ہے حسنِ سیرت کے ساتھ صورت کی بھی اچھی سے اچھی ہو۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ ہندوستان میں گورنی چٹی فندا اور زبرہ کی جگہ سانولی کرتیں اور نفیسین پیدا ہونے لگیں اور حسنِ صبیح کی جگہ ایک طرح کا نمک ایجاد کیا گیا۔ لیکن جس طرح میں دوسرے درجہ کی کوئی چیز پسند نہیں کرتا، یہاں بھی یہ معیار قائم رہا۔ آئندہ ہفتہ میں میرے پاس آجائے گی اور آپ اس کی جلوہ گری کے آثار صلائے عام کے صفحوں پر پردے پردے میں دیکھیں گے۔"

اقتباسات غالباً طویل ہو رہے ہیں۔ لیکن جی نہیں مانتا کہ مہدی کی تنقید کی دو ایک مثالیں پیش کئے بغیر گذر جاؤں۔ کسی زمانے میں لکھنؤ سے مولانا عبدالماجد دریابادی کے ایما پر ایک ہفتہ وار اخبار "حقیقت" نکلا تھا۔ پس پردہ مولانا دریابادی کا ہاتھ تھا اور وہ نام سے اور بے نام اس میں لکھا کرتے تھے۔ مدیر حقیقت نے ایک ناول زلیخا لکھا اور اسے مولانا دریابادی کے نام معنون کیا۔ جب اس کا ایک نسخہ مہدی کو ملا تو انہوں نے اس پر اپنی رائے یوں ظاہر کی:

"زلیخا میں لکھنؤ کی شستہ زبان کا دعویٰ کیا گیا ہے، لیکن ایک موقع پر نند لعل اور جگ کی گفتگو اور اس کا لب و لہجہ اس قدر عامیانہ اور سوقیانہ (VULGAR) ہے کہ ایک بھٹیاری بھی اس بھدے پن کا تحمل نہیں کر سکتی۔ فاطمہ شوخ سہی، لیکن بے باکی میں بھی ایک انداز ہوتا تھا۔ اظہار سے زیادہ خیال کے لئے بعض نکتوں کو چھوڑنا تھا لیکن ان نزاکتوں پر آپ کی طرح دوسروں کی نظر نہیں پڑے گی۔ بہتیرے سمجھیں گے تصویر کے دونوں رُخ ہیں، بُرے کو زیادہ نمایاں کر کے دکھایا ہے اور یوں مقصود ہاتھ سے نہیں گیا۔"

ادب اور لٹریچر کی تعریف ملاحظہ ہو۔

"میری غرض مستقلاً "لطائف ادبی" یعنی (belles letters) سے ہے۔ غالب نے اپنی مشکل پسندی کے ساتھ اس رنگ کو کسی حد تک نباہا، لیکن نفسِ لٹریچر جو خود ایک مستقل چیز ہے، خاص طرح کی شرافت اور نزاکتِ خیال چاہتا ہے۔ نرے روزمرہ اور محاورے کے الٹ پھیر سے کام نہیں چلتا۔ یہ بات میں آپ میں پاتا ہوں، یعنی آپ جو کچھ لکھتے ہیں خالص ادیب کی حیثیت سے، اور کمال انشا پردازی کا اقتضا بھی یہی ہے کہ ادب یعنی لٹریچر اور اصنافِ سخن کی طرح خود مستقل بالذات ہو۔"

افسوس کہ مہدی نے بہت کم وقت پایا۔ سرکاری ملازمت تھی، اس لئے بھی فرصت کم ملتی تھی اور عمر بھی کم ہی پائی۔ خوش درخشید و لے دولت مستعجل بود۔

میں نے مہدی کے ساتھ نیاز فتحپوری کا نام لیا ہے۔ نیاز کے خطوط کے تین مجموعے مکتوباتِ نیاز کے نام سے چھپ چکے ہیں شاید یہ بات عام طور پر معلوم نہیں کہ چند خطوں کو چھوڑ کر ان میں سے بیشتر کسی خاص شخص کے نام نہیں لکھے گئے بلکہ جب انہیں خیال آیا انہوں نے

قلم برداشتہ چند سطریں خط کی شکل میں لکھ دیں۔ ان میں چند خط خود میرے نام ہیں لیکن یہ مشکل ہے کہ معلوم کیا جائے کہ کتنے خط اصلی ہیں اور کتنے بنائے نام۔ بہرحال جہاں تک انشا کا تعلق ہے یہ بے مثال ہیں اور اُردو کی بہترین نثر کے نمونے ان میں موجود ہیں۔

مہدی کے بعد مولانا ابوالکلام آزاد کے خطوط کا مجموعہ غبارِ خاطر قابلِ ذکر ہے۔ مولانا کے علم و فضل کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ وہ ایسے وقت میں پیدا ہوئے جب مسلمانوں میں سیاسی زوال کے باعث علم و فن کی طرف سے کچھ بے نیازی سی پیدا ہو گئی تھی اس لئے ان کی کما حقہٗ قدر نہیں ہوئی۔ کس حسرت سے فرماتے ہیں:

"میری زندگی کا سارا المیہ یہ ہے کہ اس عہد اور محل کا آدمی نہیں تھا مگر اس کے حوالے کر دیا گیا۔"

یہ حقیقت ہے کہ اگر وہ دو تین سو برس پہلے پیدا ہوئے ہوتے تو آج ہم انہیں بھی ان ائمہ دین اور اساطین علم کے گروہ میں جگہ دیتے جن کے نام سُن کر فرطِ ادب و عقیدت سے بے اختیار ہماری گردنیں جھک جاتی ہیں۔ چونکہ وہ ہمارے سامنے ہیں اور اس کے علاوہ سیاست نے بھی انہیں اتنی فرصت نہیں دی کہ وہ اپنے افکار قلم بند کر دیتے اس لئے ہم ان کا مقام پہچاننے سے قاصر رہے۔

مولانا آزاد نے یہ خطوط جیل خانے میں لکھے تھے لیکن چونکہ اس زمانے میں رسل و رسائل پر پابندیاں تھیں اس لئے یہ مکتوب الیہ کو بھیجے نہیں گئے۔ جب وہ رہا ہوئے تو انہوں نے انہیں چھاپنے کی اجازت دے دی اور اس طرح مکتوب الیہ کو بھی یہ مطبوعہ شکل ہی میں ملے۔ دنیائے ادب میں غالباً اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔

ان خطوط میں بھی وہی رنگارنگی اور بوقلمونی ہے جو مولانا آزاد کی اپنی زندگی میں ہے۔ ان میں سیاست ہے، دین ہے، فلسفہ ہے، انشا ہے، ادب ہے، تاریخ ہے۔ لیکن سچ یہ ہے کہ انشا ان سب پر بھاری ہے۔ ہر جگہ طرزِ تحریر ایسا دلکش اور زبان ایسی پیاری ہے کہ ؎

وہ کہیں اور سُنا کرے کوئی

ان سے اقتباس کرنا مشکل ہے کیونکہ عبارت میں وہ تسلسل اور روانی ہے کہ جب تک صفحے کے صفحے نقل نہ کئے جائیں۔ نہ موضوع ختم ہوتا ہے اور نہ اس کا پورا لطف ہی حاصل ہو سکتا ہے۔

سب سے پہلے آپ بیتی کا ایک ٹکڑا سنئے:

"اب سوچتا ہوں تو حیرت ہوتی ہے کہ وہ بھی کیا زمانہ تھا اور طبیعت کے کیا کیا ولولے تھے۔ میری عمر سترہ برس سے زیادہ نہ ہو گی، لیکن اس وقت بھی طبیعت کی افتاد یہی تھی کہ جس میدان میں قدم اٹھائیے پوری طرح اٹھائیے اور جہاں تک راہ ملے بڑھتے ہی جائیے۔ کوئی کام بھی ہو، لیکن طبیعت اس پر کبھی راضی نہیں ہوتی کہ ادھورا کر کے چھوڑ دیا جائے۔ جس کوچہ میں بھی قدم اٹھایا اسے پوری طرح چھان کر چھوڑا۔ ثواب کے کام کئے تو وہ بھی پوری طرح کئے۔ گناہ کے کام کئے تو انہیں بھی ادھورا نہ چھوڑا۔ رندی کا کوچہ چلا تھا تو اس میں بھی سب سے آگے رہے تھے، پارسائی کی راہ لی تو اس میں بھی کسی سے پیچھے نہ رہے۔ طبیعت کا تقاضا ہمیشہ یہی رہا کہ جہاں کہیں جائیے، ناقصوں اور خام کاروں کی طرح نہ جائیے۔ رسم و راہ رکھئے تو راہ کے کاملوں سے۔ شیخ علی حزیں نے میری زبانی

کہا تھا ؎

تا دست ہم بود، ز دم چاک گریباں شرمندگی از خرقۂ پشمینہ نہ دارم "

مولانا چائے کے بہت رسیا ہیں اور چائے بھی خاص چینی۔ جن ایام میں یہ جیل میں تھے وہاں بھی یہی پیتے تھے لیکن ان کے ہمیشہ خواجتاش اس متاعِ گراں مایہ کے قدر داں نہیں تھے۔ ان کا ذکر خیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

"یہاں ہمارے زندانیوں کے قافلہ میں اس جنس کا شناسا کوئی نہیں ہے۔ اکثر حضرات دودھ اور دہی کے شائق ہیں اور آپ سمجھ سکتے ہیں کہ دودھ اور دہی کی دنیا چائے کی دنیا سے کتنی دور واقع ہوئی ہے۔ عمریں گذر جائیں پھر بھی یہ مسافت طے نہیں ہو سکتی۔ کہاں چائے کے ذوق لطیف کا شہرستانِ کیف و سرور اور کہاں دودھ اور دہی کی تخم پروری کی نگری۔

کب عمر چاہئے کہ گوارا ہو نیشِ عشق رکھتی ہے آج لذتِ زخمِ جگر کہاں

جواہر لال بلاشبہ چائے کے عادی ہیں اور چائے پیتے بھی ہیں، خواص یورپ کی ہم مشربی کے ذوق میں بغیر دودھ کی۔ لیکن جہاں تک چائے کی نوعیت کا تعلق ہے، شاہراہِ عام سے ماہر قدم نہیں نکال سکے اور اپنی پیچو و پیچوری کی قسموں پر قانع رہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں ان حضرات کو اس چائے کے پینے کی زحمت دینا نہ صرف بے سود تھا بلکہ "وضع الشیٔ فی غیر محلہ" کے حکم میں داخل تھا ؎

مے بہ بادِ مگن عرضہ کہ ایں جوہرِ ناب
پیشِ ایں قوم بہ نورانیہ زنہار نہ رسد

ان حضرات میں صرف ایک صاحب ایسے نکلے جنہوں نے ایک مرتبہ میرے ساتھ سفر کرتے ہوئے یہ چائے پی تھی اور محسوس کیا تھا کہ "اگرچہ بغیر دودھ کی ہے مگر اچھی ہے" یعنی بہتر تو دہی دودھ والا گرم شربت ہوا جو وہ روز پیا کرتے ہیں، مگر یہ بھی چنداں بری نہیں۔ زمانے کی حالگیر خیر و مذاقی دیکھتے ہوئے ان کی صرف "اچھی ہے" کی داد بھی مجھے اتنی غنیمت معلوم ہوئی کہ کبھی کبھی انہیں بلا لیا کرتا تھا کہ آئیے ایک پیالی اس "اچھی ہے" کی بھی پی لیجئے۔

عمرت دراز باد کہ ایں ہم غنیمت است

ان کے لئے یہ صرف "اچھی" ہوئی۔ یہاں چائے کا سارا معاملہ ہی ختم ہو جائے اگر یہ "اچھی ہے" ختم ہو جائے۔ غالب کیا خوب کہہ گیا ہے ؎

زاہد! ارمخوشۂ تاکے بہ چشمِ کم مبیں ہیں! نہ می دانی کہ یک جا نقصاں گروہے ایم "

انسانی دماغ نقل اور تقلید کا بے طرح گرویدہ ہے۔ عقیدہ اور خیال کتنا ہی غیر معقول اور لغو کیوں نہ ہو، انسانی طبیعت آسانی سے اسے قبول کر لیتی ہے۔ آج ہم تعجب کرتے ہیں کہ انبیاء اور مصلحین کی کیوں اتنی مخالفت ہوئی۔ اس کی تہ میں بھی یہی بات ہے۔ مولانا آزاد ایک جگہ لکھتے ہیں:

"انسان کی دماغی ترقی کی راہ میں سب سے بڑی روک اس کے تقلیدی عقاید ہیں۔ اسے کوئی طاقت اس طرح جکڑ بند نہیں کر دے سکتی جس طرح تقلیدی عقاید کی زنجیریں کر دیا کرتی ہیں۔ وہ ان زنجیروں کو توڑ نہیں سکتا اس لئے کہ توڑنا چاہتا ہی نہیں۔ وہ انہیں زیور کی طرح محبوب رکھتا ہے۔ ہر عقیدہ، ہر عمل، ہر لفظ نگاہ جو اسے خاندانی روایات اور ابتدائی تعلیم و صحبت کے اثر سے مل گیا ہے اس کے لئے ایک مقدس ورثہ ہے۔ وہ اس ورثہ کی حفاظت کرے گا مگر اسے چھونے کی جرأت نہیں کرے گا۔ اسے اوہام و موروثی عقاید کی پکڑ اتنی سخت ہوتی ہے کہ تعلیم اور گرد و پیش کا اثر بھی اسے ڈھیلا نہیں کر سکتا۔ تعلیم دماغ پر ایک جارگ چڑھا دے گی، لیکن اس کی بناوٹ کے اندر نہیں اترے گی۔ بناوٹ کے اندر ہمیشہ پرانا خاندان اور صدیوں کی متوارث روایات ہی کا ہاتھ کام کرتا رہے گا۔"

ایک جگہ ہمار کا ذکر کرتے ہوئے بلبل کے ترانوں پر یوں گہر افشانی کی ہے۔

درحقیقت یہ ہے کہ نوائے بلبل بہشت بہار کا ملفوظی ترانہ ہے۔ بر عکس اس بہشت سے محروم ہے وہ اس ترانے کے ذوق سے بھی محروم ہے۔ "رم عکس کو اس عالم کی کیا خبر۔ زمستان کی برف باری اور پت جھڑ کے بعد جب موسم کا رخ پلٹنے لگتا ہے اور بہار اپنی ساری رعنائیوں اور جلوہ فروشیوں کے ساتھ باغ و صحرا پر چھا جاتی ہے تو اس وقت برف کی بے رحمیوں سے ٹھٹھری ہوئی دنیا بکا یک محسوس کرنے لگتی ہے کہ اس برف کی افسردگیوں کی جگہ زندگی کی سرگرمیوں کی ایک نئی دنیا نمودار ہو گئی۔ انسان اپنے جسم کے اندر دیکھتا ہے تو زندگی کا تازہ خون ایک ایک رگ کے اندر اُمڈتا دکھائی دیتا ہے۔ اپنے سے باہر دیکھتا ہے تو فضا کا ایک ایک ذرہ عیش و نشاطِ ہستی کی سرمستیوں میں رقص کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ آسمان و زمین کی ہر چیز بلبل تک محو دمیوں کی سوگواری اور افسردگیوں کی جاں کاہی تھی، آج آنکھیں کھولتے تو حسن کی عشوہ طرازی ہے۔ کان لگاتے تو نغمہ کی جاں نوازی ہے۔ سونگھتے تو سرتاسر بو کی عطر بیزی ہے۔"

یہ نثر نہیں، شعر ہے۔ شعر بھی ایسا کہ اگرچہ یہ عروض کے کسی اصول پر نہ آ سکے لیکن اس کا لطف شعر سے کسی طرح کم نہیں۔ ہاں یہ درست ہے پورے طور پر لطف اندوز ہونا بھی ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔

اوپر کے اقتباس بھی اس سے خالی نہیں، لیکن ایک اور مختصر سی عبارت دیکھ لیجئے جس میں تصویر کشی کی گئی ہے:

"رات کا سماں، ستاروں کی چھاؤں، ڈھلتی ہوئی چاندنی اور اپریل کی بھیگی ہوئی رات، چاروں طرف تاج کے مینار سر اٹھائے ہوئے کھڑے تھے۔ برجیاں دم بخود بیٹھی تھیں۔ بیچ میں چاندنی سے دھلا ہوا مرمریں گنبد اپنی کرسی پر بے حس و حرکت ساکن تھا۔ نیچے جمنا کی پہلی جدولیں بل کھا کھا کر دوڑ رہی تھیں اور اوپر ستاروں کی ان گنت نگاہیں حیرت کے عالم میں تک رہی تھیں۔ نور و ظلمت کی اس ملی جلی فضا میں اچانک پردہ ہائے ستار سے ٹوٹتے بے حرف اٹھتے اور ہوا کی لہروں پر بے روک تیرنے لگتے۔ آسمان سے مارے جھڑ رہے تھے اور میری انگلی کے زخموں سے نغمے ؎

زخمہ بر تارِ رگِ جاں می زنم کس چہ داند تا چہ دستاں می زنم"

حقیقت یہ ہے کہ ان خطوط کی خوبیوں کا اندازہ ان اقتباسات سے نہیں ہو سکتا۔ پوری کتاب اس قابل ہے کہ اسے مسلسل مطالعہ میں رکھا جائے اور بار بار پڑھا جائے۔

ابھی پچھلے دنوں ایک اور ایسا خطوط کا مجموعہ شائع ہوا ہے کہ اسے دیکھ کر جی خوش ہو گیا اور اسے پڑھ کر وجدان وجد کرنے لگا خدا کا شکر کیا کہ ؎

ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں

میری مراد چودھری محمد علی ردولوی کے خطوط سے ہے جو "گویا دبستان کھل گیا" کے بولتے عنواں سے شائع ہوئے ہیں۔ ان خطوں میں وہی بے ساختگی اور آمد ہے جو غالب کا حصہ تھی۔ چودھری محمد علی کی ندرتِ زبان کی تعریف فضول ہے کہ وہ اس دریا کے پرانے شناور ہیں۔ بقول نیاز فتحپوری "وہ لکھتے نہیں بات کرتے ہیں۔" دوسرے لفظوں میں انہوں نے بھی غالب کی طرح مراسلہ کو مکالمہ بنا دیا ہے میں نے انہیں باتیں کرتے نہیں سنا لیکن ان خطوں کے پڑھنے کے بعد میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ ان کی گفتگو بھی بڑی دلچسپ اور باغ و بہار ہوگی۔ نیاز ہی نے لکھا ہے کہ "جس نے انہیں بات کرتے سنا ہے وہ ہی سمجھ سکتا ہے کہ منہ سے پھول جھڑنا کسے کہتے ہیں۔" میں شرحِ صدر سے اس پر "آمنت بالغیب" کہہ سکتا ہوں۔

آج کل ہمارے ادیب اور مصنف جو زبان لکھتے ہیں اسے دیکھ کر تعجب ہوتا ہے۔ یہ مشکل مشکل لفظ، عربی اور فارسی ترکیبوں کی بھرمار، عبارت میں الجھاؤ، طول کلامی ان کا امتیازی نشان ہے۔ یہ اصحاب گھر یا گلی بازار میں اس زبان میں گفتگو نہیں کرتے۔ آخر کیا بات ہے کہ ایک شخص بات چیت میں تو چنگی بھلی زبان بولتا ہے جس کے بولنے میں خود اسے کوئی کاوش نہیں کرنا پڑتی اور جس کے سمجھنے میں سننے والے کو دماغ پر زور نہیں دینا پڑتا۔ ادھر دل سے نکلی اُدھر دل پر اثر انداز ہوئی۔ لیکن جونہی وہ کچھ لکھنے بیٹھتا ہے تو یوں معلوم ہوتا ہے گویا تحریر "انتخاب صراح و فاموس" ہے۔ ممکن ہے اس کے اور اسباب بھی ہوں لیکن بولنے اور لکھنے کی زبان میں جو نمایاں فرق ہے میرے نزدیک اس کی بڑی وجہ خود لکھنے والوں کی غلط فہمی ہے۔ یہ اصحاب خیال کرتے ہیں کہ جب تک مشکل اور پُرشکوہ الفاظ نہ لکھے جائیں پڑھنے والے پر رعب نہیں پڑے گا، یا شاید تحریر کمزور رہ جائے گی۔ یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ بے شک بعض موضوع ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے لئے روزمرہ کی سیدھی سادی زبان کافی نہیں ہوتی (اور شاید مناسب بھی نہیں ہوتی)، لیکن علمی اور فنی موضوعات کو چھوڑ کر جہاں اصطلاحات سے بچاؤ کی کوئی صورت نہیں

کوئی اور ایسا مضمون نہیں جو ہم اپنی عام فہم زبان میں ادا نہ کر سکیں۔ جب سے ہمارے انگریزی دان احباب نے اردو میں لکھنا شروع کیا ہے آہستہ آہستہ ایک اور نقص بھی داخل ہو گیا ہے۔ آپ کسی ڈاکٹر صاحب یا بی اے ایم اے کا مضمون دیکھ لیجئے۔ آپ کو قدم قدم پر ایسے فقرے ملیں گے جو انگریزی سے ترجمہ معلوم ہوتے ہیں۔ ان کی بدیشی ترکیبیں اور محاورے کسی طرح ہماری زبان کے مزاج سے میل نہیں کھاتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اصحاب سوچتے انگریزی میں اور لکھتے اردو میں ہیں۔ دونوں زبانیں جاننے کی وجہ سے اپنے خیال کا ترجمہ تو اردو میں کر لیں گے لیکن چونکہ مزاج میں اصل انگاری بہت ہے اس لئے وہ اس بات کی پروا نہیں کریں گے کہ جو کچھ لکھا جا رہا ہے وہ ہمارے مسلمہ معیار پر بھی پورا اترتا ہے یا نہیں۔ بے شک زبان بڑھتی دولت ہے۔ اس میں نئے الفاظ آتے رہتے ہیں اور پرانے الفاظ میں سے ترک بھی ہوتے رہتے ہیں۔ اسلوب اور طرز کا بھی یہی حال ہے۔ آج ایک طرز مقبول ہے، کل وہی مردود ہو جاتا ہے۔ تجربوں سے کوئی نہیں روکتا۔ اگر کوئی روکتا ہے تو وہ زبان کی ترقی کا دشمن ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ آپ کو کھلی چھٹی دے دی جائے کہ آپ زبان کو امیر خسرو کی انمل بنا کے رکھ دیں۔

یہ کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔ آپ چودھری محمد علی کے یہ خط پڑھیں تو آپ کو معلوم ہو کہ زبان کسے کہتے ہیں اور اس میں کیسے کیسے خیالات ظاہر کرنے کی صلاحیت ہے۔ آپ صفحوں کے صفحے پڑھ جائیے، آپ کو کسرۂ اضافت کہیں ڈھونڈے سے نہیں ملے گا۔ اس کا سبب یہی ہے کہ وہ جو زبان بولتے ہیں اسی میں انہوں نے خط لکھ دیتے ہیں۔ ایسی رواں دواں نثر بہت مدت کے بعد دیکھنے میں آئی اور اسے پڑھ کر بے ساختہ زبان سے نکل گیا: "خوش گفتی و در سفتی"

اب دو تین مثالیں دیکھئے۔ پہلے دو ایک تازہ تشبیہیں ملاحظہ ہوں۔

بیٹی کی بیماری کی خبر سنی ہے اسے لکھتے ہیں:

"قربانت شوم! سن رہا ہوں کہ تمہارے دشمنوں کو حرارت آ گئی۔ تمہاری بیماری میں میری وہی کیفیت ہوتی ہے جو میر تقی میر کی برسات میں پرانے گھر کو دیکھ کر ہوتی تھی کہ

تر تنک ہو تو سو کہتے ہیں ہم"

ان کی ایک کتاب "کشکول محمد علی شاہ فقیر" ہے۔ کاتبوں اور ناشروں نے اس کا ستیاناس کر دیا ہے۔ اس کی اطلاع ایک دوست کو دیتے ہیں:

"کشکول محمد علی شاہ فقیر" امید ہے کہ ڈھائی برس کے بعد پریس سے آ جائے۔ جیسے ہی آئی حاضر کروں گا مگر صلاح الدین صاحب! چھاپنے والے نے کیا ظلم کیا ہے۔ چھپائی ایسی ہے جیسے یتیم بچے کا منہ ہوتا ہے۔ غلطیاں ایسی ہیں کہ جیسے بڑے گھر کی لونڈی ہوتی ہے۔ کتاب مسخ ہو کر رہ گئی ہے اور ہم ہیں کہ بے بس بے اختیار دم بخود بیٹھے ہیں۔"

ایک دوست کی بیوی فوت ہو گئی ہیں اسے تعزیت کا خط لکھتے ہیں اور دیکھئے کیسے انوکھے طریقے سے ہمدردی کا اظہار کیا ہے:

"میں نا تجربہ کاری کے زمانہ میں تعزیت اور پرسے پر ہنسا کرتا تھا۔ میری ایک لڑکی

جو بہت دنوں سے بیمار تھی (اس کے علاوہ چار لڑکیاں اور بھی تھیں) وہ گزر گئی۔ صبح کو ایک صاحب تعزیت کو آئے۔ بیچارے کم سخن تھے، آکر چپ بیٹھ گئے میں نے کہا۔ ہاں تو پھر شروع کیجئے۔" بچی کیا بیمار تھی؟ مجھ کو اطلاع بھی نہیں ہوئی خدا آپ کو صبر دے۔" وہ بیچارے پریشان ہو گئے۔ اس کے بعد میرا اکلوتا بیٹا گزر گیا۔ اس واقعے کے بعد ایک دیہاتی جاہل ملاقاتی نے ہمدردی کی۔ عجب بھونڈے طریقے سے اس نے مجھے تسکین دی۔ مگر یہ معلوم ہوا کہ جیسے زخم پر کسی نے مرہم رکھ دیا۔ اس نے کہا:" وہ لڑکا تمہارا تھا ہی نہیں۔ اگر تمہارا ہوتا تو تمہارے پاس رہتا۔ وہ جس کا تھا اس نے لے لیا۔ تم کیوں رنج کرتے ہو۔"

ہاشمی صاحب! اس وقت بھی وہ زخم ہرا ہے اور اس وقت بھی وہ مرہم اپنا کام کر رہا ہے۔ اس کے بعد سے میں ہر پہلو سے تعزیت کی قسمیں سمجھنے لگا اور اسی وجہ سے یہ صفحہ سیاہ کیا کہ شاید دل ہمدردی غم میں کچھ افاقہ کرے۔ ارحم الراحمین آپ صفات کو صبر دے۔ آمین!

محمد علی کی مزاح کی حس بہت تیز ہے۔ موقع مل جائے تو جنسی ہمسائے سے نہیں چوکتے۔ اگر کسی اور پر نہیں ہنس سکتے تو اپنے آپ کو بھی تختۂ مشق بنانے میں دریغ نہیں۔ ایک دوست جن سے بہت دن سے ملاقات نہیں ہوئی اور انہوں نے خیر خیریت کا خط بھی نہیں لکھا، انہیں لکھتے ہیں:

"زمانہ اور اسباب زمانہ اتنے دوسرے ہو گئے ہیں کہ نہ معلوم کتنے ہیں کہ جن سے مل کر جی خوش ہوتا تھا اور اب برسوں خبر بھی نہیں ہوتی۔ خود ہمارے ساتھی تو قریب قریب ختم ہو چلے۔ بھلے کو ہم نے اپنے سے کم سن لوگوں سے رسم بڑھا لی تھی۔ گویا سینگ کٹا کے بچھڑوں میں داخل ہو گئے تھے۔ مگر خدا کا کرنا ایسا ہے کہ ان سے بھی واسطہ نہ رہا۔ اب رہ ایک بڈھے رہ گئے ہیں۔ ان سے کبھی ملاقات ہو جاتی ہے تو آپس میں ایسی باتیں ہوتی ہیں، جیسے ہم لوگ اعراف میں بیٹھے ہیں۔"

صحت خراب ہے اور کمر میں درد ہے۔ اس کی اطلاع ایک صاحب کو دیتے ہیں:

"آج کل علاوہ روحانی تکلیف کے ایک جسمانی تکلیف بھی اضافہ ہو گئی ہے۔ یعنی کمر میں سخت ٹیک آگئی ہے۔ آپ کہیں گے کہ یہ کون ایسی مصیبت تھی جس کی بنا پر احباب سے مزاج ہمدردی وصول کیا جائے۔ حضرت بات یہ ہے کہ ایک بار

"وہ کائستھ میرے پاس ایک غرض لے کر آئے اور بہت چاپلوسی سے اپنا مطلب نکالنے میں مصروف ہو گئے۔ میں نے کہا: "ہونہ کائستھ اپنا مطلب نکالنے کے لئے دوسروں کے نقصان کی پروا نہیں کرتے۔" انہوں نے جواب دیا "ہم وہ کائستھ نہیں ہیں جو آپ سمجھتے ہیں۔" اسی طرح میری کمر کی چمک وہ نہیں ہے جو آپ سمجھ رہے ہیں۔ یہ ایسی چمک ہے جو مار میں تیزی پیدا کر دیتی ہے۔"

ایک صاحب کو بہت دن سے خط نہیں لکھا۔ انہوں نے ایک خط کا جواب نہ ملنے پر دوسرا لکھا ہے۔ اس پر لکھتے ہیں:

"بھائی خورشید، سلام شوق۔ آپ کا محبت نامہ آیا تھا اور جہاں تک یاد پڑتا ہے میں نے جواب بھی لکھا تھا مگر قسم نہیں کھاؤں گا۔ ممکن ہے لکھنے کا ارادہ ہی کر کے رہ گیا ہوں۔ بہرحال اگر وہ خط میں نے نہ بھی لکھا ہو تو آپ ڈاکخانہ دور ہے ہوں، مگر از دل دور کبھی نہیں رہے۔ اس دوسرے خط کا بھی شکریہ قبول فرمائیے۔ میں زندہ ہوں اور ابھی تک چلا جاتا ہوں مگر ابھی تک یہ حالت ہے کہ ایک دن اگر بالکل ہی چلا جاؤں تو افسوس کر لیجئے گا مگر تعجب کی کچھ بات نہ ہوگی۔"

اسی طرح ایک دوسرے دوست کو لکھتے ہیں، انہیں بھی ان کے خطوں کے جواب نہیں دیتے:

مائی ڈیر مولانا! ایک عورت تھی، وہ بڑی ہنس مکھ تھی۔ جس مرد کو دیکھتی تھی ہنس دیتی تھی۔ اس کے شوہر کو کچھ یہ بات پسند نہ تھی

عشق است و ہزار بدگمانی

اس نے اپنے شوہر کو اطمینان دلایا "ہنسنا میرا سبھاؤ[1] بالم تم چنتا نہ مانیو۔" یہی حال میری کوتاہ قلمی کا ہے۔ آپ اپنے خطوط محبت کا جواب دیر میں پا کر برا نہ مانیے۔ اگر میں رو رو کر خطوط کا جواب دیا کروں تو اتنی تمہیدیں کہاں سے پاؤں۔"

اگر میں اسی طرح اقتباس نقل کرتا جاؤں تو بلا مبالغہ آدھی کتاب نقل ہو جائے۔ کتاب کی خوبیوں کا اندازہ اس کے پڑھنے ہی سے ہو سکتا ہے۔ ان خطوں کی امتیازی خصوصیت ان کا تصنع سے عاری ہونا ہے۔ انگریزی میں ایک محاورہ ہے (THINKIG ALOUD) یعنی ادھ کچی آواز سے سوچنا۔ یہ تعریف پوری طرح ان خطوں پر صادق آتی ہے۔ چودھری محمد علی نے یہ خط نہیں لکھے بلکہ ان کے قلم نے جس وقت وہ باتیں سوچ رہے تھے ان کے ذہن و قلب کی تصویر کھینچ لی ہے۔ اب بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ کمرے کی تصویر اصل سے مختلف ہو۔

---

[1] یعنی پیار سے ہنسی مذاق میری گھٹی میں پڑا ہے، تم اس سے بدگمان نہ ہونا۔

تصدیر تو اصل کے مطابق ہی ہوگی۔

ان خطوں کے پڑھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ ان کا لکھنے والا محبت کرنے والا باپ، مخلص دوست، خدا سے ڈرنے والا آدمی اور اچھا اور نیک شہری اور بڑے مرتبے کا انسان ہے اور جب کوئی آدمی بڑے مرتبے کا انسان ہو تو اسے اس کی پروا نہیں رہتی کہ لوگ مجھے شیعہ سمجھتے ہیں یا سُنّی۔ ہندو خیال کرتے ہیں یا مسلمان۔ اس کے نزدیک انسان خلاصۂ کائنات ہے۔ کیونکہ انسان خلیفۃ اللہ فی الارض ہے نہ کہ سُنّی یا شیعہ، ہندو یا مسلمان۔

ختم کرنے سے پہلے ایک بات لکھ دوں کہ اگر "گویا بستاں کھل گیا" کا دوسرا ایڈیشن شائع ہو تو اس کی کتابت اور تصحیح پر زیادہ توجہ کی ضرورت ہے۔ چودھری محمد علی کی مختصر سوانح عمری کا اضافہ لازمی ہے اور مکتوب الیہم کے کوائف اور ان کا مکتوب نگار سے کیا رشتہ ہے، اس کی وضاحت اشد ضروری۔

عکسی خطوط

جان غالب خط تمہارا متواتر پہنچا مغز ہے عرفا میں سے ہے بیدل اور اسکا کلام
میں مضامین حقیقت آگیں ہیں لیکن دماغ کلہ دار و گریبان گلہ دار اس زمین
میں اوسکے غزل میں نے نہیں دیکھی حاجی محمد جان قدسی کے غزل اسی زمین میں ہے
در بزم وصال تو بہنگام تماشا نظارہ ز جنبیدن مژگان گلہ دارد یہ ایک شعر اور بھی
یاد ہی ہے تمہارا بیان ہے یعنے مجکو زمخ سمجھتا ہے میر سلام کہو اور یہ شعر میرا پڑہ
سنو ؎ گمان زیست بعو برمنت زبا در دم بدلتہ مرگ ولی بدتر از گمان تو نیست
مجھکو فرو گفتن کے فکر پڑ رہے ہے وہ سخنور سخن کا مالک ہے ہی زمخ ہوتا تو وہ بھی
کہیں نہ چلا آتا مجھ پر یہ تکلیف اوتہوا لوا ور تم اسی زمین میں چند شعر کہہ کر بھیج
میں اصلیح دیکر بھیجدونگا عصا ہے پیر بجا ہے پیر واللہ میرا کلام ہندی یا فارسی کچھہ
میرے بس کی نہیں ہے آگے جو کچھہ فطرت میں موجود تہا وہ لکہہ بھیجا اب جو کچھہ یاد آگیا
وہ لکھتا ہوں ؎ باقی ہے اے نشاط شخن از تنگ و نام چیست در کام خاص تجربہ و ذوق عام چیست
مبہم ز خون دل ہمہ چشمم ازان پر است گوئے محو شراب و نہ بینی بجام چیست ط

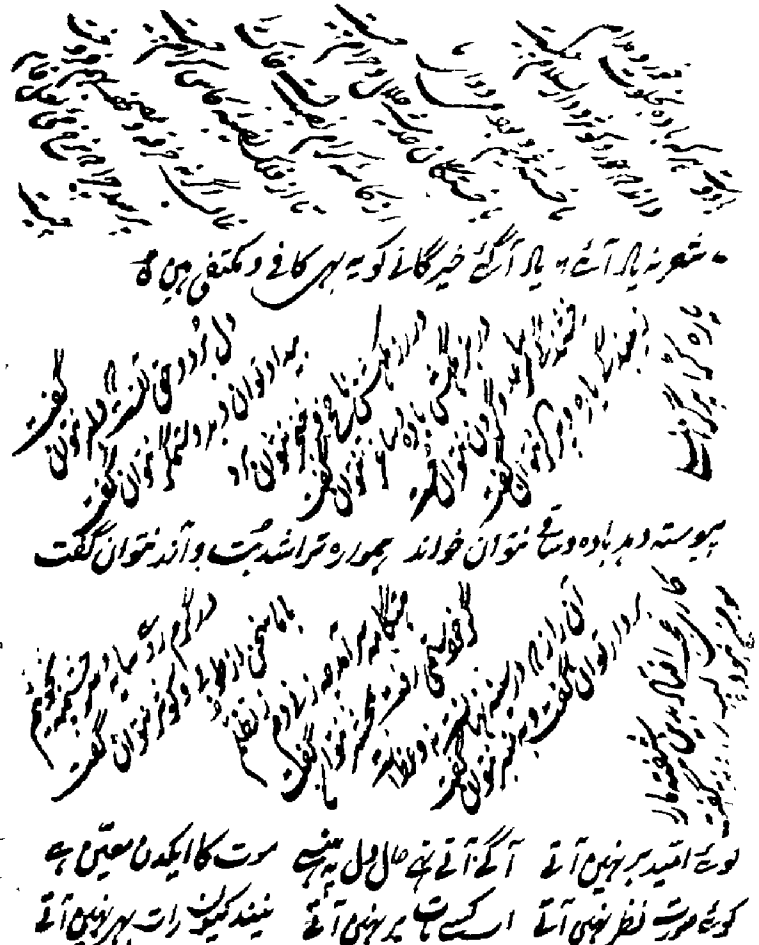

؎ شعر نہ یاد آئے یہ یاد آگئے خیر گانے کو یہ بہی کافی و مکتفی ہیں ؎

دل ز دود آہ من در پیچ و تاب افتاد ہمچو زلف یار ہر جا شانہ ام کردند شکست

ہمو سنہ و مدہا دہ و سنج نتوان خواند ہمورہ تراشد بت و آزر نتوان گفت

لوئے امید پر نہیں آتے آگے آتے تہے حال دل پہ ہنسی رات کا ایکدن معین ہے
کوئے صورت نظر نہیں آتے اب کسی بات پر نہیں آتے نیند کیوں رات بہر نہیں آتے

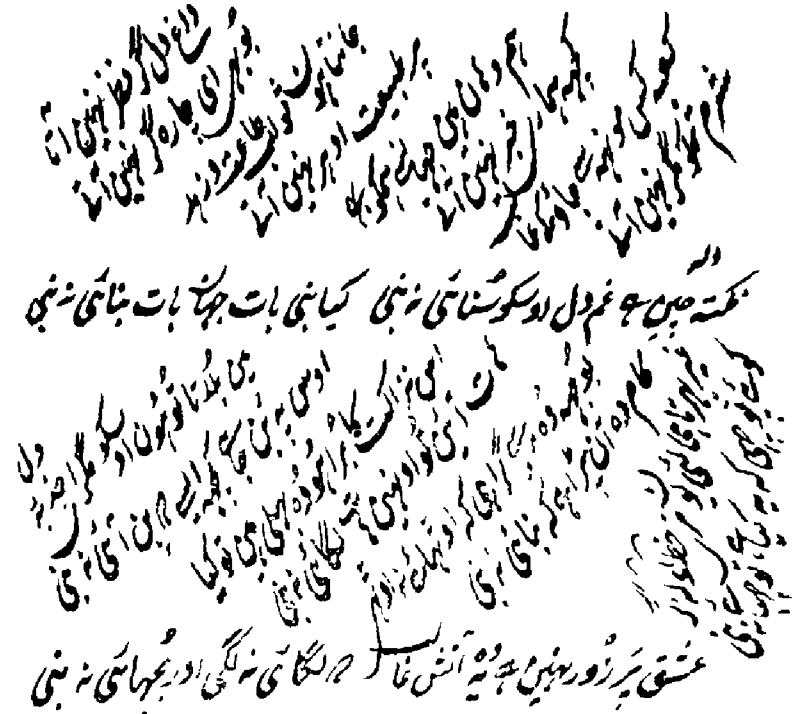

مرزا غالب کے خط کا بقیہ حصہ

لو ہا رو صبح رو را دینہ ۱۱ جولائی ہیزنس

بمطالعہ مباہجہ برخوردار سعادت و اقبال نشان مرزا علاوالدین سلمہ اللہ تعالیٰ

مضمون باد

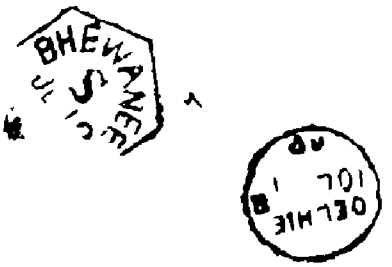

اصل لفافے کی عکسی تحریر جس میں یہ خط ملفوف کر کے بھیجا گیا۔

مکتوب سر سید احمد خان

مکتوب الیہ مولوی سید ممتاز علی صاحب

مکتوب مولانا محمد حسین آزاد

عزیزی الحمد اللہ ثم الحمد اللہ تم

تمہارے خط ہائے فراواں پہنچے ہیں - تمہارا محبت نامہ بھی

پہنچا باعث مسرت ہوا - مجھ کو خیر ہی ہے - خدا تمہیں صحت دے - گھبراؤ نہیں علاج

کرتے رہو انشاء اللہ شفا ہوگی -

میرا حال بدستور ہے - مدرسہ کا حال یہ ہے کہ حضور سائی صاحب بہادر پرنسپل نہیں ہیں اور انسپکٹری

صلعہ لاہور کی بھی ان کے ذمہ ہے - ڈاکٹر شلب بالکل صاحب انسپکٹر صلعہ جہلم ایسا ہے کہ شاذ تشریف

لیجاتے ہیں - اکثر جگہ ایک صاحب عارضی طور پر تشریف لیجاتے ہیں کوئی صاحب انتظام نہیں رہتا ہے

عالم بیچارہ اور بے شوق سے پڑھاتا ہے ہیں ہمارے سروکار برستور قائم ہے روز ہیں - ہاں سنگر چند

البتہ الگ ہو گئے - باقی سب بدستور لیکن الگ مستعفی -

تمہارا کیا لکھوں - انہیں علامت کی طرح ہے مگر گھبراؤ نہیں انشاء اللہ عنقریب دعا بہتری ہے - والدہ کا

محمد حسین عفی عنہ

مکتوب الیہ نا معلوم

نواب صاحب تفاضل شعار مشفقی

میں دن سے خط کا منتظر تھا جو آج بتاریخ ۱۲ ذی الحجہ بروز جمعہ کو اسکی
اوس پر خفا ہونے میں نے خوب حیلہ ہاتھ آیا پہلے تو یہ لکھا کہ بدی عادت
ہے کہ جس کو ایک بار لکھتا ہوں دوسری بار لکھنے میں ذرا اوسکو چمٹا رہتا ہوں
جو اونکو خط لکھا ہوں وہ اونا کر خط میں میرا اوسکو اپنے لیکر
آنا ضرور ہے پھر ہی نہ عنایت انکو غزل ملفوف اور سفارش
سے معلوم ہوا کہ بھی سب غزلیں مسودہ میں موجود ہیں
کہ اونی کوں نا ہی کسی سبب ضرورت لگنے کی شدت ہے
محبوبی دعا کی خط فصیح الملک داغ دہلوی

۵ ربیع الاول سنہ ۱۳۱۲ ہجری

مکتوب مولانا حالی

پانی پت
۲۹ مارچ ۱۹۱۲ء

مولوی شبلی نعمانی کا قدر دشناسانہ

(قسم اول الحکم) - دیوان وحشت میں آپ کے ارادت آمیز
مجرمہ جو آپ نے از راہ لطف و کرم بندہ کو بھیجا ارسال
خدمت فرمایا ہے اوقات اسکا تکدر آمیز ہوا۔ اسکا
اپنی حالت پر افسوس کرتا ہوں کہ یہ عطیہ ایسے
آیا جبکہ میرا دل اسکے قدر کرنے کے لائق نہیں رہا
چیدہ نہ ضعف محنت چون از جہان دل سیر شد
دلدادہ آب زندگی داد بعمر خضر دہد
مجھ میں اوراق مصنفہ کو سبب تکنے بڑھاپے کے
موقوف ہو گیا ہے - بایں ہمہ یہ کچھ نہیں ہے کہ

کہ دیوان وحشت کا مطالعہ میری دل پر مرہم کا
پیدا ہوئی ہے - اول تو آپ کا تخلص ہی اس داغدار
صحبت کا ایک اعلان کرتا ہے (میں سیدھم جہان وحشت کی یاد کو
تازہ کرنا ہی جہاں ہے) پھر اشعار ایسے ایک اور
فرماتے ہیں

وحشت و شیفتہ اب مجلس شعراء میں کہاں
مرگیا غالب آتشہ بھی اچھا ہوا

دوسرے آپ کا مدار سخن بھی دلکش زمانہ کے اقتضاء پر
اکثر صورت آئینہ جو کہ سامان دل پریشانی ہے - مدار
شاعری کا حسن ادا پر ہے نکتہ کی طرف کم التفات
ہے (دربار حد سے زیادہ اعتراضات کو پوچھا ہوں گا اور
نکتہ چینی کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا گیا تھا) آپ کلکتہ کے
ارباب فضل و کمال میں سے ایک یگانہ و ہمگر ہیں تخصیص کی
سند کے تتبع پر فخر کرتا ہے - غالباً آپ نے ابھی نہیں دیکھا
ہو تو سنا ہوگا کہ جب میرزا غالب مرحوم اپنی مروجہ
پیشہ کی نسبت گویا شہد میں پنہاں نہ کرسکے کی وجہ سے

مکتوب علامہ ڈاکٹر محمد اقبال

Dr. Sir Mohd Iqbal, Kt
M A Ph D
Barrister-at-Law,
Lahore

۳۲ ۱۰ ولایتی ۱۹۳۲ء

بلعموم

۱۴ بیگم

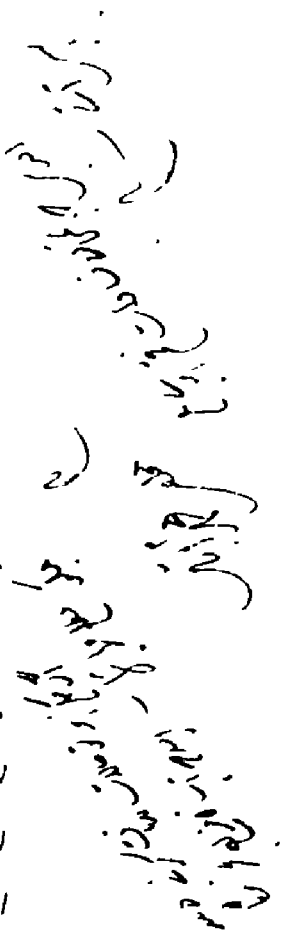

مکتوب الیہ مولانا محمد عرفان صاحب

مکتوب ڈپٹی نذیر احمد

عالی جناب

السلام علیکم۔ آپ کو شاید معلوم ہی کہ میں نے بڑی محنت سے قرآن مجید کا اردو ترجمہ کیا ہی۔ مجکو اس کے لئے تین برس محنت شاقہ اُٹھانی پڑی ہی اور تراجم موجودہ اور تفاسیر اور احادیث سے مقابلہ کرنے کے لئے مولویوں کا اسٹاف رکھنا پڑا اب جب کہ یہ ترجمہ بیحد نزدیک باصلاح مجلس مطلب حسنہ مستند اور تراجم موجودہ سے بہت بہتر ہوا ہی۔ ترجمہ کے ساتھ اشارات بھی رکھ دیئے گئے ہیں اور منظور یہ ہی کہ ان اطراف میں اصلاح اعتدال کر دیا جائے کہ قرآن مجید کا نیا ترجمہ مل سکتا ہی۔ پہلے آپ دیکھ دکھا کر اچھی طرح اطمینان حاصل کر لیجئے تب اگر آپ کی رائے میں یہ ترجمہ تراجم موجودہ سے بہتر ہی یا نہیں اور اگر آپ کے نزدیک بہتر ثابت ہو تو آپ اس کی سرپرستی کیجئے کیونکہ اس کی اشاعت میں مدد دینا گویا اغراض رسالت کی تکمیل کرنا ہی بلکہ اگر آپ کر سکیں تو اس ترجمہ کی کمیٹی کو سرکار کے گوش زد کریں اور اُن سے سرپرستی کی تحریک فرمائیں۔ ترجمہ کے حجم اور سواد خط اور چھاپہ آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ جیت جو قرار دی گئی ہی اس میں کوئی ذاتی مفاد مضمر نہیں ورنہ جیت اگر اپنی محنت اور مولویوں کی تنخواہ لگاتا تو بھی بہت لاگت پڑتی مگر میں نے یہ کام حسبۃً للہ کیا ہی ان اجری الا علی اللہ

میرے میں آپ سے تفصیلی ملاقات نہ ہونے کا افسوس باقی رہ گیا۔

فقط عاجز نذیر احمد

۱۰ جنوری ۱۸۹۶ء

ترجمہ تو یہ ہے آپ کی خدمت میں
روانہ کیا گیا ہی اور مرسلہ چیک کا
وصول کیا گیا ہی رسید بھیج دیں
تاکہ اطمینان ہو۔

مکتوب الیہ نواب مولانا سید علی حسن صاحب

مکتوب نواب محسن الملک

Honorary Secretary's Office.
M A-O COLLEGE.
Aligarh ——— .190

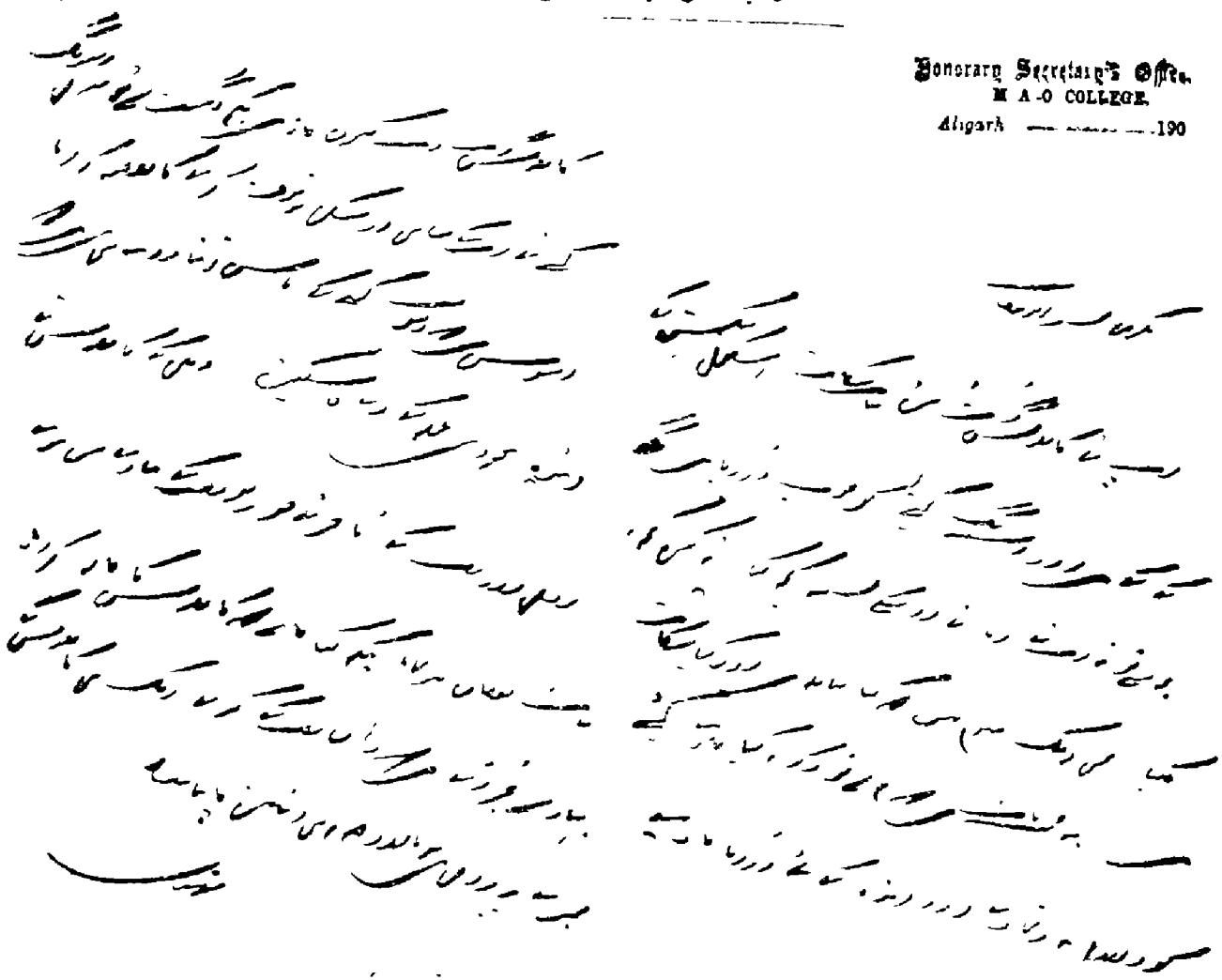

مکتوب نواب وقار الملک

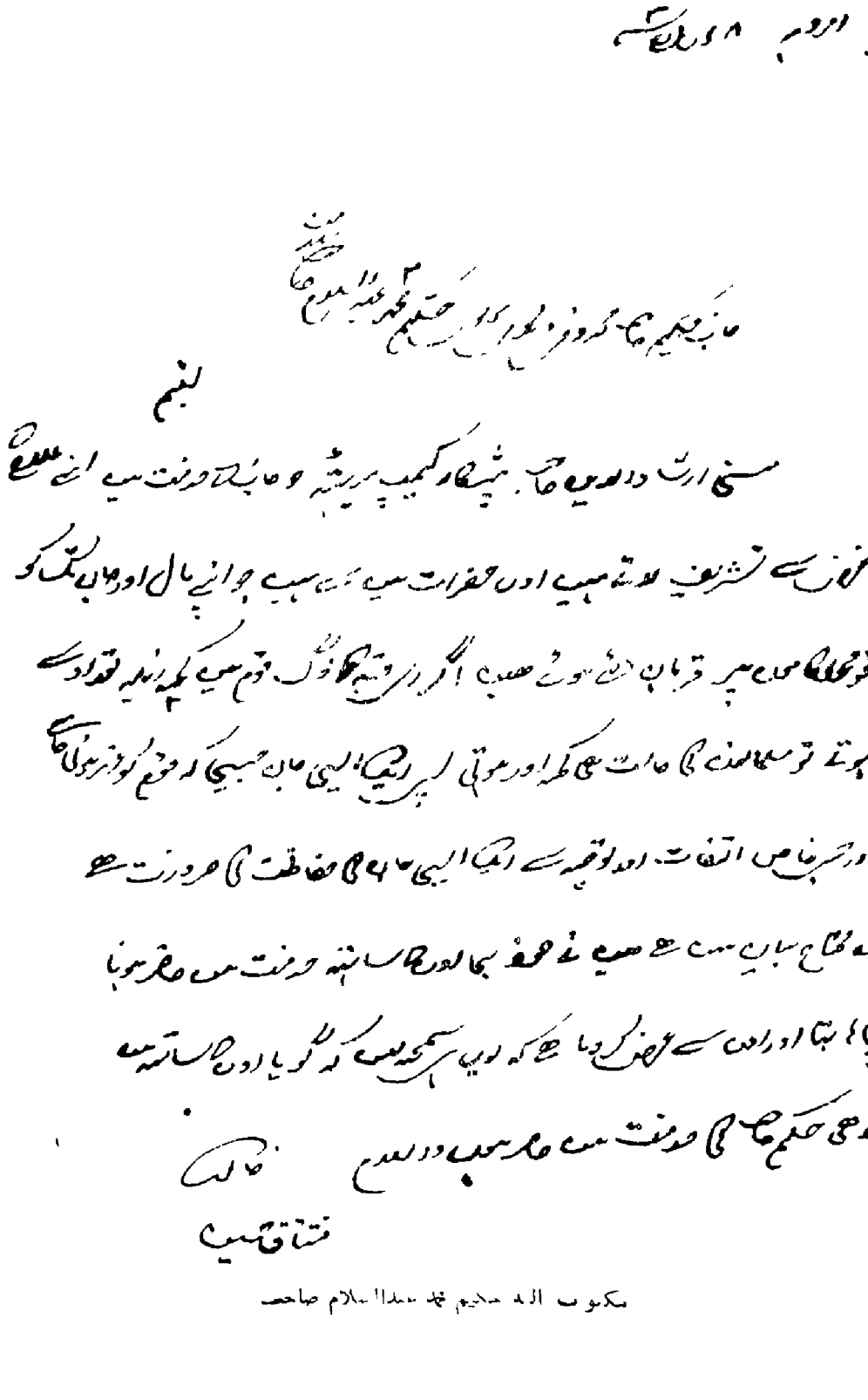

مکتوب الیہ حکیم محمد عبدالسلام صاحب

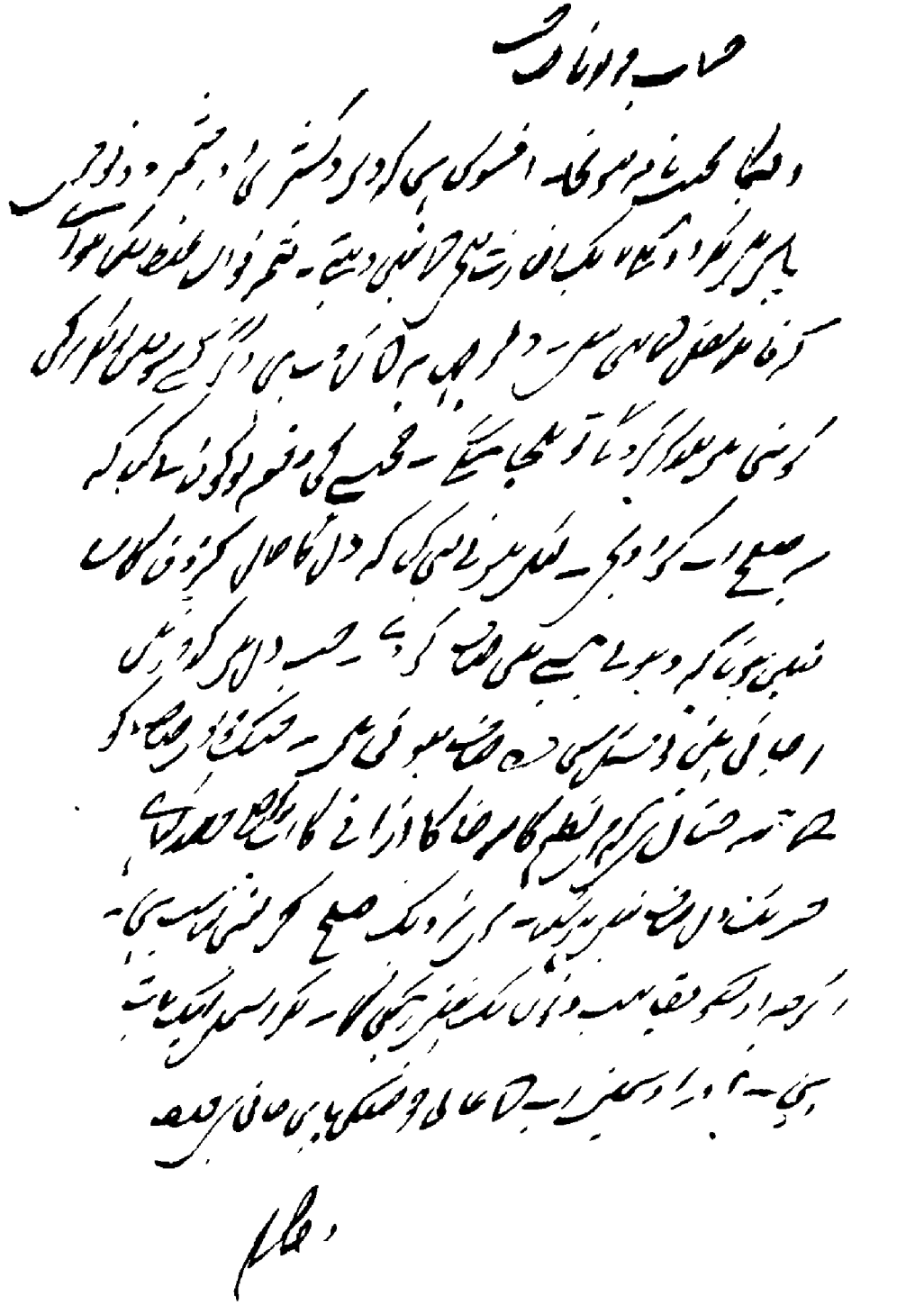

مکتوب مولانا حبیب الرحمن شروانی

CENTRAL OFFICE OF
ALL INDIA MUSLIM EDUCATIONAL CONFERENCE
SULTAN JAHAN MANZIL
ALIGARH

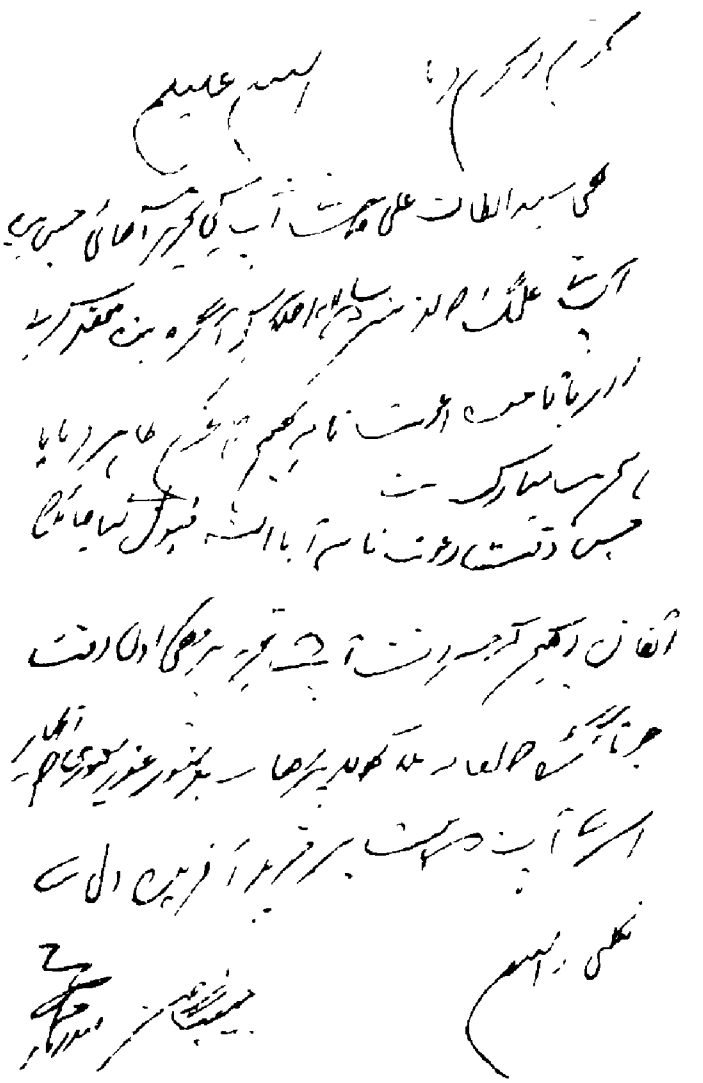

مکتوب الیہ طاہر فاروقی صاحب

بخدمت

آپ کا خط مجھکو کچھ تو دیر میں ملا کچھ اور بات یہ ہے کہ دو باب میں تاخیر ہوئی

قاضی معز الدین رامپور کی کتب خانہ سرکاری اور قاہرہ کی کتب خانہ

خدیویہ میں موجود ہے

ابوریحان کی تصانیف کی فہرست مفصل ترجمہ انگریزی کتاب البلند

صفحہ ابوریحان سیرونی سلیمان ندوی ۱۹۱۳ء میں چھپ گئی ہے

اس سے زیادہ نہیں مل سکتی۔

اسکی اکثر تصنیفات حیدرآباد کتب خانہ خدیویہ میں موجود ہیں

عمر خیام کی تصنیفات جب روایت تاریخ الحکماء

نہایت کوشش کی قلمی نسخہ بہت کم ہیں باوجود اس کے جو ذیل ہیں

ایک بیشتر رسالہ طبیعیات ہیں۔ ایک رسالہ وجود

کی حقیقت پر۔ ایک رسالہ کون و تکلیف پر۔

۲۔ اس انتخاب میں

۵ ابوریحان کا سنہ وفات مختلف بیان کیا ہے ابن ابی اصیبعہ

۴۳۰ھ لکھا ہے اور کتاب مذکور بہت مستند خیال کی جاتی ہے

۶ ابوریحان کی تصانیف کتب خانہ رامپور و پٹنہ و قاہرہ میں

مل سکتی ہیں۔

سلطان رضا میں دونوں سے ابوالوفا بوزجانی۔ بتائی

جانی چاہیے کہ لوگ اور بہتر انتخاب ہیں ان کی تصنیفات

پر بھی توجہ کی

شبلی نعمانی

اعظم گڑھ

۳۰ شعبان ۱۳۳۱ھ

مکتوب مولانا شوکت علی

THE CENTRAL KHILAFAT COMMITTEE (INDIA)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

BOMBAY 7 7 19

مکتوب مولانا محمد علی جوہر

Telephone No. 2556 Telegrams "COMRADE" Delhi

The Comrade.

Kuchā Chelan

Date 3rd May 12

مکتوب الیہ مولانا محمود احمد عباسی

مکتوب شیخ الهند مولانا محمود الحسن

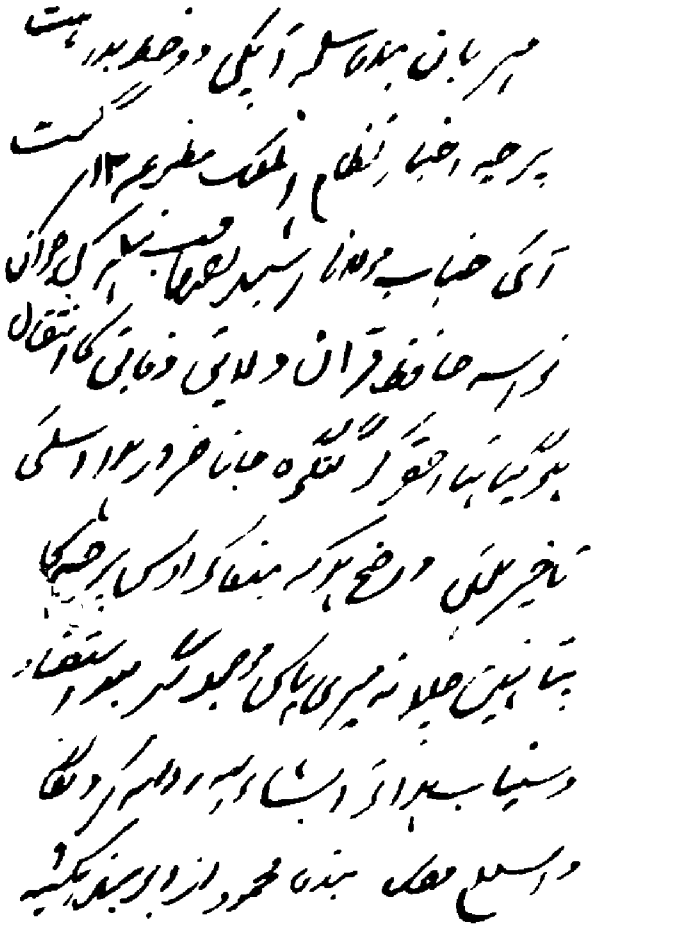

مکتوب الله مولوی کریم بخش صاحب

مکتوب وحیدالدین سلیم

دفتر معارف
علی گڑھ
6/6/96

جناب من

آپ کے مضمون سلاست مشحون "غزوہ کی تصنیفات
اور اسلاف یورپ کی فیاضی" کو ناظرین معارف نے
بہت پسند کیا اور اخباروں میں بھی نقل ہوا ہے
اب تو سب منتظر اور مشتاق اور بیتاب ہیں
اسکے باقی حصے پھر اسی آب و تاب سے معارف میں
طبع ہو کر انکی نظر سے گذریں ۔ کیا آپ
ناظرین معارف کے اس اشتیاق اور انتظار پر
رحم نہ کرینگے ۔

مکتوب الیہ نواب سید علی حسن صاحب

اسکی عنایتوں سے تو بھی امید ہے کہ آئندہ بھی
آپ نہ صرف عنایت نامہ ارسال فرمائیں گے بلکہ
اپنے مضمون کے بقیہ حصے بھی عطا فرمائیں گے۔
"الملتقط" کی آئندہ جلد میں چھپ سکے
آپ کی بقیہ تحریریں مل جائیں
تو عنایت مرتبانہ سے بعید نہ ہوگا۔

والسلام خیر ختام

آپ کا نیاز مند قدیم
رحمید الدین سلیم

مکتوب سید احمد دهلوی (فرهنگ آصفیه)

حافظ صفدر علی صاحب مصحح شنگ رفاہ عام پریس لاہور نے میری کتاب فرہنگ آصفیہ
کی جلد چہارم کے پتہ تقریباً نصف سے زیادہ بنایا ہے - میرا خیال تہا کہ منشی علی بخش صاحب سے
زیادہ اس کام میں دوسرا شخص مہارت نہیں رکہتا کیونکہ اول تو وہ گورنمنٹ پریس
میں میرے ماتحت ۱۸۷۷ء سے ہمیشہ تحسین و آفرین کے مورد رہے - دوسرے
یہ کہ حافظ صاحب کے استاد بہی وہی ہیں - لیکن جبکہ منشی علی بخش صاحب نے تقاضا کیا تو میں نے
یہ کام بالکل چہوڑ دیا - اسوجہ سے یہ کہنا بیجا نہیں کہ اسوقت حافظ صفدر علی صاحب
بہتر لاہور میں کوئی شنگ ساز نہیں ہے - انہوں نے صفحے کے صفحے میری کتاب کے از سر نو
پتہر پر لکہکر اکثر اوقات خطے خط مٹا دیا غلطیوں کو نہایت احتیاط اور درستی سے
بنایا بلکہ اصلاً بہی کہیں غلطی نہیں کی - انگریزی اور ناگری کے الفاظ بہی خوبی بنائے
پس اس سے زیادہ کیا لیاقت ہو سکتی ہے - میں خوش ہو کر انکو کچہ پان کہانے کیواسطے
بہی دیا لیکن میں خوش جب ہوتا کہ اسوقت انکی خدمت جیسا دل چاہتا تہا
ویسی کر سکتا اور مجکو اسوقت کی حسرت مانع نہ آتی - فقط ۱۲ جولائی ۱۹۰۱ء

سید احمد دہلوی بقلم خود

12/7/1901

مکتوب الیہ حافظ صفدر علی صاحب

مکتوب احسن مارہروی

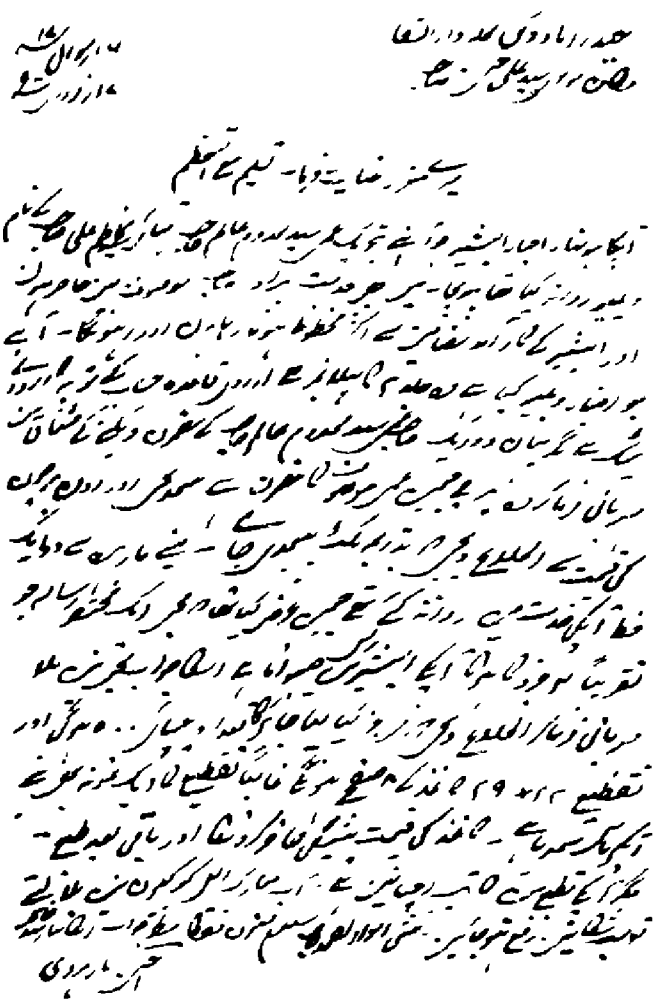

مکتوب الیہ مولوی سمیر الدین احمد

مکتوب مولوی سید مختار علی صاحب

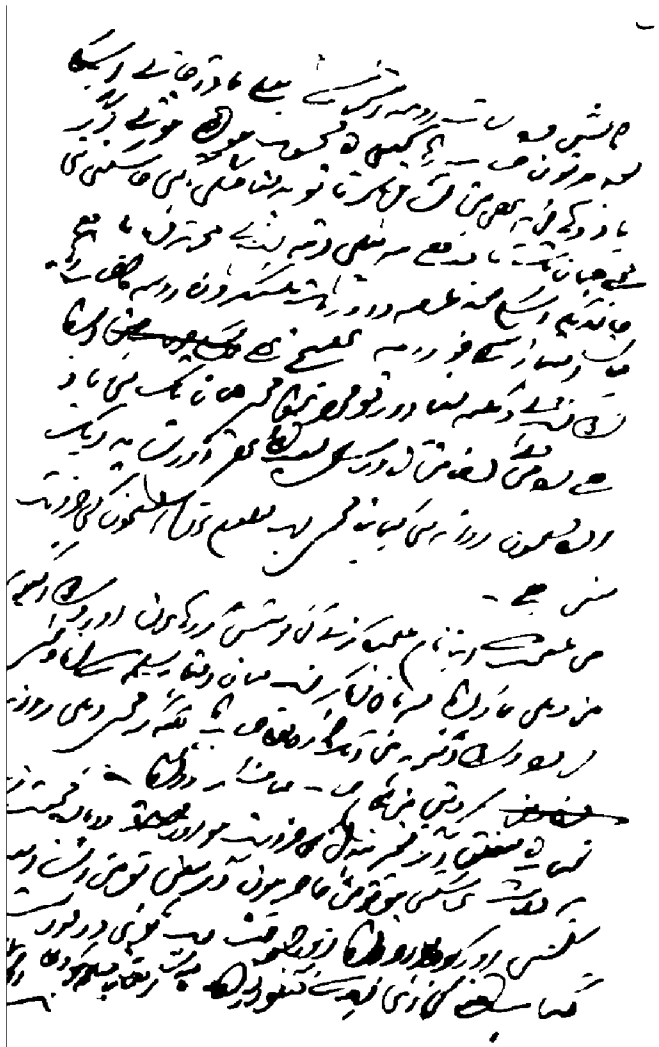

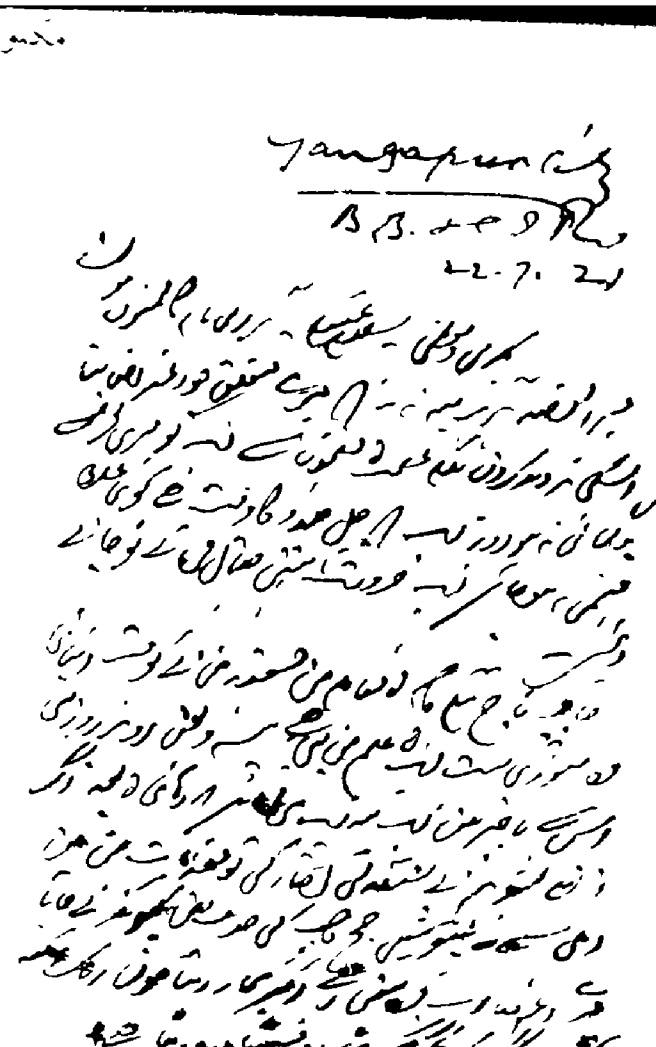

مکتوب الیہ مولوی سید مختار علی صاحب

مکتوب ناصر نذیر فراق

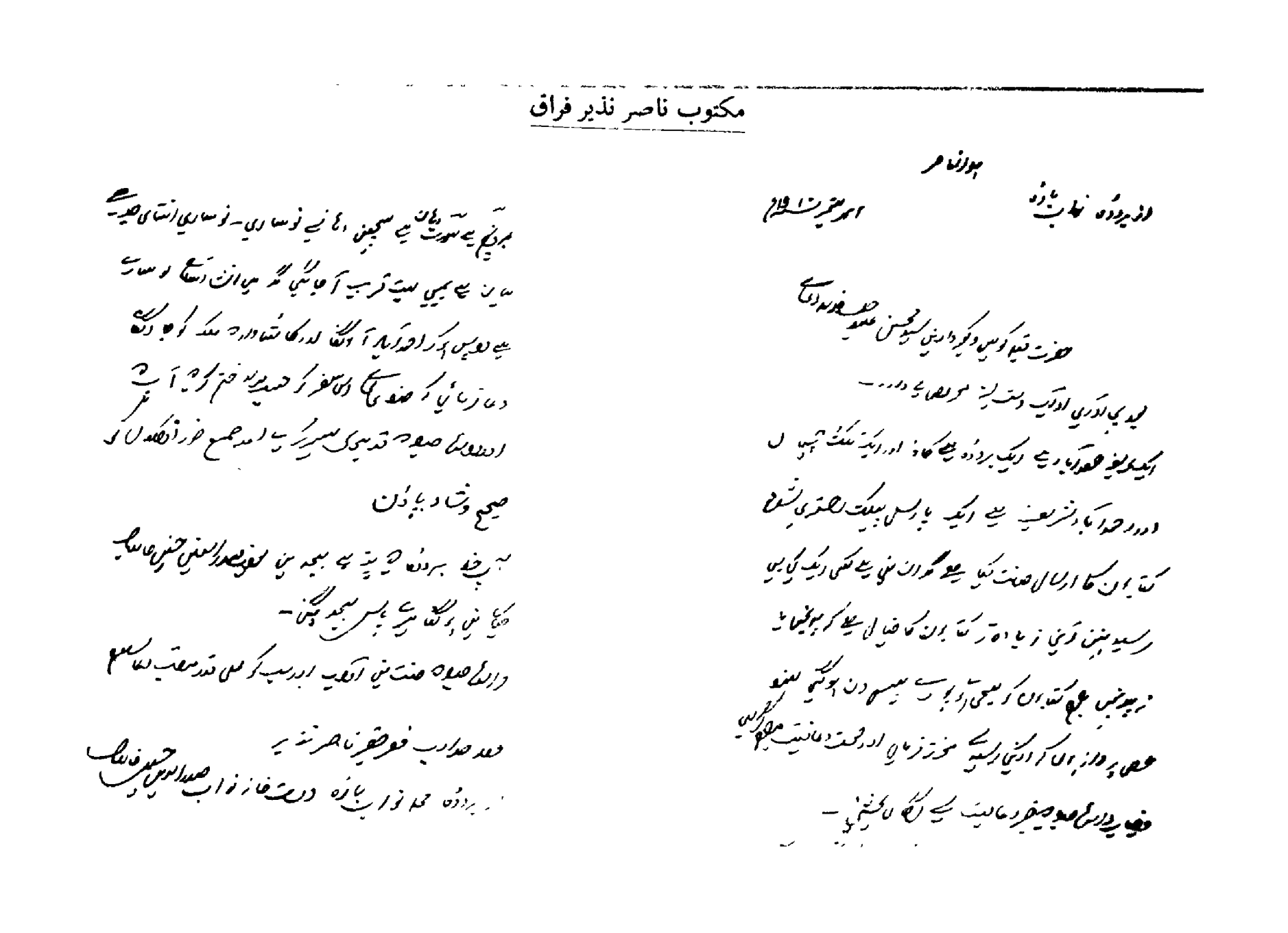

مکتوب جالب دهلوی

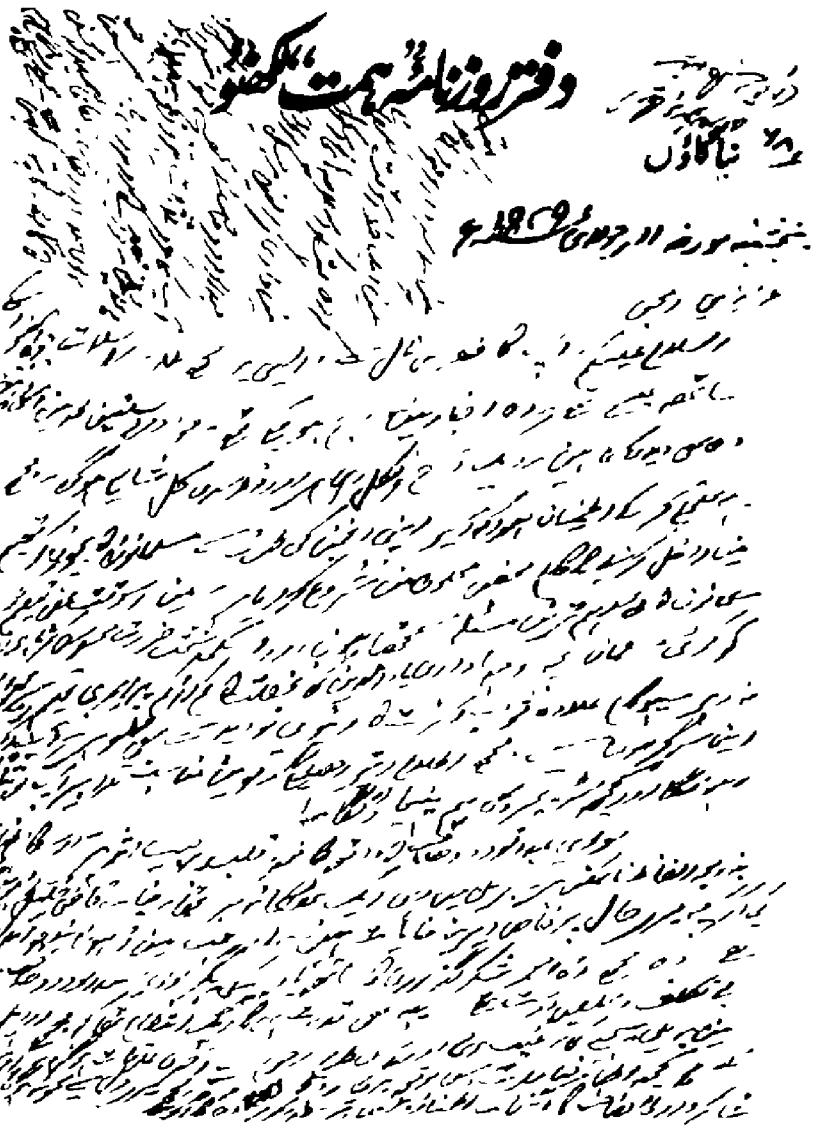

مکتوب الیہ مولانا الطاف علی بریلوی صاحب

مکتوب حکیم اجمل خان

مکرمی

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا مکتوب گرامی مل چکا ہے۔ مولانا علی صاحب سے میرا سلام عرض کر دیجئے اور یہ بھی کہہ دیجئے کہ جو کچھ ہوا وہ میری مرضی کے خلاف ہوا ہے۔

محمد صاحب اسیریہ کی آبادی بہت پریشان حال ہے اور اس کے مصائب خیال اور قلم سے بالاتر ہیں ایک طرف شام کے فرزندوں نے اپنی عظیم القربانی اور انسانی دوستی کو دنیا کے سامنے پیش کر رہا ہے دوسری طرف ان صدمات کو برداشت کرنے میں جو ذرہ بھر بھی سست ہے اور ہے انھیں نیچا دکھا رہے ہیں اپنے صبر و استقلال کو بھی انھوں نے ہر انسان کے دل سے داد تحسین کرا دیا ہے۔ یہ سب کچھ ہے مگر ہم نے ان کے لئے کیا کیا ہے؟ اس کا کوئی مستقل اور صحیح جواب ہمارے سامنے نہیں ہے۔

"دستر خیف فنڈ" کے نام سے جو رقم جمع میں قائم کی گئی تھی اس نے بھی کوئی عملی کام اب تک نہیں کیا صرف اس کے قیام کے اعلان کو سنکر کچھ ہندو مسلمانوں نے جو بھیجے تھے وہ تو ان دفتر سے واپس بھیج گئے اس چندہ کے سوا آج تک محمد علی فنڈ اور غالباً کل نہیں ہزار سے زائد رقم آئی اور نہ بھی کسی صحیح پتہ سے کوئی رقم بھیجنے کے لئے کوئی کوشش بھی عمل میں لائی گئی۔

لہٰذا آپ اور مولانا محمد علی صاحب اسیر تک تمام میرے دستر خیف فنڈ علی کی اعانت کر سکتے ہیں اور کچھ روپیہ اس انسانی اور ملی امداد کے لئے جلد سے جلد ارسال کر سکتے ہیں۔ اگر آپ کسی ایسے نوشتہ دستانی مسلمان کو معلوم ہو جو ترکی کی کسی قدر صحیح مشورہ دے سکتا ہو تو مطلع

اجمل

۲۴ نومبر ۲۱

مکتوب الیہ مولانا غلام رسول صاحب مہر

مکتوب ڈاکٹر انصاری

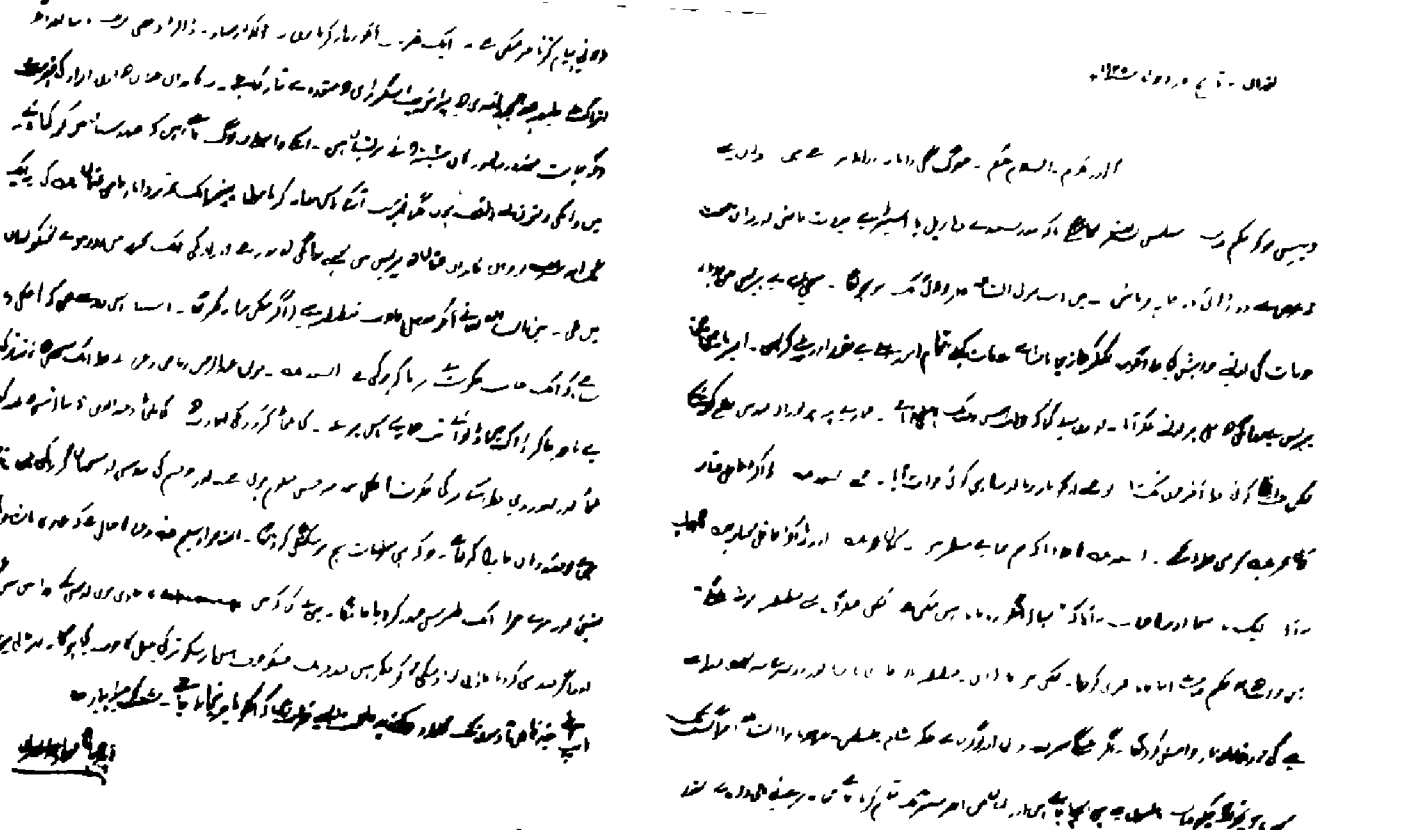

مکتوب الیہ مولوی محمد عرفان صاحب

مکتوب سری رام

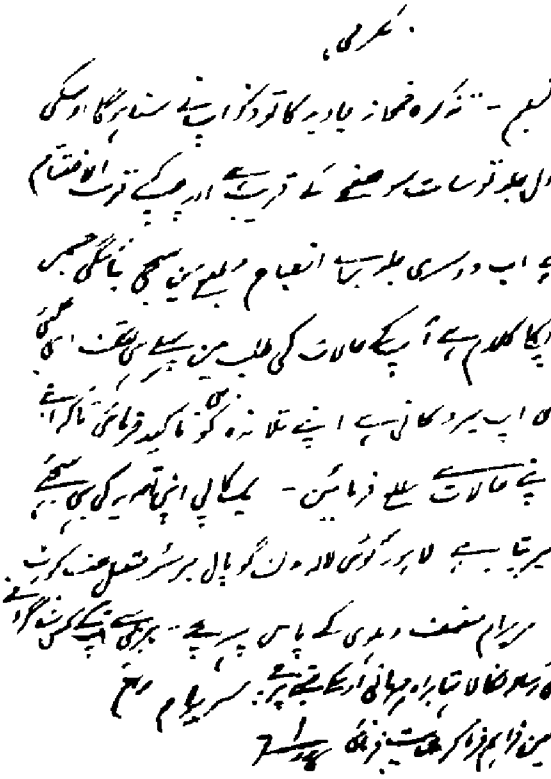

مکتوب الیہ مولانا حسن رضا خاں صاحب حسن

مکتوب سر عبدالقادر

لندن
۲۰ ستمبر ۱۹۰۹ء

بنام اقبال

۲۹ اگست کو
اسلامیہ کالج - آپ کا خط ۱۲ تاریخ کا لکھا ہوا ۲۰ اگست کو
ملا - میں دو ہفتے سے کچھ زیادہ عرصہ ہوا آکسفورڈ سے
لندن آ گیا ہوں گا - آپ کا روپیہ ۔ نقل و حرکت والا میرے
نام آ گیا ہوگا - اب یہ پھر سیالکوٹ کو ہی بھیجا جائے گا - کیونکہ
آپ نے لکھا ہے - کہ آپ ۵ ستمبر کو سیالکوٹ جائیں گے -
مگر عدالت میں ہونے کی وجہ سے آپ نے لکھا ہے کہ
ہو - مگر پھر بھی میں چاہتا ہوں کہ آپ مقدمات ہی کچھ دیر
ملتوی کرا دیں - چند روز کی تو کیوں نہ ہو - اس سے دونوں کا
ہی آپ کا سلسلہ نہیں ٹوٹتا - دوسرے لفظوں میں آپ کی
چھٹی دنوں آپ کا فائدہ ہی ہے - تو پھر بھی ایک آدھ ہفتہ
آپ تکلیف فرما کر کوشش کریں - بلکہ یہ فیصلہ کریں کہ آپ کو
ہم منتظر رہیں ۔ ع

تو میرا شوق دیکھ مرا انتظار دیکھ

شرقی و مغربی کی تقریب کا شکریہ ادا کرتا ہوں - جیسا کہ آپ کو
معلوم ہے کہ میں نے اس کے لئے کوشش کی - اگر ہو سکے تو
آگست -
ہاں - اگست کے صرف آپ سے منتظر ہیں - یہاں بھی کئی لوگ منتظر ہیں
آپ ہیں سب سے بڑھ کر میری ہوں اور پھر وہ صرف ذریعے مشتاق تر ہیں
جانے ہیں -

عبدالقادر

مکتوب الیہ علامہ اقبال

مکتوب ظفر علی خاں

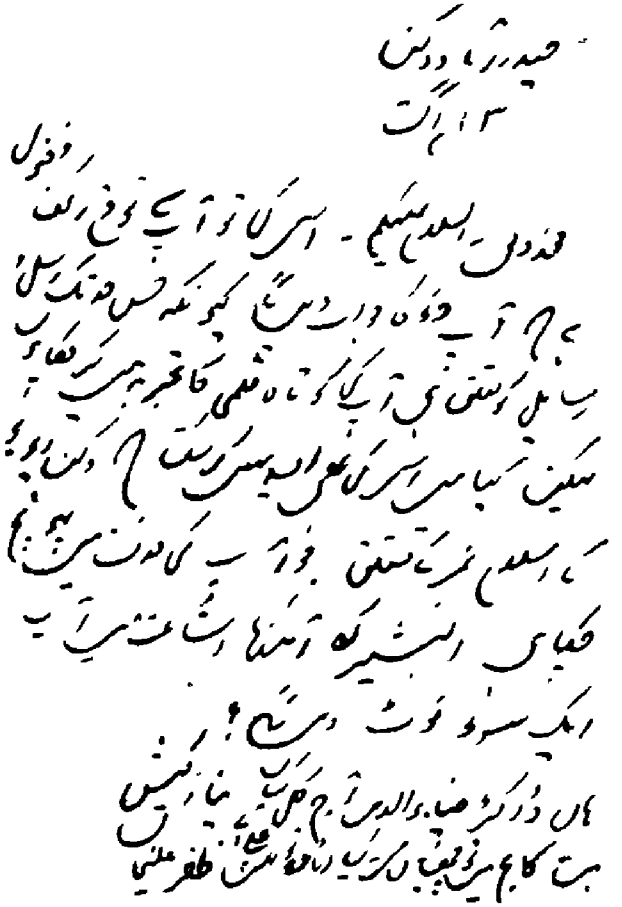

مکتوب الیہ مولوی محمد شیر الدین

مکتوب وحشت کلکتوی

ڈھاکا ۲۲ نومبر ۵۱ء

مکرمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

محبت نامہ مورخہ ۲۰ اپریل بہنچکر باعث مسرت ہوا ۔ معلوم ہوا کہ آپ عنقریب کلکتہ آنیوالے ہیں وہاں پہنچتے ہی آپ مجھے اور اپنے احباب کو اپنے نئے پتے سے آگاہ کیجئے ۔ جرنل صاحب ڈھاکا آئے تھے معلوم ہوا کہ وہ مینیجر کاشانہ کی اپنا مضمون چھپ چکا ہیں ۔ مینیجر صاحب کا حال معلوم نہیں اور میں 'وحشت نمبر کاشانہ' کے متعلق اپنے کسی خط میں ذکر کرنا نہیں چاہتا ۔ آپ اس کام کو بخوبی انجام دے رہے ہیں ۔ ترانہ وحشت کی کتابت ہو رہی ہے اور ممکن ہے دسمبر کے اخیر تک کتاب مکمل ہو جائے ۔

آپکا مضمون 'ترقی' میں میری نظر سے گزرا ۔ یہ مضمون قابل قدر ہے ۔ ڈھاکا میں اگر میرے ملنے والوں نے اسکو دیکھا اور تعریف کی ۔ ایک فہرست سی میرے شاگردوں کی اس میں نظر آئی ۔ یہ ہوتی تو بہتر تھا ۔ اس فہرست میں دو چار نام ایسے ہیں جنکے متعلق میں نہیں چاہتا کہ لوگ انہیں میرے شاگرد سمجھیں ۔ فیراز 'تیر از کمان رفت' ۔

حضرت شمس کے تذکرہ میں آپنے عزیز کا نام لکھا ہے یہ انکے شاگرد نہ تھے اپنے بھائی صولت سے اصلاح لیتے تھے ۔ انکو آپنے بقید حیات بتایا ہے دو تین سال ہوئے انہوں نے قضا کی ۔ انکل مرحوم کے متعلق آپنے لکھا ہے کہ اگر انکا سارا کلام جمع کیا جائے تو کم از کم پانچ ضخیم دیوان مرتب ہو سکتے ہیں ۔ یہ حقیقت نہیں ہے بمشکل ایک دیوان مرتب ہو سکتا ہے ۔ مرحوم کہتے کم تھے لیکن جو کہتے تھے خوب کہتے تھے ۔

ڈھاکا کے شعراء میں آپنے ایک نام لکھا ہے سید لطف الحسین کمالی ۔ انکا تخلص کمالی نہیں شرف ہے ۔ امید ہے کہ آپ بمع متعلقین بخیر ہیں ۔

آپکا مخلص
وحشت

مکتوب الیہ وارسی صاحب

مکتوب ریاض خیرآبادی

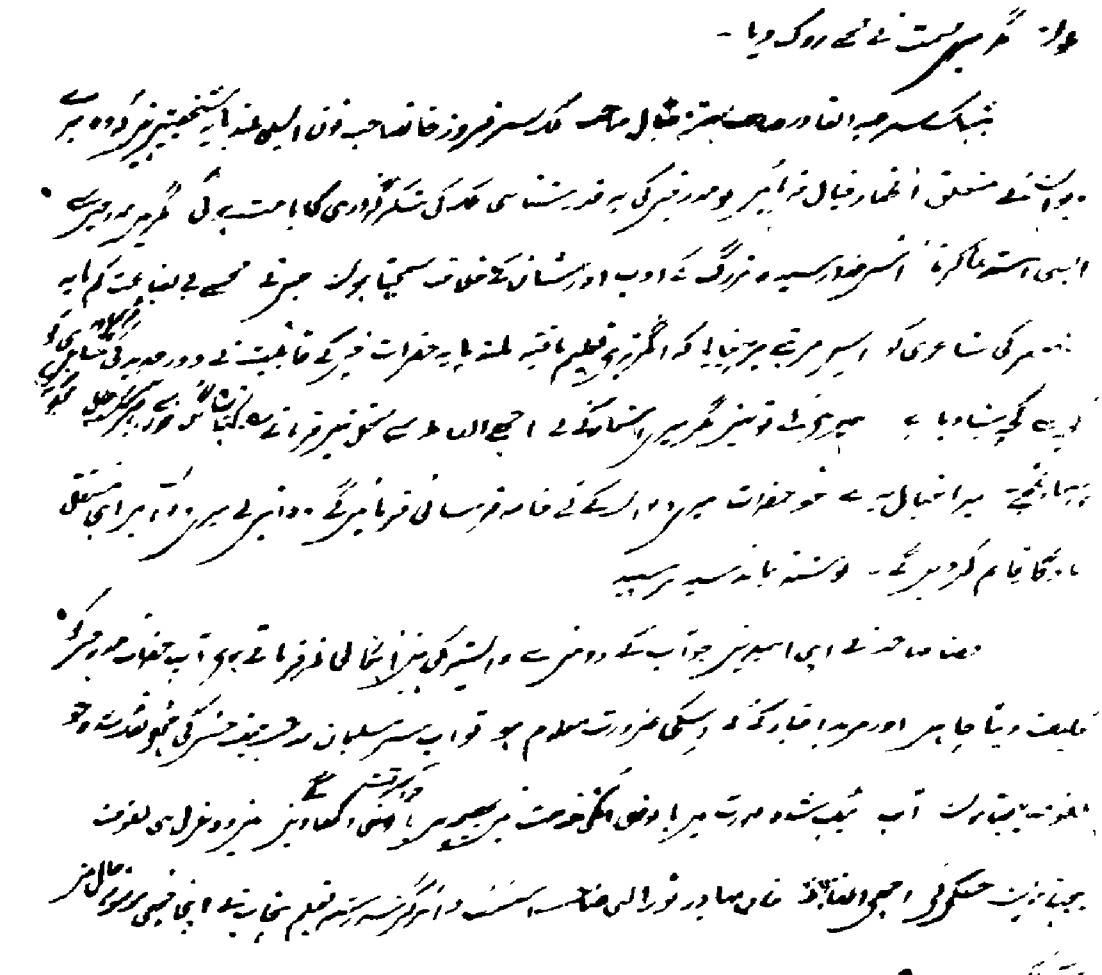

مکتوب الیہ چودھری فتح محمد صاحب

مکتوب دیا نرائن نگم

DAYA NARAIN NIGAM.

CAWNPORE

Feb 26th 1941

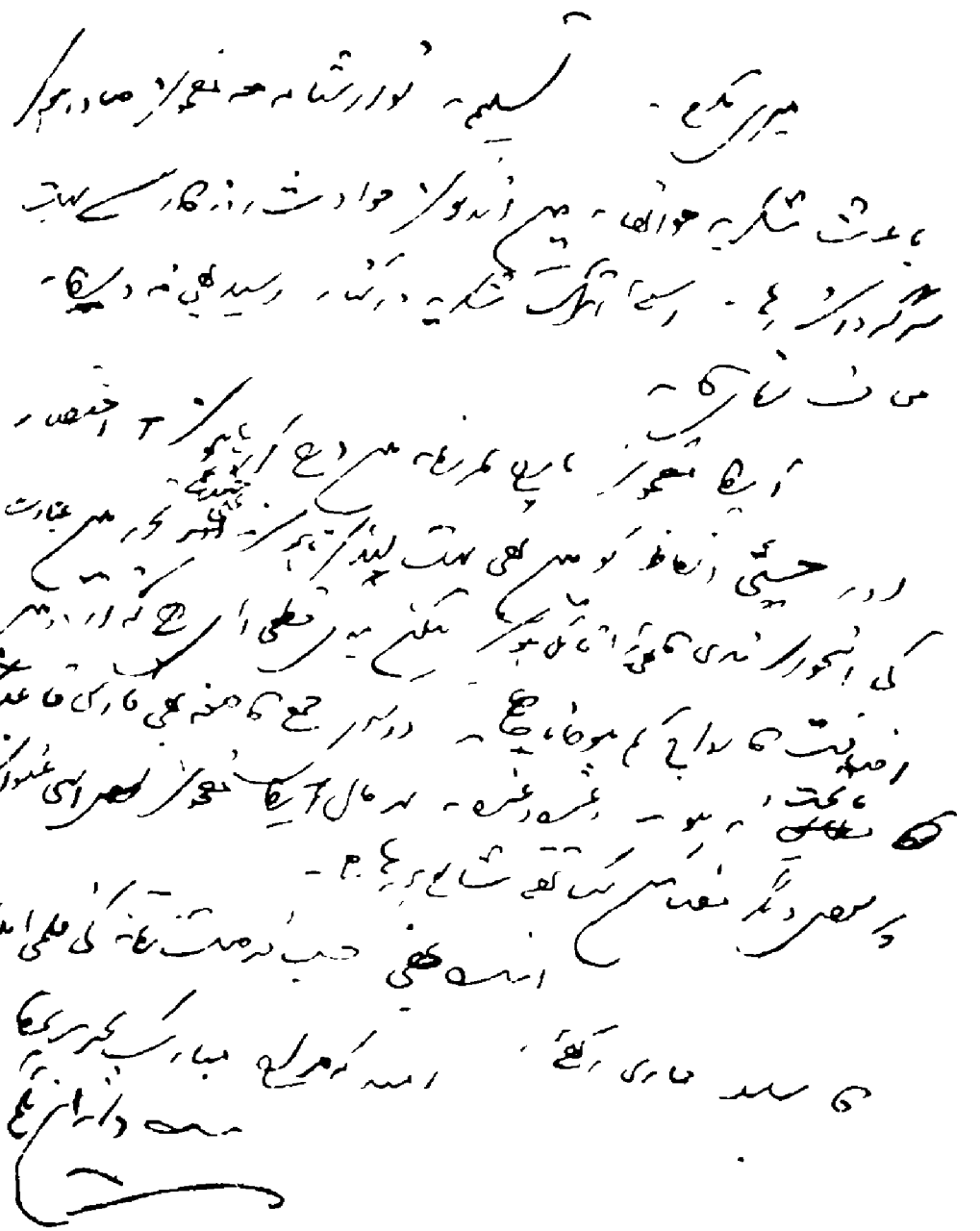

مکتوب الیہ اطہار الحسن صاحب

مکتوب سید سلیمان ندوی

نمبر ۲۷۸۳

(Azamgarh. (U.P.))

۱۳۲

بنام

سریتی اعلیٰ فضل الاکرم اورالله سعدہ

السلام علیکم، آپکے سفر اعظم گڑھ سے واپس آنے کا انتظار تھا، اب آپ کا خط ملا، بڑا صدمہ ہے کہ میں ۳۱ دن سے ۳۲ ڈگری بخار میں مبتلا ہوں، آج ۱۰ دن کے بعد پہلی مرتبہ باہر نکلا ہوں، ڈاکٹر کہتے ہیں ملیریا ہے، اور ۱۵ دن سے پہلے کمزوری دور نہ ہوگی، اسلئے یہ خط دہلی سے بھیجتا ہوں، رسالے بھی دہلی سے بھیجوں گا، غالباً جمعہ یا سنیچر تک پہنچ جائیں گے

مکتوب غلام بھیک نیرنگ

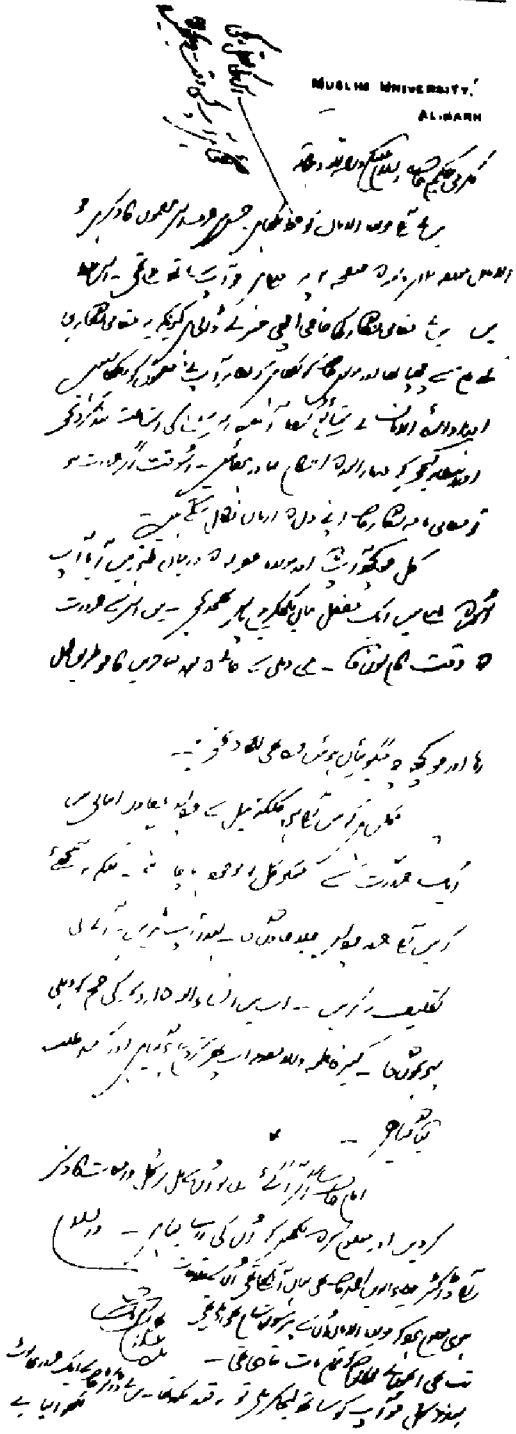
MUSLIM UNIVERSITY
ALIGARH

مکتوب الیہ حکیم محمد اسحٰق حقانی

مکتوب میر ناصر علی

'SALA I-AN
Farrash ab
DEI

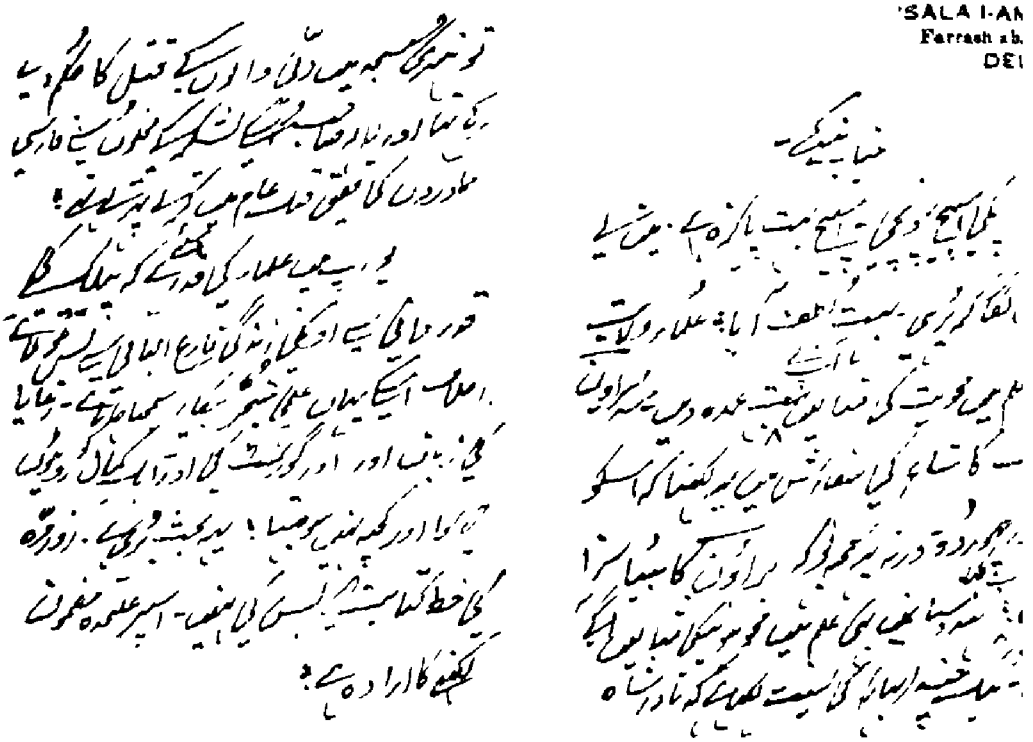

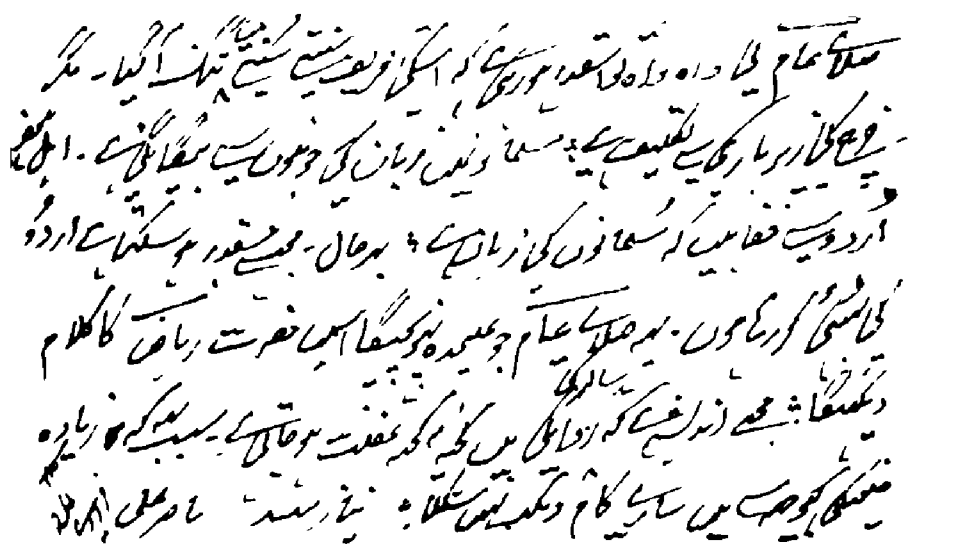

مکتوب نواب نصیر حسین خیال

سیف آباد ۔ حیدرآباد دکن

۲۰ جنوری ۲۰ء

مکرمی مسلم ۔ آپکا ۱۴ کا خط پاکر بیحد مسرت ہوئی ۔ اگر میرے قبل آپکو کوئی خط نہیں ملا ۔ ورنہ ضرور جواب دیتا ۔ آپ میری عادت سے باخبر ہیں کہ جس حالت میں ہوں جواب خط ضرور دیدیتا ہوں ۔

مین ۲۳ اکتوبر سنہ گذشتہ کو بیان پہونچا اور اسوقت کچھ ایسا الجھا ہوا تھا کہ رخصت سفر اُتارنے کے قبل میرا کام شروع ہوگیا اور جب سے لگا ہوا ہوں ۔ ابتک مجھے اپنی صحیح جگہ معلوم نہین اور شکل ہی کا فیصلہ نہ ہوجائے میرا جی لگ نہیں سکتا ۔ دارالترجمہ وغیرہ کا قصہ طولانی اور ناگفتہ بہ ہے ۔ بلوں تو بہت کچھ کہہ سکتا ہون ۔ مین ان مشکلات (دارالترجمہ و حاشیہ صحائف) کے متعلق غور کررہا ہون دیکھئے انمین قوت دون ! آپ مجھ سے برابر خط و کتابت جاری رکھین ۔

رہنے کا نسخہ آخر آپنے تجویز کرہی دیا ۔ مجھے بیحد خوشی ہوئی ۔ اب مجھے اسکے دیکھنے کا بیحد اشتیاق ہے ۔ آپکے قلم سے جو کچھ نکلتا ہے مین اسے دل سے چاہتا ہون ۔

مجھے اتنی فرصت کہان کہ اُردو کا لٹریچر والی اسکیم پر غور تامل کرکے اب اسے شائع کرسکون ۔ کاپیان اسکی بھی دریغ نایاب کہ ہمارے پاس بھی کوئی نسخہ اسکا نہیں ہے ! آپ کہتے ہیں کہ آدرکیونکر بھیجون ۔ وہ کچھ کہہ یا تو مجھے بیان اپنی صحیح جگہ ملجائے کہ مین مطمئن ہوکر کچھ کام کرسکون یا بیان سے بکلی خلاصی ہوجائے کہ عافیت کی زندگی نصیب ہو ۔ خدا کرے آپ مع الخیر ہون ۔ والسلام

جمال

عزیزی حسین ۔ مرزا سلمہ کہان ہیں ؟

مکتوب سید اعظم آبادی

مولانا محمد مسلم زادہ فیضکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ

میرے خط کے جواب میں آپ کا خط پہونچا مجھکو بھی یقین تھا کہ آپ ضرور ایسی کتاب کی قدر کریں گے - قریب پانچ سو صفحہ کے تو میں ضبط کر چکا ہوں اور کچھ سو ایسے مضامین جن میں بہت اضافہ زیادہ مجھکو مشتبہ تھا مولانا جلال الدین اڈیٹر ریاض الاخبار کے پاس بھیج دئے ہیں عنقریب جواب آجائے گا میرے خیال میں پندرہ سو سے زیادہ مضامین جمع کئے جائیں گے گرمی کی وجہ سے اس مہینہ میں یہ مجموعہ دو ڈھائی سو صفحے لکھنے کا کام کرنا ہوتا ہے — میں خط کے لکھنے کا کہ آپ کا خط پایا اچھا معلوم ہوا کہ نظارہ نمونہ کے آپ پاس بھیج دوں جہاں تک اس نمونہ میں مضامین درج ہیں وہ تو خیر ہیں ہاں نظم میں آگے ایسے ایسے الفاظ اور مضامین لکھے جائیں گے کہ اہل ہند کے کوئی زد میں ہیں - اس نمونہ کو دیکھ کر اپنی رائے لکھ کر اس کو جلد واپس کیجئے - فارسی والی نمونہ اور وہ دستور العمل اور نشانہ بالفور میرے پاس بھیج دیجئے اس کے مجموعہ میں ترمیم کے واسطے بھر کو میرا عدو بیکار بنا دیں گے غالباً آپ کبھی اسکو گوارا نہ ہونگے حقیقت یہ چیز واپس نہ آئیں گی غلط نامہ مرتب نہیں ہو سکتا جس قدر توقف ہوگا مجھ پر الزام نہیں آنے اسکا حال کچھ نہ لکھا کیسے رہے میں رمضان کیسا گذرا تمہارا کہاں ہر مشغولی کتنی ہر کیفیت مجھ سے لکھئے گا آپ کا جواب دیکر ممنون فرمائیے

دعاگو

۲۹ رمضان ۱۳۴۱ھ

مکتوب الیہ پروفیسر محمد مسلم صاحب

مکتوب الیہ تاجور نجیب آبادی

مکتوب مولانا عبد الحلیم شرر

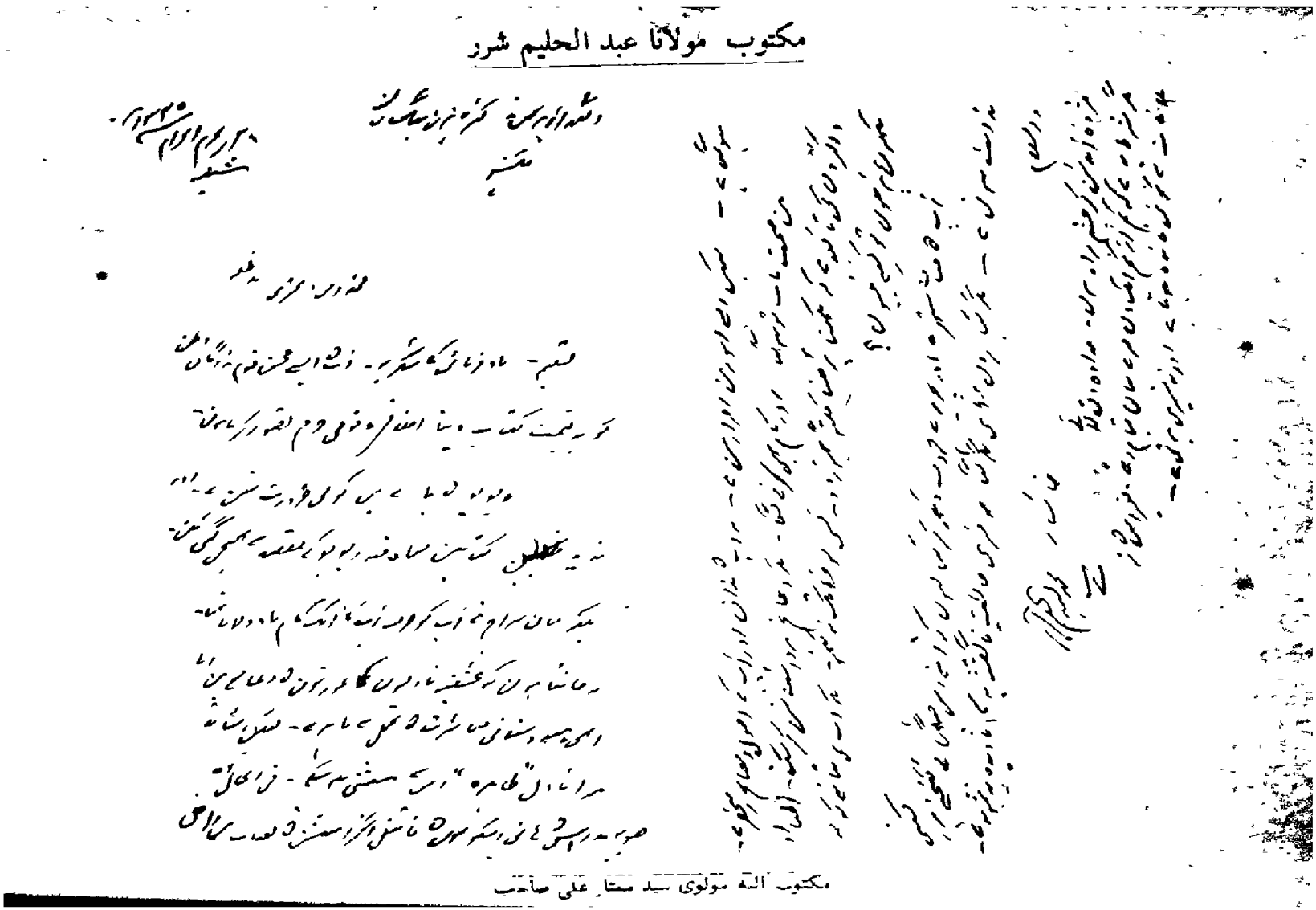

مکتوب الیہ مولوی سید مختار علی صاحب

مکتوب مولوی عنایت الله

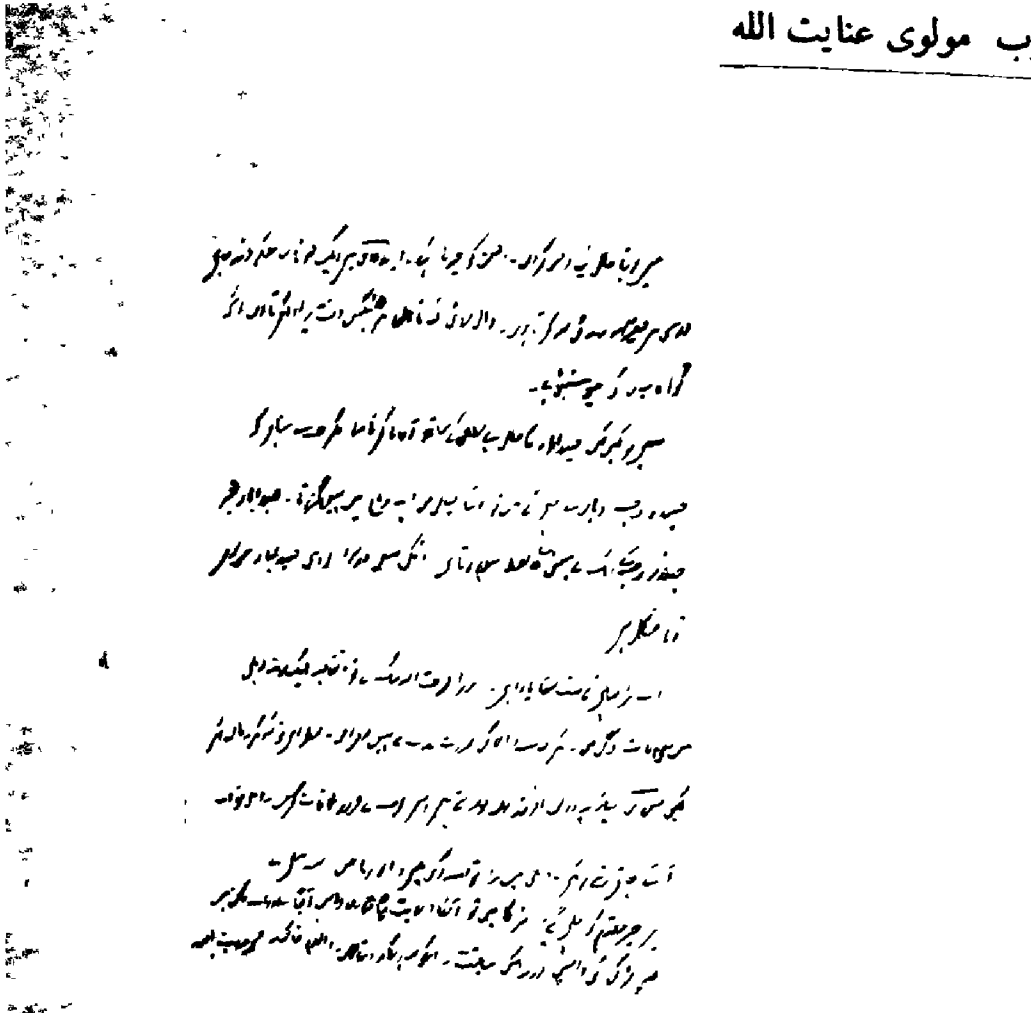

مکتوب الیه مولوی غلام یزدانی صاحب

مکتوب محمد دین فوق

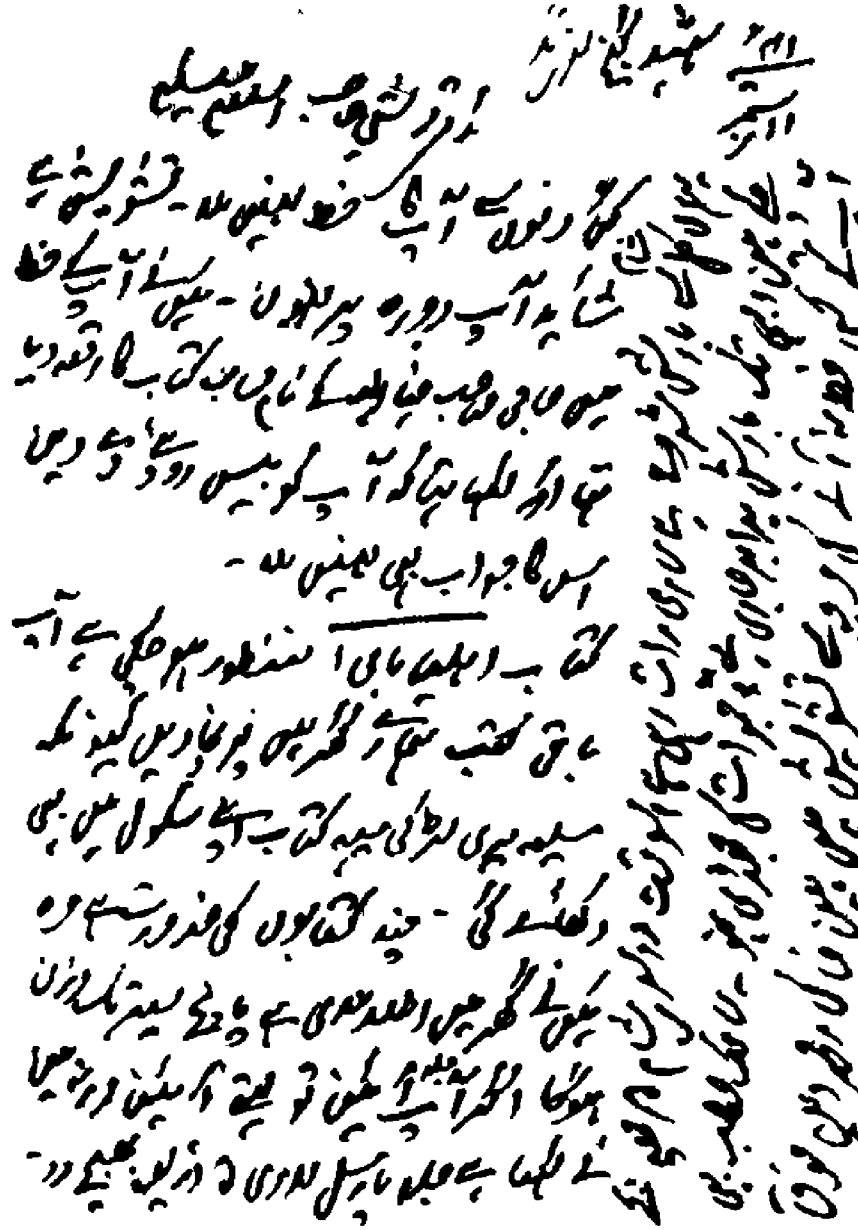

مکتوب مفتی کفایت اللہ

جناب مکرمی دام مجدکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ محبت نامے نے مسرور فرمایا۔ یاد آوری کا شکریہ
آپ کی دعا کی برکت اور حضرات کے نفحات وکرم سے سفر حجاز نہایت راحت
وعافیت و عافیت کے ساتھ ہوا الحمد للہ ثم الحمد للہ

کمزور میں تو رتبہ کی سعی کرتا ہوں اور کرتا رہوں گا مگر مسلمانوں میں افتراق و شقاق
کی خلیج زیادہ وسعت پذیر نہ ہو۔ اسکی موجودہ حیثیت ہی تباہی لانے کے لئے کافی ہے
وسعت پذیری کا خوف نہ کیا جائے۔ مگر خدا جانے ہندستانیوں کی بدقسمتی کی انتہا
کب ہوگی اور ان کی فلاح کے لئے اور کتنا مقدر ہے کہ جس طرف توجہ کی نظر ڈالو
وہ زیادہ پیچیدگی کی حالت پیدا کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ دستگیری فرمائے

دعا ہے حالت زار پر رحم کرے

مولوی عبدالحلیم صاحب مولوی نورالحسن صاحب سفر میں ہیں۔ مولوی احمد سعید صاحب سلام فرماتے ہیں

مخلص کفایت اللہ غفرلہ

دہلی

مکتوب الیہ مولانا غلام رسول صاحب مہر

مکتوب فارسی بنام ابوالوفا

حیدرآباد - ۲۰ مارچ ۱۹۳۳ء

مورخہ ۱۶ مارچ ۱۹۳۳ء

عزیزم سلمہٗ - دو خط بذریعہ ایک پوسٹ کارڈ دونوں پہونچے - مگر مجھے ایک خط پر جواب لکھنا تھا اور ایک کارڈ کا جواب لکھنا تھا - وجہ یہ تھی کہ میں حیدرآباد میں نہ تھا - گلبرگہ شریف گیا تھا وہاں علیل ہوگیا - آئندہ روز گلبرگہ شریف میں قیام کرنا پڑا پرسوں دوشنبہ کی دن حیدرآباد پہونچا تب آپ کا خط ملا -

آپ تحریر فرماتے ہیں کہ میں نے آپ کے کسی خط کا جواب نہیں دیا مگر میں کہتا ہوں کہ ایک نہ ہوسکا اور اسلئے آپ صحیح فرماتے ہیں مگر یہ غلطی نہیں میں نے قرار جواب دیا مگر کسی ایک خط کا جواب نہ دیا ہو اور نہ شاید اس خط کا جواب آپ نے جناب عزیز احمد کی توسط سے پہنچا تھا اور اسکی وجہ صرف یہ تھی کہ وہ خط جس کا جواب دینا میں بھول گیا تھا -

درخواست پیش کرنا میں مجھے فرمانا مائل نہیں ضرور پیش کرونگا مگر یہ تمنا ہے کہ جلسہ [illegible] اگر آپ بھی فرمانا صاحب سمجھیں کہ تمام اسطرح نہیں ہوا کرتا - جو نظریں آپ نے دیکھی ہیں وہ ہر شخص کے حالات سے تعلق نہیں ہیں - زیادہ دعا

تمہارے سوا کوئی علیحدہ ملاقات

مکتوب الیہ حکیم مختار احمد صاحب

مکتوب اصغر گونڈوی

هلاد مقالی
(الہ آباد دسالہ)
نمبر 876
J.2/32

هلاد۔ غالب اکیڈمی
صوبہ متحدہ
الہ آباد

تاریخ ۳۱ اگست ۳۲ء

صاحب مکرم۔ تسلیم و نیاز

"ہندستانی" کا ایک نمبر جناب کی خدمت میں ارسال کیا گیا تھا، عرض یہ تھا کہ آپ کوئی مضمون اسکا لئے عطف فرمائیں، مگر آپ نے اب تک اس طرف توجہ نہیں فرمائی۔

ایک بار پھر التماس ہے کہ جلد سے جلد کچھ لکھ بھیجئے، شاید آپ کو معلوم ہو، اس نمبر میں یہ التزام کیا گیا ہے کہ ہر مضمون کے ساتھ اس کے مضمون نگار کی تصویر بھی شائع کی جائے گی، ورنہ اسکا بھی پورا اختیار ہے آپ کو کہ تصویر کی تکلیف نہ فرمائیں۔

مضمون کیلئے کوئی سا ادبی موضوع تجویز کریں، نہ ہندستانی اکیڈمی کی مطبوعات کا متعلق ہونا ضروری ہے۔ والسلام

نیازمند
احقر العباد

پروفیسر ضیاء احمد ایم۔ اے
شعبۂ فارسی
مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

مکتوب الیہ پروفیسر ضیاء احمد صاحب

مکتوب حسرت موہانی

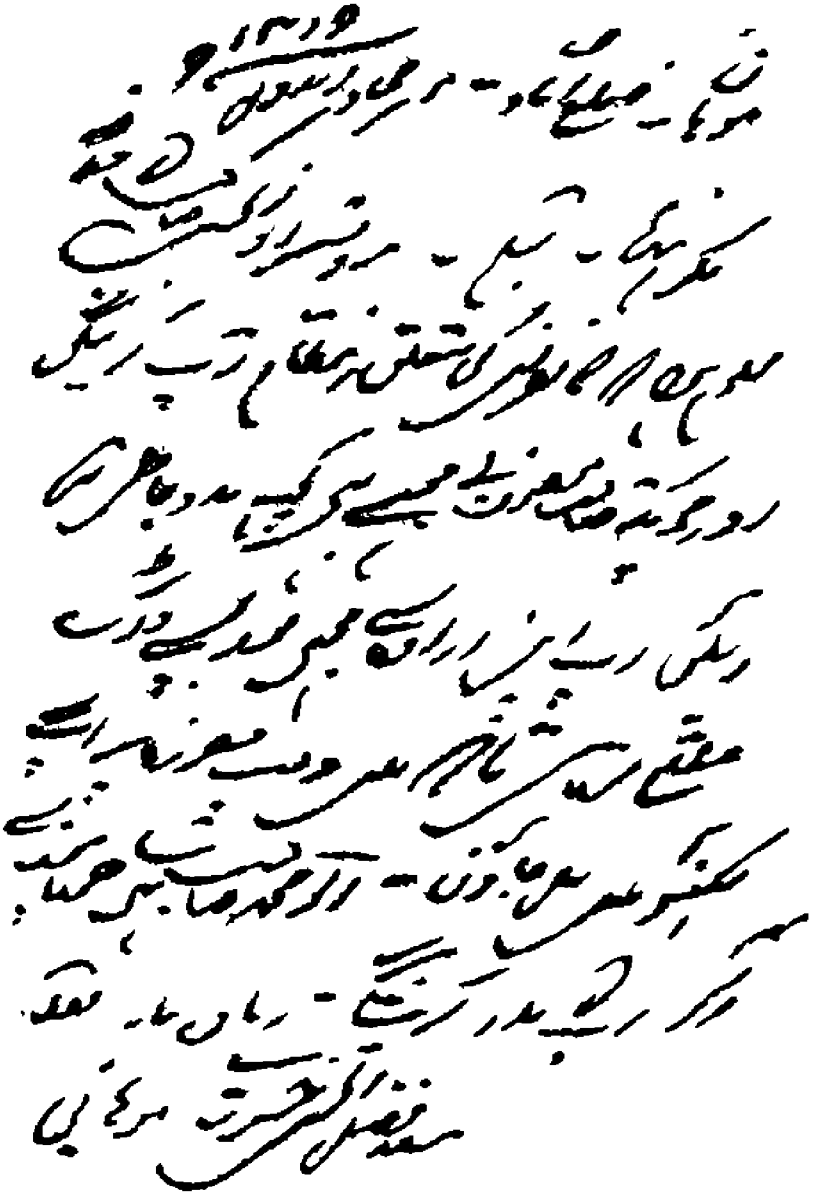

مکتوب الیہ مولوی محمد نشیر الدین صاحب

قبلۂ محترم آداب فرزندانہ۔ گرامی نامہ باعثِ صد ناز ہوا۔ زیادہ مسرت یوں بھی حاصل ہوئی کہ خط آپ کے مخصوص طرز میں تھا۔ اجازت ہو تو اسے شائع کر دیا جائے۔

"تاجور نمبر" کے لیے اس نمبر میں اعلان کر رہا ہوں۔ ضروری ہدایات جلد بھجوائیے۔

سید آرٹسٹ صاحب بیٹھے ہیں۔ وہ نمبر کے لیے ایک نظم لکھیں گے۔

"احسان" کو کل بلواؤں گا۔ مگر میں یہ نہیں سمجھا کہ اس سے کس قسم کا مشورہ لیا جانا چاہیے۔

ٹائٹل پیج اس مرتبہ بدلنا ہے۔ میں نے تو جولائی نمبر کے لیے بھی فیصلہ کر لیا تھا مگر دفتر کی سستی اور پریس کی چستی نے معاملہ خراب کر دیا یعنی پریس کو اطلاع پہنچنے سے پہلے ہی وہ طبع کر چکے تھے۔

اب آپ کا نام یوں شائع ہوگا "شمس العلما علامہ تاجور نجیب آبادی"

مجھے اندیشہ ہے کہ شائع شدہ نمبر کی طرف لوگوں نے زیادہ توجہ نہ کی ہوگی کیونکہ دور سے سرورق دیکھ کر پرانے رنگ کا خیال پیدا ہوتا ہے۔

آپ کی (۱) غزل (۲) شذرات (۳) مبارکباد کے خطوط (۴) اور ہدایات کا شدت سے انتظار ہے۔

دو کاپیاں جو خطوط کے لیے وقف ہیں۔ یہ فیصلہ کیے بغیر کہ وہ شروع میں جائینگی یا آخر میں، پریس میں کوئی کاپی نہیں بھیجی جا سکتی۔

امید ہے آپ مع الخیر ہونگے۔ استانی صاحبہ کی خدمت میں آداب

مکتوب سلطان حیدر جوش

Hamid Manzil,
Manis Road
ALIGARH U.P.
7.6.44

مخلصی! السلام علیکم۔

مئی کا مہینہ ایک ہفتہ ہوا کہ گذر گیا۔ آپ یہاں تشریف نہ لا سکے اور میں بھی "یوم صوفی" کی صدارت کے لئے آگرہ نہ پہنچ سکا

اب یہ سنئے کہ میں نے اپنی تازہ ترین تصنیف ختم کر لی ہے۔ یہ وہی ہے جس کا نام کشمیر میں نے دہلی سے اپنی تقریر میں لے لیا تھا۔ اس میں ۱۲ نہایت بھڑکتے ہوئے ڈرامے ہیں۔ اپنی تیس سالہ ملازمت کے غیر معمولی مشاہدات کا مرقع افسانوں کے لباس میں رکھ دیا ہے۔ کوشش کی ہے کہ افسانوں کے حسب دستور مزے لے لے کر بیان کئے جائیں، بلکہ ایک افسانہ محض ٹیلیفون پر بنایا اس وقت تک اچھوتی جدت ہے۔ ضخامت میں رسکول کی رومال دار کاپیوں کے ۱۸ سو صفحے ہوتی ہیں، یہ ۲۵۸ صفحے ہیں۔ مئی کے ختم پر یہ ایک سالہ کوشش شکر ہے کہ اختتام کو پہنچ گئی

اب خدا جانے کیا ارادہ ہے؟ — سب سے پہلے آپ کو لکھ رہا ہوں۔ والسلام جواب آرزو ہے تو جلد دیجئے۔

احقر سلطان حیدر جوش

مجھے آپ کے دولت خانہ کا پتہ نہیں یاد۔ اس لئے یونیورسٹی کے پتہ سے بھیجتا ہوں۔

مکتوب الیہ محمد طاہر فاروقی صاحب

اردو بلڈنگ۔ جوبلی ہال حیدرآباد۔
۸ محرم ۱۳۳۶ھ ۔ ۲۳ نومبر ۱۹۲۷ء سنیچر

پیارے بیٹا سردار خلام یزدانی صاحب سلام مسنون۔
کا مقدمت پہنچ کر خط کے ارسال خدمت کرتا ہوں
اخبار منادی حیدرآباد سے جاری کرنے کی اجازت مل گئی
ہے۔ اور میں اور بعض کے تازہ جلسے کی حالات درج کرنے لگا ہوں
سمجھتا ہوں۔ لہذا نقلوں کی نقل اور جعفر بک کے صفحات کی نقل
مرحمت فرمائیے۔ صفحوں کے ضرورت صفحوں کا انتخاب سے نقل کرنا ہے
اخبار صفحہ کی نسبت آپکی کوئی کتاب یا تحریر میں سے لیا تو
وہ بھی مختصر کچھ فاکہ معلومات دینے کے صفحات میں سے لیا جائے
ذکر جاری ہے۔
میری صحت زیادہ خراب ہوگئی ہے۔ اور اب ہر وقت نقاہت اور
علیل ہوگیا ہے۔ چلنا پھرنا مشکل ہے۔ تاہم اخبار ہاتھ منڈلا سے
جاری ہوگا اور میں دن کے وقت وہاں رہا کروں گا۔ اور جب تک
صبح کو ان بند ہے نہ رات کو وہیں رہنا پڑے گا۔
آپ کے سوال نامے کے جواب میں جو کچھ آپ نے لکھا ہے وہ بھی
صحیح ہے۔ مگر جن حالات کو مدنظر رکھ کر یہ سوالات کئے گئے تھے
اب میں آپ ہی مبتلا ہیں۔ اسلئے آپکو متوجہ کرنا مناسب نہ سمجھا۔
فقط حسن نظامی

مکتوب پنڈت چکبستؔ

Brij Mohan Dattatrya Kaifi

[illegible]
MODEL [illegible], P.O.
LAHORE

۱۔ اورینٹل کالج۔ دہلی
۲۲ نومبر ۳۰ء

حضرت مکرم

تسلیم۔ عنایت نامہ کا شکریہ۔ استفسارات کے جواب یہ ہیں:۔

(۱) پیدل چلنا بہتر ہوگا میری رائے میں

(۲) ریلوے ٹیشن۔ میں یکسر آدرد ساکن ہیں۔ واؤ ساکن ہے اور ژ مکسور۔

(۳) غرّہ۔ اگرچہ اسکے معنی میں بعض لغات میں مغرور بھی لکھا ہے لیکن استعمال اس لفظ کا غرور ہی کے معنی میں ہوتا ہے

(۴)۔ شفا کے معنی ہیں بیماری کے بعد اچھا ہو جانا یعنی صحت بدنی کا عود کرنا۔ زخم کا بھرنا تندرستی کے منافی ہے کیونکہ اسکے معنی ہونگے کہ زخم بیماری سے پہلے جیسا تھا ویسا ہی ہو گیا جس کے معنی کچھ نہیں بنتے کیونکہ زخم تو خود ایک بیماری ہے۔ اسکے اسی وجہ سے دوسری شکل یعنی زخم کو شفا ہوگئی بھی غلط ٹھہرتا ہے۔ صحیح فقرہ ہوگا "زخم سے شفا ہوگئی" جس کو مقدر ہے۔

نیاز کیش
برجموہن دتاتریہ کیفی

مکتوب الیہ آغا قمر مہدی صادق صاحب

مکتوب بنام عبد الغفار

Telegram: ANJUMAN

Telephone

انجمن ترقی اردو (ہند)

Anjuman-e Taraqqi-e Urdu (Hind)

Aligarh.

مورخہ ..... حوالہ .....

حیدرآباد

مورخہ

مشفقی - السلام علیکم

عنایت نامہ ملا - میں آپ کے مکتوب کا منتظر تھا - میں

دفعتاً بہت بیمار ہوا - اس لئے میں حیدرآباد

جا نہ سکا - دو تین روز میں کہ میں تمام کاموں سے

میں نے دفتر کو لکھا ہے کہ آپ کو سو روپے کا چیک بھیج دیں

یہ جو نیا کام ہم نے شروع کیا ہے اس کے لئے روپیہ

نہایت ضروری ہے - اگر میں بیمار نہ ہوا ہوتا تو

تو ضرور اس سلسلہ میں کچھ نہ کچھ کوشش کرتا -

شاید ہم لوگ دسمبر میں حیدرآباد

ضرور آئیں گے - آپ سے ملاقات

ہونے کا بڑا شوق ہے -

آپ کا مخلص

سید حمید

مکتوب الیہ وحید احمد خان

مکتوب محمود شیرانی

14. Flamin
Lahore
7. 6. 33

مائی ڈیر سید

علالت نامہ کا شکریہ۔ آپ کی طرف سے بدیہ سلام کا دل کیجے آپ اہم ہیں ہر اول رہے ہیں
نسخہ آج ہی اخبار سے میں شائع ہوا ہے۔ آپ کو مجھ سے بہتر آگہی ہے۔ اللہ کرے سب خیر ہو گی ہر کل تمام شکریہ
تکلیف نہ فرمائیں۔

آپ کے شکریہ کا مستحق ہونے کا مجھے کبھی حق نہ تھا اور نہ میں سمجھتا ہوں کہ وہ کسی ناراض ہیں
آپ کبھی ملاقات کریں اور موقع ملے تو ہدیہ ضرور کر دیں گے۔ عرض مطلب ہر کبھی نہیں ہے

پروفیسر شفیع بیمار ہیں باہر کو جا رہے ہیں اور وہ آپ سے خاطر ہونے فی الحال ان کی خیالات
میں تبدیلی کی گنجائش نہیں۔

ہزارہ آنا مرے لئے دشوار ہے بال بچے ہیں گرمیوں میں بچوں کا بال بھی اڑ جاتا ہے اور گلا اور جیل میں گرمی
کی شدت ہزاروں میں سے تجربہ کرتا ہوں اور اگر میں حالت ہی نہ ہوتی ہے کہ کیا نہ ہو سکتا ہے
گرمی شدید ہو جم کر بارش ہے۔ رات تمام رات مسلسل تھا۔ ہوا کا نام نہ تھا بجلی کی سایہ ہر جگہ نہیں آتی ہیں
ایسے گرم راتیں لاہور میں بہت کم گزاری ہیں

امید آپ کے علالت اکثر بہتر ہو گی۔ آپ کے والدہ کی خدمت میں میرا سلام نیاز و سلام

محمود شیرانی

مکتوب الیہ ڈاکٹر محمد عبداللہ

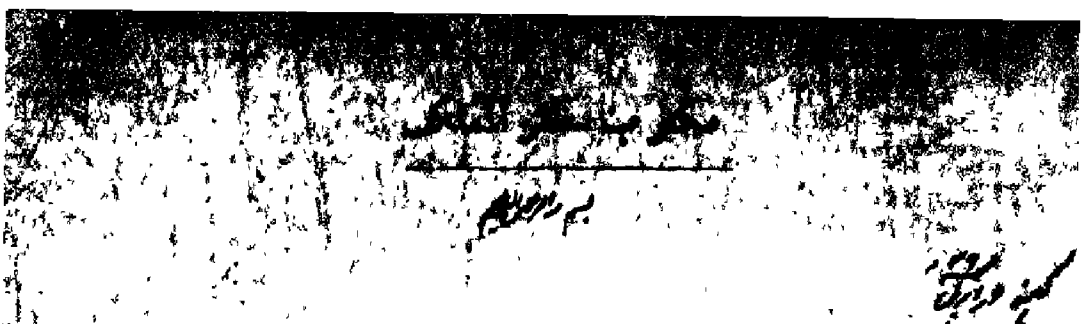

مکتوب الیہ اظہار الحسن صاحب

P.O. Yedgir (Dee)

26th Oct 1941

عزیزی و شفیق زاد سلمکم

بعد سلام و دعای شوق واضح ہو کہ عید کی مبارکباد پہونچی خدا آپکو بھی مبارک کرے
میں بحمد اللہ اچھا ہوں - کان مجھے اس امر کا اندازہ ہے کہ آپکو مجھ سے اک
تعلق خاطر اور میری صحت کا خیال رہتا ہے - بعض دوستوں کی خیال سے اور مجھے بھی
کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابھی کچھ دنوں اور مجھے زندہ رہنا ہے - والحمد اللہ -
اس سے پہلے آپکا اک غایت نامہ مورخہ ۷ ر اکتوبر ملا تھا جس میں آپنے اک بلا ضرورت
رعایت کا ذکر فرمایا تھا - خدا آپکو اور مرحوم کے دیگر اعزاء کو صبر جمیل کرامت فرمائے -
ہمارے اک شاگرد نے جانے بیتے پھر لکھا کہ ہر دشمن و دوست - بڑھا تو دل ہی دیوے دیا کوار پانچیں
آپنے خاصا اثر پیدا کیا ہے - اسکے آپکی صحت مذاق کا پتا چلتا ہے - سچ مچ تاریکی ماحول سے جب
ان نکل کر فضائے کشادہ میں پہونچتا ہے تو اوسکی نگاہ میں دنیا آئینہ کی طرح ہو جاتی ہے کہ
دشمن کی دشمنی تو کیا نام نہاد دوستوں کی دوستی بھی نظر میں نہیں سماتی - اسکا صحیح وقت دریافت
مشکل سمجھ میں آتا ہے - اس مضمون کو ایسی فصیح اردو میں ابتک کسی نے بیان نہیں کیا - وہی
معمولی روزمرہ "دار و بار" جسے ہر کس و ناکس و تمام پیمان اپنی زبان بولتے ہیں - مجھے معلوم
نہیں کہ آپنے اس نکتہ کو سمجھا یا خدا آپکو خوش رکھے ہمیں تو [illegible]

مکتوب سید سجاد حیدر یلدرم

Ghazipur
19/12/33

عالی جناب۔ چونکہ مہینوں آپ نے اپنی کامیابی کی خوشخبری کی مجھ اطلاع نہیں دی تھی، اسلئے
میں نے سمجھا کہ آپ ناکام رہے ہوں گے اور میں بھی چپ سادھ لی۔
اب آپ کا اردو میں ایم۔اے ہونا کوئی آپ کے لئے کوئی اسی بات نہیں جسکی
مبارکباد دی جائے۔ ہاں اگر آپ کو فارسی میں ایم۔اے ہونا کہا جائے تو
سچ پوچھئے (صفحہ بعنوان میں) Congratulations ایم۔اے ہونا
بھی اس لئے لکھ رہا ہوں کہ آپ کو اطلاع دوں اور صحت کی
خبر کی بجائے خیریت ہی حاصل کر رہا ہوں۔
۲۲ دسمبر ۱۹۳۳ء سے آٹھ دن کی چھٹی میں جا رہا ہوں۔ مسلسل کام
کرنے کے ساعت۔ لاہور جانے کا ارادہ ہے۔ واپسی کرانی۔ روانہ ہونے سے قبل آپ
لوگوں سے ملنے کی کوشش بھی کروں گا
علامہ مولانا اللہ ہو جلال الدین صاحب سے میرا سلام کہہ دیجئے
مسز جلیل کی خدمت میں آداب

مخلص
سید سجاد حیدر

مکتوب الیہ جلیل احمد قدوائی

مکتوب فرحت الله بیگ

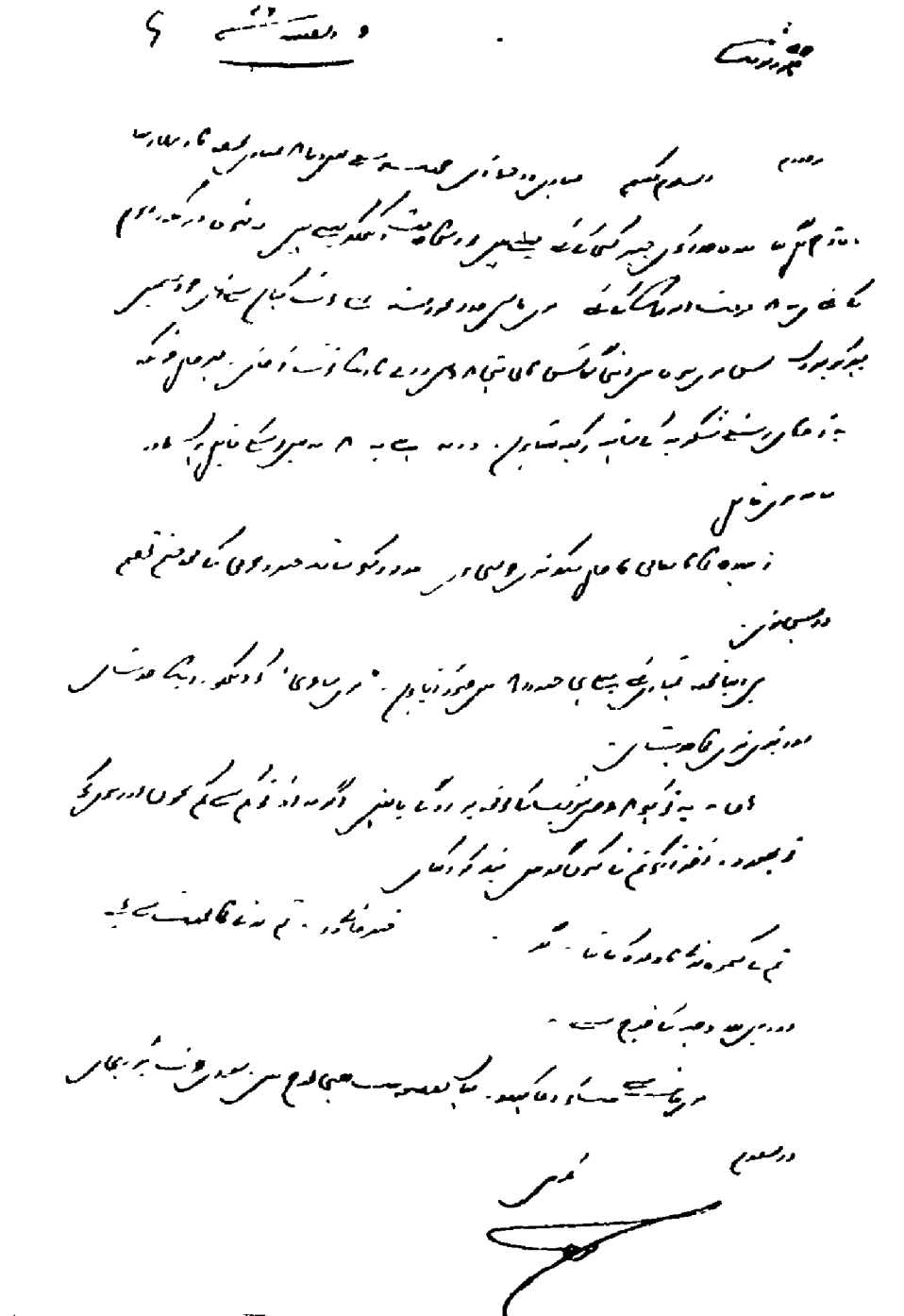

مکتوب الیه ڈاکٹر غلام یزدانی صاحب

غالبؔ

(۱)

رحیم چودھری عبدالغفور سرورؔ

جناب چودھری صاحبؔ

میں تو خدمت بجا لایا[۲]۔ مگر اس کے صلے میں تین باتیں چاہتا ہوں۔ ایک تو یہ کہ آرہ میں مولوی سید فرزند احمدؔ[۳] کے مکان کا پتہ مجھے لکھ بھیجو تاکہ میں ان کو تہنیت لکھوں[۴]۔ دوسرے یہ کہ تمہارا خط تم کو واپس بھیجتا ہوں۔ حضرت صاحبؔ[۵] کی دستخطی عبارت کو حرف بحرف

---

[۱] غالبؔ کے قدر دانوں میں کون ہے جس نے غالبؔ کے خطوط پڑھے ہوں اور وہ چودھری عبدالغفور سرورؔ سے ناواقف ہو۔ چودھری صاحب سارہرہ ضلع ایٹہ کے رئیس تھے اور ان کا خاندان کئی صدیوں سے وہاں آباد ہے۔ غالبؔ کے عزیز ترین دوستوں میں تھے اور ان کا شمار ان کے مایۂ ناز شاگردوں میں ہے۔ فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے اور غالبؔ سے اصلاح لیتے تھے۔ اشعار اب بہت کم ملتے ہیں۔ غالبؔ کا یہ نادر خط راقم سطور نے ان کے خاندان کے ایک فرد سے حاصل کیا ہے۔ (مختار الدین احمد)

[۲] سرورؔ نے ۳ شعروں کا ایک اردو قصیدہ اور ۲ قطعات اصلاح کے لئے میرزا کے پاس بھیجے تھے۔ یہ قطعہ کاغذ جس پر سرورؔ نے اپنے ہاتھ سے اشعار لکھے ہیں اور غالبؔ کی اصلاح سے مزین ہیں اتفاق سے میرے ہاتھ لگ گیا۔ قصیدے کے ۱۱ اشعار پر غالبؔ کی اصلاح ہے بعض قطعات پر غالبؔ نے خاصی نوچ کی ہے۔ ایک قطعہ میں پسند آیا تو سراسر تکلفات بارد لکھ کر اسے قلمزد کر دیا ہے۔ غنیمت ہے مراد انہی شعروں کی اصلاح ہے۔

[۳] صفہ بلگرامی (۱۲۹۱ - ۱۳۰۱ھ) حضرت صاحب عالم کے نواسے اور میرزا غالبؔ کے شاگرد۔ ان دونوں کے تعلقات کی داستان دلچسپی سے پڑھا حوال غالبؔ ملاحظہ فرمائیے۔

[۴] صفہ بلگرامی کے گھر میں ۱۲۸۳ھ میں ایک بیٹا پیدا ہوا ہے، سرورؔ نے اسی سلسلے میں تہنیت کے قطعات لکھے ہیں اور اب غالبؔ صفیہ کو مبارکباد کا خط لکھنا چاہتے ہیں اسی لئے ان کا پتہ پوچھ رہے ہیں۔ قیاس ہے کہ غالبؔ نے تہنیت کا خط ضرور لکھا ہوگا لیکن یہ خط بھی ان کے ہزاروں خطوں کی طرح اب تک نامعلوم ہے۔

[۵] یہ حاجی سید فرزند احمد ہیں جو گرامیؔ تخلص کرتے تھے، ان کا ذکر مرقع فیضؔ صفہ (تذکرۂ شاگردان صفیہ) اور تذکرۂ یادگار فصیحؔ میں موجود ہے۔ مرقع الذکر میں ان کی تصویر بھی چھپی ہے جو راقم نے اردو شعرا کی تصاویر کے ساتھ رسالہ "آجکل" دہلی دسمبر ۱۹۵۲ء میں شائع کر دی ہے۔

[۶] مراد صاحب عالم مارہروی (۱۲۱۱ - ۱۲۸۸ھ) جن کے خطوط سے غالبؔ کو ہمیشہ شکایت رہی کہ ان سے پڑھے نہیں جاتے۔ سرورؔ ہی کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

"حضرت کی تحریر کا ایک لفظ بھی اگر پڑھا گیا ہو تو دیدے پھوٹیں، ایمان نصیب نہ ہو۔ وہ خط بدستور آپ کے پاس بھیجتا ہوں حرف بحرف اس کی نقل کر کے پھر مجھے بھیج دیجئے تاکہ جواب لکھنے میں سہولت حاصل کروں۔"

(مختار الدین احمد)

اپنے ہاتھ سے لکھو اور مجھ کو بھیجو تاکہ میں ان کو نہایت میں خط لکھوں۔ واللہ ہرگز مجھ سے پڑھا نہیں گیا۔ تشویش و تشویر میں ہوں کہ کیا کروں۔ تم یہ لو مجھ مجھ پر سے اٹھا لو۔ تیسری بات یہ کہ یہ معاملہ حضرت صاحب پر ظاہر نہ ہو اور میرے اس خط کا جواب جلد آئے۔

غالب۔ ۲۵ دسمبر ۱۸۶۶ء

(۲)

۳ مارچ ۱۸۶۷ء

اے میری جان!

کس وقت میں مجھ سے غزل مانگی کہ میرے واسطے تبریں کے جواب دینے کا زمانہ قریب آگیا۔ میرا حال اب جس کو دریافت کرنا ہو وہ اہل محلہ سے دریافت کر لے۔ تمہاری خاطر عزیز ہے۔ فکر کی۔ مارے نفس ناطقہ نے بڑی بھلی طرح مدد دی۔ نو شعر پہنچے ہیں، لیکن نہ شاعرانہ نہ عارفانہ۔

غزل

ممکن نہیں کہ بھول کے بھی آرمیدہ ہوں　　میں وحشتِ خرام میں آہوئے رمیدہ ہوں
ہوں درد مند، جبر ہو یا اختیار ہو　　گرنالہ کشیدہ، گر اشک چکیدہ ہوں
جاں لب پہ آئی تو بھی نہ بیریں ہوا دہن　　از بسکہ تلخیٔ غم ہجراں چشیدہ ہوں
نہ شعبدہ سے علاقہ، نہ سانحہ سے رابطہ　　میں عرضِ ممتال میں دستے بریدہ ہوں
ہوں خاکسار، پر کسی سے ہے مجھ کو لاگ　　نہ دامنِ فتادہ ہوں نہ دامنِ چیدہ ہوں
جو چاہئے نہیں وہ مری قدر و منزلت　　میں یوسفِ بقیمتِ اوّل خریدہ ہوں
ہرگز کسی کے دل میں نہیں ہے مری جگہ　　ہوں میں کلامِ لغز، ولے ناشنیدہ ہوں
اہلِ ورع کے حلقہ میں ہر چند ہوں ذلیل　　پر عاصیوں کے فرقے میں میں برگزیدہ ہوں

پانی سے سگ گزیدہ ڈرے جس طرح اسد
ڈرتا ہوں آئینے سے کہ مردم گزیدہ ہوں

(۳)

بنام جناب ذکی دہلوی مرحوم

بندہ پرور!

آپ کا عنایت نامہ پہنچا آپ از روئے شرافت نسبی و لیاقت حسبی آفتاب و ماہتاب ہیں آپ کا کیا کہنا ہے۔ اس

لہ یہ خط نواب امین الدین احمد خاں بہادر رئیس لوہارو کے نام ہے۔ اس کے شروع میں تاریخ درج ہے۔ اس خط میں اردو کی جو غزل ہے وہ نامکمل ہے۔ خط سے معلوم ہوگیا کہ یہ غزل کب لکھی گئی تھی۔ (مالک رام)

عرب میں علم و فضل میں وہ پایۂ بلند حاصل کیا ہے کہ دوسرے کو یہاں تک پہنچنا مشکل ہے۔ مثنوی کے اشعار میں نے دیکھے اور پسند کئے بطریق سہل ممتنع کہے ہیں۔ اردو فصیح عبارت سلیس الفاظ نہایت سنجیدہ و متین کم حرف شستہ و رفتہ جو خوبیاں نظم میں چاہئیں وہ سب موجود مگر میری مدح میں اتنا مبالغہ کیوں کیا۔ میں تو اقلیم سخن کا گدائے خاک نشین ہوں شہنشاہ کہاں سے ہو گیا خیر آپ کی ارادت میرے لئے موجب سعادت ہے۔ جو صاحب شعر ہیں خود ستائی کو برا جانتے ہیں یہ انہوں نے کچھ زنتا عرالا بجوز لغیرہ نہیں سنا ہے یا اساتذہ مستند الکمال کا فخریہ کلام ان کی نظر سے نہیں گذرا۔ اللہ اللہ اس امر خاص میں کیا کیا بلند پروازی اور اپنے کلام کی کیسے کیسے مدح طرازی کی ہے۔ شیدائے علا آگہی کہا ہے ؎

چیست دانے باد مشکیں مصفا جوہرے　　شمس را پرد، دگارے عشق را پیغمبرے

ہیں شعر میں نہیں تاموں کے سبیل نمونہ یہاں لکھتا ہوں باقی خانہ کلام اہل سخن پر حوالے کرتا ہوں۔ ایک شاہ کہتا ہے ؎

بہ اقلیم سخن رسول اعظم　　ستائی و فرودسی از اتمم

دوسرا اس سے بھی بڑھ کر کہتا ہے ؎

بہ ملک سخن آں معلائے قدیم　　کہ معنی کمینے باشد از بندگانش

تیسرا کچھ اور ہی راگ گاتا ہے ؎

جوئی کوثر کہ منبع الروست　　ناوداں ریز گلین منست

ناودان یعنی موری اور ریزگین اوس گڑھے کو کہتے ہیں جس میں مطبخ اور حمام وغیرہ کا پانی جمع ہوتا ہے۔ نعوذ باللہ من تعلیمات الشعرا۔ میر صاحب میں بہت بوڑھا ہو گیا ہوں اس پر امراض متضادہ مزمنہ ہیں گرفتار قوی بالکل مضمحل اٹھنا بیٹھنا لکھنا پڑھنا سب مشکل احیاناً اگر تحریر جواب میں تاخیر ہو جائے معاف رہوں۔ والسلام مع الوفا الاحترام! فقط!

دعائے خیر کا طالب فقیر غالب ۹ جنوری ۱۸۶۸ء۔ بروز چہارشنبہ۔

---

(۴)

مرزا نواب امین الدین احمد خاں[1]

بھائی سے دو سوال ہیں۔ ایک تو یہ کہ مجموعۂ نثر کے خانے کو کیا کروں۔ وہ جبی تھا اس حقیقت پر کہ فول کشور، نواب

---

[1] نواب امین الدین احمد خاں، نواب احمد بخش خاں کے بیٹے تھے۔ ان کے انتقال کے بعد لوہارو کے رئیس قرار پائے۔ ۱۸۲۷ء سے اپنی وفات ۱۸۶۹ء تک لوہارو کی جاگیر کا انتظام انہی کے ہاتھ رہا۔ نواب ضیاء الدین احمد خاں نیّر و خشاں ان کے بھائی تھے اور جائداد میں شریک لیکن انہیں امور ریاست سے کچھ تعلق نہ تھا۔ امین الدین کے انتقال کے بعد نواب علاؤ الدین احمد خاں علائی ان کے جانشین ہوئے۔ ان سب لوگوں سے غالب کے گہرے تعلقات تھے۔ اس رقعہ پر مکتوب الیہ کا نام درج نہیں لیکن قریب بہ یقین ہے کہ مرزا نے یہ رقعہ نواب امین الدین احمد خاں کو لکھا ہے۔ اس پر تاریخ تحریر درج نہیں۔ راقم کے خیال میں اس کا زمانۂ تحریر ۱۲۸۰ھ مطابق ۱۸۶۳-۶۴ء (مخاطب الدین احمد) ۱۲۸۰ھ میں منشی نول کشور دہلی آئے اور مرزا سے ملے۔ انہوں نے کلیات نثر چھاپنے کی خواہش ظاہر کی۔ مرزا نے نواب ضیاء الدین احمد خاں سے سودہ لے کر منشی صاحب کے حوالے کیا۔ چھپنے میں تعویق ہوئی تو مرزا مایوس ہو گئے اور انہوں نے یہ رقعہ لکھا۔ بالآخر طبعات چار سال کے بعد ۱۲۸۴ھ میں مطبع نول کشور سے شائع ہوا۔ یہ ایڈیشن اب بہت کمیاب ہے۔

ضیاء الدین خاں سے واسطے انطباع کے لے گیا سبب یہ واقع نہ ہوا تو اب اس کو نکال ڈالوں اور اس کی جگہ کوئی نثر یں اور رہیں لکھ دوں۔

اوراق اشعار مرحوم زین العابدین خاں مستعار ہیں اس واسطے کہ تم اپنے واں کے مجموعے کی تصحیح اس سے کرلو۔ پھر یہ واقع ہوا یا ہونے والا ہے۔

ترجمۂ ابوالفدا کی جلد واپس بھیجتی ہے۔

جواب کا طالب، غالب

(۵)

بنام عزیز اللہ شاہ عزیز صفی پوری

خان صاحب عنایت مظہر سلامت!

آپ کا مہربانی نامہ آیا۔ اوراق پنج رقعہ نظر فروز ہوئی۔ خوشا مد فقیر کا شیوہ نہیں۔ نگارش تمہاری پنج رقعہ سابق کی تحریر سے لفظاً و معناً بڑھ کر ہے۔ اس میں یہ معانی نازک اور الفاظ آبدار کہاں؟ مگر ایک امر سے تمہیں آگاہ کرتا ہوں کہ یہ نثر ظہوری کی نہیں ہے ارادت خاں مخلص بہ واضح عالم گیری سرداروں میں سے ایک شخص تھا۔ مینا باز اور پنج رقعہ اس کی فکر کا نتیجہ ہے۔ توالی کسرات کی طرز ایجاد کی ہوئی اس کی ہے۔ مجھ سے متقلبہ بہتر نکلا۔ یعنی تم نے خوب لکھا ہے ع

نقاش نقش ثانی بہتر کشد ز اوّل

جہاں آپ نے فقیر کا مطلع لکھا ہے وہاں آپ بہ عرف میرے معرّف ہوئے ہیں۔ متوقع ہوں کہ یا تو نکال ڈالو یا عرف کی جگہ مخلص لکھ دو۔

نجات کا طالب۔ غالب

---

۱ زین العابدین خاں عارف، مرزا کی سالی کے بیٹے، جنہیں غالب اپنے بیٹے کی طرح چاہتے تھے۔ پہلے شاہ نصیر کے شاگرد ہوئے، پھر مرزا سے اصلاح لینے لگے۔ دیوان اردو کے کئی نسخے ہندوستان میں موجود ہیں۔

۲ غالباً تاریخ عالم مصنفہ البالفدا کا وہ ترجمہ مراد ہے جو مولوی کریم الدین دہلوی نے کیا تھا اور مطبع العلوم دہلی سے ۱۸۴۱ء میں شائع ہوا تھا۔ (مختار الدین احمد)

۳ عزیز صفی پوری ۱۸۴۱ء میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے وہیں عربی و فارسی کی تحصیل کی۔ غدر کے ہنگامے ہوئے تو لکھنؤ چھوڑ کر صفی پور (اناؤ) اپنی ننھیال چلے گئے اور وہیں انہوں نے اپنی پوری عمر گذار دی۔

تصانیف کی تعداد چالیس سے کم نہیں جن میں دیوان اردو، نور ولایت، خم فکر، کلام منظم فارسی، ارمغان، پیش کش شاہ جہانی، پنج رقعہ، ترجمہ فسانۂ عجائب (منظوم)، اور مثنوی مسمّی بہ جواب شاہ نامہ قابل ذکر ہیں۔ عزیز کا انتقال ۲۰ جولائی ۱۹۲۸ء کو ہوا۔

یہ دونوں رقعے غالب کے رقعات کے کسی مجموعے میں اب تک نہیں شائع ہوئے۔ (مختار الدین احمد)

۴ شاہ صاحب کی فارسی نثر کا مختصر سا مجموعہ چھپ بھی گیا ہے۔

۵ یہ بات مشکوک ہے کہ مینا باز اور پنج رقعہ واقعی ظہوری کی لکھی ہوئی ہے۔ اس بحث کیلئے ڈاکٹر نذیر احمد لکھنؤ یونیورسٹی کا تحقیقی مقالہ مینا باز ملاحظہ کیا جائے۔

۶ شاہ صاحب نے غالب کی جگہ مرزا نوشہ، لکھ دیا تھا۔ غالب کو اپنے عرف سے جو چڑ تھی وہ معلوم ہی ہے۔ (مختار الدین احمد)

(۶)

بنام مرزا عبداللہ شاہ عزیز صفی پوری

سخن شناس نہ مشفقا خطا ایں جاست ۔ یہ جملہ کر یا میرا شعر نکال ڈالو یا عوف کی جگہ تخلص لکھ دو موجب ملال خاطر کیوں ہوا اور اس سے یہ مفہوم کیونکر پیدا ہوا کہ میں تمہارے کلام کو اصلاح نہ دوں گا ۔ تمہیں غور کرو کہ شعر کو علاقہ تخلص سے ہے یا نام سے ۔ عرف سے ۔ میں نے تو اصلاح دی تم نے بُرا مانا ۔ ذہن تمہارا موزوں ہے اکثر بھی کی طرف جاتا ہے ۔ تمہاری اس نثر میں حک و اصلاح کی گنجائش نہیں ۔ پنج رقعہ سابق سے لفظاً و معناً تمہاری عبارت بہتر ہے ۔ اس قول کو باور نہ کرو گے تو منشا اس کا وہی اخیر جارج طبع ہوگا ۔ ع سود نہ دہد ۔

نجابت کا طالب : غالب

(۷)

بنام نامعلوم

بندہ پرور!

آج میں نے وہ انگریزی عرضی روانہ کردی اور صبح کو آپ کا کمار مسودہ اور میرے محسن کا رقعہ آپ کے نام کا مجھ کو دے گیا ۔
اس عنایت کی شکر میں کیا خدمت بجا لاؤں بارے ایک رباعی بھیجتا ہوں اس کو آپ پڑھ کر اور لطف اٹھا کر راجہ صاحب کی خدمت میں بھجوا دیجئے ۔

امید بر تشدید یم و تخفیف یم دونوں طرح مستعمل ہے ایسا نہ ہو کہ جناب ممدوح اس کو زحاف سمجھیں ۔ پہلے اور دوسرے مصرع میں یہ تخفیف یم ہے اور تیسرے مصرع کا یم مشدد ہے ۔

غالب !

(۸)

بنام نواب علاؤالدین خاں علائی

جانِ غالب!

دو خط تمہارے متواتر پہنچے ۔ مغربی عرضیوں سے ہے بیشتر اس کے کلام میں مضامین حقیقت آگیں ہیں لیکن دامانِ گلزار و گریبانِ گلہ دارد ، اس زمین میں اس کی غزل میں نے نہیں دیکھی ۔ حاجی محمد جان قدسی کی غزل اس زمین میں ہے ؎

در بزم وصال تو ہنگام تماشا　　نظارہ زجنبیدن مژگان گلہ دارد

یہ ایک شعر اس کا مجھے یاد ہے ۔ بھائی تمہارا باپ بدگمان ہے یعنی مجھ کو زندہ سمجھتا ہے ۔ میرا سلام کہو اور یہ شعر میرا پڑھ سناؤ ؎

گمان زلیست بود بر سنت زبے دردے　　بدست مرگ دلے بہ تمانگان تو نیست

مجھے کافور و کفن کے فکر پڑ رہے ہیں وہ تگرگ شعور سخن کا طالب ہی زندہ ہوتا تو وہیں کیوں نہ چلا آتا ۔ مجھ پر یہ تکلیف اٹھا لو اور تم اسی زمین میں شعر کہہ کر بھیج دو میں اصلاح دے کر بھیج دوں گا ۔ عصائے پیر بجائے پیر و اللہ میرا کلام ہندی یا فارسی کچھ میرے پاس نہیں آگے جو کچھ حافظہ میں موجود تھا وہ لکھ بھیجا اب جو کچھ یاد آگیا وہ لکھتا ہوں ؎

ما من کہ عاشقم سخن از ننگ و نام چیست　　در امر خاص حجت و دستور عام چیست

نیہ کلوم نہ ہرگا کہ ہدہ کس کے نام ہے (ڈاکٹر علی خاں رام پور)

بستم ز خون دل کہ دو عشم ازاں پہاست　　گوئی مخور شراب و نہ بینی بجام چیست
با دوست ہر کہ بادہ بخلوت خورد مدام　　داند کہ خورد کوثر و دار السلام چیست
ما خستہ غیر و بود مے دوائے ما　　ما خستگان حدیث حلال و حرام چیست
از کاسۂ گدام نصیب است خاک را　　تا از فلک نصیبۂ کاس کدام چیست
غالب اگر نہ خرقہ و مصحف بہم زدست　　پرسد چرا کہ نرخ مئے لعل فام چیست

ا شعر نہ یاد آسکے ۔ یاد آگئے خیر گانے کو یہ بھی کافی و وافی ہیں[1] ۔

دل بردۂ حق آنست کہ دلبر نتواں گفت　　بیداد تواں دید و ستمگر نتواں گفت
در رز گلشن ناچ و نخجیر نتواں برد　　در بزم گلشن بادہ و ساغر نتواں گفت
رخشندگی ساعد و گردن نتواں جست　　رینندگی یارہ و پرکر نتواں گفت
پیوستہ دہد بادہ و ما قی نتواں خواند　　ہموارہ تراشد بت و آذر نتواں گفت
در گرم روے سایہ و سر چشمہ نجوئیم　　با ما سخن از طوبے و کوثر نتواں گفت
بگذار کہ آید چو زنے در نظرم　　گر خود ستمی رفت بمشتر نتواں گفت
آں راز کہ در سینہ نہانست نہ وعظ است　　بردار تواں گفت و بہ منبر نتواں گفت

کارے عجب افتاد بدیں شیفتہ مارا
مومن نبود غالب و کافر نتواں گفت

کوئی امید بر نہیں آتی　　کوئی صورت نظر نہیں آتی
آگے آتی تھی حال دل پہ ہنسی　　اب کسی بات پر نہیں آتی
موت کا ایک دن معین ہے　　نیند کیوں رات بھر نہیں آتی
داغ دل گر نظر نہیں آتا　　بو بھی اے چارہ گر نہیں آتی
جانتا ہوں ثواب طاعت و زہد　　پر طبیعت ادھر نہیں آتی
ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی　　کچھ ہماری خبر نہیں آتی
کعبہ کس منہ سے جاؤ گے غالب　　شرم تم کو مگر نہیں آتی

---

[1] یہ خط پہلے چھپ چکا ہے مگر نامکمل، پہلا خط اس مصرع پر ختم ہو جاتا ہے

پرسد چرا کہ نرخ مئے لعل فام چیست　　(ملاحظہ ہو مکاتیب غالب مرتبہ طبع دوم)

خط کی باقی عبارت اس میں نہیں آئی لیکن اصل خط میں موجود ہے جو غالباً کسی وجہ سے ابتدا ہی میں حذف ہو گئی۔ میرزا نے اپنی ایک اور فارسی غزل اور متعدد اردو غزلیں بھی اس خط کے ساتھ بھیجی تھیں جو مضمون خط سے واضح ہے۔ لوہارو سے ایسی غزلوں کی فرمائش آتی تھی جنہیں گانے کے لئے قوال کو دیا جا سکے۔

نکتہ چیں ہے غمِ دل اس کو سنائے نہ بنے
کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے

میں بلاتا تو ہوں اس کو مگر اے جذبۂ دل
اس پہ بن جائے کچھ ایسی کہ بن آئے نہ بنے

اس نزاکت کا بُرا ہو وہ بھلے ہیں تو کیا
ہاتھ آئیں تو انہیں ہاتھ لگائے نہ بنے

بوجھ وہ سر سے گرا ہے کہ اٹھائے نہ اٹھے
کام وہ آن پڑا ہے کہ بنائے نہ بنے

عیر پھرتا ہے لئے یوں تہِ خط کو کہ اگر
کوئی پوچھے کہ یہ کیا ہے تو چھپائے نہ بنے

عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالب
کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بنے

سرسیّد

بنام سید حبیب اللہ صاحب

(۱)

عزیزی سید حبیب اللہ السلام

تمہارا خط پہنچا آپ کرنے پر تمہاری مستعدی معلوم ہونے سے نہایت خوشی ہوئی۔ بعض مصلحتوں سے ہم نے تمہارے یہاں آنے کی بھی ۱۳ فروری مقرر کی ہے تم کو مناسب ہوگا کہ بارھویں تا۔ رہے یہاں آجاؤ کچھ اور باتیں تم کو سمجھائی جاویں گی۔ ۱۳ تاریخ ایک کے مدرسہ میں جلسہ ہوگا اور رات کو ڈنر۔

آج میں نے تمہارے چچا صاحب کو خط لکھا ہے کہ وہ تاریخ مذکورہ کو پسند فرمائیں۔ ان کا جواب آنے پر ہم کارروائی شروع کریں گے۔ اس روز یاں میں تم کو مناسب ہے کہ ہائی کورٹ میں ان رول ہو جاؤ۔ تم کو دو اسپیچیں کرنی ہوں گی۔ ایک دن کے جلسہ میں اور ایک رات کے ڈنر پر۔ ان دونو اسپیچوں کو تم لکھ لو اور خوب یاد کر لو۔ اسی میں چند فقرے مناسب وقت بڑھا رہنا۔ طرز بیان و طریقہ کھڑے ہونے کا نہایت عمدہ ہونا چاہئے۔ ایک مہینہ کا عرصہ ہے اس میں تم بخوبی طیار ہو سکتے ہو۔ میرا مطلب یہ ہے کہ ایسی عمدہ اسپیچ ہو کہ کسی کو تمام گرفت نہ رہے۔ والسلام!

خاکسار: سید احمد۔ علی گڈھ ۱۱ جنوری ۱۸۸۵ء

بنام نواب سید علی حسن صاحب مرحوم

(۲)

جناب عالا مناقب مخدوم و مکرم جناب مولوی محمد علی حسن خان بہادر دام عنایتکم

آپ کا نوازش نامہ مورخہ تیسری ربیع الثانی ۱۳۰۲ھ معہ قطعہ کہ نسی نوٹ تعدادی پانسو روپیہ پہنچا باعث افتخار و ذریعہ ہزاراں اعزاز ہوا۔ گو علیہ کو میں شبہ من الشرک سمجھتا ہوں مگر اس فیاضانہ مرحمت کو مدرسۃ العلوم کے اور قوم کے لئے فال نیک سمجھتا ہوں۔ کچھ شبہ نہیں کہ مدرسۃ العلوم اور بیری کوشش فلاح قومی دنیاوی امور سے متعلق ہے۔ لیکن اگر نیت نیک اور تمام کام جناب اللہ کے تو خدا سے امید ہے کہ جزائے انما الاعمال بالنیات سے جو منح ایمان ہے محروم نہ رکھے گا۔

آپ باور کریں یا نہ کریں مگر میں یقین کرتا ہوں کہ اس اسلامی اخوت اور ہمدردی قومی کی جزائے خیر ضرور خدائے تعالیٰ آپ کو عطا فرمائے گا۔ یہ ترجمہ کو یقین کامل ہے جبکہ آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ اس وظیفہ سے کسی طرح کی شہرت و یادگار آپ کو

منظور نہیں ہے اور بلاشبہ خیرات مخفی ہزار درجہ خیرات جلی سے بہتر ہے۔ مگر نیک نیتی اور بے ریائی کو تسلیم کر کے دوسرے پہلو پر بھی نظر ڈالنی ضرور ہے کہ اعلان اس قسم کی خیرات کا جو قومی بھلائی سے نہ شخصی مراعات سے متعلق ہے اور قوم کو اس قسم کی خیرات کی شدید ضرورت ہے، ذریعہ ہوگا اوروں کی ترغیب کا اور خیرات دینے والا اجر اللہ الی علی الخیر کے مقولہ میں ضرور داخل ہوگا۔ پس قومی فلاح کے کاموں میں باعلان خیرات کرنا اگر نیت نیک ہو تو دوچند اجر کا مستحق کرتی ہے۔ دوسرے یہ کہ اس اعلان سے قومی عظمت اور اسلامی شوکت ثابت ہوتی ہے جو ہماری عین تمنا اور آرزوئے دل ہے۔ آپ نے مدرسۃ العلوم کو ملاحظہ نہیں فرمایا اور جس نے نہ دیکھا ہو اس کے خیال میں آ ہی نہیں سکتا کہ وہ کیسا ہوگا۔ اس کی عمارت جس شان و شوکت سے بنائی قرار دی گئی اور جس قدر کام وقت تک بن چکی ہے قومی عظمت اور اسلامی شوکت کو ثابت کرتی ہے۔ ایک انگریز نے کہا کہ یہ خیال کہ مسلمانوں میں قومی جوش اور ان میں سے قومی عظمت جاتی رہی، علیگڈھ میں جا کر اور مدرسۃ العلوم کی عمارت کو دیکھ کر بالکل غلط ثابت ہوتا ہے۔ اسی کے ساتھ جبکہ غیر قوم کے لوگ اس کی دیواروں پر جا بجا مسلمانوں کے نام کثرت سے کندہ دیکھتے ہیں تو اور بھی زیادہ قومی عظمت اور اسلامی شوکت کا اثر ان کے دل میں بیٹھتا ہے۔ بس ان وجوہ سے آپ مجھ کو مجاز رہنے دیں کہ اس روپیہ کو ایک مناسب تدبیر میں داخل کروں اور اس کے ساتھ آپ کے نام نامی کی بقید ولدیت نشانی قائم رکھوں۔

مدرسۃ العلوم کی درمیانی عمارت جو سنٹرل ہال سے موسوم ہے بہت بڑی عمارت ہے۔ سات ہزار روپیہ اس کی لاگت کا تخمینہ ہوا اگرچہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے زیادہ لاگت آوے گی ——— اس میں نہایت خوش اسلوبی سے ایک سو بیس پتھر لگائے گئے ہیں۔ جس بزرگ نے پانسو روپیہ دیا ہے وہ روپیہ اس کی تعمیر کے فنڈ میں جمع کیا گیا ہے اور ان پتھروں میں سے ایک پتھر پر اس کا نام کندہ کر دیا ہے۔ جس قدر نام کندہ ہو چکے ہیں غیر قوم کے لوگ جب آن کر دیکھتے ہیں تو قومی عظمت کا بے انتہا اثر ان کے دل پر ہوتا ہے اور مسلمانوں کے دل بھی ایک قسم کی فرحت اپنے میں پاتے ہیں۔ پس میرا ارادہ ہے کہ آپ کے زر علیہ کو بھی اسی فنڈ میں داخل کروں اور آپ کا نام بقید ولدیت کندہ کروں جبکہ آپ نے یہ روپیہ عنایت کیا اور مجھ کو متولی کیا کہ اس کو کسی کار خیر میں صرف کروں تو اب آپ کو اس میں مداخلت ضرور نہیں ہے۔ آپ ثواب میں داخل ہو گئے۔ اب جو گناہ و ثواب رہا میری گردن پر ہے۔ اگر میری نیت بخیر ہے تو خدا سے امید ہے کہ مجھ کو بھی بری نیت کے موافق بدلہ دے گا۔ اس تحریر کا میں آپ سے جواب نہیں چاہتا۔ میں کروں گا وہ جو اللہ چاہے گا۔

محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا اجلاس اب کے سال الہ آباد میں ہوگا۔ ۲۸، ۲۹ اور ۳۰ دسمبر تواریخ اجلاس مقرر ہوئی ہیں پہلے اجلاس میں وہ امور تنقیح پاویں گے جو بحث کے لئے پیش ہوں گے۔ مگر تمام مجلسیں تعلیم مسلمانان سے متعلق ہوں گی۔ نواب محسن الملک مولوی سید مہدی علی خاں غالباً اسباب تنزل مسلمانان پر لکچر دیں گے۔ ہمارے کالج کے ایک نہایت نیک اور عالم پروفیسر انگریز مسٹر آرنلڈ چین اور جاوہ میں اسلام کی ترقی اور وہاں کے مسلمانوں کی حالت پر لکچر دیں گے۔ وہ یہ ثابت کریں گے کہ بغیر کسی زبردست حکومت کے وہاں اسلام پھیلا ہے۔ اس وقت انہی دو صاحبوں کا ارادہ معلوم ہوا ہے مگر غالباً مولوی سید علی بلگرامی جو حیدرآباد سے آنے والے ہیں وہ بھی کوئی لکچر دیں گے غرضکہ تمام جلسہ میں ہائے مسلمان ہائے مسلمان اس کے سوا کچھ نہ ہوگا۔

گزشتہ سال کی اجلاس رپورٹ بطور نذرانہ آپ کے ملاحظہ کے لئے بھیجتا ہوں منظور فرمائی جاوے اور آپ مجھ کو ہمیشہ اپنا نیازمند ایک عاجز نیازمند متصور فرماویں۔ آپ کی خدمت میں بیانتہا تسلیمات ارسال کرنے باعث میرے فخر کا ہوگا۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

خاکسار، سید احمد علی گڈھ ۲۰ نومبر ۱۸۸۹ء

بنام نواب سید علی حسن مرحوم　　(۳)

جناب مولوی صاحب محدوم و مکرم من مولوی سید محمد علی حسن خان بہادر۔

آپ کا نوازش نامہ پہنچا ممنون یاد آوری ہوا اگر آپ کانفرنس لانا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس میں بمقام الہ آباد ہوتا تو بلاشبہ قوم کو بہت عزت ہوتی اور آپ کی ملاقات سے میرے لئے باعث فخر و مسرت!

جلسۂ الہ آباد درحقیقت قومی شان و عزت کا جلسہ تھا اور قومی مطالب کے لئے اس میں نہایت کامیابی ہوئی۔ رپورٹ جلسۂ مذکور معہ تمغوں کے بکسوں کے جو اس میں دیئے گئے صدر عالی کی روانہ ہوتی ہے۔ امید کہ از راہ الطاف ان کو قبول فرماویں گے انگریزی خوان ماسٹر جو لائق ہو تلاش سے مل سکے گا۔ سردست جلدی سے ملنا ذرا مشکل ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو تلاش کی جاوے مگر جس مدرسہ کے لئے درکار ہے اس کا کسی قدر حال سے بھی مطلع فرمانا ضرور ہے یعنی سررشتہ تعلیم ریاست کس کے ماتحت ہے اور اس ماسٹر کو کس سے تعلق رہے گا۔ کیونکہ ریاست ہائے ہندوستانی میں جب تک ان کو خانگیت نہ ہو لائق اور کی جانا پسند نہیں کرتے۔ جن کو اور کہیں کچھ نہیں ملتا اچھی بات نہیں رکھتے وہ آنے کو دیار ہوتے ہیں۔ بس اگر ان کو بسند ہو تو کچھ مفصل امر بحریر و ماہوار میں تلاش کرنے میں کوشش کروں گا۔

میرا ارادہ بھوپال آنے کا ہے اور کسی قدر خیال بھوپال آنے کا بھی ہے گو کہ بھوپال میں کالج کی بھی کامیابی ہونے کی توقع نہیں ہے۔ مگر مشکل یہ ہے کہ مجھے ریاست بھوپال کا حال اس سے زیادہ کروہاں کے ارکان میں باہمی رنجش و بے لطفی ہے اور کچھ معلوم نہیں ہے لیکن اگر میں وہاں آؤں تو میرے نزدیک سب ایک سے ہوں گے اور ہر ایک سے کالج کی امداد میں حتی الوسع کوشش کروں گا پس میں حیران ہوں کہ مجھے کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیے گا۔

افسوس ہے کہ ریاست بھوپال سے قومی مدرسہ مسلمانان کے لئے کچھ امداد نہیں ہوتی اور شاید اب بھی نہ ہو۔ مگر بھوپال میں بہت سے مسلمان رئیس اور اہلکار ہیں ان سے کیوں توقع امداد نہ رکھی جاوے۔ میں آج ایک خط اس باب میں منشی محمد اسحاق صاحب کو لکھتا ہوں۔ آپ کی اس بات میں جو رائے ہو اس سے بھی مطلع فرمایا جاوے۔ والسلام علیکم و رحمۃ اللہ!

خاکسار: سید احمد، علی گڈھ ۱۰ جولائی ۱۸۹۱ء

بنام نواب سید علی حسن مرحوم　　(۴)

جناب مولوی صاحب مخدوم و مکرم معظم من ابوالنصر مولوی سید محمد علی حسن خان بہادر

نوازش نامہ عالی مورخہ ۲۸ ذوالحجہ پہنچا ممنون عنایت کیا۔ جو کچھ کہ آپ کے واسطے بہتری مسلمانوں کے حق میں سرکار عالم سے سعی فرمائی اور مدرسۃ العلوم اور اس ناچیز کے حق میں کلمۃ الخیر فرمائے اس کی نسبت بجز اس کے کہ اجر کم علی اللہ اور کیا کہہ سکتا ہوں بلاشبہ سرکار عالیہ کو تائید مدرسۃ العلوم میں تامل ہوگا خصوصاً اس وجہ سے کہ مخالفین نے بہت کچھ غلط باتیں نسبت مدرسۃ العلوم کے مشہور کر رکھی ہیں علاوہ اس کے ایک عام خیال نسبت حسنات و خیرات و مبرات کے محدود ہو گیا ہے۔ اس خیال کو توڑنا اور یہ بات دل میں ڈالنی کہ درحقیقت جس امر کی مسلمانوں کو ضرورت ہے اور جس کے نہ ہونے سے مسلمانوں کی روز بروز ذلت ہو جاتی ہے اور اس کے ساتھ اسلام کی بھی ذلت ہے اس میں تائید کرنا اور اس ذلت سے مسلمانوں کو نکالنا سب سے بڑی حسنات

میں شامل ہیں ..... اور ظاہر ہے کہ ریزن میں یا عقلی میں کچھ کام آنے والی نہیں ہے مگر انگریزی نہ جاننے کے سبب روز بروز مسلمانانِ ہند مسلمان دولت و عزت و اعزاز میں پچھڑتے جاتے ہیں، عہدہ ہائے سرکاری سے روز بروز خارج ہوتے جاتے ہیں۔ اعلیٰ عہدے ان کے ہاتھ سے نکلتے جاتے ہیں۔ ہندو بنگالی روز بروز ترقیاں پاتے جاتے ہیں اور مسلمان ہر امر میں ان کے مغلوب و دست نگر ہوتے جاتے ہیں۔ پس مسلمانوں کو ہندوؤں و بنگالیوں پر غلبہ حاصل کرنے کے لئے یا ان سے مغلوب نہ ہونے دینے کے لئے مسلمانوں کو انگریزی زبان کی تعلیم دینا درحقیقت ہندوؤں اور بنگالیوں پر ان کو مقدم کرنا ہے اور اس زمانہ میں جو حال مسلمانوں کا ہے درحقیقت ان کی تعلیم انگریزی میں امداد کرنا پوری حسنات میں داخل ہے مگر سرکار عالیہ کو یا عموماً مسلمانوں کو اس خیال کی طرف..... محالات سے ہے۔

مدرسۃ العلوم میں مسجد کی تعمیر مکمل نہ ہونے سے درحقیقت طالب علموں کو نماز کی تکلیف ہے۔ نواب سراسمان جاہ نے جو قصد روپیہ دیا تھا اس سے مسجد کرسی تک تعمیر ہو کر رہ گئی ہے اسی پر ایک چھپر ڈال دیا ہے جس میں نماز ہوتی ہے۔ وہ سو طالب علموں کے قریب پانچ وقت نماز پڑھتے ہیں ان کے وضو کے لئے پانی کا اہتمام بھی مشکل ہوتا ہے۔ اس کے لئے کنواں بھی بن رہا ہے مسجد کے صحن میں وضو کے لئے حوض بھی بن رہا ہے۔ اگر سرکار عالیہ مسجد ہی کے لئے تائید فرمائیں گی تو بہتر ہے۔ اسی کی کسی قدر تکمیل ہو جاوے گی میں کل یہاں سے علی گڈھ جاؤں گا اور وہاں پہنچ کر کوئی تاریخ روانگی بھوپال مقرر کر کے آپ کو اور وزیر صاحب کو اطلاع دوں گا۔ ہمارے سب کام توکلنا علی اللہ ہوتے ہیں، جو خدا کو منظور ہوگا ہوگا ؎

کارسازِ ما فکرِ کارِ ماست　　فکرِ ما در کارِ ما آزارِ ماست

جو خدا کو منظور ہے وہ ہوگا مگر آپ نے جو سعی و کوشش کی اس کا شکر ہم پر واجب اور اجر دینا خدا کے اختیار میں ہے۔ والسلام علیکم!

خاکسار

سید احمد۔ الہ آباد ۱۴ر اگست ۱۸۹۱ء

---

(۵)

مرسلہ علی حسن صاحب مرحوم

جناب مخدوم و مکرم من ابوالنصر مولوی سید محمد علی حسن خان بہادر!

آپ کا نوازش نامہ پہنچا۔ جہاں آپ کی اور عنایتوں کا میرے دل پر نقش ہے اس سعی و عنایت کا بھی جس کے سبب آپ سے اور مخدومی عالمگیر محمد خان صاحب کے نام سے ہزار روپیہ کا اضافہ ہوا، ہزار ہزار شکر ہے۔ نو بجے تشریف لائیے میں حاضر موجود رہوں گا۔ تمام احباب جو میرے ساتھ ہیں وہ سب آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتے ہیں کوئی وقت تجویز فرما کر اطلاع فرما دیں تاکہ وہ سب حاضر ہوں۔

میں تو آپ کے دسترخوان نعمت کا ایک ٹکڑہ کھانا بھی فخر سمجھتا ہوں مگر نہایت عاجزی سے ملتمس ہوں کہ دعوت کو ملتوی فرمائیے کیونکہ میرا عہد ٹوٹ جاوے گا اور حیدرآباد میں باعث نقصان عظیم ہوگا۔

پانسو روپیہ جو آپ کی طرف سے دیا جاتا ہے اس کو میں کاغذات و حسابات میں آپ کے نام سے کہ بابت دعوت نقد عنایت کیا، لکھوں گا بلکہ عالمگیر محمد خان صاحب بھی اگر ایسی ہی اجازت دیں تو مدرسۃ العلوم کو حیدرآباد میں زیادہ فائدہ ہوگا۔ اس کے متعلق مفصل حالات زبانی عرض کروں گا۔ والسلام!

خاکسار

سید احمد۔ بھوپال ۲ر ستمبر ۱۸۹۱ء

بنام نواب سید علی حسن صاحب　　(۶)

جناب مخدومی و مکرمی!

بجواب عنایت نامہ ملتفت ہوں کہ جو آپ کی خوشی ہے اوس کی تعمیل ہم سب کو اعتقاد ہوگا تعمیل ارشاد ہوگی بعد نماز ظہر ہم سب حاضر دولت خانہ ہوں گے اور وہاں سے کھانا کھا کر اسٹیشن چلے جاویں گے۔

خانہ آباد دولت زیادہ۔　　والسلام!

خاکسار: سید احمد ۴ ستمبر ۱۸۹۱ء

بنام نواب سید علی حسن صاحب مرحوم　　(۷)

مخدوم و مکرم من جناب ابوالنصر نواب سید علی حسن خان بہادر!

آپ کا عنایت نامہ مورخہ ۱۱ مارچ اور آج پلندہ چار رسالہ البیان کا پہنچا۔ آپ کی عنایت اور نوازش کا اور اس امر کا کہ آپ کو ہر وقت مدرسۃ العلوم کا خیال رہتا ہے ممنون ہوا۔ البیان جو آپ نے عنایت کیا ہے حتی المقدور فروخت کیا جائے گا اور جس قدر قیمت وصول ہوگی مدرسہ میں داخل کی جائے گی۔ نہایت عمدہ مضمون پر آپ نے لکھ دیا ہے۔

جلد تہذیب الاخلاق ۱۳۲۴ھ نبوی اور جلد کامل ۱۳۲۵ھ نبوی خدمت عالی میں مرسل ہے۔ ۱۳۲۵ھ کا پرچہ شعبان علیحدہ اس واسطے پوری جلد بھیج دی گئی ہے۔ یہ دونوں جلدیں خاص میری ملکیت ہیں۔ کالج سے ان کو کچھ علاقہ نہیں اس لئے بطور نذر آپ کی خدمت میں مرسل ہیں امید کہ آپ قبول فرماویں گے۔ زیادہ بجز نیازمندی کے اور کیا عرض کروں۔ والسلام!

خاکسار: سید احمد

بنام نواب سید علی حسن صاحب مرحوم　　(۸)

جناب مخدومی مکرمی نواب علی حسن خان بہادر بالقابہ!

آپ کے شکوی محلی میں فرقہ اہل حمد کے پیدا ہونے کی مبارکباد دیتا ہوں۔ خدا اس کی عمر دراز کرے اور آپ کے سایۂ عاطفت میں با اقبال ہو آمین!

ایسی خوشی اور مبارکی میں قوم کو یاد رکھنا ضروری ہے۔ خدا کا اصلی شکریہ اس کے بندوں کے ساتھ سلوک کرنا ہے پس آپ خدا کے شکریہ میں قومی کام قومی بھلائی میں کچھ عنایت فرمایئے۔ فقط والسلام!

خاکسار: سید احمد۔ علی گڈھ ۱۲ مئی ۱۸۹۳ء

(۹)

بنام نواب سید علی حسن صاحب مرحوم خلف والا جاہ نواب صدیق حسن خان صاحب

جناب مخدوم مکرم نواب محمد علی حسن خان بہادر

چند روز ہوئے کہ آپ کا عنایت نامہ مورخہ ۱۶ اگست میرے پاس پہنچا تھا باعث اعزاز ہوا تھا۔ ان دنوں میں بعض امور ایسے درپیش تھے کہ مجھ کو نہایت کم فرصت تھی اس لئے تحریر جواب میں تاخیر ہوئی۔ آپ معاف فرماویں۔ جو الفاظ عنایت اور شفقت آمیز آپ نے اپنے عنایت نامہ میں لکھے ہیں میں ان کا دل سے شکر گذار ہوں۔ مجھ ناچیز کو ایسے الفاظ سے یاد فرمانا جو آپ کے

عنایت نامہ میں مندرج ہیں صرف آپ کی بزرگی اور عنایت ہے۔ آیام ہند کی بابت صرف ایک رسالہ انگریزی شائع ہوا ہے جس کی جلدیں میں نے مدرسہ کو دے دی ہیں اور کچھ جلدیں ہنوز فروخت کو باقی ہیں۔ پھر اس کی قیمت ہے اگر آپ فرماویں تو میں آپ کے پاس بھیج دوں۔ مگر اس کا اردو میں ترجمہ کرنا اور چھاپنا اب مناسب وقت نہیں ہے۔ وہ زمانہ گیا اور اب زمانہ نہیں ہے کہ ان پرانے قصوں کو پھر یاد دلایا جائے۔

تاریخ اسلام مصنفہ مسٹر آرنلڈ یورپ میں چھپ رہی ہے بعد چھاپہ ہونے کے ہندوستان میں آوے گی اس کا ترجمہ کرانے کے لئے مسٹر آرنلڈ کی اجازت درکار ہوگی۔ بسبب تعطیل کالج کے مسٹر آرنلڈ پہاڑ پر گئے ہوئے ہیں۔ جب وہ واپس آویں گے تو میں ان سے ذکر کروں گا۔ آپ سے ملنے کو ہمیشہ دل چاہتا ہے مگر فاصلہ اس قدر دور دراز ہے کہ نہ میں آپ کے پاس آسکتا ہوں اور آپ کو ایسے اشغال رہتے ہیں کہ جن سے آپ کو بھی فرصت نہیں ہوتی۔

میں آپ کو اپنا دلی دوست اور معین و مددگار اس قومی کام کا سمجھتا ہوں جس کے انجام پر میں نے اپنی عمر صرف کی ہے اور مجھ کو امید آپ سے ہے کہ آپ ہمیشہ اس کام کے مددگار رہیں گے۔

اب کے سال محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا اجلاس شاہجہان پور میں قرار پایا ہے جو حسب معمول اخیر دسمبر میں ہوگا امید مجھے امید ہے کہ آپ اس جلسہ میں تشریف لاویں گے اور مجھ سے اور اور احباب سے آپ سے ملاقات ہوگی۔ شاہجہان پور کے جلسہ کے مہتمم مولوی محمد اسمٰعیل صاحب وکیل عدالت قرار پائے ہیں۔ اگر آپ کا ارادہ تشریف آوری کا ہو تو ان سے آپ خط و کتابت فرماویں۔

والسلام علیکم!

خاکسار

سید احمد۔ علی گڈھ ۱۱ ستمبر ۱۸۹۵ء

---

(۱۰)

از نواب علی حسن، جودھ

مخدوم و مکرم بندہ جناب ابوالنصر نواب سید علی حسن خان بہادر

بعد سلام مسنون التماس یہ ہے کہ بلحاظ اس شفقت اور عنایت کے جو آپ کو میرے حال پر ہے اور بلحاظ اس قومی ہمدردی کے جو مسلمانوں کی ترقی اور بہبودی کی آپ کے دل میں ہے۔ مجھے جرأت ہوتی ہے کہ آپ کی خدمت عالی میں ایک ضروری التماس کروں۔

آپ کو معلوم ہوا ہوگا کہ دفتر مدرسۃ العلوم کے ہیڈ کلرک نے بذریعہ جعلی چکوں کے ایک زر خطیر زر امانت مدرسۃ العلوم میں سے جو بنک میں جمع تھا غبن و تصرف کر لیا جس کے سبب سے نقصان کثیر زر امانت مدرسۃ العلوم میں ہو گیا۔ اگر وہ غبن و تصرف صرف زر امانت ہی میں ہوتا تو صبر کیا جاتا۔ مگر اس غبن و تصرف کے سبب چوالیس ہزار روپیہ بنک کا مدرسہ پر فاضل ہو گیا اور اگر زر فاضلات کی ادائی جلد تر تدبیر نہ کی جاوے تو اس کا سود اس قدر بڑھ جاوے گا جس کا ادا کرنا ناممکن ہوگا اس لئے یہ تجویز ہوئی ہے کہ اس زر فاضل کو چندہ باہمی سے جس قدر جلد ممکن ہو ادا کیا جاوے چنانچہ اس کے لئے چندہ کھولا گیا ہے اور احباب اور ٹرسٹیان کالج نے قریب دس ہزار روپیہ کے چندہ دینے کا وعدہ کیا ہے اور اور لوگوں نے بھی اس میں چندہ دیا ہے۔ اس لئے میں آپ سے تین امر کی درخواست کرتا ہوں اور امید ہے کہ آپ اس پر توجہ فرمائیں گے۔

اوّل یہ کہ آپ بھی اپنی ذات خاص سے اس نقصان کے پورا کرنے میں کچھ امداد فرماویں تاکہ زر فاضل بنک کا ادا

کہا جاوے۔

دوسری درخواست یہ ہے کہ اگر ممکن ہو تو حضور جناب بیگم صاحبہ سے بھی اس باب میں عرض و معروض کریں بھی کچھ عنایت فرماویں گی تو اس وقت میں نہایت مدد پہنچے گی۔

اگرچہ میرا ارادہ تھا کہ حضور جناب بیگم صاحبہ کی خدمت میں بھی کوئی عرضی لکھوں مگر میں نے مناسب نہیں اس باب میں کچھ لکھا ہو تو عرض معروض کیجئے

تیسری درخواست یہ ہے کہ علاوہ اپنی ذات خاص کے حضور جناب بیگم صاحبہ کے اور لوگوں سے بھی اس کے لئے کچھ چندہ وصول کیجئے۔ آپ کی کوشش اور سعی سے امید ہے کہ کچھ نہ کچھ وصول ہو جائے گا۔ والسلام

خاکسار سید احمد۔ علی گڈھ ۱۲ جون ۱۸۹۶ء

بنام نواب سید علی حسن مرحوم (۱۱)

جناب مخدومی و مکرمی معظمی ابوالنصر نواب سید محمد علی حسن خان بہادر!

محمد یعقوب علی صاحب اسلام نگار روبکار رہے کا خط مورخہ ۱۸ ستمبر ۱۸۹۶ء مع نصف قطعہ نوٹ روپیہ جو آپ نے ازراہ فیاضی و شفقت بہ کار ستائی نفس ان کی عنایت فرمایا ہے میرے پاس پہنچا۔ میں آپ کی کا دل سے شکر گزار ہوں اور تذکرہ کرتا رہوں گا اور یہ عریضہ بازبطہ رسید نصف قطعہ ثانی نوٹ مذکور خدمتِ عا والتسلیم مع التعظیم!

خاکسار

سید احمد۔ علی گڈھ ۱۸ ستمبر ۱۸۹۶ء

بنام نواب سید علی حسن صاحب مرحوم (۱۲)

جناب مخدومی و مکرمی معظمی!

آپ کا عنایت نامہ پہنچا میں نے مولوی صاحب کی کہے ترجمہ کی بابت کہا تھا انہوں نے کہا کہ میرے پاس نہیں ان سے کسی قسم کی کوشش کی توقع نہیں رکھنی چاہئے بلکہ وہ اس کتاب کو سند نہیں کرتے پس آپ کہاں سے سعی کیجئے ان سے

خاکسار۔ سید احمد۔ علی گڈھ ۱۵ نومبر ۱۸۹۶ء

بنام نواب سید علی حسن (۱۳)

مخدومی و مکرمی ابوالنصر نواب سید علی حسن خان بہادر!

آپ کا عنایت نامہ مورخہ ۱۸ نومبر پہنچا ممنون یاد آوری ہوا آپ کی خیر و عافیت و صحت مزاج سے مطلع صاحب کے وصال کا افسوس ہے۔ خدا کرے کہ جناب عالیہ بیگم صاحبہ کو کوئی ایسا وزیر مل جاوے جو ملک کی اور قوم باعث نیکنامی ریاست اور سب رعیت کی دعا ہو۔ خدا کی قدرت سے کچھ بعید نہیں کہ ایسا ہی شخص ریاست آپ کی یاد آوری کا شکر گزار رہوں۔ والسلام علیکم!

خاکسار۔ سید احمد۔ علی گڈھ ۲۰ نومبر ۹۶ء

نواب محمد عبدالسلام صاحب مرحوم　　(۱۴)

مخدومی مکرمی محمد عبدالسلام صاحب

آپ کا عنایت نامہ از مقام پنجاب گڈھ پہنچا۔ جو تجویز کہ آپ نے اس میں سندرج کی ہے میں قواس کو نہایت نامناسب اور محض ناواجب اور سزا سزا سمجھتا ہوں۔ والسلام!

خاکسار، سید احمد۔ علی گڈھ ۲ جون ۱۸۹۶ء

نواب سید علی حسن صاحب مرحوم　　(۱۵)

مخدوم مکرمن جناب ابوالنصر نواب سید محمد علی حسن خان بہادر!

آپ کا عنایت نامہ مورخہ ۱۷ جون پہنچا۔ اوّل تو میں آپ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ آپ کو ہمیشہ مدرسہ کی تائید کا خیال رہتا ہے بعد اس کے سید عبدالرب صاحب کا اور ان تمام لوگوں کا جنھوں نے سید عبدالرب صاحب کے اضافہ کی خوشی میں ایک ایک روپیہ ماہوار سے شکر ادا کرتا ہوں۔ کم مایہ بزرگ، جو باوجود اپنی قلت معاش کے کالج کی مدد کرتے ہیں ان کا میں زیادہ شکر گذار ہوں بہ نسبت ان کے جو باوصف قلت معاش کے قومی مدرسہ کا خیال رکھتے ہیں۔

مبلغ بیس روپے میرے پاس پہنچ گئے ہیں اور مدرسہ میں جمع کر دیئے گئے ہیں۔ خدا دینے والوں کا بھلا کرے۔

نواب محسن الملک اٹاوہ چلے گئے ہیں، ۱۲ جون کو واپس آجاویں گے۔ خطبات احمدیہ انگریزی زبان میں موجود ہے۔ ایک جلد خدمت عالی میں روانہ ہو رہی ہے۔ پانچ روپیہ اس کی قیمت ہے اور محصول ڈاک اس کے علاوہ ہیں آپ کی عنایت اور یاد آوری کا مکرر شکر ادا کرتا ہوں۔ والسلام!

خاکسار: سید احمد۔ علی گڈھ ۱۹ جون ۱۸۹۶ء

نواب سید علی حسن صاحب مرحوم　　(۱۶)

مخدوم مکرمن جناب ابوالنصر نواب سید علی حسن خان بہادر!

جو کہ مجھ کو آپ کی خدمت میں خالص نیازمندی ہے اس واسطے میں بلا تکلف تین امر آپ کی خدمت میں لکھتا ہوں آپ بھی بلا تکلف ان کا جواب ہاں یا نا کا ارقام فرماویں گے۔

امر اوّل یہ ہے کہ میں محمڈن اینگلو اورینٹل کالج میں آپ کو ترستی مقرر کرنا چاہتا ہوں کیونکہ مجھ کو امید ہے کہ آپ کے بعد بھی کالج کی بہتری اور سرسبزی کا خیال رکھیں گے۔ پس آپ بخوشی طبع فرمائیے کہ آپ بخوشی ٹرستی ہونا منظور فرماتے ہیں یا نہیں۔

دوسرا امر یہ ہے کہ بسعی منشی امتیاز علی صاحب مرحوم کے جناب عالیہ بیگم صاحبہ بھوپال نے دس ہزار روپیہ تعمیر مسجد کے لئے عنایت فرمایا تھا اب اس مسجد کی تعمیر کی نوبت پہنچ گئی ہے صرف برج اور مینار اور استر کاری باقی ہے۔ نماز اس میں ہونے لگی ہے اور مؤذن اور امام وغیرہ اس کے لئے مقرر ہو گئے ہیں اور ایک مولوی صاحب واسطے وعظ اور تعلیم مذہبی کے بھی مقرر ہیں۔ اب چاہتا ہوں کہ پچاس روپیہ ماہواری یا کم و بیش تجویز کرا دیں جناب بیگم صاحبہ کی طرف سے واسطے اخراجات مسجد کے مقرر ہو جائے میں نے اس باب میں مولوی عبدالجبار خان صاحب کو بھی خط لکھا تھا مگر انھوں نے کچھ جواب نہیں دیا پس آپ کی سعی اس امر میں

کچھ کارگر ہو سکتی ہے یا نہیں۔ اگر کارگر ہو سکے تو سعی فرمائیے اور اگر کارگر نہ ہو سکے تو خیر۔

تیسرا امر یہ ہے کہ میں آپ کی عنایت کا اور نیز ان دوستوں کی عنایت کا جنھوں نے واسطے تلافی نقصان کالج کے چندہ دینے سے انکار اکرتا ہوں لیکن فاضلات بنک کی اب تک قریب کے پچیس ہزار روپیہ کے باقی ہے اس کی ادا کے لئے میں چاہتا ہوں کہ چند دوست مل کر بقدر اپنی حیثیت کے روپیہ بطور قرض بلا سود دیں پانچ برس کی میعاد پر اور میں ان کو رسید اور پرکھ دوں گا اور بنک سے طمانیت کرا دوں گا کہ تاریخ معینہ پر بنک سے روپیہ مل جاوے گا۔ ہم کو ۱۱½ روپیہ سیکڑہ کے حساب سے زر فاضلات سود بنا ہوتا ہے اور جس کی نہایت زیر باری ہوتی ہے ہمارے پاس نوٹ جس قدر بنک میں جمع ہیں ان کا سود ۱۴۸۲/۱۲ سالانہ طلب ہے جو اس قرضہ کی ادا کے لئے بنک میں جمع ہوتا رہے گا پس پانچ برس کے اندر ۱۲۳۶۴/۶ صرف سود پامیسری نوٹوں کے ہو جاوے گا سر سالار جنگ مرحوم کی جاگیر میں سے جو روپیہ کالج کو ملتا تھا وہ چند روز سے رک گیا تھا مگر اب اس کے ملنے کا حکم ہو گیا ہے اور ۱۲۵۵/۱۲ ہمارا واجب الطلب ہے وہ بکشت ملے گا۔

جن دوستوں نے نقصان کے پورا کرنے کے لئے چندہ لکھا ہے سمجھا اس کے ۱۲۵۵/۱۲ روپیہ وصول ہونا ماتے ہے جو وصولی ہو جاوے گا ڈیڑھ سو روپیہ ہماری ایک دوست واسطے پورا کرنے نقصان کالج کے دیتے ہیں جو پانچ برس کے اندر نو ہزار روپیہ ہو جاویں گے۔ بمجموع ان کل رقمات کا بتعداد ۲۸۹۲۹/۱۲ ہوتا ہے۔ پس ہم بآسانی میعاد معین پر کل زر قرضوا کر دیں گے بلکہ اس سے بیشتر۔ پس آپ ایسی کوشش کر سکتے ہیں کہ حضور عالیہ بیگم صاحبہ ہم کو کچھ روپیہ قرض دیں یا آپ اپنے پاس سے اور اپنے احباب سے ہم کو کچھ روپیہ قرض دلا سکتے ہیں یا نہیں؟ اس کا صاف جواب بلا کسی تکلف کے لکھ دیجئے گا میں نے اور چند دوستوں کو بھی خطوط لکھے ہیں۔ کیونکہ کسی ایک شخص سے پچیس ہزار روپیہ ملنا غیر ممکن ہے لیکن اگر دس بارہ دوست بقدر اپنے مقدور کے قرض دینا چاہیں تو جمع ہو جانا ممکن ہے۔ اس قدر میں لکھ چکا تھا کہ آپ کا عنایت نامہ مورخہ ۱۲ جولائی ۱۸۹۷ء پاس پہنچا۔ اس کا جواب کل یا پرسوں میں آپ کو لکھوں گا۔

اور میں ہر طرح سے جو تعلیم کا کام آپ اٹھانا چاہتے ہیں دل و جان سے اس میں مدد دینے کو موجود ہوں۔ والسلام علیٰ

خاکسار: سید احمد۔ علی گڈھ ۱۴ جولائی ۱۸۹۷ء

محمد حسین آزاد

(۱)

[illegible] لاہوری نمونی محصلی شہری

آپ کے حسب اور وطن کا حال فاضل ہزار تعریف کے ہیں اور یہ عنایت خاص جو بندۂ آزاد کے حال پر مبذول ہوئی ہے اس کا تو شکریہ ادا ہی نہیں ہو سکتا۔ لیکن میں اپنی طبیعت کا حال کیا بیان کروں۔ آپ تصویر منگانے نے ہیں میرا یہ حال ہے کہ کبھی برسوں سے آئینہ دیکھنا چھوڑ دیا کہ لیا کرنا اور کیا ہوگا۔ کبھی آئینہ سامنے آجاتا ہے تو اپنے آپ کو پہچان نہیں سکتا۔ جو شخص خود اپنی صورت دیکھ کر شرمائے اسے فوٹوگراف اتروانا اور تصویر کو اس عالم شہیر کرنا کب گوارا ہوگا۔

دو برس ہوئے ایک دوست رستے میں سے بہانہ کر کے مجھے لے گئے اور میری تصویر اتروائی۔ اگرچہ رنج ہوا مگر یہ شکر خدا کیا کہ الحمد للہ اسے صحیح الاعضا اور سلیم الصورۃ بنایا ہے اور رکھا ہے۔ حقیقتاً اب میں اپنا حال کیا عرض کروں۔ بڑھاپے کے بعد آج انشاء اللہ نہانے کا ارادہ ہے اگر خدا پورا کرے۔ کیا کروں فرصت نہیں ہوتی اور جو وقت بچتا ہے کہتا ہوں کہ چار سطریں لکھوں گا۔ نہانے کو بھی دیکھا جائے گا۔ آج کل دربار اکبری لکھ رہا ہوں۔ اس میں اکبر کے اسرائے دربار کا حال آپ اسی طرح پڑھیں گے جس طرح آب [illegible] میں شعرائے دربار کا۔ میں نے ارادہ کیا ہے کہ ہر ایک امیر کے حال کے بعد [illegible] تصویر بھی ہو۔ چند تصویریں بہم پہنچائی ہیں مگر بعض اب تک نہیں ملیں۔ اگر آپ کے ذریعہ سے ممکن ہو تو ضرور مطلع فرمائیں۔

محمد حسین عفی عنہ - فروری ۱۸۸۲ء

---

(۲)

[illegible] پیر و استاد

جناب من، ادام اقبالکم و حفظ اللہ امالکم!

تسلیم۔ آپ کا مرحمت نامہ تو پہنچا مگر اس نے رنج کو دوبالا کیا۔ کیونکہ نہایت دل شکستگی پائی جانی تھی۔ بے دل ہرگز نہ ہونا چاہئے۔ مولیٰ اسد اللہ الغالب موجود ہیں۔ انشاء اللہ پہلے سے اچھا ہوگا۔ میں نے انہیں احتیاطاً کچھ نہیں لکھا آپ لکھ بھیجئے گا کہ رجوع قلب سے عرض کرتے رہیں، سب مشکلیں آسان ہو جائیں گی۔

؎ تجھے چرکوں کی مشکل ہے اے جیر　　اگر تیرا علی مشکل کشا ہے

میں گنہگار روسیاہ کس منہ سے کہوں کہ دعا کرتا ہوں۔ خیر جو کچھ ہے خدا قبول کرے۔ دنیا کے اعتبار سے نا امید کر جہاں۔ یہاں ہر شکا خیالات کو بدلا، جہاں جہاں ہو سکا قلم کو روانی دی ہے۔ جو کچھ حدست میں پہنچتا ہے ملاحظہ فرمائیے گا۔ ہر پاس کیفیت احوال کے پہنچنے کا کوئی رستہ نہیں، آپ ہی کوئی تسلی نامہ لکھیں تو لکھیں اگرچہ غیروں کو اس بات کا یقین نہ آئے غالباً آپ کے دل پر اس فقرہ کا اثر ہوگا کہ مجھے شاید ہی کچھ آپ سے کم رنج ہو۔ میں رویا اور میں نے اور بہت سے یہاں اس مرحوم کی نماز جنازہ پڑھی۔ مجھے امید نہیں کہ ان کے بیٹوں نے پڑھی ہوگی۔ حضرت آپ ہم لوگوں کو نہیں جانتے آپ نے جتنا جانتے ہیں۔ ہم کچھ اور لوگ ہیں۔ الغرض ان کے صدقے سے ان کی خاک آستاں کے صدقے سے، ان کے کفنوں کے صدقے سے خیر و برکت شامل حال رکھے اور فی الحال بہتری عرض ہے کہ خدا آپ کی بات کو بنائے۔ فقط والدعاء بالتماس الدعاء!

آزاد - ۱۵ فروری ۱۸۸۳ء

---

(۳)

جناب من!

نسلم۔ الحمد للہ علیٰ احسانہ۔ قد رجح الحق علیٰ سکانہ۔ کل اخبار میں اس خبر کا ظہور دیکھا جس کا آپ نے ہیں ہر جا بیان کیا تھا۔ چاہا تھا کہ مولوی صاحب (یعنی آپ کے بھائی صاحب) کو مبارکباد لکھوں۔ پھر سوچا کہ آپ کو لکھنا انہی کو لکھنا ہے۔ اچھا ہو ورد کا عالم استقلال اور خیر و برکت کے ساتھ مبارک کرے۔ دل بہت چاہا کہ حاضر خدمت ہوں مگر کالج میں امتحان ہو ۱۸ اپریل سے دن عربی و فارسی کا امتحان ہے۔ مجھے، جماعتوں کے لئے سوالات بنانے ہیں۔ کچھ بنا لئے ہیں کچھ کل بنا دوں گا۔ ۲۰ کے بعد چھٹیاں آنے والی ہیں۔ انشاء اللہ ان میں ایک دن حاضر ہوں گا اور زبان تلمیذ ان کو بھی سنا دیتا۔ آداب گفتگو تسلیم، والاذ الکرام والسلام

محمد حسین آزاد۔ لاہور، محلہ ایوب شاہ ۱۶ فروری ۱۸۸۴ء

---

(۴)

بنام میجر حسن حیدر آباد

جناب من!

نسلم۔ پرسوں شفق کے ۳ پرچے ایک ہی لفافہ میں پہنچے۔ کل صبح کی ریل میں روانہ کئے ہیں رسید مرحمت فرمائیے۔ عنایت خدا کرے پہنچیں کہ شفق کی طرح سرخرو ہوں۔ ڈاک کا مطلق اعتبار نہیں، روز نقصان اٹھا رہا ہوں۔ قومی جنگ کوئی صاحب ہیں انہوں نے بڑی محبت سے ایک خط لکھا اور اپنی تصنیفات طلب فرمائے۔ میں نے نیرنگ خیال بھیجے۔ ۲۰ دن کے بعد آیا کہ کتاب نہیں پہنچی۔ فرمائیے ۳ روپے کی کتاب پر رجسٹری کے دینا تو آپ کو کیا جواب دیتا۔ وہ بڑی کی ٹڑھیا لکا سر منڈائی ہے کا ابھی تک فیصلہ نہیں ہوا۔ یونیورسٹی بیت و لعل کر رہی ہے اور کہتی ہے کہ ہم تجویز کر رہے ہیں۔ بہت خوب اور بھی اچھا بدی

---

۱ یہ مکتوب غالباً میجر سید حسن تجرائی کے نام ہے، حالانکہ سرنامہ میں لفظ "جناب من" کو "جناب من" لکھا گیا ہے۔ مولانا محمد حسین آزاد انہی کو "جناب من" کہہ کر خطاب کرتے ہیں۔ نیز انہی کے نام مرقومہ ۲۳ فروری ۱۸۸۴ء میں "خان شکران" کے ارسال کا ذکر ہے (مکتوبات آزاد طبع ثانی ص۲۵)

میں اگست ستمبر کی چھٹیاں بھی اسی میں گذر جائیں گی۔
ابراہیم انشاء اللہ ۸، ۱۰ دن میں رڑکی کو روانہ ہوگا کیونکہ کلم مٹی سے جماعت کھلنے کی اور کوئی بات قابلِ تحریر نہیں ہے مگر دعا دانماس دعا!

آزاد - لاہور بنگلہ ایوب شاہ ۱۶ اپریل ۱۸۸۴ء

---

(۵)

۱۲ معلوم

عزیز من زادہ اللہ انسا کم!

بعد از دعائے فراواں معلوم باد۔ تمہارا محبت نامہ پہنچا۔ اس لئے باعث مسرت ہوا۔ مجھے تو خبر ہی نہ تھی۔ خدا انہیں صحت دے۔ گھبراؤ نہیں، علاج کرتے رہئے۔ انشاء اللہ شفا ہوگی۔
میرا حال بدستور ہے، مدرسہ کا حال یہ ہے کہ حضور سائم صاحب بہادر پرنسپل بھی ہیں اور انسپکٹری حلقہ لاہور کی بھی فرماتے ہیں۔ ڈاکٹر ٹمپ نائل صاحب انسپکٹر حلقہ انبالہ ہو کر شملہ تشریف لے گئے ہیں۔ ان کی جگہ ایک صاحب عارضی طور پر تشریف لائے ہیں۔ کوب صاحب ان کا نام ہے یہ بھی عالم ہیں اور بڑے شوق سے پڑھاتے ہیں۔ ماسٹر بیروی پرشاد اسسٹنٹ پروفیسر ہیں۔ ماسٹر ساگر چند بشرح ایضاً با وشانتی بھوشن بشرح ایضاً مگر مستقل۔
بس اور کیا لکھوں۔ اپنی علالت کی طرف سے تم ہرگز گھبراؤ نہیں انشاء اللہ عنقریب روبصحت ہے۔ والدعا دانماس دعا!

محمد حسین عفی عنہ، پروفیسر عربی گورنمنٹ کالج لاہور

امیر مینائی

بنام منشی محمد عسکری وسیم ترمذی خیرآبادی (۱)

فہ چشم من - کل قطعات تاریخ بھیج چکا ہوں - ایک قطعہ تاریخی اپنی طرف سے بڑھایا ہے، اس کے بعد خیال آیا کہ نام سے تاریخ پیدا کی جائے - اس وقت ایک صورت سے موزوں ہوئی اس کو بھی لکھے بھیجتا ہوں اگر یہ قطعہ پسند ہے تو خیر ؎

خفت کہ بانو بخاک و کفنہا شد سینہ چاک — طالعش در گردش از دور نجوم آمد کنوں

سال مرگ از نام آں مرحومہ پیدا کرد امیر — در ریاض فاطمہ باد سموم آمد کنوں

۱۲۹۹ = ۱۵۳ "۲۶"

چاہیئے کہ رسید دونوں تاریخوں کی اور کیفیت پسند اور ناپسند سب عزیزان و یارانِ انجمن کے لکھ بھیجئے اور جس تاریخ کا کندہ ہونا قرار پائے اس سے بھی اطلاع دیجئے - میرے ایک شفیق مخدومہ شیراز میرے پاس تشریف رکھتے تھے - انہوں نے اس تاریخ کو پسند کرکے دو مصرعے اوّل کے اس طرح موزوں کئے

امدیں ماتم سرا نادیدہ چشم روزگار — ماتم نیساں کہ از دور نجوم آمد کنوں

۱۲ر جنوری ۱۸۸۳ء — راقم آثم امیر احمد از رام پور

بنام جناب سید محمد عسکری صاحب وسیم ترمذی خیرآبادی (۲)

میاں وسیم - تمہاری پریشانی سے مجھ کو بھی پریشانی ہوئی - سوائے کام چھوڑ کر چلے جانے کے، اور جو بات امکانی ہو تم مجھ کو بتاؤ تو وہ میں کروں - میں کسی حالت میں اپنے عزیز اپنے دوست کا نقصان نہیں چاہتا مگر تم سمجھتے ہو کہ (امیر اللغات کا) ایک حصہ مکمل ہو جانے تک تمہارے جانے سے اس کام کو نقصان سخت پہنچے گا تم کو اختیار ہے، تم بجائے خود خوب صحیح کر جو درخواست تو میں قبول ہو - مجھ سے کہو اس میں میں حاضر ہوں تمہاری راحت سے یہ حلف کھاتا ہوں کہ مجھے راحت ہوتی ہے اور تمہاری تکلیف سے تکلیف ہوتی ہے کتنا تمہارا ؟ کم ہے اور اب مجھے پسند نہیں کہ تمہارا کفاف ترقی نہ کرے - آئندہ سے میں تم کو معہ تنخواہ خود سے ماہوار کے دوں گا - اور تمہارے پاس سے یہ خط نہ آتا تو بھی میرا یہ قصد حتماً تھا - اس سے زیادہ کوئی نکتہ

خیال میں نہیں آتی کہ تمہاری پریشانی رفع کروں تم میری پریشانی مٹنے کے لئے جواب مفصل مجھے لکھو کہ سکون خاطر ہو فقط

۳۱ دسمبر ۸۸ء　　امیر فقیر عفی عنہ

اس قصہ کو ضائع نہ کرنا یا واپس کر دینا یا احتیاط سے رکھنا۔

(۳)

مرزا داغ دہلوی

مصدر لطف اتم۔ قدیمی مکرم سلامت۔ سلام مسنون، اخلاص مقرون۔ مدت کے بعد نوازش نامہ آیا۔ ممنون یاد آوری فرمایا۔ بندہ نواز، مجھے یاد نہیں کہ میں نے کسی خط کا جواب قلم انداز کیا ہو۔ یہ میرے مقدر کی نارسائی کہ خط نہ پہنچا ہو۔ بہرکیف جرم ناکردہ کا عذر خواہ ہوں۔ اخبار گورکھپور میں ریاض نے آپ کا خطاب بخطاب استاد السلطان ہونا اور سات سو روپیہ مشاہرہ مقرر ہونا چھاپا۔ یہ دیکھ کر نہایت مسرور ہوا تھا۔ مگر اس تحریر میں ان دونوں اعزاز کا ذکر نہ تھا۔ اس وجہ سے وہ سرور کھیت گیا۔ عزت افزائی جو سرکار دولت مدار نے فرمائی وہ میرے سرور اور آئندہ ترقیوں کی امیدوں کو بڑھا رہے ہیں۔ خدا جلد ظہور میں لائے۔

شکایت جو آپ نے "صنم خانۂ عشق" دیوان دوم کے نہ پہنچنے کی لکھی ہے۔ وہ دیوان چھپا کہاں؟ وہ نہ ممکن تھا کہ نہ پہنچتا؟ تالیفات کہنہ کا حضور میں آپ کے واسطے سے نہ پہنچنا معاذ اللہ اس وجہ سے نہ تھا کہ آپ نے رشک و حسد سے نہ گذرانیں۔ افسوس کہ اتنی مدت تک یکجائی اور میری طبیعت کی صفائی دیکھ کر بھی آپ کو بدگمانیاں باقی ہیں۔ میاں بوڑھے ہو گئے ہو، یہ شیوہ چھوڑ دو کہ زبردستی رکاوٹ کے لئے ایک بات قرار دی ہے۔

اوّل تو میں خطاب لینے ہی کے قابل اپنی قابلیت کو نہیں سمجھتا۔ اور پھر درخواست دے کر خطاب مانگنا یہ تو بالکل پسند نہیں۔ میاں، اب تو وہ وقت آگیا کہ مرحوم و مغفور کا خطاب بارگاہ شہنشاہ حقیقی سے عطا ہو۔ کوئی اور حوصلہ نہیں ہے۔

آپ کا تازہ کلام دیکھ کر جی خوش ہو جاتا ہے۔ میں کہتا کیا ہوں جو بھیجوں۔ جی افسردہ رہتا ہے۔ کبھی کسی گلدستے والے کے اصرار سے کچھ بکتا ہوں تو وہ چھپ جاتا ہے۔ یہ فراغتیں چشم بہ دور آپ کے واسطے ہیں کہ شعر کے سوا کوئی فکر نہیں۔ خدا جمعیت خاطر بڑھائے۔

ارے یار، استاد السلطان ہونے کی مٹھائی تولا "یا استاد" یا "استاد" برسوں کہا کیا ہے۔ اب جو

سلاطین دکن میر محبوب علی خاں نے مرزا داغ کو "استاد السلطان" کا خطاب دیا۔ اخباروں میں اس کا تذکرہ چھپا۔ امیر بھائی نے بھی دیکھا۔ اُن ہی دنوں میں مرزا داغ کا خط امیر کے پاس آیا۔ لیکن انہوں نے اپنے خطاب و اعزاز کا ذکر نہ لکھا تھا۔ اس کے جواب میں امیر صاحب نے یہ خط لکھا۔

اس مرزا داغ کے سلسلہ میں۔

مرزا داغ نے اپنے خط میں امیر صاحب کے خطاب کے متعلق استفسار کیا ہوگا۔ اس کا جواب ہے۔

اس بے تکلفی اور خلوص کا کیا کہنا!

وہ وقت آیا تو اُستاد کی شیرینی ندارد۔ امید ہے کہ کبھی کبھی رسم رسل و رسائل رہے۔ میں ابتدا سے تمہارا دوست اور خیر خواہ ہوں۔ میری طرف سے گمان فاسد نہ کیا کرو۔ زیادہ کیا لکھوں۔

۲۱ مارچ ۹۱ء　　امیر فقیر

بنام ولی شاہجہانپوری　　(۴)

محبی سلام مسنون۔ آپ کے اکثر زبانی نامے آئے اور افسوس ہیں اپنی معذوریوں کی وجہ سے جواب نہ دے سکا۔ جس بال کا دورہ اس کے سخت پڑا جس میں دو مرتبہ قاطیر سے کام لیا گیا۔ خون کئی دفعہ نکلا۔ آیا اب اللہ کی عنایت سے افاقہ ہے۔ امید ہے کہ آپ اپنی خیریت سے کبھی کبھی مسرور کرتے رہیں گے۔ ادھر سے اگر جواب میں تاخیر ہو تو مجھے رنجور و معذور سمجھ کر بے التفاتی پر محمول نہ کریں۔

رام پور ۶ نومبر ۹۶ء　　امیر فقیر

بنام ولی شاہجہان پوری　　(۵)

محبی سلام مسنون۔ دعائے مشحون بہت سے گرامی نامے آپ کے آکر باعث شکر گزاری ہوئے مجبوری و معذوری نے مجھے جواب دینے سے محروم رکھا۔ اس وقت ۲۸ اپریل کا کارڈ پیش نظر ہے۔ اس کا جواب سنیئے۔ چلمن نہ فارسی ہے نہ عربی اس کی اضافت فارسی کی ہرگز جائز نہ ہوگی جانب متعلم اس کے لئے سند نہیں متعلم علم ہے شہر کا نام ہے اس کا ترجمہ عربی فارسی میں کیا ہوگا۔ لہٰذا یہی لفظ ترکیبوں کے ساتھ بلا تردد باندھئے آپ کا مصرعہ جس میں پسِ چلمن ہے یوں اصلاح ہو سکتی ہے۔

دلِ صد چاک میں دیکھا نہ رخِ روشن اُنکا　　ہم نے نظارہ کیا ڈال کے چلمن اُن کا

آپ ہر خط میں اپنی غزل طلب کرتے ہیں۔ آج میں نے امکان بھر تلاش کی نہیں ملی ورنہ دیکھ کر بھیجتا۔ مختلف کلام کثرت سے جمع ہے اس میں کہیں بے ترتیبی سے اِدھر اُدھر ہو گئی ہوگی جواب ڈھونڈھنے سے نہیں ملتی اطلاعاً آپکو لکھدیا

رام پور ۲ مئی ۹۵ء　　امیر فقیر

بنام منشی امتیاز احمد خاں صاحب رازؔ رامپوری　　(۶)

پیارے[1] راز عمر دراز۔ خزانہ خالی ہونے کا جو ذکر تم نے کیا۔ اس عذر کے مرتفع کرنے کے لئے میں نے رُباعی

---

[1] منشی امتیاز احمد خاں صاحب رازؔ رامپوری مرحوم (عرف پیارے خاں) امیر مینائی کے شاگرد رشید تھے ریاست رام پور میں حضرت امیر کے قریب ہی رہتے تھے۔ ممتاز تھے۔ یعنی سرکاری دیہات کا ٹھیکہ لیتے تھے۔ حضرت جلیل مرحوم کے ساتھ دفتر امیر اللغات میں بھی رازؔ صاحب نے کام کیا ہے حضرت امیر جب ان کو خط لکھتے تھے تو رازؔ صاحب کے عرف (پیارے) کی مناسبت سے القاب میں کبھی "پیارے راز" کبھی "پیارے پیارے" لکھتے تھے ایک مرتبہ جناب پیارے خاں صاحب رازؔ ریاست بھوپال میں تھے۔ حضرت امیر مینائی نے بیگم صاحبہ بھوپال کی مدح میں ایک قصیدہ لکھ کر پیش کرایا تھا بیگم صاحبہ نے پسند کیا اور فرمایا کہ قحط کے سبب سے خزانہ خالی ہے صلہ اس کا معقول صلہ دیا جاتا۔ یہ جواب امیر صاحب کو معلوم ہوا تو انہوں نے ایک رباعی لکھ کر رازؔ صاحب کو بھوپال بھیجی کہ سرکار میں پیش کریں۔

کہو۔ جسے خوشخط لکھوا کر تمہارے پاس بھیجتا ہوں۔ بہت جلد اچھے صاحب کی خدمت میں پہنچاؤ۔ اور کہو کہ مہربانی کر کے سرکار عالیہ متعالیہ کے ملاحظے سے گزرانیں۔ اور جو کیفیت ہو اس سے آگاہ کرو۔ یہاں خیریت ہے۔ کئی روز ہوئے تمہارے خط کے جواب میں ایک تحریر بھیج چکا ہوں۔

۲۴ ستمبر ۱۸۹۶ء　　امیر فقیر

وہ رباعی یہ ہے :-　　رباعی

کب ہے یہ خدائی کارخانہ خالی　　حاتم سے نہیں کوئی زمانہ خالی
معمور ہے گنجینۂ دل ہمت سے　　ممکن ہی نہیں کہ ہو خزانہ خالی

(۷)

مہتی ضمیر سلمہ القدیر۔ پندرہ بیس دن ہوئے کہ ایک نوجوان کشیدہ قامت کولوں کے تاجر شاید عبدالقدیر ان کا نام ہے۔ شعر بھی کہتے ہیں اور اس تجارت کا کارخانہ ان کا رونق پر ہے، یہاں کے سوداگر کی طلب پر کولے لائے تھے اور مجھ سے بھی مل کر کچھ اپنے شعر سنائے تھے تمہاری خیر و عافیت بھی میں نے ان سے پوچھی تھی۔ غالب ہے کہ ان سب پتوں سے تم ان کو پہچان گئے ہوگے ان سے مل کر میری طرف سے کہو کہ کولے بھیجنے کا وعدہ اب تک وفا نہ ہوا۔ اب فی الفور حسب وعدہ سچے اصلی کے کولے پختہ جو پلکتے نہ ہوں میرے پاس بھجوا دیں میں نے ان کے بھروسے پر یہاں کولوں کا بندوبست نہیں کیا۔ اور جو کچھ وہ کہیں اللہ جو بات قرار پائے اس سے مجھے مطلع کرو اپنے بزرگوں کو میری طرف سے سلام مسنون پہونچا دو۔ مکرمی منشی ظہور خاں صاحب اور مخدومی جناب حافظ صاحب قبلہ کی خدمت میں سلام و نیاز عرض کرو۔

رام پور ۴ جنوری ۹۰ء　　امیر فقیر

(۸)

اک مرتبہ موسم سرما میں حضرت امیر مینائی نے پیارے خانصاحب راز سے فرمایا کہ اپنے علاقے سے کچھ کھورا[1] اور اپلے بھیج دینا۔ جب تعمیل ارشاد میں تاخیر ہوئی تو اس طرح یاد دہانی کرتے ہیں :-

رام پور۔

پیارے راز۔ ایک مطلع تھرتھراتے ہوئے دل سے کہا ہے اور کپکپاتے ہوئے ہاتھوں سے لکھا ہے سنو اور اس کی قدر کرو :-

نہیں کچھ تاپنے کو دست و پا سردی سے اولے ہیں
نہ کھورا ہے، نہ کنڈے ہیں، نہ سینٹھے ہیں، نہ کولے ہیں

۱۲ دسمبر ۱۸۹۵ء　　امیر فقیر

---

[1] اونٹ کی مینگنی یا چھوٹے ٹکڑوں کو کھورا کہتے ہیں۔

بنام احسن مارہروی

(۹)

مولانا فخر سید علی احسن صاحب۔

کارڈ آیا ممنون یاد آوری کیا۔ گلدستے کی ترتیب اور طبع کو میری غزل پر موقوف نہ رکھئے میری غزل اچھی نہیں اور میرے گھر میں کئی عزیز بیمار ہیں۔ میں غزل نہیں کہہ سکتا۔ آئندہ پھر کسی نمبر میں موقع ملے تو کہوں گا فقط۔ جلیل کی طرف سے سلام نیاز۔

۲۳ جون ۹۸ء　　امیر فقیر

بنام دل شاہجہانپوری

(۱۰)

سعادت خیر سیاسے ضمیر اللہ تعالیٰ تمہاری عمر و اقبال و سعادت مندی و کمال میں۔ دے۔ محبت اور اخلاص سے لبریز تمہارا خط اس وقت آیا اور مجھے محظوظ کیا۔ اس کا مجھے بھی افسوس ہے کہ نور چشم مسعود احمد تم سے اپنا وعدہ پورا کئے بغیر شاہجہاں پور سے واپس آئے۔ ان کو اس میں سخت معذور سمجھو، بیش آئی۔ شاید آپ نے بھی سنا ہوگا کہ حضرت مولانا محمد شاہ کی طبع ہمایوں دفعتاً ناساز ہوگئی نبض النفس کا سخت دورہ پڑا کہ وہ جلسۂ ندوہ میں بھی شریک نہ ہو سکے اور دو روز حال ایسی حالت ہوگئی کہ قبل اختتام ندوہ ان کے رفقاء کو واپس آنا پڑا یہ ممکن نہ تھا کہ مسعود احمد جناب مولانا سے جدا ہو کر ایسی حالت میں وہاں سے جاتے اور آپ سے مل کر آتے ان کو خود بھی انتہا کا افسوس ہے اور کمال خجالت ہے لیکن ان کی معذوری قابل قبول ہے اور ان کا اس طرح چلا آنا ہرگز نہ قابل عفو ہے۔ زیادہ تر تاسف یہ ہے کہ جناب قبلہ حافظ صاحب کی زیارت سے مشرف نہ ہو سکے جن کے شرف ملازمت کا میں بھی آرزو مند ہوں اللہ تعالیٰ ان کے مقدس انفاس میں برکت دے ان کی شفقت بزرگانہ اور تمہاری محبت مخلصانہ کا تہ دل سے شکر گزار ہوں۔ بندہ زادے کے لئے جو شرینی تیار کرائی گئی اور تہیۂ ضیافت کیا اس کا شکریہ میری طرف سے قبول کیا جائے۔ جناب مولانا صاحب کی خدمت میں میری یہ تحریر پیش کردو اور میری طرف سے نیز مسعود احمد کی جانب سے سلام سپاس بکمال عرض کرد۔ زیادہ کیا عرض کروں غالباً مسعود احمد بھی معذرت آپ کو لکھیں گے جمیتی منشی ظہور خاں صاحب کو میرا سلام نیاز کہو۔ مسعود احمد آپ سب صاحبوں کے حسن اخلاق کے نہایت معترف ہیں۔ میرے امراض کی حالت بدستور ہے اللہ تعالیٰ کا ہر حال میں شکر ہے باقی خیریت سے مبدء فیاض طلب کرد۔ والسلام

رام پور ۲۱ اپریل ۱۸۹۹ء　　امیر فقیر

بنام دل شاہجہانپوری

(۱۱)

محب من سلام دعا۔ کارڈ آیا۔ ممنون دمسرور کیا۔ [illegible] ہے۔ واسمہ نکلنا اگر نکلنا آستیں نکلنا ہر ایک صحیح ہے۔ کسی کا شعر ہے۔

گریباں کو میں روکوں یا سلاموں اپنے دامن کو　　بڑی مشکل تو یہ ہے ساتھ ہی دونوں ٹھہتے ہیں　　امیر فقیر

(۱۲)

بنام شاہجہانپوری

محبی و مشفقی۔ سلام مسنون۔ مدت کے بعد آج آپ کی غزل دیکھنے کی نوبت آئی۔ معاف کیجئے گا بیمار تھا۔ ایک دنبل نے جو ران میں نکل آیا تھا صبحوں مجھے بستر معذوری سے اٹھنے نہ دیا۔ آپ کے بہت سے عنایت نامے آئے۔ سخت انفعال ہے کہ جواب بھی میں نہ دے سکا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھے اور دعوازی کی توفیق اس سے زیادہ عطا فرمائے۔ حافظ صاحب کی غزل۔ یکھ کر بڑی خوشی ہوئی مگر مجھ میں مصرع لگانے کی فرصت اور اطمینان کہاں۔ آپ حافظ صاحب کی خدمت میں میرا حال تمام و کمال عرض کر کے میری طرف سے معذرت کر دیجئے کہ وہ کسی طرح ناخوش نہ ہوں۔ فقط

احقر فقیر　　۲۹ جولائی رام پور

---

(۱۳)

بنام شاہجہانپوری

محبی سلام مسنون۔ غزل آپ کی دیکھ کر بھیجتا ہوں۔ مجھے اس زمانے میں حبس دل کے متصل دورے پڑے تا ناطبری کی بار اذیت اٹھانے میں بالکل چور ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی غزل دیکھے اور آپ کے خطوط کا جواب دینے میں اس قدر تاخیر ہوئی۔ زمین بہت تنگ تھی اس پر بھی آپ نے بہت زیادہ شعر کہے اور اچھے کہے۔ عیوب سے پاک کرنے کی نظر سے کچھ شعر نکال کر مسترد کر دیئے گئے ہیں اب بھی سترہ شعر ہیں بہت ہیں۔ تیروں کا گنجان ہو کر بیٹھنا زبان نہیں ہے۔ درخت آبادی اور خطہ کی نسبت گنجان کہا جاتا ہے۔ بہت سنیے قسم اعلیٰ تند کی جانے کے واسطے ضرورت ہے۔ معلوم نہیں شاہجہان پور میں اس کا آج کل کیا نرخ ہے آپ تحقیق کر کے لکھئے بلکہ تھوڑا سا قند بطور نمونہ بھیجئے تاکہ آئندہ بقدر ضرورت آپ کو بھیجنے کی تکلیف دی جائے۔

رام پور ۲۲ ستمبر　　احقر فقیر

---

(۱۴)

بنام شاہجہانپوری

عزیزا از جان من مشی منیر حسن سلمکم اللہ تعالیٰ۔ دعائے صلاح و فلاح و ادس محبت نامہ سعادت شمامہ آیا۔ شکر کی تصلی بھی پہنچی۔ دونوں نے مرہون منت کیا۔ حق تعالیٰ سعادت و لیاقت کے ساتھ تم کو شاد و آباد رکھے اور عز و اقبال میں ترقی دے ؎

از دست امیر بے نوا نا ید ہیچ
جز آنکہ بصدق دل دعائے بکند

بھائی حماسی فراواں مکرم و محترم ظہیر خاں کی خدمت گرامی میں سلام مسنون و اخلاص مشحون پہنچے۔ محبی و عزیزی حافظ جلیل حسن اور سعید سرمد قرۃ العین مسعود احمد ما وجب دعا ہیں۔

امیر فقیر

داغ

بنام نواب حسن علی خاں امیر جاگیردار۔ (۱)

نواب۔ حسب تعاقل متعارسلہ اللہ تعالیٰ

تین دن سے خط کا منتظر ہوں۔ تو اب ندارد۔ لفظ بی دشوق لے واسطے ہے اس بزم ناز ہوں میں نے خوب جھاڑا ہے۔ پانچ روپیہ لڑکی سے لائیں پچاس یہاں سے گئے دس آپ سے انکی ہو۔ یا ان کو جھاڑیئے گا۔ میں نے جواں کو خط لکھا ہے اتا کے مطابق سے اس کو اتا سے لے کر آپ بھیجا ئیں تو بڑی عنایت۔ اب غزل ملفوف ارسال بھیجتا ہوں۔ یہ نہ معلوم ہوا کہ پہلی سب غزلیں پسند آئیں یا نہیں۔ کچھ لکھ بھیجئے کہ ابھی کوئی باقی ہیں۔ یہاں خیریت ہے گرمی کی شدت ہے۔ بچوں کو دعائیں۔ فقط

فصیح الملک داغ دہلوی یکم جون ۹۰۳ء مطابق ۵ ربیع الاول ۱۳۲۱ھ

بنام نواب حسن علی خاں امیر جاگیردار (۲)

نواب صاحب سلام!

میں خبر کا طالب ہوں، سرچ کا منتظر نہیں۔ مرمت کی کیا ضرورت ہوئی اس بارش میں مشکل ہے۔ بی جواب کل سے عارضہ ہیں اور آپ کی مشتاق۔ ان کا مکان گرا، جان بچ گئی۔ اس کی مرمت ہو رہی ہے۔ یہاں تو کہیں ٹھکانا نہیں۔ زیادہ نیاز!

فصیح الملک داغ دہلوی

یکم اگست ۱۹۰۳ء مطابق ۷ جمادی الاول ۱۳۲۱ھ بروز یک شنبہ

بنام نظام الدولہ دل (۳)

الحمد للہ خیریت سے ہوں۔ روزہ رکھ رہا ہوں۔ کمشنر صاحب سفلائے چادر گھاٹ سے جھگڑا ہے۔ شانہ کے درد کے واسطے دوا بھجوا دو۔ پہلی دوا مفید ہوئی۔ فقط!

داغ دہلوی

---

۱ یہ خط نظام الدولہ دل کی ایک غزل پر اصلاح ملکھ کسی کے نیچے مرزا داغ نے قلمبند کر دیا ہے۔

(۴)

بہ نقاوت الدولہ مدظلہ[1]

مہربانِ من!

آپ کی غزل بہت اچھی ہے۔ آپ کے استاد[2] شاگرد فیض صاحب[3] نے بہت خوب بنائی ہے۔ غزل کی تعریف آپ کی طبیعت کی روانی کی اور ان کی اصلاح کی داد دیتا ہوں۔ کہیں بھی گنجائش اصلاح نہیں ہے۔ نسخہ جو لکھے ہیں اس کو آپ خود دیکھ سکتے ہیں۔

بیمار ان۔ فصیح الملک داغ دہلوی

---

[1] مکاتیب احسن مارہروی؟

[2] کے پہلے استاد حفیظ الدین یاس (۱۲۶۰ھ - ۱۳۲۳ھ) تھے جو مرزا داغ کی آمد حیدرآباد سے قبل مرحوم نظام میر محبوب علی خان آصف کے استاد تھے۔ مرزا داغ نے ان کی اصلاح کی تعریف کی ہے۔

[3] حافظ سید الدین محمد فیض (۱۱۹۵ھ تا ۱۲۶۳ھ) حیدرآباد کے استاد الاساتذہ اور مشہور صوفی تھے۔ اپنے عہد کے سب سے بڑے مصنف، شاعر و اہل اللہ سمجھے جاتے تھے۔ شمس الامراء کی علمی و ادبی خدمات کی طرف مائل کیا۔ ان کی ایک درجن سے زیادہ کتابیں اور متعدد دیوان شائع ہو چکے ہیں۔

ذکاء اللہ

(۱)

بنام مولانا محمد حسین آزاد

جناب مولانا صاحب!

آپ کا محبت نامہ پہنچا۔ افسوس۔ بھلا [illegible] اور [illegible] دونوں میرے پاس ہیں مگر ان کے مالک ان کی نہیں ہیں۔ تو ایسا غلط لکھا ہوا ہے فائدہ نقل کا بھی نہیں۔ چھاپہ کی کتاب ہے اگر کسی سے لیجئے یہ کہ تلاش کروگے تو مل جائیں گی۔ مجھ سے کئی دفعہ لوگوں سے کہا کہ یہ صلح آپ کرا دیجئے۔ لیکن میں نے یہی کہا کہ دل کا خار نہیں نکالا کرتا صلح سے ہی صاف ہو جائے۔ جب دل میں کدورتیں آجاتی ہیں تو مثل سے وہ صاف ہوتی ہیں جب تک کدورت ہے کدورت ہے یہ خیال ہے کہ میری نظم کا خاکہ اڑانے کا آپ لوگوں نے قصد کیا ہے جب تک دل صاف نہیں ہو سکتا میرے مزہ کی مناسب ہے اگر یہ اس کو بعد بہت دونوں نمک ہیں۔ مگر اس میں ایک بات ہے اور اس میں آپ کی عالی ہمتی پائی جاتی ہے۔

ذکاء اللہ (۱۸۷۴ء)

(۲)

بنام نواب محسن الملک

جناب فیض مآب نواب محسن الملک محسن الدولہ منیر نواز جنگ بہادر سلامت!

تسلیم و نیاز کے بعد معروض خدمت عالی میں یہ ہے کہ جناب کا والا نامہ سب ضمائر طور خدا ہر جادی الثانی ۱۳۰۷ھ مصنف ۴۳۵ / میرے پاس آیا۔ اس مضمون کا والا نامہ نواب انتصار جنگ بہادر کا بھی ۱۳ جنوری ۱۸۹۰ء میرے پاس آیا لفظوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے تصفیہ طلب تین ہیں۔ اوّل التماس [illegible] یہ جو باسمل میرے پاس ہی رکھا ہے وہ ساہوکار اور ہیں کیونکر نہیں ہو۔ دوم لغات آصفیہ کا حصہ غیر مطبوعہ کو نکر مطبوعہ ہو کہ جس سے کتاب تمام ہو جو ہر کار عالی مقام کی غرض خریداری۔ سوم مسمی سید احمد کو ساہوکار سے کیونکر نجات ہو۔

امر اوّل کی نسبت عرض یہ ہے کہ ساہوکار ماسٹر تیج پرشاد صاحب [illegible] صاحب کے درمیان ۲۲ فروری ۱۸۸۶ء کو اس

فیصلہ ہو گیا تھا کہ دو ہزار تین سو اٹھاون روپیہ چھ آنے نو پائی ساہوکار لے اور سات سو اکتالیس روپیہ نو آنہ تین پائی منشی سید احمد لیں۔ چنانچہ اس فیصلہ ثالثی کے موافق تقسیم روپیہ کی مولوی عنایت الرحمن خاں صاحب کے پاس رجسٹری شدہ لفافہ میں ۲ فروری ۱۸۸۹ء کو بھیج گئی اور رسید اس کی مولوی صاحب نے بھیج دی بہ حساب ان کے پاس یا دفتر سرکار مدنی میں مثل خودداری لغات میں شامل ہوگا۔ میں کوئی وجہ نہیں پاتا کہ جو فیصلہ بہ رضامندی طرفین ہو چکا ہے اس کو نہ بدلوں اس لئے میں نے روپیہ کی تقسیم اس طرح فرمادی اور ساہوکار نے میرے پاس رسید دے دی ہے میں اس کو روپیہ دے دوں گا۔ مگر منشی سید احمد نے مجھے رسید روپیہ کی نہیں دی نہ وہ اس دیگر جیسے بہت ہی معلوم ہوتے ہیں۔ سو ان کی عاقبت اندیشی سے بعید ہے۔ اگر انہوں نے روپیہ لے کر رسید دے دی تو میں روپیہ لغات کی رسید پر بھیج دوں گا۔ نہیں تو ساہوکار کو روپیہ دے کر رسید اور باقی روپیہ بھیج دوں گا۔

دوم امر کی نسبت التماس یہ ہے کہ منشی سید احمد اپنی کتاب لغات آصفیہ فاسودہ میرے پاس بھیج دیں۔ میں اس کو ساہوکار مذکور سے روپیہ لے کر بہت جلد بھیجوا دوں گا۔ اس صورت میں جناب کو بہ سرور ہوگا کہ چودہ سو پچاس روپیہ جو بابت قیمت لغات آصفیہ باقی ہے وہ میرے پاس از طبع کتاب ہی یا بعد ارسال فرمائیں۔ جناب نواب انتصار جنگ بہادر نے مجھے ارقام فرمایا ہے کہ اگر قلم اس روپیہ کے ملنے کی درخواست کرو تو سرکار عالی یہ روپیہ بھیج دے گی۔ اور جب اقتضا سر رجسٹری شدہ کے منشی سید احمد بہ خود اس کتاب کو چھاپنے کے مجاز ہیں نہ دوسرے کو اجازت دے سکتے ہیں۔ اگر جبر و آبار میں کتاب چھپے گی تو عدالت میں عائد فیصلہ دائر ہوگا اور معلوم نہیں کہ اس کا انجام کیا ہوگا۔

سوم امر کی نسبت یہ گذارش ہے کہ جس وقت کتاب چھپ جائے گی تو دونوں شخصوں میں آدھی آدھی کتابیں دے دی جائیں گی۔ اپنے آپ فروخت کریں گے۔ ساہوکار اقرار نامہ کے بموجب ایک دفعہ اور چھاپنے کا مجاز ہوگا اور سید احمد صاحب کو اختیار ہوگا کہ جتنی دفعہ چاہیں چھاپیں۔

بہر کیف راقم کے ناقص میں یہ فیصلہ ایسا ہے کہ جس میں انصاف بھی ہے اور آئندہ کوئی عدالت میں جھگڑا بھی نہیں کھڑا ہوگا۔ آئندہ جو صلاح رائے عالی ہو اس کی تعمیل کی جائے فقط۔

جناب کا نیاز مند: محمد ذکاء اللہ ۴ فروری ۸۹ء (۱۳ جمادی الثانی ۱۳۰۶ھ)

نوٹ: یہ خط جنسہ نقل کیا گیا ہے۔ سوائے جگہ جگہ بعض الفاظ چھوڑ دینے کے عادی ہیں۔
اصل خط میرے پاس محفوظ ہے۔ (تلکیر کاظمی)

ڈپٹی نذیر احمد

(۱)

بنام نواب سید علی حسن خان بہادر

جناب عالی!

کرامت نامہ پہنچا۔ میں نے خبثیت واقعی بے کم و کاست بالسادہ عرض کر دی تھی اب کامیابی ہو تو اور ناکامی ہو تو فوراً ہی سرکار انگریزی میں جناب کا احسان میرے ذمہ ثابت ہو چکا اور میں مدت العمر ممنون رہوں گا۔ اگر کسی مدِ مقابل کے لئے سفارش نہیں کی گئی تو ناکامی کا احتمال ضعیف ہے لیکن آپ نے خود میں اس کی کچھ مراعت نہیں فرمائی۔ رہی حکام انگریزی کی سفارش، اس کا حال یہ ہے کہ میں برس سے میں سرکار انگریزی سے بے تعلق محض ہوں۔ دس برس کے قریب عرصہ آباد رہا اور اس کے بعد سے خانہ نشین ہوں۔ سوا بسکہ خدمت جستجو نہ تھی طبیعت نے بے فائدہ خوشامد اور دوڑ مارداری کو گوارا نہ کیا۔ لیکن جس وقت تک میں سرکار انگریزی میں تھا لیفٹیننٹ گر تک کے سرٹیفکیٹ کتاب میں آپ نے ملاحظہ کئے ہوں گے۔ بڑی خدمت کے لئے بڑے عہدیداروں کی سفارش درکار ہے اور ولی کے ڈپٹی کمشنر اور کمشنر مجھ کو جانتے پہچانتے ہیں۔ ان لوگوں نے بہت سے پیغام بھیجے ہیں اور ضرور میری نسبت اچھا خیال رکھتے ہیں اور پوچھا جائے تو اچھا ہی ظاہر کریں گے لیکن میں ان کی کوٹھیوں پر ان کے سلام کو بھی نہیں گیا۔

چونکہ آپ نے ایک طرح کا تعلق اس معاملہ سے پیدا کر دیا ہے وقتاً فوقتاً مجھ کو اطلاع ہوتی رہے تو زیادہ عنایت۔

خاکسار: نذیر احمد۔ ۳ دسمبر ۱۸۹۶ء

(۲)

بنام نواب سید علی حسن خان بہادر

جناب عالی!

السلام علیکم! آپ کو شاید معلوم ہے کہ میں نے بڑی محنت سے قرآن مجید کا اردو ترجمہ کیا ہے مجھ کو اس کے لئے تیس برس محنت و شاقہ اٹھانی پڑی ہے اور تراجم موجودہ اور تفاسیر اور احادیث سے مطابق کرنے کے لئے مولویوں کا اسٹاف رکھنا پڑا ہے تب کہیں جا کر یہ ترجمہ میرے نزدیک بامحاورہ، سلیس، مطلب خیز، مستند اور تراجم موجودہ سے بہت بہتر ہوا ہے۔ ترجمہ کے ساتھ

اشاعات بھی رکھ دئے گئے ہیں اور منظور یہ ہے کہ ان اطراف میں اچھی طرح اعلان کر دیا جائے کہ قرآن مجید کا نیا ترجمہ نکل سکتا ہے۔ پہلے آپ دیکھ دیکھا کر اچھی طرح اطمینان حاصل کر لیجئے کہ آیا واقعی میں یہ ترجمہ تراجم موجودہ سے بہتر ہے یا نہیں اور اگر آپ کے نزدیک بہتر ثابت ہو تو آپ اس کی سرپرستی کیجئے۔ کیونکہ اس کی اشاعت میں مدد دینا گویا اغراض رسالت کی تکمیل کرنا ہے بلکہ اگر آپ کر سکیں تو اس ترجمہ کی کیفیت کو سرکار کے گوش گذار کریں اور ان سے سرپرستی کی تحریک فرمائیں۔ ترجمہ کے حجم اور سوادِ خط اور چھاپہ سے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ قیمت جو قرار دی گئی ہے اس میں کوئی ذاتی مفاد مضمر نہیں ورنہ میں اگر اپنی محنت اور مولویوں کی تنخواہ لگاتا تو سو فی جلد لاگت پڑتی مگر میں نے یہ کام استحساناً کیا ہے۔ ان امری الا علی اللہ۔

میرٹھ میں آپ سے تفصیلی ملاقات نہ ہونے کا افسوس باقی رہ گیا۔ ترجمہ تو ہدیۃً آپ کی خدمت میں روانہ کیا گیا ہے اور صرف خرچا..... کیا گیا ہے بہاو مہربانی..... کرا لیجئے گا۔ فقط!

خاکسار: نذیر احمد۔ ۸ جنوری ۱۸۹۷ء

(۳)

۱۔ سر خان بہادر بشیر الدین احمد (اٹاوہ)

مکرمی!

السلام علیکم۔ میں نے جو مضمون مدراس کانفرنس کے لئے لکھا تھا آج بذریعہ رجسٹری آپ کے نام روانہ کیا گیا آپ کے کام کا ہو تو جس تمہید کے ساتھ چاہئے چھاپئے۔ میں آپ کو گھٹانے بڑھانے کی بھی اجازت دیتا ہوں۔

خاکسار: نذیر احمد۔ ۲۰ مارچ ۱۹۰۲ء

(۴)

۱۔ سر خان بہادر بشیر الدین احمد (اٹاوہ)

مکرمی!

آپ کے گرامی نامہ لطف آمیز شعر نیازمند کا جواب عرصہ ہوا کر ارسال کیا گیا۔ ہنوز امورات مستفسرہ سے اطلاع نہیں ہوئی توقع کہ براہ نوازش جواب سے مطلع کیجئے تاکہ میں اس کے مطابق عمل کروں۔

نیازمند: نذیر احمد جھانسی ۱۷ اپریل ۱۹۰۲ء

(۵)

۱۔ سر خان بہادر بشیر الدین احمد (اٹاوہ)

مکرمی!

السلام علیکم۔ چالیس جائل جو آپ کو روانہ کی گئی تھیں ہر چند آپ نے ان کی رسید اخبار میں چھاپ دی ہے مگر دفتر میں رکھنے کے لئے ایک رسید باقاعدہ آپ کے ہاں سے ملنی چاہئے۔ فقط!

خاکسار: نذیر احمد۔ دہلی ۲۱ مئی ۱۹۰۲ء

۱۔ یہ چار خطوط اٹاوہ میں محفوظ ہیں۔ (علیہ ڈاکٹر مختار الدین احمد علی گڈھ)

(۶)

بنام خاں بہادر رشید الدین احمد، آنولہ

احوال خط کم ستمبر ۱۹۰۰ء

السلام علیکم۔ بعد سے لکھتے ہیں آپ لوگ عزیز پر جس کی مرگ کا حال آپ نے اخبار میں بھی چھپوایا تھا، مقدمہ کرنا چاہتے ہیں اگر آپ فی الحقیقت نہیں ہیں ہمارے قائل تعزیت کی جائداد بیدی کے دام سے ہیں۔ کچھ حرج نہیں جواب طلب فرماتے ہیں اس کی بابت استفسار طلب بات یہ ہے کہ کمشنر تو آپ مقرر کرتے ہیں اس کی تعداد کیا ہے مجھے یاد نہیں اور نہ میرے پاس اس کی کوئی یادداشت ہے کہ لاکھ تک مرتوں ہے اقتدال سراج پر تامل ہوتا ہے دو وجہ سے اول دوری سفر دوسرے وہاں کے لوگ اردو کم سمجھتے ہیں اور اکثر نہیں سمجھتے آپ کا اور آپ جیسے لوگوں کا شریک کار ہونا نہایت ضروری ہے ورنہ میں تو اسے ہی کام کا سمجھتا ہوں کہ مرسودہ مستعمل پیش پا افتادہ بالوں کا کھٹکے ہو کر اعادہ کر دیا۔

خاکسار سید محمود کہتا ہے کہ عربی کا اہتمام جیسا چاہئے نہیں۔ مذہبی مضامین بھی بعض بڑے ہوتے ہیں جیسے کسی شخص سے آپ اخبار میں لکھوا کر ملانوں کی ترقی۔ سے اے یا بیسائی مذہب ضروری نہیں۔ ابھی سنا پچھلے پرچے میں کسی مناسب نے وضع اقلام تمام پر سے ریل کی پیش گوئی استخاطی لغو بے ہمل اپنے جوڑ لے ضرورت۔ ایسی باتوں سے قرآن کے ظاہر الفاظ سے اعتبار اٹھا جاتا ہے۔ اس قسم کے مضامین آپ کے اور آپ کے یار کے سایاں نہیں اور میرے سد باب ایسی باتوں سے اسلام کو نقصان پہنچتا ہے۔

ہاں ــــ حمائلیں جو محمد حمائل گی اس کی جلد نسم اول ہو گی بعض نے اسے قسم اولیٰ پڑھا۔

خاکسار نذیر احمد۔ ۴ دسمبر ۱۹۰۳ء

---

(۷)

(نقل خط مس العلماء مولوی نذیر احمد صاحب مرحوم بخط منشی کاغذ لسیدہ سعیدی ۱۲ ایڈیٹر)

مخدومی!

غلام محمد خاں جو بالفعل علوی صاحب کے سرکس میں بھتیجے اور داماد ہیں محمد جہانگیر خاں نگلوری سے کہا اور ان دنوں میں بنگلور آ گیا تھا مجھ کو جو کچھ آرام ملا اور جس قدر واقفی اور سرکاری کا رتبہ سب جہانگیر خاں صاحب کی بدولت۔

محمد خاں وجیہہ آدمی ہیں۔ جوان، انگریزی خواں، اونٹنگی بولنا جانتے ہیں۔ فوج تحصیلداری کے لئے نہایت مناسب ہے اگر مجھ کو ملیں تو میں خوشی سے لوں گا اور ان کے مقرر ہونے سے مجھ جہانگیر خاں کی نظروں میں مجھ کو سرخروئی ہو گی۔

نذیر احمد

لے یہ خط جواہر میموریل اسلامیہ کالج آنولہ میں موجود ہے۔ مولوی نذیر احمد صاحب مرحوم سے یہ خط غالباً نواب محسن الملک کی خدمت میں لکھا تھا جس زمانہ میں نواب صاحب حیدر آباد میں ریونیو سکریٹری تھے۔ (عبد الشکور)

مولانا حالی

نام محسن الملک[1]

(۱)

جناب مولوی صاحب محترم و مکرم و معظم علام مجدہم

بعد تسلیم و نیاز کے التماس یہ ہے کہ دو جلدیں کتاب "حیات سعدی" کی اور دو جلدیں "مسدس مدوجزر اسلام" کی خدمت والا میں ارسال کرتا ہوں، ان میں سے دو سادی جلدیں آپ کے ملاحظہ کے لئے اور دوسری دو جلدیں جن پر دو پہلی نقشہ کیا ہوا ہے حضور نواب صاحب بہادر دام اقبالہم کی نذر کے لئے ہیں، پہلی کتاب میں نیازمند نے شیخ سعدی کی لائف اور ان کی تمام تصانیف پر بہ کوشش تمام جدت کے ساتھ لکھا ہے جس پر منشی محمد ذکاء اللہ صاحب کا ریویو علیگڈھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ مورخہ ۱۶ مارچ میں چھپا ہے اور جس کو آپ اور اصلاح شمال و مغرب کے معتبر اشخاص جو فرما پسند کرتے ہیں۔

دوسری کتاب یعنی مسدس مدوجزر اسلام کے آخر میں ایک بیاض ضمیمہ ۱۲۰ بند کا اکثر اکابر احباب کی تحریک سے اضافہ کیا ہے جس کی نسبت ابھی میں نہیں کہہ سکتا کہ پبلک کی کیا رائے ہوگی۔

غالباً جناب کو کثرت مہمات مرجوعہ کے سبب یاد نہ رہا ہوگا لیکن نیازمند کو خوب یاد ہے کہ ان دونوں کتابوں کی نسبت جبکہ ان کی ترتیب و تدوین ختم نہ ہوئی تھی ملازمان سامی کی طرف سے مختلف اوقات میں اعانت و خریداری کی امید دلائی گئی تھی اور زیادہ تر اسی امید کے بھروسے پر ان دونوں کتابوں کے ایک ساتھ چھپوانے کی جرأت کی گئی ہے، التماس یہ ہے کہ اگر ان کتابوں کی اشاعت اس ملک میں مفید سمجھی جائے تو از راہ نوازش و کرم دونوں نسخے جو حضور نواب صاحب بہادر کی نذر کے لئے ارسال خدمت والا کئے جاتے ہیں مع عرضداشت فدسکہ و نیاز نامہ پیشگاہ جناب محتشم الیہ میں گذران کر جس قسم کی اعانت یا رعایت ممکن ہو اس کے لئے سفارش فرمائیں۔

جو محنت اور زیر باری مجھ کو برداشت کرنی پڑی ہے اس کا تدارک خاطر خواہ ہو جائے گا۔ اگرچہ ہندوستان میں مصنف کی وقعت ایک بک سیلر سے زیادہ نہیں ہے اور نہ میرا کوئی حق آپ پر ایسا ہے جس کے سبب سے میں آپ کو ایسی تکلیفیں دینے کا مجاز سمجھوں لیکن سچ یہ ہے کہ آپ کے ساتھ ہم لوگوں کو ایک حسن ظن اس قسم کا ہے کہ جس امر کی تحریک کو ڈھائی برس سے زیادہ گزر چکے ہیں آج تک اس سے قطعی مایوسی نہیں ہوئی خیر کامیابی تو بہت مشکل ہے اگر یہ امید بھی قائم رہے تو غنیمت ہے۔ زیادہ نیاز

نیازنامہ خاکسار الطاف حسین حالی از دہلی کوچہ چیلان ۲۹ مارچ ۱۸۸۶ء

---

[1] مولانا یہ خط سرسید کے نام ہے نواب محسن الملک کا اور اسی سلسلہ میں ان دونوں کتابوں کی جلدیں حیدرآباد میں خریدی گئی ہیں جن کی رسائد کی نقول اور عبدالرحیم خاں کے مرسومہ خط کی نقل موجود ہے۔ اصل خط میرے پاس محفوظ ہے۔ (تسکین کاظمی)

بنام مولوی عبدالرحیم خان صاحب　　(۲)

مولوی صاحب مخدوم و مکرم دام مجدکم

تسلیم! عنایت نامہ آیا حسب ارشاد قطعہ رسید ٹکٹ لگا کر اس نیازنامہ کے ساتھ خدمت شریف میں ارسال کرتا ہوں جب روپیہ وصول ہونے کا وقت آئے اس رسید کو داخل فرما کر روپیہ وصول کر لیجئے گا۔ ایک عریضہ جناب مولوی سید مہدی علی خاں بہادر کی خدمت میں بھی اسی وقت بھیجتا ہوں کہ روپیہ مولوی عبدالرحیم خاں صاحب کے حوالہ کر دیا جائے مگر نہ روپیہ کی رسید میں نے مولوی صاحب موصوف کے پاس بھیج دی ہے آپ کی تحریر کے موافق شکریہ کا خط بھی جناب ممدوح کی خدمت میں بھیج چکا ہوں۔ روپیہ اگر مناسب ہو تو زر یہ کرنسی نوٹس کے بھیج دیجئے گا کیونکہ منی آرڈر کی فیس زیادہ لگے گی مگر لفافہ جس میں نوٹ لفوف ہوں اس کی رجسٹری اور بیمہ کرا دیا چاہئے آئندہ جیسا آپ مناسب سمجھیں ویسا کیجئے گا۔ زیادہ نیاز

نیازمند خاکسار الطاف حسین انڈیل کوچہ چیلان ۲۲ جون ۱۸۸۶ء

نقل رسید　　(۳)

منکہ الطاف حسین حالی مدرس عربی و فارسی مدرسہ اینگلو عربی اسکول دہلی ہاشم چونکہ مبلغ پانصد روپیہ سکہ چہرہ شاہی عطیہ سرکار عالی درجہ قیمت مجلدات "حیات سعدی" و "مسدس مدوجزر اسلام" بتوسط مولوی محمد عبدالرحیم خاں صاحب دہلوی ملازم سرکار عالی از دفتر معتمد داب وصول یافتم بنابراں این چند حرف بطریق رسید نوشتہ شد کہ بطریق یادگار داخل دفتر موصوف باشد۔

تحریر تاریخ ۲۴ جون ۱۸۸۶ء مطابق ۱۸ رمضان ۱۳۰۳ھ

یہ عبارت ٹکٹ پر ہے ۔ الطاف حسین حالی بقلم خود

بنام مولوی حبیب الرحمٰن خاں صاحب رئیس بھیکم پور　　(۴)

جناب من!

لفظ آتھ میں ہائے شبہ ہائے مخلوط ہے لیکن رات اور بات کا قافیہ بھی شعرا نے باندھا ہے۔ قافیہ کی ضرورت ایسی ایسی تخفیف فروگذاشتوں کو جائز کر دیتی ہے۔ مرزا غالب کبھی اور کسی کی جگہ کبھو اور کسو کو غیر فصیح سمجھتے تھے لیکن ان کے اردو دیوان میں قافیہ کی جگہ کسو اور کبھو بندھا ہوا ہے میں بھی ہمیشہ آتھ کو ہائے مخلوط کے ساتھ لکھتا ہوں مگر قافیے میں رات باندھنا جائز سمجھتا ہوں۔ زیادہ نیاز!

خاکسار الطاف حسین حالی از پانی پت محلہ انصاریاں ۱۲ فروری ۱۸۸۹ء

والا جناب[1]　　(۵)

مکرمی مولوی سید احمد صاحب دہلوی مصنف فرہنگ آصفیہ خدمت والا میں آتے ہیں۔ جو امر کہ ان کو اس صفحہ روزگار پر جوت کرنے کا باعث ہوا ہے آپ بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔ ان کے لئے کسی کی سفارش کی ضرورت نہیں، ان کی سفارش خود ان کی وہ محبت عالم گیر ہے جس کا کسی قدر نمونہ آپ مولوی سید علی صاحب بلگرامی کی رپورٹ سے جان کے پاس موجود ہے کہ سکتے ہیں۔ میں یہ عریضہ صرف اس لئے لکھتا ہوں کہ حیدرآباد سے چلتے وقت میں نے ان کے باب میں آپ کی خدمت میں کچھ عرض کیا تھا۔ اس وقت

[1] اصل خط میرے پاس موجود ہے معلوم نہیں کہ کس کے نام ہے۔　تکمیل کاتبی

جناب نے کسی قدر مجبوری ظاہر فرمائی تھی مگر بایں ہمہ معلوم ہوتا تھا کہ آپ دل سے ان کی اعانت و امداد کرنے پر آمادہ ہیں۔ میں خیال کرتا ہوں کہ اب آپ ان کی اعانت و چارہ سازی فرما سکتے ہیں جو مشکلات ان کو درپیش ہیں ان کے حل ہونے کا قوی سرکار عالی کے سوا اور سرکار ممدوح میں آپ کے سوا کسی سے نہیں کی جا سکتی پس بجائے اس کے کہ میں خدمت عالی میں ان کی سفارش کروں میری بہ دعا ہے نہ محض بمقتضائے مروت انسانی بلکہ بہ امید استجابت) کہ ان کی پچیس سال کی محنت و جانفشانی کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ پیدا ہو اور آپ کی عنایت و توجہ کی بدولت اسلام کی ایک لازوال نشانی یعنی زبان اردو ہندوستان میں ہمیشہ کے لئے جڑ پکڑ جائے۔ یہ احسان صرف مولوی سید احمد پر نہیں بلکہ تمام ہندوستان پر عموماً اور ہندوستان کے مسلمانوں پر خصوصاً سمجھنا چاہیئے۔ زیادہ حد ادب

عریضہ نیاز

خاکسار نیاز مند الطاف حسین حالی دہلی ۳۱ دسمبر ۱۸۹۲ء

---

(۶)

نام مولوی حبیب الرحمن خان صاحب رئیس لیمکی پور

جناب من!

آج باقی کتاب کے دیکھنے کا موقع بھی مل گیا اور کتاب کی عظمت پہلے سے بہت زیادہ دل میں پیدا ہوئی۔ مختصر یہ ہے کہ گذشتہ پانچ برس میں اگر کوئی کام ندوۃ العلما نے کیا ہے تو علمائے سلف کے حالات کا لکھوانا ہے اور بس۔ یہ کتاب اس قابل ہے کہ ہر مسلمان عالم اور ہر مسلمان طالب علم اس کو حرز جاں بنائے۔ فجزاکم اللہ عنا وعن سائر المسلمین احسن الجزا۔

خاکسار: حالی از پانی پت ۱۲ ستمبر ۱۸۹۸ء

---

(۷)

نام مولوی حبیب الرحمن خان صاحب رئیس لیمکی پور

مخدومی!

مہمان ناخواندہ عزیز تر از مہمان خواندہ پہنچا باوجودیکہ آج کل ضیق فرصت کے سبب مطبوعات جدیدہ کے مطالعے کے لئے بالکل وقت نہیں ہے اسی حالت میں قریب نصف کے رسالہ علمائے سلف کو دیکھا گیا۔ افسوس ہے کہ مجھے اس عمدہ تصنیف پر مفصل بیان کرنے کی فرصت نہیں ہے مختصر یہ ہے کہ اس رسالے نے میرے دل میں آپ کی محبت اور عظمت بہ نسبت سابق کے اضعاف مضاعفہ کو دی ہے مسلمانوں کے لٹریچر میں اپنی طرز کی یہ پہلی کتاب ہے شاید کوئی ناواقف آدمی کہے کہ کیا مسلمانوں نے فن رجال میں ایسی عمدہ کتابیں نہیں لکھیں مگر ایسا سوال کرنا سخت غلطی کی بات ہے۔ آپ نے درحقیقت وہ کام کیا ہے جو انگلستان کے مشہور مصنف مسٹر موئل نے سلف ہیلپ کے لکھنے میں کیا ہے۔ اس نے بھی ہزاروں بائیوگرافیاں پڑھ کر ایک چھوٹی سی کتاب لکھی ہے جس سے بہتر آج تک کوئی کتاب انگریزی میں اس طرز کی نہیں لکھی گئی۔ مسلمان علما کے حالات لکھنا اور بات ہے اور تمام بائیوگرافیوں کو دیکھ کر چند عنوانی تجویز کرنے اور ہر عنوان کے مناسب اس ذیل الذیل سے مضامین انتخاب کرنے اور ان کو جدا جدا عنوانوں کے تحت میں درج کرنا نہایت محنت اور ریاقت اور غور و فکر کا کام ہے۔ آپ کی تصنیف میں اور مسٹر موئل کی کتاب میں صرف یہ فرق ہے کہ اس نے سلف ہیلپ میں کتاب کا موضوع صرف علما میں محدود نہیں رکھا بلکہ اس میں تمام رفیا دراہ و موحد و مخترعات و سٹیٹسمین اور سپہ سالار وغیرہ وغیرہ شامل ہیں اور اس رسالے میں صرف علمائے سلف کے حالات سے بحث کی گئی ہے اگر آپ

اس کے حاشیے کو زیادہ وسیع کر دیتے تو یہ بالکل اسی قسم کی کتاب ہو جاتی جیسی سلف ہیلپ ہے اس کتاب میں اور بھی بہت سی خوبیاں ہیں مگر میں نے صرف ایک خوبی کا جو کہ تمام تصنیف کی جان ہے ذکر کرنا کافی سمجھا ہے۔

میں خیال کرتا ہوں کہ اگر آپ انگلش لٹریچر سے واقف نہ ہوتے تو ایسی تصنیف کا خیال ہرگز آپ کے دل میں نہ گزرتا۔ پس تاوقتیکہ ندوۃ العلماء انگریزی تعلیم کی ضرورت پر زور نہ دے گی اس کی چیخ و پکار سے کوئی مفید نتیجہ پیدا نہیں ہو سکتا۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی خیال ہے کہ صرف انگریزی تعلیم جب تک کہ اس میں دینی تعلیم کی چاشنی نہ دی جائے گی ہرگز مفید نتیجہ پیدا نہیں کر سکتی۔ مجھے ایسا انگریزی تعلیم یافتہ بھی ایسا نظر نہیں آتا جو مسلمان علماء کے حالات پر ایک ایسی کتاب لکھ دے جیسی کہ آپ نے لکھی ہے جس کے نزدیک یہ کتاب ایسی ہے کہ اس کی ایک ایک دو دو جلدیں ہر مدرسۂ اسلامیہ میں رہنی چاہئیں بلکہ محمڈن کالج کے طلباء بھی اس سے مستفید ہوں تو بہت مناسب ہے۔ معلوم نہیں کہ یہ کتاب آپ نے اپنے خرچ سے چھپوائی ہے یا ندوۃ العلماء نے اس کو چھپوایا ہے۔ مسلمان اور خاص کر پرانے خیالات کے مسلمان ایسی کتابوں کے خریدنے میں بہت ممسک ہیں اس لئے مدارس اسلامیہ میں اس کو مفت تقسیم کرنا چاہئے۔ آخر میں یہی دعا ہے کہ خدا تعالیٰ ہمارے عام رئیسوں اور رئیس زادوں کو اسی طرح زیور علم و لیاقت و حسن اخلاق سے آراستہ کرے جیسا کہ اس نے شرفائی رئیسوں میں آپ کو زیور علم و فضل و اخلاق سے آراستہ کیا ہے اور آپ کو ہر مکروہات روزگار سے محفوظ رکھ کر صد و سی سال تک زندہ و سلامت رکھے۔ زیادہ نیاز۔

حاکسار الطاف حسین حالی حنفی غفرلہ پانی پت ۱۰ ستمبر ۱۸۹۸ء

---

(۸)

بنام نواب سید علی حسن صاحب مرحوم

والا جناب!

مکرمت نامہ شرف صدور لایا جس سے خاکسار کو عزت حاصل ہوئی۔ قاری عبدالرحمٰن صاحب کے باب میں جو کچھ ارشاد ہوا ہے اس کا تہ دل سے شکر ادا کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ وہ ضرور کبھی نہ کبھی کامیاب ہوں گے۔

جو عنایت آمیز الفاظ در باب طلب خاکسار تحریر فرمائے گئے ہیں وہ میرے لئے سرمایۂ نازش ہیں ؎

حاجت کنداز طرب خراموش　　خوانی چو بسوئے خود گدارا

میں تعمیل حکم کے لئے بسر و چشم حاضر ہوں مگر آج کل سرسید مرحوم کی لائف لکھنے اور اس کے چھپانے میں مصروف ہوں اس لئے جب تک کہ اس ضروری کام سے فارغ نہ ہو جاؤں کہیں نقل و حرکت کرنا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ سرسید کی لائف اب تک بھی کبھی کی ختم ہو جاتی مگر اوّل تو میں مدتوں بیمار رہا پھر صاحب مطبع کی بیوی کا انتقال ہو گیا اس کے بعد وہ خود شدید بیمار ہو گئے اور کئی مہینے تک مطبع کا تمام کاروبار بند رہا اس سبب سے بہت ضرر عظیم واقع ہو گیا۔ اب چند روز سے پھر کام شروع ہوا ہے اور اگر خدا کو منظور ہے تو تین چار مہینے میں کتاب ختم ہو جائے گی اور اس ختم ہونے کی پہلی علامت کتاب کا ملاحظۂ عالی میں گذرنا ہوگا۔ لائف میں جو سب سے زیادہ دشوار گذار حصہ ہے وہ تفسیر قرآن کا ریویو ہے اور اسی حصہ کا زیر تحریر ہے یہ مرحلہ طے ہو جائے تو پھر آگے میدان صاف ہے۔ غالباً الفاروق ملاحظہ سے گذر چکی ہوگی۔ مصنف نے ایک نسخہ ابھی حال ہی میں دوبارہ کیا ہے اور میں اس کو اوّل سے آخر تک دیکھ چکا ہوں۔ حق یہ ہے کہ اس کتاب کی تعریف جیسی کہ ہونا چاہیے ہے بس اس کی تعریف میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ جس قدر تبحر علمی پر ہے اسی قدر تہ کی اس کی بنیاد گہری رکھی گئی ہے۔ اگر ملاحظۂ عالی سے گذرے تو اس کو شروع سے آخر تک ضرور دیکھنا چاہیے۔ زیادہ نیاز

خاکسار راقم الطاف حسین حالی از پانی پت ضلع کرنال ۱۰ اگست ۱۸۹۹ء

(۹)

مولوی حبیب الرحمٰن خان صاحب رئیس بھیکم پور

جناب خان صاحب مخدوم و مکرم، دام مجدہم

عنایت نامہ کبریت احمر یعنی مسلمان معلّم کی طلب میں صادر ہوا۔ میں جہاں تک خیال کرتا ہوں، اس میں کامیابی ہونی مشکل ہے۔ پانی پت میں سے دے کر ایک دلّی کی رہنے والی معلّمہ ہے بجاد حسین نے جب وہ کرنال میں ڈپٹی کمشنر انسپکٹر تھے پانی پت میں ایک مدرسہ فسواں قائم کر کے اس معلّمہ کو مشاہرہ دس روپیہ ماہوار اس میں نوکر رکھا تھا آٹھ دس لیتے میں شاگرد دس اسّی کے برابر ہو گئیں بلکہ بعض اس سے بھی بڑھ گئیں۔ یہ حال تو اس کی استعداد کا ہے اور مذہب اس کا شیعہ ہے وہ تو فوراً چلی آئے گی مگر اس کا حال یہ ہے جو گنواش کیا گیا۔ مولوی احمد علی خاں صاحب سب جج علی گڈھ نے اس کو بلانا چاہا تھا مگر جب اس کے مذہب اور استعداد کا حال سنا تو انہوں نے موقوف رکھا۔ دلّی میں جہاں تک میں سمجھتا ہوں لائق استانی مفقود شمار ہے مگر میں اپنے احباب سے دریافت کروں گا اگر کوئی لائق معلّمہ مل گئی تو اس کے حالات سے اطلاع دوں گا۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ بورڈ میٹنگ اور سالانہ جلسے کے متعلق جو اجنڈا سیکرٹری کالج نے ٹرسٹیوں کے پاس بھیجا تھا اس کا جواب بہت کم لوگوں نے بھیجا ہے اور اس لئے ووٹوں کی تعداد کافی نہیں ہے۔ غالباً آپ کو معلوم ہو گا کہ مارسن صاحب نے اپنا علی گڈھ میں رہنا اس شرط سے مشروط کیا ہے کہ سید محمود صاحب کو پریسیڈنسی سے سبکدوش کیا جائے اور ایسا ہی ارادہ نواب محسن الملک کا معلوم ہوتا ہے پس اگر اس سالانہ جلسے میں جو ۲۸ جنوری کو ہونے والا ہے سید محمود کی علیحدگی کے لئے ٹرسٹیوں کے کافی ووٹ نہ آئے تو کالج کا خاتمہ معلوم ہوتا ہے اگر آپ کو کسی ذریعے سے معلوم ہو جائے کہ ۲۵ جنوری سے پہلے کافی ووٹ آ گئے یا نہیں تو میں نہایت ممنون ہوں گا اگر آپ کبھی مطلع فرمائیں گے۔ زیادہ نیاز!

خاکسار الطاف حسین حالی از پانی پت ۲۵ جنوری ۱۹۰۰ء

---

(۱۰)

مولوی حبیب الرحمٰن خان صاحب رئیس بھیکم پور

جناب من!

آج کل دلّی میں عموماً نکان کا لفظ مونث بولا جاتا ہے اور اکثر حاصل مصدر یا وہ اسم جو الف نون سے بنتے ہیں وہ مونث ہی بولے جاتے ہیں۔ جیسے چڑان، چوکلان، اٹھان، اٹھان، غیرہ مگر نہان مذکر بولا جاتا ہے۔ انسانی کے باب میں جب تک میں خود دلّی نہ جاؤں سلسلہ جنبانی نہیں ہو سکتی۔ شاید عنقریب وہاں جانا ہو۔ امید ہے کہ آپ بخیریت ہوں گے اور کسی مفید مشغلے میں مصروف ہوں گے۔ زیادہ نیاز!

خاکسار الطاف حسین حالی از پانی پت ۲۱ مارچ ۱۹۰۰ء

---

(۱۱)

مولوی حبیب الرحمٰن خان صاحب رئیس بھیکم پور

مخدوم و مکرم دام مجدہم!

التسلیم اولیٰ بالتقدیم۔ عنایت نامہ پہنچا۔ مرحمت یاد آوری ہوا۔ آپ نے جو عنایت اور محبت بھرے الفاظ ارشاد فرمائے ہیں ان کا خاص شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اگرچہ علی گڈھ میں سررشتہ کے بعد ویسی ملاقات نہیں رہی جیسی ان کے سامنے تھی مگر خدا نخواستہ وہاں سے بالکل انقطاع بھی نہیں ہوا۔ قطع نظر ذاتی اور محبت کے تعلقات کے سب سے بڑا تعلق محمڈن کالج کا ہے بحمداللہ میں شروع الا ہوا

کشمی چاہتا ہے کہ وہاں چل کر دو چار مہینے رہوں مگر جب تک سرسید کی لائف ختم نہیں ہوتی میں کہیں جنبش نہیں کر سکتا۔ اس کے پیدا ہونے میں جن وجوہ و اسباب سے تاخیر ظہور میں آئی ان کی تفصیل تو بہت طولانی ہے اور ان کا لکھنا بھی فضول ہے۔ مختصر الکلام یہ ہے کہ لائف انشاء اللہ عنقریب ختم ہونے والی ہے اگر خدا کو منظور ہے تو اس سال کے ختم ہونے سے پہلے شائع ہو جائیں اور پھر بشرط زندگی فراغ خاطر کے ساتھ علی گڈھ میں رہنا ہو سکے گا۔ دیوان انور کا جو معرعہ آپ نے تحریر فرمایا ہے افسوس ہے کہ وہ خود مصنف کی غلطی معلوم ہوتی ہے اگر بیشبہ لائق ہوتا تو اس کا یہ کام تھا کہ اس شعر کو نکال ڈالتا مگر بیشتر ایک ہندوستانی کو اس طرح صاحب مطبع سید ممتاز علی صاحب بے پروا ایک بے غلطی کیا اس میں ایسی ایسی بہت سی غلطیاں نکلیں گی۔

یہاں بھی اب کی دفعہ جیسی گرمی اور آندھیاں اور خاک باری ہوئی ہے کبھی پہلے نہ دیکھی نہ سنی مگر خدا تعالیٰ کا ہزار شکر ہے کہ پرسوں سے یہاں برسات کی کیفیت پیدا ہوئی ہے۔ کل دن کو بھی بارش ہوئی اور رات کو بھی معتدل چھینٹا ہو گیا جس کی نسبت لوگوں کا خیال ہے کہ آل سے آل مل گئی ہے اور تخم ریزی شروع ہو گئی ہے۔ بیس بیس تیس تیس کوس سے بھی بارش کے ہونے کی خبر آئی ہے مگر زیادہ مفصل حالات اخباروں سے معلوم ہوں گے۔ میں امید کرتا ہوں کہ ضلع علی گڈھ میں بھی اس بارش کا اثر ضرور پہنچا ہوگا مدت سے شمس العلماء مولانا شبلی کا حال معلوم نہیں ندوۃ العلماء کی نسبت عجیب عجیب افواہیں سنی جاتی ہیں مگر معتبر ذریعے سے کوئی بات آج تک نہیں سنی گئی۔ نواب لفٹیننٹ گورنر کے دل میں اس کی طرف سے شکوک کا پیدا ہونا معلوم نہیں کہاں تک صحیح ہے اگر آپ کو فرصت ہو اور آپ مناسب سمجھیں تو اس کے مختصر حال سے خاکسار کو ضرور مطلع فرمائیں۔ زیادہ نیاز!

خاکسار نیازمند الطاف حسین عفی عنہ از پانی پت ۶ جولائی ۱۹۰۰ء

---

(۱۲)

بنام مولوی حبیب الرحمٰن خاں صاحب رئیس بھیکم پور

مخدومی!

میں نہایت ادب سے معافی چاہتا ہوں سرسید کی لائف قریب الاختتام ہے۔ مجھے یہ جلدی ہے کہ دسمبر تک ختم ہو جائے اور کام بہت باقی ہے اس لئے سر کھجانے کی فرصت نہیں پچھلے دو مہینے نہایت پریشانی میں گذرے۔ میری اہلیہ خانہ کا بہت میں انتقال ہو گیا اور وبا نے نہایت پریشان رکھا۔ اب بخار پھیلا ہوا ہے۔ بارش کی طغیانی جیسی تمام ملک میں ہوئی ہے آپ کو معلوم ہوگی ان وجوہ سے آپ کے حکم کی تعمیل نہیں ہو سکی۔ ذرا اطمینان ہو جائے تو میں نظم کو لبنود دیکھوں گا آپ کا عنایت نامہ سابق محفوظ ہوا ہے۔ جناب محسن الملک کو مجبور کرنا چاہئے کہ اپنا استعفا واپس لے لیں ورنہ پیک میں مدرسے کی طرف سے بہت بے چینی پیدا ہو جائے گی۔ میں بھی متعدد تحریریں ان کی خدمت میں بھیج چکا ہوں آپ نے جو تحریر فرمایا ہے کہ "مسلمانوں کی خود غرضی کا مرض لاعلاج ہے" میں نہیں سمجھا کہ اس کا اصل مطلب کیا ہے کیا کچھ لوگ محسن الملک کے مخالف ہیں اگر نامناسب نہ ہو تو ان صاحبوں کے نام سے ضرور مطلع فرمائیں۔ معلوم نہیں ہمارے حاجی اسمٰعیل خاں صاحب کی اس میں کیا رائے ہے اور مرزا عابد علی بیگ صاحب کیا چاہتے ہیں اور نواب لطف علی خاں کیا فرماتے ہیں۔ زیادہ نیاز!

خاکسار حالی از پانی پت ۱۱ اکتوبر ۱۹۰۰ء

بنام مولوی شبیر الدین　　(۱۳)

جناب من!

منشی رحمت اللہ رضا مالک مطبع نامی پریس کانپور آپ کی خدمت میں ایک جلد سرسید کی لائف کی آج کل میں بھیجیں گے اس کو قبول فرمایئے گا امید ہے کہ آپ اپنے معزز چرچ میں دو چار بار اس کا اشتہار جو ٹائمیل پیج کے آخیر صفحے پر چھپا ہے شائع فرمائیں گے مگر لائف جو تیسرے درجہ کے کاغذ پر چھپی ہے اس کی صرف دو سو جلدیں چھپوائی گئی تھیں۔ سو کتاب کے شائع ہونے سے پہلے ہی اس کی بہت سی درخواستیں آگئی تھیں اور اب پانچ سات روز میں وہ دو سو جلدیں ختم ہو جائیں گے اس لئے آپ صرف دو قسم کی کتابیں اشتہار میں درج کرائیے گا یعنی قسم اوّل و قسم دوم اور قسم سوم کی خانۂ قیمت میں بجائے قیمت کے یہ لکھوا دیجئے گا کہ اس کی کل جلدیں فروخت ہو گئیں۔ آپ کی خدمت میں جو جلد آئے گی وہ بھی غالباً تیسرے درجہ کے کاغذ کی ہوگی۔ زیادہ نیاز!

خاکسار الطاف حسین حالی پانی پت ۲ اپریل ۱۹۰۱ء

بنام مولوی حبیب الرحمٰن خاں صاحب رئیس بھیکم پور　　(۱۴)

جناب مولوی صاحب مخدوم و مکرم!

تسلیم! گبن کی تاریخ کے ترجمے کا مسودہ جو کالج لائبریری سے تلف ہو گیا ہے اور جس کی نسبت ابھی میں نے آپ سے ذکر کیا تھا کہ وہ ایک جگہ موجود ہے کل مولوی اسمٰعیل صاحب میرٹھ سے آئے اور وہ مسودہ مجھے دے گئے۔ چار سو بیسیتیں صفحے کی ایک ضخیم جلد ہے خفی قلم سے لکھی ہوئی جس کے ترجمے کی اُجرت میں سید صاحب نے مولوی ابوالحسن کو جو حیدر آباد میں نوکر ہیں ایک ہزار روپیہ دیا تھا کالج کی مہریں جا بجا لگی ہوئی تھیں مگر چرٹے نے بعض کو جو حاشیے پر تھیں کتر کر داغ اور کاغذ چپکا دیا ہے اور اکثر جگہ پہلے مہر کی سرخی کو سیاہ قلم سے کاٹا ہے اور پھر کاغذ اچھا چپکا دیا ہے مگر ہر ایک چپی پچھلی کھاتی ہے اس کے سوا اس مسودے کے بہت سے آدمی پہچاننے والے موجود ہیں بہر حال یہ مسودہ میرے قبضے میں آگیا ہے۔ کہئے تو محسن الملک کے پاس بھیج دوں اور کہئے آپ کے پاس یا مزمل اللہ خاں صاحب کے پاس روانہ کر دوں مگر مجھ کو آپ کی نگہداشت پر زیادہ اطمینان ہے اس لئے میرا یہ جی چاہتا ہے کہ آپ ہی کی خدمت میں بھیجوں لیکن شرط یہ ہے کہ اس معاملے کی عدالت تک نوبت نہ پہنچائی جائے ورنہ جس معزز اور شریف آدمی نے یہ کتاب لا کر دی ہے ان کو عدالت میں شہادت کے لئے جانا پڑے گا اور ملزم کی طرف سے ان پر وکلا کے سخت حملے ہوں گے جن سے وہ گھبراتے ہیں اور میرے نزدیک تو اس کا ذکر یورپین پروفیسروں سے بھی کرنا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ وہی مثل ہے اپنا گھٹنا کھولئے اور آپ ہی لاجوں رہیئے۔ سوا اس کے کہ مسلمانوں کی اور زیادہ رسوائی ہو اور کوئی نتیجہ نہیں معلوم ہوتا۔ جواب جلدی مطلع فرمایئے۔ زیادہ نیاز!

خاکسار الطاف حسین حالی عفی عنہ از پانی پت ۹ مئی ۱۹۰۱ء

بنام مولوی حبیب الرحمٰن خاں صاحب رئیس بھیکم پور　　(۱۵)

جناب من!

ڈیڑھ مہینے سے زیادہ عرصہ ہو چکا کہ حیاتِ جاوید کی جلدیں تینوں قسم کی ڈیوٹی شاپ میں پہنچ گئیں۔ مجھے یقین تھا کہ آپ نے ضرور وہاں سے کتاب منگوالی ہوگی کیونکہ اگر مصنف قابلِ وقعت نہ تھا تو ہیرو بلا شبہ ایسا تھا کہ اس کی بائیوگرافی دیکھنے کا خاص کر آپ جیسے

لوگوں کو فرد فرد مشتاق ہونا چاہیئے تھا مگر جہاں تک خیال کیا جاتا ہے مصنف کی بے وقتی نے ہیرو کی بھی قدر گھٹا دی ہے۔ جن لوگوں سے یہ امید تھی کہ اس کتاب کے منگوانے میں ایک دوسرے پر سبقت کریں گے ان کی طرف سے سرد مہری کے سوا میں نے اب تک کچھ نہیں دیکھا۔ اگرچہ اس قلیل عرصے میں کتابوں کی فروخت ہوگئی ہیں مگر ایسی قدر دانی سے وہی شخص خوش ہو سکتا ہے جو تجارت کے سوا تصنیف و تالیف کا اور کوئی مقصد خیال نہیں کرتا۔ بلاشبہ میں نے کسی سے اشتہار یا ریویو وغیرہ لکھنے کی خواہش ظاہر نہیں کی مگر ہر خواہش نہ کرنا اس بات کا ہرگز مقتضی نہ تھا کہ سرسید کا کوئی دوست اس کتاب سے بالکل نوٹس نہ لے اور اخباروں کو جانے دیجئے علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ کا گزٹ جس کو سرسید کی یادگار کہا جاتا ہے اور جس کا اہتمام محمڈن کالج کے آنریری سیکرٹری اور سرسید کے جانشین اور ان کے زبدۂ احباب کے ہاتھ میں ہے آج تک حیات جاوید کی نسبت اس میں ایک حرف نہیں لکھا گیا۔ اگرچہ میں صدق دل سے اقرار کرتا ہوں کہ سرسید کی لائف جیسی کہ چاہیئے تھی وہ میری مجھ سے نہیں لکھی گئی لیکن اسی کے ساتھ میں یہ بھی کہتا ہوں کہ میں نے باوجود اپنی نا قابلیت کے اس بار گراں کو اپنے ذمے لے کر سرسید کے تمام احباب اور عزیزوں کو ایک فرض کفایہ سے سبکدوش کیا ہے اور اس لئے میں اپنے زعم میں یہ سمجھے ہوئے تھا کہ سرسید کے احباب اگر اس تصنیف کو پسند نہ کریں گے تو اس کی اشاعت میں ضرور مدد دیں گے مگر آج تک کسی نے اس کی بات نہیں پوچھی بلکہ بجائے امداد کے بعض احباب متوقع ہیں کہ ان کی خدمت میں ایک ایک کاپی ہدیۃً پیش کی جائے۔ حاجی محمد اسمٰعیل خاں صاحب نے سرسید کی زندگی میں وعدہ کیا تھا کہ پانسو روپیہ کی کتابیں خرید کر کالج کو دوں گا۔ مگر میں سرسید کو اور اپنے تئیں بڑا خوش قسمت سمجھوں گا جب یہ سنوں گا کہ انہوں نے کوئی کاپی ڈیلیوٹی سے خرید فرمائی ہے اور اس کو مطالعے کے لائق سمجھا ہے۔ آپ یقین جانئے کہ میں اس زمانے کی لٹریری ترقی کے آگے ایسے لوگوں کی تحریرات کو جو بری طرح محض اردو فارسی کے مروجہ میدان میں لاشے محض جانتا ہوں مگر گاڑی جو اپنا جا الاپورنے میں منہائے طاقت صرف کرتی ہے وہ اسی کو حریر و اطلس بلکہ ان سے بھی زیادہ گراں قدر تصور کرتی ہے اس لئے کہا گیا ہے ؎

اگر بریاں کند بہرام گورے　　نہ چوں پائے ملخ باشد ز موے

امید ہے کہ آپ میری اس خارج آہنگی اور زیادہ سرائی کو معاف فرمائیں گے۔ زیادہ نیاز!

آپ کا مابعد الطاف حسین حالی از پانی پت ۱۰ جون ۱۹۰۱ء

بنام مولوی حبیب الرحمٰن خاں صاحب رئیس بھیکم پور　　(۱۶)

جناب مولوی صاحب مخدوم و مکرم!

عنایت نامہ پہنچا۔ برسات کے مطالعے سے برسات کا لطف دونا ہو گیا۔ بہت عمدہ مثنوی ہے اس میں کسی قسم کا تصرف کرنے کی گنجائش نہیں معلوم ہوتی اگرچہ کہیں کہیں سنعرائے ایران و ہندوستان کے مسلمات کے خلاف کیا گیا ہے جیسے کہ شمر کا قافیہ جلوہ یا برسیں کا قافیہ بھروں یا بدلا کا قافیہ آیا وغیرہ وغیرہ۔ مگر میرے نزدیک اب ان قیود کو اٹھا دینا ہی بہتر ہے جن کے سبب سے شاعری کا میدان نہایت تنگ ہو گیا ہے۔ گبن کی تاریخ کا ترجمہ حسب تحریر مولوی بہادر علی صاحب ایم۔ اے جو انہوں نے مسٹر مارلین کے ایما سے مجھ کو بھیجی تھی میں نے اپنے ایک عزیز کے ہاتھ مارلین صاحب کے پاس بھیج دی ہے مگر اب تک باوجود گزرنے پندرہ سولہ روز کے اس کی رسید نہیں آئی۔ میں بعنایت الٰہی جہاں تک کہ تندرست رہ سکتا ہوں اچھا ہوں۔ مولوی سید وحید الدین صاحب سلیم نے

رسالہ معارف ماہ جون و جولائی میں حیات جاوید پر ایک لمبا چوڑا ریویو لکھا ہے جو غالباً اگست کے نمبر میں ختم ہو جائے گا۔ نواب محسن الملک بہادر نے بھی کچھ ریویو لکھنے کا ارادہ کیا ہے مگر ان کا ارادہ ایسا ہی ہے جیسا ہر مسلمان حج کا ارادہ رکھتا ہے۔ مولوی عبدالحلیم شرر نے خلاف توقع اس کتاب کی تعریف رسالہ دلگداز میں لکھی ہے۔ شمس العلماء حالی، بہادر، مولوی ذکاء اللہ صاحب کا بھی ارادہ کچھ لکھنے کا ہے میں نے سوا اس کے کہ نواب محسن الملک کو انسٹی ٹیوٹ گزٹ میں اس کتاب سے نوٹس نہ لینے کی شکایت لکھی تھی اور کسی صاحب کو اس باب میں کچھ نہیں لکھا اس لئے کہ سب صاحبوں کا شکر گذار ہوں۔ اور بھی کئی دوستوں نے ریویو لکھنے پر آمادگی ظاہر کی ہے مگر چونکہ ریویو لکھنا دراصل محنت کا کام ہے امید نہیں کہ ایک آدھ کے سوا کوئی کچھ لکھے۔ افسوس صد افسوس و ہزار افسوس کہ پرسوں بروز چار شنبہ بجے حکیم عارف الملک عبدالمجید خاں نے اسی مرض میں جو ایک عرصے سے ان کو لاحق تھا دلی میں وفات پائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون —— امید ہے کہ آپ مع جملہ متعلقین کے بخیر و بیت ہوں گے۔ زیادہ نیاز!

خاکسار الطاف حسین حالی از پانی پت ۱۲ جولائی ۱۹۰۱ء

---

(۱۷)

جناب مولوی صاحب مخدوم و مکرم!

تسلیم! میں بعض وجوہ سے ووٹ کا کاغذ بابت اس جلسہ کے ٹرسٹیان کو جو ۲۷ اکتوبر سن حال کو منعقد ہونے والا ہے ۲۷ ستمبر تک سیکرٹری صاحب کی خدمت میں نہیں بھیج سکا اس لئے قواعد جدید کے موافق میں نے ان پر رائیں جلسہ مذکور میں پیش کرنے کے لئے آپ کو اپنی طرف سے نائب مقرر کیا ہے اور پراکسی کے فارم جو سیکرٹری صاحب نے میرے پاس بھیجے تھے اس کی خانہ پری کر کے ان کے پاس بھیج کر لکھ دیا ہے کہ میں نے اپنی طرف سے آپ کو اپنے ووٹ دینے کے لئے قائمقام مقرر کیا ہے کیونکہ شاید جلسہ ٹرسٹیان میں میں خود حاضر نہ ہو سکوں۔ لہٰذا اس نیاز نامہ کے ساتھ میں اپنی رائیں ہر مد کے متعلق آپ کی خدمت میں بھیجتا ہوں امید ہے کہ آپ جلسہ ٹرسٹیان منعقدہ ۲۷ اکتوبر میں میری رائیں پیش کریں گے۔ زیادہ نیاز!

آپ کا نیازمند الطاف حسین حالی ٹرسٹی محمڈن کالج علی گڑھ

میں آپ کو یہ بھی اختیار دیتا ہوں کہ میری جس رائے کو آپ قرین صورت نہ سمجھیں اس کی جگہ جو کچھ آپ کی رائے ہو میری طرف سے ظاہر فرما دیں۔

حالی

---

(۱۸)

باعث تحریر آنکہ

۱۳۰۹ فصلی الٰہی میں حسب دستور سررشتہ متعلقات سرکار عالی میں نیازمند کی مصنفہ کتابیں خرید کی گئی تھیں ان کی قیمت مبلغ دو سو چونتیس روپیہ دس آنے سکہ کمپنی معرفت مولوی عبدالحق بی۔ اے ایڈیٹر رسالہ افسر وصول ہوئے اس لئے یہ رسید لکھ دی گئی۔

فقط! مرقومہ ۱۴ نومبر سنہ ۱۹۰۱ء

(اصل محفوظ در ذخیرہ مکاتیب کاظمی)　　خلیفہ خواجہ سرکار عالی الطاف حسین حالی بقلم خود

بنام مولوی حبیب الرحمٰن خاں صاحب رئیس بھیکم پور　　(۱۹)

جناب مولوی صاحب مخدوم و مکرم!

آپ نے سن لیا ہوگا کہ ہز میجسٹی ایمپرر آف انڈیا کی علالت کی وجہ سے آج دربار تاج پوشی ملتوی ہو گیا اور ہندوستان بھر کی تعطیل قرار پائی تھی اس کے التوا کا حکم بذریعہ تار برقی کے تمام ملک میں شائع کر دیا گیا۔ چونکہ بیماری کا حال معلوم نہیں ہوا کہ معمولی یا خدانخواستہ کوئی صعب مرض ہے اس لئے آج کا دن تشویش و تردد میں گزرا۔ اس حالت میں کسی کام کے کرنے کو جی تو نہیں چاہتا آپ کے عنایت نامے کو آئے ہوئے کئی دن گزر چکے تھے اس لئے اس کا جواب عرض کرنا ضرور تھا۔

لکچر اور نظم اور عنایت نامہ تینوں ایک ساتھ وصول ہوئے۔ تصویر حیرت کو اوّل میں نے مخزن میں دیکھا تھا پھر یہاں میں دیکھا اور اب لکچر کے ساتھ اس کو بھی اوّل سے آخر تک پھر پڑھا اور بلا تصنع ہر دفعہ اس کے پڑھنے سے لطف نیا حاصل ہوا۔ فالمسک ما کررته تتضوع ——— اوّل تو مضمون ہی فی نفسہٖ موثر اور حیرت انگیز ہے اور پھر مناسب الفاظ اور جملے نے اس میں اور بھی جان ڈال دی ہے مگر شاید یہ کبر سن کا تقاضا ہے کہ جو اثر پہلے عمدہ نظم کے پڑھنے یا سننے سے دل پر ہوتا تھا وہ بات اب نہیں رہی اور یہی وجہ ہے کہ فکر شعر سے اب طبیعت کو مسل بھاگنے لگی ہے۔

لکچر جس وقت میرے پاس پہنچا جب تک اس کو اوّل سے آخر تک نہیں دیکھ لیا اپنی جگہ سے نہیں اٹھا اگرچہ بعض خیالات ایسے ظاہر کئے گئے ہیں جن سے مجھ کو اتفاق نہیں ہے لیکن اس بات کے خیال کرنے سے بے انتہا خوشی ہے کہ ہمارے سیکڑوں اور لکچراروں میں آپ کے سبب سے ایک معقول اور قابل قدر اضافہ ہوا ہے۔ سب سے پہلے آپ کی وہ بے مثل تقریر سنی تھی جو حاذق الملک کی یادگار کے جلسے میں بمقام علی گڈھ اسٹریچی ہال میں آپ نے کی تھی۔ اس کے اخلاق اسلامی پر جو لکچر آپ کا انسٹی ٹیوٹ گزٹ میں چھپا ہے اس کے دیکھنے کا اتفاق ہوا اور اب یہ لکچر جو حمایت اسلام لاہور میں دیا تھا میری نظر سے گزرا۔ مسلمانوں میں اوّل تو عموماً قحط الرجال ہے اور پھر خاص کر روسا کے طبقے میں تو علی مذاق مالکل ہی ہو گیا ہے پس یہ کچھ کم خوشی اور فخر کا مقام نہیں ہے کہ ہمارے رئیسوں میں ایک ایسا شخص موجود ہے جو صحیح نظر اعلیٰ درجہ علمی اور ظریفی مذاق کے مسلمانوں کا خیر خواہ اور اسلام کا حامی اور قومی کاموں میں بھی سرگرم ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو حسنات سے اور اسلام کی خیر خواہی اور مسلمانوں کی ہمدردی سے آپ کو حصۂ وافر نصیب کرے۔ زیادہ نیازمند

خاکسار نیازمند الطاف حسین حالی از پانی پت ۲۶ جون ۱۹۰۲ء

بنام مولوی بشیر الدین　　(۲۰)

جناب من!

کانفرنس گزٹ کا بطور ضمیمہ کے البشیر کے ساتھ شائع ہونا بہت مناسب ہوا ہے خدا کرے کہ وہ مفید بھی ہو۔ میں نے یہ صلاح دی ہے کہ "کانفرنس گزٹ" کے اوپر ذرا خفی خط سے یہ الفاظ اور لکھنے چاہئیں "ایم اے او اورینٹل" کانفرنس اور مسلمانوں کی کانفرنس میں تمیز ہو۔ میں بھی اس رائے کو پسند کرتا ہوں۔ اطلاعاً عرض کیا گیا۔

خاکسار الطاف حسین حالی از پانی پت ۱۸ اگست ۱۹۰۲ء

---

(۲۱)

بنام مولوی حبیب الرحمٰن خان صاحب رئیس بھیکم پور

جناب مولوی صاحب مخدوم و مکرم!

تسلیم! عنایت نامہ پہنچا۔ مولوی ذوالفقار حسین صاحب کے انتقال کا حال معلوم ہونے سے نہایت افسوس ہوا۔ میں ان کے حال سے اور ان کے خاندان کے اکثر لوگوں سے واقف ہوں۔ ایسا آدمی طنا سخت دشوار ہے۔ یہ صاحب دہلوی الاصل نہ تھے بلکہ ان کا خاندان ننیال دہلی تھا۔ ریاست داوری وہاں گجرات کے علاقہ میں ایک قصبہ کلیانہ ہے جو مردم خیزی میں ضرب المثل ہے مولوی فضل حق بتقریب ملازمت سرکاری وہاں سے دہلی چلے آئے تھے پھر اپنے وطن کی طرف رُخ نہیں کیا۔ مولوی ذوالفقار حسین صاحب اور ان کے بڑے بھائی نے شاید کلیانہ دیکھا بھی نہ ہوگا۔ اہل کلیانہ معلّمی کے فن سے ایک خاص مناسبت رکھتے تھے۔ ایک کلیانوی بزرگ سے میں نے بھی صغر سنی میں کچھ پڑھا تھا۔ بہرحال مرحوم کا بدل مشکل سے ملے گا اور خاص کر پانی پت میں تو ایسے لوگوں کا وجود عنقا ہے مگر میں مگر دو نواح کے قصبوں میں اور نیز دہلی میں تلاش کراؤں گا۔ اگر کوئی لائق آدمی میسر آیا تو فوراً آپ کو اطلاع دوں گا۔ امید ہے کہ آپ بعد وجوہ خیریت سے ہوں گے افسوس ہے کہ مدت دراز کے بعد بتقریب تودیع سٹر آرنلڈ علی گڈھ جاتا ہوا تھا مگر آپ سے اور نیز مولوی محمد مزمل اللہ خان صاحب سے ملاقات کا موقع نہیں ملا۔ دہلی میں بھی جبکہ حکیم واصل خاں صاحب کے ہاں ہنگامۂ رقص و سرود گرم تھا ایک بجلی کی سی چمک نظر آئی مگر پھر برابر آنکھیں نرسنتی رہیں۔ لعل اللہ یحدث بعد ذالک امرا۔ والسلام غیر ختام۔

خاکسار الطاف حسین حالی از پانی پت ۲۳ اپریل ۱۹۰۰ء

---

(۲۲)

لعل سید

مبلغ ۱ روپیہ بابت قیمت کتاب یادگار غالب بجہت ۱۳۰۰ فصلی میں حسب الحکم سرکار عالی نظام خلد اللہ ملکہ ہمرشتہ تعلیمات سرکار موصف میں نیازمند راقم سے خریدی گئی تھی معرفت سررشتہ موصوف کے وصول ہوئی۔

چونکہ پہلی رسید تلف ہوگئی تھی اس لئے مکرر یہ رسید لکھی گئی۔ فقط المرقوم ۱۶ شعبان ۱۳۱۷ھ مطابق ۱۷ جنوری ۱۹۰۰ء

(یہ الفاظ ایک آنہ کے ٹکٹ پر ہیں) : وظیفہ خوار سرکار عالی الطاف حسین حالی بقلم خود

(محفوظ در دفتر خیر اندیشان کاظمی)

---

(۲۳)

بنام اسد اللہ حسینی حریف

کوسگی علاقہ جاگیر نواب سر سالار جنگ بہادر میں ایک قدیم قصبہ ہے جس کے تاریخی و جغرافی حالات پر ایک مفید رسالہ سید عبداللہ صاحب حسینی متخلص بہ حریف نے جو خاص کوسگی کے رئیس ہیں مرتب کیا ہے۔ یہ رسالہ ان لوگوں کے لئے جو قدیم زمانہ سے دلچسپی رکھتے ہیں ایک نہایت قابل قدر چیز ہے مصنف موصوف نے اس کے ترتیب دینے میں بہت سی قدیم و جدید تواریخ سے مدد لی ہے اور بہت سے ایسے دلچسپ حالات اس میں درج کئے ہیں جن کے فراہم کرنے میں ان کو بڑی زحمت اٹھانی پڑی ہوگی۔ رام چندر جی کے زمانہ سے لے کر زمانہ حال تک کے اہم واقعات جو کوسگی اور اس کے گرد و نواح سے علاقہ رکھتے ہیں اس میں کافی تفصیل کے ساتھ لکھے گئے ہیں اور اس کا جغرافیہ اور اس کے ذرائع آبپاشی و محاصل زمین و خانہ شماری و مردم شماری اور باشندوں کی زبان وغیرہ کی کیفیت اور مزارات اہل اللہ کا بیان بہت عمدگی سے لکھا گیا ہے۔ اگرچہ یہ ایک نوکل تصنیف ہے جس سے خاص کر وہاں کے باشندوں کو

زیادہ وابستگی ہونی چاہیئے لیکن چونکہ اس کو ہندوستان کے افضل ترین مدبر نواب مختار الملک بہادر مرحوم و مغفور کے جلیل القدر علماء سے تعلق ہے اور نیز خاندان موصوف کے حالات بھی اس میں درج ہیں اس لئے وہ ایک ایسا مجموعہ ہے جس سے عام ہندوستانی بہرہ لطف اٹھا سکتے ہیں۔ امید ہے کہ مولوی سید عبداللہ صاحب کی کوشش جو اس کتاب کے ترتیب دینے میں ان کو اٹھانی پڑی ہے ملک میں حسن قبول کا درجہ حاصل کرے گی۔　　راقم الطاف حسین حالی وارد حیدرآباد ۲۸ جولائی ۱۹۰۶ء

---

(۲۴)

بنام مولوی قمر علی صاحب

مہربانی فرما کر عزیزی محمود احمد صاحب عباسی کے حال سے مطلع فرمائیے کہ وہ بالفعل بریلی میں ہیں یا علی گڈھ میں اور ان کا مزاج کیسا ہے اور حضرت شاہ نظام الدین صاحب کے صاحبزادے یعنی مولانا نیاز احمد صاحب قدس سرہٗ کے پوتے کا پورا نام اور نسب اور جس محلہ میں وہ تشریف رکھتے ہیں بالتفصیل مجھ کو لکھ بھیجئے اور اس تکلیف دہی کو معاف فرمائیے۔ امید ہے کہ آپ بہمہ جہت بخیریت ہونگے۔

خاکسار الطاف حسین حالی از پانی پت ۱۹ فروری ۱۹۰۹ء

---

(۲۵)

بنام نواب سید علی حسن صاحب مرحوم

جناب نواب صاحب مخدوم و مکرم!

التسلیم اولے بالتقدیم! آپ کی تصنیف جدید "فطرۃ الاسلام" کا ایک نسخہ عطیہ جناب خاکسار کے پاس پہنچا۔ اس خاص عنایت کا شکریہ تہ دل سے ادا کرتا ہوں۔ رسید اور شکریہ بھیجنے میں اس وجہ سے تاخیر ہوئی کہ میں ایک عرصہ سے علیل چلا جاتا ہوں۔ اگرچہ اب تک کوئی مرض مہلک عارض نہیں ہوا مگر لکھنا پڑھنا بالکل چھوٹ گیا ہے۔ میں چاہتا تھا کہ فطرۃ الاسلام کے مطالعہ سے مستفیض ہونے کے بعد جواب عرض کروں۔ لیکن ضعف بصارت اور ضعف دماغ نے مجبور کر دیا ہے۔ اکثر احباب و اکابر اپنی تصنیفات بھیج کر ممنون فرماتے ہیں مگر میں ان سے بہت ہی کم مستفیض ہوتا ہوں۔ اگرچہ دوسرے شخص سے پڑھوا کر سننا ممکن ہے مگر سننے سے جی خوش نہیں ہوتا مضمون عمدہ تصانیف کو خود پڑھ کر جو لطف آتا ہے سننے سے وہ کیفیت حاصل نہیں ہوتی۔ بہرحال موجودہ شکایتیں رفع ہونے کے بعد ضرور کوشش کروں گا کہ خود پڑھ کر یا کسی عزیز سے سن کر آپ کے افادات علمیات سے مستفیض ہوں۔

فہرست مضامین دیکھ کر بہت خوشی ہوئی ہے کہ اس زمانہ میں جبکہ دہریت اور الحاد وبائے عام کی طرح چاروں طرف پھیلا ہوا ہے ایسی کتابوں کا شائع ہونا نہایت ضروری و مفید ہے۔ آپ نے قوم کی بہت بڑی خدمت کی ہے خدائے تعالیٰ اس کا اجر دے گا۔ امید ہے کہ جناب مع متعلقین و متوسلین کے بخیر و خیریت سے ہوں گے۔ زیادہ نیاز!

خاکسار دعاگو الطاف حسین حالی از پانی پت ۱۸ اکتوبر ۱۹۱۱ء

---

(۲۶)

بنام سید افتخار عالم صاحب

مکرمی سید صاحب دام مجدہم

آپ کا الطاف نامہ مع طلبہ ترجموں کے پہنچا۔ میرے سر میں پانچ سات دن سے درد رہتا ہے اس وجہ سے اب تک ریویو نہیں لکھ سکا۔ درد میں تخفیف ہو جائے تو انشاء اللہ تعالیٰ بہت جلد اس فرض سے سبکدوش ہوں گا۔ امید ہے کہ آپ بخیریت ہوں گے ریویو کے ساتھ ہی حیات النذیر کی نامکمل جلد جو آپ نے بھیجی ہے وہ بھی بھیج دوں گا اور دوسری مکمل جلد کا منتظر رہوں گا۔ زیادہ نیاز!

خاکسار الطاف حسین حالی از پانی پت ۴ نومبر ۱۹۱۲ء

نواب محسن الملک

بہ مولوی ذکاء اللہ صاحب

(۱)

محترم و مکرم بندہ شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ صاحب زاد لطفہٗ

مولوی سید احمد مصنف فرہنگ آصفیہ جن کی چار سو کاپیں سرکار نے خرید فرمائی ہیں یہاں آئے اور جناب نواب مدار المہام سرکار عالی کی ملازمت حاصل کی۔ نواب انتصار جنگ[1] بہادر اور بندہ نے بھی ان کے مشکلات جو کتاب کے چھاپہ کے ختم ہونے میں پیش ہیں سُنیں اور سرکار میں عرض کیا کہ کسی طرح اس کتاب کا نام ہو جانا چاہئے تاکہ جس غرض سے سرکار نے چار سو جلدیں خریدی ہیں وہ حاصل ہو اور اس پر یہ امر قرار پایا ہے کہ یہ معاملہ آپ کے سپرد کیا جائے اس لئے میں آپ کو تکلیف دیتا ہوں کہ آپ مہربانی کر کے اتنی محنت اپنے اوپر گوارا فرمائیے کہ جو معاملہ ان کا ساہوکار سے ہے وہ کس طور پر ہو سکتا ہے اور وہ کس طرح اس کے پنجے سے نجات حاصل کر سکتے ہیں اور سرکار کی کیا مدد اس کام میں مطلوب ہے اور آئندہ باقی ماندہ کتاب کے چھاپنے کے لئے یہ بہتر ہوگا کہ سرکاری مطبع حیدرآباد میں چھپوائی جاوے اور مولوی سید احمد صاحب اس کی تصحیح یہاں آکر یا وہاں رہ کر کر دیا کریں۔ آپ سے بہتر اس کام کے واسطے دوسرا کوئی نہیں ہے اس لئے آخری تصفیہ اس کا آپ کی رائے عالی پر حوالہ طور پر ہو سکے گا۔ زیادہ نیاز!

محسن الملک ۱۱ جمادی الثانی ۱۳۰۸ھ (۲ فروری ۱۸۹۱ء)

بہ نواب انتصار الملک بہادر

(۲)

بخدمت شریف جناب معتمد صاحب مال[2]

یہ خطوط سید احمد صاحب کے آپ کے ملاحظہ کے لئے بھیجتا ہوں۔ آپ کی کیا رائے ہے براہ مہربانی مطلع فرمائیے تاکہ ویسا ہی جواب ان صاحب کو دیا جاوے۔ فقط!

محسن الملک ۷ شوال ۱۳۰۸ھ (۲۷ مئی ۱۸۹۱ء)

---

[1] نواب عقار الملک۔

[2] یہ خط محسن الملک کا انتصار جنگ بہادر کے نام ہے اور اسی کی پشت پر انتصار جنگ کا جواب بھی ہے۔ یہ متعلق ہے سید احمد دہلوی مصنف فرہنگ آصفیہ سے، اصل خطوط میرے پاس محفوظ ہے۔ (تلمین کاظمی)

جناب من!

اصل تو یہ ہے کہ سرکار کا منشا اس خریداری سے جیسا کہ آپ کو معلوم ہے یہ رہا ہے کہ کتاب تمام و کمال چھاپی جاوے اور جو معاملات مصنف اور ساہوکار کے درمیان ہوئے ہوں ان سے ہم کو کچھ مطلب نہیں۔ سرکار والا کا تعلق خود مصنف سے ہے انہوں نے سرکار میں کتابیں داخل کی ہیں اس وقت تک جو خیال کیا گیا تھا کہ ساہوکار سے اور مصنف سے فیصلہ ہو جاوے وہ محض ایک اتفاقی امر تھا مگر اس قدر اور ہونا چاہئے کہ شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ خاں بہادر سے اور دریافت کیجئے کہ ان کی رائے کیا ہے اور ان کو سرکار کی یہ پالیسی بتلا دی جائے اور اس عرصے میں مصنف کو مطمئن کر دیا جاوے کہ وہ چندے اور تامل فرماویں اور مطمئن رہیں۔ میری رائے یہ ہے آئندہ آپ کے نزدیک جیسا مناسب ہو۔[1]

انتصار جنگ معتمد ملل، (شوال ۱۳۰۸ھ / ۳ مئی ۱۸۹۱ء)

بنام مولوی شبیر الدین　　(۳)

مکرمی مولوی شبیر الدین صاحب!

مجھ اور دوں سے کچھ امید نہیں کہ لکھنؤ جا کر کانفرنس کا انتظام کریں۔ اگر آپ سے ہو سکے تو آپ خود لکھنؤ جائیے اور کوشش کیجئے اگر آپ کی کوشش میں ناکامیابی ہوئی تو یا آپ کی کانفرنس موقوف رہے گی یا علی گڈھ میں رسم فاتحہ خوانی ادا کی جائے گی۔

خط راجہ نوشاد علی خاں کے نام بھیجتا ہوں اور کوئی شخص ایسا نہیں نظر آتا کہ میرے خط پر کچھ خیال کرے۔ فقط!

مہدی (محسن الملک) علی گڈھ ۴ اگست ۱۹۰۱ء

بنام نواب سید علی حسن　　(۴)

جناب مخدوم مکرم بندہ نواب علی حسن خان بہادر

آپ کا عنایت نامہ پہنچا۔ مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ آپ لکھنؤ میں تشریف رکھتے ہیں اور امین الدین کے ذریعہ سے آپ کا پتہ بھی دریافت کیا کہ خط لکھوں مگر پتہ معلوم نہ ہوا۔ آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے عنایت نامہ بھیج کر یاد فرمایا۔

آپ نے جو خواہش فرمائی ہے وہ تمام قوم کی ممنونی کا باعث ہے۔ آپ کو قومی ہمدردی تو ہمیشہ سے ہے اب دولت اور مشغل ہو گئی ہے۔ یہ قوم کی خوش نصیبی ہے۔ اگرچہ آپ کا بھوپال سے تشریف لانا دشمنوں کو پسند ہوا ہو قوم کے لئے مفید ہوا[2]

مدد شود سبب خیر گر خدا خواہد　　خمیر مایۂ دکان شیشہ گر سنگست

قوم کی پہلی خدمت تو یہ ہے کہ آپ تعلیمی معاملات پر وقتاً فوقتاً کچھ مضمون لکھ کر علی گڈھ انسٹیٹیوٹ گزٹ میں بھیج دیا کیجئے۔ دوسری یہ ہے کہ اپنے دوستوں اور ملاقاتیوں کو قومی کاموں پر متوجہ کر دیجئے اور عمدہ مشورہ اور صلاحیں ہم کو دیا کیجئے۔ ایک تجویز ہو رہی ہے کہ تعداد ٹرسٹیوں کی زیادہ کی جائے۔ اس وقت جتنی جگہیں ہیں وہ سب بھری ہیں اگر یہ تجویز منظور ہو گئی تو ٹرسٹیوں کی فہرست میں آپ کا معزز نام بھی جلد نظر آوے گا مگر ٹرسٹی ہونا اور نہ ہونا اور بات ہے۔ آپ کی شان اس سے ارفع اور اعلیٰ ہے اور آپ سے ہر طرح کی مدد ملنے کی امید ہے۔

---

[1] اصل خط نگین کالج کے ذخیرے میں محفوظ ہے۔

میں ایک درخواست جو نہایت چھوٹی ہے کرتا ہوں، یقین ہے کہ آپ اس کو منظور فرمادیں گے یعنی علی گڈھ انسٹیٹیوٹ گزٹ کو آپ خریدا کریں جس کی سالانہ قیمت ۴ ہے اور اگر معاذین میں آپ داخل ہونا چاہیں تو ۶ یا ۸ آپ دے کر اس کو روے سکتے ہیں۔ پچھلا اخبار بطور نمونہ آپ کی خدمت میں مرسل ہے۔

محسن الملک، از علی گڈھ یکم اگست ۱۹۰۲ء

(۵)

مولوی بشیر الدین

مکرمی بشیر الدین صاحب!

فروری کا مہینہ بھی آدھا ہوا اور آپ کی رپورٹ کانفرنس کا ابھی آغاز بھی نہیں ہوا اب بھی آپ کچھ بھیجنے لگائیں گے اور یہ مجھے منظور نہیں۔ چاروں طرف سے رپورٹ کی مانگ ہو رہی ہے اور آپ نے اب تک کوئی مضمون کانفرنس کی کارروائی پر اخبار میں بھی نہ لکھا اور اخباروں میں مضمون بھی لکھ گئے، مائیں بھی ظاہر کر دی گئیں اس کے نتائج پر بھی بحث ہو گئی اور آپ کے یہاں اب تک رپورٹ بھی تشہیر نہ ہوئی۔ چندہ دینے والوں کی فہرست بھی شائع نہ کی گئی۔ ہمارے اور ہمارے کالج کا اثر آپ کے اوپر بھی پڑ گیا۔ میں اخیر فروری میں وعدہ پر جاتا ہوں اگر اس عرصے میں رپورٹ کا خاکہ آپ نے تیار نہ کر لیا تو آپ جانیں اور آپ کی رپورٹ۔ میں نہ دیکھ سکوں گا نہ اصلاح کر سکوں گا اور یہ تو مجھے معلوم ہے کہ میرا لکھنا آپ پر کچھ اثر نہ کرے گا اس لئے کہ اول تو آپ بیمار، اس پر کام کا انبار اور یک انار و صد بیمار۔

آپ نے باوجود میرے متواتر طلب کے نواب سراج الدین خان کی انگریزی اسپیچ بھی نہ روانہ کی۔ فقط والسلام!

آپ اس کا جواب دیں کہ آپ کی طبیعت کیسی ہے اور اگر ممکن ہو تو وہ ایک روز کے لئے آپ یہاں ہو جائیں آمد و رفت کا خرچ یہاں سے دیا جائے گا۔

مہدی (محسن الملک)

(۶)

مولوی بشیر الدین

مخدوم مکرم بندہ مولوی بشیر الدین صاحب!

کل انوار احمد صاحب آئے اور مسودات روئیداد کانفرنس کے جو نوٹ لکھنے والوں نے تحریر کئے تھے اپنے ہمراہ لائے جیسا کہ آپ کو خود معلوم ہے اب کی مرتبہ نوٹ لکھنے والوں نے ہوشیاری اور مستعدی سے کام نہیں کیا۔ پہلے بھی ان کے نوٹ ایسے ہی ہوں گے مگر آپ نے وہ بار ایک دفتر کا دفتر اپنے قلم سے لکھا تھا اس لئے وہ اچھے معلوم ہوتے تھے۔ بہرحال ان نوٹوں اور مسودوں سے اسپیچوں اور تقریروں کا درست کرنا روح القدس کا کام ہے۔ سوائے بشیر الدین کے کسی اور بشر سے تو ہو نہیں سکتا میں اب کی مرتبہ عمداً دلی کی کانفرنس سے ایسا شکستہ دل ہو گیا ہوں کہ رپورٹ شائع کرنے کو بھی دل نہیں چاہتا۔ نہایت ناکامیابی

لفظ پر تاریخ روح نہیں انقلب ہے یہ فروری ۱۹۰۲ء کا ہے۔

اور اس کا سبب صرف بد انتظامی اور فضول خرچی ہے۔ اب کی مرتبہ ایسے رنج اور شکایت کے خط میرے نام آئے ہیں کہ ا
شرم کے جواب بھی نہیں دے سکا۔ دل نہیں چاہتا اور نہ جرأت ہوتی ہے کہ کانفرنس کے لئے روپیہ مانگا جائے یا بخشش
جاویں۔ غضب خدا کا سعدیہ[1] صرف ہوا اور نتیجہ سوائے شکایت اور ملامت کے کچھ حاصل نہ ہوا۔ آج آپ کا خط آیا اس
اور نیز غوار احمد کی زبانی آپ کی پریشانی اور تکلیف کی کیفیت معلوم ہو کر نہایت رنج ہوا اور جو خطوط میں نے لکھے تھے ا
لکھتے یہ نہایت افسوس اور شرمندگی ہوئی۔ مجھے اگر یہ کیفیت معلوم ہوتی تو ہرگز کوئی ایسی بات نہ لکھتا جس سے آپ کو رنج ہ
ہوتا۔ میں نے صرف جلد کام ہونے کی غرض سے بے تکلف آپ کو وہ باتیں لکھی تھیں جن سے آپ کو غصہ آتا اور میرا یہ خیال تھا
میں اگر آپ جلد رپورٹ لکھ کر بھیج دیتے اور سب کام چھوڑ دیتے مگر مجھ کو یہ کیا معلوم تھا کہ وہاں حالت ہی دوسری ہے اور آ
بیماریوں اور پریشانیوں میں مبتلا ہیں۔ میں نہایت افسوس کرتا ہوں اور جو رنج آپ کو پہنچا اس کی معافی چاہتا ہوں۔ آپ کی
اور سب جس قدر میرے دل میں ہے وہ میرا ہی دل جانتا ہے۔ چھڑ چھاڑ دوسری چیز ہے مگر کوئی ایسی بات جس سے آپ کو ر
کرنا نہایت رنج دہ ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ اس رنج کو جو میرے خطوں سے پہنچا معاف کریں گے۔

مدراس کی رپورٹ کی نسبت میرا وہی خیال ہے جو پہلے تھا۔ ہرگز کسی قسم کی تبدیلی میری رائے میں نہیں ہوئی۔ جو
اس رپورٹ پر آپ نے کی اور جس خوبی سے آپ نے اس کو لکھا اس کی تعریف عارضی نہ تھی بلکہ اصلی تھی۔ انوار احمد صاحب
شاید میری بات سمجھے نہیں۔ میں نے ان سے یہ کہا تھا کہ دلی کی کانفرنس کی رپورٹ میں تقریریں طول طویل لکھنا فضول اور بے
اور اسپیچوں کے طول دینے میں کچھ حاصل نہیں۔ یہ میں نے کیا غلط کہا کہ اسپیچیں آپ نے لی ہیں۔ میں نے خود اپنی اسپیچوں
دیکھا کہ جو کچھ میں نے کہا تھا مگر مطلب وہی تھا مگر آپ نے اس کی نظم و ترتیب ایسی خوبی سے کی کہ مجھے اس کے دیکھنے سے
خوشی ہوئی۔ مگر کہیں اتنا وقت آپ ان اسپیچوں کے مرتب کرنے میں ضائع کریں جس میں کوئی خاص خوبی اور خاص بات نہ
رہا روپیہ کا زیادہ خرچ ہونا اس کا حال یہ ہے کہ . . . . . کانفرنس کا خرچ ادا کرنا اب تک باقی ہے۔ صوفی عباس
تقاضا جاری ہے اور ضمیر خرچ کے نہ ہونے سے اب تک چھپا نہیں۔ روپیہ معمولی کام کے لئے بھی نہیں مختلف سبسکرپشن جا
ہوتے ہیں ان کے لئے روپیہ مانگا جاتا ہے۔ یہاں کیسہ خالی ہے، روپیہ کہاں سے دیا جائے؟ ایسی حالت میں رپورٹ کا
اگر زیادہ ہوا اور وہ بھی دس ماہ کے بعد شائع ہوئی تو اس سے کیا حاصل؟ اس میں کوئی بات ایسی نہ تھی جس سے آپ ناراض
ہوتے۔ ہاں جس طرز سے آپ کو میرا بیان نقل کیا گیا اس سے رنج پہنچنا ممکن تھا۔ آپ کے اس فقرہ سے کہ خوب العاش
نے آپ کو دیا اور حقیقت مجھے شرمندگی ہوئی۔ بلا نسبہ بعض فقرات سے میرے خطوں کے آپ نے ایسا خیال کیا ہوگا
بشیر الدین یقین جانو کہ وہ باتیں صرف تمہاری طبیعت کو مشتعل کرنے اور جلد کام کرنے کے لئے تھیں، نہ کہ دل سے۔

یہ امر مجھے نہایت ناگوار ہوا کہ آپ بوجہ آزادی طبیعت کے علی گڈھ نہیں آتے۔ یہاں کون سی آزادی آپ سے
چھینی جاتی ہے اور کیا آپ کو اپنی مرضی کے خلاف کام کرنا پڑتا ہے۔ آپ کسی کے نوکر نہیں، آپ کسی کے ذلیل نہیں
کسی کے ممنونِ احسان نہیں پھر کیا وجہ ہے کہ آپ آزاد نہ رہیں اور یہاں کے آنے کو آزادی کے خلاف سمجھیں؟ اور میرا کہ

---

[1] یہ رقم صحیح نہیں معلوم نہیں ہوتی۔　　[2] یہ حصہ کٹا ہوا ہے۔

اور میرا آپ پر زور دینا وہ صرف دوستی کے سبب ہے۔ آپ میرے ساتھ دوستانہ برتاؤ کرتے ہیں، مہربانی سے پیش آتے ہیں، میرا کہنا سنتے ہیں اس لئے مجھے بھی جرأت ہوتی ہے کہ آپ سے وہ باتیں کہوں جو دوسروں سے نہیں کہہ سکتا۔ شکایت مالوف شرط آشنائی۔ اگر یہ خیال میرے دل میں نہ ہوتا تو کسی بے تکلفی کی حالت میں بھی ایک لفظ زبان سے ایسا نہ نکالتا جو سوائے خاص دوستوں کے دوسروں سے نہیں کہا جا سکتا۔

کانفرنس کا کام آپ نے اپنی مہربانی سے لیا۔ مجھے خوب یاد ہے کہ اس میں آپ کو کچھ مالی فائدہ نہیں ہوا بلکہ نقصان پہنچا۔ اگر آپ کو یہ خیال ہے کہ میں نے آپ کو معاوضہ کے خیال سے تاکیدی خطوط لکھے تو اس کا مجھے افسوس ہے۔ میرے تو وہم و گمان میں ایسی ناپاک بات نہ تھی اور نہ ہے۔ چونکہ آپ خود جانتے ہیں کہ رپورٹ کے شائع ہونے میں تاخیر ہونے سے اس کا لطف جاتا رہتا ہے اور سب سے بڑھ کر آپ اس تاخیر کے شاکی رہتے تھے اس لئے میں نے آپ پر تاکید کی اور اسی حالت میں بعض الفاظ قلم سے ایسے نکل گئے جن سے آپ کو رنج ہوا۔ رہا دہلی میں تکلیف پہنچنا اس کے اکیلے آپ ہی شاکی نہیں ہیں بلکہ کہ کوئی کانفرنس کا ممبر ہوگا جس کو تکلیف نہ پہنچی ہو۔ میں ڈھائی مہینے برابر بیمار رہا اور میرے گھر کے لوگ علاوہ تک اس تکلیف سے جو ان کو دلی میں پہنچی فارغ نہیں ہوئے۔ ایسا منحوس دن تھا جب دہلی میں کانفرنس کرنے کی تجویز قرار پائی تھی سوائے نقصان اور تکلیف اور شکایت کے کچھ حاصل نہ ہوا اور جو نقصان بدانتظامی اور فضول خرچی کی وجہ سے پہنچا اس کی تلافی برسوں میں بھی نہیں ہو سکی۔ آپ تو درحقیقت وہاں نہ تھے، رہ گئے تھے اور اسی کا سبب ہے کہ اب تک بیمار چلے جاتے ہیں۔

طاعون نے جو اس مصیبت کو دوبالا کر دیا وہ بھی ہماری ہی بدقسمتی ہے۔ مجھے یہ سن کر کہ آپ کے مکان کی آب و ہوا خراب ہو گئی تھی اور طاعون کے سبب سے کام بند ہو گیا تھا یہاں تک کہ اخبار بھی جاری نہ ہو سکا، نہایت افسوس ہے اور مجھے کس قدر رنج کہ ان باتوں کی لاعلمی کی وجہ سے میں نے آپ کو اور پریشان کیا جس کی میں معافی چاہتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ آپ ضرور معاف کریں گے۔

رپورٹ موجودہ مسودات سے اگر کوئی لکھ سکتا ہے تو صرف آپ لکھ سکتے ہیں۔ اگر آپ کی طبیعت اس قدر بحال ہو کہ آپ ایک ماہ میں اس رپورٹ کو لکھ دیں تو میں آپ کے پاس سب کاغذات واپس کر دوں ورنہ میں خود روداد بطور خلاصہ کے لکھ کر شائع کر دوں گا اور جو اصلی آبزرویشنیں اور تقریریں ملیں گی وہ درج کر دوں گا۔ باقی اسپیچوں کا نہایت مختصر خلاصہ لکھ دوں گا۔

مجھے آپ کے اس خیال سے کہ جو خرچ آپ نے کیا وہ آپ اپنے اوپر جرمانہ سمجھیں گے اور کانفرنس سے نہ لیں گے نہایت رنج ہوا۔ غالباً اس کا مطلب یہ ہے کہ میں آپ کو اپنا دوست نہ سمجھوں اور آئندہ مثل غیروں کے آپ سے بھی برتاؤ کروں اور آخری فقرہ سے آپ کے خط کے مجھے نہایت رنج ہوا اور آپ اپنے قصور کی معافی چاہتے ہیں یہ لکھ کر کہ میں نے اپنے اوپر جرمانہ کرتا ہوں، اس لئے میں آپ کا قصور معاف نہیں کرتا۔ والسلام!

مہدی،
(محسن الملک)
۱۷ اپریل ۱۹۰۳ء

(۷)

بنام مولوی بشیر الدین

مکرمی مولوی بشیر الدین صاحب!

یہ مہینہ بھی ختم ہوا اور مسودہ روئیداد کا نہ آیا۔ کل کانفرنس کی میٹنگ تھی مگر میں نے رپورٹ کا ذکر نہ کیا نے دانستہ مگر درحقیقت لوگوں کو بہت ناامیدی ہوئی اور میں دیکھتا ہوں کہ آپ کی مالت نہایت افسوس کے قابل ہے اس دفعہ کے البشیر کی جھلاؤ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی حالت نہایت نازک اور نہایت واجب الرحم ہے۔ چونکہ آپ مجھ سے زیادہ اس تاخیر پر افسوس کر رہے ہیں، اس لئے اس باب میں کچھ آپ کو لکھنا تکلیف دینا ہے۔

بہت بار ہوتا ہے کہ آپ نے اپنے اعمال کی آپ کیفیت تیار نہ کی اور آپ یہاں سے کر خود نہ آئے تو یہ سال بھی خالی جائے گا اور آپ کے اعمال کے لئے تباہ نہ ہو۔ ہے کہ کسی راہ پر اس کی مالی حالت درست کی جائے۔ فقط!

محسن الملک علی گڑھ، ۲ مئی ۱۹۰۰ء

---

(۸)

بنام مولوی بشیر الدین

مکرمی مولوی بشیر الدین صاحب!

آپ نے جنرل اسٹینڈنگ کمیٹی کانفرنس میں کمیٹی کے روبرو کہا تھا کہ کانفرنس کی رپورٹ آخر جولائی تک آجاوے گی۔ نصف مہینہ اگست کا بھی گذرا مگر رپورٹ کا پتہ نہ ہے۔ اب صاف معلوم ہوتا ہے کہ نہ آپ کو اپنے وعدہ کا، نہ آپ کو کانفرنس کا، نہ میری عزت کا، نہ اپنی ذلت کا کچھ خیال ہے۔ خدا جانے آپ رپورٹ میں کیا طول طویل لکھ رہے ہیں جو ختم ہی نہیں ہوتی کانفرنس کو مولوی عبدالاحد نے اول اور آخر کو آپ نے تباہ کر دیا۔ میرا تو منہ نہیں پڑتا کہ کسی کو کانفرنس میں شریک ہونے کے لئے لکھوں یا چندہ ممبری مانگوں۔

اب اگر رپورٹ بھی ہوئی تو کب چھپے گی اور کب تقسیم ہوگی؟ آخر کیا ہوگا؟ لوگ مجھ پر لعنت کریں گے اور اب کی مرتبہ کانفرنس میں آثار روپیہ بھی ملے گا کہ معمولی خرچ سال بھر کا چل سکے۔ اس رپورٹ کے سبب سے آپ نے انوار احمد کو بھی روک لیا کہ وہ کالج اور میموریل فنڈ کا کچھ کام کرتے اور آپ نے اخبار میں بھی معذرت تاخیر رپورٹ کی نہ چھاپی۔ اس اخبار میں اگر آپ نے بصراحت اس کے متعلق مضمون نہ لکھا اور معذرت نہ کی تو میں آئندہ سوسائٹی کے اخبار میں اپنی طرف سے اپنی روسیاہی اور ذلت کا عذر چھاپنے پر مجبور ہوں گا۔

محسن الملک ۱۰ اگست ۱۹۰۰ء

---

(۹)

مولوی بشیر الدین

مخدومی مولوی بشیر الدین صاحب!

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں اور کیونکر آپ کے ساتھ کام کروں۔ ایک بڑی عادت آپ میں یہ ہو گئی ہے کہ آپ خطوں کا جواب نہیں دیتے۔ اگر درمیان میں جواب بھی دے دیا کرو تو اس قدر تو معلوم ہو کہ تم زندہ ہو اور مرے نہیں۔ میں نے ۴ کو تین خط لکھے مگر ایک کا بھی جواب نہیں آیا۔ تمام دنیا میں پارسال کی طرح پھر میری ذلت اور رسوائی ہوگی کہ وقت پر کام نہ ہوا۔ آپ نے نہ اس وقت تک رزولیوشن بھیجے نہ چندہ کی فہرست اور میں اس وقت تک ان سب کمیٹیوں کے ممبروں کو کچھ اطلاع نہیں دے سکا جو مختلف کاموں کے لئے مقرر ہوئے ہیں۔ آج کا اخبار بھی پہنچا اس میں بھی سب کچھ ہے سوائے کانفرنس کے۔ نہ اس کی کچھ کیفیت ہے نہ رزولیوشن۔ اگر ہے تو پریسیڈنٹ کو سختی کے ساتھ بُرا بھلا کہا گیا ہے۔ یہ طریقہ یعنی جس سختی سے آپ تحریر کرتے ہیں مجھ کو تو پسند نہیں ہے۔ آپ ہی اس کو شاید پسند کرتے ہوں۔ رائے ظاہر کرنے کے لئے ضروری نہیں ہے کہ سختی سے کام لیا جائے۔ بلکہ خوبی اسی میں ہے کہ اپنا مطلب نرم لفظوں میں ظاہر کیا جائے اور انسانیت اور اخلاق کا پورا پورا لحاظ رکھا جائے لیکن مجھ کو اس سے کچھ مطلب نہیں، نہ میں آپ کا ناصح ہوں نہ آپ کسی کی سننے والے ہیں۔ ہاں مجھے افسوس اس بات کا ہے کہ آپ مجھے بہت تکلیف دیتے ہیں اور وقت پر میرے خطوں کا نہ جواب دیتے ہیں نہ کام کرتے ہیں آپ رزولیوشن اور فہرست چندہ کی بھیج دیجئے یا جواب دیجئے ورنہ میں کوئی دوسرا انتظام کروں گا۔ مجھ کو پارسال کے سے آثار نظر آتے ہیں کہ باتوں میں دن گذر جاویں گے اور رپورٹ وقت پر تیار نہ ہوگی لیکن میں آپ سے صاف کہے دیتا ہوں کہ میں اب اس کو برداشت نہیں کر سکتا۔ اگر آپ رپورٹ نہ لکھ سکیں تو جن لوگوں نے نوٹ لکھے ہیں ان کو میرے پاس بھیج دیجئے تاکہ میں خود اپنا سر ماروں اور آپ کو آئندہ تکلیف نہ دوں۔

یہ کیا طریقہ آپ نے اختیار کیا ہے کہ اوّل آپ اخبار میں شائع کر کے کالج کو بدنام اور فضیحت کر دیتے ہیں پھر مجھے توجہ دلاتے ہیں۔ کالج کے طالب علموں پر مشن کا کیا اجلاس ہوا اور کیا ہوا جس پر آپ میری توجہ چاہتے ہیں اور درصورت نہ توجہ ہونے کے آپ بذریعہ اخبار کالج کی فضیحت کرنے پر آمادہ ہیں۔ مجھے اس وقت تک کچھ معلوم نہیں کہ کیا ہوا۔ ہمارے اخبار میں لکھنے کے اوّل مجھے تو اطلاع دی ہوتی۔ یہ کوئی دوستی نہیں ہے نہ کالج کی خیر خواہی کہ آپ ایسی باتیں کریں جس سے مسلمانوں کو کالج کے خلاف جوش پیدا ہو اخبار میں لکھ دیں اور مجھ کو خبر تک نہ کریں اور پھر بھی گول گول لکھیں جس سے یہ بھی نہ معلوم ہو کہ کیا آفت آئی۔ کیا قیامت بپا ہوئی۔ خیر اگر اسی کا نام آزادی اور خیر خواہی ہے تو یہ آپ کو مبارک رہے اور جو آپ کا دل چاہے کریں۔ انوار احمد اور علی محمد کہاں ہیں۔

محسن الملک ۱۵ جنوری ۱۹۰۰ء

بنام نواب سید علی حسن　　(۱۰)

جناب من!

والا نامہ مورخہ ۱۸ اگست پہنچا۔ ممنون فرمایا۔ یہ تجویز آپ کی نہایت مناسب ہے کہ ہز آنر[1] کے نام سے وظیفہ موسوم کیا جائے مگر ہز آنر کو اس وقت اطلاع دی جاوے گی جبکہ اس کا سرمایہ مستقل کالج میں جمع ہو جاوے گا۔

اس لئے کہ جو وظیفہ ہز آنر کے نام پر ہو وہ دوامی ہو اور دوامی کا اعلان کالج اسی وقت کر سکتا ہے جبکہ مستقل سرمایہ اس کے سپرد کر دیا جائے اور یہ قاعدہ کی بات ہے آپ بھی خود اس کو پہلے سے سمجھتے ہوں گے۔ والسلام!

محسن الملک

از آنریری سیکرٹریز آفس ایم۔ اے۔ او کالج ۲۲ اگست ۱۹۰۵ء

بنام نواب سید علی حسن　　(۱۱)

بعالی خدمت جناب مخدوم بندہ صفی اللہ دولہ حسام الملک نواب علی حسن خاں صاحب زاد الطافکم!

تسلیم! میں عربی تعلیم کے متعلق نقل چٹھی کی جو گورنمنٹ کی طرف سے آئی تھی بذریعہ عریضہ مورخہ ۲۰ مارچ کے آپ کی خدمت میں بھیج چکا ہوں۔ اس کے بعد میں ہز آنر سے بمقام لکھنؤ ملا۔ ہز آنر نے زبانی ارشاد فرمایا کہ جن لوگوں نے عربی کے وظیفہ کے لئے چندہ دینے کا وعدہ کر لیا ہے جب تک وہ بقدر اس آمدنی کے فنڈ جمع نہ کر دیں اور کالج کے ہاتھ میں اس کی آمدنی نہ آجائے یا کالج پورے طور پر اس آمدنی کے دوامی ہونے پر اطمینان نہ کر لے ہم گورنمنٹ آف انڈیا کی خدمت میں دوبارہ عربی کی اسکیم کی منظوری اور عربی کے پروفیسر کی تنخواہ دینے کے لئے سفارش نہیں کر سکتے۔ اگر چندہ کا وعدہ کرنے والے اس کا انتظام نہ کر دیں گے تو ان کا وعدہ سالانہ چندہ دینے کا قابل اطمینان نہ سمجھا جائے گا نہ ان کا چندہ دوامی خیال کیا جائے گا نہ گورنمنٹ اس پر بھروسا کرے گی اور نہ اس کی بنا پر گورنمنٹ آف انڈیا اس اسکیم کو منظور کرے گی۔

چونکہ ہز آنر اخیر جولائی میں علی گڈھ تشریف لانے والے ہیں اور اس وقت حضور محمد وح قطعی فیصلہ اس کا فرمائیں گے اس لئے آپ ۲۵ جولائی ۱۹۰۵ء[2] تک اپنے موعودہ چندہ کی آمدنی کے بقدر یا روپیہ نقد بھیج دیں یا کالج میں بقدر اس آمدنی کے کمرے بنوانے کا خرچ بھیج دیں یا کوئی دوسرا ایسا انتظام کر دیں جس سے آپ کے موعود وظیفہ کی آمدنی کالج کے ہاتھ میں آجائے یا اس پر ایسا یا نہایت اطمینان ہو کہ وہ وظیفہ مستقل اور دوامی سمجھا جائے۔

چونکہ یہ معاملہ گورنمنٹ آف انڈیا تک باضابطہ جا چکا ہے اور ہز آنر نے خود اپنے جواب میں جو ڈسٹیول کے اڈریس کا ۲۰ جولائی سنہ گذشتہ کو دیا تھا آپ کا نام نامی اور موعود چندہ بحر بفرما کر مشتہر کر دیا ہے اس لئے اگر اس چندہ کے دوامی ہونے کے لئے آپ نے فنڈ کا انتظام نہ کر دیا اور آپ کا نام نامی فہرست میں چندہ کی قائم نہ رہا تو یہ امر آپ کی شان اور درجہ سے بعید ہوگا اور پبلک پر بھی اس کا اثر اچھا نہ پڑے گا اور یہ تو یقینی بات ہے کہ عربی کی مجوزہ اسکیم ہمیشہ کے لئے خارج اور نامنظور ہو جائے گی۔

---

[1] یعنی لوئی کا لفٹیننٹ گورنر　　[2] جولائی ۱۹۰۴ء

۹

یہ آخری عریضہ ہے جو آپ کی خدمت میں اس معاملہ کے متعلق لکھا جاتا ہے۔ براہ مہربانی اس کا جواب بذریعہ رجسٹری شدہ خط کے بھیج دیجئے۔ تاکہ ہز آنر کے روبرو جبکہ جناب ممدوح آخیر جولائی میں یہاں تشریف لائیں گے پیش کر دیا جائے۔ کیونکہ ہز آنر جب یہاں تشریف لائیں گے اس معاملہ کو قطعی فیصل فرمائیں گے اور یہ آپ یقین کر لیں کہ سالانہ چندہ دینے کے وعدہ کو بغیر اس کے فنڈ کا انتظام کیا جائے ہز آنر مثل انکار کے بھیجیں گے۔ فقط!

محسن الملک علی گڈھ ۲۹ مئی ۱۹۰۵ء

مولوی نظام الدین حسن

(۱۲)

جناب مخدوم و مکرم بندہ مولوی نظام الدین حسن صاحب!

تسلیم۔ مصطفےٰ حسین کے خط سے معلوم ہوا کہ بمبھ پالی میں ان کو کامیابی ہوئی اور کانفرنس کے لئے چندہ بھی ملا اور امید ہے کہ ہز ہائنس علیجناب بیگم صاحبہ بھی مدد کریں گی اور آپ کے واپس آنے پر اس کا اعلان ہونے والا تھا۔ چونکہ اب آپ تشریف لے آئے ہیں اس لئے میں یہ عریضہ لکھتا ہوں کہ آپ براہ مہربانی حضور عالیہ سے ایک معقول رقم دلوایئے اور چونکہ آپ ہمیشہ خود مدد کیا کرتے ہیں اور آپ ہی کی مہربانی سے ہز ہائنس نے بارہ سو روپیہ تعلیم نسواں کے لئے مقرر کر دیا ہے اس لئے مجھے آپ کو تکلیف دینے کی ضرورت نہ تھی۔ مگر مجھے کانفرنس کی حالت نے اس قدر لکھنے پر مجبور کیا ہے۔ کانفرنس بالفعل قرضدار ہے اور بمبئی اور لکھنؤ کی لوکل کمیٹیوں نے کچھ روپیہ نہیں دیا اور اب کی جو ایجنٹ کانفرنس کے لئے بھیجے گئے تھے ان کو بھی کچھ نہیں ملا۔ میں بمبئی اور مدراس سے کانفرنس کے لئے کچھ چندہ جمع کرنے کی غرض سے علی گڈھ سے نکلا تھا مگر یہاں آکر بیمار ہو گیا اور ہنوز بھی ایسا سخت کہ کچھ کام نہیں کر سکتا۔ دو ہفتہ سے کمرہ سے باہر نہیں نکلا۔ جب چلنا پھرنا نہ ہو تو چندہ کیونکر مل سکتا ہے اس لئے خاص ضرورت ہے کہ کہیں سے کوئی بڑی رقم کانفرنس کے لئے ملے۔ مجھے آپ سے بہت امید ہے اور پورا یقین ہے کہ آپ کی خدا ساز کوشش سے ہز ہائنس معقول رقم عطا فرمائیں گی خصوصاً شادی کی مبارک تقریب پر۔ میں آپ کو ہرگز تکلیف نہ دیتا اگر کسی اور طرح پر کام نکلنا معلوم ہوتا۔

جو لوگ کے ڈیوٹی ڈپوٹیشن میں بنگلور گئے تھے ان کو بہت اچھی کامیابی ہوئی۔ چار ہزار روپیہ کا عام چندہ ہوا اور دو ہزار روپیہ گورنمنٹ میسور نے دیئے۔ کم سے کم اتنا تو آپ ہم کو اپنے یہاں سے دلوایئے۔

محسن الملک

بمبئی ۱۲ ستمبر ۱۹۰۵ء

پشت پر تحریر ہے:

شامل مثل مدرسۃ العلوم علی گڈھ　　نظام الدین

غلام عباس

بنام نواب افسرالدولہ بہادر

(۱۳)　آنریبل سیکریٹری آفس ایم۔اے۔او کالج
۴ر جولائی علی گڈھ (غالباً ۱۹۰۶ء)　ربڑ اسٹامپ سے چھپا ہے

جناب مخدومی و مکرمی بندہ نواب افسرالدولہ بہادر!

تسلیم۔ تعلیم نسواں کا ٹاپک ہمیشہ وہاں آتا ہے اگرچہ وہاں عموماً ایسے معاملات میں دلچسپی نہیں ہے مگر آپ کو اس ضروری اور معزز کام میں خاص توجہ ہے اس لئے آپ کے کہنے سے پر بہ لوگ آنے ہیں مجھے امید ہے کہ آپ کی مہربانی اور کوشش سے ڈیپوٹیشن وہاں سے خوردم برآئے گا اور آپ سے پوری امید ہے کہ جہاں تک آپ سے ہوگا آپ امداد سے دریغ نہ فرمائیں گے ہماری قوم کو نواب ایسے کاموں سے نہ دلچسپی ہے نہ اوس پر توجہ بلکہ نفرت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور ایسی قومی خدمت کرنے والوں کو بھیک مانگنے والوں سے بھی بدتر سمجھتے ہیں لیکن خال خال مثل آپ کے ایسے روشن خیال مسلمان بھی ہر جگہ ہیں جو ایسے کاموں کی قدر کرتے ہیں اور ایسے قومی خدمت کرنے والوں کو عزت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور ان کی مدد کرتے ہیں۔ مجھے زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے

کہ خواجہ خود روشِ بندہ پروری داند

جناب نواب صاحب! جب میں دوسری قوموں کی حالت دیکھتا ہوں اور ان کی کوشش اور محنت اور ایسے کاموں پر نظر کرتا ہوں تو اپنی قوم کی حالت پر نہایت رنج ہوتا ہے اور اکثر یہ خیال آتا ہے کہ جس قوم پر خدا کا غضب ہوا اور جو روز بروز گنتی ہر اس کے لئے کوشش کرنا محض بے سود ہے۔ دل چاہتا ہے کہ جس خبط میں گرفتار ہوں اسے چھوڑ دوں اور غم خواری قوم کو معمول اپنے اوپر کیوں حرام آنے دوں مگر عادت سے مجبور ہوں اس لئے کچھ نہ کچھ کرتا رہتا ہوں مگر افسوس ہے کہ نہ مدد ملتی ہے نہ قوم کو ذرا توجہ ہوتی ہے۔ بہرحال السعی منی والاتمام من اللہ۔ کچھ ہو جائے اور اس بے جسم میں قوم کے لئے کچھ جان آجائے۔ آمین

محسن الملک[1]

---

(۱۴)

بنام مولوی بشیرالدین

۱۴ر جولائی ۱۹۰۶ء بمبئی۔ واٹس اینکس

مکرمی بشیرالدین صاحب،

آپ کا خط آیا جو کچھ آپ نے لکھا ہے اس کا ایک ایک لفظ صحیح ہے اور میں اس کی دل سے تصدیق کرتا ہوں۔ میری طرف سے انہی الفاظ کو آپ کی نسبت لکھنا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ آپ بھی اس کی تصدیق کریں گے کہ مجھے بھی آپ سے محبت ہے جیسی کہ آپ کو مجھ سے۔ باقی رہی جھڑکیاں اور غصے کی باتیں یہ تو روزمرہ کی ہیں جو آپ کے لئے مخصوص ہیں۔

---

[1] یہ خط کسی دوسرے شخص سے لکھوایا گیا ہے۔ محسن الملک نے اس پر صرف دستخط کئے ہیں۔ اس پر شروع میں تاریخ ہے مگر سنہ نہیں ہے۔ اسی کے ساتھ ایک انگریزی خط آفتاب احمد خان کا تھا جس پر ۱۹۰۶ء درج ہے اس لئے اسے بھی ۴ر جولائی ۱۹۰۶ء کا سمجھا ہے۔
(تلمین کاظمی)

آپ کو جو کامیابی انٹرنس کے امتحان میں ہوئی اس پر میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں[1]۔ یہ نتیجہ آپ کے اس حال کا ہے اور خدا نے چاہا تو روز بروز اس میں ترقی ہوگی۔ آپ ابھی ضرور آئیے، یہ تو میں نہیں کہہ سکتا کہ آپ کو کیا ملے گا مگر میں کوشش ضرور کروں گا اور کچھ نہ کچھ مل جائے گا۔ اب تک جس طرح پر توکل پر کام ہوتے ہیں ویسے ہی یہ کام بھی کیجئے۔ آپ کی ملاقات کو خود دل چاہتا ہے اس لئے کہ یہاں تنہا پڑے پڑے طبیعت گھبرا گئی ہے۔ آپ کے یہاں آنے سے کچھ دن لطف سے گذر جائیں گے۔

محسن الملک

---

(۱۵)

جناب مخدوم و مکرم بندہ!

دو تین روز سے میں یہاں آیا ہوا ہوں اور متعلق ریفارم مجوزہ کے گورنمنٹ کے خاص خاص حاکموں سے گفتگو ہوئی ہے منشاء گورنمنٹ کا یہ ہے کہ جو تجویزیں اوس نے پیش کی ہیں اون پر کامل بحث اور کافی غور کیا جائے اور پبلک اپنی رائے آزادی کے ساتھ دے اور اس میں جو اصلاحیں معلوم ہوں اون کو پیش کرے۔ تاکہ بعد آجانے پر تمام رایوں کے گورنمنٹ اوس پر غور کر کے قطعی فیصلہ کرے۔ مسلمانوں کے لئے نہایت نازک اور کام کرنے کا وقت ہے اور اون کو چاہیئے کہ گورنمنٹ کی منشاء کے موافق اوس کی تجویزوں کی نسبت اپنی رائے صاف صاف دیں اور متفق ہو کر متفقہ یادداشت پیش کریں۔ آل انڈیا مسلم لیگ کے ذریعہ سے اس کام کا ہونا مناسب ہے اور جس طرح پر ڈیپوٹیشن کے وقت سب ہندوستان کے معزز مسلمانوں نے مل کر کام کیا تھا ویسا ہی اب ریفارم کے متعلق مل کر کام کرنا چاہیئے۔ کسی کسی خیال سے اختلاف کرنا اور اپنی طرف سے علیحدہ علیحدہ کارروائی کرنا مناسب نہ ہوگا۔ اس لئے میں آپ کی توجہ اس طرف چاہتا ہوں کہ جو تجویزیں نواب وقار الملک بہادر سیکریٹری مسلم لیگ کی طرف سے آپ کے پاس پہنچیں اون پر آپ غور کریں اور ایک جلسے میں اپنی تجویزیں بطور یادداشت کے تحریر کر کے ان کے پاس بھیج دیں۔ تاکہ بعد آجانے تمام رایوں کے پھر ایک یادداشت مرتب کی جائے اور کراچی میں جسکا کانفرنس کا اجلاس ہوگا اوسی دنوں میں کوئی ایک دن اس کے تصفیہ کے لئے مقرر کیا جاوے اور جو آخری یادداشت گورنمنٹ میں بھیجنی قرار پاوے وہ وہاں مرتب کر لی جاوے۔ اس کام میں اگر ذرا غفلت یا تاخیر کی گئی یا کسی غلط خیال سے اختلاف کیا گیا اور مل کر کارروائی نہ کی گئی تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ ایسا نقصان مسلمانوں کو پہنچے گا کہ جس کی تلافی نہ ہو سکے گی۔

دوسرا امر لائق گذارش یہ ہے کہ یہاں آکر مجھے معلوم ہوا کہ بجائے اس کے کہ ایک بڑی مجلس کر کے شکریہ کا تار وائسرائے کے حضور میں بھیجا جاوے۔ مناسب یہ ہے کہ مختلف مقامات میں جلسے کئے جائیں اور مختلف انجمنوں کے ذریعے سے علیحدہ علیحدہ شکریہ کے تار وائسرائے کے حضور بھیجے جائیں۔ اس کا اثر بھی اچھا ہوگا اور پبلک اور گورنمنٹ کو مسلمانوں کی دلچسپی لینے کا یقین ہوگا۔ اس لئے میں آپ سے چاہتا ہوں کہ آپ اس کا انتظام کریں اور نواب وقار الملک بہادر سیکریٹری آل انڈیا مسلم لیگ اس کے متعلق آپ کو لکھیں گے۔ اس کام میں غفلت نہ کرنی چاہیئے۔ ایک مسودہ تار کا جو تحریر کیا گیا ہے

---

[1] یہ بظاہر سکول کے طلبہ کی کامیابی کی طرف اشارہ ہے۔

آپ کے ملاحظہ کے لئے بھیجتا ہوں۔ جناب شکریہ کا آپ کی طرف سے بھیجا جائے اس میں بہ تبدیل الفاظ اگر ایسا ہی مضمون ہو تو مناسب ہوگا۔

آپ نہ صرف اپنی انجمن کی طرف سے ہی تار بھجوائیے بلکہ دیگر انجمنوں کی طرف سے بھی جن کو آپ جانتے ہوں۔ اگرچہ بلکسر کے راہ سے آنا تھا مگر رات کا وقت تھا اس لئے آپ کو اطلاع نہیں دی اور آپ کو آنے کی زحمت سے بچایا۔ میری طبیعت مکدر ہے شاید یہاں کی ہوا کچھ فائدہ دے[1]۔ فقط!

محسن الملک

---

(۱۹)

مخدوم و مکرم بندہ!

بعد سلام بیشمار کے التماس ہے کہ ڈاکٹر سید سراج الحسن کے متعلق میں آپ کو لکھ چکا ہوں کہ کرنل بارنے بہت عمدہ چٹھی لکھ بھیجی ہے غالباً اب تک آپ کو اوس کی کیفیت معلوم ہو گئی ہوگی۔ بالفعل دو دورہ پر ہیں جب آپ اون کے بلانے کی ضرورت سمجھیں مجھے اطلاع دیں۔

مجھے بمعض دوستانہ نیہ صلاح دی ہے کہ کالج کی مدد کے لئے حضور عالیہ ہر ہائنس بیگم صاحبہ سے درخواست کی جائے کہ وہ ڈیپوٹیشن آنے کی اور کالج کے حالات سننے کی اجازت دیں اور کچھ مدد فرمائیں۔ اگر ہر ہائنس اجازت دیں تو میں خود اس ڈیپوٹیشن میں شریک ہوں مگر میں بغیر آپ کی صلاح کے ایسی ہمت نہیں کر سکتا اس لئے میں آپ سے پرائیویٹ طور پر پوچھتا ہوں کہ ایسی درخواست کرنا مناسب ہے یا نہیں۔ اس وقت کالج کی طرف ہز ایکسیلنسی لارڈ کرزن اور تمام حکام کی نہایت توجہ ہے۔ اگر حضور عالیہ اپنے قومی کالج پر توجہ کریں تو نہایت ناموری ہوگی اور حضور عالیہ کی عالی دماغی کا ثبوت ہوگا۔

آپ سے بہتر کوئی شخص جان سکتا ہے کہ اس سے کیسے آئندہ فائدے حاصل ہو سکتے ہیں۔ قوم میں ناموری اور شہرت اور پبلک کے دلوں میں کسی محبت اور عزت انہی باتوں سے پیدا ہوتی ہے اور گورنمنٹ پر جو ایسی باتوں سے اثر پڑتا ہے وہ بھی آپ سے پوشیدہ نہیں۔ بالفعل اگر زیادہ از سد عطا کرنے کا موقع نہ ہو تو عربی کی تعلیم کے لئے سالانہ مدد حضور عالیہ اچھی طرح فرما سکتی ہیں۔ ہمارا کالج اگرچہ مسلمانی کالج ہے مگر افسوس ہے کہ عربی کی تعلیم اچھی نہیں ہوتی۔ اس کے لئے نہایت اعلیٰ درجہ کے عالم درکار ہیں اور پڑھنے والوں کے لئے وظیفے دینے کی ضرورت ہے۔ اس صیغہ کے لئے کچھ ٹاپ چلانے کے لئے بالفعل ساڑھے سات سو روپیہ سالانہ درکار ہیں اگر اس میں کا نصف حصہ یا جس قدر مناسب ہو حضور عالیہ عطا فرمائیں تو اون کے نام سے عربی ڈیپارٹمنٹ قائم ہو سکتا ہے۔ بہرحال میں اس وقت خانگی طور پر آپ سے دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ ڈیپوٹیشن کے آنے کی درخواست کی جائے یا نہیں۔ آپ خانگی طور پر اس کا جواب دیں[2]۔

محسن الملک۔ علی گڑھ۔

---

[1] اس مکتوب میں جن اصلاحات کا ذکر ہے وہ منٹو مارلے کی اصلاحات تھیں جو اس زمانے میں حکومت کے زیر غور تھیں۔ ڈیپوٹیشن سے مراد وہ ڈیپوٹیشن ہے جو سر آغا خاں کی سرکردگی میں لارڈ منٹو کے پاس پیش ہوا تھا اور اس نے دوسرے معاملات کے علاوہ مسلمانوں کے لئے جداگانہ انتخاب کا مطالبہ کیا تھا۔

[2] یقینی طور پر معلوم نہ ہو سکا کہ خط کس کے نام ہے لیکن ظاہر ہے کہ حضور عالیہ سے علیا حضرت بیگم صاحبہ بھوپال مراد ہیں۔ اغلب ہے یہ خط نواب سید علی حسن خان (صفی الدولہ حسام الملک) کو لکھا گیا ہو۔

(۱۷)

مکرمی بشیر الدین صاحب!

آپ نے کانفرنس گزٹ میں مناسب شکایت اسکول سیکشن کی کی ہے اور اسٹینڈنگ کمیٹی کو خوب ڈرایا ہے مگر مجھ سے نہ آپ نے زبانی اس کی نسبت کچھ کہا نہ کسی کو کہا اب تک معلوم نہیں کیا معاملہ ہے اور کیا شکایت ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ ہم سے خود گلہ کیا جاوے اور کمیٹی کو اطلاع نہ دی جائے اور آئندہ کے لئے ڈرایا جائے۔ کانفرنس گزٹ اب کیوں جاری ہے۔ یکم اگست سے تو سنٹرل اسٹینڈنگ کمیٹی نے آپ کے سامنے اس کے موقوف کرنے کا فیصلہ کر دیا۔ افسوس کہ اس وقت کسی کے پاس اتنا روپیہ نہیں ہے کہ آئندہ تنخواہیں عملہ کی دی جا سکیں۔ دہلی کی کانفرنس نے اوّل ۱۸۸۷ء آپ کی تاخیر نے فوراً اس کے بارے میں۔ ۱۸۸۸ء نقصان پہنچایا بلکہ کہنا چاہئے کہ کانفرنس کا خاتمہ کر دیا۔ یہاں سے خبر آئی ہے کہ وہاں اب کے کوئی ایک بھی کانفرنس کی جگہ پر راضی نہیں ہوتا اور پانچ روپے دینا نہیں چاہتا۔ فقط!

مہدی (محسن الملک)

(۱۸)

مخدوم بندہ!

اب کے میرٹھ میں کسی کا خط بھی نہیں آیا نہ تار یہاں تک کہ ۱۸۸۸ء صاحب کا بھی نہیں۔ ذہین جی صاحب نے تو شاید کمال احتیاط کی وجہ سے خط لکھنا ہی چھوڑ دیا۔ خدا کرے کہ وہ زیادہ محتاط نہ ہو جاویں۔

آپ تو تاروں کا جواب اس قدر دیر سے دیتے ہیں اور ایسا مجمل کہ طبیعت کو کوفت ہوتی ہے۔ کیا اب وہاں دوبارہ ۱۸۸۸ء صاحب سے مشورہ کر کے جواب دیتے ہیں یا تار دیر کر کے پہنچتا ہے یا کیا بات ہے کہ اتنی دیر ہوتی ہے اور جواب بھی تسلی بخش نہیں ہوتا۔ پرسوں جو تار دیا ہے اس کے جواب کا انتظار ہے۔ اگر آپ نے تمام تفصیلات پر مطلع ہونے کے بعد رائے اور حکم دینے کو زیادہ مناسب جانا تو کام کا ہونا زیادہ مشکل ہے مگر غالباً اب میرے اخیر کے تار پر ضرور قطعی حکم بھجوا دیں گے۔

یہاں کے کام اب بند ہو گئے ہیں۔ لوگ باہر چلے۔ اکتوبر نومبر تک کچھ کام نہ ہوگا اگر آپ کا جواب خاطر خواہ آگیا تو شاید نہیدی انتظام کچھ ہو جاوے ورنہ اس کی بھی امید نہیں اور میں ۲۰ اکتوبر کے بعد رہنا نہیں چاہتا اس لئے کہ سردی میں میرا مزاج ضرور بگڑ جائے گا اس لئے اگر کام ختم نہ ہوا اور رہنا پڑا تو مناسب ہوگا کہ اب بھی واپس آنے کی اجازت دیں اور مہدی حسن کو رہنے کے لئے لکھ بھیجیں۔ اس لئے کہ نومبر سے پہلے کام شروع نہ ہوگا اور تمام موسم سرما میں یہاں رہنا پڑے گا اور یہ تو ظاہر ہے کہ مجھ سے اس کی برداشت نہ ہو سکے گی۔ انتخابات میں شملہ کا حال دیکھ کر مناسب خوشی ہوئی۔ خدا کا ہزار ہزار شکر ادا کرنا چاہئے کہ اس نے کامیاب کیا اور سرکار خیر معونت اور نیک نامی کے ساتھ واپس آئے ہم غریبوں نے بھی کچھ انتظام کیا ہے اس کے بھی کچھ نتیجے ظاہر ہوں گے۔

مہدی (محسن الملک)

۱۸۸۸ء ایسا آدھا لفظ پڑھا نہیں گیا۔ ۱۸۸۸ء ظاہر ہے کہ خط ولایت سے لکھا گیا۔ ۱۸۸۸ء نام درج نہیں لیکن صاحب بعد ازاں سر فریدون الملک بن گئے تھے۔ ۱۸۸۸ء نام درج نہیں ۱۸۸۸ء سرکار سے بظاہر اشارہ حضور نظام کی طرف ہے

بنام منشی منصب علی خان

(۱۹)

جناب مخدومی و مکرمی منشی منصب علی صاحب!

تسلیم: شدم تے کہ گفت پستو باتو روئداد　　اے بے نصیب گوئم و اے بے نوا لبم

میں نے جو عریضہ آپ کی خدمت میں بھیجا تھا اوس کے جواب سے اب تک محروم ہوں۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ آپ کی علالت زیادہ ہوگئی مگر جو لوگ بھوپال سے آئے اون کی باتوں سے یہ خیال تو جاتا رہا اس لئے کہ مجھے معلوم ہوا کہ آپ کی بیماری ہلکی ہے اور جو عمدہ خیالات آپ کے لئے اون میں کچھ فرق [۲] نہیں آیا۔ مجھے افسوس ہے کہ ظفر عمر سے وہ امید پوری نہ ہوئی جو اوس اور آپ کے ساتھ مخلصانہ تعلقات رکھنے کے لئے جو کچھ میں نے نصیحتیں اون کو کی تھیں، میں نے اون کو ہمیشہ حائی ہوا میں لکھا اور اب زبانی بھی بہت کچھ کہا ہے۔ اگر نوجوانی اور ناتجربہ کاری کی وجہ سے کچھ غلطیاں اون سے ہوئی ہوں تو آپ سلا کیجئے اور پھر اون کو ایک موقع آپ کے ساتھ سورہ بنانا کرنے کا دیجئے۔ مگر آپ یقین کیجئے کہ میں بھوپال میں صرف آپ ہی ہوں اور ہمیشہ آپ ہی کو ایسا دوست اور مددگار سمجھتا رہوں گا اور میں خدا کا شکر کرتا ہوں کہ آپ کے خیالات بھی میری نسبت ہیں۔ یہ تو آپ جانتے ہیں کہ مجھے کوئی ذاتی غرض نہیں ہے البتہ کالج کے لئے ہمیشہ تکلیف دینے کی ضرورت رہی ہے اور رہے گی اور اوس کے لئے سب سے بڑی امید آپ سے ہے اور الحمد للہ کہ آپ ویسی ہی اب تک مدد دے رہے ہیں اب تک دیتے رہے ہیں

میں دو خط اپنل بطور کے آپ کی خدمت میں بھیجتا ہوں اون کے دیکھنے سے آپ کو موجودہ ضرورت کی خبر ہوگی۔ یہ موقع آپ کے خاص مدد کرنے کا ہے۔ اب تک جو توجہ ہز ہائنس[۱] نے کالج کی نسبت ظاہر فرمائی ہے اوس کا نتیجہ یہ ہو سکتا ہے۔ مگر اس وقت تک کوئی سالانہ گرانٹ خاص کالج کے لئے ریاست سے مقرر نہیں ہوئی۔ اگرچہ سررو پیہ ماہانہ اس کے لئے جروی حالی سے وہ بھی علی گڑھ ہی کے مقاصد کے لئے ہے۔ اگر اس وقت ہائنس کی تعلیم کے لئے ریاست سے ماہانہ گرانٹ مقرر ہو جائے تو عزت [۳] رہ جائے ورنہ یادگار کا قائم ہونا مشکل ہے اور اگر مدد نہ ملنے کی وجہ سے نہ ہوئی تو پھر ایسا موقع ہاتھ نہ آئے گا اور ہمیشہ کے لئے شرم اور ذلت نصیب ہوگی۔

اگر آپ مناسب سمجھیں اور ہز ہائنس پسند فرمائیں تو میں خود حاضر ہونے کے لئے آمادہ ہوں۔

چونکہ وقت بہت کم ہے براہ عنایت اس عریضے کا جواب جلد عنایت فرمائیے[۲]۔

محسن الملک

---

[۱] ہز ہائنس سے اشارہ علیا حضرت بیگم صاحبہ بھوپال کی طرف ہے۔

[۲] یہ مکتوب ڈاکٹر مختار الدین احمد کا عطیہ ہے۔

(۲۰)

مولوی بشیر الدین

مکرمی مولوی بشیر الدین صاحب!

آج آپ کا خط آیا۔ اگر یہی کیفیت پہلے لکھ بھیجتے تو نہ مجھے انتظار کی تکلیف سہنی پڑتی نہ کوبری تحریروں سے رنج ہوتا بہرحال آئندہ آپ جواب دے دیا کریں اور جو کیفیت ہو وہ لکھ بھیجا کریں۔

متعلق رپورٹ کے آپ ایک مضمون انڈیپنڈنٹ کانفرنس گزٹ میں چھاپ دیجئے اور جو معذرت کرنی ہو وہ معذرت کیجئے تاکہ لوگوں کو ناحق کا سبب تو معلوم ہو جائے۔ علاوہ ازیں پنجاب کے اکثر مسلمان بہت شاکی ہیں ان کی شکایت دور نہ ہو مگر کسی قدر کم تو ہو جائے۔

رپورٹ کا مسودہ جس قدر تیار ہوتا جائے اس کو آپ میرے پاس بھیجتے جائیں۔ فقط والسلام!

محسن الملک از جون

(۲۱)

مولوی بشیر الدین

مکرمی مولوی بشیر الدین صاحب!

تم سوئے ہو یا جاگتے۔ زندہ ہو یا دنیا سے چل بسے۔ تمہاری طرف سے کوئی صدا سننے میں نہیں آتی اور کانفرنس کے متعلق تمہاری کوشش کی کوئی نشانی معلوم نہیں ہوتی۔ اب تک کانفرنس کے لئے کہیں سے دعوت نہیں آئی۔ کیا تم کانپور میں امسال کانفرنس قائم کرنے کے لئے کچھ کوشش نہیں کر سکتے؟ ذرا ہمت کرو۔ کانپور جاؤ وہاں کے لوگوں سے ملو اور اگر ممکن ہو تو امسال وہاں کانفرنس قائم کرنے کا بندوبست کرو۔ اخوان الصفا کے بعض ممبر گو غریب ہیں مگر ایسے کام کے لئے سنا ہے معلوم ہوتے ہیں۔

اگر وہاں سے ناامیدی ہو تو ہمارا تم کہا کرتے ہو الہ آباد میں تجویز کرو اگر میرے نزدیک الہ آباد اس کے لائق نہیں ہے۔ خود الہ آباد میں جو ہے تم مسلمان ایسے ہیں جو ممبری کا چندہ بھی دے سکیں لیکن ہندوؤں سے کچھ ملنے کی امید ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہاں کانفرنس کے لئے سنسناتی اسکول جوان دنوں خالی ہو گیا مل گئے۔ غالباً ہنڈا سٹر صاحب اس کام کیلئے مدرسہ کی اجازت دے دیں اور ایسی حالت میں جلسہ بیٹھنے کسی ہال بنانے اور خرچ کرنے کی ضرورت نہ ہوگی اور مہمانوں کیلئے میں اپنی کوٹھی خالی کر دوں گا اور کچھ خیمہ کرایہ پر کانپور سے منگوا لئے جائیں گے مگر ممبر کہاں سے آئیں گے۔ الہ آباد اور اس کے گرد و نواح کے اضلاع ایسے نہیں ہیں کہ جہاں سے چندہ دینے والے ممبروں کے آنے کی امید ہو اور نیز سواری اور مکانوں کی بھی مشکل ہوگی اور وہاں کوئی ایسی چیز بھی نہیں ہے جس کا شوق لوگوں کو وہاں آنے پر آمادہ کرے مگر چونکہ آپ کا تذکرہ سے یہ خیال تھا اس لئے میں نے اسے بھی ظاہر کر دیا۔ آپ یہ خط جناب صاحبزادہ روح اللہ خاں صاحب کو دکھلا دیجئے اور جو رائے قرار پائے اس سے اطلاع دیجئے۔

میرے دوست محمد حسین صاحب ضلعدار کا ایک خط میرے نام عبدالصمد صاحب طالب علم کے متعلق آیا تھا مجھے افسوس ہے کہ جواب بھیجنے میں دیر ہوئی۔ سے روپیہ میں بھی چندہ میں بھیج دوں گا۔ آپ ان کو مطلع فرما دیجئے۔ فقط!

محسن الملک بمبئی ۶ ستمبر

بنام مولوی بشیرالدین

(۲۲)

مکرمی بشیرالدین صاحب

دو دن کے لئے آپ صبر کر جاؤ اور اپنے دل کا غصہ مجھ پر دل کھول کر نکال جاؤ مگر میرا حال بھی کچھ سن لو۔ با
رام پور کا نفرنس میں چند امور ضروری کے لئے صلاح لینے کے واسطے بلاتا ہوں۔ انشاء اللہ آپ یہاں سے ناخوش نہ جائیں

اے ما را بما بخش! بیگانہ مشو بیگانہ ما
رحمے کہ سوی ما شتاب بیدار گر گوش کمی فسانہ ما

محسن الملک۔ علی گڈھ ۸ دسمبر

بنام مولوی بشیرالدین

(۲۳)

مکرمی!

میں انتظار کرتے کرتے آخر لیٹا روانہ ہوا اور آپ نے رپورٹ نہ بھیجی۔ ابتدا میں ظاہرین اور بیماری وغیرہ کا
ہوں کہ اخیر کو سوائے بے فوجی اور بے پروائی کے یا کثرت اشغال کے، دوسرا کوئی عذر ہماری رپورٹ کے لئے نہ
میرا منہ کالا ہو گیا۔ اوّل وقتی کانفرنس کی وجہ سے دوسرے آپ کی وجہ سے۔ آٹھ ماہ تک سارے کاموں
رپورٹ کا تیار نہ ہونا ایک ایسا امر ہے کہ اس کے لئے بیک کوئی عذر نہ سنے گی۔ آپ کو یہ بھی خیال نہ ہوا
یعنی سنٹرل کمیٹی کے روبرو آپ کہہ گئے کہ جولائی کے اخیر تک ضرور رپورٹ بھیج دوں گا اور آپ نے اپنے ا
تک نہ رکھا۔ علاوہ اس کے آپ نے اپنے اخبار میں باوجود میری متواتر تاکیدوں کے کوئی معذرت بھی نہ چھاپی۔
ہو کر عاجز ہو کر میں نے ایک مختصر مضمون علی گڈھ گزٹ میں دے دیا ہے اور اپنی ندامت اور ذلت کا اعتراف
ہے کہ یہ کام آپ کے سپرد تھا آپ اس کی وجہ پبلک کو بتا دیں گے۔ میں کل صبح لپٹا جاتا ہوں اور غالباً ۱۵ اکتو
نہ ہوں گا۔ اس وقت تک رپورٹ نہ دیکھ سکتا ہوں اور نہ درست کر سکتا ہوں۔ پھر دسمبر قریب ہو جاوے گا۔ د
دسمبر تک چھپ سکے اس لئے غالباً کانفرنس دہلی کی رپورٹ نہ چھپ سکے گی نہ شائع ہو سکے گی۔ چونکہ آپ مجھ سے
اور ان باتوں کے خیال کرنے والے ہیں آپ سے کیا شکایت کروں۔ مگر آخر یہ بات ثابت ہو گی کہ ہم اور آپ
ہم پر خدا کا قہر ہے اور ہم اس کے مستوجب ہیں۔ مگر درحقیقت مجھ کو سخت رنج اور افسوس ہے اور مارے شرمندگ
ایک شخص کو بھی نہ خط لکھا نہ ممبر ہونے کی درخواست کی۔ آخر شرم بھی کوئی چیز ہے۔ میں کس منہ سے اب لوگوں سے
کروں اور کس طرح اپنی روسیاہی دور کروں۔ اپنی مہربانی سے افضار احمد کو بھی آپ نے روک لیا اور جو کچھ
نہ کہنے دیا۔

محسن الملک

نواب وقار الملک

یہ نواب وقار الملک مرحوم و مغفور کے مکاتیب کا مجموعہ ہے جن میں سے کاتب کے نام کی مگر بعض مقامات پر نام اور خطاب دونوں درج ہیں بعض میں صرف نام لکھنے پر اکتفا کیا ہے یعنی مشتاق حسین۔ پہلی عرضداشت فارسی میں ہے اور بعد کے تمام مکاتیب اردو میں ہیں۔ جو فقرے یا الفاظ ضروری تھے، وہ ہر مکتوب کے ساتھ حواشی میں درج کر دی گئی ہیں اور مکاتیب مکتوب الیہم کے اعتبار سے نہیں بلکہ زمانی کے لحاظ سے یکے بعد دیگرے ہیں)

---

(۱)

بخدمت مہر آسمان جاہ مدار المہام

بعرض عالی میرساند

از ارشاد عالی مطلع و مشرف نمودم و حسب الایما بسر و چشم متل کار ذاتی و خانگی تعمیل خواہد شد انشاء اللہ العزیز۔

چند کاغذات قابل اطلاع سرکار بودہ اند وقتے کہ ارشاد شود حاضر شود۔ ایں کاغذات ضروری نبودہ اند کہ ہر روز دیگر کار ہائے ضروری کوتاہی نمایند بعد از ملاحظہ سرکار اطمینان حاصل و تصفیہ ہم خواہد شد۔

دو ہمیں کاغذات روبکار سے بودہ است کہ از محکمہ سرکار رو دادہ شد: است و دو آں الزام دروغ بیانی بر محکمہ مدار المہام عدالت عائد کردہ اند گویا مرا دروغ گو گفتہ اند۔ ایں روبکار موہن لازم می کند کہ از ہیں قسم معتمدی استعفا پیش کنم۔ لاکن چونکہ بر حقیقت اسلام ایمان دارم و بر نبض دارم ہمچناں بریں امر ہم باطمینان تمام یقین می دارم کہ با مسودہ ایں روبکار از نظر انور نہ گذشتہ است یا سرکار بروقت و مستعد بر مطالب نمی رسد آں توجہ نمودہ اند و از اخلاق حمیدہ سرکار کہ یک جہان معترف و گرویدہ آں است ہرگز یقین نمی شود کہ سرکار یکے را بر حامیت و معتمدی ہم دارند و باز ایں قسم شبہات ہم بہ نسبت آں فرمایند لہذا بجرأت عرض می کنم و معافی آں می خواہم کہ من ایں روبکار را نہ انداختہ بازیچۂ اطفال و رسل تو حسب مندرجہ امر و بہیچ پروائے آں نکردہ ام مگر ہمیں قدر کہ بہ سرکار اطلاع نمایم و بس زیادہ حد ادب

عرضے

فدوی مشتاق حسین

معروضہ ہفتم رمضان ۱۲۹۳ھ (۱۵ ستمبر ۱۸۷۶ء)

بنام مولوی حسین عطا اللہ خاں (۲)

جناب قبلہ و کعبہ

آپ نے سرکار نے ارشاد فرمایا ہے کہ نواب ناظر جنگ بہادر کے زمانۂ عہدہ گاری کو ترالی بلدہ کتنے مخزونہ کی مشک کی جاوے۔ والتسلیم۔

خاکسار

وقار الملک ۱۲ ربیع الاول ۱۳۰۹ھ

بنام سرسید احمد خاں (۳)

جناب قبلہ و کعبہ ام سلامت

تسلیم! آپ کا ارشاد تو مزید حکم کے ہے جس کے بعد سلوت کے سوا اس قسم کے معاملات میں کچھ چارہ وجہ ارشاد ہوئی ہیں اون کی نسبت اس قدر عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں کہ ممبروں میں سے بھی بہت سے ہمدرد وہ سن چکے شاید دو ممبر ٹرسٹیوں کی نکالنے کے کیس اور جن ہمراہیوں غیر ممبروں نے غلط رپورٹ بھیجی ہے ان کو تو مطبوعہ رپورٹ کے متعلق ہے کا اور سب سے بڑی بات اور ہے کہ پائونیر اخبار انگریز پڑھنے والوں کے لئے تو اور وہ مطبوعہ رپورٹ اور اس طرح ہمارا پہنچنا لوگوں کا خیال اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ کسی سرخوف مسلمان نے اس بات کی بھی کانفرنس کو چاہیئے کہ وہ اپنے موجودہ مسلمان ماسٹروں کے ذریعے سے مذہبی تعلیم بھی کرا دے۔

مگر میں اوپر عرض کر چکا کہ اگر آپ کی رائے سوسٹی کے اختیار میں جو اردو مانگریزی دونوں کا اختیار ہے تو مجھے اوس پر کوئی اصرار نہیں ہے لیکن اس حالت میں اسے آپ کو آزاد رکھوں گا کہ اگر کوئی موقع مجھے ملے تو میں اپنے او ٹھانے کی کوئی مناسب کارروائی کر سکوں اور اوسی کے ساتھ وہ دوسری اصلاح بھی ہو گی۔ گو کہ یہ میں قطعی طور پر تو نہیں مگر شاید کبھی کروں۔ والتسلیم [۲]

خاکسار

مشتاق حسین۔ امروہہ ۱۵ رمارچ

بنام نواب سید علی حسن صاحب (۴)

جناب نواب صاحب بمعنی عن الالقاب نواب صفی العدل حسام الملک مولوی سید علی حسن خان

تسلیم! اس عریضہ کے ساتھ میں ایک مطبوعہ خط مرسومہ ٹرسٹیاں مدرسۃ العلوم مسلمانان علیگڈھ ہوئی گذ۔ معروف کرتا ہوں اس سے جناب عالی کو معلوم ہوگا کہ کمیٹی ٹرسٹیاں مدرسۃ العلوم میں قانون ٹرسٹیاں کی ترمیم کا مسئلہ مقرر ہوئی ہے جس کے سیکرٹری ہونے کی عزت احقر کو بخشی گئی ہے سلیکٹ کمیٹی نے یہ بھی تجویز کی ہے کہ ان ریگا میں مدراسی جاوے جو کے ٹرسٹی ہونے سے گو اعلیٰ ٹرسٹیز کمیٹی کو عزت حاصل نہیں ہوتی ہے لیکن جن کی وجہ ہمیشہ اس

---

[۱] یہ چٹھی نواب وقار الملک کی لکھی ہے جہاں دونوں متعدد تھے۔ مراسلت مراد الملک مروقت میں نواب ناظر جنگ افسر الملک کے بیٹے تھے کو لکھی گئی ہے جو معتمد گار معتمد تھے۔ (اصل محفوظ در ذخیرۂ تنکیس کاظمی)

[۲] اس خط کی نقل ڈاکٹر مختار الدین احمد نے ذخیرۂ امین زبیدی لٹن لائبریری سے بھیجی ہے۔ نواب وقار الملک نے کانفرنس کے اجلاس ۱۸۹۶ء

...صوصاً مسلمانوں کے تعلیمی مسئلہ کی طرف مبذول رہی ہے جیسے کہ جناب والا کی ذات ستودہ صفات ... ... میں نے ایک نسخہ موجودہ
...دہ فاضلہ ٹرسٹیاں کالج کا جناب عالی کی خدمت میں ارسال کیا ہے اور امید ہے کہ جناب عالی اپنا کچھ قیمتی وقت اس قومی کام میں بھی
...ف فرما کر ٹرسٹیوں کو بلکہ قوم کو ممنون فرماویں گے۔ کوئی نیا مسودہ ابھی کسی ٹرسٹی کی طرف سے پیش نہیں ہوا ہے بلکہ تجویز ہے کہ موجودہ مجموعہ کو
ملاحظہ کرنے کے بعد بزرگان اہل الرائے جہاں جہاں ترمیم و توسیع کی ضرورت سمجھیں گے اس کی یادداشت سلیکٹ کمیٹی میں پیش ہو
...ے اور انہیں یادداشتوں وغیرہ کے لحاظ سے نیا مسودہ مرتب ہو۔ پس امید ہے کہ جناب بھی مہربانی فرما کر اپنی یادداشت لطف فرمائیں گے
...اگست تک اس یادداشت کا آجانا کافی ہوگا اور اگر اس سے قبل ہی لطف فرمائی جاسکے تو امید بھی موجب مسرت ہے۔
آخیر میں اس تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں اور امید ہے کہ اس عریضۂ فانون کی رسید سے بھی عزت بخشی جائے گی۔ والتسلیم
خاکسار مشتاق حسین از امروہہ ۱۶ر جولائی ۱۸۹۹ء

---

(۵)

سید محمود صاحب

جناب نواب صاحب مخدومی و مخلصی نواب حسام الملک بہادر سلامت

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ! مجھ کو اگرچہ جناب سے شرف قدمبوسی حاصل نہیں ہوا۔ لیکن ذکر جمیل اکثر افضال گستر رہا ہوں
اور حسن اتفاق جناب مولوی حافظ سید احمد رضا خان صاحب سے بہت کچھ جناب کے متعلق سنا ہے اور شکر کیا ہے کہ قوم میں ابھی ایسے
افراد موجود ہیں۔ میں گذشتہ چند مہینہ میں علیل تھا اور اس لئے جن کاغذات کو مجھے دو مہینہ پہلے پڑھنا اور دیکھنا چاہئے تھا ان کی نوبت
اب آئی ہے اور آج شام ابھی میں نے جناب کا مضمون عرب کی تصنیفات اور یورپ کی قیاضی پر گذشتہ مئی کے معارف میں پڑھا ہے
دیکھ کر جناب نے اس مضمون میں علیگڈھ کی کوششوں کے متعلق ظاہر فرمایا ہے میں اسے ذاتی تجربہ کی بنیاد پر جو وہاں زیادہ عرصہ تک
رہنے کی حالت میں مجھ کو حاصل ہوا ہے بہ عرض کر سکتا ہوں کہ وہ بالکل صحیح ہے اور اس کی وجہ صرف یہی کہ مذہبی تعلیم کی نسبت
جو کچھ وہاں سے بعد انکلی تھی وہ محض برائے سبب تھی۔ فی نفسہ کبھی یہ ارادہ نہیں کیا گیا تھا کہ طلبا اپنی دنیاوی تعلیم کی نرالی سے ساتھ مذہبی تعلیم
بھی پیچھے طریقہ سے حاصل کریں اور اسلامی اخلاق ان میں پیدا ہوں لیکن خیر وہ زمانہ گذر گیا ہے اور اب دیکھنا ہے کہ ساحبان حل و عقد زمانہ
موجودہ و آئندہ اس میں کیا تغیر پیدا کرتے ہیں۔ اس وقت تک تو اب بھی وہاں جو کچھ کہا گیا ہے اور کہا جا رہا ہے وہ صرف چند الفاظ سے
اور کچھ زیادہ نہیں ہے۔ وقل اللہ تحدث بعد ذالک امرا۔

معارف کے اس مضمون میں جو کچھ کہ حضرت نے تحریر فرمایا ہے اس میں جان سخن یہ ہے کہ قوم اور علماء میں پھر مریب کا تعلق قائم
ہو اور جہاں تک میں سمجھتا ہوں یہ مطلب فی زمانہ ندوۃ العلماء کے گروہ سے حاصل ہو سکتا ہے۔ تھوڑا عرصہ ہوا جب مکہ ندوہ کے ناظم صاحب
اور نائب ناظم صاحب اور چند مشاہیر علماء ندوہ نے مہربانی سے امروہہ کو اپنی تشریف آوری سے عزت بخشی تھی اس وقت میں نے ان حضرات
سے دریافت کیا تھا کہ آیا بھوپال میں بھی ندوہ کی طرف سے کوئی تحریک ہوئی ہے تو اس کے جواب سے میں اسی نتیجہ نکال سکا کہ
کوئی موثر تحریک نہیں ہوئی اور اب جناب کے ان تازہ اظہار خیالات کے لحاظ سے میرے نزدیک مناسب ہے کہ آئندہ جلسہ ندوہ
کا بھوپال میں ہو۔ بشرطیکہ اولاً جناب اور نواب مدار المہام صاحب بالقابہ اس کو پسند فرمائیں اور پھر حضور عالیہ متعالیہ دامت سلطنتہا اس کو
منظور فرمائیں اور جس وقت کہ یہ ارادہ ہو اور منظوری ہو جائے تب جلسہ کے زمانہ اور اوقات کا تصفیہ خود جناب اور نواب مدار المہام صاحب

کی مرضی اور اصحاب پر منحصر ہوگا اور حضرات ندوہ یقیناً کمال تشکر و امتنان سے اس کو قبول کریں گے اور پھر اس امر
کا بندوبست بھوپال میں وہ پہلا جلسہ ہوگا جس کی نسبت یہ صحیح طور پر کہا جاسکے گا کہ ندوہ اب تک ایک جسم تھا اور اب
ڈھال رہا ہے، وہ اس جسم بے جان میں جان کا پڑنا ان کمیٹیوں کو پھر درست اور مسلسل کر دے گا جس کے مکرر ہونے کی
سلسلہ علماء قوم کے ساتھ صرف برائے نام باقی رہ گیا ہے اور حضور عالیہ دامت اقبالہا اسی زمانہ میں ندوہ کی
ہوا منظور فرمائیں جو گویا نام ہندوستان کے مسلمانوں کی اور قوم کی ترقی کسی ہوگی اور ملحاظ ان کی نظر اور عطوفت
مراسم اور نوازشات کے جو حضور معدوحہ کی رات و با برکت کے ساتھ مختص ہیں، ندوہ کے پیٹرن کا عہدہ حضور معدوحہ
سونپا بھی جاوے گا۔

حضور ملکہ معظمہ قیصر ہند کے زمانہ فرماں روائی ہندوستان میں حضور عالیہ متعالیہ ہی اس کی مستحق ہیں کہ
مسلمانان ہند کی مادر مشفقہ و معظمہ تسلیم کی جاویں۔ حضرت کے نام نامی کے ساتھ ڈائریکٹری تعلیمات کا انضمام و یکجا
عہدہ کو افتخار حاصل ہو سکتا ہے۔ یہی آج کی ڈاک سے چند کاغذات اردو انگریزی جناب کے ملاحظہ کی غرض سے
جو میں نے چار سال کی متواتر کوشش میں اپنے صوبجات متحدہ ممالک مغربی و شمالی و اودھ کے واسطے حاصل کی
سے اب یہ بات خود اہل ملک کے ذہن میں آگئی ہے کہ وہ انگریزی سرکاری مدارس میں دینیات کی تعلیم کا انتظام
نہ سمجھیں تو پھر ان کو خدا سمجھے۔

ندوہ کے جلسۂ بھوپال کی نسبت ایک احتیاطی کارروائی ہے جس کا ذکر میں نے اوپر پیش کیا تھا
متعلق بھی عرض کر دینا کافی ہے کہ اگر　　مدار المہام اس کو پسند فرمائیں تو قبل اس کے کہ اس پسندیدگی کی
صاحب ریذیڈنٹ گورنر جنرل سے کسی ملاقات کے موقع پر اس کا صرف زبانی تذکرہ کفایت کرے گا اور ایجنٹ
میرے ہی خیالات کا اظہار ہے حضرات ندوہ پر میں بھی اس کے بعد ہی پیش کر لوں گا۔ والسلام۔

نواب مشتاق حسین از مرادآباد۔ ۲۷ جولائی ۹۹ء

بنام مولوی محمد بشیر الدین صاحب　　(۶)

عزیز القدر محمد بشیر الدین صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! محبت نامہ نے مسرور کیا۔ آپ کی فرمائش اخبار دل میں مضامین
ہے۔ پہلے بھی آپ نے لکھا اور فی الحقیقت قطع نظر دیگر امور کے تمہارا اخبار یوں بھی میرا ہی اخبار ہے اور
اس میں میں کچھ لکھتا ہوتا لیکن طبیعت کچھ ایسی بجھی بجھی ہو گئی ہے کہ بہت ہی کم کچھ لکھنے کو جی چاہتا ہے
لکھنے کے لئے جو قابلیت درکار ہے وہ بھی میں اپنے میں نہیں دیکھتا۔ یہ دوسری بات ہے کہ اپنا کوئی درد دل
ہی لیتا ہے اسی طرح اگر کوئی موقع پیش آیا اور میں کچھ البشیر کے لئے کسی وقت لکھ سکا تو وہ خود میری مسرت کا باعث

---

[1] نواب سید علی حسن (صفی الدولہ حسام الملک) نواب صدیق حسن خاں کے فرزند اصغر تھے۔ مدت تک محکمہ تعلیمات کے صدر
اقامت اختیار کر لی تھی۔ وہیں وفات پائی۔

علی گڈھ میں سیکرٹری کو مدد دینے کی کیفیت یہ ہے کہ نواب محسن الملک بہادر وہ شخص ہیں جو ایسے ایسے دس کاموں کا کام کر سکتے ہیں شریکہ کام کی طرح اس کو کریں نہ کہ پالیسی کی طرح اور جو کچھ وہ کر رہے ہیں وہ پالیسی ہے نہ کہ کام۔ پریسیڈنٹ، آنریری سیکرٹری اسسٹنٹ سیکرٹری سب ملا کر ایک پورا عملہ موجود ہے اور پھر بھی کام کی پکار مچی ہوئی ہے اور لوگ مدد کے لئے تلاش کئے جاتے ہیں تو آخر اس کی کوئی وجہ بھی ہے اور جو وجہ ہے وہ صاف ظاہر ہے کہ یہ تمام تقررات سوائے ایک رجسٹرار کے کام کرنے کی غرض سے ہوئے ہی نہیں میں مخالف تھا کہ سید محمود کی پریسیڈنسی سے بہت ہرج ہوگا لیکن پالیسی اسی کی مقتضی ہوئی۔ خود نواب محسن الملک بہادر نے اپنے تقرر کے وقت یہ بھی جتا نہیں کیا کہ پتا مار کر کام بھی کرنا پڑے گا انہوں نے کام کے لئے ایک رجسٹرار کو مقرر کر لیا اور سب بوجھ ان پر چھوڑ دیا جس کو اکثر نے بہت افسوس کے ساتھ دیکھا۔ اسسٹنٹ سیکرٹری کا عہدہ سید محمد احمد کے ہاتھ میں کس قدر بے معنی عہدہ ہو رہا ہے۔ صاحب زادہ آفتاب احمد خاں کو اسسٹنٹ سیکرٹری بنانے کی تجویز پیش ہوئی اس وقت بھی مخرک اور امیدوار عہدہ دونوں میں سے ہر ایک بخوبی جانتا تھا کہ آفتاب احمد خاں کو اپنی بیرسٹری کا کام بیش ہے بجز بالائی بالائی باتوں کے وہ کبھی کام کے اندر گھس کر کام انجام نہ دیں گے مگر پالیسی کی مقتضی تھی تو جہاں پالیسی کی گرم بازاری ہوگی وہاں کام کا بھی ستیاناس ہوگا غضب خدا کا جس شخص نے ایک ریاست کی فنانس سیکرٹری کا عہدہ انجام دیا ہو وہ اور آج کل کالج کا بجٹ نہ بنا سکے (حیران کے لئے دو دن سے زائد کا کام نہیں تھا) اور بالو صاحب پیکر و رتی کے بجٹ بنا دیں تو بجٹ سنے اور نہیں تو نہیں۔ میری رائے یہ ہے اور پھر میں نے با۔ ہا نواب محسن الملک کو لکھا بھی ہے کہ ان باتوں سے تو پیسا نہ بجے گی ایک تنخواہ دار اسسٹنٹ سیکرٹری مقرر کرو جس کی تنخواہ اڑھائی سو تین سو روپیہ ہو تب کام چلے گا اور مجھ کو یقین ہے کہ اس تقرر کی گنجائش وہ بجٹ میں سے نکال سکیں گے اور جب وہ رجسٹراری کو کالج اسٹاف کے ہاتھ میں سے لے کر اس کی جگہ ایک اسسٹنٹ سیکرٹری تنخواہ دار مقرر کرنا چاہیں گے تمام ٹرسٹی اس کو شکر گزاری کے ساتھ قبول کریں گے اور کالج اسٹاف کا کام تعلیم دینے کا باقی رہے گا۔ میں تو رجسٹراری کا کالج اسٹاف کے ہاتھ میں ہونا حد درجہ ناپسند کرتا ہوں مگر محض محسن الملک کو پالیسی مجبور کر رہی ہے الیاتہ اری کی بات یہ ہے کہ اگر میں سمجھوں کہ مجھ سے کام نہ ہو سکے گا تو مجھ کو وہ کام اختیار ہی نہ کرنا چاہئے۔

اب مجھ سے کہا جاتا ہے کہ میں تمام سیاہ و سفید کا مالک ہو کر کام میں ہاتھ ڈالوں جس کے بعد پھر شاید وہ کالج اسٹاف سے رجسٹراری کا لے لینا پسند کریں گے یا نہ کریں گے لیکن چونکہ میں سمجھتا ہوں کہ میں ان پالیسیوں کی بھول بھلیاں میں مبتلا ہو کر کوئی کام بھی خوشی کے ساتھ نہ کر سکوں گا لہٰذا میں نے بہتیرا اس سے معافی چاہی ہے اور معافی چاہوں گا۔

اور میں نے صاف صاف اپنے کام نہ کرنے کے وجوہ نواب محسن الملک بہادر کو لکھ کر بھیج دئے ہیں اور اگر مجھ کو یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ مبادا ایسے پرائیویٹ خطوں میں نواب محسن الملک بہادر ان وجوہ کا اظہار پسند کریں گے یا نہیں تو میں صاف صاف وہ وجوہ تم کو لکھ دیتا البتہ ایک عذر ان میں ایسا بھی ہے جس کو میں اس خط میں بھی ظاہر کر سکتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ کھلے ہوئے ووٹ کے ذریعہ سے میں اپنے لئے کسی بادشاہت کو بھی پسند نہ کروں گا۔ ووٹ مخفی ہونا چاہئے تاکہ ہر شخص کی آزاد رائے معلوم ہو سکے اس کے بعد جو فیصلہ ہو وہ فیصلہ ہے اور جن کوششوں کے ساتھ آج کل ووٹ حاصل کئے جاتے ہیں یا جس طرح جناب سید صاحب مرحوم نے سید محمود کے لئے ووٹ حاصل کئے اس پر تو بالکل رفتن بہ پائے مردی ہمسایہ در بہشت کی مثل صادق آتی ہے اور میں تو ایسے ووٹ دھوپ کے ووٹوں کے ذریعہ سے اپنے لئے کسی چیز کے حاصل کرنے کو اپنی ذلت سمجھوں گا۔

گھر میں اور بچہ کو بہت بہت دعا کہنا۔ امید ہے کہ برخوردار بشیر احمد اپنی تعلیم میں ترقی کر رہے ہوں گے سلمہ اللہ تعالیٰ

و احسان الحسن بہت بہت سلام عرض کرتے ہیں والسلام

خاکسار مشتاق حسین

اور یہاں سب خیریت ہے امید ہے کہ وہاں بھی سب اچھے ہوں گے۔

میں نے ایک ترمیم قانون میں گذشتہ سال بھی پیش کی تھی تاکہ یہ کھلے ہوئے دروازوں کا سدباب ہو جس سے آنا دانی [illegible] ہو رہی ہے اور دوسری ترمیم یہ تھی کہ جو ٹرسٹی اجلاس میں موجود نہیں ہوتے وہ بھی تباہ [illegible] کے فوائد سے محروم نہ رہیں [illegible] سال کا اجلاس پالیسیوں کا اجلاس تھا کام کرنے کا اجلاس نہیں تھا آئندہ سال میں پھر اس کو پیش کرنا چاہتا ہوں لیکن [illegible] کروں جو قانون گذشتہ سال ترمیم ہوا تھا وہ اب تک کسی صورت میں ہاتھ ہی میں نہیں آیا جس سے دفعات کی ٹھیک ترتیب [illegible] ہوئی اور ترمیم آئندہ کے پیش کرنے والوں کو سہولت ہوتی۔ مہینے ہو گئے جو نواب محسن الملک بہادر سے کسی قانون کا نقشہ [illegible] لیکن صدائے برنخیزد۔ مسٹر بیک کو بھی ایک دفعہ میں نے اس کے واسطے لکھا اس بیچارے نے اتنا تو جواب دیا کہ یہ طبع ہو [illegible] پھر معلوم نہ ہوا کہ کہاں زیر طبع تھا اور طبع کے بعد کیا ہوا۔ مجھ سے نواب محسن الملک بہادر نے مکرر وعدہ کیا کہ میں بہت جلد [illegible] والے معاملہ کی پوری کیفیت۔ چھاپ کر ٹرسٹیوں کے پاس بھیجوں گا مگر آج تک انہوں نے اس وعدہ کو پورا نہ کیا اب ٹرسٹی [illegible] کریں تو کیا کریں۔ سنی سنائی باتوں پر میں تو قدم اٹھا نہیں سکتا حد تک کہ خود نواب محسن الملک بہادر کے دستخط سے کسی واقعہ کے متعلق [illegible] حالات معلوم نہ ہوں اور دنیا ہے کہ ٹرسٹیوں کو ملزم قرار دیتی ہے یہ ایک معاملہ سنا کہ اگر باہمی طور پر طے نہ ہوا تھا تو [illegible] کے سامنے تصفیہ کے لئے پیش ہونا چاہئے تھا اور معاف کیجئے جس طریقہ سے کہ آپ نے اور صاحبزادہ آفتاب احمد خاں نے اس کو طے کر دیا اس آسانی سے تو وہ طے نہیں ہو سکتا جس کا جو قصور ہو اس کو جب تک اس پر سزا یا تنبیہ نہ ہو کچھ استغفار نہیں رہ سکتا۔ یہاں ہم کو سیکرٹری صاحب نے ابھی یہ بھی نہیں بتلایا کہ کس کا کیا قصور تھا بجز اس کے کہ آپس میں رنج بہت بڑھے اور بڑھ رہے ہیں مگر کام کی بات اب تک بھی نہ ہوئی۔

مشتاق حسین

امروہہ ۳۱ اکتوبر ۱۸۹۹ء

بنام مولوی بشیر الدین　　(۷)

عزیزا القدر سلمہ اللہ تعالیٰ

آج ایک خط سے معلوم ہوا کہ برخوردار عبد القیوم سلمہ اللہ تعالیٰ کانپور آئے ہیں۔ خود انہوں نے بھی لکھا کہ مجھ کو اب [illegible] علی گڈھ جانا چاہئے۔ میں نے آج ہی دوسرا خط ان کو کانپور بھیج دیا ہے کہ فی الفور آپ کے پاس اٹاوہ آویں اور آپ کے ساتھ علی گڈھ جائیں۔

آپ جس وقت علی گڈھ پہنچیں گے تو وہاں آپ کو دس روپیہ ہر ماہ صاحب مدرسۃ العلوم سے بتوسط پروفیسر صاحب [illegible] صاحب ملیں گے۔ باقی آئندہ کے لئے جس طرح آپ مناسب سمجھیں اسی طرح وظیفہ پہنچتا رہے گا۔ والسلام

خاکسار

مشتاق حسین وقار الملک ۱۷ مورخہ ۱۴ اپریل [illegible]

---

(۸)

نام بشیر الدین احمد صاحب

عزیز القدر میاں بشیر الدین احمد صاحب سلامت

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ محبت نامہ نے مشکور فرمایا آپ کے گھر میں سے خاص کر اور بچوں وغیرہ کی خیر و عافیت معلوم ہونے سے اطمینان حاصل ہوا۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔ تصویر کے متعلق یہ ہے کہ میں تو تصویر کا کبھی آدمی نہیں رہا۔ بعض دوستوں میں بعض دوستوں کے اصرار سے کبھی تصویریں تیار ہوئیں تو اکثر تقسیم ہو گئیں تمام شاید کہیں کوئی تصویر پڑی ہو۔ ایک بڑی تصویر جو میرے پاس تھی وہ مسز محمد احمد مرحوم اپنے ساتھ انگلستان لے گئیں۔ البتہ ایک متوسط تقطیع کی تصویر حسب الطلب سید افتخار عالم صاحب کے پاس ہے کہ وہ کالج کی تاریخ لکھ رہے تھے ایک دوست سے مانگ کر میں نے بھیج دی تھی انہوں نے لکھا تھا کہ میں کل ٹرسٹیوں کا مرقع تاریخ میں شامل کروں گا لیکن کوئی گروپ انہوں نے اس میں شامل نہیں کیا لہٰذا آج میں نے ان کو لکھ دیا ہے کہ وہ تصویر واپسی سے آپ کے پاس بھیج دیں۔

آج کل ایسوسی ایشن کی نسبت یہ ہے کہ میں آپ سے کچھ کم اس بات کو سمجھے ہوئے نہیں ہوں کہ قوم کی طرف سے یقیناً بہت کچھ کاہلی و سستی کا اظہار ہوگا اور شاید کہ کامیابی نہ ہو سکے لیکن اس سب کو جان کر اور اس پر پورا یقین رکھنے کے بعد بھی ہم میں سے ہر ایک کا فرض ہے کہ وہ اپنا اپنا حصہ ادا کریں میں بھی جو کچھ اس باب میں میرا فرض ہے اس کو ادا کروں گا۔ تقریباً دو ہفتے بعد اب سے آپ کو لکھنؤ سے غالباً ایک مطبوعہ خط ملے گا اس پر آپ میرے دستخط بھی دیکھیں گے بنا بر عوام طور پر بھی مشتہر کیا جائے گا اور جس کسی کو آنا ہوگا اور جس کے دل کو لگی ہوگی وہ آوے گا اس موقع پر مجھ کو درحقیقت یہ ہی دیکھنا ہے کہ کس قدر ایسے لوگ ہیں جن کے دل کو ان امور کی فکر ہے۔ دورہ کرنے کے لئے نہ مجھ کو فرصت ہے اور نہ میں اس کو اس موقع پر اپنے لئے مناسب سمجھتا ہوں۔ تعلیمی کارو بار لکھنؤ کے اس جلسے کے بعد شروع ہوگا اس وقت پھر دورہ وغیرہ جو کچھ بھی درکار ہوگا سب کچھ کیا جاوے گا ابھی تو قابل ہم کو لکھنؤ کے جلسہ آئندہ میں اس بات کا طے کرنا ہے کہ کیا طریقہ اختیار کیا جاوے۔ میں اگر بتقریب دورہ کہیں گیا تو لوگ مجھ سے سوال کریں گے کہ حضرت پھر کیا طریقہ اختیار کرنا چاہئے اس وقت جو کچھ جواب میں ان کو دے سکوں گا وہ صرف میری اپنی ذاتی رائے ہوگی اور یہ بہت کمزور مسلک اور فائنل[1] پوزیشن ہوگا اور ناکامی کی بدنامی سے ڈرنا نہیں چاہئے۔ السعی منی والاتمام من اللہ تعالیٰ۔ والسلام۔

ہمارے سب کی طرف سے گھر میں اور بچوں کو بہت بہت سلام و دعا کہئے۔

خاکسار

مشتاق حسین۔ ۱۴ر۱۴ر اگست سنہ ۱۹۱۰ء

---

[1] محمد احمد پریسٹرایٹ لافاب وقار الملک مرحوم کے صاحبزادے تھے جو جوانی ہی میں انتقال کر گئے۔ ان کی اہلیہ انگریز تھیں جو مرحوم کے انتقال کے بعد ولایت چلی گئی تھیں۔

[2] یعنی غلط موقف

بنام مولوی محمد بشیر الدین مدیر "البشیر"　　(۹)

برخوردار عزیز القدر محمد بشیر الدین صاحب سلامت

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! ۱۷ اگست کا محبت نامہ مجھ کو ابھی ملا ہے جس معاملہ میں آپ نے لکھا ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ نواب محسن الملک بہادر کا ایک مطبوعہ خط بحیثیت آنریری سیکریٹری اس سے قبل مجھ کو ملا جس کے ساتھ نواب فیاض علی خاں صاحب کا ایک مطبوعہ خط بھی شامل تھا، سو سوم نواب محسن الملک بہادر اور دونوں خطوں کا یہ منشا تھا کہ ہمارے یادگار میں ایک بورڈنگ ہوس بنایا جاوے جس کا نقشہ و اسٹیمیٹ شملہ میں تیار ہوا ہے اور مجھ سے بھی بحیثیت ٹرسٹی رائے طلب کی گئی تھی اور جواب بہت جلد مانگا گیا تھا اور فاضلہ وہ خط اسی درخواست سے اور ہر ایک ٹرسٹی کے پاس بھی بھیجا گیا ہوگا۔

میں نے ان کو جواب دیا کہ رائے طلب کرنے کا یہ کوئی طریقہ ٹرسٹیوں کے قانون میں نہیں ہے۔ قاعدہ کے مطابق آپ کو اس تحریک کے تصفیہ کے لئے ٹرسٹیوں کا جلسہ طلب کرنا چاہئے اور حسب قاعدہ اس کا اجلاس جاری کیجئے آپ کو غالباً خیال ہوگا کہ اب ایجنڈے کے بعد ایک طرفہ ووٹ شماری کا پرانا معمولی طریقہ باقی نہیں رہا ہے بلکہ اب دو مہینہ کے فاصلہ سے تاریخ لگائی جاوے گی اور اول مہینہ میں ہر ایک ٹرسٹی کے پاس سے ابتدائی رائیں آویں گی اور جو ٹرسٹیوں کو تحریک سے کوئی اختلاف ہوگا ان کا اختلاف پھر بجنسہٖ چھاپ کر سب ٹرسٹیوں میں بھیجا جاوے گا اور پھر ہر ایک ٹرسٹی کو موقع ہوگا کہ خواہ اپنی پہلی رائے پر قائم رہے اور خواہ دوسری کوئی بھی دے۔ نتیجہ یہ ہے کہ اب موافق ووٹوں کے حاصل کرنے میں پہلی سی آسانی قائم نہیں رہی۔

اس کے جواب میں نواب محسن الملک بہادر نے مجھ کو لکھا کہ وقت اس قدر باقی نہیں ہے۔ میں نے جواب میں لکھا کہ وقت بہت باقی ہے اور بالفرض اگر وقت باقی بھی نہیں ہے تو یہ اور بھی اچھا ہے کیونکہ اس قسم کی یادگاریں بجائے اس کے کہ خود اس شخص کی حکومت کے زمانہ میں قائم ہوں زیادہ عزت کی بات ہے کہ اس کے بعد ہوں آخر میں میں نے لکھا ہے کہ اگر تم کو اپنے قانون کی عزت کرنی ہے تو اس کے مطابق کارروائی کرنی چاہئے ورنہ اگر ٹرسٹیوں کی کمیٹی کو قانون کی چوپال قرار دینا ہے تو ہم سے جس صاحب کا جی جس قسم کی کارروائی کو چاہے وہ ویسا کرے۔ میں تو کوئی رائے اس باب میں اس طرح پر نہ دوں گا۔

میں نے ان کو یہ بھی لکھا تھا کہ بورڈنگ کا نقشہ اور اسٹیمیٹ بھی اردو میں چھپا کر ایجنڈے کے ساتھ سب ٹرسٹیوں میں تقسیم کرو اور یہ بھی بتلاؤ کہ اس بورڈنگ کا بنانا کون سے قطعۂ زمین پر تجویز ہوا ہے۔ اس پر انہوں نے لکھا کہ ان باتوں کو دور کے رہنے والے ٹرسٹی کیا سمجھیں گے اور اس پر کیا رائے دیں گے۔ میں نے لکھا کہ اس سے آپ کو کچھ مطلب نہیں۔ اس امر پر اس وقت غور کیا کیجئے جب آپ کسی کو ٹرسٹی مقرر کرتے ہیں مگر جب کہ کوئی شخص ٹرسٹی ہے تو اب خواہ وہ رکا رہے والا ہے یا قریب کا ہر ایک کو یکساں حق ہے اور آپ ان کے اس حق سے بے پروائی نہیں کر سکتے۔

آپ کو تعجب ہوگا جب آپ سنیں گے کہ اس کے جواب میں جناب ممدوح نے کیا تحریر فرمایا۔ وہ لکھتے ہیں کہ نقشہ و اسٹیمیٹ تو پرنسپل صاحب نے گورنمنٹ میں بھیج دیا ہے جہاں سے یہ جواب آیا ہے کہ اول ضلع کے انجینئر کی رائے اس پر

ہونی چاہیئے یعنی کہ ٹرسٹی وغیرہ سب پڑے ہوئے جھک مارا کریں۔ وہاں پرنسپل صاحب اس تحریک کو گورنمنٹ میں پیش بھی کر چکے ہیں نے اس کے جواب میں آنریبل سکرٹری صاحب سے دریافت کیا ہے کہ آیا پرنسپل صاحب کی یہ کارروائی آپ کی اجازت سے ہوئی ہے؟ بہرحال جو کچھ پرنسپل صاحب نے گورنمنٹ کو لکھا ہے اور اس کا جو جواب آیا ہے اس کی نقل آپ مہربانی سے اوّل ہمارے دیکھنے کے لئے بھیجئے اس کے بعد اور جو کچھ لکھنا ہے وہ لکھا جاوے گا۔

اس قدر تو ضابطہ کے خط میں میں نے ان کو جواب دیا ہے اور ایک پرائیویٹ خط جو اس سے علیحدہ میں نے ان کو لکھا ہے اس میں ان کے اس طریقہ کار روائی کی نسبت از حد شکایت کی ہے اور شاید کہ بہت سے وہ الفاظ سخت بھی ہو گئے ہیں، مگر کہاں تک نہ آئے یقیناً ان کو اس سے رنج ہوا ہوگا مگر کیا کیجئے کہ مجبوری ہے۔

یہ کارروائی تو ابھی یہیں تک پہنچی ہے اور اگر وہ ایجنڈا جاری کریں گے تو مجھ کو جو کچھ لکھنا ہوگا میں انشاءاللہ تعالیٰ آزادی سے لکھوں گا بھی تمہارے کے ٹرسٹیوں سے آپ اس قسم کی امید کر سکتے ہیں؟ نواب محسن الملک بہادر نے یہ بھی لکھا تھا کہ کیا آپ کی رائے میں اس معاملہ کو سالانہ جلسہ تک ملتوی رکھنا چاہیئے۔ میں نے جواب میں لکھا کہ اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے، جو تحریک پیش ہوئی ہے اس کا تصفیہ جلد ہونا چاہیئے آپ اجلاس کی تاریخ مقرر کریں اور ایجنڈا جاری کریں۔

ایک مشتاق حسین نہیں، بیس مشتاق حسین اور ایک بشیر الدین نہیں بیس بشیر الدین نواب محسن الملک بہادر کو اس باب میں چاہیے کچھ لکھیں یہ لکھ رکھو کہ ان سے ناممکن ہے اور محال ہے جو وہ اس آزادی کا دسواں، بیسواں، سواں حصہ بھی اختیار کریں جس کی ان سے خواہش کی جاتی ہے۔ وہاں خدا نے یہ طبیعت ہی نہیں دی اللہ قوم پر رحم کرے۔ والسلام!

خاکسار

مشتاق حسین۔ امروہہ ۲۰ اگست ۱۹۰۱ء

میں نے نواب محسن الملک بہادر کو مل کر ایک کارروائی کی نظیر بھی دکھلائی ہے کہ دیکھیے نہ آزنے چاہا تھا کہ ایک قانونی ترمیم یونیورسٹی کے قواعد میں کر دیں اور اس کے واسطے وہ ۱۷ اگست کو جلسہ طلب کرنے کو تھے مگر جب کہ علماء یونیورسٹی کا خیال ان کو یہ معلوم ہوا کہ اس قدر جلد ایسا فوراً جلسہ طلب نہیں ہو سکتا تو نہ آزنے اس کارروائی کو قائل نوٹس پر ملتوی کر دیا ہے۔

مگر یہاں تو وہ مثل ہے کہ من چہ می سرایم و طنبورۂ من چہ می سراید — مسٹر مارلیسن جیسے عہدہ اور آزاد شخص کو بھی نواب محسن الملک بہادر نے اپنے کہنے کے کاموں میں خود بدولت دخل دے دے کر قریباً قریباً دوسرا مسٹر بیک بنا دیا ہے ورنہ اس کے معنی کیا ہوں گے کہ ایک طرف تو ٹرسٹیوں سے رقعوں پرچوں کے ذریعہ سے جلدی جلدی ضابطہ پورا کرنے یا بے ضابطگی کے مکمل کرنے کی غرض سے رائے طلب کی جا رہی ہے اور دوسری طرف مسٹر مارلیسن اس تحریک کو گورنمنٹ کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔

"م"

بنام مولوی بشیر الدین صاحب　　(۱۰)

عزیز القدر منشی بشیر الدین صاحب سلامت

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ محبت نامہ پہنچا مشکور کیا۔ جناب سرسید صاحب مرحوم ومغفور کو ملی گزٹ میں قیام رکھنے کی وجہ سے انگریزی سے اب کچھ مدد مل جاتی تھی اور ان کو قریب ہی میں ضروری کتابیں بھی بہم پہنچ جاتی تھیں اور یہ امر آپ کو معلوم ہے کہ دوسری مشکلات خانہ داری ان کو اس کا دسواں حصہ بھی نہ تھیں جن میں مجھ کو مبتلا ہونا ہوتا ہے اور امروہہ میں رہ کر تو کسی اس قسم کے کام کا بیڑا اٹھانا محالات سے ہے اور امروہہ کا چھوٹا بھی ان علائق کے ساتھ دشوار۔ آئندہ جب تفصیل سے ملاقات ہوگی تو امید ہے کہ آپ میرا عذر قبول کر لیں گے اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ اگر میں دیکھتا کہ درحقیقت میں اس کام کو سنبھال سکتا ہوں تو اپنی ذاتی ضرورتوں پر اس کو ترجیح بھی دیتا اور مالی مشکلات کے باوجود بھی میں اپنا قیام کسی دوسری جگہ اختیار کرتا لیکن میں صاف صاف دیکھتا ہوں کہ اس صیغہ کی سیکرٹری شپ کو میں کسی طرح انجام نہیں دے سکتا اس کے لئے تو آپ کو دوسری کسی طرف غور کرنا ہوگا اور حامد علی خاں صاحب ہی کو کوئی مدد ایسی دینی ہے[1] مفید ہوگی جو آپ مجھ کو دینا چاہتے ہیں۔ اس مدد کے ساتھ وہ اس کام کو بخوبی کامیابی کے ساتھ انجام دے سکیں گے۔ میرے عذر کی وجہ یہ ہرگز نہیں ہے کہ قوم سے قومی خدمات کا صلہ لوگوں کو جیسا چاہئے نہیں ملتا۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ جو شخص بھی اس قسم کے معاوضوں سے متاثر ہو کر قومی کاموں کو اختیار کرنا پسند کرے گا وہ کرایہ کے مزدور کی طرح کام کرے گا۔ ایسے شخص کے کام میں کبھی خدا برکت نہیں بخشتا، قومی کام انہی کا حصہ ہے جو بلا خیال معاوضہ اور بلا اندیشہ لومۃ لائم اپنا قومی فرض سمجھ کر کسی کام کو انجام دیتے ہیں گو یہ سچ ہے کہ ایسے لوگوں کی تعداد بہت کم ہے اور یہی سبب ہے کہ قومی کام بھی اچھی طرح انجام نہیں پا رہے اس قسم کی روح صرف عمدہ تعلیم ہی سے پھونکی جا سکتی ہے۔

یہ خوب ہوا کہ ۲۱/۲۲ اکتوبر کو لکھنؤ میں مشورہ کا جلسہ قرار پا گیا اب جو کچھ تجویز بھی اختیار کی جاوے گی کافی غور وخوض اور تبادلۂ خیالات کے بعد اختیار کی جاوے گی۔ والسلام!

خاکسار

مشتاق حسین (وقار الملک) امروہہ ۱۰ ستمبر ۱۹۱۰ء

بنام جناب حکیم محمد عبد السلام　　(۱۱)

جناب حکیم صاحب مخدومی ومکرمی مولوی حکیم محمد عبد السلام صاحب سلامت

منشی ارشاد الدین صاحب پیشکار کمپ پیر پٹھو جو جناب کی خدمت میں اپنے علاج کی غرض سے تشریف لاتے ہیں ان حضرات میں سے ہیں جو اپنے مال اور جان تک کو قومی کاموں پر قربان کر دینے پر تیار ہیں اگر اس قسم کے لوگ قوم میں کچھ زیادہ تعداد سے ہوتے تو مسلمانوں کی حالت ہی کچھ اور ہوتی پس ایک ایسی جان جیسی کہ قوم کو عزیز ہونی چاہئے اور جس خاص التفات اور توجہ سے ایک ایسی جان کی حفاظت کی ضرورت ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے۔ میں نے خود بھی ان کے ساتھ خدمت میں حاضر ہونا چاہا تھا اور ان سے عرض کر دیا ہے کہ یوں ہی سمجھ لیں کہ گویا ان کے ساتھ میں خود ہی حکیم صاحب کی خدمت میں حاضر ہوں۔ والسلام!

خاکسار: مشتاق حسین۔ امروہہ ۲۸ مارچ ۱۹۱۰ء

---

[1] یہاں ایک لفظ پڑھا نہیں گیا۔

(۱۲)

مولوی محمد بشیر الدین

عزیز القدر محمد بشیر الدین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! ۲۰ر اگست میں جو فرنٹ پولیٹیکل ایسوسی ایشن مسلمانان کے متعلق آپ نے دیا ہے وہ میں نے شکر گزاری کے ساتھ پڑھا۔ مراد آباد، بریلی، شاہجہان پور، پیلی بھیت، بدایوں، بجنور، علی گڈھ، بلند شہر، میرٹھ، مظفر نگر، سہارنپور، فرخ آباد یہ بارہ ضلع ختم ہو گئے ہیں۔ مراد آباد کی روئیداد غالباً مارچ گذشتہ میں میں آپ کے پاس بھیج چکا ہوں لیکن آج پھر مراد آباد و شاہجہان پور و پیلی بھیت کی روئیداد میں نے آپ کی خدمت میں بھیج دی ہے باقی اضلاع کے متعلق ہنوز روئیدادیں میرے پاس نہیں آئیں متعاقب آویں گی۔ دو دو اضلاع کے دو جلسے یکجائی ہوئے یعنی علی گڈھ و بلند شہر کا یکجائی جلسہ بمقام علی گڈھ اور سہارنپور و مظفر نگر کا یکجائی جلسہ سہارنپور۔ بدایوں، بجنور فرخ آباد میں مجھ کو جانا نہیں پڑا وہاں کے لائق حضرات نے خود ہی انتظام کر لیا۔

باقی ماندہ اضلاع صوبہ کے ساتھ خط و کتابت جاری ہے۔ آئندہ کے متعلق اس موقع پر پھر یاد دہی کی معافی چاہتا ہوں اب جلدی کرنی چاہیئے۔ پہلا کام مجسٹریٹ ضلع سے اطلاع ہو جانی ہے اس کے بعد جلسہ کی تاریخ و مقام و وقت مقرر ہو کر شہادات کا ایک یا چند مستطروں سے جاری ہونا ہے۔

ایٹہ کے واسطے سابق میں تو چودھری محمد یعقوب صاحب نے وعدہ فرمایا تھا اور اب محمد موسیٰ خاں صاحب نے وعدہ کیا ہے۔

اوعدہ کے اضلاع کا منشی احتشام علی خاں صاحب امید ہے کہ انتظام کریں گے۔ اکتوبر تک انشاء اللہ باقی اضلاع ختم ہو جاویں گے جس کے بعد نومبر کے عمدہ موسم میں بمقام لکھنؤ پہلا جلسہ ڈیلیگیٹوں کا ہونا چاہیئے۔ ارادہ تو یہی ہے آئندہ کامیابی خداوند تعالیٰ کے اختیار میں ہے والسلام!

خاکسار

مشتاق حسین۔ امروہہ ۱۱ر اگست ۱۹۱۳ء

علی گڈھ گزٹ میں ایک مضمون منجانب اخبار اور پائونیر میں ایک تار سہارنپور سے چھپا ہے ان دونوں کی اصلاح کرنی پڑی متعاقب آپ ان اخباروں میں دیکھیں گے۔

میں متعاقب آپ کو البشیر کے واسطے ایک خط لکھتا ہوں جو آپ کی پالیسی کے خلاف ہوگا۔ میرا مطلب یہ ہے کہ ہندوؤں کی نسبت مسلمانوں کو ایسی خراب فیلنگ اختیار کرنی نہیں چاہیئے جس سے کہ "البشیر" اکثر ملوث پایا جاتا ہے گو وہ ہندو اس کے خلاف ہی کہتے ہوئے پائے جائیں مگر مسلمانوں کو اپنا اسلامی اخلاق وسیع ہاتھ سے نہ دینا چاہیئے اسی پر میں کچھ لکھوں گا۔ والسلام!

خاکسار

مشتاق حسین

بنام مولوی بشیر الدین　　(۱۳)

عزیزالقدر سلمکم اللہ تعالیٰ

نہایت افسوس ہے کہ جناب حی صاحب قبلہ نے کل شام نماز مغرب کے وقت اس دار فنا
انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آخر الخرنات بھی مرحوم کے ہوش و حواس سب درست تھے۔ ... [1] ... محمد
قبر کے متصل ہی دفن کئے گئے اللہ تعالیٰ جناب مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔ مشیت ایزدی ہم
گھر میں اور بچوں کو بہت بہت دعا۔ خادم پسر بھی صاحبہ معظمہ کی خدمت میں بھی میں نے ہمیشہ کو علیحدہ خط لکھا
کا سب سے زیادہ اس موقع پر خیال ہے وہ جناب عظمہ مرحومہ فرما ہے۔ ان سے یہ سانحہ بہت ہی مشکل۔
اور یوں تو جو کچھ بھی خدا کی مرضی ہوتی ہے انسان کو اس پر صبر ہی کرنا پڑتا ہے۔ اپنے دو نوجوان قابل فخر
صدمان کو برداشت ہی کرنا پڑا ہے۔ والسلام!　　خاکسار
مشتاق حسین۔ امروہہ

بنام سید افتخار عالم صاحب　　(۱۴)

جناب مخدومی و مکرمی مولوی سید افتخار عالم صاحب سلامت

السلام علیکم رحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ اگرامی صحیفہ اور حیات النذیر [2] کا شکریہ عرض ہے لیکن افسوس ہے کہ
اجازت نہیں دیتی کہ میں اس عمدہ کتاب کو بالاستیعاب دیکھ بھی سکوں۔ اس کے بدوں ریویو لکھا نہیں جا
اتنی طاقت ہے۔ علی گڈھ سے میں رخصت ہوا ایسی حالت میں کہ مجموعۂ عوارض ہو رہا تھا اور یہاں پہنچتے
آگیا جس نے معدے کو بھی بہت خراب کر دیا ہے اور روزانہ جو خام علی گڈھ سے باقی تھا اب بھی آ
کا روز ختم نہیں کر سکتا۔ امید ہے کہ میری یہ معذرت مہربانی سے قبول فرمائی جاوے گی۔ آپ کی کتاب میر
جس کے پاس فرمائیے میں بھیج دوں۔ میں نے اس لئے عرض کیا کہ شاید ریویو کی غرض سے کسی اور صاحب
بھیجنا پسند فرماویں اور ابھی زیادہ کتابیں آپ کے پاس بیار رہی ہیں [3]۔ والسلام
خاکسار مشتاق حسین ۴ ستمبر ۱۹۱۲

بنام سید افتخار عالم صاحب　　(۱۵)

جناب مخدومنا و مکرمنا مولوی سید افتخار عالم سلامت

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ اگرامی نامہ نے ممنون فرمایا۔ آپ کا ارشاد میرے سر اور آنکھ
نفساً الا وسعہا، جو چیزوں میں مجھ کو کچھ لکھنا نہیں پڑھنا نہیں، سوچنا نہیں صرف زبان سے بتلانے جانا

---

[1] یہاں چند الفاظ پڑھے نہیں گئے۔
[2] سید افتخار عالم مصنف "حیات النذیر" (سوانح مولانا نذیر احمد) نے کتاب بھیجنے کے لئے بھیجی تھی۔ نواب صاحب
کو وقت کی کمی کی وجہ سے اس کتاب کے مطالعے کی فرصت نہ تھی اور نہ وہ ریویو لکھ سکتے تھے۔

بہت ضروری تحریر علی گڑھ یونیورسٹی کی نسبت ہے جو میرا سب کچھ سمجھا ہوا ضمون ہے مگر ایک مہینے سے زیادہ ہو چکا اور آجکل جو میں وقت گذر رہا ہے کیا کہا جائے جب کہ دل و دماغ کام ہی نہ دیں اس کے علاوہ آپ بنے کسی کتاب پر میرا کوئی ریویو غالباً دیکھا بھی نہ ہوگا اور سب نواظہار مجبوری اور معافی چاہنے کے سوا اور کچھ بن ہی نہیں پڑتا اب تو مخدومنا صرف یہ دعا فرمائیے کہ میری زندگی کے جو انفاس باقی ہیں وہ مصائب سے کٹ جاویں اور خدا خاتمہ بخیر کر دے۔ آج کی ڈاک سے میں آپ کی ہر سہ کتاب جیاۃ الذہبیہ بصیغہ رجسٹری خدمت عالی میں بہت سے شکریوں کے ساتھ واپس کرتا ہوں۔ والسلام!

خاکسار: مشتاق حسین از ڈیرہ دون ۲ ستمبر ۱۹۱۳ء

---

(۱۶)

منشی وقار عالم صاحب

جناب مخدومنا

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ! الطاف نامے کا شکریہ۔ ہاں حضرت سرور عالم صلعم کے خراجین ایک وقت میں میں نے طبع کرا کر کالج کی نذر کر دیے تھے وہ فارسی زبان میں ہیں۔ میرے پاس شاید ان کی کوئی ایک جلد ہو تو ہو لیکن آپ مولوی عنایت حسین صاحب . . . علی گڈھ کو تحریر فرماویں وہاں سے کوئی نسخہ اس کا مل جاوے گا۔ والسلام!

خاکسار: مشتاق حسین امروہہ ۲ جنوری ۱۹۱۴ء

---

(۱۷)

جناب مخدومی

آپ خفا ہوتے ہوں گے کہ آپ کے خطوں اور خصوصاً تاروں کا جواب وقت پر نہ ملا۔ اصل یہ ہے کہ میں نے شملہ سے لوٹتے وقت الہ آباد کے مقام سے ایک ہفتہ کی رخصت سرکار سے علاوہ عید کی تعطیل کے لے لی تھی، برسوں تمام واپس آیا ہوں مگر صحت خراب ہے آپ کا ایک خط ۲۷ جولائی کا دوخط ۳ اگست کے ملے جواب آئندہ کے خط میں دوں گا۔ پانچ ہزار پونڈ کے متعلق آپ کا خط مجھ کو وہاں سے چلنے کے دن شملہ میں ملا تھا۔ پہلی ہی منزل میں سرکار نے تار پر روپیہ بھیجنے کا حکم جید رآباد بھیج دیا تھا۔ یقین ہے کہ اوس وقت روپیہ پہنچ گیا ہوگا۔ میجر رابرٹس صاحب کا تقرر رخصت اوس قسم کی پالسی ہے جس کو میں ہمیشہ عزیز رکھتا ہوں۔ پنڈت وشنو ناتھ کو جب میں نے اپنا مددگار معتمد علیہ مولوی راجہ صاحب کے وقت میں بنایا تھا تو وہ بھی پاسی تھے یعنی کہ اپنی صفائی اور راستبازی کا پاس کیا۔ جواب میں اس لئے دیر ہوئی کہ . . . . . اور اوس کے بغیر سودی صاحب کو جواب دینا مناسب نہ تھا۔ آپ کے مکان پر سب خیریت ہے۔ خدا کے شکر ہے تو جلد آؤ، جی اکتا گیا۔ میں مفصل آئندہ لکھوں گا۔ والسلام والتسلیم!

خاکسار

مشتاق حسین حیدرآباد دکن ۷ اگست دوشنبہ صبح

۱۔ مکتوب غالباً نواب محسن الملک کے نام ہے جب وہ معذیات کے مقدمے کی پیروی کے لئے دولت آصفیہ کی طرف سے لندن گئے ہوئے تھے۔

۲۔ عبارت پڑھی نہیں گئی۔

بنام منشی محمد محمود شاہ خان صاحب

(۱۸)

مکرمی منشی محمد محمود شاہ خان صاحب سلامت

جناب سید محمد محمود صاحب نے جو کچھ اس خط میں لکھا ہے سب صحیح لکھا ہے اور پہلے سے آپ کا بھی یہی خیال ہے۔ وہاں جانا کچھ جناب ممدوح پر احسان کرنے کی غرض سے نہیں ہے۔ بلکہ صرف اپنے آئندہ کے نفع کے لحاظ سے جس کی امید یہاں کی نسبت وہاں زیادہ ہے۔

کل بھی جو خط جناب ممدوح کا میرے پاس آیا تھا اور جس کی بنا پر میں نے کل آپ کو ایک خط لکھا تھا اس میں بھی تمام مطالب اُسی کے قریب قریب لکھے۔ خاص وجہ جو اون کو اس خط کے لکھنے کی باعث ہوئی ہے وہ منظور ہی کا لفظ ہے جو آپ کی جانب سے جناب صدر اعلےٰ صاحب نے لکھ دیا۔ اب آپ کو ایک اطمینان کا خط اور اوس کے ساتھ ایک عرضی بھی بھیج دیں۔ ادب اور تعظیم کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے سب صحیح ہے ہمارا خود پہلے سے یہی خیال ہے نپولین بونا پارٹ کی سوانح عمری میں اوس کے ایک نہایت دلی دوست اور ہم مکتب اور لنگوٹیا یا بوریں کا قصہ موجود ہے کہ جب وہ اوائل مرتبہ نپولین کے حسب المطلب نپولین کی شاہنشاہی کے بعد نپولین کے پاس حاضر ہوا تو ویسے ہی ادب سے پیش آیا جیسا شاہنشاہ کے رتبہ کے مناسب تھا، نپولین کہتا تھا کہ مجھ کو پہلے سے یہ فکر تھی کہ بوریں آج میرے سامنے وہی بے تکلفی کرتا ہے یا یہ اور ہی پیش آتا ہے اور جب میں نے بوریں کا وہ طرز دیکھا تو ..... اور گو آپ سے ایسے امور میں کچھ کہنے کی حاجت نہیں تھی کیونکہ آپ کے خیالات خود عمدہ ہیں مگر جناب سید صاحب نے جو اپنی طرف سے صاف صاف سب مراتب بیان فرما دئے ہیں اون کا یہ صاف صاف طریقہ بلاشبہ نہایت عمدہ ہے میں تعریف کرتا ہوں اون کی اس مآل اندیشیوں کی اور اس سے زیادہ اطمینان اس بات کا ہوتا ہے کہ جو مواقع احتیاط سے کام کرنے کے ہوں گے اوں میں وہ اچھی طرح احتیاط سے کام کر سکیں گے۔

آپ جناب سید صاحب ممدوح کو رجسٹری شدہ لفافہ میں خط اور عرضی بھیج دیجئے۔ میں بالکل متفق ہوں کہ آپ اپنے نفع ..... سب امید میں جائیے اور اگر کامیابی نہ بھی ہو تو اس کو اپنی قسمت اور اپنی رائے کی خطاء سے منسوب کیجئے نہ اون کی عدم توجہی سے اور یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ اون لوگوں کا دل ہمیشہ بہت زیادہ خوش رہا کرتا ہے جو ایک کام کو اختیار کرتے وقت اوّل اس کی مضرتوں اور خطرات کو تسلیم کر لیتے ہیں اور ان کے برداشت کرنے کے واسطے اپنے آپ کو آمادہ کر لیتے ہیں۔ پھر اگر اون خطروں سے نجات ہو جاتی ہے تو دوچند خوشی ہوتی ہے اور اگر وہ خطرات پیش آجاتے ہیں تو وہ گویا پہلے ہی سے سوچے ہوئے ہوا کرتے ہیں اور اس لئے زیادہ رنج دہ نہیں ہوتے۔

مجھ کو سب خود لکھئے اور یہ خط واپس فرمائیے۔ جناب قبلہ امام مولوی محمد سمیع اللہ خان صاحب بہادر بھی..... تمام خطوط کتابت کو ملاحظہ فرماویں۔ والتسلیم[1]!

خاکسار

مشتاق حسین از علی گڈھ ۱۲

---

[1] جہاں نقطے لگے ہوئے ہیں وہاں کاغذ کی خستگی کے باعث عبارت پڑھی نہیں گئی۔

(۱۹)

برخوردار رئیس چودھری محمد یونس صاحب سلامت

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! خواجہ غلام الثقلین صاحب ماہرہ تشریف لائے ہوں یا تشریف لانے والے ہوں گے۔ کونسل کی بہتری کے متعلق اون کی ہم سب کو مدد کرنی چاہئے۔ میرے نزدیک وہ اون چند نوجوان کامیاب طلبا علیگڑھ کالج میں سے ہیں جن کو کالج کا بہترین نمونہ کہا جا سکتا ہے۔ اون کی یہ کوشش اپنی ذاتی ترقی مدارج کے لئے نہیں ہے بلکہ صرف قوم کو اور ملک کو نفع پہنچانے کی کوشش میں وہ یہ تمام دردِ سر مول لے رہے ہیں۔ والسلام!

اور یہ میری ذاتی رائے ان کی نسبت مختلف تجربوں کے بعد قائم ہوئی ہے۔

اور میرا یہ خط آپ جس کو چاہیں ملاحظہ کرائیں۔

خاکسار

مشتاق حسین۔ ڈیرہ دون ۲۴ اکتوبر ۱۹۱۲ء

جلالؔ لکھنوی

(۱)

بنام وقار الملک

بجناب مرجع خاص و عام نواب انصار جنگ بہادر دام اقبالکم!

بعد تعظیم گذارش ہے۔

حضرت عنوان عالیہ سے صبا نامہ عرض کر چکا ہوں۔ شرف اندوز ملاحظہ ہوا ہی ہوگا۔ بالجملہ ۱۹ فروری ۱۸۹۰ء سے نیازمند لکھنؤ میں تھا قصیدہ ناکام پایا کہ کہل ناکامی مجھ کو واپس نہیں ملی۔ ہرچند مجھ کو ضرورت اس کے واپس پانے کی نہ اب ہے لیکن چونکہ حضرت نے واپسی کی اطلاع فرمائی لہٰذا اب ضرور ہوا کہ میں حضرت کو اس کے واپس نہ آنے اور اور چونکہ ہمارے حضرت نے اس آرا اور سر لیپ امپاط کی قریب فریب نصف عرضداشت کو ایک حد سے متجاوز تعریف۔ اس کا داخل دفتر رہنا بھی ماحائز ظاہر فرمایا ہے تو اب واجب ہوا کہ میں خود ہی بخواہی اس کو مع عرضداشت ہمراہی واپس لوں۔

امیدوار ہوں کہ وہ بحل ناکامی مع عرضداشت بدامی واپسی ڈاک میں مرحمت ہو تاکہ میرے خوار ہونے کا بارہ گواہ رہے۔

من و خدائے من نہ خوشامدی نہیں ہوں بلکہ خود خوشامدیوں کا دشمن اور اس قسم کے حضرات پر تعریض کرتے رہتے ہیں خود جانتا ہوں میری اسی تعریض کا بدلہ ہے جو مجھے حق تعالیٰ جل شانہ سے آپ کے بالمقابل ملا کہ خوشامد گروں میں داخل ہوا۔ مکرمی مولوی سیف الحق صاحب بالعاہ سے تعریض خوشامد گری بھی اپنے نگارش امی سیکرٹری اودھ اخبار میں دیتے مگر کروڑ کروڑ شکر ہے کہ بہت ہی جلد مجھے کیفر کردار مل گیا اور جو کہیں کیفر میں ادھر سے درنگ ہوتا تو نہ جانے کہاں کہاں کی خوشامد کرنا اور جانے کیا کیا توہین و تذلیل کی سزائیں جھیلنا۔

الحمد للہ مقتضائے الخیر فی ما وقع، مجھے اس قصیدہ میں دو صلے ملے۔ ایک میرے خوشامدیوں کی نسبت طمس کرنے اور کہ خود بھی مطعون ہوا دوسرے آئندہ مدت العمر کے واسطے اس نازیبا کردار سے اجتناب بلکہ تیسرا ایک اور فائدہ بھی ہے یعنی حضرات خوشامد گر کی نسبت زبان طعن دراز نہ کرنا اور یہ سب فائدے بدولت جناب ہوئے۔ خدا آپ کو فائز المرام

سلامت رکھے۔ بشرطیکہ آپ اس دعا کو بھی خوشامد نہ سمجھیں اور اگر خوشامد سمجھیں تو پھر یہ دعا میری دلی نہیں ہے۔ گستاخی معاف ہو۔ قصیدہ اس نشان سے واپس عنایت ہو۔ اجمیر شریف سرائے چمن چشتی بدریعہ محمد نعمان ظلہ کدار سرائے چمن چشتی، سید جلال مسافر مقیم خانقاہ معلی کو پہنچے۔ زیادہ ادب!

سید جلال۔ ۲۵ فروری ۱۸۹۰ء

---

(۲)

ولی الدین

خدروانا سلامت!

سلام مسنون کے بعد مدعا نگار ہوں کہ عنایت نامہ ۱۵ ذیقعدہ سنہ ۱۳۱۹ھ کا مع بیک غزل اصلاح طلب آیا تھا مگر چونکہ میں لکھنؤ میں نہ تھا، ریاست رامپور میں بطلب تھیں رامپور چلا آیا تھا بلکہ ابھی تک۔ امید۔ ہی میں مقیم ہوں آپکے عنایت نامہ کے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ اب چند روز ہوئے کہ یہی عنایت نامہ سامی مع غزل گرامی رامپور میں بھیجے یاس آیا ہوا ہے تو اس کا جواب لکھنؤ میں بدیں وجہ تعویق ہوئی کہ آپنے اپنے دیوان کے طبع کی تاریخ کی بھی فرمائش کی، پس اس کی فکر میں تھا اب تاریخ طبع دیوان سامی کی نکل آئی لہذا اس کا قطعہ درست کر کے خدمت میں بھیجا جاتا ہے۔ اگر پسند آجائے درج دیوان فرمایا جائے اور غزل مرسلہ سامی پر اصلاح دے دی گئی اور غزلیات آپکے جو بعد آئی تھیں وہ اصلاح شدہ آج دو مہینے کا تمانہ ہوا کہ ارسال خدمت سامی کر چکا ہوں یقین ہے کہ پہنچی ہوں اور آپنے دیکھی ہوں۔ نام آپکے دیوان کا "گنجینۂ معرفت" بہت اچھا رکھا گیا ہے اس سے بہتر نام اب نہ نکلے گا۔ فقط!

راقم آثم جلال بے کمال از رام پور

مکرر یہ ہے کہ اب جو آپ مجھ کو خط تحریر بھیجیں تو وہیں لکھنؤ ہی میں بھیجیں کہ میں اب رامپور سے جانے کا قصد رکھتا ہوں۔

اصلاحی غزل یہ ہے

وصل ہی وصل سے جب دل میں ہے ہر وقت طرب
ہجر کا خوف نہیں پاس ہے پہلو میں حبیب

۲ اس شہ حسن تک اپنی ہے رسائی مشکل
سنتے ہیں اس کی جگہ ہے گو جاں سے بھی قریب

جس کے دروازے پہ لاکھوں ہوں نگہبان رقیب
نہ سہی حسب خدا کے لئے نکلو باہر

۴ آتی تدبیریں ہوئیں ایک بھی پوری نہ ہوئی
بیٹھا دروازہ پہ مدت سے ہے بیچارہ غریب

بڑھنے دیتے نہیں کیا کہئے کم بخت نصیب
رو پڑو گیوں وہ اسے بھی تو نہیں آتے ہیں

۵ درد دل ایسا نہیں ہے کہ دوا سے جائے
اپنے مشتاق سے بھی پردہ یہ ہے بات عجیب

دیکھ کر مرض مرا ہو گیا ناچار طبیب

۶ شب دیجور سے دل میرا بہت ڈرتا ہے
نہ دکھانا مجھے شکل اس کی مہیب

اصلاح: کہ یا الٰہی نہ دکھا مجھ کو تو یہ شکل مہیب

شبلی نعمانی

شمس العلماء مولانا شبلی مرحوم و مغفور کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ان کے مکاتیب آپ کسی بھی مجموعے میں شائع نہ ہوئے تھے اور ان میں سے بعض مرحوم کی سیرت پر نہایت عمدہ روشنی ڈالتے ہیں۔ مولانا حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانی کے نام مولانا شبلی کے بہت سے مکاتیب "مکاتیب شبلی" میں چھپ چکے ہیں لیکن جو مکاتیب زیر نظر شائع کئے جا رہے ہیں وہ بالکل نئے اور غیر مطبوعہ ہیں۔

(۱)

بنام مولانا مفتی بشیر علی

آپ کا مفصلہ سامی پہنچا۔ میرے ذمہ ایک آپ کا جواب واجب تھا مگر چونکہ میں نے افتا کا کام مدت سے چھوڑ دیا اور اب اپنے تئیں اس منصب بزرگ کے قابل نہیں سمجھتا اس لئے دستخط کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ امید ہے کہ آپ معاف فرمائیں اور بزرگان دین کے ہوتے میری کیا حاجت تھی۔ والسلام!

شبلی۔ علیگڈھ اکتوبر ۱۸۹۸ء

(۲)

بنام خان بہادر بشیر الدین صاحب ایڈیٹر البشیر اٹاوہ

کرمی! مدرسۃ العلوم و مسلمان جس سے میرا تعلق ہے اس کے متعلق اگر آپ کی کانفرنس میں اظہار پسندیدگی کا ریزولیشن پاس ہو تو میرے لئے کا باعث ہوگا۔ ریاست کے لئے اس قسم کا حکم عزت کا موجب ہے۔ یہاں ماورا ان لوگ اس کو فضول سمجھتے ہیں۔ اگر آپ صاحب کے ہیں تو اس ہی حقدار ہیں۔

شبلی۔ حیدرآباد ۱۵ نومبر ۱۹۰۱ء

(۳)

بنام مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی

مبارکباد۔ رو برو پڑھا اور بار بار پڑھا۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ تحسین نہیں بلکہ حسد کے قابل ہیں اور سچ یہ ہے کہ اگر آپ کی پوزیشن کے پر آئیں تو مجھ میں اسی کمپنی ملنگ کا طور ہوگا۔ یہ روپیہ اخبارات محمدی و رد کرسٹن پڑھا جائے گا۔ اس کو الگ رسالے کی صورت میں چھپنا اور شائع ہونا اس سے اور عمدہ نمونے قائم ہوں گے اور شدید رقت و حیات جاوید کا کل خون فاسد ان نشتروں سے نکل جائے۔ والسلام!

شبلی ۲۴ فروری ۱۹۰۲ء از حیدرآباد

لہ مولانا مفتی بشیر علی صاحب آخر میں جامعہ عثمانیہ کے شعبہ دینیات میں استاذ تفسیر مقرر ہو گئے تھے۔

(۴)

[illegible] صاحب

جس قدر مجھ کو بدوسدہ، کاذب، ہرزہ گو، ناشائستہ لعنت نہیں۔ میں نے دو مہینے ہوئے سرکار میں سفارش بھیج دی کہ فلاں فلاں اشخاص کو کتابیں ہدیۃً بھیجی جائیں اس کی منظوری اب تک نہیں آئی۔ بارہا لکھ چکا ہوں۔ نواب محسن الملک کا بڑا تقاضا تھا، مجبور ہو کر میں نے کتاب بقیمت خریدی اور بھیجی۔ کتابیں تمام دفتر میں ہیں اور میں اعظم گڈھ آگیا ہوں۔ اگر دوبارہ دیر ہوئی تو کالج سے خرید کر کے بھیجوں گا۔

شبلی۔ اعظم گڈھ ۲۲ ستمبر ۱۹۰۲ء

(۵)

[illegible] صاحب

یہ فرد چھاپ دیجئے

"ارتقائی مصنفہ شبلی نعمانی کے ملنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ ڈبوئی ضلع علی گڈھ کالج سے منگوائی جائے۔"

شبلی نعمانی۔ ۳۱ اکتوبر ۱۹۰۲ء

(۶)

[illegible] صاحب

علی گڈھ گزٹ میں کتب ترجمہ انجمن ترقی اردو کی فہرست چھپے گی جسمیں منقولات میں اس کو لے لیجئے گا۔ میرے پاس محرر نہیں۔ خود کام کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے مسودے نقلیں بھی نہیں جا سکتی تھیں۔

شبلی۔ حیدرآباد ۱۷ مئی ۱۹۰۳ء

(۷)

[illegible] صاحب

مخدومی!

انجمن ترقی اردو کی رپورٹ بابت ۱۹۰۲ء[1] علی گڈھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ نمبر ۴۶ جلد ۳۳ مورخہ ۲۵ جولائی ۱۹۰۳ء میں چھپی ہے۔ براہ کرم آپ بھی اپنے اخبار میں جلدی طبع فرما دیں۔ اتفاق سے اس رپورٹ کو شائع ہونے میں بہت دیر لگی۔ جولائی کی رپورٹ بھی تیار ہے۔

شبلی۔ سیکرٹری انجمن ترقی اردو۔ ۴ اگست ۱۹۰۳ء

(۸)

[illegible] عبدالرحمٰن خاں ترجمانی

مکرمی!

میرا ہر روز معتدبہ وقت ندوے کی ادھیڑبن میں صرف ہوتا ہے۔ ندوہ اب تک کیوں کامیاب نہیں ہوا اس کی وجہ یہ ہوئی

---

[1] ۱۹۰۲ء سے مراد ۱۹۰۳ء ہے۔

کہ ہم میں سے کسی نے اپنے آپ کو ندوہ نہیں سمجھا۔ میں اور سید ندوے پر ایک جلسے میں اعتراض کر رہا تھا اس پر بزرگ نے ٹوکا کہ کس پر اعتراض ہے، تو درا اپنے آپ پر؟

مکرمی! اب کم سے کم آپ کو اور مجھ کو یہ مسئلہ طے کر لینا چاہئے کہ ندوہ ہم ہیں لوگ ہیں۔ ملک میں ندوہ پر جو اعتراضات ہو رہے ہیں چونکہ ہماری ذات میں ہم پر اس کی زد پڑتی ہے اس لئے ہم پر برا اثر نہیں کرتے۔ وہ غیر کیجئے جھگڑے کا اسکول یا انجمن اردو میں جائے تو ہماری آپ کی کیا حالت ہوگی۔ معاف فرمائیے گا میں نے آپ کو جوش اور استقلال میں اپنا ہمنا مانا تھا لیکن آپ نے تو رجوع کر دیا۔ مساب تعلیم اور ندوے کے میگزین کی سکرٹری شپ تو آپ نے لے لی۔ رنج حاصل کرنا لیکن دونوں کے ساتھ کیا کیا؟ خیر سہ اور نسبیہ کا محل نہیں کا مزدوج ہونا چاہئے۔ میں نے رسالے کے لئے مولوی عبدالحق صاحب کو لکھا تھا انہوں نے لکھا کہ ناظم سے اجازت طلب کرتا ہوں۔ پھر کچھ جواب نہ آیا۔ حالانکہ یہ مسئلہ طے ہو چکا تھا کسی کی اجازت کی کیا ضرورت ہے۔ میں نے رسالے کے اجرا کی جس قدر کوششیں کیں سب برباد گئیں۔ اب اور نئے منصوبے سوچتا ہوں۔ خیر یہ تو جب ہوگا تب ہوگا اس وقت دو امر ہیں۔ ندوے کا رسالہ۔ یہ ندوے کی علمی عزت کو تھامے گا اس لئے کیجئے مری تصنیفات کا سارا زور اس پر صرف ہوگا۔ رسالے میں حسب ذیل چیزیں ہوں گی۔ (۱) علوم و فنون اسلامیہ پر ریویو (۲) علوم جدیدہ کا تقابل (۳) اثبات عقائد اسلامیہ از عقل (۴) تنقیدات (۵) کتب نادرہ جدید پر ریویو (۶) اعتراض ندوہ (۷) رپورٹ ماہواری ندوہ۔ آرٹیکل آپ اور یہ خاکسار رہوگا لیکن مضامین جدید سے، ہوں گے کیونکہ عام کی صورت میں ان مضامین کی عزت کا مدار مصنف اور صاحب کی محدود عزت تک رہے گا اور یوں وہ مضامین دائمی طاقت کے مضامین ہوں گے۔ نفس رسالہ جاری رہا اور جانب کنز سے تمام ہندوستان میں پھیلا جائے گا۔ یہاں تک کہ دس ہزار پرچے اس کے شائع ہونے لگیں۔ وہ ندوہ کہ اس کی اشاعت میں ہمت کامیابی کی امید ہے یقین کیجئے کہ اگر عمدگی سے اس پرچے کو چلایا جائے تو ندوہ کی مستقل آمدنی ہو جائے گی اور جو وہ ابھی ذلت ثابت ہوگا۔ فوراً ناظم صاحب سے کر کے جواب لکھئے۔

شبلی۔ ۵ر اکتوبر ۱۹۰۳ء

---

(۹)

بنام مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی

مکرمی!

میں سال بھر سے اس کوشش میں مصروف تھا کہ دفتر بھاری ہو جائے تو سال بھر کی رخصت لے کر ندوے میں آؤں۔ پھر تک ملازمت کر دوں لیکن وہ بھی ہوئے ہوئے نتیجہ اجرا کا بھی ہوئی۔ اب جو کچھ ہو سکتا ہے وہ یہ ہے کہ چھ مہینے کی رخصت لوں اور میں آؤں۔ رخصت میں تنخواہ نہ ملے گی۔ شاید صرف ابتدائی مہینوں کی ملے۔ اس وقت رخصت لینا اس لئے بیکار ہے کہ مئی میں بعد رمضان کی تعطیل ہو جائے گی اس کے سوا ندوے اور کانفرنس کے لئے پھر ادھر آنا پڑے گا۔ بہرحال اس وقت میں کام ہی نصاب، اجرائے رسالہ، ندوے کا موضع سبولی میں یا اور کسی مقام قریب لکھنؤ میں منتقل کرنا۔ پہلے دونوں کام یہاں سے بیٹھے ہو سکتے ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ آپ اب دلیری اور مستعدی سے کام لیں۔ رسالے کی تجویز پاس ہو چکی ہے ناظم صاحب سے طریقہ

لے کر لیجئے۔ ندوے کا منتقل کرنا الجنہ مالی مشکلات کے لحاظ سے وقت طلب ہے۔ موجودہ مکان اور نئے پرانے بیکڈا لے جائیں یا مد اسہالی وغیرہ میں کچھ مکانات سہ دست تعمیر کرا دئے جائیں۔ بہرحال اب اٹھئے اور کر بادھئے، ورنہ خالی ممبر بننا بہت بڑے مواخذے کا موجب ہے۔ والسلام!

شبلی۔ ۱۸ اکتوبر ۱۹۰۳ء

(۱۰)

حبیب الرحمٰن خاں شروانی

مکرمی!

(۱) اسلامی خبروں کو میں نے نکال ڈالا۔ (۲) اڈیٹری کی تقسیم یوں ہوگی کہ ہر مہینے میں نصف رسالے کا مضمون آپ اور نصف کا میں بھیجا کروں۔ باہر سے جو مضامین آجائیں وہ بالائی آمدنی ہوگی۔ مضمون نگاروں کا یا کسی اور کا کوئی مضمون اس وقت تک نہ چھپنے پائے جب تک میں یا آپ اس کو دیکھ نہ لیں۔ (۳) معاونۂ مضامین کے لئے حسب ماہوار مخصوص ہوں گے۔ صلہ حسب علمی مضامین باخلاص مرتب دیا جائے گا۔ (۵) اصلی بنسواری طبع کی ہے۔ آگرے کو میں ہرگز گوارا نہیں کر سکتا۔ ندوے کا رسالہ کم از کم اردوئے معلی اور مخزن سے زیادہ خوشخط اور نفیس الطبع ہو۔ اس کے لئے ندوہ خود ایک پریس کیوں نہ کھولے؟ ندوے کے پاس چھاپنے کے لئے خود اتنا کام رہتا ہے کہ ایک پریس بخوبی چلا سکتا ہے۔ میں اپنی تصنیفات بلکہ انجمن اردو کی بھی سب تصنیفات اس کو دے سکتا ہوں۔ بعض تاریخی درس کتابیں بھی آخر چھپانی پڑیں گی۔ یہ تجویز ضرور رہے۔ (۶) ماں نصاب کے لئے آپ نے کیا کیا۔ میں مفصل خط بھیج چکا ہوں جس میں قابل اخراج کتابوں کے نام لکھے ہیں۔

شبلی۔ ۲۳ اکتوبر ۱۹۰۳ء

(۱۱)

حبیب الرحمٰن خاں شروانی

مکرمی!

یورپ میں قاعدہ ہے کہ جب کوئی علمی رسالہ نکالنا چاہتے ہیں تو قریباً سال بھر کے لئے مضامین تیار کر لیتے ہیں تب نکالتے ہیں۔ ندوے کے لئے بھی یہ ہونا چاہئے اور چونکہ بڑی دقت پھیلنے کی ہے اس لئے میری تو یہ رائے ہے کہ دو تین مہینے کا ذخیرہ اس طرح چھپا لیا جائے کہ صرف ٹائٹل پیج اور علمی خبروں کے اضافہ کر دینے کے بعد رسالہ بن جائے۔ میں نے ایک چھوٹا سا مضمون فن تفسیر پر لکھا ہے ایک ریویو فن منطق پر جس میں یونانی منطق کی غلطیاں بتائی ہیں۔ ایک فرنچ عالم کے ایک مضمون کا جو اسلام پر ہے ترجمہ کرایا ہے۔ تنزی مسلمانوں پر تقریظ کا ایک وسیع سلسلہ شروع کیا ہے۔ آپ بھی اسی طرح جستہ جستہ مضامین لکھ چلئے۔ صحابہ کے اخلاق سے شروع کیجئے اور جو جو خیال میں آتا جائے۔ ہاں یہ بتائیے تقطیع کیا ہو۔ کیا اردوئے معلی کے برابر؟ لیکن خط اس سے جلی ہونا چاہئے۔ اڈیٹر کا لفظ عربی میں کیا ہو۔ دیر سے اچھا کوئی لفظ نہیں ملتا۔ ورح پر اڈیٹروں کا نام لکھنا ہوگا۔ میں اس کو بھی اڑا دیتا۔ لیکن اول تو کاروباری اعتبار سے اس کی ضرورت ہے دوسرے یہ کہ نئے لوگوں میں ندوے کی ہوا اس قدر اکھڑ چلی ہے کہ بعض ندوے کے نام سے اس حلقے

همان از گرمیِ ہنگامۂ خوبانِ زردشتی　　بہم آمیختہ از زلف و عارض ظلمت و نور[1]
بہر سو از ہجومِ دلبرانِ شوخ بے پروا　　گذشتن از سرِ مژگانِ افعی راست رہبر را[2]
بہ ساقی گو بیاید کہ رحیلت نزدیک است　　کنار آب چوپاٹی و گلگشتِ اپا[3] گورا

باستمبل بہ بار بچۂ گیرے مژگانش
دگر رہ با ہ گردان ایں قبائے رہ صد تورا

سبلی۔ از بمبئی کلیر روڈ بنگلہ دھی کاست پوسٹ آفس بائی کلا۔

---

(۱۷)

بنام نواب سید علی حسن خاں

مکرمی!

تسلیم۔ ایسی جلدی نہیں جانے کے بعد حل سکتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ الہ آباد لکھنؤ وغیرہ سے بہت گرم ہے گی ٹو شروع ہوگئی۔ ہاں یہ بھی طے کر لیجئے کہ بمبئی میں کب تک رہنے کا ارادہ ہے۔ یعنی فوراً حیدرآباد کا قصد تو نہ ہو۔ یہ گو ٹو نہیں ہوتی لیکن بہت گرم ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ میرے مصالح اس کے مقتضی ہیں کہ ہیں کم از کم ایک مہینہ کے لئے بہت ہی چاہتا ہے کہ آپ کو مسدس ہاتھ سے جلوں لیکن آپ حضرت عمرؓ کی طرح دریہ سے ڈرتے ہیں[4]۔

حافظ احمد رضا خاں سابق جج ہائکورٹ حیدرآباد نے اپنی عام کتابیں جو چار الماریوں کی تھیں وہیں ندوہ کو وقف کر دیں نے آدمی بھیج کر فہرست منگوائی ہے۔ کتابیں بھی عنقریب آتی ہیں۔ ان میں خواجہ حسن نظامی کا دیوان بھی ہے۔ بہ غزل میں عدیم النظیر اچھے صاحب کی تحریر سے معلوم ہوا کہ دو معزز صاحب ندوہ کی برائی بیان کرتے تھے اور آپ لوگ جواب دے وہ لوگ تو معذور ہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں جو کسی وقت ذاتی اغراض کی بنا پر گورنمنٹ سے ندوہ کی برائی کر چکے ہیں۔ اب کیا وہ آپ جھوٹے نہیں؟ والسلام!

سبلی۔ الہ آباد۔ بھرکی گلی۔ ۸ اپریل ۱۹۰۷ء

---

[1] یہ شعر خوبانِ زردشتی سے متعلق ہے اور زردشتیوں یعنی پارسیوں کا بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ دنیا میں دو قوتیں کارفرما ہیں ایک یزدانی دوسری اہرمنی اسی سے بھی تعبیر کرتے ہیں اور اسی کا نمونہ وحدت کے مقابلے میں ثنویت ہے۔ خوبانِ زردشتی نے زلف و عارض سے ظلمت و نور کو باہم ملا دیا۔

[2] چوپاٹی اور پالو ہیبی کی مشہور زنہار گاہیں ہیں۔

[3] یہ محض ایک لطیفہ ہے جو غالباً اس واقعہ پر مبنی ہے کہ حضرت عمرو بن العاص نے مصر فتح کر لینے کے بعد ارادہ کیا تھا کہ بحیرہ روم اور بحیرہ قلزم کو نہر کے ذریعے سے ملا دیں۔ یہ نہر موجودہ نہر سویز سے ذرا مشرق میں کھودی جانے والی تھی۔ حضرت عمرؓ کو اطلاع ملی تو نہر کھودنے کی اجازت نہ دی۔ انہیں یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ یونانی جہاز نہر کے اندر آکر مصر کی طرف سے آنے والے حاجیوں پر یورشیں کریں گے راستہ محفوظ نہ رہے گا۔ اس وقت مسلمانوں نے بحری قوت کی بنیاد بھی نہ رکھی تھی۔ بعد میں ان کی بحری قوت نے یونان و روم و دولت روم پر ہم کر ڈالی۔ بہرحال اگر حضرت عمرؓ ممانعت نہ فرما دیتے تو نہر سویز تیرہ سو سال پیشتر جاری ہو جاتی۔

(۱۸)

بنام الطاف

بخدمت جناب نواب انصار جنگ[1] رام پور!

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ، معمولی اطلاع دفتر سے جا چکی ہوگی لیکن مزید احتیاط کے لئے گذارش ہے کہ اس جلسہ دہ میں ۲۵ و ۲۶ مارچ کو ہوگا آپ کا تشریف لانا ضروری ہے۔ نواب محسن الملک بہادر ضرور تشریف لائیں گے لیکن اگر کالج کا جھگڑا نہ طے ہوا تو اچھا نہ ہوگا شاید نہ آسکیں۔

ایڈیٹر علی خان نے مجھ کو خط لکھا ہے کہ وہ بھی ضرور شریک جلسہ ہوں گے۔ والسلام،

شبلی۔ دفتر ندوۃ العلماء لکھنؤ۔ ۱۹۰۷ء

(۱۹)

بنام مولوی

جناب مولوی صاحب زید عنایتہ!

السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔ اس سال کتب ذیل کا امتحان آپ لیجئے اور پرچے تیار کر کے کم اپریل تک سر امجد کے پاس بھیج دیجئے۔ یہ قومی کام ہے۔ اس تکلیف کو ضرور گوارا کیجئے۔

(۱) شرح کلمۃ الاشراق از حکیم سہروردی (۲) شرح کلمۃ العین مقالہ اول (۳) سلم العلوم کامل۔ (۴) ہدایہ جلد رابع مصنف کتاب الکراہیۃ باب خطبۃ الجمعۃ۔

۱۔ فی کتاب ۱۰ سوال سے کم اور دس سوال سے زائد نہ ہوں۔

۲۔ وقت امتحان کی تعیین کر دی جائے۔

۳۔ نمبر حسب حصہ مقرر کئے جائیں۔

۴۔ ہر سوال کے حاشیہ پر اس کے نمبر لکھ دئے جائیں۔

شبلی۔ دار العلوم ندوۃ العلماء، ۱۰ صفر ۱۳۲۷ھ (۲۰ فروری ۱۹۰۹ء)

(۲۰)

بنام مولانا حبیب

مولانا!

سلیم۔ آپ کی تکلیف فرمائی کا مدتوں مشکور رہوں۔ آپ نے جو شکایت کی ہے یہ تو میرے ہی دل کا زخم ہے لیکن کیا کروں سر طریح مدرسہ کو اچھا، خود جا کر درس میں بیٹھا، پڑھا کر بتایا، اعتراضات کئے، جواب مانگے لیکن وہ جگہ سے نہیں ہلتے۔ بخت کو محنت ہوتی ہے لیکن کیا کیا جائے۔ آسمائے فن انام ملک میں ناپید ہیں اور ذوق علمی کا پتہ نہیں۔ مجبوراً میں نے ادب کو مطمح نظر بنایا ہے جدید مدرسین

[1] نواب وقار الملک کا پہلا خطاب تھا معلوم نہ ہو سکا کہ مشہور و معروف خطاب کی جگہ یہ کم معروف خطاب کیوں استعمال کیا گیا؟

ہیں ایک عرب ادیب مقرر کیا ہے۔
تحفہ کو وصیت ہوئی تو کچھ کرنا۔ لیکن یک سرو ہزار سودا۔ موجودہ تصنیف جب تک ختم نہ ہولے کروں گا۔ نہیں
یہ آپ نے عمر خیام کا جو مقابلہ چھاپا ہے اس نے بہت مسائل قدما پہ اضافہ کئے ہے۔ فرنگستان میں رجحان اور ریویو کیا ہے۔
شبلی - لکھنؤ ۳ر جولائی ۱۹۰۹ء

(۲۱)

بنام مفتی نثیر علی صاحب

مکرمی!

السلام علیکم۔ کیا آپ دار العلوم ندوہ کی پرسپل مشاہرہ ۱۰۰ پر شرط ترقی قبول فرمائیں گے؟ مشاہرہ ابھی
لیکن وسیع قومی کام ہے اور ہر طرح کی اصلاح کا مرفع ہے۔ مشاہرہ بھی ضرور بڑھے گا آمدنی کے ساتھ۔
شبلی - ندوہ، لکھنؤ، ۱۳ر اگست ۱۹۰۹ء

(۲۲)

بنام مفتی نثیر علی صاحب

مکرمی۔

میں حیدر آباد آرہا تھا اور آپ کو وہیں سے لکھنؤ روانہ کرتا لیکن انقلاب حال نے روک دیا۔ ۱۰ شوال سے
کھل جائے گا۔ آپ اس وقت تک ضرور۔ بالضرور لکھنؤ پہنچ جائیں۔ میں وہاں ہوں یا نہ ہوں۔ ہاں ایک بات محض برائے
ضروری ہے وہ یہ کہ مولوی حفیظ اللہ اگرچہ مستعفی ہو کر ہٹ گئے ہیں لیکن انگریزی میں خاصہ ہے کہ برائے نام پہلے تقرر کی
مدت لکھی جاتی ہے۔ اس بنا پر مولوی حفظ اللہ تو نہیں کے لئے گئے ہیں اور یہی صورت آپ کے لئے بھی ہوگی
قطعی ہے آپ ہرگز پس و پیش نہ کیجئے گا۔ فوراً تشریف لائیے گا۔ یعنی ۱۰ شوال تک جواب لکھنا ہو تو پالن
کے پتہ سے لکھئے گا۔

شبلی - ۱۴ اکتوبر ۱۹۰۹ء

(۲۳)

بنام مفتی شبیر علی صاحب

میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ ۱۰ر شوال تک آپ لکھنؤ تشریف لائیں۔ دفتر ندوہ میں تار دے دیجئے گا۔ اسٹیشن
آپ کو لائے گا۔ آپ کے قیام کے لئے بھی مکان وغیرہ کا بندوبست کر دیا جائے گا۔
شبلی - ۱۷ر اکتوبر ۱۹۰۹ء

(۲۴)

مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی

اس سستم ظریفی کی کوئی حد ہے کہ شعرا نجم آپ وظیفہ مانگتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ میں ۲۱ فروری کا گھر سے نکلا ہوں اس وقت تک کتاب ریلوے سے نہیں آئی ہے۔ اب دفتر کو لکھتا ہوں پہنچ جائے گی۔ مکرر کتابوں کی فہرست لکھتا پہنچوں تو لیجئے۔ ابھی تو دلی ہی ہوں کل علی گڈھ روانہ ہوں گا ایک روز وہاں رہوں گا آپ آ جائیے تو زیارت ہو جاتی۔

شبلی از دہلی ۳ رمارچ ۱۹۱۰ء

(۲۵)

مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی

مکرمی!

گرمیاں سخت ہو گئیں۔ میرا پدھروں کا کام ندوے کے انجام سے کر کشمیر وغیرہ بھاگ جانا چاہتا ہوں۔ شاید ایک ہفتہ کے اندر اندر آرا بھی ساتھ ہوں گے۔ نظامت کا مسئلہ معرکۃ الآرا ہے اور جتنی شورشیں ہیں سب اس کی تہ میں ہیں۔ بیرونی بد اعتقادی (بہریت) بے نظامی، تحکم، استبداد یہ تمام اوصاف پہلے ہی تھے لیکن نظامت کی دو رہین نہ ہوتے سے نظر نہیں آتے تھے۔ بہرحال اس کا فیصلہ ضرور کھیئے۔ لیکن بھیجنا پڑنے کے بعد ورنہ میں مرجوعہ نہ ہوں گا اور فیصلہ یک طرفہ ہوگا۔ قاعدے کے رو سے ۳ مہینے کے بعد جلسہ نظامیہ ہونا چاہئے۔ تاکید کھیئے کہ اس وقت تک دستور العمل بن جائے۔ تزئیبات وغیرہ سب پیش ہو چکی ہیں۔ مولوی ظہور احمد کو تھوڑا سا کام ہے مولوی عبدالحی صاحب کو لکھئے کہ ان پر تاکید کریں۔ مزے کی بات یہ ہے کہ دستور العمل موجودہ جو مولوی مسیح الزماں صاحب کے عہد میں بنا ہے اس میں رکنیت کے لئے صاحب تقریر و تحریر ہونا مشہور ہونا بااثر ہونا شرط ہے لیکن نظامت کے لئے صرف ۲ قیدیں ہیں۔ عالم باعمل ہو، ندوے سے دلچسپی رکھتا ہو۔ یہ مفہوم اس لئے بنایا گیا ہے کہ ایسے حضرات پر بھی صادق آ سکے۔ یہ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ کام محنت، صرف زر، صرف لیاقت اور لوگ کریں اور یہ لوگ صرف افسری جتائیں لیکن تجری الریاح بما لا تشتھی السفن۔

شبلی ۴ر اپریل ۱۹۱۰ء

(۲۶)

ارشنی نثیر علی صاحب

مولانا!

گورنمنٹ کو اب اپنی رقم پر توجہ ہوئی ہے اور کلاسوں اور سبقوں کی جانچ پڑتال کرے گی۔ مولوی شیخ محمد صاحب کے گھنٹے اس قدر کم ہیں کہ ان کی تنخواہ دینے میں گورنمنٹ کو تامل ہوگا اس لئے منتخبی مقامات حریری وغیرہ کے سبق ان سے متعلق کرنے چاہئیں۔ اس کے علاوہ ان کے دو گھنٹے مدرسہ میں اس کام کے لئے رکھئے کہ کتب درجۂ تکمیل مثلاً دواوین فیروزی کا فرہنگ بنا ڈالیں اور حل الابیات لکھیں۔ ان تحریروں کو انگریزی طریقہ درس میں کچھ زکر سکتے ہیں۔ منتخبی پابندی کی انتظام میں کوئی ترقی محسوس ہوتی ہے یا نہیں؟

شبلی۔ الہ آباد پتھر کی گلی ۲۴ر اپریل ۱۹۱۰ء

(۲۷)

بنام مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی

میں پہلے سے افسردہ تھا۔ بیماری نے اور دل توڑ دیا۔ اپیل شائع کرنے کی ضرورت نہیں میں نے کام تقریباً چھوڑ دیا ہے لوگ آئیں اور کام سنبھالیں۔ ۵ ہزار خرچ ہو چکے عمارت ناتمام رہی۔ ۴ ہزار کی اور ضرورت ہوگی اس کے علاوہ وہ بورڈنگ کا اضافہ مدارس نرقی تعلیم، یہ سب کام ہیں۔ لوگ آئیں اور انجام دیں۔ میں انشاء اللہ کسی اور صوبے میں قیام کروں گا اور اور کوئی سلسلہ ڈھونڈھ لوں گا۔ مولوی سیف الرحمٰن کو بلوائیے اور تقریر کیجئے۔ مصر سے عربی میں نقشہ مل سکتا ہے۔ والتسلیم!

شبلی۔ ۲۷ اکتوبر ۱۹۱۰ء

(۲۸)

بنام مفتی شبیر علی صاحب

جناب من!

آپ کو شاید میرا خط نہیں ملا۔ آپ کے جانے کا سخت افسوس ہے کوئی نعم البدل نہیں مل سکتا۔ ۶ اپریل کو یہاں جلسہ انتظامیہ ہے اس میں یہ فیصلہ ہوگا۔ مخالفین تو مولوی حفیظ اللہ کو بلانا چاہتے ہیں۔

آپ بروقت درخواست رخصت بیماری مع سرٹیفکیٹ طبی بھیج دیجئے۔

شبلی۔ ۳ اپریل ۱۹۱۱ء

(۲۹)

بنام مفتی شبیر علی صاحب

جناب مولانا!

عجب اتفاق ہے جب آپ کی درخواست رخصت بیماری آئی، میں سخت علیل اور صاحب فراش تھا۔ اسی گڑبڑ میں وہ درخواست کھو گئی۔ براہ عنایت اس کی نقل دوبارہ بھجوا دیجئے باعجلہ درخواست۔ مولوی عبداللہ ڈوئی کچھ جواب نہیں دیتے۔

شبلی۔ لکھنؤ ۳۰ اپریل ۱۹۱۱ء

(۳۰)

بنام مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی

بمبئی کبھی نکل جاؤں۔ درجہ مولوی کے طلبا کی کاپیاں نانام پڑی ہیں۔ مدرس اول کچھ چھ مہینے سے عازم حجاز۔ انتظامیہ کو دو مہینے ہوئے خبر نہ ہوئی۔ ہزار لکھئے، ایک ایک اتحال پر اتنا بڑا کام، وقوف، ڈائرکٹر خاص ان طلبا کے نام مانگتے ہیں جو درجہ مولویت میں ہیں۔ سب کچھ ہے لیکن نہ مجھ کو کچھ اختیار نہ اور کوئی انتظام کرنا کسی سے بحث میں برابر بحث ہوں۔ مولوی خلیل الرحمٰن صاحب راضی ہو جائیں تو سب راضی ہیں کہ مولوی فضل حق رام پور سے بلائے جائیں وہ فرماتے ہیں کہ نواب صاحب ان کی تنخواہ بڑھا کر ان کو بلا لیں گے۔ فرمائیے کہ کیونکر کام چلے۔ عمارت کا وہ حال مدرس کی یہ کیفیت۔ انا للہ۔

شبلی۔ لکھنؤ ۷ مئی ۱۹۱۱ء

(۳۱)

بنام مفتی شیر علی صاحب

مولانا!

دارالعلوم کی حالت نہایت قابلِ رحم ہے۔ ٹوٹکی وغیرہ کوئی نہیں آتے۔ آپ ہی رحم فرمائیے۔ مشاہرہ میں ۲۵ کا اس وقت اضافہ اور سبق آپ کی مرضی کے مطابق جس در آپ پڑھا سکیں۔ بورڈنگ وغیرہ کے اہتمام سے سبکدوشی، عہدہ وہی پرنسپلی۔ اس صورت میں تو درخواست منظور فرمائیے۔ ورنہ ایسے ہو فوراً بلکہ بذریعہ تار مطلع فرمائیے۔ بصورت مجلس منعقد ہوگی اور کوئی انتظام قطعی ہوگا۔

شبلی۔ ۲ر جولائی ۱۹۱۱ء

(۳۲)

بنام مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی

صاحب اختیار افسرانِ کالج سے، رہا فرما کر لکھئے کہ میں اگر آؤں تو کیا مجھ کو گیسٹ ہاؤس میں جگہ مل سکے گی یا اور کہاں؟ متعلقہ حضرت امیر خسرو کیا آپ کے کتب خانے میں ہے۔ ہاں کیا الغزالی، سوانح روم، الکلام اعلیٰ درجے کے کاغذ پر آپ کے ہاں ہیں؟

شبلی۔ بمبئی ۸ر دسمبر ۱۹۱۲ء

(۳۳)

بنام نواب علی حسن خاں

جناب من!

تسلیم۔ ایک خط پہلے بھیج چکا ہوں۔ ارادہ ہے کہ عنقریب لکھنؤ آؤں۔ ۱۰ر دسمبر کو جو جلسہ انتظامیہ ہونے والا ہے اس کی شرکت کا تقاضا ہے۔ آپ وہاں کے موجودہ حالات سے واقف ہیں۔ نیز حکیم عبدالولی صاحب اور مولوی عبدالحی صاحب وغیرہ سے دریافت فرما کر لکھئے کہ وہاں کا آنا کہیں کوفت کا باعث تو نہ ہو۔ اگر طبیعتوں میں کدورت اور رجوع عامہ ہے اور ندوہ کی کارروائیاں بے ڈھنگی ہیں تو عزور مجھ کو سوءِ مزاج روح ہوگا۔ اس لئے آپ کی کیا رائے ہے؟ شریک ہوں یا نہ ہوں؟

چونکہ وقت بہت کم ہے اس لئے جواب بواپسی ڈاک عنایت ہو بلکہ مختصر تار بھی دے دیجئے تو اور بہتر ہے۔ میں غالباً آپ ہی کی کوٹھی پر قیام بھی کروں گا۔ جلسہ کے پروگرام میں بہت بے قاعدگیاں ہیں ان کو الگ خط میں لکھوں گا۔

شبلی۔ حیدرآباد، کاچی گوڑہ ۲۴ر جنوری ۱۹۱۳ء

(۳۴)

بنام سید ہمایوں مرزا بیرسٹر

مکرمی!

تسلیم۔ مشکور یاد آوری ہوں لیکن علیل ہوں۔ اس وقت صرف ذیل کی سطریں حاضر کر سکتا ہوں۔

مشیر نسواں۔ یہ کتاب ایسی حالت میں مجھ کو ملی کہ پیہم تین راتوں سے نیند نہیں آئی ہے اور دماغ بالکل بیکار ہے تاہم

کتاب کو جا بجا سے دیکھا۔ مجھ کو ہر گز توقع نہ تھی کہ ہمارے زمانہ کی معذرات انسبی قابلانہ مفید و دلچسپ اور فصیح کتابیں تصنیف کر سکتے ہیں۔ یہ کتاب محاسن سے مملو اور معائب سے بالکل پاک ہے۔

شبلی - ۱۷ مارچ ۱۹۱۳ء

(۳۵)

بنام مفتی شیر علی صاحب

جناب مولانا

تسلیم۔ یاد آوری اور سپارکا دکا شکریہ۔ افسوس یہ ہے کہ سیرت نبوی کا کام اس وقت شروع کیا کہ آنکھوں میں پانی آ گیا ہے۔ آنکھ بالکل بیکار ہے گو الھی فدح کے قابل نہیں رہی پھر بھی زور پڑتا ہے تاہم قصد کر لیا ہے جو کچھ ہو سکے گا کروں گا۔ افسوس ہے مجھ کو املا کی عادت نہیں ورنہ لکھوانا آسانی سے لکھ لیتا۔

ندوہ کی عمارت نہایت عمدہ بن رہی ہے۔ ۶۴ ہزار خرچ ہو چکے، ۲۵ ہزار کی اور ضرورت ہے۔ اب کے گیارہ ہزار کا چندہ بھی ہوا۔ ایک رئیس نے ۵ ماہوار بھی مقرر کئے۔

ندوہ روبہ ترقی ہے۔ مگر افسوس کہ دوستوں کی عنایت بحال خود باقی ہے۔ مولانا اور رشید صاحب کسی کام کو چلنے نہیں دیتے۔ خیر خدا مالک ہے۔ آپ کی یاد مدت سے دل و دماغ میں تازہ ہے کبھی نہیں بھولی۔

ع　عالم میں تجھ سے لاکھ سہی تو مگر کہاں

شبلی - ۲۶ اپریل ۱۹۱۳ء

(۳۶)

بنام مفتی شیر علی صاحب

مولانا!

تسلیم۔ آپ کے تشریف لے جانے پر کئی دن سے انتظار رہا۔ کتاب مذکور قدیم تصنیف معلوم ہوتی ہے۔ کیا اس کے مضامین اسی قسم کے ہیں جیسے کہ میزان الحکمت کے؟

سب لوگ سلام نیاز عرض کرتے ہیں۔

شبلی۔ بمبئی ۱۶ جولائی ۱۹۱۳ء

اگر کوئی وقف نہ ہو تو کتاب مذکور رجسٹرڈ چند روز کے لئے بھیج دیجئے۔

(۳۷)

بنام مفتی شیر علی صاحب

مولانا!

سلام مسنون۔ کتاب پہنچی لیکن یہ تو ادب کی کتاب ہے۔ آپ نے جس کتاب کا ذکر فرمایا تھا یعنی ترازو

وہ تو یہ نہیں ہے۔ کیا یہ کتاب غلطی سے آگئی ہے؟

شبلی۔ مئی ۲۵ جولائی ۱۹۱۳ء

(۳۸)

نام مفتی شبیر علی صاحب

جناب مولانا شبیر علی صاحب دام مجدکم!

تحیۃ وسلام۔ ان چند مظلوموں کی عرضی اس خط میں ملفوف ہے آپ اگر جناب مولوی انوار اللہ خاں صاحب سے مل کر یا جس مناسب صورت سے ممکن ہو مولوی صاحب موصوف کو دیں کہ اعلیٰ حضرت تک پہنچا کر داد رسی کرا دیں تو داخل حسنات اور سبب شکر گذاری ہوگا۔

واقعی یہ مظلومین موجب رحم اور اعانت ہیں۔

شبلی نعمانی۔ ۵ راگست ۱۹۱۳ء

(۳۹)

نام نواب سید علی حسن خاں

مکرمی!

تسلیم۔ مدت سے خریب و مزاج اور حالات سامی معلوم نہیں ہوتے۔ میں پنجاب ہوا اور عمادالملک کے ایما سے حیدرآباد آیا اور اب تک یہیں ہوں اور چونکہ ہر روز ارادۂ سفر رہتا ہے، آپ کو خط بھی نہ لکھ سکا کہ خط کے بجائے زیارت حاصل کروں گا۔ بیمار ہو رہی ہے ایک جگہ بیٹھ کر دوبارہ نظر اور تکمیل کی ضرورت ہے۔

ندوہ کے موجودہ ارکان جنھوں نے میری فصل کر لی ہے (ان کی فہرست) دفتر سے منگوا کر بھیج دیجئے۔

شبلی۔ حیدرآباد۔ فلاچی گوڑہ ۱۸ نومبر ۱۹۱۳ء

(۴۰)

نام سید افتخار عالم صاحب

جناب من!

تسلیم۔ میری لائف میرے بعد لکھئے گا ورنہ مکمل لائف کیونکر ہوگی۔ تاریخ کا مادہ نہایت عمدہ بلکہ الہامی ہے۔ کسی مناسب موقع پر کھپا سکوں گا۔

شبلی۔ لکھنؤ ۲۵ جنوری ۱۹۱۴ء

۔ مولوی محمد انوار اللہ خاں فضیلت جنگ قندھار شریف کے قاضی، مدرسہ نظامیہ حیدرآباد کے بانی، میر محبوب علی خاں اور میر عثمان علی خاں کے استاد تھے۔ آخر کار صدر الصدور الہام امور مذہبی مقرر ہوئے تھے۔ متعدد تصانیف آپ کی یادگار ہیں۔

(۴۱)

بنام مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی

آنچہ از دل خیزد بر دل ریزد

آپ نے دیکھا ادھر ندوۃ العلماء اسلامی کی تحریک شروع ہوئی اُدھر گورنمنٹ نے بارہ دست شائع کی اور ایک کانفرنس اسی بہانے میں بٹھانے والی ہے۔ ہر سر کام نرا اس کے پیچھے جان لڑا دینا ہے ؎

آگے نصیب ہے جسے پروردگار دے

ہاں، ارالمصنفین پر آپ نے کیوں سکوت کیا۔ آپ سے بڑھ کر اس کی شرکت کا کس کو حق ہے۔ میں اس عمارت کو انشاء اللہ تیار کرا کر لے جاؤں گا اور شاید وہی زیادہ تر مدتوں تک ۔ ۲۴ء سے پہلے علی گڈھ نہ آؤں گا۔

شبلی۔ لکھنؤ ۱۶ فروری ۱۹۱۴ء

(۴۲)

بنام مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی

رسالے کے ٹائٹل پیج کا مسودہ لکھ کر بھیجئے۔ اس خلکان پر عمدہ ربر لیٹا جائے تو کیا کہنا۔ انگریزی ترجمہ اس خلکان سے بہت مدد ملے گی کیونکہ اس میں ٹری انڈکس بھی شامل ہے۔ پیری انڈسٹری کے لئے جلسے کے منعقد ہونے کی ضرورت نہیں بلکہ ناظم صاحب کو لکھئے وہ ممبروں کے نام خط بھیج دیں۔ اس سلسلے میں یہ کہنا بھی ضرور ہے کہ میں آپ کو دنیا میں اپنا سب سے سچا اور مخلص اور بے ریا دوست سمجھتا ہوں۔ میرے دل میں اگر آپ کی طرف سے کھٹک پیدا ہوئی تو میری زندگی بیمزا ہو جائے گی اور ندوے سے بہت بڑا ہاتھ دھونا پڑے گا۔ آپ کے الفاظ ایسے ہیں جن سے میری انڈسٹری کی طرف سے بے دل پائی جاتی ہے۔ مجھ کو اپنی نام آوری کی اب خواہش نہیں رہی۔ لیکن جب ندوے کی طرف سے مجھ کو ایسا ہوا بنایا جاتا ہے کہ میرے نام لینے سے ندوے کا سارا کارخانہ برہم ہو جائے گا تو میں بھی انسان ہوں سخت رنج اور غصہ آتا ہے۔ مولوی محمد علی صاحب نے اسی قسم کی باتوں سے ہمیشہ مجھ کو بے دل رکھا اور ندوے کو نقصان پہنچایا۔ حالانکہ لوگوں کا یہ خیال بھی محض بیکار ہے۔ جب میں نے حیدرآباد سے وظیفہ لیا تو اسی زمانے میں جو میرے اشارے سے ناظم صاحب نے ارکان سے درخواست کیا کہ میں آکر ندوے میں کام کروں تو کیسا ہے، اور موصوف پر بھی ارکان سے رائے لی گئی۔ ہمیشہ مجاری میری طرف رہی۔ باوجود اس کے میں ایسا خطرناک شخص ہوں کہ میرے اظہار مرام سے ایسی ہلچل پڑ جائے گی۔ بھئی! یہ بہت بے ہودہ اور ناپاک پالیسی ہے جو میرے ساتھ بعض لوگوں نے برتی۔ خدا کرے کہ آپ پر اس کی چھینٹیں نہ پڑنے پائیں۔ لوگ یہاں نیچریت سے نہیں ڈرتے بلکہ اس سے ڈرتے ہیں کہ ان کی روشنی ماند نہ پڑ جائے۔ ہاں اس سلسلے میں ایک راز کی بات کہتا ہوں، اپنے ہی تک رکھئے گا۔ کئی مہینے سے نواب محسن الملک نہایت اصرار سے زور دے رہے ہیں کہ کالج میں آجاؤ دو سو روپیہ مشاہرہ ہوگا اور وظیفہ حیدرآباد بھی بحال رہے گا۔ میں سال بھر سے کوشش کر رہا تھا کہ وظیفہ بحال ہو جائے تو نوکری چھوڑ کر

مدرسے میں بلاؤں۔ میں بہتیرے ہوئے اس کوشش میں ناکامی ہوئی۔ نواب محسن ملک لکھتے ہیں کہ اگر کالج میں آؤ تو یہاں سے کوشش کرائی جائے اور وظیفہ جاری ہو جائے۔ اب فرمائیے کیا کروں۔ کالج میں ندوے کا کام کیونکر ہو سکے گا اور کالج میں نہ آؤں تو جیدر آباد رہ کر اور بھی ندوے سے دوری ہے۔ کوئی معقول۔ اسے دیکھتے۔ والسلام!

شبلی

---

(۴۳)

بنام مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی

مکرمی!

ندوے کے سلسلے میں اس قدر اور گذارش ہے کہ مصارف میں مصارف طبع کے علاوہ سو روپیہ اڈیٹر کی تنخواہ، درصورت ماہوار اجرت مصارف میں داخل رکھنا چاہیئے۔ ابھی اڈیٹر کی ضرورت نہیں لیکن مد محفوظ رکھنی چاہیئے۔ کیا معلوم کس وقت کیا ضرورت پڑے گی۔ آمدنی جب مکتفی ہوگی تو مستقل اڈیٹر مقرر کر دیا جائے گا اور مضامین کی اجرت فوراً ہی دینی پڑے گی۔ فلسفہ جدیدہ کا حصہ اگر بڑی مدد اس بغیر معاوضہ کے کام کے کہ پورا کریں گے۔ ہاں مکان موجودہ کا کفایت اگر یہاں ہی نوکر رہا تو ممکن نہ ہوگا۔ لیکن ایک سنجیدہ دار شخص یا کوئی دلال بوضع کمیشن مقرر کیجئے کہ اونے پونے بیچ ڈالے۔ یہ لیاقت دلال کا کام نہیں۔ مولوی عبدالحئی صاحب نے مجھ کو لکھا کہ بمبئی کی آب و ہوا اور موقع سہانت اچھا ہے فوراً وہاں جھونپڑے ڈالنے چاہئیں۔ میں اگر آباد تو مجھ کو صحابہؓ کی وہ سادہ زندگی موجودہ تکلفات سے بہت زیادہ محبوب ہے۔ بہرحال ناظم حال کو لکھئے کہ دلال یا کوئی تنخواہ دار مقرر کریں۔

شبلی

---

(۴۴)

بنام نواب سید علی حسن خاں

ساغر زندگیم حیف کہ ہمدرد نداشت　　جز ہمیں حرعۂ آخر کہ بہ پایاں زدہ ام
جامۂ زہد چو بر قامت من راست نہ شد　　شیشۂ تقوی سی سالہ بسنداں زدہ ام
کس بہ داند کہ بہ خلوت گہ آں ماہ نشام　　زدہ ام ساغر و بر یاد حسینانش زدہ ام[1]
جائے آں است کہ گلشن دہد از کنج لبم　　بوسہا بسکہ بر آں عارض خنداں زدہ ام
نے نوا بردہ کسی زمزمہ نے چیزے نیست
شبلی این تازہ نوا یا نہ چو مستاں زدہ ام

---

[1] حریفاں کے سلسلے میں سید علی حسن خاں کا نام مرقوم ہے۔

دیگر

چند سودہ بہ سندِ غم و تنہا باشم　　زیں پس با قدح و بادہ و مینا باشم
گر چہ رندی و طرب شیوۂ دانا نہ بود　　حاجتم نیست کہ فرزانہ و دانا باشم
نسبتے با ہمہ گلشن بکشم در آغوش　　نسبتے با ہمہ گلشن بکشم در آغوش
چشم مستِ تو بر آں دانست کہ رسوا باشم
ماہ مہر تو ہر عرصہ تواں نیر کشید　　چشم مستِ تو بر آں دانست کہ رسوا باشم
حلوۂ او نگذارد کہ بہ ہیچ دگرے　　بدہد کیست و ہماں محوِ تماشا باشم
ماہمہ دعویِ تلبیس، تواں خواست ز من　　کہ تو از پردہ بر آئی و بر جا باشم

دامنِ عشق ز دستم نہ رود تا شبلی
دامنِ لیلیٰ از کف نزدہ ہم تا ہاشم[1]

---

[1] یہ دونوں غزلیں کلیاتِ شبلی میں موجود ہیں۔ پہلی کے صرف یہی دو شعر ہیں اور دوسری کے دس۔ مولانا شبلی مرحوم نے انداز اس جتنے شعر کہے نواب سید علی حسن خاں کو بھیج دیئے۔

اکبر الہ آبادی

بنام مولوی بشیر الدین صاحب مرحوم (۱)

روشن جبین دھاصاحب قلم سلمہ اللہ تعالیٰ۔ خان بہادر شیخ احمد حسین صاحب رئیس پریانواں مجھ سے شکایت کرتے ہیں کہ "آپ کی تحریک سے میں نے اخبار لینا شروع کیا لیکن جناب مولوی بشیر الدین صاحب نہ تو میرے مضامین چھاپتے ہیں اور نہ اخبار وقت پر بھیجتے ہیں حالانکہ آپ ہی کی تشویق و تحریص سے میں نے مضمون لکھنے کا ارادہ کیا"

اب میں عرض کروں کہ اس شکایت کو دور کیجئے اور مکرمی خان بہادر صاحب کو جو آپ کے قدیمی دوست ہیں معذرت کا خط لکھئے۔

تعلیم مذہبی کے باب میں انہوں نے جو مضمون لکھا تھا اس کا مسودہ میں نے دیکھا تھا مجھ کو بھی پسند نہ آیا اور میں نے سمجھا کہ بہ سبب ناواقفیت کے لکھا گیا ہے۔ میں نے ان سے کہہ دیا کہ جب یہ چھپے گا میں اس کی تردید لکھوں گا اور آپ کی غلطی قطعی ظاہر کردوں گا۔ وہ بہت خوشی سے اس پر راضی ہیں۔

بہرکیف میری رائے میں آپ ان کے مضامین چھاپ دیا کیجئے۔ غلط یا غیر مفید مضمون کی خبر لینے کو میں خود موجود ہوں گا یا آپ نوٹ کردیا کیجئے۔

ان دنوں حسن میاں سلمہٗ جو میرے چھوٹے بھائی ہیں علیل ہیں اسی سبب سے تردد رہا۔ یہ فرمائیے کہ کلکتے کا ارادہ ہے یا نہیں۔ نہ کیوں ہوگا ایک وقت الہ آباد میں ٹھہر کر ہم سے بھی مل لیجئے۔ وقت سے مطلع کیجئے تو انتظار کروں مکرمی جناب خاں صاحب کی خدمت سراپا برکت میں تسلیم بہ صد تعظیم۔

۵ دسمبر ۱۸۹۹ء

آپ کا نیاز مند اکبر حسین

بنام مولوی بشیر الدین صاحب مرحوم (۲)

مولانا۔ مزاج مبارک۔ آپ نے بانی اسلام اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) صاحب وغیرہ غلط اور بے ادبی کے الفاظ پر جو اعتراض کیا اس سے نہایت مسرت ہوئی اور معلوم ہوا کہ آپ کا دل محبت و ادب حضور سرور کائنات سے بھرا ہوا ہے۔

علی گڈھ منتھلی میں ایک مضمون مارسین صاحب کا چھپا ہے جس میں لکھا ہے کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ اگر مرہٹہ اور بنگالیوں کے جتھہ ہو جائیں علٰحدہ اُن کی کوئی ترقی نہیں ہو سکتی۔

تعداد و عرب و افغان سے ان کو کچھ سروکار نہیں ہے۔ نہ پولیٹکل حق میں وہ ہندوؤں وغیرہ کے لئے جا سکتے ہیں وغیرہ وغیرہ

یہ مضمون ذرا ملاحظہ کیجئے اور سید صاحب کا　　اُن کی باتیں یاد کیجئے۔ مارسین کی بات کرنا انگلش فیشن کی بات ہے۔

مارسین نے مجبوری سے یہ لکھا، کیا مجبوری تھی جب آپ سے ملوں گا اپنا خیال ظاہر کروں گا۔

ارادہ کی آب و ہوا کیسی ہے میں ارادہ کرتا ہوں کہ تعطیل ملے تو ۱۰ - ۵ دن ڈاک بنگلے میں رہوں یا سٹیشن نوکر لے لوں۔ مین پوری سے مراسلت کر کے اس میں تکلیف و طوالت ہے۔

الحمد للہ کہ عشرت سلمہٗ کیمبرج کالج کے حصہ اوّل کے امتحان میں جو بہت مشکل تھا ۲ جون گذشتہ کو پاس ہو گئے انشاء اللہ سال آئندہ میں ڈگری حاصل کر کے وطن آئیں گے۔

۲۲ جولائی ۱۹۰۳ء　　نیازمند اکبر حسین

(۳)

بنام مولوی بشیر الدین صاحب مرحوم

مکرمی امید ہے کہ آپ کا مزاج خیر و عافیت سے ہو۔ افسوس ہے کہ وہ حصہ تعطیل کا جو میں آپ کے حضور میں بسر کرنے والا تھا اور آنریبل حاجی محمد اسمٰعیل خاں صاحب اور شیخ احمد حسین خاں صاحب نے بھی میرا ساتھ دینے کا وعدہ کیا تھا غیر معمولی بارش کی نذر ہو گیا۔ حاجی صاحب تو طیار ہیں لیکن کچہری کھلنے کو صرف ۵ - ۴ روز باقی رہ گئے۔ افسوس ہے کہ فقہ کو چند روز سے شکایت چشم پیدا ہو گئی ہے جس کی وجہ سے کار نوشت و خواند خصوصاً کتب و اخبار بینی قریباً بالکل بند ہو گیا ہے اور اسی سبب سے عنقریب ریٹائر بھی ہونا چاہتا ہوں۔

آج لکھنؤ جا رہا ہوں اور ڈاکٹر اینڈرسن سے مشورہ کرنے کو، اگر وقت ملا تو ایک دن آپ سے ملنے کو ارادہ چلا آؤں گا ورنہ کوئی اور وقت مقرر کروں گا۔

علی گڈھ منتھلی جس میں مارسین صاحب کا مضمون چھپا ہے میں نے مناسب نہیں سمجھا کہ اس پر کچھ لکھوں ذیلدار صاحب نے خود ہی کہا اب مصلحت ہے کہ ہم اس کو اور شہرت دیں اور مخالفین کے انبساط کا باعث ہوں۔ غالباً آپ کا بھی یہی خیال ہو۔

یہ خط محض پرائیویٹ ہے

۱۹ اکتوبر ۱۹۰۳ء

مشتاق و نیازمند
اکبر

(۴)

بنام مولوی بشیر الدین صاحب

عشرت منزل۔ الٰہ آباد۔ محمدہ و مناسلیم عرض "البشیر" جناب خان بہادر صاحب مدظلہٗ کو سنایا گیا۔ جناب محمدؐ رحمت

خوش ہوئے اور یہ فرمایا کہ مولانا کو ہمارا شکریہ لکھ دو اور یہ کہ باوجود کچھ دنیاوی خیالات میں مخالفت ہونے کے مجھ کو آپ سے بہت محبت ہے اللہ تعالیٰ آپ کو خوش و خرم رکھے۔

طبیعت کی یہ حالت کہ ہنوز طاقت گفتار نہیں۔ ظاہراً آپ نے مفارقت کر لی ہے لیکن معدہ ابھی غذا کو قبول نہیں کرتا۔ دعا فرمایئے کہ اللہ صحت جلد مرحمت فرمائے۔

۲۰ر جون ۱۹۰۵ء　　کمترین محمد ظہیر پرائیویٹ کلرک

(۵)

بنام منشی محمد الدین فوقؔ

الٰہ آباد۔ مکرمی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ عمریں گزریں آپ سے مراسلت نہیں ہوئی۔ میں کیا کہوں ایک مدت سے کس مصیبت میں ہوں۔ صرف علیل ہی نہیں ہوں۔ اس کے سوا اور بہت کچھ ہوں۔ تفصیل کیا عرض کروں ؎

پڑ گئے گیسوئے اوہام بتاں کے پھندے　　پا رہ نجیر ہے اکبر کا قلم آج کے دن

بہر حال دعا ہے کہ خدا عاقبت بہ خیر کرے۔

رسالہ "طریقت" ماہ دسمبر ۱۵ء دیکھ کر دل خوش ہو گیا۔ زوائد اور قبیح (لفاظیوں) خود آرائیوں خود فروشیوں سے پاک۔ سچے روحانی مضامین سے مالا مال۔ جزاک اللہ۔ مس کوریلی کی تقریر سبحان اللہ نورٌ علیٰ نورٌ۔ بابا صاحب کے خیالات بھی خوب۔ کیا اچھا ہوتا اگر یہ پرچہ انگریزی زبان میں شائع ہوتا۔ کچھ ضرور نہیں کہ اعلیٰ درجہ کا انگریزی لٹریچر ہو کام سے کام مطلب سے مطلب۔ کاش گورنمنٹ اسی طریق کی حامی اور مددگار ہو۔ امیر مکمد دنیا پرستی کا وعظ کہہ کر گویا اپنا ہی گھر لٹوانے کی بنیاد قائم کرتا ہے۔ اپنی خیریت لکھئے۔ دعا کیجئے، دعا دیجئے۔

۲۶ دسمبر ۱۹۱۵ء　　اکبر

(۶)

الٰہ آباد۔ میرے مکرم۔ یاد آوری اور عزت افزائی کا سپاس گزار ہوں۔ چار پانچ سال سے میں ایسی شکایات اور عوارض میں مبتلا ہوں کہ کسی باضابطہ مجلس میں شاید دو گھنٹے تک بھی با اطمینان نہیں بیٹھ سکتا۔ اس موسم میں معدہ دیاں اور بھی بڑھ جاتی ہیں۔ غذا میں ایسی احتیاطیں ملحوظ ہیں کہ سفر میں بھی کسی کا مہمان نہیں ہو سکتا۔

انہیں وجوہ سے مدت سے آپ کی ملازمت سے مسرت حاصل نہیں کر سکا۔ آپ ملت کے ایک بڑے باخبر اور سرگرم خیر طلب ہیں۔ اللہ آپ کو کامیاب فرمائے۔ زندگی ہے تو شاید مارچ اپریل میں مل سکوں۔ سچ تو یہ ہے کہ اب مجھ پر زندگانی بار ہے۔

خواجہ حسن نظامی صاحب کو کیوں نہ صدمہ بنایئے؟ مجھ کو بالتحقیق معلوم ہوا ہے کہ چیف سکریٹری صاحب گورنمنٹ نے اردو کانفرنس لکھنؤ میں ان کی شرکت منظور کی اور ان سے ملنے کا بھی وعدہ فرمایا۔ یہ بات طے پائی اور بلاشبہ یہی مناسب تھا۔ کہ خواجہ صاحب پالٹکس کو چھوڑ دیں۔ تصوف کی اشاعت کا شغل کافی ہے۔ اگر آپ فرمائیں تو میں ان کو لکھوں۔

۹ر دسمبر ۱۶ء　　آپ کا دعاگو اکبر .....

بنام نواب سید علی حسن صاحب　　(۷)

مرحومی سلمہ اللہ تعالیٰ! جناب نواب نور الحسن خانصاحب کے انتقال کی خبر نے اس قدر مغموم کیا کہ اس کا اظہار مشکل ہے۔ ایسے فرشتہ خصلت لوگ کہاں نظر آتے ہیں میرے بڑے محب اور قدردان تھے۔ آپ کے دل پہ کیا گزری ہوگی اس فقرہ سے تکلیف ہوتی ہے۔ یہی خیال تسکین دہ ہے کہ مامنیز بہا سفر یم۔

میں اس سال برسات میں بیحد علیل رہا اور ارادہ تھا کہ فوراً تعزیت کے لئے حاضر ہوں لیکن نہ آسکا۔ خود ایسی پریشانیوں میں رہتا ہوں کہ عرض نہیں کرسکتا۔

اللہ تعالیٰ آپ کو مدت دراز تک صحیح وسالم اور مسند عزت پر متمکن رکھے۔ آپ سے بہت کچھ دلی قوت ہے۔ کرے جلد حاضر ہوسکوں۔

۱۶ر نومبر ۱۷ء　　خاکسار اکبر حسین الہ آباد

بنام منشی محمد الدین فوق　　(۸)

مکرمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ امراض متعددہ کے سبب سے دل ودماغ پر قابو نہیں۔ افسوس کہ آپ کے عنایت نامجات کا جواب ابھی تک نہ لکھ سکا اس وقت تو لکھنا بھی مشکل ہے۔ انگلیوں میں درد ہے دیوان سے کچھ اشعار بھیجے ہیں۔ زندگی رہی تو پھر بھی۔ طریقت پر خدا آپ کو مستقیم رکھے۔

۲۶ر دسمبر ۱۹۱۶ء　　اکبر حسین۔ الہ آباد

بنام منشی محمد الدین فوق　　(۹)

کتاب حریت اسلام پہنچی۔ یاد آوری کا سپاس گزار ہوں۔ بہت دلچسپ کتاب ہے۔ وقت کے مناسب حال ہے۔ خداوند تعالیٰ ہم لوگوں کو عزت عطا فرمائے۔ آپ کو جزائے خیر دے۔ میں چند سنہ سے بہت بیمار رہا اور ہوں کہ انتشار ہے۔

۲۸ر اپریل ۱۹۲۱ء　　طالب دعا اکبر

بنام منشی محمد الدین فوق　　(۱۰)

برادر طریقت[1] سلمہ اللہ تعالیٰ۔ آپ کی محبت اور مزاج پرسی سے دل کو بہت مسرت ہوئی۔ منیلی کے دن ہیں۔ نفس واپسیں کا انتظار ہے۔ ہر حال میں خدا کا شکر ہے۔ اس وقت تو علاج سے نفع ہوا ہے۔ امید ہے آپ کا رسالہ اچھی طرح چل رہا ہوگا اور آپ بھی راہ سلوک میں سرگرم اور اس سے بہرہ اندوز ہوں گے۔

الہ آباد ۱۸ر اکتوبر ۱۹۲۴ء　　خاکسار اکبر

(۱۱)

مکرمی افسوس ہے کہ آج آپ کی مکالمت ومجالست کے لطف سے محروم رہا۔ حالت یہ پیش آئی کہ دوسرے

[1] طریقت

مہمان صاحب بہ سبب ضعف کے آ نہ سکے اور لکھ بھیجا کہ میرا کھانا یہیں بھیج دیجئے ادھر ہاشم سلمہ پہنچا ادھر میں اوس میں مشغول ہوا خود بھی کھانے کے لئے طیار نہ تھا۔ کچہری کا وقت آن پہنچا۔ میں سمجھا کہ نہایت بے لطفی ہوگی کہ آپ تنہا طعام نوش کریں۔ بہ مجبوری وہیں بھیج دیا۔ اس وقت آپ کا منتظر تھا مگر سنا کہ آپ باہر گئے ہیں کہا کل شب کو آپکا قیام نہ ہوگا تاکہ آپ سے اطمینان سے ملنے کا موقع ہو۔

اکبر حسین

(۱۲)

عزیز کرم سلمہ اللہ تعالیٰ۔ آپ کے خط سے روحانی مسرت ہوئی اگرچہ میں اب دنیا سے قریباً بالکل بے تعلق ہوگیا ہوں۔ لیکن آپ کی محبت اور قابلیت کی یاد دل سے نہیں گئی۔

آپ تو ارباب طریقت میں شمار کئے جاسکتے ہیں۔ افسوس ہے کہ اب کوئی جلد تعلیمات کی باقی نہیں ہے پرسوں خیر کاپی حصہ اول کی کسی کو بھیج دی گئی۔

حصہ دوم پریس میں ہے۔ امید ہے کہ اگست میں اشاعت پا جائے۔ حصہ سوم ابھی زیر ترتیب ہے۔

گردش لیل و نہار کو دیکھئے۔ خوب قافیے ملا کرتے ہیں۔ خدا آپ کو ترقیات باطنی نصیب کرے۔ دنیائے فانی صرف تماشا اور لہو و لعب ہے۔

الہ آباد ۱۲ رجون سنہ ۱۹ء　　نیازمند دعاگو اکبر حسین

مولوی بشیر الدین مرحوم

(۱۳)

پیارے عنایت فرما۔ افسوس ہے کہ مارسین والا مضمون میں اب تک نہ بھیج سکا۔ انشاء اللہ معہ ترجمہ بھیجوں گا۔

۴ راگست کے البشیر میں محمد علی صاحب نے ہماری حاتمیں کے عنوان سے ایک مضمون لکھا ہے بہت جوش اور قابلیت سے لکھا ہے۔

ہمارے برادر مکرم شیخ احمد حسین خان بہادر رئیس پریانواں دیانت فرماتے ہیں کہ یہ مسٹر محمد علی صاحب کون بزرگ ہیں۔ کیا ایڈریس ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ آپ براہ کرم جلد اس امر سے مطلع فرمائیں گے۔ خان بہادر صاحب پردے کے باب میں ایک پمفلٹ شائع کیا چاہتے ہیں۔ خدا آپ کی مدد کرے۔

خادم اکبر حسین

مولوی بشیر الدین صاحب مرحوم ایڈیٹر البشیر

(۱۴)

جناب ایڈیٹر صاحب۔ جناب مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی نے قرآن مجید کا جو بامحاورہ اردو ترجمہ شائع کیا ہے وہ درحقیقت نہایت عمدہ بلکہ لاجواب ہے اس سے بہتر خدمت اسلام کی اس زمانے میں ذہن میں نہیں آسکتی۔

اللہ تعالیٰ مولوی صاحب کو جزائے خیر عطا فرمائے ان کے علم و قابلیت سے قوم کو بہت فائدہ پہنچا اور بہت فائدہ پہنچنے کی امید ہے۔

بعض مقامات پر مجھ کو شبہ پیدا ہوا ہے یا تو میرا شبہ بیجا ہے اور اب ہوا کچھ بعید نہیں کیونکہ بغیر علم کی روشنی کے نہ عقل و قیاس کو اس منزل میں کہاں تک رسائی ہو سکتی ہے اور یا فی الواقع ترجمہ میں کچھ غلطی ہو گئی ایسا ہونا بھی کچھ بعید نہیں کیونکہ مولوی صاحب کے مددگار اور بزرگوار بھی تھے شاید کسی نے غلطی کی اور نظر ثانی میں اس پر نگاہ نہ پہنچی بڑے عظیم الشان قانون فطرت کے ترجمے میں اگر کہیں دو چار غلطوں پر نظر نہ پڑی تو کچھ تعجب نہیں۔ اب میں اپنا شبہ بیان کرتا ہوں۔ سورہ والتین کے ترجمہ بر صفحہ ۹۵۱ لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم ثم رددنہ اسفل السافلین کا ترجمہ جب دیا گیا ہے۔ ہم نے انسان کو بہتر سے بہتر ساخت کا پیدا کیا۔ پھر ہم اس کو (بوڑھا کر کے) کمتر سے کمتر مخلوق کے درجے میں لوٹا لائے۔

بریکٹ میں جو الفاظ توضیح کے لئے بڑھا دیئے گئے ہیں اس کی صحت میں مجھ کو شبہ ہے درحقیقت یہ غلط نہیں ہے معنی کے بیان میں شاید غلطی ہوئی میرا خیال تھا اور ہے کہ یہاں جوانی اور بڑھاپا مقصود نہیں ہے بلکہ انسان کی روحانی اور اخلاقی حالت کا بیان ہے ترک دنیا کن و بگمد

دوسری آیت الا الذین آمنوا و عملوا الصلحت فلھم اجر غیر ممنون اس خیال کی تائید کرتی ہے

اگر میرا خیال صحیح تسلیم کیا جائے تو آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح چاہیئے۔ اگر میرا خیال صحیح تسلیم نہ کیا جائے تو یہ بات زیر بحث ہوگی۔

سید اکبر حسین الہ آباد

بنام جناب بشیر الدین صاحب مرحوم　　(۱۵)

واہ حضرت کلکتہ سے واپسی کے وقت وعدہ تشریف آوری آپ نے خوب پورا کیا میں تمام خیالات و مضامین لئے ہوئے آپ کا منتظر رہا۔ آپ آئے تو خوب گپیں اڑیں، اور منصوبے گھٹتے خیر اب بھی تعمیل ارشاد پر کمربستہ ہوں۔ خدا ماہ صیام نے زیادہ تر تکماکر دیا ہے۔

آپ کلکتہ کے تحائف لئے ہوئے سیدھے گھر پہنچے اس ڈر سے کہ حصہ نہ لگائے۔

نیازمند اکبر

بنام مولوی بشیر الدین صاحب مرحوم　　(۱۶)

مکرمی۔ میں تو آپ کا پرانا آسامی ہوں۔ عشرت سلمہ نے بھی تحریک کرتے تو تعمیل ارشاد کرتا۔ چنانچہ قیمت دے کر اخبار لیا۔ میں علیل رہتا ہوں۔ تعلقات منقطع رہتے ہیں اگرچہ اکثر امور لائق بیان ذہن میں آیا کرتے ہیں لیکن عاقبتی کو ترجیح دیتا ہوں۔ کبھی اخلاق، معرفت، موعظت میں کوئی نکتہ کہہ دیتا ہوں۔ خاتمہ قریب ہے اللہ تعالیٰ عاقبت بخیر کرے

صدیوں فلاسفی کی چناں و چنیں رہی　　لیکن خدا کی بات جہاں تھی وہیں رہی

یعنی نجات آخرت کا خیال سب کو ہے۔

اکبر

آپ کے دوست جعفر حسین صاحب کہاں ہیں کیا کرتے ہیں؟

شاد عظیم آبادی

(۱)

بنام مولوی محمد سلیم صاحب جی گڈھ (مظفر نگر)

مکرمی!

اردو تعلیم کے پروف جہاں تک چھپے ہیں افسوس ہے کہ ناقص چھپے ہیں۔ اس کے حالات دیباچہ سے واضح ہو سکتے ہیں مگر وہ آخر میں چھپے گا یا میں ہمہ جتنے اوراق چھپے ہیں ملاحظہ فرمالیں۔ جو جو پروف چھپتے جائیں گے انشاء اللہ حاضر کرتا جاؤں گا۔ حتی الوسع اسی تعلیمی پہلی کتاب میں تمام رسم الخط و اشارات املائی اور بعض ضروری نقائص اس خط کے وضع کئے گئے ہیں۔ اس کا حال غیر تفصیل ملاحظہ فرمائے ہوئے معلوم نہیں ہوا ہوگا۔ یہ تحریر میں نے ایک موقع کے لئے لکھی تھی۔ یہی مسودہ ہے صاف بھی نہیں کیا گیا ہے اور نہ نظر ثانی کی ہے۔ امید ہے کہ ازراہ عنایات بشرط فرصت اس کو ملاحظہ فرما کر واپس مرحمت فرمائیے گا۔ ہر چند اس مسودے میں اکثر زوائد ہیں جن پر اصلاح دینا ضروری ہے مگر آپ سے ایسی ہی ایک جہتی ہے کہ مجھ کو اس کے بھیجنے میں کوئی تامل نہ ہوا۔ ملاحظہ فرما کر واپس فرما دیجئے۔ عمر کم طویل وعدہ کم ذلیل۔

خاکسار سید علی محمد شاد ۱۱ مئی ۱۹۰۵ء

(۲)

بنام مولانا شاہ سلیمان صاحب مرحوم پھلواروی

جناب مولائی و ملادی!

تسلیم بجالاتا ہوں۔ اس دفعہ خاکسار نے محرم میں کوئی مجلس نہیں پڑھی ورنہ حسب وعدہ تکلیف دیتا۔

میرا تو دل چاہتا ہے کہ کسی دن میں پھلواری میں حاضر ہوں۔ چند گھنٹہ تک تھدست والا میں حاضر رہ کر مرثیہ پڑھوں۔ ممکن ہے کہ کوئی یہ بھی رکھوا دیا جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ فرش پر بیٹھ کے پڑھوں۔ گو پیرانہ سالی و امراض قلب و معدہ میں گرفتار ہوں مگر ممکن ہے کہ دو گھنٹہ کی محبت ہو جائے۔

غالباً اگر کہ کی اور دکا نفر فس میں ۲۶ ربیع تک مجھ کو سبھالنا پڑے۔ اگر اس سے قبل کوئی تاریخ مناسب ہو تو مجھ کو مطلع فرمایا جائے

حالت یہ ہے کہ میں بارہ بجے دن کو صرف ایک وقت غذا کرتا ہوں، بعد اس کے بلا فصل دو گھنٹہ تک سو رہتا ہوں یا تین بجے کا وقت رکھ جائے یا نو بجے دن کا۔ مجھ کو معلوم نہیں کہ پھلواری جانے میں مجھ کو ریل کا کون سا وقت اختیار کرنا ہوگا تاکہ اسی دن شام کو گھر واپس آجاؤں۔ پھلواری کے بعض بزرگوں نے اور دفعہ بھی مجھ پر اصرار کیا تھا مگر مجھ سے نہ ہو سکا۔ غالباً ان بزرگوں کو بھی میری حاضری کی خبر مل جائے گی۔ فقط کم محمدہ و برب الورود۔

خاکسار خادم: السید علی محمد شاد۔ پٹنہ ۱۶ دسمبر ۱۹۱۳ء

---

(۳)

بنام پروفیسر محمد مسلم صاحب علی گڑھ (پٹنہ)

ہر دلعزیز مسلم روحی فداکم!

میں تعجب کرتا ہوں کہ اس مفصل خط کے بعد جو خط میں نے آپ کو لکھا وہ کیوں نہ پہنچا۔ تصویر کا ایک ورق چھپا ہوا میرے پاس پہنچا۔ دیکھ کر افسوس ہوا میں نے جو پیمانہ اس کا قائم کیا تھا وہی پیمانہ مثنوی کا تھا چنانچہ سراسر برابر خطوں میں اطلاع دیتا گیا ہوں مگر یہ تصویر اس پیمانہ سے دوگنی ہے۔ اب بجز اس کے اور کیا کر سکتا ہوں کہ مثنوی کی تقطیع بھی اتنی ہی رکھی جائے۔ سخت تعجب ہے کہ منیجر صاحب نے غور نہ کر لیا۔ یہاں کے طبع سے اب مجھ کو پوری یاس ہو گئی یعنی اب تک صاحب مطبع نے مجھ سے ملاقات تک نہیں کی ہے۔ نبا صاحب نے بڑی مشکلوں سے بلوایا تو عجب عجب باتیں اس نے کیں یعنی اب دیر نہ ہوگی۔ میں نے بھی ڈھیل دے دی ہے کیونکہ جب تصویر ہی بڑی بن گئی تو خواہی نخواہی تقطیع بدلنا پڑا۔ میں نے پرسوں الہلال کو مفصل خط لکھا تھا۔ باقی پورے مطبع کھگ بلاس کا منیجر مولوی شجاعت علی خاں صاحب کا سفارشی خط لے کر میرے پاس آیا۔ مطلب یہ ہے کہ اس نے ایک ایسی کتاب کے جمع کر کے چھاپنے کا قصد کیا ہے جس میں لیڈی ہارڈنگ کے مرنے پر جس جس زبان میں ماتم نامہ لکھا گیا ہے سب کو ایک جگہ جمع کر کے وائسرائے کے پاس بھیج دے مجھ سے بھی اس کی خواہش ہے کہ میں بھی مسدس دے دوں۔ اس سے اس مثنوی کا ذکر آیا تو وہ بخوشی ٹائپ میں چھاپنے پر راضی ہے۔ آج غالباً وہ حساب وغیرہ اور نمونہ لے کر آئے گا دیکھیں کیا ہوتا ہے۔ طبع کتاب کے بارے میں ہمیشہ سے میری تقدیر یہی رنگ دکھایا کی ہے جس کو آپ نے ملاحظہ کیا۔ دیوان کے بارے میں مخدومی جناب مولانا ابوالکلام صاحب کے ارشاد کا میں ممنون ہوں۔ اہل علم سے میں کوئی چیز عزیز نہیں کرتا خاص کر کے جب خود میری ہی بھلائی اس میں ہے۔ اس بارے میں ان سے خط و کتابت ضرور کروں گا۔ ساتی پوری ساریاں کلکتہ میں ہر قسم کی اقراط سے ملتی ہیں۔ کمر پر بیل والی ساریاں یہاں کی عورتیں پسند نہیں کرتیں۔ ایک انچ کی بیل چار طرف کور میں ہو اس کو پسند کرتی ہیں۔ معمولی قد کی ساری ململ کا کپڑا قیمتی دو یا دو چار آنہ زیادہ کی دو عدد ساری اور کسی قدر دراز قد عورت کے قابل ویسی ہی ساری ایک عدد درکار ہے۔ رنگونی سلیپر خاص کر کے نئے بازار یا ٹھیاں میں بہت ملتی ہیں۔ ڈیڑھ روپیہ تک فی عدد قیمت ہے۔ ایک سلیپر ۹ انچ لانبی اور ایک ۷ سات انچ لانبی درکار ہے۔ دو معمولی سوزے یعنی بوند گھنڈی دار ایک تین برس کے لڑکے اور ایک دو برس کے بچے کے قابل قیمتی فی ڈیڑھ روپیہ۔ مذکورہ بالا چیزوں کی فہرست ذیل میں ہے:

ساری ساتی پوری جس میں چار طرف بیل ایک انچ کی ہو معمولی قد کی ساڑھے چار گز لمبی دو عدد فی عدد　　نقرہ　　للعہ

ایضاً دراز قد اور مذکورہ بالا ساریوں سے کسی قدر ممتاز ساڑھے چار گز لانبی ۴ عدد　　۱۲/۱۵

سلیپر سیاہ رنگوئی آٹھ انچ لمبی ۴ عدد　　۴/۴

ایضاً ۱۰ انچ لمبی ۴ عدد　　۴/۴

ایضاً سات انچ لمبی ۴ عدد　　۴/۴

بوٹ گھنڈی دار تین برس کے لڑکے کے قابل ۴ عدد　　۴/۴

ایضاً دو برس کے بچہ کے قابل ۴ عدد　　۴/۴

۱۲

اگر آپ کا قیام وہاں ایک ہفتہ تک اور رہے تو میں منی آرڈر بھیج دوں اور اگر موقع نہ ہو تو بشرطیکہ اتنے روپے آپ کے پاس ہوں تو از راہ عنایت خود خرید فرما کر اپنے ساتھ لیتے آئیے گا۔ اس کے علاوہ دو ٹکیہ صابون عمدہ قسم کی بھی ہمراہ لائیے گا۔

میں خوب جانتا ہوں کہ آپ کو خریداری میں زحمت ضرور ہوگی مگر مجبور ہوگیا ہوں۔ چنانچہ مرغی کا بھیجنا بھی ضروری سمجھئے۔ اگر آپ کا وہاں ایک ہفتہ اور بھی قیام ہوگا تو مسدس مطلوبہ مولانا ابوالکلام حاضر کردوں گا۔ لیک آپ کو مولانا ابوالکلام صاحب کے پاس جانے میں اتنی تکلیف نہ ہوتی ہوگی جیسی ہم لوگوں کو باقی پور جانے میں مگر اب چنداں تکلیف کی حاجت نہیں ہے۔ آپ نے اور صورا تر جمہ کیوں بھیجا۔ پورا کر دیتے تو میں دوسروں کے بار احسان سے کسی قدر سبکدوش رہتا نہ اس وجہ سے کہ آپ مجھ سے مشورۂ سخن کرتے ہیں بلکہ اس سبب سے کہ آپ جس خاندان عالی کے ممبر ہیں مجھ کو اس خاندان سے دلی محبت ہے۔ دوسرے اللہ تعالیٰ نے فی زمانہ آپ کو ایسا سعادت مند پیدا کیا ہے کہ آپ کو دیکھ کر میں فخر کرتا ہوں کہ میرے شہر کے پرانے خاندان میں آپ ایسا جوہر کامل پیدا ہوا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو طویل العمر کرے اور جیسے آپ ہیں ویسی ہی ترقی بخشے۔ آمین رب العالمین!

ناکسار دعاگو: سید علی محمد شاد۔ جولائی ۱۴ء

---

(۴)

سید ہادی احمد صاحب فانی بلگرامی

برخوردار نور چشم فضائل مآب سلمکم اللہ تعالیٰ!

آپ کے تشریف لے جانے کے بعد مجھ کو زیر ناف سخت درد پیدا ہوگیا۔ رات تڑپ کر کٹی۔ تھوڑی دیر سے کچھ افاقہ ہے جس ہمو ریل کا آپ سے ذکر کیا ہے اس کا ایک انگریزی مسودہ اور کچھ مضمون اس پر زیادہ کیا ہے۔ اردو میں وہ مضمون جاتا ہے۔ پوری امید ہے کہ آپ ان مضامین کو اپنے طور پر انگریزی میں لکھ دیجئے اور معاف کر کے اس دوشنبہ کے قبل میرے پاس روانہ کر دیجئے۔ دوشنبہ کے دن کمشنر صاحب کو دکھا کر چھپوانے کا ارادہ ہے اور اگر آپ کی عنایت ہوگی تو انشاء اللہ ۱۵ر نومبر کو داخل کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی روز افزوں ترقی عطا کرے۔ آمین!

راقم الدعا: السید علی محمد شاد۔ ۱۷ر نومبر ۱۹۱۵ء پٹنہ۔

---

(۵)

بنام سید وحید احمد صاحب فانی بلگرامی

جان و دل نثار بقربان شما!

ایک ہفتہ سے زیادہ ہوا کہ آپ کا گرامی نامہ باعث قوت دل حسرت منزل ہوا تھا۔ کتابوں کی نسبت کیا عرض کروں۔ بس ہفتہ ستیاناس ہوا ہے۔ کل چاروں کا ایک ایک جزو تیار ہو جائے گا مگر کوئی نہ کوئی بکھیڑا نکل آتا ہے۔ شاید اب تو ارتکمہ تیار ہو کر آپ کے پاس روانہ ہو جائے۔

بھائی اس عمر اور روشن اور ضعف نے مجھ کو مار ڈالا ہے۔ اس پر سودہ دیکھنا، کاپی دیکھنا، پروف دیکھنا اور پھر مختلف مضامین پر نظر رکھنا۔ خدا اہل علم و فن میں عزت رکھ لے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھے اور درجۂ اعلیٰ پر پہنچائے جب دیکھ کر دل باغ باغ ہوتا ہے۔ میں تو اس وقت بھی فخر کرتا ہوں اور دل چاہتا ہے کہ تمہارے پاؤں کی خاک اپنی آنکھوں سے لگایا کروں

تمہارا خاکسار السید علی محمد شاد ۳۰ دسمبر ۱۹۳۰ء

---

(۶)

بنام پروفیسر محمد مسلم صاحب (پٹنہ)

سلمکم اللہ باعیش والسرور

السلام علیکم۔ مجھ کو بڑی شکایت ہے کہ آپ نے مطلق اپنے حالات کی مجھ کو خبر نہیں دی۔ دریافت کرنے سے کوئی درست پتہ بھی نہ مل سکا۔ ابھی قاضی عبدالودود صاحب سے معلوم ہوا کہ آپ علی گڈھ میں ہیں۔ مسٹر راس مسعود صاحب نے مجھ کو لکھا کہ آپ مولوی محمد مسلم صاحب سے کہہ دیجئے کہ جب یہ حیدرآباد پہنچ جائیں (یہ خط جاپان سے لکھا تھا اور نوٹ کے آخر میں اپنا پہنچنا بتایا تھا، تو ہم کو اطلاع دیں)۔ مجھ کو پتہ ہی آپ کا نہ مل سکا۔ مولوی عباس حسین صاحب کا خط بھی مل گیا ہے اگر ضرورت ہو تو دوں بھیج دوں۔ قاضی عبدالودود صاحب میرے غزلیات بامرار چھپوایا چاہتے ہیں۔ حالت یہ کہ دو بارہ جزو سے زیادہ نہیں چھپواتے خود مضطرب بھی کرتے ہیں۔ اب میں سخت مجبور ہوں کہ کیا کروں۔ میں برابر بیمار رہا اور دوسرے کاموں میں ایسا الجھا کہ غزلوں کو دوبارہ نہ دیکھ سکا۔ وہ کل مسودہ غزلوں کے لئے ہوئے چلے گئے۔ ان کے دادا سے بے حد ربط تھا میں کیا برا تھا غرض جہاں تک معلوم ہوا پانچ جزو تک کا پیماں بھی لکھی جا چکی ہیں۔ ان کا پیرا کو وہ علی گڈھ چھاپنے کو بھیج رہے ہیں جس مطبع میں تاریخ اسلامیہ چھپی ہے وہیں اس کو بھی چھپوائیں گے۔ مجھ کو بہت بڑی خوشی اور فوت ہوئی کہ آپ وہاں موجود ہیں۔ انشاء اللہ کوئی غلطی میری خود اور کتابت کی نہ رہنے پائے گی مگر حالت یہ ہے کہ جب تک میری کتاب فکر بلیغ تمام نہ ہو دیوان کا چھپنا مصلحت نہ تھا کیونکہ میرے اصولوں سے ہنوز لوگوں کو اطلاع نہیں ہے اس لئے میں یہ چاہتا ہوا کہ ان غزلیات کے ساتھ ساتھ فکر بلیغ کا چھپنا بھی وہیں شروع کیا جائے۔ کتاب مرتب ہے اور مجلد۔ وہیں کتابت ہو آپ تنسیخ کریں۔ مالکان مطبع سے طے کیجئے اور کہئے کہ مصنف اس کا غریب شخص ہے حصہ اول آپ کا بارہ تیرہ جزو سے کم نہیں حصہ دوم کچھ زیادہ ہے۔ تقطیع تاریخ اسلامیہ سے زیادہ ہو تو بہتر ہے ورنہ جو رائے آپ کی۔ (۱) کتاب پانچ سو چھپے گی (۲) کتابت اور چھپائی ٹھیک تاریخ اسلامیہ کی سی (۳) پوری کتاب جون میں مل جائے اور حصہ اول تو اپریل میں ضرور ہے (۴) ٹیرٹ

ملے ہو جائے کہ روپے چار قسطوں میں ملتے گے۔ شروع کتاب کے ساتھ ایک سو، چار جزو چھپنے پر ڈیڑھ سو، نصف چھپنے پر ایک سو، بقیہ کل چھپنے پر (۵) وعدہ خلافی کا بطن ذمہ دار ہے اور غلطی کتابت کے سرہوی محمد مسلم صاحب سلمہٗ۔ واپسی ڈاک مفصل جواب دیجئے۔ یہ اخیر کام میرا آپ کو کرنا ہوگا۔ سنا کہ آپ لڑکے کو بھی ساتھ لے گئے ہیں بہت اچھا کیا خدا اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ اس کتاب کے چھپنے کے لئے مشکل سے روپے فراہم کئے ہیں ٹوٹتا ہوں کہ ضرورت میں خرچ نہ ہو جائیں۔

میری غزلوں کی کاپیاں خود آپ نظر غائر سے دیکھئے۔ ۸۰ برس کو عمر میں پوک جانا عمداً غلطی کا رہ جانا ضروریات سے ہے اور خاص پیرسالہ جو زمانہ کی حالت ہے آپ سے مخفی نہیں۔ میں یہاں تک آپ سے مطمئن ہوں کہ اگر وقت کم ہو تو کچھ ضرورت نہ سے پوچھنے کی نہیں ہے جو مناسب معلوم ہو خود بنا دیجئے گا۔ مسٹر راس مسعود صاحب نے ایک تذکرہ چھاپا ہے۔ میرا بھی ذکر کیا ہے کیا آپ نے اس کو پڑھا ہے؟

میں اب جتنے دن دنیا میں ہوں جلد کام ختم کر لوں اسی کی دھن ہے۔ میری نظر میں دو شخص پٹنہ بھر میں ایسے ہیں جن پر میں اطمینان کروں مگر ایک عدم الفرصت اور دلچسپی نہیں رکھتے یعنی لاڈلے صاحب سلمہٗ ایک آپ، اگرچہ آپ بھی حد سے زیادہ عدیم الفرصت ہیں مگر دلچسپی تو رکھتے ہیں۔ والسلام بالاکرام!

مخلص دعاگوئے شما: سید علی محمد شاد عظیم آباد ۳۱ دسمبر ۱۹۲۲ء

---

(۷)

نام پروفیسر محمد مسلم صاحب علی گڑھ (پٹنہ)

مطالب محفوظ

حبیبنا و مولانا محمد مسلم روحنا فداکم!

اس میں شک نہیں کہ عزیزی قاضی صاحب نے نہایت قدردانی کے ساتھ میرے ناچیز کلام کے چھپوا دینے کا عزم گوارا کر لیا۔ تفصیلی حالت یہ ہے کہ میری غزلیں ایک تو منتشر دوسرے ترتیب دیئے ہوئے کئی مجموعے۔ وہ مجموعے بھی اس طرح کے کہ اکثر غزلیں اور اشعار ایک کے دوسرے میں تھیں۔ مزید برآں وقتاً فوقتاً جو مصرع یا الفاظ بدلا دیئے ہیں وہ بھی ایک دوسرے میں ہیں۔ ارادہ تھا کہ اس کتاب فکر بلیغ سے فارغ ہو کر باطمینان دیوان کی ترتیب دوں گا اسی لئے اکثر مجموعہ کی غزلوں پر بطور یادداشت کچھ کچھ نشان بنا دیئے تھے وہ سب مجموعے اور منتشر مسودے میاں قیس صاحب مستکلم وعدہ کر کے اور نہایت اطمینان دلوا کر اٹھا لے گئے اور یہ کہا گیا کہ ہم لوگ ایک جگہ صاف کر لیں گے اور ایک کاپی۔ پر سے مقابلہ بخوبی کر لیں گے اس کے بعد آپ کو ملاحظہ کروا کے کاپیاں لکھوائیں گے۔ کچھ تو مروت اور کچھ اپنی محنت کے کم ہو جانے کے خیال سے بالبیوقوفی اور اعتبار کر کے مطلق عذر نہ کیا یہاں تک کہ یہاں قیس نے ایک غزل بھی نہ چھوڑی۔ ڈھونڈھونڈھونڈھ کر سب لے گئے۔ جب لے جا چکے تو یہ ظاہر کیا کہ قاضی صاحب چونکہ یورپ چلے جائیں گے اس لئے صرف دس جزو کو بقدر مختصر کر کے چھپوائیں گے۔ اگرچہ مجھ پر گراں ہوا مگر جب بہ اطمینان دلایا گیا کہ انتخاب تم خود کرو گے تو مجبوراً راضی ہونا پڑا۔ اس کے بعد یہاں قیس نے صورت نہ دکھائی۔ بلا بلا بھیجنے پر بلا مبالغہ سیکڑوں خط لکھے ہر دفعہ غلط وعدہ کیا اور نہ آئے آخر بصد خرابی میرے پاس چند اجزا اس مجموعہ کے بھیجے گئے کہ منتخب کر دو۔ سب مجموعے تو

ان کے پاس تھے ہیں کیونکر منتخب کرتا، کیا کرتا۔ اصرار کیا کہ بھائی جب تک وہ سب مجموعے نہ ہوں گے فقط ان چند اجزا سے ہرگز
وغیرہ کا کیونکر پتہ لگے لیکن گریا وہ سب مجموعے گم ہو گئے کسی طرح واپس نہ دیئے۔ ہزار ہزار سر پٹکا مگر سنتا کون ہے آخر تھک کر یہ
اجزا بھی حوالے کر دیئے اور کہا کہ بغیر ان سب متفرق مجموعوں کے مجھ سے انتخاب غیر ممکن ہے اس کا بھی معقول جواب نہ ملا۔
میاں قیس نے صورت دکھائی۔ خار جانستا کیا کہ کاپیاں لکھی جا رہی ہیں۔ پھر لکھا کہ صاحب آپ بغیر میرے انتخاب کے کاپیاں کیوں
لکھوا رہے ہیں۔ جواب ملا۔ مولانا سلمہ اللہ تعالیٰ بعد ہے کہ مجھ کو جس قدر اس کا صدمہ ہوا ہے میں بیان نہیں کر سکتا یعنی میری چیز
ضبط کی گئی اور زبردستی مجبور کر کے نورانی کا مجھے اس پر اندسالی میں ٹکا رہنا یا گیا۔ پھر سنا کہ پانچ جزو کاپیاں لکھی جا چکی ہیں۔ خط
بھیجا پہلا جواب کون دیتا ہے۔ زبانی جواب یہ کہ کاپی آپ کو دکھائی جائے گی آخر ڈیڑھ جزو کاپی خاکسار کی معرفت میرے پاس
اس حکم کے ساتھ بھیجی گئی کہ آج ہی اس کو دیکھ کر دے دو۔ کاپی دیکھ کر سخت صدمہ ہوا تمام تر ایسی فروگذاشتیں پائیں کہ ایک
آہ منہ سے نکلی پھر آرزو و منت لی کہ آپ لوگ اپنی جلد بازی کے سبب سے میرے منہ میں کالک لگائیے۔ ہاتھ تک جوڑے۔
خدا کے لئے اب بھی میرا ذخیرہ بھیج دیجئے کہ میں کسی طرح ان کاپیوں کا تدارک کروں اور برابر یہ بھی لکھا کیا کہ اگر یہ ہی جانب سے
نہیں ہے تو نواب روپے بطور ضمانت رکھ لیجئے اور وہ ذخیرہ بھیج دیجئے۔ ہزار ہزار منت پر صرف ایک مجموعہ ایسا پڑھنے کو
بھیجا گیا جو موقوف علیہ دوسرے مجموعہ کا ہے۔ اللہ اللہ کس حسین سے میری جان پڑی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میاں قیس نے گھر کی بھرا خط لکھا کہ
آپ کے پاس جو کاپی گئی ہے اس کو بھیج دیجئے تو سب ذخیرہ آپ کا پہنچا دیں گے۔ میں نے یقین کیا کہ ضرور وہ ایسا کریں گے
وہ ڈیڑھ جزو بجنسہٖ بھیج دیئے پھر نہ ذخیرہ واپس ملا نہ کوئی خبر دی گئی۔ افواہاً سنا گیا کہ علی گڈھ میں چھپنا شروع ہو گیا تب بالبداہۃ مجھ
دست آرزو تھے پچاس روپے قرض کئے اور بہ ہزار دشواری کرایہ کی گاڑی کر کے پہلے حضور میں جناب قیس صاحب کے حاضر ہوا
عرض کیا کہ دولت پرجناب قاضی صاحب کے لئے بھرا [illegible] جو کچھ آپ کا حرف ہوا ہے مجھ سے لیجئے، میرا ذخیرہ مجھ کو مرحمت کیجئے اور فیصلہ دوا
ہے میرے ذمہ کیجئے اور کھرے سے بھری ترتیب کے مطابق چھپوانے میں راضی ہوں۔ قاضی صاحب نے آخر میں فرمایا کہ میرے
سب روپے دے دو تو میں ممانعت لکھ بھیجوں اور وہاں جو کچھ چھپا ہے اس کا تاوان اپنے ذمہ کر دو بعد وصولی کے تمہارا ذخیرہ
ملے گا (گویا اس عمر میں مجھ کو چور اور بدمعاش سمجھا) میں راضی ہو گیا کہ بہتر یہی سہی نوکر مانگیا کہ کام حساب ہو جائے گا۔ روپیہ بھیج دو دو
لے کر ذخیرہ دیں گے۔ دوسرے دن ذیل کا حساب آیا:

خرچ طبع اشتہارات جو اخباروں وغیرہ میں دیئے گئے = [illegible] ، اجرت کاپی دس جزو = [illegible]
خرچ روانگی حلوائی و سواری چونگا وغیرہ و پوسٹ کا خرچ = [illegible] ، نقد قیمت کاغذ = [illegible] } مانحصہ

ان کے علاوہ تاوان طبع وغیرہ جو میاں قیس سے بعد کو معلوم ہوگا۔

سب دیکھ کر اپنی غربت، مجبوری، پیرانہ سالی، عمر بھر کی ریاضت، مزید برآں خلاف امید میاں قیس صاحب کی سر
سب نے پر دل چور کر دیا اور میں نے سمجھ لیا کہ مقصود ابتدا ہی سے یہ اور مجبور محض کرنا ہے، ناچار لہو کا گھونٹ گھوٹنا پڑا اور
خاموشی اختیار کر لی یہ ہے بلاکم و کاست واقعہ۔ اب اصرار شروع ہوا کہ دیباچہ لکھ دو، تصانیف کی فہرست دو۔ بعض کا اصرار
ہوا کہ خاندان کا ذکر بھی لکھ دو۔ اب پھر یہ بھی فرمائش ہے کہ اکثر ردیفوں میں غزلیں کم یا نہیں ہیں کچھ غزلیں اور دو، اور طرحہ

ماجرا ہے کہ پھر بھی کم بخت ذخیرہ غزلیات اور وہ سات آٹھ تازہ غزلوں کا مسودہ جو بعد کو میاں قیس لے گئے ہیں کسی طرح واپس نہیں ملتا مولانا مسلم آپ کو خدا نے ذی علم و کمال، صاحب تصنیف اور بڑی واہی بات یہ ہے کہ شریف النفس اور سب سے بالا کیہ خاندانی رئیس بنایا ہے انصاف کیجئے کہ شرفا اس کو سن کر کیا کہیں گے۔ آپ نے اپنے خط میں قاضی صاحب کو جو رقعہ انصافانہ لکھنے اس پر ان کو سخت رنج ہے اور مجھ پر یہ اصرار ہے کہ تم محمد مسلم صاحب کو اس بارے میں کچھ نہ لکھو۔ بھلا جو تعلقات کہ میرے آپ کے ساتھ ہیں کیونکر ہو سکتا ہے کہ میں اپنے دکھ کو ان پر تمام نہ کروں۔ خدا کے لئے آپ مذکورہ بالا باتوں میں سے کوئی بات اول کو نہ لکھئے ورنہ خدا جانے اور کیا کیا صدمے مجھ کو اٹھانے پڑیں البتہ کسی تدبیر سے یا اپنی عبارت آرائی سے ایسا کچھ بطور صلاح و فہمائش کے ان کو لکھئے کہ میرا ذخیرہ اور وہاں قیس سے میری غزلیں جلد مل جائیں ورنہ میری موت ہے اور یہ وقت نرمی کا ہے غصہ کی کوئی بات نہ لکھئے گا ورنہ معاوضہ میرے ساتھ کیا جائے گا۔ میں بڈھا اور غریب شخص ہوں اور نشین۔

اب دوسری بات سنئے یہ دیوان تو خیر جس حالت میں چھپے چھپ جائے گا مگر اب فرض ہو گیا کہ جس طرح بنے اپنا پورا دیوان جلد مرتب کر کے چھپوا دوں۔ یہ مختصر دیوان گویا اشتہار اور پیش خیمہ ہے۔ ناچار بتشکل تمام بعض احباب سے نقلیں لے کے اور کچھ اپنی یاد پر اور اس موجودہ ناتمام و ناقص مجموعہ سے جو انہوں نے بھیج دیا تھا، دس جزو تک صاف کر چکا ہوں۔ خدا جانے اب میرے ذخیرہ کے ضبط رکھنے سے کیا مطلب ہے البتہ کوشش کیجئے کہ میرا ذخیرہ واپس ملے یکے نقصان مایہ دیگر تلافت ہمسایہ مرا مصمم قصد ہو گیا ہے کہ کسی طرح میرا پورا دیوان اور کتاب فکر بلیغ کم سے کم ڈیڑھ ڈیڑھ سو ہی چھپ جائے۔ دو سو روپے تو بہ دست مسودے کے ساتھ بھیج سکتا ہوں باقی کی فکر ہو رہے گی اب از راہ عنایت نسیب و فراز کا لحاظ فرما کر حسب ذیل دریافت کر کے جلد تر جواب لکھئے:

دیوان بیس جزو　اگر ڈیڑھ سو چھپے گا تو مع نکھائی کیا خرچ ہوگا؟
فکر بلیغ ۲۵ جزو　ایضاً　ایضاً
فوٹو کا بلاک　کس حساب سے بنتا ہے اور کس حساب سے چھپتا ہے؟

مصرع مائے مطلوبہ ۔ اپنی ناکامی کا غم کیا ہے مگر حشر کے دن : کیا قیامت ہے۔ الخ
منقطع خدا جانے ذخیرہ میں کیا ہے نا چار تصنیف کر کے بھیجتا ہوں ؎

بدن سے روح چلی شاد سوئے کوچۂ یار
جواب خط کا بھلا اس کو انتظار کہاں

آپ کی بے مثل تحریر مسند و جامع میں نے کئی مرتبہ پڑھی اور لطف اٹھایا بارک اللہ الحمد للہ!

دعا گو سید علی محمد شاد۔ پٹنہ ۲۵ فروری ۲۳ء

مکرر ؎　در میان قعر دریا تختہ بندم کردہ اند
باز می گویند ترد امن مشو ہشیار باش

کل میں نے قاضی صاحب کو لکھ بھیجا تھا کہ اب جو غزلیں آپ مجھ سے مانگ رہے ہیں تو جن غزلوں کو میں مناسب

جانتا ہوں وہ اس نافس مجموعہ میں نہیں ہیں اسی نجیبوں میں ہیں اور اب تو آپ اس سے کام بھی لے چکے مجھ کو بھیج دیجئے تو میں صاف کرکے بھیج دوں۔ ابھی یہاں قیس کی طرف سے اس کا جواب آیا اس کو میں ملفوف کرتا ہوں ملاحظہ کرکے واپس کر دیجئے۔ فرمایئے اس کا جواب ہے۔ تو یہ ہے کہ اب مجھ کو وہ ذخیرہ بروز قیامت ملے گا اور طرح طرح کے بہانے ہوں گے خدا کے لئے آپ جلد اس کے لئے فرصت لے کر چلے آیئے ورنہ میں تباہ ہو جاؤں گا اب اس ذخیرہ کے ضبط رکھنے سے کیا مطلب ہے۔

سید علی محمد شاد۔ ۲۶ فروری ۲۳ء

فرمایئے غلط مسلط ہے تو سب سہو کاتب ولی سلیمان صاحب کے پاس بغیر مرتب استخراج۔ کہ اگر یہ صحیح ہے تو کیا میں نے

شاد

---

(۸)

بنام پروفیسر محمد مسلم صاحب علی گڑھ (پٹنہ)

جان فائست مولانا محمد مسلم روحی فداک!

ان اوراق کو پہلے اول سے آخر تک بنظر غائر ملاحظہ فرمایئے جہاں مجھ سے بھول چوک ہوئی ہو یا اشعار منتخبہ میں کوئی سقم ہو شیاع ہو بے تکلف کاٹ دیجئے۔ میں پھر اگلے زمانہ کا ہوں اور آپ اس زمانے کے۔ ادھر کئی مجلسیں بیس پچیس کی ہیں اور اچھی ہیں وقت اور مہلت دیکھ کر مجھ کو جیسا حکم دیجئے عمل کروں۔ والسلام بالاکرام!

سید علی محمد شاد۔ مرقومہ ۱۹ اپریل ۱۹۲۳ء

---

(۹)

بنام پروفیسر محمد مسلم صاحب (پٹنہ)

مولانا محمد مسلم روحی فداکم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ میرے خط کے جواب میں آپ کا خط پہنچا۔ مجھ کو پہلے بھی یقین تھا کہ آپ ضرور ایسی کتاب کی فراہمی بقدر پانچ سو محاورے تو میں ضبط کر چکا ہوں اور کئی سو ایسے محاورے جن میں بسبب امتداد زمانہ مجھ کو شبہ تھا ملا جلال الدین ایڈیٹر سیاں مرحوم المتقن کے پاس بھیج دیئے ہیں منظور جواب آجاتے گا۔ میرے خیال میں پندرہ سو سے زیادہ محاورے جمع کئے جائیں گے۔ اس کی حد نہیں، اس پیرانہ سالی میں بہ مجبوری روزانہ آٹھ گھنٹے کام کرنا ہوتا ہے۔ صاف کرنے لگا تو آپ کا خط پایا۔ اچھا معلوم ہوا کہ بطور نمونہ آپ کے پاس بھیج دوں۔ جہاں نمک اس مخزن میں محاورات درج ہیں وہ ہنوز مہتمم باشان نہیں ہیں۔ آگے ایسے الفاظ اور محاورے لکھے جائیں گے کہ اہل ہند کے گوش زدہ نہیں ہیں۔ اس نمونہ کو دیکھ کر اپنی رائے قائم کیجئے اور اس کو جلد واپس کیجئے فارسی والی مثنوی اور وہ رسوز ما حصل اور نسب نامہ ما لضرور مرے پاس بھیج دیجئے۔ اس سے شعر بغیر ترمیم کے دنیا بھر کو جبراً عدو بیکار بنا دیں گے حال آپ کبھی اس کو گوارا نہ کریں گے جب تک یہ چیزیں واپس نہ آئیں گی غلط نامہ مرتب نہیں ہو سکتا۔ جس قدر توقف ہوگا مجھ پر الزام نہیں ہے آپنے اپنا حال کچھ نہ لکھا کیسے رہتے ہیں رمضان کیسا کٹا اور کا کام ہے مشغولی کتنی ہے کب تک مجھ سے طلب گا ہے سب کا جواب دے کر ممنون فرمایئے۔

دعاگو۔ سید علی محمد شاد۔ ۲۹ رمضان صیام ۱۳۴۱ھ

(۱۰)

(بہ نام محمد مسلم صاحب حلی گڈھ (پٹنہ)

روحی فداکم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ میری ایک فارسی نظم بطور مثنوی دیوان میں چھپنے کے لئے آپ کے پاس گئی ہے یا اب بھی جائے گی کیونکہ قیس صاحب ہفتہ ہوئے لے گئے ہیں اس کے آخر کے اشعار طنز و تضحیک سے بھرے ہیں ان سب کو ضرور نکال دیجئے۔ میں نہیں چاہتا کہ ہمیشہ کے لئے دیوان میں یہ داغ لگا رہے۔ جہاں سے یہ شعر شروع ہے ۔ ع عزیزا بگذر از ہمہ فقیرانہ اس سب کو آخر تک نکال دیجئے، ہرگز رہنے نہ دیجئے ورنہ سوء الزام رہنا ہوگا۔ اس کے پہلے کے اشعار میں بھی کوئی شعر نہ ہو جس کو کارہ گیا ہو تو قلم زد کر دیجئے اور میری طرح حواس میں آگہ باقی رکھئے کیونکہ دوسروں کے شاگردوں کے دماغ پچھلے طور سے صدمہ پہنچا ہوا، وہ اپنا صدمہ دوسری ترکیب سے نکالیں۔

اس کا جواب فوراً دیجئے اور یہ بھی فرمائیے کہ کتنے اجزاء دیوان کے چھپ چکے ہیں، اور آیا جہاں تک فرمے چھپے ہیں میرے دیکھنے کو بھیجے جا سکتے ہیں یا نہیں۔ ادھر میں ایک کتاب "فارسی تعلیم" لکھ رہا ہوں۔ آپ یہ سن کر خوش ہوں گے کہ موجودہ فارسی زبان اور پرانی زبان و الفاظ و طرز تکلم استعمال میں کیا کیا فرق و تجدد ہوئی۔ قریب قریب ایک ہزار کی فہرست لکھ چکا ہوں۔ پیری، بیماری، تفکرات، مصائب کے ہجوم میں اگر کوئی کام ہو جائے تو ہزار شکر ہے۔ سید حسین تسلیم کہتے ہیں۔

سید علی محمد شاد - ۵ مئی ۲۳ء

مولانا عبدالحلیم شرر

بنام مولانا حبیب الرحمٰن خانصاحب شروانی (۱)

جناب من۔ السلام علیکم۔ آپ نے اپنے والا نامے مورخہ ۳ ذی الحجہ ۱۳۱۶ھ میں جناب حکیم سعید الدین صاحب قبلہ مرحوم و مغفور کی حسرت ناک وفات کے متعلق جو کچھ تحریر فرمایا ہے بجا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ حکیم صاحب مرحوم کی زندگی کا بہت زیادہ حصہ آپ ہی لوگوں میں گزرا۔ اور جس طرح آپ نے ان کو اپنا بنا لیا تھا اسی طرح ان کو بھی مرتے دم تک آپ ہی کے ساتھ تعلق رہا۔ جس رئیس کے گھر انتقال ہوا وہ بھی آپ کے ایک معزز عزیز ہیں۔ اور اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ جس دن انتقال ہوا ہے عین اسی تاریخ جناب خلیل اللہ خانصاحب کے گھر کے لوگوں کا علاج کرنے کو جانے والے تھے۔ میں آپ کا نہایت ہی شکر گزار ہوں۔ اور اسی طرح حکیم صاحب مرحوم کے تمام متعلقین آپ کے ممنون ہیں کہ ایسی غم واندوہ کی حالت میں آپ نے دل دہی اور تسلی دینے کی کوشش فرمائی۔ حکیم صاحب مرحوم کے جن اوصاف کا آپ نے تذکرہ فرمایا۔ وہ اوصاف بے شک ایسے ہیں۔ کہ ایسی بستے کے بزرگوں کے ساتھ ختم ہوتے جاتے ہیں۔ جس سے خود ان مرحوم کو تعلق تھا۔ مگر مخدومی میں کہتا ہوں کہ آپ پھر بھی اس عظیم صدمے کو محسوس نہ کر سکیں گے۔ جو اس نیک ذات کے اٹھ جانے سے ہم لوگوں کو ہوا ہے۔ درحقیقت خاندان ہی بگڑ گیا۔ آپ کو شاید نہ معلوم ہوگا کہ جس خاندان کی یادگار حکیم صاحب مرحوم تھے اس کی پچھلی یادگار اکیلے وہی تھے اور اس کا لازمی نتیجہ تھا کہ ضعیفہ اور بیوہ عورتوں کی ایک بڑی جماعت کی خبرگیری وہی کرتے تھے۔ اب ان لوگوں کی بے کسی کی حالت ایسی نازک ہے کہ خیال کرنے سے بھی دل کانپ جاتا ہے۔ اگرچہ مرحوم کے بعد قدرۃً ان تمام باتوں کا ذمہ دار میں ہوں مگر ایسی فیاض و نیک ذات کی جانشینی کے لئے بہت سی لیاقتیں چاہئے ہیں جو مجھ سے ناکارہ شخص میں بالکل نہیں۔ اصل یہ ہے کہ میرے زخم جگر پر مرہم رکھا جا سکتا ہے مگر ان لوگوں کے دلوں کو ڈھارس بندھانا امکان سے باہر اور خدا ہی کے اختیار میں نظر آتا ہے جس کو اب مرحوم کے بعد زندگی کے باقی ماندہ ایام بسر کرنا دشوار بلکہ غیر قابل برداشت مصیبت نظر آتا ہے۔ حکیم

صاحب مرحوم کو آپ کے خاندان بھر میں آپ کے والد ماجد سے بہت زیادہ تعلق تھا اُن کو ہمیشہ یاد کرتے تھے اور اُن کے نیک اخلاق اور اُن کی کریم النفسی کے ہر وقت معترف رہا کرتے تھے۔ یقیناً اُن کو بھی بہت بڑا صدمہ ہوا ہوگا۔ آپ کی طرف سے میں نے جناب حکیم صاحب مرحوم کے گھر میں لوگوں کو بہت کچھ تسلی و تشفی دی۔ اور وہ سب آپ کے شکر گزار ہیں۔ میں ان دنوں لکھنؤ سے باہر تھا اور اسی وجہ سے والا نامے کے جواب میں تاخیر ہوں۔ مجھے ندامت ہے کہ لکھنؤ میں بھی ایک اتفاق اور فوری بیماری کی وجہ سے مجھے ملنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ جس کے لئے معذرت خواہ ہوں۔ والسلام

۲۳ اپریل ۱۹۰۹ء　　میں ہوں آپ کا خادم محمد عبدالحلیم شرر از لکھنؤ

(۳)

نام سید ہمایوں مرزا بیرسٹر[1]

دفتر دلگداز لکھنؤ کوٹھہ بزن بیگ خاں۔ بندہ پرور تسلیم۔ میں حیدرآباد سے ایک ایسے عجب عنوان سے نکالا گیا کہ کسی دوست سے ملنے اور رخصت ہونے کا بھی موقع نہیں ملا۔ اب یہاں آکے اپنے پرانے کاروبار کو پھر جاری کیا ہے۔ مطبع کھول دیا ہے جس میں اعلےٰ درجہ کی چھپائی دقت پر ہوتی ہے۔ مولوی شبلی صاحب اور بعض اور معزز اصحاب نے اپنی اپنی کتابیں چھاپنے کو عنایت فرمائی ہیں۔ خدا نے چاہا تو کام چل ہی جائے گا۔ آپ سے بھی اگر کوئی امکانی امداد ہو تو اس میں دریغ نہ فرمایئے۔

ابھی جلدی میں میں اپنی تمام کتابیں اور کل ضروری سامان جو ہمراہ تھا وہیں چھوڑ آیا ہوں اور ابھی تک اس کے منگانے کا موقع نہیں ملا۔ آپ کے ذریعہ سے جو نوٹس دیئے گئے تھے ان کے جوابات آئے ہوں تو براہ کرم میرے پاس بھیج دیجئے۔ اس لئے کہ اب یہاں سے کاروائی کرنے کا ارادہ ہے۔ اور بالکل نہیں خبر کہ ان لوگوں نے کیا ارادہ کیا ہے۔ اور کیا جواب دیئے ہیں۔ براہ کرم ان سب جوابات کو اگر کچھ ہوں تو فوراً واپسی ڈاک مرحمت فرمایئے۔

مسز ہمایوں مرزا کی کتاب پر ریویو لکھنے کی بھی نوبت نہیں آئی۔ اور وہ کتاب وہیں پڑی ہے۔ اور ایسی جگہ کہ مہینوں بھی نہ مل سکے گی۔ برخوردار صدیق بھی یہاں آیا ہے۔ اور وہ ان کتابوں کو جو میرے کتب خانہ کی ہیں مولوی سر طالب الحق صاحب کے مکان میں اپنے ہاتھ سے رکھ کر بند کر آیا ہے۔ اجازت دی جائے تو نکال کر بھیجے اگر آپ کوئی نسخہ اس نامل کا ارسال فرمائیں تو میں دلگداز میں ریویو لکھ کے ضائع کر دوں گا۔ والسلام

۲۹ دسمبر ۱۹۰۹ء　　خاکسار محمد عبدالحلیم شرر

(۴)

نام ہمایوں مرزا بیرسٹر

کرمی تسلیم۔ نادم ہوں کہ اخلاقی ملاقات سے پہلے مطلب کی بات عرض کرنا پڑتی ہے۔ مگر زمانے کا تقاضا ہی یہ ہے تو کیا کیا جائے۔ مجھے بڑے اور وسیع مکان کی ضرورت ہے اگرچہ ویسی حیثیت نہیں رکھتا۔ سرکار سے کوئی قرابت کرایہ مکان عطا نہیں ہوتی۔ اور اپنے سر پہ اس کا بار اٹھانا ہے آپ کی توجہ ہوئی تو یہ بار کسی قدر ہلکا ہو جائے گا۔ میں سو روپے بھی اپنی حالت سے زیادہ پاتا ہوں۔ مگر مجبوراً کسی قدر زیادہ بوجھ اٹھالوں گا۔ اچھا ہتا

[1] سید ہمایوں مرزا بیرسٹر ایٹ لا فرزند سید الفت حسین ذلیخ ان کی زندگی حیدرآباد میں گزری۔

کہ نقصان گوارا فرما کے آپ مجھے (۱۲۵) ماہوار پر مکان دے دینے۔ اس مرحمت و نوازش کا شکر گزار ہوں اور ہمیشہ رہوں گا۔ اور ہمیشہ رہین منت رہوں گا۔ والسلام

۲۹ رجون سنہ ۱۹۱۹ء　　خاکسار عبدالحلیم شرر

(۵)

نام نواب سید علی حسن

نجا۔ نے وما وائے من۔ آداب و نیاز اور السلام علیکم کے بعد بصد ادب عرض ہے کہ گرامی نامہ مورخہ ۱۴ جولائی سنہ ۱۹۱۸ء وصول ہو کر باعث سرفرازی ہوا۔ میں جو وعدہ کر گیا تھا اس کو بھولا نہیں۔ آتے ہی مولوی سید عبدالمجید صاحب سے اس بارے میں گفتگو ہوئی اور معلوم ہوا کہ اس بارے میں جناب نے اُن سے بھی مراسلت فرمائی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں اس معاملہ میں غور کرتا اور جن خاندانی تعلقات کا جناب نے تذکرہ فرمایا ہے اُن کا پتہ لگانا نہایت دشوار ہے اس لئے کہ جن دنوں کا یہ واقعہ ہے اُس زمانہ میں یہاں دفاتر کی ایسی ابتر حالت تھی کہ کسی اگلے خاندان کا اب پتہ لگانا بہت قریب غیر ممکن کے ہے۔ اور بالفرض پتہ لگ بھی تو حاصل کیا۔ اس لئے کہ اُن کے ثبوت سے کوئی خاص حق حاصل نہیں ہو سکتا۔ رہا یہ امر کہ جناب یہاں توطن اختیار فرمانا چاہتے ہیں۔ اس کے لئے کسی اجازت کے حاصل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہر شخص آزادی کے ساتھ یہاں آ کے رہ سکتا اور جائداد خرید سکتا ہے۔ اور توطن اختیار کرنے کے چند ہی روز بعد سے اُسے جملہ حقوق حاصل ہو سکتے ہیں۔ بجز اس کے کہ ملازمت کے لئے بارہ سال تک یہاں مقیم رہنا شرط ہے۔ مگر یہاں آ جانے اور مکان خرید لینے کے بعد اگر درخواست کی جائے تو یقیناً یہ بارہ سال کی شرط بھی اُٹھ سکتی ہے۔ الغرض آپ کے لئے کوئی امر مانع توطن جدید آباد نہیں ہے۔

لیکن یہ بات کہ آپ کے تشریف لانے سے پیشتر حضور سے کوئی اجازت حاصل ہو تو بقول سید عبدالمجید صاحب کے ایسی درخواست کو اعلیٰ حضرت مشتبہ نظر سے دیکھیں گے۔ اور خیال ہوگا کہ اجازتِ توطن کے پردے میں کوئی اور حق حاصل کرنا مقصود ہے۔ اور ایسے شبہ کا پیدا ہونا اچھا نہیں۔ میرے خیال میں اگر جناب کو یہاں رہنے کا شوق ہے تو عمدہ کوٹھی یہاں خرید لیجئے اور اُس میں آ کے رہنا شروع کر دیجئے۔ اور یہیں کے قیام کے زمانہ میں وہ کوششیں عمل میں لائیے۔ جن کو جناب یہاں آنے سے پہلے کر رہے ہیں۔ آ جانے اور مکان خرید لینے کے بعد سب باتیں بالکل بلکہ خود بخود پوری ہو جائیں گی۔

میں یہاں حضور کی سیرۃ لکھنے کے لئے بلایا گیا تھا۔ اور میرا سابق کا وظیفہ ملا کے پانچسو روپیہ ماہوار تنخواہ تھی۔ یہ طے ہوئی تھی۔ یہاں آنے کے بعد اس کام کے لئے تین سو تینتالیس ماہرار کا عملہ ملا۔ اور مواد جمع کرنے کی کوشش شروع ہو گئی۔ اور دفتر کا نام دفتر شرکتِ عثمانیہ قرار پایا۔

اس کے بعد اعلیٰ حضرت کے ایک فرمان سے حکم ہوا کہ مجھ ہی سے ایک مکمل تاریخ اسلام تصنیف کرائی جائے اور اس کی بابت جداگانہ ماہواری دی جائے۔ اس حکم کے مطابق میرے لئے علاوہ ماہرار سابق کے دوسری ماہوار پانچسو روپیہ اور تین سو چوہتر روپیہ ماہوار کا عملہ معتمدی سے منظور کر کے بارگاہِ خسروی میں پیش ہوا ہے۔ شاید آج ہر کل

میں منظور ہو کے آجائے۔ مگر ان سب جائدادوں پر اشخاص یہیں سے نامزد ہو گئے ہیں۔ بہرحال شکر ہے۔ میں حضور میں بلا واسطہ عرائض پیش کر سکتا ہوں اور جو لکھتا ہوں اس کا فوراً جواب ملتا ہے۔ میرے حال پر نظرِ عنایت بھی غیر معمولی ہے مگر باریابی کا موقعہ ابھی ایک ہی بار ملا ہے۔ لیکن صاحب، اورنگ شاہی مزاج کی نزاکت کی یہ حالت ہے کہ اپنے امور متعلقہ کے سوا اور کسی بات کے عرض کرنے کی مجھے یا کسی کو جرأت نہیں ہو سکتی۔ آئندہ اگر زیادہ سعادت ہوئی جس کے چار پانچ ماہ بعد قطعی اُمید ہے اس وقت شاید کسی ادبیات کے عرض کرنے کا موقع بھی مل سکے۔ والسلام

۲۵ رجولائی ۱۹۱۸ء　　خاکسار محمد عبدالحلیم شرر

پیارے صاحب اور اچھے صاحب کی خدمات میں سلام نیازمندانہ اور آداب قبول ہو۔ (شرر) حبیب لبہ جام بلاغ حیدرآباد دکن

نواب سید علی حسن

(۵)

ملجائے من وماوائے من ابقاہ اللہ الی یوم القرار۔ گرامی نامہ مورخہ ۱۲ راگست باعث افتخار و مایۂ شرف ہوا۔ میرے ماہوار پانچسو روپیہ تاریخ اسلام لکھنے کے لئے فرمان اعلیحضرت صادر ہوا تھا کہ جداگانہ ماہوار دی جائے اس پر معتمدی عدلت نے حسبِ قاعدہ پانچسو روپیہ جداگانہ ماہوار پیش کی۔ اس پر وزیر قانون مسٹر ٹکلینسی نے لکھا کہ ایک شخص کو دو ماہوار دینا خلافِ دستور ہے بہتر یہ ہے کہ اس کام کی بابت کوئی سربستہ رقم یکمشت دے دی جائے۔ اعلیحضرت نے اس تجویز سے اتفاق کر لیا۔ اور میری تنخواہ وہی رہی جو تھی۔ اور وہ یکمشت رقم خدا جانے کتنی ملے اور کب ملے اور ملے یا نہ ملے۔ کام میں کر رہا ہوں۔

میری نسبت جو کلمات آپ نے فرمائے ان میں حقیقت سے زیادہ دخل آپ کی محبت و عنایت کو ہے ورنہ سچ یہ ہے کہ کبریٰ موت الکبریٰ اچھے اور لائق لوگ مر گئے اور مجھ سے نالائق خواہ مخواہ مردآدمی بن گئے۔

اس میں شک نہیں کہ اعلیحضرت کی ذرہ نوازی کا مجھے بیحد شکر گزار ہونا چاہئے کہ مجھ سے ذرۂ ناچیز کو بلا کے سرفراز فرمایا۔ آپ میری ترقی و بہبود سے خوش نہ ہوں گے جبکہ آپ میرے قدیم محسن کرم فرما اور وہ رئیس قوم ہیں جنہوں نے مجھے سخت ترین انکار دنیاوی سے نجات دلائی اور میری نادہندی کو آج تک برداشت فرمایا۔

اب کے سفر بمبئی کے موقع پر چند روز کے لئے یہاں مزید تشریف لائیے۔ مگر حیدرآباد عجیب مقام ہے۔ یہاں کی سوسائٹی چند روزہ اور سطحی نظر سے تو بہت ہی اچھی اور شاندار معلوم ہوتی ہے۔ مگر جب قیام کیجئے غور فرمائیے تو مسلمانوں کی باہمی عداوتوں ہندو ستانیوں و دکھنیوں اور مدراسیوں کی باہمی ناسازگاریوں اور سازشوں سے سخت صدمہ ہوتا ہے اور اس کی تکلیف روز بروز اس قدر بڑھتی جاتی ہے کہ کسی گاؤں کا گوشۂ تنہائی اس سے بدرجہا زیادہ محلِ آسائش و اطمینان نظر آنے لگتا ہے۔ اب میں یہاں ہوں۔ آئے دو مہینہ ہوئے ہیں۔ لیکن لکھنؤ کی خاموش زندگی پر یہاں کی سی ہمہ پُرشور زندگیوں کو قربان کرنے کو تیار ہوں۔ روز طرح طرح کی خبریں اڑتی ہیں اور ہزار دروازہ بند کر کے بیٹھئے پہنچ ہی جاتی ہیں۔ اور وہ ایسا بُرا روحانی اثر دل پر پیدا کرتی ہیں کہ نہ کام میں دل لگتا ہے اور نہ جینے میں۔ جسم کے لئے یہاں کی آب و ہوا موافق ہو یا ناموافق اس کا زیادہ خیال نہ کرنا چاہئے۔ اس لئے کہ تدابیر

سے آفاتِ جسمانی سے بچاؤ ہو سکتا ہے مگر یہاں کے روحانی امراض جو آب و ہوا کی تمدنی خرابی سے پیدا ہ
کا کوئی علاج نہیں۔ اگر میری رائے پوچھئے تو میں تو آپ کو ہرگز مشورہ نہ دوں گا کہ یہاں قیام پذیر ہو
دورانی اطمینان کو نقصان پہنچائیے۔

آپ نے شاید سنا ہو کہ ظفر علی خانصاحب کو برٹش گورنمنٹ نے یہاں نہیں رہنے دیا وہ مع
کے گئے۔ اور حضور نے بکمالِ فوازش حکم دیا کہ وہ اپنے گھر میں بیٹھ کے دارالترجمہ کا کام کریں۔ ان کا
کا مددگار رہے۔ اور ان کو اپنے سابقہ وظیفے مائتہ ۱۲۵ ماہوار کے علاوہ تمام ذات کے اور ۶ ان کے
مہمات ۱۲۵ ایصال کئے جایا کریں۔ میں اپنے آپ کو بڑا خوش نصیب سمجھتا اگر میرے لئے یہ حکم ہوتا
کہ ظفر علی خانصاحب کے لئے یہ اچھا نہیں۔ اس لئے کہ برٹش گورنمنٹ شاید ان کی طرف سے زیا
اچھے صاحب اور پیارے صاحب کی خدمت میں میرا اسلام بھیجا دیجئے۔ والسلام
۵ اگست ۱۹۱۸ء　　خاکسار محمد عبدالحلیم شرر از دفتر شرکت عثمانیہ اسٹیمرز

(۶)

دفتر دل گداز کٹرہ نرن بیگ خاں لکھنؤ۔ مکرمی تسلیم۔ مدت سے نہ آپ کا کوئی خط آیا نہ آپ کی
نصیب ہوئی۔ سالانہ دورہ ہندوستان میں آپ کا اب بھی ہوتا ہوگا اگر دفتر ناظر سے آپ کے تعلقات قط
کے باعث میں آپ کی زیارت و صحبت سے محروم ہو گیا۔ شاید کوئی میرا گناہ بھی ہو جو مجھ کو نہ معلوم ہو، ایسے
سزا دینے سے پہلے آپ کو میرا جرم بھی بتا دینا چاہئے۔ بہرحال یہ معلوم ہونا چاہئے کہ آپ سے اب ملاقات
ہے یا نہیں، اب میرا امکان بھی اس قابل ہو گیا ہے کہ آپ اس میں ہفتہ عشرہ آرام سے قیام فرمائیں۔ الغرض
خاص میں مطلع فرما کے مجھے امید و بیم کے مخمصے سے نجات دلائیے۔

اس وقت باعثِ تصدیع یہ ہوا کہ میرے ایک عزیز دوست کے عزیز مولوی محمد حسین صاحب نائب
مدرسہ مدہول کئی سال سے وہاں پڑے ہوئے ہیں۔ جو وہاں نہایت پریشان اور اپنے اعزا و احباب سے
کے باعث جلاوطن ہو گئے ہیں۔ ان کے بارے میں چاہا جاتا ہے کہ آپ ان کو اگر اہل پائیں تو خود اپنے
میں، اور اگر یہ مناسب نہ ہو تو پھر اورنگ آباد ہی کے کسی مدرسہ میں متعاون کر دیں تاکہ ان کی جان عذاب جا
چھوٹے۔ اور اگر آپ سے ان کو اس آمد و میں کامیابی ہوئی تو میں نہایت ہی شکرگزار اور دین منت ہو
صدیق ایسا ہے امید و آداب عرض کرتا ہے۔ ۱۱ جون سنہ　　خاکسار محمد عبدالحلیم شرر

بنام ڈاکٹر نذیر

(۷)

مکرمی تسلیم۔ "روح تنقید" آپ نے بڑی محنت اور قابلیت سے لکھی ہے۔ میں آپ کی اس
بہت ہی قابل قدر تسلیم کرتا ہوں۔ اور اردو لٹریچر کی جانب سے آپ کا شکرگزار ہوں۔ والسلام خاکسا

لہ یہ میری پہلی کتاب ہے جو پہلی بار اواخر سنہ ۱۹۲۵ء میں شائع ہوئی تھی

(۸)

بنام مولوی سید ممتاز علی صاحب

لکھنؤ - مخدومی و محترمی مدظلہ، تسلیم و دعائی کا شکریہ - آپ کے ایسے محسن قوم بندگانِ وطن کو بہ قیمت کتاب دینا اخلاقاً و قومی عرم تصور کرتا ہوں۔

ریویو کے بارے میں کوئی ضرورت نہیں ہے - اور نہ یہ کتابیں معاوضہ ریویو کے مقصد سے بھیجی گئی ہیں بلکہ میاں سراج نے آپ کو صرف آپ کا ایک کام یاد دلایا تھا۔ یہ جانتا ہوں کہ عشقیہ ناولوں کا عورتوں کے مطالعہ میں آنا ابھی ہندوستانی معاشرے کے تحمل سے باہر ہے۔ لیکن شاید میرا ناول "طاہرہ" اس سے مستثنیٰ ہو سکے۔ فی الحال وہ صوبہ مدراس کے نائی اسکولوں کے فائنل ایگزامینیشن کے نصاب میں داخل ہو گیا ہے۔ لیکن ایسے امور میں اصرار نہیں ہے۔ یہ آپ کے مذاق اور آپ کے اصول و مصالح پر منحصر ہے۔

بینائی بحمد اللہ بہتر ہو گیا اور کام بھی کرنے لگا۔ مگر دماغ برداشت نہیں کر سکتا اور ڈاکٹروں کی تاکید ہے کہ لکھنا پڑھنا کلیتہً چھوڑ دو۔ کسی کو خط تک نہ لکھو۔ مگر آپ ہی بتائیے کہ نہ لکھوں پڑھوں تو کیسے جیوں؟ آپ کے صاف ستھرے اور چھپے ہوئے حروف دیکھ کر کیا کہوں۔ کہ اپنے اس گندے اور کٹھنے خط پر کیسی ندامت ہوتی ہے۔ مگر کیا کروں خط ہی بگڑ گیا ہر میری حالت ناگفتہ بہ سے نادیدہ یہ نمونہ ہے۔ والسلام

۳۰ جولائی ۱۹۰۶ء　　خاکسار محمد عبدالحلیم شرر

مژدۂ آمد سخن کرچشم براہ ہوں۔ خدا وہ دن لائے۔ مگر شرط یہ ہے کہ کم از کم ایک دن سے زیادہ یہاں قیام رہے۔ بغیر اس کے نہ ملاقات سے کوئی فائدہ ہوتا ہے نہ سیری ہوتی ہے۔

(۹)

بنام مہاراجہ کشن پرشاد

یمین السلطنت مہاراجہ کشن پرشاد بہادر پیش کار سرکار عالی۔ بعرض عالی مرساند۔ صحیفۂ والا شرف فرحت بخش۔ حسب الحکم والا چسٹر دلگداز کو جناب کے محترم نام سے عزت دی گئی۔ اور سنہ ۱۹۰۱ء کے کل پرچے مرسل خدمت والا ہیں۔ رسید سے سرفراز فرمایا جاؤں۔

خط اور اظہار سے غم واندوہ کا اظہار ہوتا ہے۔ مگر قدردی کو خبر نہیں کہ دردِ ناسازیٔ طبع جان فرسا پیش آیا جس کی وجہ سے خط کے کونے میرے نامۂ اعمال کی طرح سیاہ ہیں۔ مجھے اس سے اپنا سا شریک غم تصور فرما کے فوراً اطلاع دی جائے۔

یہ امر میرے لئے باعث فخر و مسرت ہے کہ جناب نے سر پنجاب کے ریویو کو پسند فرمایا۔ یہ تو میرا فرض تھا جس کو میں ضرور ادا کرتا

"دلگداز" کو میں نے وی پی نہیں روانہ کیا۔ وہ اصل وہی نام قیمت جو سالانہ سے لی جاتی ہے اسی کو جناب سے بھی لینا میں جناب کی شان کے خلاف تصور کرتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ سرکار سے "دلگداز" کی کچھ سالانہ تنخواہ مقرر ہو جائے۔ اور امید ہے کہ سرکار اس درخواست کو قبول فرمائیں گے۔

فی الحال تین ناولوں میں حسب ذیل ہیں اگر ارشاد ہو تو پیش کئے جائیں - اوّل مدّ تہ
کا ڈاکو حصّہ اوّل - سوم حسن کا ڈاکو حصّہ دوم - چہارم اسرار دربار حرام پور -

اس موقع پر مجھے خاصتہ یہ التماس ہے کہ سرکار نے ایک بار تین چار سو روپے کا عطر
جو کارخانہ دمن الریاحین سے بھیجا گیا - اور سرکار کے مطبوعہ طبع شریف بھی ہوا تھا - مگر پھر اس کے
کارخانہ کی مرمی گری فرمانا بھول گئے - لہذا میں بکمال ادب یاد دہانی کرتا ہوں کہ عید الفطر کا زمانہ
جبکہ سرکار میں عید کی خرمداری لازمی طور پر ہوگی - اگر اس موقع پر پھر کارخانۂ مذکور کو یاد کیا جا
ہوگی - میں امید رکھتا ہوں کہ اس عنایت سے محروم نہ رکھا جاؤں گا -

سرکار نے لکھنؤ میں آنے کا ارادہ ظاہر فرمایا تھا اور اس وقت جو شوق قدمبوسی خاکسار
پیدا ہوا تھا - اس وقت تک باقی ہے معلوم نہیں سرکار کا کب تک آنے کا ارادہ ہے - اس سے
دی جائے - والسلام

خاکسار محمد عبد الحلیم شرر - ایڈیٹر
لکھنؤ کٹڑہ بزن بیگ

---

(۱۰)

بنام احسن مارہروی

دفتر گداز آفس لکھنؤ - کارڈ تسلیم - دفتر گداز کی حسب ذیل جلدیں بابت سنہ ۱۹۰۲ء مع سنہ ۱۹۰۴ء
مع سنہ ۱۹۰۶ء مع سنہ ۱۹۰۸ء مع جلد ۲ نصف قیمت میں ہے کو وی - پی - روانہ خدمت ہیں
منی آرڈر فیس ۵ر جملہ ہے کا وی - پی - حاظر ہوتا ہے قبول فرمائیے - مولوی عبد الحق صاحب کا پتہ
عدالت دکن نوابی حیدرآباد دکن کافی ہے - اردو اٹیچر پریل کے فروری اور مارچ کے دو پرچوں میں لکھا
خدمت میں جا چکے ہیں - فروری کا پرچہ نہ ہو تو بھیج دوں میں بڑا خوش ہوا کہ اردو کے متعلق صدبندی
بالیسی تو بہ ہونی چاہئے - کہ اسے ہندو مسلمانوں کے سابقہ اتحاد کی یادگار اور دونوں کی ملکی ثابت کر
زمانہ نہیں رہا کہ تنگ خیالی سے کام نکلے - رہے آپ کے کمالات و احسانات جو زبان پر ہیں وہ کہ
نہیں سکتے -

خاکسار شرر

سید محمود

(۱)

وقار الملک

حبیبی مشتاق حسین!

کل ایک بڑا خط لکھ چکا ہوں۔ آج صرف مسعود شاہ خاں کی نسبت لکھتا ہوں۔ امور معصلہ ذیل پر اون کو غور کرنا چاہیے۔

اوّل۔ یہ کہ مجھ کو اون کے یہاں بلانے کی ضرورت نہیں ہے۔ جو سررشتہ دار مجھ کو ملا ہے وہ ہوشیار آدمی ہے اور انگریزی داں ہے اوس سے بخوبی کام چلتا ہے۔

دوم۔ مسعود شاہ خاں کو صرف اس صورت میں یہاں بلایا جا سکتا ہے کہ میں اپنے سررشتہ دار کو ڈپٹی کی منصفی کا منصرم کر جاؤں۔ وہ عہدہ خالی ہے۔ مگر یہاں بہت امیدوار اوس عہدہ کے ہیں اون کے فراٹفس پر میں نے اب تک حکم نہیں دیا بعض اون میں سے ظاہرا مستحق ہیں۔

سوم۔ مسعود شاہ خاں کے یہاں آنے میں اون کا دس روپیہ ہواری کا نقصان ہے۔ اس کے تکافات بالفعل نہ ممکن نہیں اور آمدہ بھی تحقیق نہیں بلکہ صرف اوس کا احتمال ہے۔ پچاس روپیہ سے زیادہ کے جتنے عہدہ میرے اختیار میں ہیں اون میں انگریزی دانی ضرور ہے۔ پس جب تک کہ موقع منصفی یا تحصیلداری کا نہ ہو مسعود شاہ خاں کی ترقی عملہ کی حیثیت سے نہیں ہو سکتی نسبت منصفی یا تحصیلداری کے آپ جانتے ہیں کہ بیسیوں آدمی ان عہدوں کے امیدوار ہیں اور ان کا بہم ہونا آسان نہیں ہے اور نہ میں محقق طور پر اس امر کا وعدہ کر سکتا ہوں کہ ایسا عہدہ ضرور مسعود شاہ خاں کو دلوا دوں گا۔ پس درحقیقت مسعود شاہ خاں کو میری خاطر کرنے کے لئے یہاں آنے کا ارادہ نہیں کرنا چاہیے بلکہ اپنا نفع نقصان خود سمجھ لینا چاہیے۔ مجھ کو اپنی کسی ضرورت کے سبب سے اون کو بلانا نہیں ہے۔ بہ بات میں اس لئے صاف تحریر کرتا ہوں کہ اگر شاید آئندہ میں اون کے لئے کچھ نہ کر سکا تو موجب شکایت نہ ہو۔ میرا اون کے لئے آئندہ کوشش کرنا یا نہ کرنا اون کی کارروائی اور نیک چلنی اور میری خوشی پر منحصر ہے۔ اون کو اگر یہاں آنا بہرحال منظور ہو تو اون کو یہ سمجھنا چاہیے کہ ایک محض غیر بلکہ انگریز حاکم کے سامنے کام کرنا ہے اور بالکل اپنا برتاؤ اس ہی خیال پر رکھنا چاہیے ہوگا۔ ورنہ اگر میرا دل میں خیال کچھ ہو، اگر ظاہری برتاؤ اون کے ساتھ زیادہ خلوص و رعایت کا رکھا گیا بہ نسبت دیگر اہلکاران عملہ کے تو ضرور حسد اور کینہ کی وجہ سے ایسی خرابیاں اور کام

[illegible] وغیرہ پیش آویں گی کہ جو موجب علیحدگی کا ہوگا۔ [illegible] پیشہ ور یا دیگر اہل کاران محکمہ کے ذمہ لازم ہوگا کہ وہاں نہ [illegible] اور [illegible] کی وجہ صاحبہ سے ہونا ظاہر نہ کریں۔ مجھ کو امید [illegible]

[illegible] ہے کہ [illegible] نے مسعود شاہ خان کی [illegible] کے لقب [illegible] اس میں داخل [illegible] کو [illegible] کی بھولت [illegible] [illegible] دن کو میں ایک [illegible] اور چھ را [illegible] کرتا ہوں کہ [illegible] کے [illegible] ہے۔ اون کے سمجھنے میں کرنے کا مجھ کو [illegible] لیکن انسان [illegible] [illegible] اور [illegible] [illegible] اور [illegible] [illegible] اور

(۲)

مولوی حسین عطاء اللہ[1]

مکرمی!

آپ کا عنایت نامہ مورخہ ۲۴ ربیع الاول ۱۲۹۹ھ میرے پاس پہنچا۔ اوس کا جواب لکھنے سے میں اس وجہ سے قاصر رہا میں نے حیدرآباد کی ملازمت کا تصفیہ نہیں کیا اور مجھ کو امید تھی کہ آخر فروری یعنی اجلاس میں وہاں ہوتا۔ لیکن شاید آپ نے سنا ہوگا کہ بڑودہ سے میں سب جا اپنے والد[2] کے پاس بغرض مشورہ چلا گیا اور تعجیل اس سبب سے کرنی پڑی کہ اس ہی زمانہ تک ہائیکورٹ الہ آباد میں ایک ہندوستانی جج کی تقرری کی خبر محقق معلوم ہوئی بلکہ جب میں الہ آباد پہنچا تو معلوم ہوا کہ رپورٹ روانہ بھی ہوگئی اور حکام ہائیکورٹ نے میرا نام تقرری کے لئے اس لئے نہیں لکھا کہ ان کو خیال تھا کہ مجھ کو گورنمنٹ انگریزی کی نوکری منظور نہیں ہے۔ اس سبب سے یہ ضرورت پیش آئی کہ قبل اس کے کہ وائسرائے اس معاملہ میں ہائیکورٹ کا فیصلہ کریں میں اپنے تئیں ہائیکورٹ کی بھی پیش پر آمادہ اور راضی بتلاؤں۔ چنانچہ ایک چٹھی اس مضمون کی میں نے گورنمنٹ کو لکھی ہے اور وہ ہائیکورٹ کو واسطے رائے کے بھیج دی گئی ہے اور چند روز میں وہ مع رائے کے یہاں واپس آوے گی اور پھر تقرری کا فیصلہ ہوگا۔ اس عرصہ میں یہ چاہتا تھا کہ اگر ہائیکورٹ کی بھی بالفعل نہ ملے تو ضرور سرکار آصفیہ کی نوکری مستقل کر لینی چاہئے اس لئے کہ نواب صاحب نے میرے لئے عہدہ تنخواہ اور نہایت عمدہ پیش قرار دی تھی۔ لیکن میرے والد جیسا کہ آپ کو معلوم ہے میرے سرکار انگریزی کی ملازمت سے علیحدہ ہونے کو ناپسند کرتے ہیں اور باوجود بڑی گفتگو کے انہوں نے یہ رائے قرار دی کہ نواب صاحب[3] کو اطلاع دے دینی چاہئے کہ حیدرآباد میں مستقل ملازمت کا ارادہ نہیں ہے۔ آخر کار میں نے نواب صاحب کی خدمت میں ایک عرضی اس مضمون کی لکھ بھیجی اور اب یہ امر فیصل شدہ ہوگیا۔

نواب گورنر جنرل بہادر نے میرے والد کو ممبر ایک بڑے کمیشن کا (جو واسطے درستی انتظام تعلیم تمام ہندوستان کے لئے مقرر ہوا ہے اور جس میں بمبئی، مدراس اور میسور اور پنجاب غرض کہ ہر ممالک سے ممبر انگریز یا ہندوستانی آگئے ہیں) مقرر کیا تھا چند مخالف رائے کے سبب سے میرے والد نے اس کمیشن کو چھوڑ دیا اور پھر مجھ کو بلا کر ممبر کمیشن مقرر کر دیا۔ میرے والد جیسا کہ شاید آپ کو معلوم ہو گورنر جنرل کی کونسل میں ممبر دوبارہ ہوئے ہیں اور ان کا خاتی کام قانونی اس قدر ہے کہ جس میں میری مدد کی ضرورت ہے۔ پس بالفعل مجھ کو یہاں شدت سے کام ہیں اور اس کمیشن میں میرے ممبر ہونے کے سبب سے اور بھی کام میں کثرت ہے۔ میں نے نواب صاحب سے اجازت چاہی ہے کہ تا صدور احکام گورنمنٹ آف انڈیا دوبارہ بازتعال میری خدمات کے، مجھ کو اجازت بطور رخصت مرحمت فرمائیں۔ گورنمنٹ آف انڈیا مجھ کو بخوشی واپس لے گی۔ بلکہ اس کمیشن میں ممبر کنار درحقیقت واپس لینا ہے۔ پس میری واپسی خدمات کا حکم صادر ہو جاوے گا۔ گفتنا ہم یہ ارادہ ہے کہ صرف بطور ادائے مراسم رخصت و برائے اظہار اس احسان مندی کے جو میرے دل میں نواب صاحب کے ذاتی عنایات سے پیدا ہوئے ہیں اور نیز اجابت کے لئے

---

[1] مولوی حسین عطاء اللہ صاحب اس وقت مدگار معتمد عدالت محکمہ جات حیدرآباد تھے۔ مولوی نصیر الدین ہاشمی انہی کے نواسے ہیں اور یہ خط انہی نے اداریے کو عطا فرمایا ہے۔

[2] سرسید احمد خاں [3] نواب سالار جنگ مختار الملک وزیر اعظم حیدرآباد۔

اس کمیشن کے کام سے فارغ ہو کر ماہ اپریل یا مئی میں چند روز کے لئے حیدرآباد آؤں گا۔ امید کہ آپ سے بھی مسرت ملاقات حاصل ہوگی۔ آپ کے اور مولوی محمد صدیق صاحب[1] کے اخلاق اور عنایت مجھ کو ہمیشہ یاد رہے گی۔ گو کہ اب حیدرآباد میں سیدہ ملازمت نہ ہوگی۔

دربارہ کاغذات وغیرہ کے۔ سب کاغذات جو میرے لئے مرتب ہوئے تھے ان میں کاغذات اصلی سرکاری دفاتر کے بہت کم ہیں۔ وہ سب مولوی مہدی علی صاحب[2] کے پاس بھجوا دئے جائیں گے۔ آپ ان سے مانگ لیجئے۔ چند کاغذات وغیرہ جو خاص میرے لئے لکھے گئے ہیں ان کو میں پھر ایک دفعہ پڑھنا چاہتا ہوں۔ حقیقت میں میرے دل میں بہت سے خیالات دربارہ طرز انتظام عدالت وکونسلی قائم ہو گئے ہیں اور ان سب کو بہ ترتیب لکھ کر نواب صاحب کی خدمت میں پیش کروں گا۔ اس کوشش کے کام سے فراغت ملے تو اس یادداشت کو مکمل طور پر تیار کر لوں گا۔ تب بجملہ کاغذات آپ کی خدمت میں بھیج دوں گا۔ بالفعل جس قدر کاغذات و گفتگو متعلق دفاتر ہیں اور وہ میں نے آپ سے استعمار لی تھیں وہ سب مولوی مہدی علی صاحب آپ کو واپس دیں گے اور جو کاغذات خاص میری مدد کے لئے آپ نے تحریر فرمائے تھے وہ میں تھوڑے عرصہ کے بعد واپس کر دوں گا اگر آپ کو تکلیف نہ ہو۔

مجھ کو اس بات کا بہت رنج ہے کہ میرا مستقل طور پر حیدرآباد میں رہنا نہ ہوا۔ لیکن درحقیقت اگر مجھ کو ہائیکورٹ کا جج مل جاوے تو اس کے مقابلہ میں جو تنخواہ کہ حیدرآباد میں مجھ کو مل سکتی تھی وہ کم ہے اور قطع نظر جج ہائیکورٹ کے مجھ کو ملک اودھ میں پانچ سات سال کے بعد کمشنری کی توقع ہے۔ لیکن جہاں تک میری ذاتی خواہش تھی وہ حیدرآباد کے انتظام میں شرکت کی تھی اور درحقیقت جس قدر عمدہ انتظام وہاں ہو سکتا ہے کسی ہندوستانی ریاست میں ممکن نہیں ہے اور چونکہ مسلمانی ریاست ہے اس کے انتظام میں سعی کرنے کی میرے دل میں ہمیشہ سے خواہش ہے۔

افسوس ہے کہ یہ امید پوری نہ ہو سکے گی۔ گو کہ کچھ وجہ نہیں ہے کہ اگر نواب صاحب توجہ فرماویں نواب بھی کیوں عمدہ انتظام نہ ہو سکے مگر چند اصول انتظام کے اختیار کئے بغیر انتظام ممکن نہیں ہے۔

بہرحال اپنے خیالات اور آراء اپنی یادداشت میں انشاء اللہ مفصل ظاہر کروں گا اور آپ بھی شاید اس کو دیکھیں گے۔

جب تک نہ تعلیم کا کمیشن یہاں اجلاس کرے گا جب تک مجھ کو یہاں رہنا لازم ہے۔ مولوی محمد صدیق صاحب کی خدمت میں سلام و نیاز پہنچے۔ امید ہے کہ بفضلہ تعالیٰ آپ بخیریت ہیں۔

خاکسار محمود۔ کلکتہ ۲۷ فروری ۱۸۸۲ء

---

[1] مولوی محمد صدیق عمار جنگ اول اس وقت معتمد عدالت حیدرآباد تھے۔ نواب مختار الملک ان کو اور ان کے بڑے بھائی رفعت یار جنگ اول کو بہت چاہتے اور ان پر اعتماد کرتے تھے چنانچہ اپنے بھانجے اور داماد مکرم الدولہ کے ہمراہ انہی رفعت یار جنگ کو اتالیق بنا کر انگلستان روانہ کیا تھا۔

[2] مہدی علی محسن الملک اس وقت حیدرآباد میں معتمد تھے اور بہت بااثر۔

(۳)

صاحب شروانی

مکرم بندہ!

بعد سلام مسنون ملتمس ہوں کہ میں بذریعہ جداگانہ پارسل پوسٹ کے آج کی ڈاک میں اپنی رائے بابت چندا مور مندرجہ ایجنڈا کار روائی اجلاس بجٹ بیٹنگ ٹرسٹیان مدرسۃ العلوم مورخہ ۲۷ اکتوبر ۱۹۰۱ء آپ کی خدمت میں روانہ کرتا ہوں۔ اور امور متعلقہ کالج کے ہیں اور میں نے ان کو صریح اور مفصل خاص برائے ملاحظہ ٹرسٹیان اور ان کی توجہ تحریر کر دی ہیں امید کرتا ہوں کہ آپ ان پر غور اور توجہ فرماویں گے (۲) دیگر چند مدات کی نسبت بھی میں نے رائے لکھی ہے جو چھپ کر آپ کی خدمت میں پہنچے گی (۳) اگر آپ نے قبل ملاحظہ اس رائے کے اپنے ووٹ روانہ کر دئے ہیں تو لکھتا ہوں کہ از روئے جدید قاعدہ دفعہ ۳۲ ترمیم شدہ کے جو نوٹس کی پشت پر بصفحہ نمبر ۲ چھپ کر شائع کیا گیا ہے آپ کو ہے کہ اپنی رائے ترمیم کریں یا بدل کر آنریری سکریٹری کے پاس بمقام علی گڈھ بھیج دیں کہ وہ شمار میں آویں گے ——— عنایت ان کاغذات کی رسید میرے پاس بمقام سیتاپور راوسال فرماویں۔

راقم نیازمند سید محمود۔ سیتاپور۔ ۲۵ ستمبر ۱۹۰۱ء

نقوش، مکاتیب نمبر

منشی حیات بخش رسا

بنام احسن مارہروی

(۱)

سید صاحب کرم۔

آپ کا کارڈ صادر ہوا۔ اس سے پہلے جناب طیش کا کارڈ بھی پہنچ چکا تھا۔ نسخہ مطبع سے کم آئے۔ اس لئے ربط ایک نسخہ پر اکتفا کیا گیا۔ بھیجنا ہوں لاحظہ سے گزرے گا۔ اور حضرت طیش کو بھی ملاحظہ کرائیے اس کی بابت وہ مولوی محمد محسن صاحب کے بھیجتا ہوں اور ایک کارڈ لکھنؤ کا آیا ہوا جس میں مولوی صاحب کی تحریر لکھنؤ کی تحریر میری تصحیح کی بابت قابل ملاحظہ ہے۔ اور یہ خطوط میں نے سند آپنے پاس رکھے ہیں۔ مجھے بعد ملاحظہ فرما دیجئے۔ رسید آپ کے بھیجنے کے لئے بھیجتا ہوں۔ اور ایک اور نسخہ ہے جس کو آپ نے اپنے نسخہ تاریخ میں لکھا ہے کہ نہ ہوگا رسا کے برابر کوئی۔ یہ بھی میرے واسطے سند ہے۔ جو لوگ مارہرہ میں طبع آزمائی کر رہے ہیں۔ ان کی کیا ہے۔ میں تو ایک سید صاحب پانچ وقت کے نمازی والا آدمی ہوں۔ اتفاق سے لوگوں کے کچھ سیندا آجاتا ہے یہ بات جانتے ہیں کہ یہ بھی ڈگریں کرنے والا آج کل کوئی نہیں ہے مضمون آفرین لوگوں کی زیادہ پوچھ ہے۔ یہ آپ لوگوں کی عنایت اور قدردانی ہے کہ مجھے بھی شاعروں میں شمار کر رکھا ہے۔ تینوں کارڈ واپس فرمائیے۔ مگر اچھی طرح پڑھ کر۔ آپ ۲۹ محرم کے بعد کہاں تشریف لے جاویں گے۔ نہایت صدمہ آپ کی مفارقت کا ہوگا۔ ابھی کری پڑتی ہے۔ ہاں چلے پر جاتے تو اچھا تھا۔ اور جاتے ہو وہاں جہاں خیال پہنچنا بھی دشوار ہے یہاں کہیں ہوتے تو مل آیا کرتے۔ کل ایک کارڈ سید کلب احمد صاحب کا ایٹہ سے آیا۔ تنہا تو مانگتے نہ تجھی کو خدا سے ہم نے یہ طرح قائم کرکے ۱۷ اپریل مقرر کی ہے۔ اور مجھے طلب فرمایا ہے۔ آپ تشریف نہیں لاویں گے تو میں وہاں جاکر کیا کروں گا۔ لہذا فوراً مطلع فرمائیے کہ آپ یہ تشریف لاویں گے یا نہیں۔ بحر رجز جو طرح کیا گیا ہے مزا ہے۔ میرے پانچ چھ شعر اس میں پہلے سے ہیں۔ اب اور کہہ رکھا مگر اب آگے کو بڑھنے کی امید نہیں ہے۔ باقی کیا کہوں۔ طیش سے کہنا کہ کمبخت تو نے یہ نہ پوچھا کہ اس نازنیں زہرہ جبیں کے پیچھے تیری کیا حالت ہے جس نے بازار سے اور محمد آباد تک بسمل کر دیا اور تڑپتا چھوڑ گئی۔ جواب فوراً مرحمت فرمائیے اور میری امانت یعنی ہر سہ خطوط بعد ملاحظہ واپس فرمائیے۔ اس کے ساتھ دلبر۔ طیش سب کو سلام پہنچے۔ ۱۴ اپریل ۱۹۰۲ء

(۲)

مولوی حسن مارہروی

جناب بندہ۔　　(از بلیسر)

آج آپ کا پھر تقاضا پہنچا۔ اتنے بھاری سفر سے بیٹھا جاتا ہوں۔ ورنہ جو یکہ آپ کی یہ تحریر مجھے لے چلنے کو بہت کافی تھی مگر ہمت نہیں پڑتی۔ کمزوری کی وجہ سے غزل نہیں کہی جاتی۔ نہایت کمزوری ہے۔ آج مولوی صاحب کو بھی خط لکھتا ہوں اگر وہ معاف فرمادیں تو بہتر ہے۔ نالش کے قصد سے بالکل نہ آؤں گا۔ آپ جہاں ہوں گے بذریعہ کمیشن اظہار کرادوں گا۔ مولوی محسن صاحب سے زبانی تعارض لکھے ہیں۔ آپ نے نہ لکھے تو خیر حضرت ناصح سمجھ لیں گے

۱۶ جون ۱۹۰۶ء　　حیات بخش رسا

(۳)

مولوی حسن مارہروی

یا حضرت۔　　(از فرخ آباد)

میں نے مشاعرہ میں پوری غزل آپ کی خدمت میں روانہ کی۔ اس پر اصلاح تو درکنار رسید غزل سے بھی اعزاز نہیں بخشا۔ سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا بات ہوئی۔ میں علیل ہوں۔ لیکن میرے گھر میں بہت طبیعت خراب ہے تین ماہ رخصت کی درخواست دے دی ہے۔ بعد ایک ہفتہ کے بغرض علاج دہلی جاؤں گا۔ باقی آئندہ

۲۳ ستمبر ۱۹۰۶ء　　حیات بخش رسا

(۴)

مولوی امیر حسن مارہروی

مکرم۔　　(از فتح گڈھ)

رہ امیر حسن صاحب کا خط آیا دیکھا۔ آؤنگا آؤنگا اب کیوں کہا آؤں گا۔ مگر آج خط مولوی نور الحسن صاحب کا بین پوری سے آیا۔ کہ سید علی احسن صاحب کی تحریر سے معلوم ہوا کہ وہ مشاعرہ ۲۹ ستمبر ۱۹۰۶ء نہیں کر سکتے اس لئے قبل ۶ اکتوبر کوئی تاریخ مقرر فرمایئے نیز آپ نے یہ بھی لکھا کہ آپ کے ہی لئے مشاعرہ ہوا اور آپ ہی نہ آئیں تو بمجبور ۶ اکتوبر یوم اتوار کے لئے آج صبح سے کوشش کی گئی۔ میر طاہر علی صاحب نے یہی کہا کہ بغیر ان کے یعنی آپ کے ہم شریک مشاعرہ نہ ہوں گے۔ اس لئے بمجبور ۶ اکتوبر مقرر کی گئی۔ اور جا بجا خط جا چکے تھے۔ اب پھر ترمیمی خط بھیجے جاتے ہیں۔ ۶ اکتوبر کو تو کوئی عذر آپ کو غالباً نہ ہوگا۔ میں نے ترمیمی خطوں میں سب جگہ آپ کا حوالہ لکھ دیا ہے کہ وہ نہیں آتے اس لئے ۶ اکتوبر مقرر ہوئی۔ جواب واپسی ڈاک دیجئے۔ امیر حسن صاحب کو بھی اطلاع کر دیجئے فقط

۱۵ ستمبر ۱۹۰۶ء　　حیات بخش

(۵)

مولوی امیر حسن مارہروی

مکرم۔　　(از فتح گڈھ)

آج مالیر کوٹلہ سے خط آیا۔ میں نے پہلے جو خط مالیر کوٹلہ بھیجا تھا۔ آپ کی بیحد تعریف لکھ دی تھی۔ اور عرض کیا تھا کہ تعجب ہے کہ حضور نے ان کو طلب نہیں فرمایا۔ آج کے خط میں لکھا ہے کہ حضرت احسن کو بھی ۱۰ روپے

کے لئے مدعو کیا ہے اس سے نہایت خوشی ہوئی۔ لیکن ایک بڑی دقت ہے کہ رامپور سے کل خط آیا ہے وہ مجھے بہ جلد طلب فرماتے ہیں یعنی قبل ۱۰ کے۔ اب جیسی رائے ہو سکندرآباد اطلاع دیجئے۔

۱۰ جنوری ۱۹۰۰ء حیات بخش

(۶)

بنام احسن مارہروی

مکرم بندہ۔ (از مقام رامپور)

تسلیم نیاز۔ والا نامہ صادر ہوا۔ معزز فرمایا۔ کئی روز سے مدیم الفرصت تھا۔ اور مضطر صاحب پر جو پریشانی تھی۔ اس میں شریک تھا۔ مضطر صاحب کے گھر میں لڑکا پیدا ہوا۔ اور اس کے تین روز بعد ان کے گھر میں بخار و نمونیا کے مرض میں مبتلا ہوئیں۔ آٹھ روز سخت علیل رہ کر کل شب کو زچہ نے انتقال کیا۔ لڑکا زندہ ہے۔ آج مضطر صاحب بعد رخصت دو ہفتہ سب حال پھیلا کر گوالیار ان کے ننھال میں پہنچانے گئے ہیں۔ بچارے کو یکایک نہایت پریشان و زیر باری کا سامنا ہوا۔ مرضی خدا۔ مجھے فی الحقیقت سوائے دربار داری کے اور کچھ کام نہیں ہے۔ وہ بھی شب گذرات کے جاگنے سے دن میں کسلمند رہتا ہوں۔ عادت پڑتی جاتی ہے اس لئے غزل کہنے کا اتفاق ہوتا ہے۔ کوئی فرمائش یا حکم صادر ہوتا ہے تو کہہ لیتا ہوں۔ ورنہ ضرورت بھی ایسی کیا ہے۔ حکماً عروض ایک استاد سے دیکھتا ہوں۔ اور بھی اسی فن کے متعلق کچھ وقت صرف کرتا ہوں۔ دیکھئے کچھ آتا ہے یا نہیں۔ وکالت شروع کر دی ہے کچہری جاتا ہوں۔ لیکن ابھی کچھ کام چلا نہیں ہے۔ رفتہ رفتہ چلے گا۔ حکام سب عنایت کرنے لگے ہیں سرکار کی پروش اور خاوندی دن بدن بڑھتی جاتی ہے۔ خدا ان کو سلامت رکھے۔ باقی خیریت ہے۔ سید امیر حسن صاحب کو تسلیمات کہہ دیجئے۔ غزل بھیجتا ہوں۔ کریہ کہ جو شعر خراب ہو یا پھیکا ہو فوراً نکال دینا۔

غزل حیات بخش رسا صاحب وکیل دربار رامپور شاگرد فصیح الملک دہلوی

گوندھ لینا دلِ عشاق نہ تم ہاروں میں — پھول تکتے ہوئے رہ جائیں گے گلزاروں میں
مفت بھی دل نہیں لیتا کوئی بازاروں میں — اک تمہیں تم نظر آتے ہو خریداروں میں
جس کو خود رحمتِ باری نہ منانے آئے — وہ گنہگار بھی ہے کوئی گنہگاروں میں
لاکھ پردے میں چھپئے پہ بھی ہیں تم رسوا — گھر میں بیٹھے ہوئے مشہور ہو بازاروں میں
اپنے عشاق کو گھر سے نہ نکالو ورنہ — گر سزا دینی ہے چن دو انہیں دیواروں میں
کھل گیا فیصلۂ روزِ جزا کا عقدہ — کہ خدا بھی ہے بتوں کے ہی طرفداروں میں
لطف ہے حشر میں زاہد کو جریں دیکھوں میں — کہ گنہگار سے بیٹھے ہیں گنہگاروں میں
کس سے زنداں میں اسیری کے طریقے سیکھیں — کوئی کمبخت نہیں اگلے گرفتاروں میں
تجھ کو اس رنگ کی جنت میں ملے یا نہ ملے — محتسب دیکھ تو کیا چیز ہے میخواروں میں
تم عیادت کو نہ آنا کہ برائے تعظیم — طاقت اٹھنے کی نہیں ضعف سے بیماروں میں

کسی نے دل دیا کسی نے پیار کیا۔ ہے تم کو — پڑ گئے نیل جو یوں پھول سے رخساروں میں
طلب بوسۂ رخسار کا مجرم ہوں میں — جھونک دو مجھ کو دہکتے ہوئے انگاروں میں
آپ کے ملنے سے شہرت ہے جہاں میں اسکی — انگلیاں اٹھنے لگیں فیر پہ بازاروں میں
جان دی جنبش ابرو پہ ہمیشہ ہم نے — منہ نہ موڑا کبھی چلتی ہوئی تلواروں میں

اے رسا رشک سے ہے اہلِ سخا کا دم بند
میرے آقا کی وہ سرکار ہے سرکاروں میں

حیات بخش رسا
۱۷ اپریل ۱۹۰۸ء

---

(۷)

بنام حسن مارہروی

مکرم بندہ۔ آداب نیاز۔

آپ کا گرامی نامہ معہ ایک کارڈ کے پہنچا کارڈ دیکھ کر سخت حیرت ہے کہ ایسا کون آپ کا دشمن ہے جس نے ایسی لغو کارروائی کی ہے۔ یہ بالکل خط ہے کہ آپ کے خلاف کوئی بات مشہور ہو۔ نہ خدانخواستہ آپ کے کلام کی بابت میں نے کسی سے چرچا سنا۔ نہ کسی کی مجال اور ہستی ہے۔ کہ میرے منہ پر آپ کی بابت کچھ کہہ سکے نہ یہ میری عادت کہ میں اس کو سن سکوں۔ یہ کسی ایسے بدمعاش کا کام ہے۔ جو آپ سے در پردہ بغض رکھتا ہے۔ یا جس کو یہ اندیشہ ہو کہ یہ یہاں آئے تو میرے حالات کہہ کر میرے حق میں کانٹے بو جائیں گے۔ یا مجھے ان کے آنے سے کوئی نقصان پہنچے گا۔ اندیشہ یا خطرہ ہے۔ حافظ صاحب جو آپ کے پاس سے آئے وہ میرے پاس بھی پرسوں آئے تھے۔ وہ رامپور میں ایسے شخص نہیں ہیں کہ کسی ایسے آدمی کو جانتے بھی ہوں۔ جو ایسے بد اور غلط حرام ہیں اور انہوں نے اگر کسی سے تذکرہ آپ کی آمد کا کیا بھی ہو۔ تو سننے والے کو ایسی کیا غرض تھی۔ کہ آپ کو ایسے جھوٹے حالات سے اطلاع دیتا اور آپ کے دل کو تکلیف پہنچاتا بہرحال آپ خود عقلمند اور قابل ہیں اس کا فیصلہ آپ اپنے دل میں کر سکتے ہیں۔ اور ذرا بھی اس کا خیال نہ فرمائیے۔ یہاں کوئی شخص برائے نام بھی آپ کے خلاف نظر نہیں آتا۔ اور اگر آپ کا مخالف بھی ہو یا آپ کے کلام سے رغبت نہ رکھتا ہو۔ تو کسی کی مجال یا ہستی نہیں ہے کہ ایسا عمل کر سکے جو کارڈ میں درج ہے۔ یہ کارڈ مصنوعی کسی پختہ کار کا ہے۔ یہاں والے کا نہیں ہے۔ میرے نزدیک میری اس تحریر کو کسی پر ظاہر نہ فرمائیے۔ میں نے وہ کارڈ احتیاط سے رکھ چھوڑا ہے جب آپ تشریف لائیں گے اس وقت اس کی بابت میں اور آپ بات چیت کر لیں گے۔ جاورہ سے واپسی کی کوئی تاریخ مقرر نہیں ہے ٹیلیگرام آئے گا اسی وقت یا تشریف آوری کے بعد آپ کو مطلع کروں گا۔ طبیعت کل تمام کر یہاں سے مارہرہ گئے۔ وہ آپ سے ملے ہوں گے۔ اُن سے میرے نزدیک آپ اپنے یہاں آنے کے متعلق کوئی بات یا مشورہ نہ فرمائیے۔ اگر آپ اپنے ہاتھ مشفقی میاں سید حسن صاحب دبیر کو بھی لائیں تو عجب لطف ہوگا۔ باقی خیریت۔

راقم نیاز۔ رسا۔

۱۱ مارچ ۱۹۰۹ء

(۸)

بنام احسن مارہروی

(از رام پور)

بھائی۔ احب مکرم تسلیم

آپ کا والا نامہ ۲۰ جون کا لکھا ہوا۔ آج ۸ جولائی کو دیکھ رہا ہوں۔ میں نہیں جانتا تھا کہ آپ کا یہ قرار فہمی تک پہنچ گیا ہے۔ صرف ضروری مقدمات کی غرض سے مسکل اجازت لیکر آیا ہوں۔ آپ کے خط میں جو کچھ لکھا ہے اس کو میں بھی جزو بجزو تسلیم کرتا ہوں۔ اور خدا کی قسم آپ کی اس تحریر سے میں بیحد متاثر ہوا۔ لیکن کیا کیا جائے۔ جب کوئی اپنے کمینہ پن سے باز نہ آئے۔ تو اس کے لئے علاج سوائے سرزنش کے اور نہیں ہے۔ چنانچہ اس کا کچھ ظہور ہوا ہی ہے۔ اور آئندہ ہو گا وہ آپ جلد سن لیں گے۔ آپ کی پچھلی تحریرات جس میں ان حضرات کی تعریف کے دفتر میں پیش کر چکا۔ یہ محاظ ایجنٹ تھا کہ وہ آپ کے لکھنے کے ذکر رہے۔ جس سے یہ ثابت کرتا ہے کہ باوجود اس کے کہ آپ کے نمک خوار قدیم ہیں۔ اور کہ کے ساتھ اس نے کیا کیا گستاخی اور نمک حرامی کی۔ جو کچھ ان کے ساتھ اس وقت تک برتاؤ ہوا وہ خود آپ سن لیں گے میں لکھوں گا۔ تو یہ ٹھہرے گا کہ بوجہ رنج کے جھوٹ سچ لکھ دیا ہے۔ ۲۴ گھنٹہ کے اندر نقل مضمون و محلہ کرنا پڑا۔ اور کیا اور کیا۔ مرضیکہ آیندہ لکھنا مناسب نہیں ہے۔ یہاں تمام شہر میں اس کمبخت نے یہ مشہور کیا ہے کہ احسن صاحب کا یہ فعل ہے کہ رسا پر اعتراض کیا۔ میرا خیال یہ نہیں ہو سکتا۔ لاحول ولاقوۃ۔ ایسے باجی کے قول کو کیوں کر مان سکتا ہوں۔ فقط۔

۸ جولائی سنہ ۱۹۱۰ء

رسا

(۹)

بنام احسن مارہروی

(از مقام ریاست رامپور)

مکرم بندہ۔ آداب نیاز۔

والا نامہ صادر ہوا۔ معزز کیا۔ پہلے خط میں آپ کی کوئی بات جواب طلب نہ تھی اس لئے کسی قدر اس کے جواب میں تساہل ہوا۔ پھر خط لکھنے والا ہی تھا کہ یکایک میری لڑکی ایسی علیل ہوئی۔ کہ اب تک طبیعت سے نہیں ہوں بہت چھوٹی چیچک نہایت خفیف بعد تین دن بخار آنے کے نمودار ہو کر ڈبل گئی۔ اس کے بعد بخار جم گیا یہاں تک کہ کئی روز بے آب و دانہ غافل رہی۔ ایک حکیم صاحب یہاں بڑے نامی ہیں انہوں نے علاج کیا کچھ دست وغیرہ آئے شکر ہے کہ پرسوں سے اس کی طبیعت اچھی ہے۔ ابھی ٹھنڈائی پیتی ہے۔ کھچڑی کھاتی ہے۔ چلنا پھرنا بالکل دشوار ہے۔ آپ میری طرف اترانے کے خیالات کو کیوں عائد فرماتے ہیں۔ وہ کیسی ہی ہو پھر لڑکی ہے۔ اور لڑکی کی جڑ جس قدر کمزور ہوتی ہے اس کو میں اچھی طرح کئی مرتبہ آزما چکا ہوں۔ پھر میرے اوپر تعجب ہے کہ ایسے خیال کو پاس آنے دوں الحمدللہ کہ سیدھے راستے چلا جاتا ہوں۔ اور چلا جاؤں گا۔ اگر اس شعار کو کسی ترکیب یا مصلحت سے بدل بھی دوں۔ تو اس سے آپ سے۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ ہمیشہ نیازمند خاص تصور فرماتے رہے۔ رہی خط و کتابت کی دیر۔ آپ یاد کیجئے ایسا توقف تو کبھی کبھی فرخ آباد ایٹہ وغیرہ سے بھی ہوتا رہا ہے۔ ہوم صاحب بہادر کے پاؤں میں پھنسیاں نکل آئی تھیں ایک ہفتہ تک قلعہ میں بھی تشریف نہیں لے گئے تھے مگر اب فضل الٰہی ہے اور اچھی طرح تندرست ہیں۔ آج کئی

معذور ہوئے میں ان کے مکان پر صبح کے وقت معمولاً بیٹھا تھا عیش کا خط ڈاک سے ان کے نام آیا تھا۔ عیش نے مجھے اُن سے دریافت کیا تھا۔ چنانچہ وہ خط ہوم صاحب بہادر نے مجھے دکھلایا جو نہایت طول طویل تھا۔ اور اس سے پہلے حضرت صاحب سے بھی عیش مذکور کی خط و کتابت ہے۔ مضطر صاحب کا حیال ان کی طرف اچھا ہے۔ اور جب ان کا خیال اچھا ہے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہوم صاحب بہادر کا خیال اچھا نہ ہو۔ مجھ سے ہوم صاحب بہادر ان کا حال پوچھتے تھے۔ میں نے جہاں تک زبان نے یاری دی۔ ان کے حالات عمدہ طور پر بیان کر دئے۔ میں بیچ آباد چلنے کی بابت کیا عرض کروں۔ آپ کے حکم سے گریز نہیں کر سکتا۔ لیکن آپ کو معلوم ہے کہ مادیہ کوٹلہ جانے کو روکا گیا تھا۔ خیر وہ تو ابتدائی حالت تھی۔ مولوی عبدالوحید صاحب نے جو مشاعرہ مین پوری میں کیا تھا۔ انہوں نے مجھے خط لکھا۔ اور ایک درخواست حضور پُر نور نواب صاحب بہادر دام اقبالہ کو میری شرکت کے لئے بھیجی۔ لیکن وہ قطعی نامنظور ہوئی یہاں جو مشاعرے ہوتے ہیں۔ ان میں مہتمم مشاعرہ کی درخواست بندگان حضور میں پیش ہوتی ہے تب کہیں شرکت عیب ہوتی ہے۔ ویسے کہیں جانے آنے کی ممانعت تھوڑا ہی ہے۔ رخصت بھی مل سکتی ہے لیکن چونکہ مولوی بشیر احمد ان صاحب ایک رئیس ہیں اور لکھنؤ کا قرب ہے۔ اور میرا نام بھی اب مخفی نہیں رہا اس لئے اگر کسی اخبار نے میری "۔ جودگی مشاعرہ کی لکھ دی تو میرے لئے خرابی ہے اور صاف صاف اجازت مشاعرہ کے لئے لی جائے تو نا ممکن۔ اس بارہ میں جیسا آپ کا ارشاد ہو تعمیل کی جائے۔ مجھے کسی صورت سے عذر نہیں ہے۔ غزل ضرور لکھوں گا۔ یہاں اکثر مشاعرے ہوتے ہیں۔ فی الحال کرنیل صاحب بہادر کے مکان پر ۴ رجون کو عام مشاعرہ ہے اور اسی طرح ۱۱ رجون کو ہوم صاحب بہادر کے مکان پر۔ طرح کرنیل صاحب بہادر کے یہاں۔ ع چپکے چپکے مجھے دشنام دئے جاتے ہیں۔ دشنام۔ پیغام۔ قافیہ ہے۔ ہوم صاحب بہادر کے یہاں۔ پھڑکتی ہے ہماری آنکھ اب کوئی خوشی ہوگی + خوشی قافیہ ہے۔ اطلاعاً عرض کیا۔ باقی حال میرا اچھا ہے۔ روز شب کو ۹ بجے جاتا ہوں بارہ بجے ایک بجے آتا ہوں۔ دربار کی حالت نہایت عمدہ قابل دید ہے۔ سرکار کی مدح سے زبان قاصر ہے۔ باقی خیریت ہے۔ ہمیشہ تابعدار کو تابعدار خیال فرما کر یاد فرماتے رہیے دلبر صاحب کو تسلیمات۔ کبھی کبھی خیریت سے مطلع فرمایا کیجئے۔ اور سید مقبول حسین صاحب کی خیر و عافیت مزاج سے بھی اطلاع دیجئے فقط

۲۵ رمئی

رسا

---

(۱۰)

(از ریاست رامپور)

حضرت جی

آداب بجا لاتا ہوں۔ میں جس روز سے جدا ہوا۔ میں نے آپ کو اپنے حالات سے مطلع نہیں کیا۔ یہ توقف قصداً تھا بلکہ سہواً یا کسی اور وجہ سے نہ تھا۔ اس کی وجہ یہ کہ میں اپنی حالت پر مطمئن نہ تھا۔ اور ایسا غیر مطمئن تھا کہ اپنی حالت آپ کو بھی کہتے ہوئے بار معلوم ہوتا تھا لیجئے سنئے۔ ۱۵ رجنوری کو عید الضحیٰ کے روز یہاں پہنچا۔ ۱۸ رجنوری تک سلام کی فرصت نہ آئی۔ ۱۹ رکو سلام ہوا۔ کلکتہ جانے کی طیاریاں تھیں۔ دالسرائے کا تار آیا کہ زیادہ جماعت لانا ضرور نہیں ہے

آپ ہمارے کوٹھی میں مقام فرمائیں گے۔ اس وجہ سے ساتھ جانے والوں میں پندرہ آدمی کم ہوئے۔ میں کچھ تنہا
نوکر چاکر میں بھی رہ گیا۔ اور جانے والے کلکتہ سدھارے۔ ۳ر فروری کو واپسی ہوئی۔ میرے لئے کوئی حکم نہ تھا
جس روز سے یہاں پہنچا البتہ خوان نعمت تو ضرور پہنچا۔ باقی ادھر میں لٹکا رہا۔ وہاں سے واپسی کے بعد احکام
جاری ہوئے اس میں بھی درباریوں لوگوں نے کچھ سے کچھ امکام بہادی کئے۔ اس کی ترمیم کی بابت کوشش ہوئی۔ یہ
آخر کار یہاں تک نوبت پہنچی۔ کہ آپ کا خط لے کر آپ کے استاد پہنچ گئے۔ یہ ضرور کہ میں دربار عالی میں برابر
جاتا رہا۔ اور غزل خوانی بھی وقتاً فوقتاً ہوتی رہی۔ مگر رنگ ڈھنگ دیکھتے دیکھتے آخر کار قریب ڈیڑھ ماہ کے وقت
گزر گیا۔ تو اب ایسی باتوں کی اطلاع آپ کو کیا دیتا۔ ہاں اب بعد واپسی کلکتہ محرم شریف تشریف لائے اس میں
وغیرہ وغیرہ جملہ کارخانجات کی پندرہ روز کی تعطیل رہی۔ جس میں سوائے مجالس عزا کے کوئی کام نہ ہوا۔ اور اب
معاملات کی اصلاح کے لئے ذرا موقع بھی نہ ملا۔ اس میں شک نہیں کہ رئیس نہایت قدر دان سخی امیر ہے
اُن کی قدر افزائی کے شکریہ کو منہ میں زبان نہیں۔ آخر کار یہ طے ہوا۔ کہ ساٹھ روپیہ ماہوار تنخواہ اور وکالت کا سارٹیفکیٹ
اب آپ فرما سکتے ہیں کہ کیا اصلاح معاملات میں کرنی پڑی۔ اور سنئے میں سے ایک کہتا ہوں کہ ایک افسر نے بروقت
اجراء حکم وکالت لکھ دیا کہ مشروط بامتحان وکیل مقرر کئے جائیں۔ یہ مجھے منظور نہ تھا۔ آخر بعد محرم جب عرض کیا۔ تب
مستثنیٰ ہونے کا فوراً دوبارہ حکم جاری ہوا۔ غرضیکہ اب کوئی خلش باقی نہیں رہی۔ جس روز آپ کے استاد تشریف لائے
تھے۔ میں نے فوراً ہوم صاحب بہادر سے ملا دیا۔ انہوں نے باخلاق یہ حکم دے دیا ہے کہ جس وقت آپ کا مزاج
چاہے میرے پاس آیا کیجئے۔ میں اس کے بعد دو روز کی اجازت لے کر سکندر آباد گیا۔ اور گھر کے لوگوں کو کل رات
میں لے کر آگیا۔ ایک مکان بازار نصر اللہ خاں میں لے لیا ہے اس میں کل اٹھ کر جاؤں گا۔ مکان اچھا ہے۔ گھر کے
لوگ بہادر قاضی علاؤ الدین کے مکان میں فروکش ہیں۔ وکالت کا کام مارچ کے شروع مہینے سے شروع لوگوں کا
کہتے ہیں کہ بہت اچھی چلے گی۔ اچھی دیکھی تو خیر دیکھی جائے گی۔ مگر فی الحال یہاں مقام کی ٹھہرا دی ہے۔ میرے بعد آغا مضطر
لکھنوی ۸۰ ماہوار پر۔ عاشق حسین بزمؔ ۳۰ ماہوار پر طازم رکھے گئے ہیں۔ مضطر صاحب یکم جنوری کے منا
کے بعد سرکار سے وعدہ کر گئے تھے کہ میں ہفتہ عشرہ میں حاضر ہوں گا۔ مگر گرانبار سے جاکر یہ لکھا کہ مہاراج گوالیار
مجھے ڈھائی سو روپیہ تنخواہ دیتے ہیں۔ اس لئے میں دو سو روپیہ پر رام پور نہیں آسکتا۔ ۱۵ر جنوری کو جب
میں یہاں پہنچا تھا تو مجھ سے سرکار نے فرمایا تھا کہ دیکھو مضطر وعدہ کر گئے تھے مگر وہاں سے انکار لکھ دیا۔ چند
بعد اپنے لڑکے کو معافی قصور کے لئے رام پور بھیجا۔ آخر کار پھر وہ دو سو روپیہ پر یہاں آنے کو راضی ہو گئے۔ مطلب
کریم کا شکر ہے کہ میں جلد آگیا اور سرکار کے دل کی سی بات ہو گئی۔ غرضیکہ مضطر صاحب اتوار تک یہاں آجائیں
دیکھنے کی بات یہ ہے کہ بعد تشریف آوری مضطر صاحب کیا رنگ رہتا ہے۔ لیکن یہ دم خم تو جناب نواب صاحب
علی خاں صاحب بہادر کا ہے۔ ورنہ مضطر ایسے بیجا طریقہ سے انکار کرنے پر پھر یہاں نہ آسکتے اب دیکھئے
نے کس قدر مفصل حالات سے اطلاع دی ہے۔ میں غزل اپنی بھیجتا ہوں۔ اس کو آپ چھاپ دیجئے۔ باقی آئندہ

میرے نام کی غزل جب آپ چھاپیں تو عنوان فقط اتنا ہونا چاہئے۔ ابھی اس سے زیادہ چندہ سے مصلحت نہیں ہے۔ غزل حضرت رسا شاگرد فصیح الملک دہلوی۔

ساقی جو دیئے جائے یہ کہہ کے پیئے جا — تو میں بھی پیئے جاؤں یہ کہہ کر کہ دیئے جا
جانے کی جو ضد ہے تو مجھے زہر دیئے جا — اتنا تو کہا مان لے اتنا تو کیئے جا
کچھ اور نہ کر مجھ پہ جفائیں تو کیئے جا — کچھ اور نہ لے میری دعائیں تو لیئے جا
آ کر مرے ساقی کا کرم تو کوئی دیکھے — زاہد سے بھی کہتا ہے کہ تھوڑی سی پیئے جا
ہم سے تو مسیحا کی خوشامد نہیں ہوتی — اے خضر مبارک ہو تجھے تو ہی جیئے جا
گستاخ نہ ہو وصل میں اے دستِ تمنا — کچھ دیر ابھی ان کی بلائیں تو لیئے جا
کہتا ہے کسی شوخ کا مجھ سے یہ ڈھکپن — ارمان کیئے جا ابھی ارمان کیئے جا
کیا لذتِ تعزیر نے مجبور کیا ہے — آتا ہے یہی جی میں کہ تقصیر کیئے جا
ان کو میری حالت پہ یقین آئے نہ آئے — اس واسطے قاصد مری تصویر لیئے جا
تو مجھ کو دعا کی تجھے دشنام کی عادت — میں تجھ کو دیئے جاؤنگا تو مجھ کو دیئے جا
کمبخت رسا تیری رسائی نہیں ان تک — تو خوب سا اس نام کو بدنام کیئے جا

سید افتخار عالم صاحب کو آداب نیاز۔ اوٹھا والی غزل آئندہ بھیجوں گا۔ اس وقت رخصت ہوتا ہوں۔ دلبر میاں کو تسلیمات۔ جواب اس کاغذ کا دیجئے۔ پتہ۔ حیات بخش رسا، برمکان قاضی علاؤالدین پیشکار فوجداری،

رسا

۲۷ فروری

(۱۱)

نام احسن مارہروی

یا حضرت۔

والا نامہ صادر ہوا۔ مسرور فرمایا۔ میں نے اپنے عدم ترسیل عریضہ کے وجوہ آپ کو مفصل لکھ دیئے تھے۔ اب میں اطمینان سے گھر بیٹھا ہوں۔ کل تک عدالتوں میں چار روز کی تعطیل تھی۔ آج کچہری ہے۔ کچہری جاؤں گا۔ مضطر صاحب پرسوں دوپہر کی گاڑی میں گوالیار سے مستعفی ہو کر یہاں پہنچ گئے۔ دو دن سے برابر سرکار میں آتے جاتے ہیں۔ بہت عزت و توقیر سے دربار میں دیکھے جاتے ہیں۔ دیر جانے میں ہوتی ہے تو ٹیلیفون کے ذریعہ سے بلائے جاتے ہیں۔ ایمان کی بات یہ ہے کہ رئیس یہاں قابل اور سنجیدہ اور قدردان ہے۔ ڈیڑھ مہینے سے میں یہاں ہوں۔ روزمرہ حاضر دربار رہتا ہوں۔ جو باتیں باہر سننے میں آتی تھیں، ان کا بالکل پتہ نہیں۔ خدا جانے کیونکر مشہور ہوئیں یا یہ کہ پہلے ایسی باتوں کا وجود ہوگا۔ اب چند روز سے ترک کی ہوں گی۔ تہذیب کی یہ حالت ہے کہ رسا کے ساتھ صاحب کا لفظ ضرور ہوتا ہے، جب کبھی مجھے مخاطب فرماتے ہیں۔ پھر جملہ حاضرین دربار سے نہایت عمدہ طریقہ سے پیش آتے ہیں۔ معلوم یہ ہوا کہ پہلے جو یہاں دارالمہام تھے بیز چندا ایسے سیلے

جو نکال دیئے گئے انہوں نے نہایت بدنام کیا۔ آپ کو ایک روز مجھ سے دربار میں پوچھتے تھے۔ بایں الفاظ کہ وہ ان شاگرد مرزا داغ کے شاگردوں میں سے تھے۔ جنہوں نے طرح میں چند شعر قصیدے کے بھی ہمارے سامنے پڑھے تھے۔ میں نے سب حال آپ کا بیان کر دیا۔ اس کے بعد صحیم کی بابت تذکرہ اچھے الفاظ میں نہیں فرمایا۔ یہاں تک کہ اس کی پوری دنتوری و وضع قطع پر اور داد پر بہت ہنستے رہے۔ اس روز مشاعرہ سرکاری کا تذکرہ آگیا تھا۔ یاد کی کیفیت یہ ہے کہ جس کو ایک مرتبہ دیکھ لیا پھر ہمیشہ یاد رکھا۔ قابلیت اردو۔ فارسی۔ عربی۔ انگریزی نہایت عمدہ ہے۔ سمجھا اسی وجہ کی ان سب پر سعادت بہت بڑھی ہوئی ہے۔ میں نے بازار نصراللہ خاں میں ایک مکان لیا ہے۔ اب آپ اسی پتہ سے خط بھیجیں۔ ہوم صاحب بہادر آج کل مصنفر صاحب کی خاطر و مدارات میں لگے ہوئے ہیں۔ وہ سہ بال بچوں کے آئے ہیں۔ ۲۵ بہوار کا ایک مکان کرایہ پر لیا ہے ہوم صاحب بہادر سے ایک آدھ مرتبہ آپ کا تذکرہ آیا۔ جشن خطابی کی ابھی کچھ خبر نہیں۔ جشن سالگرہ ۳۱ اگست کو ہوگا۔ حضور پرنور نے ایک روز مجھ سے فرمایا تھا کہ ایک مشاعرہ گرمیوں میں اور ہونا چاہیئے۔ مگر ہوم صاحب بہادر اس کو ٹال گئے۔ پھر سرکار نے بھی دوبارہ کچھ نہ فرمایا۔ مگر میں نے یہ ضرور رائے دی تھی کہ ہونا چاہیئے۔ اب کے سال جو مشاعرہ ہوگا اس کے لئے پانچ ہزار روپیہ کی منظوری ہے۔ جو مدح اخبار بھی ہو چکی ہے۔ ذوالفقار علی خاں صاحب یہاں سپرنٹنڈنٹ آبکاری ہو کے مقرر ہوئے ہیں۔ گورنمنٹ سے ان کی سروس مستقل کرالی ہے۔ وہ بھی کبھی کبھی دربار میں جاتے ہیں۔ مجھ کو مکان معمولی اچھا مل گیا ہے رات کو ۹ بجے دربار میں جاتا ہوں۔ ایک بجے دو بجے واپس آتا ہوں۔ دن کو ذرا بھی واسطہ نہیں۔ کبھی کبھی تھیٹر بھی چلا جاتا ہوں۔ جس روز سرکار تشریف لے جاتے ہیں اس روز ضرور جانا ہوتا ہے آج کل یہاں کے لوگ طرح ذیل میں غزل لکھ رہے ہیں۔ میں بھی غزل لکھ رہا ہوں۔ چند اشعار میں نے بھی لکھے ہیں۔ بھیجتا ہوں بنظر اصلاح ملاحظہ فرمایئے۔　　غزل

نم میکدے میں آکر واعظ نے پھوڑ ڈالے　　بادہ کشوں کے گویا دل اس نے توڑ ڈالے
بہتان میرے خوں کا کوئی نہ چھوڑ ڈالے　　دامن کو اپنے دھو کر قاتل نچوڑ ڈالے
جڑتا نہیں کبھی دل جب کوئی توڑ ڈالے　　ممکن نہیں کسی سے شیشے میں جوڑ ڈالے
کوئی کرے کہاں تک وحشت کی پردہ پوشی　　کب تک کوئی ہوا سے دامن میں جوڑ ڈالے
ایسے کی منہ کی توبہ توبہ ہے کوئی توبہ　　سو بار رات دن میں جو شخص توڑ ڈالے
تھے دوست وہ تو ان کو دشمن بنا کے چھوڑا　　دشمن نے دوست بن کر وہ جوڑ توڑ ڈالے
میں اور ان کا شکوہ وہ بھی صد کے آگے　　یوں جوڑنے کو کوئی بہتان جوڑ ڈالے
کیا اوس پڑ گئی ہے اب گھر پہ اس کے یکسر　　بال اس نے جب بنا کر اپنے نچوڑ ڈالے
خواب عدم سے کوئی اٹھتے ہیں سونے والے　　سو بار شور محشر ان کو جھنجھوڑ ڈالے
قید قفس میں بلبل کہتی ہے آہ کر کے　　اس سے تو کوئی میری گردن مروڑ ڈالے

مدت ہوئی رسا نے کر لی ہے مے سے توبہ　　جام و سبو تھے جتنے سب توڑ پھوڑ ڈالے

ذوالفقار علی خانصاحب آج کچہری میں ملے تھے آپ کو سلام کہا ہے اور کوئی تازہ بات نہیں ہے۔ اور جو کچھ ہوگا آیندہ لکھوں گا۔ دبیر صاحب کو تسلیم۔ ممنون ہوا وہ شعر میری غزل سے خارج کر دیجئے اور آئندہ بھی اسی طرح ٹوکتے رہیئے۔

۴ مارچ　　عاقم رسا

(۱۲)

امیر احسن مارہروی

مکرم۔

آج دونوں خط آپ کے پہنچے۔ یہاں پر لوگ غزلیں کہہ رہے ہیں۔ مگر آج آپ کا خط آنے سے مشاعرہ پتا ہوا۔ یہ کوئی بناوٹ کی بات نہیں صرف آپ کا کلام سننے کے یہاں کے لوگ مشتاق ہیں۔ سید امیر حسن اور بلیش کی بات علی ہذا القیاس لوگ بیحد اشتیاق رکھتے ہیں۔ اس مشاعرہ میں تحصیلدار صاحب بھی شامل ہوں گے۔ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب کو کسی طرح بلوائیے جب مزہ ہے۔ کیونکہ تحصیلدار صاحب یہاں کے چھپر امئو کے رہنے والے ہیں۔ ان کے تشریف لانے سے تحصیلدار صاحب خود منتظم مشاعرہ ہوں گے۔ میر اوصاف علی صاحب یہاں بڑے سربرآوردہ اور لائق آدمی ہیں اگر آپ سب آئے تو واللہ یہ مشاعرہ بھی قابل دید ہوگا۔ اب میں نے خطوط ۷ رمئی کے جاری کر دئے کوئی شرط ۷ رمئی تک نہ سنوں گا۔ جہاں جاؤ وہاں بعد ۷ رمئی کے جانا خدا کے لئے۔ اس بہانہ سے آپ سے ملاقات بھی ہو جائے گی۔ پھر حیدرآباد جانے آپ کب آئیں۔ فقط

جلیسر ۲۸ راپریل　　حیات بخش

(۱۳)

جام امیر احسن مارہروی

مکرم۔

والا نامہ صادر ہوا۔ کیا کہوں کیا لکھوں۔ خدا کی قسم کبھی مستعد نہ ہوتا اگر آپ کا اس قدر زور سے تقاضا نہ ہوتا۔ مگر آپ یہ تو سوچا کیجئے کہ اور جیسے والوں میں اور مجھ میں کتنا فرق ہے کہ میں پرایا نوکر ہوں۔ اور اس قدر پابند کہ کسی طرح جنبش نہیں کر سکتا۔ ابھی تک اجازت منظور نہیں ہوئی۔ لیکن لوگوں کی خوشامدیں کر رہا ہوں۔ صاحب کلکٹر یہاں موجود ہیں۔ وہ تعطیل میں کچہری کریں گے۔ ان سے ایک دن کے لئے دریافت کروں گا۔ اور بموجب ارشاد چلوں گا۔ غزل کا ایک لفظ اب تک نہیں کہا۔ لیکن آج سے شروع کرتا ہوں۔ ۲۱ دسمبر کو صبح رامپور پہنچنا چاہیئے لہذا میں ۲۰ دسمبر کی شام کی گاڑی سے یہاں سے چلوں گا۔ اب اسی طرح رات کو دونوں صاحب کا سنگنج میں مل جاویں۔ جب مجھ سا غیور شخص آپ کی آزردہ نہیں کر سکتا تو دبیر ایسے کب ہیں کہ آپ کو آزردہ کر سکیں۔ بہرحال ان کو ضرور آپ کے ساتھ چلنا چاہیئے۔ میں چاہے نہ جاتا۔ ولیکن ان کو ضرور جانا چاہیئے۔ صرف خزانچی سے قرض لئے تب تعطیل کا کام چلا ہے۔ کرایہ ایک پیسہ میرے پاس نہیں ہے۔ یہ تاریخ جو میں نے لکھی ہے اس کے خلاف کوئی ٹائم مقرر نہ فرمایئے گا۔ اس کا جواب فوراً دیجئے کہ کا سنگنج رات کی گاڑی پر ملیں گے۔ ۲۱ دسمبر کو اس مشاعرہ میں ضرور پہنچنا چاہیئے۔ حیات بخش ۲۰ دسمبر

(۱۴)

بنام احسن مارہروی

مکرم

میں کفیت بھیجا - درخواست رخصت دے دی ہے - اب آپ وہ قصیدہ فوراً بھیج دیجئے - کیونکہ اب بہت قدر قلیل وقفہ میں نیا قصیدہ طیار نہیں ہو سکتا - فصیح الملک کب آپ چھاپیں گے - وہ مصرعے جو میں نے آپ کے پاس بھیجے تھے - کوشش فرما کے اور ان کو ضرور چھاپئے - قصیدہ کا منتظر ہوں - براہ عنایت جلد بھیج دیجئے - اور کوئی بات تازہ نہیں ہے - مولوی محمد اسمٰعیل صاحب کے گھر میں انتقال ہو گیا افسوس ہے - مگر باوجود اس کے انہوں نے فزل کو یوں چھاپنے کو دیا تھا - اس نے پڑھی تھی - میں نے لکھ دیا کہ وہ تو بے پڑھی تھی - مشاعرہ میں بھی اور نواب صاحب بہادر کے سامنے - آپ بھی یہی کہیے گا - فقط　　۹ رجنوری فتح گڑھ　　حیات بخش رسا

(۱۵)

بنام احسن مارہروی

مکرم -　　(ضلع بلند شہر - محلہ قاضی واڑہ)

والا نامہ بہ رنگ صادر ہوا - معروض کیا - قصیدہ پہنچنے سے بڑی مدد مل گئی - غزل کہہ رہا ہوں جس کے مطلع دو مصرعے یہ ہیں - ملاحظہ فرمائیے -

سب کچھ دیا خدا نے کہ اس کو دیا مجھے　　اب کیا ہے اب تو عید ہے روز جزا مجھے
آیا ہوں حشر میں کہ ملے گی جزا مجھے　　صدقے میں ان بتوں کے ملا ہے خدا مجھے
بھلا رہے ہو وعدۂ محشر پہ کیا مجھے　　معلوم ہے نتیجۂ روز جزا مجھے
رشک مسیح آپ بھی مشہور ہو گئے　　اچھا کیا کہ آپ نے اچھا کیا مجھے

رخصت منظور - اللہ کا نام لے کر ۱۱ رجنوری کی رات کو ۲ بجے یہاں سے روانہ ہو کر سکندر آباد جاتا ہوں - وہاں سے ۱۳ کو مالیر کوٹلہ - باقی آئندہ حال کہوں گا - آپ بے تکلف ان اشعار کو دیکھ کر مطلع فرمائیے - جاتا ہوں - بغیر آپ کے میرے قدم نہیں اٹھتے - یا جی ہو جو بغیر آپ کے کہیں رہے - اگر دوا نہیں تو ضرور پھیلاؤں گا کہ آپ ہر مہینہ یا ہر پندرہ روز میں آتے رہیں - جاتے ہی توطرح کر کے بعد محرم مشاعرہ کی طرح جائے گی - جواب اس کا سکندر آباد ۱۰ دسمبر کی نام کو دیجئے - تاکہ ۱۲ دسمبر کو مل جائے - فقط دلبر کو سلام

۸ رجنوری　　حیات بخش رسا

بنام احسن مارہروی

(۱۶)

مکرم بندہ تسلیم -

والا نامہ صادر ہوا - معزز فرمایا - بعد واپسی علیگڑھ جناب ہوم صاحب بہادر نے آپ کے ملنے کی جیسی سب بیان فرمائی تھی - اور میرے مقطع کا حال بھی فرمایا تھا - یہ اس کی قدر افزائی ہے کہ وہ اپنے نوکروں کو ایسی توجہ سے دیکھتے ہیں ورنہ میں کمبخت کیا اور میرا کلام کیا - ہاں اس سرکار ابد قرار کی مدح افزوں قدردانی سے امید ہے

کہ شاید کچھ ہو رہے۔ اب تک خداوند کریم کا شکر ہے کہ کسی نے یہ نہیں کہا، کہ داغ کے نام کو بدنام کرتا ہے اور جس بہا کے ساتھ میرا کلام لوگوں نے سنا تھا اب تک فضل الٰہی سے وہی بہا ہے۔ یہ خدا کی عنایت اور آپ دوستوں کی دعا کا اثر ہے۔ قسم کھاتا ہوں کہ میں نے اب تک اس مطلع کی غزل پوری نہیں کی صرف دو تین شعر معمولی نکالے ہیں۔ اس درمیان میں سرکار کی غزل پر مصرعہ لگانے میں سرگرمی رہی اس لئے کوئی غزل نہیں لکھی۔ یہ بات حکماً ہے، اس لئے مقدم سمجھا گیا۔ فکر کرتا ہوں۔ جب تک آپ تشریف لائیں گے شرکت ہو جائے گی۔ ملیشن صاحب راہوار کے ذکر ہو گئے۔ چمپٹن صاحب بہادر کے مکان پر فروکش ہیں اور وہیں کھانا کھاتے ہیں۔ وہ پرانے ان کے محسن ہیں۔ اطلاع پر دربار میں حاضر ہوتے ہیں۔ یہ یہاں اگر آپ کی تشریف آوری تک رہے۔ تو عمدہ تلاش کئے جائیں گے۔ علی گنج سے تو کیا اچھے ہوتے ہیں۔ کس تاریخ تشریف لائیں گے۔ فقط

رسا

(۱۷)

من مارہروی

مخدوم مکرم بندہ۔ آداب نیاز۔　　(از مقام رامپور)

میں نے کئی روز ہوئے ایک کارڈ آپ کی خدمت میں بھیجا ہے ملاحظہ سے گذرا ہوگا۔ فصیح الملک میں جو مضمون عالی صاحب بدایونی کا چھپا ہے اس کا جواب لکھ کر ارسال خدمت کیا جاتا ہے۔ بعد ملاحظہ اس میں جو کچھ ترمیم مناسب ہو اس کو کیجئے۔ اور بموجب نوٹ کے میری طرف سے آپ وکیل ہیں علاوہ میرے مرسلہ مضمون کے اور جس طرح چاہیں آپ اس کو ثابت کر سکتے ہیں یا اس کی تائید میں آپ تحریر فرما سکتے ہیں۔ اس بارہ میں بلکہ میرے وکیل مقرر کرنے کی آپ کو ضرورت کیا ہے۔ آپ تو میرے بہت پرانے وکیل ہیں۔ اور چونکہ ہم سب میں آپ کو بیرسٹری کی سند حاصل ہے اس لئے آپ بلا وکالت نامہ پیروی کے مجاز ہیں۔ رسید سے اس کے بواپسی مطلع فرمائیے۔ اور وہاں جو ملاعون وغیرہ سے تشویش تھی۔ اس کا حال لکھئے اور کوئی بات تازہ نہیں ہے۔ میں آپ کی دعا سے بخیریت اور اچھی طرح ہوں۔ زیادہ بجز نیاز کیا عرض کروں فقط خدمت دبیر صاحب تسلیمات۔

بندہ حیات بخش رسا

سید احمد دہلوی

(۱)

بنام مدار المہام

عالیجاہا!!!

دہلوی آج اس امر کا مژدہ سناتا ہے کہ آپ جیسے مقدس بزرگوں اور قدردانوں کی توجہ باطنی سے یہ نیاز مند شبانہ روز محنت کر کے فرہنگ آصفیہ کی تالیف و تصنیف سے ۲۴ نومبر ۱۸۸۹ء روز یکشنبہ کو بہ وجوہ فارغ ہو گیا۔ جلد اول ہزار چار سو پچاس ۱۴۵۰ لغات و محاورے چار ہزار صفحوں میں لکھے گئے اب صرف دیباچہ۔ گورنمنٹ نظام کے نام کا خطبہ۔ حضور کی قدردانی اور ذرہ پروری کا شکریہ لکھنا باقی ہے۔ جو اس سبب سے تاجواب گزارش ملتوی ہے کہ حضور نے بروقت تشریف آوری شملہ فرہنگ مذکور کے سرورق کو ملاحظہ فرما کر حضور نظام کے القاب و خطاب میں کچھ غلطی ہونا فرمائی تھی اور ارشاد کیا تھا کہ اس کو ضرور درست کر لینا۔ چونکہ اب وہ موقع آگیا ہے اس لئے امیدوار ہوں کہ اپنا اور صاحب عالی حضرت نظام کا پورا پورا القاب و خطاب عنایت فرمائیں۔

دوسری عرض یہ ہے کہ اگست ۱۸۸۹ء میں فرہنگ آصفیہ کی نسبت سرودست اکتیس سو روپے اور بہ اختتام نو سو روپے کے ملنے کا حکم امداداً بطور خریداری نافذ فرمایا گیا تھا۔ میری بدقسمتی ساہوکار کی خوش نصیبی سے ایک سال چار ماہ کا عرصہ گزر گیا اور لغات کے مطبوعہ حصص بھی داخل حضور ہو گئے مگر ہنوز روپیہ مرحمت نہیں ہوا جس کے سبب ایک سال سے لغات کا چھپنا بند ہے۔ اگر حسب ارشاد انہی دنوں میں یہ روپیہ مل جاتا تو آج کو ساہوکار کا دو روپے کی صدی رقم پانے کا مستحق نہ ہوتا یعنی بندہ ۳۱۰۰ سو روپے کے سود سے بچ جاتا چنانچہ اسی روز بد کے اندیشہ سے فدوی نے ۷ مارچ ۹۰ - ۲ مئی - ۸ مئی ۱۸۸۹ء کو بذریعہ رجسٹری بار بار یاد دہانی بھی کی تھی جس کے جواب سے آج تک محروم ہے اور اب تو وہی مثل ہو گئی۔ قطعہ ؎

لیکہ لیتا ہوں ہر مہینے قرض — اور رہتی ہے سود کی تکرار
میری امداد میں تہائی کا — ہو گیا ہے شریک ساہوکار

ناچار فدوی نے ہر طرف سے مایوس اور تنگ ہو کر رخصت کی درخواست کر دی کہ خود ہی حاضر خدمت ہو کر گزارش کرے پھر

۲۲ دسمبر کو شملہ سے دہلی وہاں سے قرض دام کے بکم جنوری کو ریاست فیض بنیاد حیدرآباد کی طرف معہ مسودہ فرہنگ آصفیہ روانہ ہوگا۔ تاکہ حضور کی بدولت اس کے جلد چھپنے کا آزار واقعی حضور سے انتظام کرائے اور یہ ساڑھے چار ہزار روپے بھی خود ہی آکر لے تاکہ ساہوکار کے تقاضے اور سود کے روز افزوں رقم سے نجات پائے فقط زیادہ الٰہی تا ایسے حامی اسلام اور علم و ہنر کی قدرداں ریاست کو تا یوم القیام ہر بلا سے محفوظ اور برقرار رکھے۔ فقط

۲۹ نومبر ۱۸۸۹ء　　عرضی :- خدوی سید احمد دہلوی مؤلف فرہنگ آصفیہ وغیرہ وغیرہ مقیم کی شملہ

[illegible] سماعت کے محسنوں میں ہوتا ہے۔ آپ نے فرہنگ آصفیہ نام نہایت جامع لغت اردو کا لکھ کر زبان پر غیر معمولی احسان کیا۔ ولادت ۹ محرم الحرام [illegible] مطابق ۸ جنوری ۱۸۴۹ء کو بلاقی بیگم کے کوچہ میں ہوئی اور شاہ صابر بخش کے باغ واقع فیض بازار میں پرورش پنجسالا۔ آپ والدی حافظ سید عبدالرحمٰن [illegible] سید خواجہ علی کے فرزند تھے۔ آبا و اجداد سادات بخارا سے حسنی و حسینی سید اور حضرت غوث الاعظمؒ کی اولاد سے تھے۔

مولوی صاحب نے درسی کتابیں بڑے بڑے اساتذہ سے گھر پر اور سررشتہ تعلیم کی کتابیں سرکاری سکولوں میں پڑھیں۔ تصنیف و [illegible] کا تحت سے طالعہ شعرائے ماضی و حال کا مطالعہ نہایت توجہ سے کیا اور شہزادگان و امرا اور مشہور شعرا کی صحبتوں میں بیٹھ کر اپنے ذوق کو چمکا [illegible] مولوی کریم علی نامور درسی میں اور اتالیق تقویت الصبیان اور میں تصنیف کی پہلی ۱۸۶۶ء میں ایک مختصر رسالہ مناظرہ فقیر تصدق کی جھکا نام کنز الغوائد تھا۔ اس پر دو سو روپیہ [illegible] اور سرکاری خرچ سے یہ کتاب شائع ہوئی۔ اس سے بہت بڑھی اور آپ نے اردو لغات کی جمع و ترتیب کا ڈول ڈالا۔ ۱۸۷۱ء میں ایک کتاب [illegible] ترجمہ اردو میں تالیف کی جس پر گورنمنٹ نے ڈیڑھ سو روپیہ انعام دیا۔ اس سے لغت کے کام کو اور تقویت ملی۔ چنانچہ چھ سال کی مسلسل محنت [illegible] ہوا کہ لغات اردو کا بہت سا حصہ مسودات کی شکل میں تیار ہو گیا۔

اس زمانہ میں ڈاکٹر الیس۔ ٹی بلیو فیلن صاحب انسپکٹر مدارس صوبہ بہار ایک ہندوستانی انگلش ڈکشنری مرتب کر رہے تھے۔ مولوی [illegible] صاحب کا تذکرہ سن کر وہ آئے اور ان کو اپنے ساتھ عظیم آباد لے گئے۔ جہاں مولوی صاحب کی امداد سے سات سال کے عرصہ میں ان کی ڈکشنری مکمل ہوئی۔ اس کے بعد جہاز سے الور کے طلب کرنے پر ان کا سفرنامہ لکھنے کے لئے الور چلے گئے۔ تقریباً چھ ماہ میں سفرنامہ کا کام سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ گورنمنٹ [illegible] ترجمہ کی نائب مترجمی پر لاہور بلا لئے گئے۔ ڈکشنری کی ترتیب کے زمانہ میں تکمیل الکلام تحقیق الکلام۔ رسم کہان ریت بکہان۔ ناری کہتا [illegible] لغات النساء اور صاحبن موہنی وغیرہ کتابیں اردو میں لکھیں۔

لاہور آکر اس خیال سے کہ لغات کی اتنی بڑی کتاب چھاپنا مقدرت سے باہر ہے اس کا خلاصہ کیا۔ اور ۱۸۸۲ء سے ماہوار رسالہ کی صورت میں نکالنا شروع کیا لیکن یوں بھی کام نہ چلا۔ آخر سیمن مہینہ تک چالیس نمبر نکال کر کام بند کر دیا۔ ۱۸۸۳ء میں عماد المہام نظام دکن [illegible] تشریف لائے۔ یہ اس زمانہ میں شملہ ہائی سکول کے ہیڈ مولوی تھے۔ آپ نے ان کی خدمت میں مسودہ پیش کیا۔ مطبوعہ رسالے اور دیگر کتابیں [illegible] گزرانیں اور حضور نظام کے نام نامی پر ڈیڈیکیٹ کرنے کی اجازت مانگی۔ اس پر پانچسو روپیہ کا انعام اور چار سو جلدوں کی خریداری منظور ہوئی اور [illegible] کی کاپی پر مستقل انعام کا وعدہ ہوا۔ اس وقت سے کتاب کے طبع کی بنیاد پڑی اور نام اس کا فرہنگ آصفیہ رکھا گیا۔ غرض جس لغات کی ابتدا [illegible] میں ہوئی تھی۔ وہ ۱۸۹۲ء میں ختم ہوئی اور ۱۹۰۱ء میں بہمہ وجوہ تکمیل کو پہنچ کر پورے تیس سال میں پائے تحتانی تک شائع ہو گئی [illegible] حسب وعدہ پانچ ہزار روپیہ کا انعام مرحمت ہوا اور ماہوار وظیفہ مقرر ہو گیا۔ حکومت پنجاب نے بھی پانچ سو روپیہ انعام اور ہزار روپیہ کی خریداری [illegible] مصنف کی موصلہ افزائی کی۔ فرہنگ آصفیہ میں چودہ ہزار کے قریب لغات۔ محاورات۔ اصطلاحات اور ضرب الامثال وغیرہ ہیں۔ آج کل یہ کتاب نایاب ہے [illegible]

(۲)

بنام ملک صفدر علی خوش نویس لاہور

حافظ صفدر علی صاحب!　　میر صاحب[1] بھی حافظ فرماتے

آپ کی دیانت اور حسن کارگزاری کو میں مانتا ہوں ۶۰۵ صفحہ میں جو آپ نے سطریں بنائی ہیں وہ قابل تعریف ہیں اگر ایک لفظ (جو) چھوٹ گیا۔ یا چند اعراب رہ گئے یا بعض جگہ قلم باریک ہو کر کشادہ جگہ بے موزوں معلوم دینے لگی لیکن بڑا عیب جو تھا وہ نکل گیا۔ مجھے ایک امر کی آپ سے شکایت ہے۔ اگر وہ بھی نہ رہے تو آپ میری ذات سے زیادہ نافع اغلاط میں غلطیاں کمپوز کرنے میں یا سیاہی بھرنے میں پیدا ہو جاتی ہیں جس کے سبب از سر نو پروف پڑھنا اور بار بار پروف دینے کو منگوانا لازم ہو جاتا ہے۔ اس سے وقت بھی بہت ضائع ہوتا ہے۔ بعض غلطیاں سخت بدستور قائم رہتی ہیں۔ جو ہوئے پیش یا تو کھوئے نہیں جاتے یا سیاہی خراب ہے کہ پھر بھر جاتے ہیں۔ ۱۴۱ صفحہ سے ۶۰۸ تک نشان لگائے ہیں۔ جن سے آپ معلوم کر سکتے ہیں۔ مثلاً ۱۴۱ صفحہ میں نیم کا نیم۔ میرا کا میر۔ نمو کا نمر۔ ۲۴۲ میں جان کا حنان۔ کمپوزنگ کا کمپوزنگ۔ کا ل کا کال۔ ۲۴۴ دلرائی کا دلوائی۔ نیاض کا نیاض۔ ۶۰۵ میں نمود کا نمو کر دیا۔ علی ہذا القیاس اسی طرح کی غلطیاں رہ جاتی ہیں۔ ۶۲۴ صفحہ کی دو اخیر سطریں پریس میں سے خدا جانے کیوں اڑ گئیں۔ یہ بہت قابل اجانت تھے۔ اس قسم کی فروگذاشت کی اجازت بغیر دیکھے نہیں دی جاتی۔

چونکہ اس فروگذاشت کے مقابلہ میں تمہاری عمدہ کارگزاری اور دیانت کا پلڑا بھاری ہے۔ لہٰذا بالفعل دو روپے بطور انعام تمہارے واسطے اس وقت تجویز کئے گئے۔ جو کاتب کی لکھائی سے بھی زیادہ ہیں اور تین روپے اور اس وقت ملیں گے جبکہ میں حرف نون سے کتاب کے خاتمہ تک دیکھ لوں گا۔ کہ اجازت طبع دیتے ہوئے پروفوں میں کوئی غلطی تو صحت نامہ نہیں چھوڑ دی گئی۔ وہ نہ وہی دام صحت نامہ لکھوانے میں صرف کر دیئے جائیں گے۔ اگرچہ اب میں نے صحت نامہ کر دیا ہے اور اس کے لئے کوئی صفحہ نہیں رکھا مگر نامکمل غلطیاں نکلیں تو مجھے صحت نامہ بڑھانا پڑے گا جس کے سبب سے صفحوں میں بڑی دقت پیش آئے گی۔ کیونکہ سرورق کے اخیر صفحہ پر مع تعداد صفحات صحت نامہ ہندسہ پڑ کر یہاں عیب گئے ہیں۔

یہ روپے ہفتہ کے روز میر صاحب[2] کے والد کے واسطے جو باورچی جائے گا۔ اس کے ہاتھ روانہ کئے جائیں گے۔ اور میر صاحب تم کو دے کر رسید مجھے بھیج دیں گے۔

امید ہے کہ آئندہ زیادہ تندہی کی جائے گی۔ میں کسی کی زائد محنت کا حق نہیں رکھتا۔ اور واقعہ سہل انگاری کرنے والے کا حق بھی مطلق نہیں سمجھتا۔ فقط

۱۴ فروری سنہ ۱۹۰۱ء　　سید احمد دہلوی)

---

[1] میر صاحب سے مراد مولوی سید ممتاز علی ملک رفاہ عام پریس لاہور و دار الاشاعت پنجاب ہیں جن کی سرپرستی میں اخبار تہذیب نسواں اور پھول وغیرہ جاری ہوئے۔ وہ بعد میں شمس العلماء کے خطاب سے ممتاز کئے گئے۔

(۳)

ملک صفدر علی خوش نویس لاہور

حافظ صفدر علی صاحب کچ سنگ رفاہ عام پریس لاہور نے میری کتاب فرہنگ آصفیہ کی جلد چہارم کے چھ تقریباً نصف سے زیادہ بنائے۔ میرا خیال تھا کہ منشی علی بخش صاحب سے زیادہ اس کام میں دوسرا شخص مہارت نہیں رکھتا۔ کیونکہ اوّل تو وہ گورنمنٹ بک ڈپو میں میرے ماتحت ۱۸۷۰ء میں رہ کر ہمیشہ تحسین و آفرین کے مورد رہے۔ دوسرے یہ کہ حافظ صاحب کے استاد بھی رہے ہیں۔ لیکن چونکہ منشی علی بخش صاحب نے تقاضائے عمر سے یہ کام بالکل چھوڑ دیا ہے اس وجہ سے یہ کہنا بیجا نہیں کہ اس وقت حافظ صفدر علی صاحب سے بہتر لاہور میں کوئی سنگساز نہیں ہے۔ انہوں نے صفحے کے صفحے میری کتاب کے از سرِ نو میز پر لکھ کر اکثر اوقات خط سے خط ملا دیا۔ غلطیوں کو نہایت احتیاط اور درستی سے بنایا بلکہ املا بھی کہیں غلطی نہیں کی۔ انگریزی اور ناگری کے الفاظ بھی خوب بنائے۔ پس اس سے زیادہ کیا لیاقت ہو سکتی ہے۔ میں نے خوش ہو کر ان کو کچھ پان کھانے کے واسطے بھی دیا۔ لیکن میں خوش جب ہوتا کہ اس وقت ان کی خدمت جیسا دل چاہتا تھا ویسی کر سکتا اور مجھ کو اس وقت کی حسرت مانع نہ آتی۔ فقط

۱۲ر جولائی ۱۹۰۱ء　　سید احمد دہلوی بقلم خود

(۴)

مولوی حبیب الرحمٰن صاحب شروانی

آپ جیسے ہوں جب حبیب اپنے　　کیوں نہ اچھے ہوں پھر نصیب اپنے

میرے محسن۔ میرے مربّی۔ میرے ہمدرد۔ میرے حبیب خوش نصیب۔ سلمہ اللہ تعالیٰ

تسلیم بعد تعظیم کے بعد گزارش خدمت ہے۔ کرنائہ والا محررہ یکم اگست اس کی تیسری تاریخ کو فرحت بخش دل و نظر ہوا۔ اس یاد آوری اس ہمدردی کا شکریہ کس زبان سے ادا کروں۔ بیشک لاہور میں جناب نے احباب کو برائے نام دعوت دی تھی۔ جس کے سبب بدنام ہونا پڑا۔ دعوت کے رقعے پر صاف لکھا تھا ؎

نہ ہو دعوت کہ جس میں ہو رنگ کس　　یک رکابی طعام دو دیگر بس

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ گو اس تقریب میں آپ کا شریک کرنا باعث فخر تھا لیکن اتنی دور سے تکلیف دینا باعث شرم۔ دلی قربت ہی کو کافی سمجھا۔ جلد سوم و چہارم حسب ارشاد کل والا نامہ آتے ہی مع سہ نمبر سابقہ بھیک رسالہ علم اللسان ارسال خدمت ہوئے۔ چونکہ کاغذ کی تخصیص نہ تھی اس وجہ سے سرپاسپری کاغذ کی جلدیں روانہ ہوئیں۔ گو ابتدائی حصص اس پندرہ سولہ برس کے عرصے میں ختم ہو گئے مگر آپ کے نمبر پورے کرنے کے لئے کوشش بدل و جاں کی جائے گی۔ چنانچہ ایک کتاب جو انہیں ۳ نمبروں کے سبب ناقص تھی اس میں سے جو نمبر آپ کے کام آ سکتے تھے انہیں نکال کر اور ناقص کر دیا۔ مگر جناب کے ارشاد کو ٹال نہ سکا۔ اکثر احباب کو اس امر کی ضرورت پڑ رہی ہے۔ مجبوراً قلمی لکھوا کر اُن کا کام کر دیتا ہوں۔ روپے جلد سے کوئی کم نہیں لکھتا ہے۔ یہی نمبر جو خدمت عالی میں گئے ہیں، اگر نہ ہوتے تو چھ روپے خرچ ہو جاتے۔ چوں کہ موجود تھے اس سبب سے اُس سابقہ قیمت پر بھیج دیئے گئے۔ باقی نمبروں کا بھی اسی طرح پورا کر دیا جائے گا۔ جن

احباب ما جو یاروں کے پاس ہیں وہ پوری کتاب تو شاید دے دیں مگر نمبر نہ دیں۔ جس کو پورا کرانا مز
وہ اس وقت تک وہ بھی نہ رہنے۔ میرا بے شک ارادہ از سر نو چھاپنے کا تھا اور اسی وجہ سے اول
کرنے بہت کچھ بڑھا بھی لیا تھا۔ بلکہ ابھی تک بڑھائے جاتا ہوں مگر میری مصیبتوں اور قلت زر
پورا نہ ہونے دیا آپ جلد چہارم کے حاتمے میں میرے اکثر حالات ملاحظہ فرمائیں گے۔ مجھ سا سخت جان
کو انجام پر پہنچانا۔ جس وقت جلد سوم و چہارم کا قرضہ ادا ہو فوراً اس طرف توجہ کی جائے گی۔ اس
ہزار کا قرضہ اہل مطابع کا دین ہے اسی وجہ سے تعداد طبع بھی گھٹا دی اور ابتدائی حصص کو بھی از سر
امر کر غنیمت سمجھا کہ کسی طرح ایک مرتبہ یہ مرحوم مسودہ میری زندگی میں چھپ جائے بعد میں اصلاح و
والے بہتیرے ہو جائیں گے۔ لیکن یہ ذخیرہ جس پر قومی زبان کی بنیاد اور تکمیل منحصر ہے پھر میسر نہیں ہ
کرے گورنمنٹ نظام دکن کے طفیل اور عالی ہمتی سے اتنا بھی ہوا ورنہ پبلک کی طرف سے تو مایو
اب بھی بہت سا مصالحہ یوں ہی پڑا رہا۔ ورنہ اس سے بھی زیادہ طول ہو جاتا۔ صرف ضروری باتوں کا
سمجھے۔ اس قابل کیا تو طبع ثانی میں اس کو دیکھے گا۔ اب تو اس کا اولین مسودہ یا نقش اول سمجھنا چاہیے
بلحاظ صحت بھی نہ ہوئی۔ کاتبان مطبع نے اپنی طرف سے کچھ کا کچھ اکثر جگہ سے پتھر پر بنا دیا جس
نامہ بھی لگا مارا۔ گو آپ کسی قدر سنبھل گئے ہوں مگر میری نظروں میں وہ زمانہ ہر وقت موجود تھا۔ اگر
تو یہ سلسلہ ٹوٹ جاتا۔ مجھے آپ ہمیشہ یاد رہے اور میں نے اپنی نیازمندی کو اپنا افتخار سمجھا۔ اس
اظہار نہیں بلکہ ۱۹ برس ہوئے ۱۹۰۳ء سے مجھ کو جناب کی خدمت میں نیاز حاصل ہے۔ اور اس
کچھ جناب نے فرمی امداد فرمائی ہے وہ بھی یاد ہے یہ استقلال انشاء اللہ تعالیٰ اور زیادہ ترقی پکڑے
مبارک مادکا تہ دل سے ممنون ہوں خدا تعالیٰ آپ کی عمر۔ ہمت۔ بہمتی اور اس قدردانی میں برکت
کی دعا سے مجھے بار بار یہ فرہنگ حسب منشا چھاپنی نصیب ہو۔ دیباچے کا مسودہ صفحے کیا بہت سے لکھے
تقطیع پر لکھے جاتے اسی وجہ سے چھوڑ دیئے تھے۔ لیکن اس کا کیا علاج کہ ؎

بے زر مرد کار نیاید　　زر می باید زری باید

نقاوں کا یہ مقولہ بہت ٹھیک ہے۔ ان آٹھ صفحوں میں جو کچھ لکھا جاتا وہ جلد چہارم کے آخر میں لکھ
اس کا دیباچہ وہی ہے جو ارمغان دہلی کا ہے اور مقدمہ وہ رسالہ ہے جو خدمت عالی میں علم اللسان
بندہ دسویں تاریخ کو شملے جائے گا۔ وہاں وائسرائے کے پرائیویٹ سیکرٹری صاحب سے مل کر مہینہ
واپس آئے گا۔ اور ایک ہفتہ دہلی میں رہ کر حیدرآباد کے راہ خرچ کا انتظام کر سیدھا حیدرآباد پہنچے
آپ بس دعا کیجئے اور جو چیز شملے یا حیدرآباد کی مطلوب ہو بلا تکلف لکھئے بسر و چشم تعمیل ارشاد ہوگی۔
پیکٹ میں نقشہ سواری اکبر شاہ ثانی و دربار نہ روانہ کر دیا خیر پھر دیکھا جائے گا۔ امید ہے کہ آپ
میں یہ عریضہ ملے گا۔ فقط آپ کا مربون احسان سید احمد دہلوی بقلم خود نظر ثانی معاف۔

چند دوستوں نے سوانح عمری لکھنے پر مجھ کیا ہے۔ میران میں کیا لکھوں۔ از دہلی

۴ راگست ۱۹۰۶ء　　سید احمد دہلوی

(۵)

رائے جگن پرشاد

عالی جناب من۔

تسلیم بعد تعظیم کے بعد مؤدبانہ گزارش خدمت ہے کہ نیاز مند نے جو ۲۶ رجون ۱۹۱۶ء کو رسالۂ ندا صفحہ طبع ثانی ارسال خدمت کیا تھا۔ اس کے صفحہ ۳ سطر ۱۳ میں نام کی غلطی مطبع کی طرف سے ہوئی تھی صرف دس پندرہ ورق چھاپے گئے تھے کہ وہ غلطی معلوم کر کے درستی کرادی گئی۔ چنانچہ وہ ورق خدمت عالی میں بہیں غرض ارسال کیا جاتا ہے کہ سابقہ ورق صفحہ ۳ - ۴ کا نکلوا کر اس کے بجائے اسے چسپاں کرادیں از حد مہربانی و بندہ نوازی ہوگی۔ فقط　　آپ کا نہایت مرہون منت احسان سید احمد دہلوی المخاطب بہ خانصاحب

۱۴ رجولائی ۱۹۱۶ء　　مؤلف فرہنگ آصفیہ و نوراللغات وغیرہ

ریاض خیرآبادی

بنام احسن مارہروی

(۱)

مکرمی!

کارڈ ملا۔ ریاض الاخبار کی بابت عرض کردہ تجویز قبول فرمانے کا شکریہ۔ نمبر سے پرچے تلاش کر کے آج یا کل حالات واضح کر دوں گا۔ مگر وہ ملیں تو گے کا۔ آثار سے ہونہار ہی صاف روشن ہوا آتا دلاتی ہے ورنہ بقول بیرے ؎

میں جانتا ہوں ند طلبی کو فعال عیب ۔۔۔ دینار داغ ہے مرے دست سوال کا

اگر میرا عمل کچھ بھی گراں ہو تو بے تکلف واپس کر دیجئے گا میں نادان کو سزاوار تصور کر کے پھر وہی پرچہ پوسٹ روانہ کر دوں گا۔ یہ امر کہ اظہار زیادہ ہے لوگ پسند نہ کریں گے۔ میں نے صرف رائے کا اظہار کیا ہے ع

ہر کسے مصلحت خویش نکو می داند

آپ کو ضرور مجھ سے دلی اُنس ہے۔ اس قدر متاثر ہوں کہ بے تکلف آرزوئے یکجائی کر بیٹھا۔ آپ میرا خیال صحیح ہیں بات یہ ہے کہ میں زر سے پریشان ہو رہا ہوں۔ اوّل تو بالکل نہیں کیونکہ جو روپا ہا دفع مدم کی ہر وقت فکر دوسرے محض آمد سے تجارتی کام نہیں چل سکتے ہیں کہ انسان فارغ البال ہو صیغۂ ملازمت وسیع ہو۔ معافی

ننگی تلوار اور میں لاغر ۔۔۔ کیا بچوڑے گی کیا نہائے گی

یکجائی کا کوئی مناسب طریقہ ممکن ہوتا تو آپ کی ذاتی مالی وعنایت سے ایک مرتبہ زمین سر پر اوٹھا لینے کی کوشش کی جاتی۔ مگر یہ حسن اتفاق کہاں ممکن۔ پریس ضرور قائم کیجئے صرف گلدستہ کے لئے۔ تجارتی چھاپائی یا اخبار نکالنے کو ہارہ بہت ہی چھوٹا معاملہ ہے بہرحال کچھ کہتے رہیئے، خصوصاً نام آوری کے کام۔ طرح میں غزل تو دوں مگر بہت ہی امتیاز خاص چاہتا ہوں یہ آپ کا کام ہے ریاض خلیل کے ذریعہ بیک کے رد و بدل جس طرح جانا ہے مجھے نمایاں کیجئے۔ آپ وفور اخلاق سے یہ سب کچھ کر سکتے ہیں کہ آؤ بھگت کے ساتھ پچھے پچھے پُرجوش الفاظ میں خیر مقدم کیجئے۔ تصویر پھولوں سے لدی ہوئی شائع کیجئے یہاں تک کریں کہ دنیا میں میرا کوئی ثانی نظر آئے۔ جب کلام پر نظر پڑے گی تو سب مسرت افسوس سے بدل جائے گی آنکھ میں آنسو آجائیں گے۔ کلام اس قابل ہوتا تو نذر کا منتظر نہ تھا۔ نہیں حضرت نہیں۔ واللہ مجھ کو آپ مخلصی سادگی کے ساتھ معمولی درجہ کے شعراء کی آخری حالت میں دیکھئے۔ یہ نام مذاق

کی تھیں۔ میں غزل ضرور بھیجوں گا میرے نام کے ساتھ زائد الفاظ نہ ہوں گے صرف ریاض کافی ہوگا۔ دعویٰ قوی اس بناء سے کر رہا ہوں کہ غزل بھیجوں گا اور قصد یہی ہے مگر غزل بھی تو ہو جائے۔ آج آپ نے محبت جتا کر یہ اہمت ہی وقت لیا خدا آپ کا بھلا کرے باتوں میں چند منٹ دل خوب بہلا۔ اب نہ وہ ہم نہ ہماری حالت فکر دنیا کھا گئی کچھ دور سے اور عالم ہو گیا ؎

یاد ہوں گی تجھے گلشن کی بہاریں کچھ کچھ　　پنکھڑی ٹوٹتی تو شور عنادل ہوتا

پٹنہ وہ ریاض، نومبر ۱۸۹۸ء

---

(۲)

مکرمی!

وارڈ ملا۔ افسوس میری کیفیت سے آپ کو آگاہی نہیں۔ دو سال سے میں احباب کی خدمت بوجہ معذوری کچھ نہیں کر سکتا۔ اخبار تعلیم برہم صاحب کے ہاتھ میں ہے۔ غالباً آپ سے خط و کتابت ہوگی۔ وہ جناب داغ مرحوم سے کس قدر خلاف تھے اور جملہ داغ سے زیادہ۔ مگر مرحوم کے انتقال کے بعد انہوں نے نکتہ چینی سے احتراز کیا۔ اشہر حسب ہدایت درج ریاض الاخبار ہوگا۔ اگر آپ سے برہم صاحب سے خط و کتابت نہ ہو تو ضرور خط و کتابت کیجئے۔ وہ جلد صاف ہو جانے والے شخص ہیں۔ میں اون سے کہوں گا کہ اگر ریویو لکھیں تو ان کی مصلحت پر نظر رکھیں۔ آپ ایک کارڈ ان کو براہ راست بھیج دیجئے۔ میں اون سے زیادہ ربط رکھتا ہوں۔ کم سے کم دو میل کے فاصلے پر۔ دیوان آیا، وہ حکیم برہم صاحب کے پاس ہے آپ ایک جلد مجھ کو بھیج دیجئے مگر انہی کی خدمت میں انہی کے نام پر ہو۔ میں پرسوں مراد آباد جاؤں گا کوشش کروں گا کہ آیا ہوا دیوان مانگ کر ساتھ لے جاؤں کہ ریل پر سفر میں دیکھنے کا موقع ملے۔ میں جلد آپ کو دوسرا خط بھیجوں گا۔ والتسلیم زیادہ سے۔

ریاض۔ ۳۱ جنوری ۱۹۰۶ء

---

(۳)

عالیجناب!

تسلیم۔ کارڈ ملا۔ آپ کے نوازش بے پایاں کا شکریہ۔ ہر کارڈ پی ایلارڈ ہے۔ اور وہ ہر جمعہ کی مسلسل ہر چوں کا پیکٹ بھی جاتا ہے اور جنوری کے سوا جن اخبارات میں واقعات انیس یا میر انیس کے متعلق کچھ لکھا گیا ہے وہ بھی روانہ ہیں۔ مجھے تو آرزو تھی کہ آپ فصیح الملک بکھنڈی سے نکالتے اور ریاض الاخبار کی اڈیٹری کا چارج بھی اپنے ہاتھ میں لیتے۔ مجھ سے اب لکھا پڑھا نہیں جاتا۔ چاہتا ہوں ؎

مردے از غیب بروں آید و کارے بکند

میرا بہت زیادہ کلام ضائع ہو گیا۔ بہر حال میں آپ کے لئے ضرور تازہ غزل کا اہتمام کروں گا۔ آپ نہیں جانتے میرا وقت کیسی پریشانی میں گذر رہا ہے ورنہ آپ ساحبان قدر دان مجھ سے فرمائش کریں اور میں تعمیل نہ کروں۔

ریاض از حسین آباد مبارک لکھنؤ ۲۹ جنوری ۱۹۰۶ء

بنام محسن مارہروی　　(۴)

محسنی احسن!

کبھی کوئی رسالے کو غزل نہیں بھیجی ڈرتے ڈرتے آپ کی فرمائش کی تعمیل کرتا ہوں۔ یہ غزل گذشتہ ہفتہ بھیجنے کو تھی بھول جاتا تھا۔ آج فصیح الملک نے یاد دلایا کہ ری۔ خدا کرے آپ کو پسند آئے اور حوصلہ میں ملے کسی شعر میں کچھ نقص ہو تو مجھے لکھ بھیجئے۔ واقعات پر تنقید دیکھ کر بڑی خوشی ہوگی۔ اللہ کرے زور قلم کل مبارکباد شائع ہوا ہے اس میں جواب لکھا گیا ہے۔ مناسب معلوم ہوا تو کسی وقت میں بھی کوئی نوٹ لکھ دیا کہ آپ کی طرفداری کروں یا صاحب واقعات کی۔ مجھے آپ اکثر یاد فرماتے رہیں۔

نیازمند سید ریاض احمد ریاض۔ ۱۹ مارچ ۹

میں شکر گذار ہوں ایک پرچہ فصیح الملک کا جس میں تنقید واقعات انیس ہیں ذیل کے پتہ سے صاحب دلگیر آگرہ۔ میرے کا کٹرہ۔

بنام جناب جگر صاحب　　(۵)

عالی جناب جگر صاحب!

آقائے سخن و شیم کی گرانمایہ ہستی سے نہ صرف گونڈہ پور بلکہ ہندوستان خالی ہوگیا۔ مرحوم کو آپ بھی آپ کی سنجیدہ وضع اور مذاق سخن کو سراہتا ہوں۔ میری گرویدگی کو اور بھی اس لئے ترقی ہوئی کہ آپ نے وہ شفقت روا رکھی جس کی توقع آپ کی ذات مسعود صفات سے تھی۔ خدا کرے وہ روز افزوں ترقیاں کریں۔ خدا وہ دن لائے کہ ایک کے چھوٹے بھائی مولوی خلیل احمد شمیم بھی گورکھپور پہنچ جائیں۔ دونوں آقا۔ ہر قدم صاحب کو بھی نگاہ امتیاز سے دیکھتا ہوں۔ عیوب سخن پر وہ کافی نگاہ رکھتے ہیں اور زیادہ قابل قدر ہیں۔

میں ہمیشہ آپ کی یاد تازہ رکھتا ہوں اور اس کے معاوضے کا خواستگار نہیں ہوں۔ انشاء اللہ جلد حا

نیازمند ریاض ۲۲ ستمبر ۲۹ء

بنام دل شاہجہان پوری　　(۶)

مکرمی!

۴ جولائی ۳۳ء کے کارڈ سے یاد فرمائی و عزت افزائی کا شکر گذار ہوں۔ بیمار تھا جواب میں تعویق ہوئی معافی کا خیر آپ ہی ہے کبھی کبھی دو چار روز کیلئے چلا جاتا ہوں۔ بہت ضعیف ہوگیا ہوں۔ آلام و افکار نے مردہ بنا رکھا ہے سے بہت مسرت ہوئی انشاء اللہ تعطیل عام ہوگا اب تو شاعری اور زبان کچھ سے کچھ ہو کر رہ گئی ہے۔

سیف کے حادثے کا بہت افسوس ہوا گو وہ مزاج کے کیسے ہی تھے بہرحال اچھے تھے کبھی مجھے یاد کریں گے تمام ساون میں خاک اڑ رہی ہے دو ہفتہ سے بارش نہیں ہوئی۔ اللہ رحم کرے۔

۷ : چودھری فتح محمد صاحب شیفتہ بی۔اے

(۷)

عالی جناب چودھری فتح محمد صاحب بالقابہ!

ہندوستاں میں دھوم ہے کس کے کلام کی　　وہ کون ہے ریاض کہ جو جانتا نہیں

عنوان نو شاعرانہ تعلق ہے من آنم کہ من دانم۔ حقیقت اتنی ہے کہ "ریاض الاخبار" ہفتے میں دو بار "ہفتہ وار" ہفتہ وار "تار برقی" روزانہ۔ "عطر فتنہ" ہفتہ وار "گلچیں" ماہانہ۔ "صبح کل" روزانہ۔ یہ سب میری ایڈیٹری اور مکسیت میں برسوں شائع ہوتے رہے۔ اس زمانے میں اخبار کم تھے۔ کوہ نور" پنجابی لاہور سے۔ "اودھ اخبار" روزانہ لکھنؤ سے۔ "لارنس گزٹ" ہفتہ وار برٹھ سے شائع ہوتے تھے۔ میرے نام اور تخلص کی شہرت کا یہی سبب تھے یعنی وہ پرچے جہیں میں نکالتا تھا۔ سر عبدالقادر صاحب قریب قریب اسی زمانے کے بزرگ ہیں یقیناً خط و کتابت کے ذریعے سے میرے شناسا بھی۔ نیز ان کی تحقیق و تدقیق و ذکاوت و ذہانت اور عالمانہ وسیع معلومات کا مدت سے معترف ہوں۔ سر اقبال شاعرانہ حیثیت سے مجھے جانتے ہیں اور اخباری حیثیت سے بھی۔ مجھے اس وقت مرحوم گرامی کی یاد بے اختیار آئی۔ وہ مجھ سے حیدرآباد میں اس وقت ملے تھے جب میں سرمہاراجہ کشن پرشاد شاد کا مہمان تھا۔ میں ان کی فارسی شاعری کا بہت احترام کرتا ہوں۔ اس سے میری یہ غرض نہیں کہ سر اقبال کی اردو فارسی شاعری کا احترام ان کے بلند خیالات کو دیکھتے ہوئے میرے دل میں فرق کے ساتھ ہے۔ میں سمجھتا ہوں سر اقبال کے بلند خیالات نے ان کے ہر مصرع کو ہمالیہ کی بلند چوٹی کا سرباف زری بنا دیا ہے۔

پچاس سال ہوئے سرسید مرحوم نے زندہ دلان پنجاب کا فقرہ لکھ کر پنجاب کو اور صوبوں سے امتیازی حالت میں ظاہر کیا تھا۔ ممکن ہے اس وقت کی تعلیمی دلچسپیاں لاہور کو گل سرسید بتائے ہوں مگر دیکھتے ہی دیکھتے تمام اصناف میں پنجاب نے اپنی زندہ دلی سے قابو حاصل کر لیا۔ بے اختیار دل سے یہ دعا نکلتی ہے ؎　　ریاض

تری اٹھان ترقی کرے قیامت کی

ترا شباب بڑھے عمر جاوداں کی طرح

مجھے بہت زیادہ حیرت زبان کی ترقی پر ہے۔ پنجاب کے شہری افراد ہوں یا اہل تصنیف و تالیف، روزانہ ہفتہ وار پرچے ہوں یا ماہوار شائع ہونے والے رسالے، قریب قریب کیسی پاکیزہ اردو ساختہ و بے ساختہ زبان میں استعمال کرتے ہیں۔

پنجاب ٹکسالی اردو میں بھی دہلی و لکھنؤ سے قریب قریب یکسانیت حاصل کر لیتا مگر ٹکسالی زبان تو بوجوہ اپنے خاص گھروں سے رخصت ہو رہی ہے پھر بھی مایوسی میں امید کی جھلک اس اعتبار سے نظر آ رہی ہے کہ زندہ دلان پنجاب اگر ٹکسالی زبان کی طرف متوجہ ہو گئے تو ضرور اس پر بھی قابو حاصل کر لیں گے۔ وہ ٹکسالی زبان جو غالب و انیس کا حصہ سمجھی جاتی ہے اور زمانہ سرسید سے اب تک نواب بہادر میر ناصر علی مرحوم مدیر صلائے عام کا جو حصہ ہو گئی تھی نثر و ٹکسالی اردو کی نظم کو امیر، داغ، جلال نے چار چاند لگائے۔ زندہ دلان پنجاب کاش ادھر بھی توجہ فرمائیں۔ جو زبان اسکولوں اور کالجوں میں اور ابتدائی مکاتیب میں داخل درس ہو چکی ہے اور ہوتی جاتی ہے خاص توجہ سے ٹکسالی زبان ہو سکتی ہے ورنہ تاثر تا می رود دیوار کی کی مصداق جیسی اب ہے آئندہ بھی رہے گی۔

میں آپ کو کیا لکھنا چاہتا تھا اور کیا لکھ گیا گویا کسی اخبار کے لئے بہ امید معاوضہ کاغذ سیاہ کر رہا ہوں۔ مجھے جناب کو

یا۔ اسی لکھنے کا اتفاق اس بنا پر ہوا کہ میں نے فضا صاحب کو ایک خط اس غرض سے لکھا کہ میرے دیوان کے میرزادہ عرصے سے چھپ رہا ہے مگر ناخر نے ہر طرف ناامیدی کی صورت پیدا کر دی ہے اس لئے فضا اور دوسرے احباب نے کہا تھا کہ دیوان کی طباعت و اشاعت کا زمانہ اب قریب ہے اور اعتبار دلانے کو میں نے ملک کے سرمایہ ناز جسٹس حیدرآباد کی چٹھی جو اسی دن میرے نام آئی تھی بصورت نقل اسی خط میں ملفوف کر دی تھی۔ فضا صاحب ہوکر یہ ہوا کہ دیوان ریاض کے متعلق اپنے صوبے کے سرمایہ ناز حضرات یعنی سر عبدالقادر صاحب بالقابہ، ملک سر فیروز خان نون ایم۔ اے وزیر تعلیم پنجاب سے ایسی ہی چٹھیاں یا نوٹ حاصل کئے جائیں کہ دیوان ریاض سے بھی دوستداس عالم ہونے کا موقع حاصل ہو سکے۔

سید صاحب نے مجھ سے خواہش کی کہ میں اپنا "شباز نامۂ حیات" کو بھیجوں۔ آپ محاسن اور مخلصانہ مجھ پر آپ کی نوازش کا نخصوصت تخلص یعنی مسلسل ہمیں کہ فاتحۂ گل بود بس است یہ اثر ہوا کہ میں آپ کو خط بھیجنے سے بھی اس کی بھی خواہش نہیں ہے کہ آپ حواب لکھنے کی تکلیف گوارا کریں یا میری اس بے سروپا طوا دات ضائع کریں۔ میں جس اولی پوزیشن میں ہوں میں جانتا ہوں۔ مالی حالت کے بہ لحاظ کثیر الاولاد ہونے اور صحت کے مجھ پر جو دورہ ابتک کر دی ہے مگر دلوں کی اشاعت انشاء اللہ ضرور میرے لئے اطمینان پیدا کر دے گی

آس اک سیر ہے دنیا میں اگر ٹوٹ نہ جائے

سر نواب وقار یار الدین وزیر دیوانی میرے واسطے بہترین ذریعہ تھے کہ میں لکھنؤ میں اعلیٰ حضرت نظام قسمت نے مجھے روک دیا۔

بیشک سر عبدالقادر صاحب۔ اقبال صاحب، ملک سر فیروز خان صاحب نون ایسی بلند پایہ شخصیتوں کے متعلق اظہار خیال فرمائیں تو ممدوحین کی یہ قدرشناسی ملک کی شکر گذاری کا باعث ہوگی مگر میں ممدوحین سے ایسی بزرگ کے ادب اور شان کے خلاف سمجھا ہوں جس نے مجھ سے۔ بے بضاعت کم پایہ شخص کی شاعری کو اس مرتبے بلند پایہ حضرات جن کی عالمانہ دور رسی کی شاعری کو کچھ سے کچھ بنا دیا ہے، میرے لئے نوٹ مگر میرے الفاظ سے عمل نہیں فرماتے ؎ کہنا ہے اگل رخوں سے ریاض شکوۂ حال۔ مجھ کو نہ دیکھئے مرے اشعار دیکھئے میرا خیال یہ ہے جو حضرات میرے دیوان کی تعارف فرمائیں گے وہ ایسے لئے میرے دیوان میں اپنی مستقل ع نوشتہ بماند سیہ بر سپید۔

فضا صاحب نے اپنی امیدیں جو آپ کے نام سے وابستہ کی ہیں ان کا لحاظ فرماتے ہوئے آپ حضرات ممدوحین کو تکلیف کے لئے اس کی ضرورت معلوم ہو تو آپ سر سلیمان صاحب جسٹس کی چٹھی نقل شدہ جو ملفوف بھیجتا ہوں آپ پیک شہ کی خدمت میں بھیج دیں یا خود کسی وقت دکھا دیں گے۔ میں وہ غزل بھی ملفوف بھیجتا ہوں جس کے لئے اچھے الفاظ خان اسسٹنٹ ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم پنجاب نے اپنی چٹھی مرصولہ حال میں مجھ کو لکھے ہیں ؎

قدر داں گوہر سخن کے ریاض　　منہ مرا موتیوں سے بھرتے ہیں

(۸)

مکرمی!　　... رحمان پوری

دو حرفوں سے بہتر ہم یا بلاتر ہم آپ جو چاہیں اپنے کام میں لا سکتے ہیں۔ میرے الفاظ دلی آپ کے اتفاق و اختلاف کے تابع ہیں اور وہ بھی صرف میری اور آپ کی آگاہی کے لئے۔

سجدے سے جبہ سر جدہ ادراک سے اپنا مسجود

یہ مصرع کبھی میری نظر سے نہیں گزرا۔ میں یہ بے کے لفظ کو متروک سمجھتا ہوں۔ داغ و امیر و جلال نے بھی استعمال نہیں کیا۔ ان کے جس میں نے عام بول چال میں بھی نہیں۔ بعض پرانے والے شاید بولتے ہیں ع

دور ہے سر جدہ ادراک سے اپنا مسجود

سے کا استعمال بے جا ہوا ہے ممکن ہے بہت سا فی۔ غزل مسی صاحبہ کی دیکھی ہوئی ہو اس صورت میں نوٹ دینا ضروری تھا۔ میں نے بے تکلفانہ اپنا خیال ظاہر کر دیا نہ جواب کی ضرورت نہ بحث کی۔

۱۔ اب تو ہر ہر نفس سرد ہے افسانۂ دل۔ ہر ہر کا لفظ مجھے اچھا نہیں معلوم ہوتا۔

۲ کہ ایک وقت میں ہم نرک آرزو کرتے۔ نرک آرزو کرتے اس کے لئے "ایک وقت میں" کیسا۔ اس وقت ضرورت بری سمجھ میں نہ آئی آئندہ شاید سمجھ میں آجائے۔

۳۔ اٹھے تو محرمتا ملے تو غرق بیداد۔ غرق نے بھی انتخاب میں لیا۔ میرے خیال میں غرق کا لفظ باعتبار مناسبت کوئی رعایتی لفظ چاہتا ہے جیسے غرق بحر الفت یا آب خجالت۔

دیوان میں جب کہیں کوئی بات قابل استفسار نظر آئے گی آپ سے دریافت کروں گا۔

نیاز نے مقدمے میں بے ضرورت داغ کا یہ شعر لکھ کر ؎

کچھ زہر نہ تھی شراب انگور　　کیا چیز حرام ہو گئی ہے

داغ کو مخمور زدہ کر دیا ہے اور فوری ثبوت بھی اسی شعر سے دے دیا ہے۔ یہ بھی اشارہ فرما کر کہ پینے والے کا شعر پینے والے کو زیادہ مزا دیتا ہے اپنی نسبت بھی لوگوں کو بدگمانی کا موقع دے دیا ہے۔ آپ کو صاف صاف دامن آلودہ نہیں کیا عصمت ہے مجھ سے نیاز سے بہت دیکھا ہے ہی ہے میں نے کبھی پیسے نہیں دیکھا نہ کبھی ایسی حالت میں کہ سبہ کر سکوں۔ مگر مجھے تو بحث داغ سے ہے کیا داغ کے پینے نہ پینے کے متعلق آپ کچھ کہہ سکتے ہیں؟ یہ غیر ضروری باتیں اس وقت میرے قلم سے نکل گئیں۔ میں خود نیاز سے کسی وقت پوچھ لوں گا۔ میں نے آپ کا وقت ضائع کیا معاف کیجئے گا۔ ریا ہوا خواہ اور دعا گو سمجھئے۔ اب لکھنے پڑھنے سے معذور ہونا جلتا ہوں اور ساتھ ہی

کچھ اپنے حال کا مجھے احساس ہی نہیں
یہ میں ہوں پیرہن میں کہ مردہ کفن میں ہے

ریاض ۱۵ اکتوبر ۳۳ء خیرآباد

؎ اس مرحوم کو سہو ہوا یہ مصرع داغ صاحب کا نہیں غالب کا ہے نیاز مجبوری نے مقدمے میں لکھ دیا تھا۔

بنام مولوی شاہجہان پوری　　مکرمی!　　(۸)

...ھے دھوکا ہوا۔ ہر ہر مصرعے کے لئے سند کی ضرورت نہ تھی آپ کے شعر میں موزوں ہونا کافی تھا۔ عرق نباز عرق ما... کے لئے عرق مرتب عرق مخالف کو میں کافی نہیں سمجھا۔ ہر مکرر معاملے دارد۔ آپ کے سمجھانے پر بھی ایک لفظ زائد معلوم ہوا ہے ... اپنی ... رورد یا موں نہ مجبور کرتا ہوں۔ شعروں کے لئے کسی بات کے اظہار میں تکلف نہیں میں اسے اپنا کلام سمجھتا ... لے میں بھی زائد ہے۔ ہر مکرر اور ما سے کے معلوم ہونے کا جواب صحیح نہیں آپ کا جواب صحیح ہے۔ کارآمد میں بھی آپ سے متفق ہو... ہوں مگر صحیح نہیں مگر ہوتے جانا کو ترجیح ہے۔ انکار نہیں ہونا۔

موسم عید آتا ہے ناصح ہیں گے واعظ　　ہوتی ہیں ہوشیار آنکھیں انکار نہیں ہونا

بااور کسوٹی۔ اس لفظ آئندہ میں برتا جائے گا۔ بدوں سوچے سمجھے ہر نئے گوئی کے مقابلہ میں ایسی جلد بازی نہیں ہونی چاہئے۔ چھوٹی باتوں سے کلام میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔

خط آنا میں ضرور لکھا۔ گو کچھ ہو سے آنا راہ مبارک میں بکار رہا اس کے لفظ لانے کی تباہ کاریوں سے عرش کانپ رہے ہیں حرف آپ ضرور گراں خاطر ہوں گے میں عفو کا خواستگار ہوں۔

ریاضؔ خیرآبادی ۱۴ فروری ۱۹۳۴ء

بنام جناب شاہ سید علی صاحب خانی سررشتہ ڈپٹی انسپکٹر کمشنر　　(۹)

جناب شاہ صاحب سے سلام پہنچے کہ سلام کو خط کو کسی بدلے کے بھلا اچھا معلوم ہوا خصوصاً صاحب مولانا صاحب بھی ہوں۔ مدت کا بھولوں سال بھر سے کچھ لکھا نہیں۔ اب اس پر ارادہ بھی ہوا کچھ خیال جمع کروں۔ بروقت چند شعر کہے۔ بدغرض ارسال ہیں جناب مہاراجہ بہادر کا ایک شعر یاد آیا۔ نکلا ہوا شعر الا حرف ہے۔ رہن بھی سخت۔ اس اچھا شعر کوئی نہیں نکلا۔ جناب شاہ صاحب کی حدیث میں عمل کرنے عرفی والیں لے کر یہ احتیاط رکھ لیجئے گا۔ دوسرے کو نہ دیکھنے گا۔ والدعا　　ریاضؔ

مہاراجہ صاحب کا یہ شعر ہے ؎　　جو آج پی ہو بے سانی حرام شے ہی ہو　　ہر کل کی پی ہوئی مے کا خمار باقی ہے

ریاضؔ ؎　　۱ یونہی سی آرزوئے وصل یار باقی ہے　　ذرا سی مجھ میں ابھی جان نار باقی ہے

۲ لحد پہ آئیں کہے وہ انتظار باقی ہے　　کسی کا مجھ کو ابھی عہد یار باقی ہے

۳ تری گلی میں نشان مزار باقی ہے　　غبار راہ مری یادگار باقی ہے

۴ یہ کتنی پی کے گئے مے لحد میں جوش سے　　کہ روز حشر بھی کچھ کچھ خمار باقی ہے

۵ اٹھاؤ کھول کر بستر بنے گا بستر مرگ　　یہ رات کچھ ہے مزاج انتظار باقی ہے

۶ یہ بات کیا ہے نظر جام سے نہیں ہٹتی　　نہ دور ہے نہ مئے خوشگوار باقی ہے

۷ ہمیشہ غنچہ و گل اپنے بار دیتا ہیں　　شراب خم میں ہے جب تک خمار باقی ہے

۸ کریں گے کیسے کام ہم بدوش جائے طواف　　اگر یہ زندگی مستعار باقی ہے

۹ نہ شیشے کی وہ پری ہے نہ وہ شباب ریاضؔ　　نہ سبزہ زار نہ وہ لالہ زار باقی ہے

لہ سرور۔ راجہ علی محمد علی خاں ساحر۔ کے سی آئی ای والی ریاست محمود آباد ضلع سیتاپور (یو پی)

غلام قادر گرامی

(۱)

مالک مکرم جناب نواب صاحب بہادر

تسلیم مدت سے پانچ ماہ کی پیش گاہ سرکار عالی منظور ہو چکی ہے۔ فرنلیسہ وغیرہ کی باعث نہیں جاسکا
[illegible] کی روک ٹوک کے ساتھ [illegible] بالندھریں بھی ملازموں کے اختیار نہ تھے۔ ان وجوہات کے بنا پر میں رخصت
[illegible] سعادہ [illegible] اسکا اب سنا جاتا ہے کہ منصب راہزن منتج [illegible] ہریں ملازموں کا کوئی نہیں ہوا۔ خداوند کریم کے
فضل سے یہ بیماری [illegible] ان شاء اللہ یکم فروری ماہ الٰہی [illegible] سے [illegible] ہونا چاہتا ہوں۔ لہٰذا حضرت
[illegible] اطلاع دیتا ہوں۔ کہ مہربانی فرما کر یکم فروری سے میری رخصت منسوخ کی جائے اور ایام
رخصت کی تنخواہ میں حسب دستور سے لوں گا۔ اور کسی کو نہ دلوائے۔

جناب عالی نے مجھ سا گرامی کو مہربانی یہ فرمایا تھا اور وعدہ کیا تھا کہ سرکار عالی سے رخصت کی تجویز کرانے کی کوشش
درست ہیں محض ہمارے نام ایک رقعہ بھی دینا وہی کافی مرکہ۔ امید وار ہوں کہ میرا یہ رقعہ مناسب میں دلوا یا واقعت تجویز
فرمادے۔ راقم

۲۰ جنوری ۱۸۹۹ء مطابق ۷ رمضان ۱۳۱۶ھ شیخ غلام قادر گرامی شاعر خاص حضور پرنور

(۲)

[illegible] مرحوم

خلاصت اندس حضرت کیفی صاحب السلیم

ایک تکلیف آپ کو دیتا ہوں وہ یہ کہ کشمیر سے ایک لاجواب پشمینہ گرم مجھے بھیجدو اور وی پی بھیجدو کسی کارخانہ
والے کو کہہ دیجئے۔ وہ وی پی بھیجدے گا۔ اور وہ پشمینہ عمدہ نایت عمدہ ڈبل — قیمت ۱۵ روپیہ یا ۲۰ روپیہ ہو —

[illegible] گرامی حیدرآباد میں ملازم تھے انہوں نے ابتداً رخصت لی تھی۔ مگر پنجاب میں طاعون (پلیگ) ہونے کی وجہ سے نہ جا
سکے سابقہ منظور رخصت سے مستفید ہونے کی درخواست اس خط کے ذیلیہ کی تھی یہ خط نواب عماد جنگ معتمد فنانس کا مرسلہ
ترکے ماتحت (پیشانی) پر عماد جنگ کی تجویز ہے۔

آپ کشمیر کے حاکم ہیں عازم سیکرنری ہیں۔ نہایت اعلےٰ نفیس پٹی گرم بھیجیں گے۔
پچھلے سال علامہ سر اقبال نے مجھے لکھا تھا کہ اقبال و گرامی کشمیر کی سیر کریں مگر
گرامی جالندھر ہی میری قبر بنا گیا ہے۔ گرامی کی بدقسمتی کہ وہ کابل کی آغوش میں بیخود رہا۔

کابل کت شکنہ استمزاں　　نشکنی اشش بیخ زہے ناقواں

گرامی کا پیمانۂ عمر لبریز ہو چکا ہے۔ آئندہ سال کا وعدہ نقش برآب ہے۔

خدمت عالی حضرت ناظر[1] صاحب کا نائبانہ شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میرا اسلام کہو
خدمت اقدس حکیم مسیح الملک بہادر رئیس اعظم دہلی، گرامی کا سلام پہنچا دیجئے۔

گرامی

بہاری، بارا ارمانگر نداند براست　　وآرزو تنگی کشاکش موت و حیات
نگہ اشنا کہ یک نفس نخود پردازیم　　فریاد افسوس آہ حسرت ہیہات

بنام پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی صاحب　　(۳)

خدمت امدی حضرت کیفی صاحب سلیم

گرم پٹی پہنچ گئی۔ پنڈت دیوی پرشاد صاحب رئیس اعظم جالندھر نے میرے پاس بھیجی
پٹی ہے۔ آپ کا کوئی خط نہیں آیا۔ مہربانی فرما کر قیمت سے مجھے اطلاع دیجئے۔ بذریعہ منی آرڈر
گرامی کی درخواش پوری کی۔ گرامی کی عرض بھی قبول کیجئے۔ یہ قیمت سے اطلاع دیجئے۔ روپیہ
یار شاطر ہے نہ بار خاطر۔ گرامی آپ کا رہین منت ہے۔

ایک غزل خدمت عالی میں بھیجتا ہوں۔ جناب چودھری صاحب بہادر حضرت ناظر
کی نسبت وہ اپنا خیال ظاہر کریں۔ آپ بھی اس غزل کی نسبت اپنی رائے دلآویز کا اظہار کیجئے
راجہ دلجیت سنگھ صاحب بہادر رئیس اعظم جالندھر تقاضا کر رہے ہیں کہ رباعیات
ہم سردار امراؤ سنگھ صاحب سے انگریزی میں ترجمہ کرائیں گے اور ڈاکٹر سر اقبال لکھ رہے ہیں
ترجمہ کروں گا۔ فرمائیے آپ کی رائے صحیح کیا ہے[2]۔ والسلام

گرامی

---

[1] چودھری خوشی محمد ناظر (ہمدم اور ناظر سابق) مراد ہیں۔

[2] اتفاق سے، اس خط کا جواب پنڈت کیفی صاحب نے لکھا تھا، وہ بھی مل گیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:۔

جموں - ۱۸ دسمبر ۱۹۲۲ء

میرے محب مولانا گرامی کی خدمت میں سلام شوق۔ گرامی نامہ پہنچا۔ اس پٹی کی قیمت پوچھی
اول تو وہ چیز ہی کیا ہے جس کی آپ قیمت پوچھتے ہیں۔ اور پھر "بار خاطر" کا لفظہ سناتے ہیں معزز

(۴)

بنام برہمن دتاتریہ کیفی صاحب

خدمت عالی حضرت کیفی صاحب۔ تسلیم

"خمخانۂ کیفی" گرامی کو مل گیا۔ میں کیا لکھوں کہ یہ میکدۂ معانی کیا چیز ہے۔ میرے دوست میرے عنایت فرمائے ہوئے بالغ نظر جوہر شناس حضرت چودھری خوشی محمد صاحب ناظر ممبر کونسل کشمیر نے جو کچھ آپ کے کلام کی نسبت لکھا ہے۔ بالکل صحیح ہے۔

چہ فصاحت چہ بلاغت چہ معانی چہ بیاں جلوہ فرماست در آغوش زبان کیفی

اس ہفتہ مالہ گرامی کے حواس خمسہ پنجاب کی نغمہ گرامی کو خاک دکن ہی جذب کرے گی۔ واٹ اور امیر مینائی چشم براہ ہیں۔

حضرت کیفی صاحب، دہلی میں آپ کی یاد نے گرامی کو مضطرب کر دیا۔ لالہ سری رام صاحب ایم۔ اے کی تکلف اور اخلاص کی دعوت اور آپ کی یاد گرامی نہیں بھول سکتا۔

خدمت اقدس چودھری صاحب بہادر گرامی کا سلام پہنچا دیجئے۔

والسلام گرامی

پیر نصیر الدین صاحب کو دیجئے اور آئندہ کشمیر سے جو کچھ درکار ہو، بلا تکلف ارشاد کیجئے۔

غزل کا شکریہ۔ کیا اچھا کہا ہے۔

رہ عشق است امید از زمین یاس می سعید دریں صحرا دل ہر ذرۂ یوسف چہ عارد

کہ بڑھاپے والا شعر ہے۔ غزل کتنی اعلیٰ استادانہ شان رکھتی ہے۔ مگر برائے خدا ایسے مکڑے قافیے نہ رکھا کیجئے۔ چودھری صاحب کے پاس ضرور بھیجوں گا۔ اپنی چند نظموں کا مجموعہ جو احباب نے زبردستی چھپوا دیا ہے بھیجتا ہوں۔ عمر سے ملاحظہ فرمائیے۔ عیب ہی عیب ملا سہی غزل کی گنجائش نکلی۔

رباعیات کے ترجمے کی نسبت جو آپ پوچھتے ہیں، سو میری رائے یہ ہے کہ سردار امراؤ سنگھ میں وہ سب ضروری اوصاف موجود ہیں جو اس ترجمہ کے لئے چاہئیں اور وہ دل دے کر ترجمہ کریں گے۔ ڈاکٹر اقبال بھی اس کام کے ایسے ہی اہل ہیں لیکن ان سے پوری توجہ نہیں آ سکتی۔ یہ ترجمہ ضرور ہونا چاہئے۔

لاہور آؤں تو لکھئے گا۔ واللہ آپ سے ملنے کو جی چاہتا ہے۔ والشوق

برج موہن دتاتریہ کیفی

اس پر کیفی صاحب نے یہ چند لفظ قلم بند فرمائے ہیں:

میں نے حضرت گرامی کو ایک نسخہ اپنے مجموعۂ نظم خمخانۂ کیفی کا بھیجا تھا۔ اس کے جواب میں انہوں نے یہ خط اور رباعیات بھیجی ہیں۔ ان کے کلام نے یہ رنگ ابھی اختیار کیا ہے۔ خدا سلامت رکھے۔ ان کا دم غنیمت ہے۔

برجموہن دتاتریہ۔ سری نگر کشمیر

۲۰ اگست ۱۹۲۴ء

رباعیات

(۱)
ما بیخود و آرزو بخود راہ دہد
سررشتۂ تدبیر بدست ما نہ دہد
بر ہم زن کار ما بیہ کار دلماست
خود ریز امید ما گنہ کاری ماست

(۲)
در موت و حیات بعض از دل زندہ نہ
بیداری ما خواب و خواب بیداری ماست
می تپم و بیدہ اسکباری دارد
دل خون شدہ و نفس شماری دارد

(۳)
اے چارہ شناس کار ما مرہم نیست
این صید بسینہ زخم کاری دارد
دریاد کہ عمرم ہمہ برباد آمد
ما کردنی و ازدستم یاد آمد

(۴)
کاسے کہ نکردنی ہمہ کردم چو کنم
فریاد کہ نایاد بفریاد آمد
اے روح بجسم زار نالی تا چند
در بند قفس سلسلہ تابی تا چند

(۵)
یہ بدن و رفتہ سدرہ منتہیٰ
در مرکز تفتند خاک مالی تا چند

خود را یک چند پاسبانی کردیم
یک پشت بخویش مہربانی کردیم

(۶)
از بیم امید پائے در زنجیرم
در پہلوی مرگ زندگانی کردیم

ما رخت ز شہر بند ہستی بستیم
از خویش گسستیم و بادہ پیوستیم

(۷)
در میکدۂ بیخبری باجرعیم
در مکتب عین ہوشیاری مستیم

دل بستگی خون طرازی دگراست
دل گرمی ذوق دل نوازی دگراست

(۸)
این نازش مست ما زیچ مستی
ما ہی دگرست عشق بازی دگراست

دریا چہ اسیر نہانی مائیم
در خود جواب لن ترانی مائیم

(۹)
جولاں گہ ما خط و خود و ہم است
بازیچۂ مرگ و زندگانی مائیم

اللہ اللہ چہ زبانست زبان کیفی
کیست جز ناظر ما مرتبہ دان کیفی

چہ فصاحت سپہ بلاغت ہمہ دانی بیزبان
جلوہ فرماست او آغوش زبان کیفی

یہ رباعیاں حضرت ناظر صاحب کو دکھلا دو۔ کیا ان کے بیٹے ہیں

عکسہ اس رباعی پر پہلے جناب چودھری خوشی محمد ناظر نے لکھا ہے۔ "احسنت احقر ناظر" قلم بند فرمایا ہے ؎

"یہ جو فرش اسفل خاک ہے، یہ نجاستوں کی مغاک ہے
مرا سجدہ پایۂ عرش پر، مری لامکاں میں نماز ہے

خط وحدانی میں سمجھتا ہوں ۔[1]

راقم
شیخ غلام قادر گرامی شاعر خاص حضور نظام دکن خلد اللہ ملکہٗ

(۵)

بنام نواب علی حسن علی خاں صاحب امیر جاگیردار مرحوم

حضرت جاگیردار صاحب جانشین حضرت نواب صبیح الملک

تسلیم ۔ میرا جی بہت چاہتا ہے کہ میں آپ کو ملوں ۔ ایک زمانہ ہو گیا ملاقات نہیں ہوئی ۔ میں خوش ہوں کہ آپ بفضل خدا تندرست ہیں خوش ہیں ۔

دیوان دانع آپ کی امانت میں ہے ۔ پرسوں اسی وقت اپنے آدمی کو بھیج دیجئے ۔ کوئی شخص دیکھنے کو لے گیا ہے منگوا کر دے دیا جاوے گا ۔ انشاء اللہ آپ کے ہاں ہوں گا ۔ اور حضرت جاعت علی شاہ صاحب کی خدمت میں ضرور حاضر ہوں گا

راقم گرامی

(۶)

بنام نواب حسن علی خاں صاحب امیر جاگیردار مرحوم

حضرت جاگیردار صاحب بہادر

تسلیم ۔ کیا کروں ترپ بازار کے اصحاب مجھے نہیں چھوڑتے ۔ ان کی یہ سعی ہے کہ میں ترپ بازار نہ چھوڑوں سب نے مل کر ایک مکان ترپ بازار میں بھر کر دیا ہے ۔ میں آپ کی ہمدردی اور آپ کی عنایات کا شکریہ ادا کرتا ہوں

راقم گرامی

ایک دو روز تک خدمت عالی میں حاضر ہوں گا

---

[1] اس پر جناب ناظر نے یہ دو رباعیاں لکھی ہیں :-

"ولی سکریہ ۔ حضرت گرامی کی صحت و عافیت کے لئے دعا نے صبیحگاہی احقر ناظر کا وظیفہ ہے ۔ ان کے دم سے رکن آباد و مصلّٰی کی یاد قائم ہے ۔ احقر ناظر"

اس کے علاوہ انہوں نے ایک مختصر خط بھی کیفی صاحب کی خدمت میں لکھا تھا ۔ جو درج ذیل ہے :-

"مکرمی پنڈت صاحب ۔

تسلیم ۔۔ باعیات قابل داد و شکریہ کے ساتھ واپس ہیں ۔ میں چاہتا تھا کہ کسی فرصت کے وقت میں مد ایک رباعیاں ساتھ لگا دوں ۔ مگر افسوس ہے کہ فرصت نہ ملی اور یہ خواہش بھی داخل دفتر کرنی پڑی ۔

آپ کا مخلص خوشی محمد

سیّد امداد امام اثرؔ

(۱۰)

بنام احسن مارہروی

جناب مستطاب سیّد صاحب دام مجدکم!

تسلیم۔ عنایت نامہ وصول ہوا۔ یاد فرمائی کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میں آپ کے خانوادۂ علمی سے خوب واقف ہوں بزرگوں سے ملا۔ ہو کے حالات سُنا کیا ہوں۔ ہوا ان اللہ کیا کہنا ہے۔ افسوس کہ ساداتِ بلگرام سے آرہ خالی ہو گیا۔ مجھے تیسرے صاحبان کی قدر سے نکلی نیاز حاصل تھا اور میں ہمیشہ ان کا مورد عنایات رہا۔ اب ان محترم بزرگوار سے بہت کم حضرات باقی ہیں۔ انقلاب زمانہ کیا چیز ہے۔ اللہ اللہ!

شاعری کا مذاق کثیف کو نہ تھا اور نہ ہے۔ مکروہات زمانہ اور کثرت مشاغل سے فرصت بھی نہیں ملی کہ اس کی طرف متوجہ ہو سکتا۔ علاوہ اس کے اس عہد کی شاعری کے ساتھ طبیعت کو فطری مناسبت بھی حاصل نہیں ہے۔ حضرات جدت پسند اور کی شاعری کو انگریزی کی شاعری بنا ڈالنا چاہتے ہیں۔ مجھے ایسے حضرات کے ساتھ کسی قسم کی ہمدردی نہیں ہے گو مجھے انگریزی میں دخل ہے کلاس بان کی نظم پر تمام نہ فاضل رہوں اور ورڈ پر سانٹس (SONNITS) وغیرہ لکھ لیا کرتا ہوں۔ ایسی جدت کے علاوہ مجھے عہد کی غزل سرائی سے بھی کوئی حظ نہیں اٹھتا۔ یا روایتی استادان معروف طومار آورد ہیں یا ایسی شوخی کا جھوہ دکھلاتے ہیں جو زنانہ بازار کا شیوہ ہے۔ گاہے ماہے جو فرصت ملی تو اساتذۂ گذشتہ کے کلام سے انسراح روحی حاصل کر لیتا ہوں۔ مجھ سے کم فرصت شخص کے لئے مطالعہ کلام نظمی میرؔ، مرزا رفیع سوداؔ، خواجہ میر دردؔ، ذوقؔ، مومنؔ، غالبؔ، آتشؔ و رند کا کافی ہے۔ مجھے ہرگز اس کی تمنا نہیں ہے کہ شاعروں کی لسٹوں میں نام لکھا جائے۔ اسی لئے گلدستوں وغیرہ میں کبھی غزل نہیں بھیجا اور اس ذریعہ سے نام آور ہونا پسند نہیں کرتا۔ حقیقت امر یہ ہے کہ شاعری کی طرف مجھے توجہ کرنے کا موقع بھی نہیں ہے۔ مجھے اطمینان فرصت نہیں ہے کہ کسی گلدستہ کو ایک نظر دیکھ سکوں۔ ضرورتوں سے جگہ جگہ جانا بھی پڑتا ہے۔ اردو اخباروں کو کون پوچھتا ہے پانیر نیر اور انگلشمین کو دیکھ لینے کا بعض اوقات موقع نہیں ملتا ہے۔ ہر چند نیرہ میری قیام گاہ ہے مگر یہاں سے اس قدر غائب رہتا ہوں کہ میرے قیام کا نام ہی نام ہے۔ اس انتشار و قیام کے باعث میں کسی اخبار یا گلدستہ کا سبسکرائبر (Subscriber) نہیں ہوتا۔ اگر کبھی اخبار جو میرے عزیزوں کے پاس آتے ہیں ان کے دیکھ لینے کا بھی موقع کم پاتا ہوں۔ فقط والتسلیم۔

امداد امام اثرؔ نیرہ ۱۲ ستمبر ۱۹۰۵ء

(۲)

[illegible] مولوی [illegible]

مجمع فضائل و فیوض جناب خلاصہ خاندان مصطفوی دام مجدکم!

بعد گذارش آداب و تسلیم عرض ہے کہ مجب نامہ وارد ہوا۔ دریافت حیریت سے مسرت قلبی حاصل ہوئی۔ خدائے تعالیٰ آپ کو رزق و اقبال کے ساتھ ہی دائم رکھے۔ میری سرگذشت یہ ہے کہ آپ کی لقائے صوری کے بعد جب سے میں وطن کو گلکتہ سے واپس آیا انواع اقسام کی تکلیفات روحی و جسمانی میں مبتلا رہا اور اس وقت تک بلاؤں سے جاں نہیں ملی ہے۔ دو مہینے سے ہر انفس جناب صاحب فرمانروائے رام پور کا مہمان ہوں۔ یہاں تقریب شکار سے ہمرکاب آیا ہوں۔ نہیں معلوم کہ کب تک وطن کو معاودت کر سکوں گا۔ وطن کی یہ حالت ہے کہ دس مہینے سے نیرہ نہیں کیا ہوں۔ میں پانی پر بسنا نہیں کو لیا عرض کروں۔ آپ کی تصنیف شریف کتاب ہے۔ ساتھ نہیں ہے۔ اس پر ریویو لکھنے کا مجھے کوئی موقع حاصل نہیں ہے۔ البتہ گویا جا کر تعمیل حکم کر سکوں گا۔ اس وقت امیدوار معافی ہوں۔ فقط زیادہ حد ادب!

دعاگو امداد امام عفی عنہ کیمپ بڑکاڈانڈی رام پور اسٹیٹ (یو۔پی)
مورخہ ۱۴ مارچ ۱۹۱۰ء

---

(۳)

[illegible] حسین [illegible]

معظمی و محتشمی دام مجدکم!

تسلیم بعد تکریم۔ نوازش نامہ مصدورہ ۱۹ اگست وارد ہوا۔ ذرہ نوازی کا شکریہ قبول ہو۔ میں اپنی تصنیفات سے آپ کو ایک نسخہ معیار الحق اور بہار ستان سخن جلد دوم کا ارسال کرتا ہوں۔ ایک کاپی شاہ شرف الدین بہاری مخدوم الملک کے حالات کی بھی جو بربان انگریزی ہے روانہ خدمت ہوتی ہے۔ کتابیں فقیر کی تصنیفات سے بہت ہیں مگر اس وقت موجود نہیں ہیں۔ بہر حال بہار ستان سخن ایک ایسی کتاب ہے کہ جس میں ہر طرح کے مضامین داخل ہیں۔

ایک غزل اس وقت حاضر خدمت کرتا ہوں۔ ؎

اپنی آنکھوں میں کھبے خود رخ زیبا ہو کر　　آپ کو دیکھتے ہیں آپ شناسا ہو کر
شوق سے پیس تن زار کو زیر سے اے چرخ　　جسم عالم میں جگہ پاؤں گا گرما ہو کر
دیکھ ثابت قدمی اہل وفا کی اپنے　　تیرے کوچے میں رہے نقش کف پا ہو کر
اپنے مطلب کا ہوا کرتا ہے دیوانہ بھی　　قیس صحرا کو گیا کوچۂ لیلیٰ ہو کر
طرفہ یہ بھی ہے کوئی انجمن آرائی کا　　انجمن سے ہو نہاں انجمن آرا ہو کر
پرزہ وار ہے محبت کی نزاکت دیکھو　　چشم یوسف میں پھری خواب زلیخا ہو کر
ایک جانب سے محبت نہیں جاتی انجام　　میں ترا ہو کے رہوں تو رہے میرا ہو کر

طور ہی طور ہے صحرائے طلب میں اپنے　　ذرہ ذرہ ارنی کہتا ہے برنگی ہو کر
خضر و موسیٰ کی حکایت سے عیاں ہوتا ہے　　جلوہ فرمائیاں کیں آپ نے کیا کیا ہو کر
آبِ حیواں کے چھپا رکھنے کو ظلمات بنے　　طور پر آئے نظر برقِ تجلّی ہو کر

آج لبوں محبتِ احباب پہ مرتا ہے اثر
زیرِ مدفن تجھے کل رہنا ہے تنہا ہو کر

مرے پاس بھی پرچہ نظام کا مرحمت فرماتے رہئے۔ مجھے بھی اس کا خریدار فصور فرمائیے۔ یہ نہ اس خیال کرتے ہیں بلکہ اس لئے کہ وہ پرچہ اپنی اشاعت رہنے والے کی خوبیوں کا آئینہ ہے۔ فقط زیادہ حد ادب

فقیر امداد امام عفی عنہ گیا مراد آباد صوبہ

سیّد علی حیدر نظم طباطبائی

(۱)

[illegible] صاحب بدایونی

مکرمی!

السلام علیکم۔ قصائد ہوں کے آپنے جو اشعار لکھے ہیں اسی طرح میرے پاس سے تھے۔ نہ یہ ملی ہیں۔ یہ نسخہ بھی نواب کشور کا ہے۔
مؤخر کا طرز کلام بھی اسی طرح کا ہے اس میں کچھ زیادہ غلطی معلوم نہیں ہوتی۔

سیّد علی حیدر۔ اکتوبر ۱۹۲۵ء

(۲)

[illegible] صاحبہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آپ نے اس گرامی نامہ سے مجھے اپنی عنایت و [illegible] فاکنال فرمایا کیا۔ مجھے طیبہ بیگم صاحبہ مرحومہ کی عنایت و محبت یاد آگئی بیشک اس نواح کی آب و ہوا شہ سے بدرجہا فہ ہوگی لیکن مجھے روز روز یہیں بلانا پڑتا ہے۔ ایک روز بجائے آخل [illegible] ڈاکٹر [illegible] صاحبہ مجھے دے رہے ہیں طبیعت بظاہر روبہ اصلاح ہے۔ اگر یہ ان ہو جائے تو چند روز کے لئے آپ کے یہاں جاؤں گا تو ان کی بہر سر صاحب کے سامنے ہی دیکھوں گا۔

آپ کا دعاگو: علی حیدر طباطبائی

[illegible] حیدرآباد کے ایک ایرانی نژاد خاندان کی تعلیم یافتہ خاتون ہیں جو پٹنہ کے بیرسٹر ہمایوں مرزا فرزند [illegible] نصف حسین فریدون (استاد ساد عظیم آباد والے) سے بیاہی گئیں۔ متعدد رسالوں میں لکھتیں اور چھپواتیں۔ حیدرآباد کی انجمن خواتین دکن کی سکریٹری ہیں۔ ملت نسواں کی فلاح و بہبود کے متعدد کام کئے ہیں۔

[illegible] الملک بہادر کی دختر، ڈاکٹر کریم خاں صدیوجنگ کی بیوی اور علی یاور جنگ کی والدہ اور طباطبائی صاحب کی بھتیجی ساگر اور لائق خاتون ہیں۔ ان کے صدارتی خطبے نظریں اور مضامین اوارۂ ادبیات اردو کی طرف سے ان کی دختر سکینہ بیگم صاحبہ [illegible] شعبۂ نسواں ادارہ نے مرتب کر کے "رسائل طیبہ" کے عنوان سے چھپوائے۔ ان کے اول الوری بیگم وغیرہ بھی چھپ چکے ہیں۔

حیدرآباد کے ایک مخیر ڈاکٹر جنہوں نے [illegible] وفات سے قبل غریب طالب علموں کے لئے کئی لاکھ کا ٹرسٹ قائم کیا جس سے وظیفے دیئے جاتے ہیں۔

(۳)

بنام صغرا بیگم ہمایوں مرزا صاحبہ

سلمکم اللہ تعالیٰ

نسلیم آپ دونوں صاحبوں کا تشریف لانا باعث مسرت ہوگا۔ لیکن شرط یہ کہ میرے یہاں جو حضرت مرحوم ہوگا اوس سے بھی آپ تکلف نہ فرمائیں گی۔ مجھے افسوس ہے کہ میں خود اس دن وہاں نہ آسکا۔ قصد مصمم تھا مگر مہلت نہ ملی۔ بڑے گھر میں سلام کہتی ہیں۔

سید علی حیدر طباطبائی

(۴)

بنام صغرا ہمایوں مرزا صاحبہ

سلمکم اللہ نسلیم!

اس سانحۂ جاں گداز سے جس کی نہایت قلق ہوا خدا دشمن کو بھی اس غم میں مبتلا نہ کرے۔ تاریخ کہہ کر سند بھیج دو گی۔

خداوند کریم آپ کو خوش رکھے اور دنیا کے مکروہات سے محفوظ۔

میرے گھر کے لوگ اور لڑکیاں تسلیم کہتی ہیں۔

علی حیدر طباطبائی

(۵)

بنام صغرا ہمایوں مرزا صاحبہ

لکھا صغرا ہمایوں بیرزا نے　　بہت تفصیل سے کشمیر کا حال
زباں اون کی ہے موج آب کوثر　　قلم اوں کا ہمایوں فر ہما بال
عبارت ہے کہ تصویریں کھچی ہیں　　سطائف کس قدر ہے حال سے قال
یہی کشمیر کا صغرا نامہ ہے　　یہی کشمیر کے تاریخی احوال
وہ جھیل اوسس کی سمدر آسمانی　　پہاڑ اوسس کے بلند اور چرخ تمثال
وہ طغیانی وہاں کی ندیوں کی　　کہ بس جو نوح کے طوفاں کو پامال
جو ہیں ان وادیوں کے رہنے والے　　پہاڑوں پر وہ چڑھ جاتے ہیں فی الحال
ہزاروں ہوں جو ایسے ہیں موجود　　جو ہیں طوفاں کے ڈر سے فاخر البال
وہ باجات اوسس کے شاد اب و طرا　　وہ نہریں جن میں جاری آب سلسال
غرض ہے خطۂ کشمیر سارا　　رُخ ہندوستاں پر خوش نما خال

علی حیدر طباطبائی

(۶)

مہاراجہ کشن پرشاد

ملازمان سرکار مہاراجہ بہادر دام اقبالہٗ

میں اس وقت سرکار دام اقبالہٗ کی خدمت میں ایک ایسے شخص کو پیش کرتا ہوں کہ ان کی ملاقات سے سرکار نہایت محظوظ ہوں گے۔

جناب دلورام صاحب کوشی جن کی نظمیں خوش خبار دوں میں گل فشانی کرتی رہی ہیں فواحِ دہلی کے رہنے والوں میں ہیں۔ آپ کا مذہب وشنوی ہے۔ وحدہٗ کا قائل ہیں اور مذہبِ اسلام کے بڑے مداح ہیں۔ اہلِ ہنود میں ایسے حق پرست بہت کم دیکھنے میں آئے ہیں۔ نعت و منقبت میں ان کا کلام سننے کے قابل ہے مرثیہ بھی کہتے ہیں اور خوب کہتے ہیں اور بڑے بے تعصب خیالات رکھتے ہیں ان کو شرفِ حضوری حاصل ہوگا تو خیر اندیش نہایت ممنون و شکر گذار سرکار دام اقبالہٗ کا ہوگا۔

عاجز

خیر اندیش حیدر یار جنگ طباطبائی

حبیب الرحمٰن شروانی

بنام مدیر ہمدم حاجم صاحب

محمدوی ... یکم اگست ... جمعۃ المبارک

الحمد للہ کہ آپ کا پیام کرم ... ہوں آپ ہماری کوشش کی شکایت کرتے ہیں اور مجھے باکارہ ... ہے حوالہ کاغذ میں مجھ کو تعجب ہوتا ہے ... ایسا نہیں کیوں کر ہو سکتا ہے جس سے پہلے ... اب بھی استعداد ... شی جہاں ... مضامین ... وغیرہ اسباب قوت ... مسلمانوں میں عام ... سے ... ہے ... یہ کھلے ہوئے ... کون کام کا شاہ ... ترجمہ ... چاہتے ... مضمون ہوتا ہے ... میں ابھی کی ... میں جو ... ملاحظہ ... ہے ... اگر ... مسلمانوں کا ... اور ... ہے ... دلوں پر ... کا کام نہ ... تو سمجھنا چاہیے کہ ... مریض ... ایک مسلمان ... سے ... کو دور کرنے ... میں ... کر سکتا ہے ... طرح ... سے ... مسلمان ... ہے ... کی کاسہ ... حالی ... ان مرض کا علاج ہو سکتا ہے یعنی مسلمان اپنی حالت پر ... کے

حقیقی ... ہے ... تو ... ہے ... آپ ... مجلسوں ... میں ... میں ... میں ... کی ... میں ... ہزاروں ... کی ... میں ... ہر جگہ ... محسوس کریں گے ... یہ ... آپ ... ہیں ... ایک ... مسلمان ... میں ... کی ... ہے ... والوں کے ... کچھ ... سے ... اعلیٰ ... مسلمان ... کے ... کہ ... کے ... پیدا ... تقریر ... مسلمانوں ... اب ... اور ... آج ... ہے ... ہمت ... ہوگا ... کے ساتھ ... ہے ... ہے

صدر اول ... حبیب الرحمٰن خاں شروانی مرحوم ... کے علاوہ ... یہ ... سے ... تھے اور ... کتب خانہ ... کے ... کیا تھا ... مرحوم کے ... سے تھا ... سے ... علم سے ان ... تعلقات تھے ... اور ... کے ... مجموعہ کلام ... میں شائع ہو چکے ہیں۔

کام کے کرنے کا خواب دیکھتے ہیں تو ہارون و مامون کے دربار کے سوا انہیں کچھ نظر نہیں آتا یعنی وہ یہ منصب بے باز ہتے ہیں کہ جب
لندن کا اور بار آراستہ ہو اور جم شان و شوکت کے ساتھ اس میں جا کر پایۂ تقرب پر کھڑے ہوں تو اُس وقت علی گڑھ میں یونی ورسٹی کے واسطے
یہ رقعہ حاصل کرنا تو کی آمدنی کیسے ہے اور اکسفورڈ کا آن واحد میں گرد کر دے لیکن آہ امتداد کا روا نہیں ہم میں کی عروج کا کچھ شائبہ نہیں پھر ہم
قومی خدمت کیا کر سکتے ہیں جب اس خواب سے آنکھ کھلتی ہے تو وہ اپنے دماغ کو اس مزخرف کے دماغ کی طرح خشک اور مختل پاتے ہیں جس نے ابھی کسی نانی
دادی سے بات پائی ہو اور اس خواب کا سا سے اس کے کچھ نتیجہ نہیں ہوتا کہ وہ چند روز تک خوب و لیسے کے قائل ہی نہیں رہتے جب وہ
خواب دیکھنے لگتے ہیں تو ان کا خیال ہوتا ہے کہ بغداد کا دربار دربار یوں کے عروج نے نہیں بچایا تھا بلکہ وہ ان پاک دل کاربار یوں کی بدولت
کامیاب تھا جو رہ خدا میں جان لڑا گئے تھے۔ اگر ہم بھی پاک دلی سے قومی خدمت کے لئے مزدور بنیں تو پھر ظلمت، قومی اور شوکت ملکی کا دربار سج
جائے گا۔ اب سوال یہ ہے کہ ہم مزدوری کرنے کہاں جائیں۔ جواب یہ ہے کہ جہاں ہم ہیں وہیں مزدوری شروع کر دیں قومی عمارت کا سلسلہ راس
کماری سے ہمالیہ تک بلکہ دنیا کے ہر حصے میں پھیلا ہوا ہے۔ اور ہر جگہ مزدور نہ ملنے سے کام بند ہے۔ اس اجمال کی تفصیل سنیئے آدم برسر مطلب
آپ سے اول ہم دیکھنا چاہتے کہ ہم قومی عمارت کے ایک حصہ میں بھی لگا رہے ہیں یا نہیں۔ اگر ہیں تو تحصیل علم کریں۔ کہ لئے
نہ رہیں۔ کالج میں پڑھیں باہر جانے کی وسعت نہیں تو گھر پر پڑھیں مکتب نہ آ جا جا کر دور کر خود نہ وہ جائے اس سے سبق لیں کوئی نہ ملے تو بیٹے
سے حساب کے گر ہی سیکھیں۔ اگر ایسے نہ رہیں ہیں جہاں کوئی پڑھا لکھا نہیں جو کام گاؤں میں ہوتے ہوں ان کو سیکھیں۔ ہل جوتیں۔ ہوا پر کام کریں۔
جو کچھ حاصل ہو۔ غرض کچھ کریں یہ کرنا اس سے بہتر ہے کہ ہم اس وقت کھڑوں کہ ہم کو وظیفہ ملے اور کالج میں جا کر پڑھتے۔
ہاں ہم آزاد ہیں گھر میں بیوی بچے بڑی بوڑھی ماں ہیں۔ ان سے کہ عیال ہے۔ تھوڑی سی معاش بھی ہے۔ جہاں ہم رہتے ہیں وہ شریف مسلمانوں کی
آبادی ہے جو نسبتہ تعلیم یافتہ بھی رکھتی ہے۔ ہمارا بھائی بھی ہے۔ دوست احباب بھی ہیں ہم کچھ لکھے پڑھے بھی ہیں بصحت کی بدولت مسلمانوں کی موجودہ
حالت دوسری قوموں کی حالتوں سے واقف رکھتے ہیں۔ ہو اب تو بے انتہا کام ہمکو کرنا ہے جس سے ساری عمر فرصت نہیں ہو سکتی ہم کو اول
سب سے اولی اور وسعت خیالی اور تحمل کی عادت اپنے نفس میں پیدا کرنی چاہئے اس کے ذریعے سے ہم ان لوگوں سے جن سے ہم کو سابقہ پڑے محبت
کر سکیں گے اور ان کے ساتھ مل سکیں گے۔ لفاظت شعاری سے زندگی بسر کرنے سے ہمدردی و محبت ملنے والوں کو ہمارا گرویدہ کر دے گی۔ لفاظت شعاری
آسانیاں طلب پیدا کرے گی۔ اب ہم گھر میں جاتے ہیں تو بیوی کو علم کا شوق دلاتے ہیں ضرورت ہو تو اس کو لکھنا پڑھانا سکھاتے ہیں۔ رسوم بے جا کی
برائی ذہن نشین کرتے ہیں احکام دین کی پابندی کی تعلیم کرتے ہیں۔ جو نقائص عورتوں کی طبیعت ثانیہ بن گئے ہیں ان کے مقابلے نرمی سے جا کر کرتے
ہیں۔ لڑکوں کی تعلیم کی فکر کرتے ہیں یعنی ان کو کم سے کم جو ممکن ہے لکھانے پڑھانے کی ترغیب دلاتے ہیں سینما پر دنیا چلنے کی ترغیب دلاتے ہیں۔ بڑھی ان سے بزرگانہ
بیتابی پیش آتے ہیں سعادت مندانہ بات چیت کرتے ہیں جو خدمت قابل سرانجام ہو۔ وہ انجام دینے ہیں مکان کی صفائی کا اہتمام رکھتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ
دیکھئے اس تھوڑی سی بات میں کتنی خدمتیں انجام دی گئیں۔ تعلیم نسواں، آبادی ترقی، صفائی، صحت۔ وغیرہ بہت سے کام کیے۔ دوست احباب سے ملتے ہیں
ان سے ان کا دکھ درد سنتے ہیں اُن کی خوشی سے خوش ہوتے ہیں ان کے۔ غ سے مغموم ہوتے ہیں۔ اور بے منافقانہ نہیں مخلصانہ چہرہ دیکھتے ہیں گران کو
کسی خدمت کی ضرورت ہے اس خدمت کو بخوشی اسعوبی انجام کرتے ہیں فرض کیجئے حامد دوست فوت حال ہے لڑکے کی تعلیم سے بے نکر ہے اس
کو اس حد تک توجہ دلائیں گے یا وہ بے بہا کچھ دے آپ اس کو اس کی ذہنی ترقی سے جتائیں گی نقصان خرچ ہے تو لفاظت شعاری کی ترغیب دیں گے۔ بیماری
ہے تو بے فائدہ کاموں میں صرف کرنے کا شوق دلائیں گے۔ دوستی علی ہذا اس کے ساتھ ہی یہ ترقع نہ کریں گے کہ ایک بار کی ذہانت و فہمائش بار آور

...ی ... سے مایوس ہوں گے کہ دوست نے ہماری نصیحت پر عمل نہیں کیا۔ وغیرہ کیجئے ہمارا دوست مفلوک ہے اس کی بے کسی ... یں۔ کچھ نہ ہو سکے تو اپنے ہمدرد انہ برتاؤ اور کلام سے اس کی مصیبت کسے ہلکے کرنے کی کوشش کریں یہ بھی تھوڑی ہمدردی نہیں شفقت کا برتاؤ رکھیں اس کی ... کریں اپنے ... اس سے حقوق کو ... کبھی تنگ دلی سے کام نہ لیں۔ اس طرح دوستوں ... کریں۔ فرصت کا وقت مطالعہ رسالہ علمی مشاغل میں ... کریں، شادی وغیرہ تقریبوں میں شریک ہوں تو سب سے اول ایسا ... کہ ... یہ تقریب کہ ہماری مہمانداری میں وقت پیش نہ آئے بلکہ مہمانی و آسائش کی فکر نہ کرے تو بھی ہم نہ جھگڑیں اور اس ... کر کے بچو ... مناسب حال الفاظ اس کے کان میں ڈال دیں جو مانا کہ اس تقریب میں ... کام بنائے تو آئندہ آئیں گے۔ یہ جو دوسروں کے لئے نظیر ہوگا۔ نظیر میں نہ ہوا تو ہم اپنے فرض سے ادا ہوں گے۔ نیز ایک پریشان حال نہ ... الصاحب تقریب بڑھائیں گے۔ ہمارے مطلب میں مسلمان ... یا ان ... مفاخرت ... کی ترغیب اس طرح دلاتے ہیں کہ جو ہمارا معاملہ اس ... رکھیں اور ان کے ساتھ مہمانوں کا سا ذکر کریں۔ موقع موقع سے ہمت استقلال کے متعلق دو چار لفظ بھی ان کے کان میں ڈالتے رہیں ... تاریخ کے مرتب کرنے کی کوشش کرتے رہیں۔ اس کے علاوہ سبق تحریراً و تقریراً سنائے زمانہ کو سناتے ہیں۔ بزرگوں کی علمی یا دستاس کے اندوختوں کو تمام و محفوظ رکھنے کی سعی کرتے ہیں اور اس سب کچھ کرنے کے بعد جب ... بالفرض اہم یہ دیکھتے ہیں کہ جو کچھ بالکل بار آور نہیں ہوئی بلکہ سب جگہ اکارت گئی تو پھر ہم خیال کر کے مطمئن رہتے ہیں کہ ہم نے اپنا فرض پورا کر دیا اور یہ اطمینان ہمارا مصروف رکھتا ہے۔ میرے مخدوم اگر ہم نے اپنی زندگی اس طرح یہ کی تو کیا ہم بے کار رہے اور کیا بیکار۔ ہی اس کا نام ہے ہو گا۔ ہو سکتا ہے ہو رائے بیجا معاف فرمائیں۔ والسلام ... خاکسار حبیب الرحمن

حبیب گنج ۴ جنوری ۱۹۰۲ء

۲

بنام خواجہ الطاف حسین حالی

جناب خواجہ صاحب سرآمد کملائے عصر

سلطنت کے خطاب پر اہل کمال کو مبارکباد دینا خالبا ایک سخت مرحلہ ہے میں نے کلکتہ میں ہتنے اور جیسے شمس العلماء گو آپ سے اہل کمال کو اس خطاب پر مبارکباد دینے کا حوصلہ کم پائی رہا ہے۔ جہاں غیر مستحقوں نے کسی نہ کسی طرح اس خطاب حاصل کی ہے وہاں مولوی فیض الحسن صاحب مولوی عبدالحق صاحب حیدرآبادی مولوی شبلی صاحب بھی کسی نہ کسی طرح اس زد میں ہیں پر شکوہ گروہ کو آنکھوں سے لگا کر آپکو شمس العلماء ہونے پر مبارکباد دیتا ہوں خداوند تعالیٰ آپ کے فیض کے اعوام عرصہ دراز تک ریسس رکھے۔

نیاز مند حبیب الرحمن

حبیب گنج ضلع علیگڈھ ۳۰ جون ۱۹۱۲ء

۳

بنام نواب صاحب بہادر مرحوم

جناب والا، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

والا نامے سے معلوم کیا۔ کل پنجشنبہ کو تصد رونگی تھا۔ گھڑی کے پانوں میں انگوٹھے کی رسیک گئی اس لئے دو روز کا توقف مناسب معلوم ہوا۔ اب کل انشاء اللہ شام کو بوقت صبح یہاں سے روانہ ہو کر شام کو پانچ بجے علی گڈھ سے ریل میں سوار ہونے کا ارادہ ہے۔ اس طرح انشاء اللہ دوشنبہ کو منصوری پہونچوں گا۔ کچھ ایک روز وہ ان آرام دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ راستہ سے انشاء اللہ بذریعہ تار جناب کو اطلاع بھیج دی جائے گی۔ بحمد اللہ کہ یہاں خیریت ہے۔ بفضلہ امید ہے کہ یہ بڑی مشتاق احمد سلمہٗ کو آپ دیکھ آئے کہاں اس آرہی ہوگی۔ نیاز مند حبیب الرحمٰن

۱۹۱۴ء

۴

بنام علامہ شبلی

مکرمی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

گرامی نامہ کا شکریہ۔ حضرت امیر خسرو کی لائف کا مسودہ آئندہ ایام اس اردو سے پیش نظر رہا ہے۔ علامہ شبلی مرحوم جب سیکرٹری تھے اس وقت بھی ترقیم دلائی گئی تھی اور بعض اہل علم نے وعدہ کیا۔ میں سیکرٹری ہوا تو یاد دلاتا رہا۔ اسی عرصے میں علامہ شبلی نے دو کورنیشیں کیں ایک تعلیم میں دوسری بیاض خسروی۔ بہرحال تکمیل ناقص نظر ہے جو معاد باقی رہ سکتا ہے حالات کے متعلق وہ صرف ہو چکا۔ جب تک کاوش سے اضافہ و مواد نہ پہنچایا جائے مزید واقعات نہیں مل سکتے۔ کلام کی بابت ایک کمیشن کالج میں ہو ری ہے اور بڑے پیمانے پر مہوری میں آپ گرکام کرتے ہیں تو سری نہ کیجئے ٹیرزٹو لیے شیر کچلنے کا سامان لیجئے ؎ عشق حقیقی است مجازی مگیر و ایں دم سراست بازی مگیر

مقصد دوسرا نہیں چونکہ آپ نے مجھ کو لکھا ہے اس لیے مسئلہ کاوشداری سے آگاہ کرنا میرا فرض ہے۔ حیات نگار کلام پر مفصل ریویو کرے گا اس لئے تعمق و وسیع مطالعے کی ضرورت ہوگی۔ ایک نقطہ خیال سے آپ اچھا کیا آپ ماہر ہے سکے ہیں امیر خسرو کی زاویہ پنیالی تھی بعینہٖ آپ ہی کے خلوے ہاشتے تھے۔

رباعی آپ نے کہاں دیکھی ہے مطبوعہ دیوان میں یا قلمی میں۔ کیا قلمی بقیہ نقبل کیا ہے یہاں جو مطبوعہ ہے اس میں نہیں ہے۔ قلمی مجموعوں میں سے نکالنا آسان نہیں۔ اس لئے صحت کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ظاہر غلط ہے۔ پہلے مصرع میں تو بوسلک تصغیر ہو سکتی ہے۔ دوسرے مصرعہ میں بوسلک ہے تو قافیہ کے لئے مرادف معنی چاہیے۔ یہاں قاطع میں یہ لغت نہیں ملا۔ چوتھے مصرع میں قافیہ تنگ نہیں

۱۵ مئی ۱۹۱۵ء یار محمد حبیب الرحمٰن حبیب گنج

(۵)

بنام سید محمد مظلوم عالم صاحب

مخدومی حبیب۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ

تمہارا یاد فرمانا۔ الحمد للہ کہ میں مع جملہ اہل و عیال خیریت سے ہوں اور آپ کے کاروبار میں مصروف ہونے پر شکر کے ساتھ جاری۔ ہذا ایک ایسی کامیابی ہے جو ہر قسم نقصان و تکلیف کی تلافی کر سکتی ہے۔ جو آفت آج عالم میں برپا ہے اس سے خدا و دانش کسی کو اس دنیا کی اجازت نہ دے گا کہ نسان سے محفوظ رہنا چاہتے۔ کام ہو کا تو نقصان بھی ہو گا نفع بھی۔ کام نہ ہو گا نہ نفع۔ کاروبار میں رہا، جو بھائی آپ کے پاس آتی ہے اس کو لیجئے کہ تے کبھی خواب بھی نہ دیکھئے۔ جائداد جاکر بھی شرفا پر معاش کے اعتبار سے بہت کچھ بند ہو چکے ہیں۔ اب یقین مانئے آپ کے مجرم خاندان کے مصائب پر حل و کفایت ہے۔ شہ باعث تباہی یا نفاق نہیں۔ اصول کی پابندی بنیاد کامیابی ہے (یا خدا) اصول جب ہی ہو گی کہ عنایت الٰہی شامل حال ہو) جو ہے کہنے۔ نظام زندگی درہم برہم ہو گیا۔ میں نے ابھی بھی فرنگی محل میں جاکر دیکھا۔ الحمد للہ کہ خاص اور چوک کے وسط میں وہ لا نام ہے کہ صدیاں گزر رہنے پر بھی گھسنے کی اب اجزا نہیں پہنچ سکی۔ وجہ محض یہ ہے کہ بزرگوں کے طریقوں کو دانتوں سے پکڑ برس کے لڑکے اطمینان کے ساتھ طلبا کو درس دیتے ہوئے میں نے آنکھ سے دیکھے اور کان سے اُن کا درس سنا آن کی آنکھ میں وہ ہوتے ہیں جو دیکھنے والوں کو یقین دلاتے ہیں کہ بے شک انظام الدین اور بحر العلوم اسی خاندان میں تھے۔ مولوی طفیل احمد میں نے نہیں پڑھی۔ سائنس سے مذہب کو کبھی نقصان نہیں پہنچا ہم کو جو کچھ نقصان پہنچا ہے اس سے کہ ہم نہ سائنس جانتے ہیں نہ مذہب سائنس حال سکال بتائیں پھر میں غور کروں گا کہ اس کے مذہب کو سائنس سے کیا نقصان پہنچ یم ہمیشہ خطرہ ایمان رہا ہے۔ نیا

حبیب گنج　۲۰ مئی ۱۹۱۵ء　　حبیب

(۶)

بنام سید مخدوم عالم صاحب

مخدومی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ پہنچا۔ چار مرتبہ رقعہ لکھے آئے۔ قلم ایک قلم ختم ہو گئی۔ ملیک کے صاحبزادے مع گاڑی کے تشریف لے آئے با قلمیں ہاتھ گئیں لے گئے۔ اس وقت باجان کو بلا کر کہہ دیکھو کر بھیجا تو یا کچ قلمدان کا پتا لگا روانہ کرتا ہوں۔ تعداد میں کم ہیں لیکن اعلیٰ ہیں۔ انشاء اللہ جو ہیں تعمیل فرخ آبادی درست کا ہیں یہ آخر فصل میں چل دیتا ہے روزمرہ لنگ بڑا آم ہوتا ہے ریشہ ہے۔ نارنگی ہار۔ امرود وغیرہ کی پروا کیا ان انتظام نہیں ہے۔ سیاز سہ حبیب الرحمٰن

حبیب گنج۔ ۱۶ ستمبر ۱۹۱۵ء

(۷)

بنام نواب عزت یار جنگ بہادر لشکر

جناب نواب صاحب سراپا لطف و کرم مدظلہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

عزیز گرامی قدر ناصر الدین احمد سلمہ کی شادی کی نوید آنے سے دل کس قدر خوش ہوا بیان نہیں۔ عزیز کی شادی میں آپ کی شرکت اخلاص محبت اور یاد فرمائی اس سے جو مسرت ہوئی کس بیان میں آسکتی ہے حاضری سے جسم تو قاصر رہے گا لیکن میرا دل اور روح آپ سے اور عزیز سلمہ کے ساتھ ہے۔ اللہ تعالیٰ تقریب سعید مبارک فرمائے۔ نیاز کیش عزت یار جنگ

حبیب گنج۔ ضلع علی گڈھ۔ ۴ر جنوری سنہ ۱۹۲۲ء

(۸)

بنام نواب عزت یار جنگ بہادر

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ

میں پیر ہفتے کی عادی رخصت پر کل ۱۰ بجے ان شاء اللہ روانہ ہوں گا کل شام دوپہر ۱۲ اور ۱ بجے کے درمیان آپ کے جگہ پر حاضر ہوں گا۔ اگر اس وقت مثل یکسہ بابا شاہ مسافر قدس سرہ موجود رہے تو زیادہ خیالات باسانی مکمل ہوگا۔

مجھ کو افسوس ہے کہ ایک بار آپ نے یہاں تشریف لانے کی زحمت گوارا نہ فرمائی۔ خیر دوست ملاقات کی نہ چھپی۔

لیک ویو۔ ۱۱ جولائی سنہ ۱۹۲۱ء　　نیاز مند حبیب الرحمٰن

(۹)

بنام سید علی حسن مرحوم

جناب مکرم۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ شکر کرم

بخیر اللہ من الخیر میں یہاں پہنچ گیا۔ مسئلہ کی حاضری کا قصد مصمم ہے ان شاء اللہ تعالیٰ ۳ بجے کا تعین کر کے عرض کروں گا۔ اگست کے اول ہفتے میں وقف کرنال کے ٹرسٹیوں کی میٹنگ طلب کی ہے آپ کی شرکت ضروری ہے۔ اہم مسائل پیش ہوکر طے ہونے ہیں۔ تقسیم دہیہ پھر عمل میں آئے گی۔ والسلام　　نیاز مند حبیب الرحمٰن

حبیب گنج ۱۸ر جولائی سنہ ۱۹۲۳ء

(۱۰)

جناب نواب صاحب مکرم۔ السلام علیکم

پھولوں کی کشتی پہنچی۔ دل و دماغ پھولوں کی خوشبو سے اور شام جان الطاف کی مہک سے معطر ہے۔ دل و دماغ اور جان سے سب ادائی شکر ہیں تو زبان ہی کر سکے کئی وقت پھولوں کی خوشبو سے مہکتے رہے۔ امید ہے کہ مزاج سامی فرحت و فیت ہے۔

[illegible]　　احمد منزل۔ معلوتہ ۵۔ اپریل سنہ ۱۹۲۵ء　　نیاز مند حبیب الرحمٰن

(۱۱)

بنام علامہ عبدالعزیز میمن

مکرمی و زالفضائل۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

۱۔ دو بہر کا عرضداشت نامی نہ پہنچا معلوم ہوا۔ فرمائی ہوں اس سے مسرت ہوئی کہ آپ کا تقرر مسلم یونیورسٹی میں ہو گیا۔ مبارکباد قبول فرمائیے اور میری تشکر و امتنان۔

۲۔ اگر ممکن ہو تو آپ کے طلبا میں ذوق اسلامی و علمی پیدا ہو۔ اس کی وہاں بہت کمی ہے بلکہ فقدان ہے

۳۔ مولانا سید سلیمان اشرف صاحب سے اکثر نیاز مندانہ ملیئے۔

۴۔ وہاں کی تلوین سے خود محو نہ ہو جیئے اور دل کو علمی رنگ کا شائق بنایئے۔ ان شاء اللہ دو سہ کی اور خرمن علم و ادب ان کے آگے پیش نظر ہیں۔ انشاء اللہ اجازت طبع عنقریب بھیجتا ہوں امتحان کی بقیہ کل اجزا آ جائے۔ انشاء اللہ ساتھ ہی بھیجا جائیگا۔ اجرت کتابت اور جو کی مرمت کھٹکھٹائیے کو پھیر کھٹکھٹائیگا۔ کتاب اچھی ہے نقل و کتاب ہو جائے تو خوب ہو

۵۔ پارٹی لیکنگ سے بہت محنت بہمہام کے ساتھ محترز ہیں۔ اسی طرح مذہبی مناقشہ سے

امید ہے کہ آپ مع اخبار علی گڑھ پہنچ چکے اسی لئے انہیں کے پتے سے خط بھیجتا ہوں۔

حیدرآباد ۱۵ نومبر ۱۹۲۵ء نیاز مند حبیب

(۱۲)

بنام نواب رفعت یار جنگ مرحوم

جناب نواب صاحب مکرم سرپاکرم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ شکر کرم

الحمد للہ عافیت ہے اور عافیت سامی کی دعا۔ زحمت فرمائی کی مطلق حاجت نہ تھی ۔ ارشاد سابق پاکر حاضر خدمت کر چکا تھا۔ اب دوسرے حکم کی بھی انشاء اللہ تعالیٰ تعمیل بالراس والعین ہو گی۔

جو مقصد عالی پیش نظر ہے اس کی کنہ کو پہونچنے کے لئے آج سے ۴۵ برس پہلے ندوۃ العلما قائم ہوا تھا۔ شروع میں میرا نام ہے۔ اسی مجلس کی فرمائش سے وہ کتاب علمائے سلف لکھی ہے جس میں ایک خاص باب علمائے ماضی کی اس بین مستند روایتوں سے دکھایا ہے کہ علمائے امت مختلف فرقوں کے علما کے ساتھ کیا برتاؤ فرماتے تھے۔ فرقوں کا امکانات سے خارج ہو لیکن باہمی نفرت اور عداوت تو بہت کچھ کم ہو سکتی ہے۔

۲۔ یہ ارشاد نہ ہوا کہ بیان کس وقت ہو گا۔ بہر حال میں مہینے انشاء اللہ حاضر ہو جاتا ہوں۔ اس کے بعد اگر اس سے پہلے حاضری پیش نظر ہو ارشاد فرمایا جائے۔ نیاز مند حبیب الرحمٰن

امید منزل۔ ۳۰ ستمبر ۱۹۲۷ء

(۱۳)

مکرمی۔ السلام علیکم

۱۲ نومبر کا عنایت نامہ پہنچا ممنون ہوں۔ میرا نسخہ کلیات میر حسن کا یہاں نہیں ہے میرے ماموں کی کتاب خانہ ہی مقام حبیب گنج ہے یہ آپ کا خط مہتمم صاحب کتاب خانہ کے پاس بھیجا ہوں۔ وہاں سے تعمیل کئے پر انشاء اللہ مفصل جواب ملے گا۔

امید ہے کہ آپ مع الخیر ہیں۔

نیاز مند حبیب الرحمٰن

حیدرآباد ۸ دسمبر ۲۵ء

(۱۴)

[illegible] سید علی صاحب

جناب قدوۃ الفضلا عمدۃ العلما السلام علیکم ورحمۃ اللہ

جناب کے استاد بھائی مولینا سید سلیمان اشرف صاحب کا رسالہ المبین "ہدیۃً" ارسال خدمت ہے اس کی نسبت جناب کی گرانمایہ رائے مولف فاضل کو مطلوب ہے۔ اگر اوقات گرامی میں سے کچھ وقت نکالکر مطالعہ فرمایا جائے اور اپنے تعمید ہو تو عنایت کرتے ہوئے تو مزید کرم۔

نیاز مند حبیب الرحمٰن

امید منزل، ۱۵ نومبر ۱۹۲۹ء

(۱۵)

[illegible] سید علی صاحب

قدوۃ الفضلاء و العلما جناب مولینا سید شیر علی صاحب مدفیوضہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

امبیر شریف میں مولینا سید سلیمان اشرف صاحب سے ملاقات ہوئی تھی۔ المبین کی بابت اپنی رائے گرامی کا انتظار بار بار ظاہر فرمایا اب مکرمت نامہ آیا ہے۔ حافظ احمد حسین خان صاحب کریم کی یاد دہی کا ارشاد ہے۔ چنانچہ تعمیل حافظ صاحب آئے ہیں۔ امید ہے کہ کامیاب واپس ہوں گے۔

نیاز مند حبیب الرحمٰن

حیدرآباد ۲۲ دسمبر ۱۹۲۹ء

(۱۶)

جناب نواب صاحب۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ شکر کرم

الحمد للہ مع الخیر ہوں۔ چہار شنبہ کی شب نواب صاحب میرزا یار جنگ بہادر کی دعوت میں پہلے سے مصروف ہے۔ چہار شنبہ کو ورنگل جانا

[illegible] میرے نام لندن میرے استفسار کے جواب میں بھیجا گیا تھا۔ مولانا مفتی شیر علی مرحوم جامعہ عثمانیہ کے شعبہ دینیات میں استاد تفسیر تھے مولانا سید [illegible] شرف مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کے استاد دینیات۔ مولانا نظام کالج حیدرآباد کے استاد دینیات ہیں مرزا یعسوب اللہ بیگ مرزا یار جنگ چیف جسٹس حیدرآباد

سے چارشنبہ زادہ دیر کوشش سے حاضر ہو سکتا ہوں۔
امید ہے کہ مزاج سامی قریب عافیت ہوگا۔ بندہ حبیب الرحمٰن
غرہ ربیع الآخر ۲۸ نومبر ۱۹۳۲ء

(۱۷)

بنام [illegible]

حضرت کا یہ والسلام علیکم [illegible]
انشاء اللہ [illegible] کو حاضر ہونگا اور حق بھی ہمرہ ساتھ ہی اگر اجازت ہوئی تو ان کی ساتھ لاؤں گا۔
۲۰ نومبر ۱۹۳۲ء حبیب الرحمٰن

(۱۸)

بنام فصیح الدین ہاشمی

مکرمی السلام علیکم [illegible]
رسالہ کی آپ کا [illegible] سے ملے ہی بعض نمایاں فقرے چن کر ممنون کیا تھا یہ مضمون [illegible] بدلنے سے [illegible]
[illegible]
[illegible] بھیجوں جہاں تک کیا جائے کہ معاوضہ [illegible]
[illegible] سادہ حبیب الرحمٰن
حبیب گنج ۲۵ جون ۱۹۳۲ء

(۱۹)

بنام عبدالدین ہاشمی

[illegible] السلام علیکم
[illegible] رسالہ میں [illegible] شعرات اردو کا ایک مایاب ذخیرہ ہیچا ہوا ہے [illegible]
رسالہ [illegible] سے سات آگئے
[illegible] کے [illegible] اور [illegible] میں [illegible] اور [illegible] نے گرمی شوق کو کہ نہیں [illegible]
گرمی [illegible] ہے۔ حبیب الرحمٰن
حبیب گنج ۱۲ دسمبر ۱۹۳۲ء

(۲۰)

[illegible]

کرم فرما۔ السلام علیکم

شکریہ واپسی۔ کرم، ابھی صاحب سے دیرینہ تعلقات ہیں حیدرآباد کی حاضری کے زمانے میں خوب تعارف رہا کلام کو زبان دانوں میں سراہا جاتا ہے سب سے ابتدائی مجموعہ رباعیات سے لے کر اب تک کا کلام بابر سامعہ نواز جہاں پور رہا ہے۔

آپ نے ان کے کلام کا مجموعہ شائع کیا خوب کیا ایک بڑے خیر سے بہرا نیچے ایک بہانے استاد کا لکھا ہوا ہے۔ زاہد صوفی ہیں ان کا کلام بھی سادہ انداز میں شائع ہوتا۔ آج کل کی علامہ نما اس کے مناسب سرقی سمجھ نہیں پاتے ہیں کہ آسان سے کلام کا مشکل ہونا نہیں سمجھ گئے ظاہر ہیں نہ سمجھے ہوں گے جب سمجھتے کہ سوفیا ہ جلوہ پیش نظر ہوتا اپنی فہم اس انداز سے انبساط کی جگہ انقباض محسوس کریں گے۔

حبیب گنج ۲۰ اگست ۳۴ء

(۲۱)

[illegible] محمد صاحب بدایونی

مرم فرما۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تلطف کرم نامہ۔ دیوان موصول ہونے کا شکریہ۔ ایک ادبی خدمت عمدہ صورت میں ادا ہوئی حکیم مرس خاں اور ہاروں گے رکن ہیں اور بزم ہیں سدا نشین ہیں۔ ان کے کلام کا اس صفائی صحت اور خوبی سے شائع کرنا سارے اہل ذوق کی مسرت کا باعث ہوگا۔ ہر اک اللہ والی کسی متقی کا قول آپ نے نقل کیا ہے۔ اس دیوان کو دیکھ کر وہ راستے واپس لے گا کاش وہ یہاں آئے ہوتا تو میں دکھاتا۔ اردو دیوان کس اہتمام سے لکھے اور چھاپے گئے ہیں۔ خدمت میں کتابی ہوئی اگر معاونوں کی طرف توجہ دلاؤں۔

تعارف اس وقار کے علاوہ ہے جو ایک علمی حامل میں ہونا چاہئے آج کل کے بے مایہ لوگ ہوس خود ستائی کر اس سے پیدا کرتے ہیں آپ نے ان کی تقدیموں کی

شرح لی گراں باری نے دیوان کو ایک کوہ کنی کتاب بنا دیا۔

دیوان کے پانچ نسخے مجھ کو اور بیچ دیجئے۔ سایۂ حاضر کی پائے گی کہ کبھی بنارس پہنچی اللہ داد صاحب کے پاس پہنچ جائے گا۔

حبیب گنج ۔ ۳۱ اکتوبر ۳۴ء　　نیاز مند حبیب الرحمٰن

(۲۲)

[illegible] ہاشمی

عنایت نامہ کرم فرما۔ السلام علیکم۔

دو رسالوں کا پیکٹ پہنچا ممنون الطاف ہوں۔ آپ نے مجھ کو یاد رکھا اور فراموشی سے نجات دی کیا کہا جائے۔ اس کا حامل حاضر ہوں۔

رسالے دو نو مفید و سعادت آفریں ہیں "مکتوبات امجد" نے دولت یاد دلایا جب ابتداً احباب کی اشاعت ہوئی تھی۔ عہد انجد سے ملاقات کا سلسلہ قائم رہا تھا۔ جزا خرقہ پوش کی ہے مسلسل اضافہ ہا۔

امید ہے کہ مزاج سامی قرین عافیت ہوگا۔ بحمداللہ یہاں خیریت ہے۔ نیازمند حبیب الرحمٰن
حبیب گنج ۲۴ جنوری ۱۹۳۶ء

(۲۳)

بنام ہاشمی صاحب

مکرمی ناظم صاحب کتابخانہ ریاست۔ السلام علیکم

شکریہ یاد فرمائی۔ یہاں کی کتابوں کی متعدد نوعیت کی فہرستیں مرتب و مکمل تو ہیں مگر مطبوعہ نہیں ہیں۔ اگر ہوتیں تو ہمہ وہاں یہاں دیوبند میں ناقل کا اہتمام بھی دشوار ہے۔ اگر وہاں سے ناقل آسکے تو نقل آسانی سے ہوسکے گی۔ کوشش کی جائے گی کہ تکلیف نہ ہو۔ حال میں ایک عالم کتابخانہ آصفیہ حیدرآباد دکن سے آکر مواد فہرست لے گئے ہیں۔ نیازمند حبیب الرحمٰن
حبیب گنج ضلع علی گڑھ۔ ۲۸ جون ۱۹۳۶ء

(۲۴)

خدمت نواب صاحب صدر الطاف و کرم مدالطافہ۔ السلام علیکم

کارڈ تقریب عزیزہ سلمہا کا آیا۔ یاد فرمائی کا دل شکر گزار ہے۔ جسماً تو شرکت سے مجبور رہا لیکن میرا دل آپ کی مسرت
اللہ تعالیٰ اہل بیت اطہار کے صدقے میں یہ تقریب مبارک فرمائے۔ عرصہ دراز تک دولہا دولہن شاد و کامیاب رہیں۔
بارک اللہ علیہما و جمع بینہما بالخیر　　نیازمند حبیب الرحمٰن
حبیب منزل علیگڈھ۔ ۱۶ نومبر ۱۹۳۶ء

(۲۵)

بنام نواب سید شمس الحسن صاحب خلف جناب نواب سید علی حسن صاحب

عزیز گرامی قدر سلمہ اللہ تعالیٰ! السلام علیکم و رحمت اللہ و برکاتہ!

آپ کے والد ماجد اور اپنے مہربان مخدوم نواب صاحب کی خبر رحلت سے دلی افسوس ہوا انا للہ و انا الیہ راجعون
نواب صاحب کی خدمت میں دیرینہ نیاز تھا جس کے باعث علامہ شبلی مرحوم ہوئے تھے۔ اس دوران میں مرحوم کے جا
وہ ہمیشہ نقش دل رہیں گے۔ ہر ملاقات میں حسن اخلاق اور خلوص محبت کا اثر دل محسوس کرتا تھا۔
ندوۃ العلماء کی نظامت جس بے لوث اور خلوص سے کی وہ یادگار ہے۔ جس وقار اور شان سے زندگی بسر کی وہ مثال
تعالیٰ مرحوم کو جنات الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ آپ کو اور جملہ پس ماندوں کو صبر جمیل اور اجر جزیل بخشے۔ نیازمند حبیب الر
حبیب گنج ضلع علیگڈھ۔ ۲۴ نومبر ۱۹۳۶ء

(۲۶)

بنام سید محمد منشی بہار پٹنہ

جناب من السلام علیکم

محض واقعات گزارش ہونے کی معافی چاہ کر چند سطریں ایک ملکی تعلیمی ادارے کے بارے میں لکھنا چاہتا ہوں۔

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڈھ کے اغراض و مقاصد اور حالات جناب کو معلوم ہیں۔ ان کا تنقیح اور فات کے سبب سے ارتقاب ہوگا۔ اس کانفرنس کے اجلاس سالانہ ہندوستان کے نام صوبوں کے دارالصدر کے علاوہ بہت سے اضلاع اور ایک سے زیادہ اسلامی ریاستوں میں ہو چکے ہیں۔ کانفرنس کے خادموں کی دلی آرزو ہے کہ اس کا سالانہ اجلاس صوبہ بہار کے مردم خیز و علم پرور دارالصدر پٹنہ میں بھی دیکھتے۔ اور وہاں کے اہل علم اصحاب کی رایوں سے مستفید ہوتے۔

بہت عرصہ ہوا کہ ہندوستان کے علماء کی مشہور انجمن ندوۃ العلماء کے اجلاس میں پٹنہ حاضر ہونے کا مجھ کو بھی شرف حاصل ہوا تھا۔ اس وقت کی یاد میرے دل میں خصوصاً یہ تقاضا زور رکھتی ہے کہ زندگی میں ایک بار وہ موقع حاصل ہوتی۔

اجلاس کے متعلق مزید تفصیل نظامی صاحب اور سید الطاف علی صاحب پیش کر سکیں گے۔

۲۵ اگست ۳۶ء نیازمند حبیب الرحمٰن

(۲۷)

بنام

کرمی۔ السلام علیکم

میرے کتب خانہ کے مہتمم کا جواب آیا۔ انکی علالت کی وجہ سے جواب میں دیر ہوئی

نتیجۂ اطلاع حسب ذیل ہے۔

کلیات حسن اردو:۔ اول:۔ قصائد: منقبت و امرا کی مدح میں۔

مثنویاں:۔ سحر البیان در رموز العارفین۔ در مدح قصر جواہر۔ در بیان شادی۔ ہجو جیلی گرنی صفت چاہ۔ ہجو خاک۔ در صفت مویہ۔ تعریف بار جیخانہ۔ در تعریف فیض آباد۔ مدح جواہر علی خاں۔ تہنیت عید۔ متفرق ۳۔ جملہ ۱۵ مثنوی۔

اس کے بعد غزلیات۔ مخمسات۔ مسدسات۔ قطعات رباعیات۔ واسوخت۔

تفصیل بالا سے معلوم ہوگا کہ نگلستان کے نسخے سے میرے یہاں کے نسخے میں کلام زیادہ ہے۔ البتہ مثنوی گلزار ارم کا نام مہتمم نے نہیں لکھا۔ امید کہ آپ خیریت سے ہیں۔ الحمد للہ یہاں عافیت ہے۔ نیازمند حبیب الرحمٰن

حیدرآباد ۶۔ جنوری ۱۹۳۵ء

(۲۸)

بنام عرشی صاحب

کرم فرما۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

اول شکر عنایت نامہ کا اس کے بعد مکاتیب غالب کا

مکاتیب دیکھ رہا ہوں۔ بڑی اہم خدمت ہوئی۔ ریاست رام پور کی قدیم شاہی عمارت پوری کے شایاں۔ مرزا نفیس مدار المہام کے عہد کی گرامی پایہ یادگار ہے۔ دلی تمنا ہے کہ بہت سی ایسی یادوں کو یا مسلسل بیان کریں۔ چیف منسٹر صاحب کے توجہ نے بڑی مدد کی، ورنہ کہیے کہ پروان چڑھایا۔

آپ کی دیدہ ریزی اور محنت اور آپ کے معاونوں کے خدمت لائق تحسین و تشکر ہے۔

یہ کام رام پور ہی میں ہونا تھا اور وہ بھی آپ سے نکتہ سنج کے ہاتھوں سے

آفریں دست و بازوئے تو　　نیازمند حبیب الرحمٰن

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۱۴ مارچ ۱۹۳۵ء

(۲۹)

بنام عرشی صاحب

کرم فرما لطف گستر۔ السلام علیکم

رامپور مکاتیب غالب صفحہ ۱۰ تک پڑھ لی۔ آپ کی کوشش بلیغ کا دل نے مزید اعتراف کیا۔ اللہ تعالیٰ سے اجر عظیم اور انعام جزیل کا شکر ہو۔

بعد دیدہ ریزی آپ نے واقعات کے تحقیق کرنے میں جو محنت کی ہے وہ مقتضی ہے کہ ایک واقعہ کی طرف تو اولاً صاحب کے ذخیرۂ کتب کے بابت رسمخط ۱۰ اشارہ ہے۔ یہ پورا ذخیرہ الخ عرض یہ ہے کہ بہت سا حصہ باقی ہی رہ گیا تھا۔ جو حصے کو مولوی شبلی صاحب مرحوم نے بھی بہت سی کتابیں اس ذخیرے سے دیکھی تھیں اور اس بنا پر موصوف فرمایا کرتے تھے کہ اگر اس کا کھو جانے تو اس کی وسعت پر لوگ حیرت کریں۔

سات نسخے مختلف علوم کے اور اس ذخیرے کے یہاں بھی ہیں۔ جن چکیم مظفر حسین خاں کے دو نسخہ علاوہ جہ[illegible] بیع الدولہ کی بن آئے ہے۔ مزاج گرامی کی عافیت کی دعا پر ختم کلام ہے۔　　نیازمند حبیب الرحمٰن

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۲۵ مارچ ۱۹۳۵ء

(۳۰)

بنام عرشی صاحب

کرم فرما کرم گستر۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔

۳۰ مارچ کے عالی نامے کا سپاس اور دلی شکریہ۔ کیوں کر مشکور و کرم پذیر ہوں جان پر دے پر

یقینی فرمائیے اشاعت کی طرف جو توجہ مبذول ہوئی ہے، فرمائیے کہ رات کا کیا حصہ ہے، اس مرتبہ علمی مضامین کا کیا تناسب ہے، شائع ہونے والی کتاب الاجناس کا مخطوطہ دریافت ہونے تصحیح، تحشیہ کا کون شخص ہوں والسلام مع خیر السلام

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۱۴ اپریل ۱۹۳۸ء

(۳۱)

صاحب

سراندہ، دیا کرم، رامپور لطفہ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

غلام مصطفےٰ خاں الیم اے (علیگ) رامپور آتے ہیں۔ سید حسن غزنوی کے متعلق ریسرچ کر کے پی ایچ ڈی کی ڈگری (یعنی چاہتے ہیں۔ پہلے بھی اس سلسلے میں آتے رہے ہیں۔ سرمایہ تمام ہو گیا تھا۔ رامپور آئے ہیں خاکہ از قرار ذیل ہے۔ [illegible] اب [illegible] اگرچہ اسلت کر چکے ہیں تاہم میرے شوق ہم کلامی نے ان چند سطور کو [illegible] پایا وہ کہ

امید ہے کہ آپ بخیر اپنے مشاغل عزیز میں مصروف ہونگے۔ الحمد للہ خیریت ہے۔

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۱۴ اگست ۱۹۳۸ء

(۳۲)

صاحب

کرم و کرم فرما جناب عرشی صاحب [illegible] السلام علیکم ورحمۃ اللہ

غلام مصطفےٰ خاں، جو سید حسن غزنوی کے کام کے ریسرچ کے لئے رامپور آئے ہوئے تھے اُن کی نگرانی سے معلوم ہوا کہ دیوان حسن کے نور کی رشتے بنے نتائج بخانہ ریاست میں ہیں روپے سے ممنون ہوں گا اگر آپ توجہ فرما کر ان کی نقل بعد نماز ظہر یہاں آجائے۔ اجرت دار ہوگی۔

امید کہ مزاج گرامی بفضلہ عافیت ہوگا۔ مشاغل حسنہ میں مصروفیت ہوگی۔ الحمد للہ یہاں بھی بہر و عافیت ہے

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۱۰ دسمبر ۱۹۳۸ء　　نیاز مند حبیب الرحمٰن

(۳۳)

صاحب

کرم فرما سلمہ، کمترین السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

افغانیہ محمد حسن صاحب رئیس کے عمائد اہل صلاح و علم سے ہیں۔ علم کے شائق رامپور تشریف لائے ہیں۔ ارادہ تھا بھی محکمہ [illegible] ذریعے سے آپ سے ملاقات کا موقع نکالوں۔ آپ کے اخلاق کریمہ و علم دوستی کے سبب سے شرف تعارف کی ضرورت نہ تھی۔ امید تھا کہ اچھی طرح آپ سے ملاقات ہو جائے گی۔

امید ہے کہ آپ بخیر ہونگے۔ الحمد للہ یہاں خیریت ہے۔　　نیاز مند حبیب الرحمٰن

۱۶ جنوری ۱۹۳۹ء

(۳۴)

بنام عرشی صاحب

کرم فرمائے لطف گستر۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

شکر کرم بیشمار بہت دقیع ہے۔ اگر میرا علم محدود کوئی تصنیف میرے پیش نظر نہیں جو گزشتہ کتابوں کے بابت اس لئے بھیجوں۔

ایک مختصر گزارش۔ میدان ریڈیو ستان امتیاز نہیں رکھتا والسلام بالاکرام　　نیازمند حبیب الرحمٰن

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۱۵ مارچ ۱۹۴۰ء

(۳۵)

بنام علامہ کیفی چریاکوٹی مرحوم و مغفور

مولوی صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

الطاف نامہ اور تصنیف دو مہینے سے پیش نظر ہے۔ لطف افزا ہے کیف آفریں ہے۔ تاخیر ضرور قابل گرفت ہے مگر عذر بھی ہے۔

نظم سے ایک بار زیادہ مستفید ہوا۔ کلام کی خوبی نے گرویدہ کیا۔

ممدوح کی بے لاگی مدح پر شرمندہ۔

بہرحال اس دور میں فارسی کا قصیدہ اس روانی و برجستگی سے امداح کرنا قابل صد آفرین ہے۔

مجھ جیسے ناشناس کی تحسین و آفرین ہیں اہل فہم۔ سخن شناس کے صد آفرین کے لائق ممنون کرم ہوں اور شکر گزار ہوں

۳۔ جون ۱۹۴۰ء

(۳۶)

بنام عرشی صاحب

کرم فرمائے لطف گستر مدالطافہم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

منشی محمد حسین صاحب نے مقالہ سامی لاکر مجھ کو دیا۔ تفسیر کے متعلق عجالت مکالمہ سے میں نے پڑھا۔ روح فرحت سے ضلیم ہے۔ بارک اللہ۔ دل تمنا ہے کہ اور نسخے اور نسخہ کتابخانہ کمل ہو کر شائع ہو۔ ہزائنس نواب صاحب بہادر نے اشاعت علم کا بڑا علمی کارنامہ ہوگا۔

کمد مبارک۔ دوسری صدی ہجری کی تالیف تفسیر کی اشاعت بڑا کارنامہ ہوگا۔ انشاء اللہ

منشی موصوف نے یہ مژدہ بھی سنایا کہ حبیب گنج میں طاقات اور معائنہ کتابخانہ آپ کے پیش نظر ہے۔ اچھا و بہلا مرجا۔ بوقت فرصت ضرور قصد کیجئے۔ دلی مسرت حاصل ہوگی۔ امید ہے کہ مزاج سامی مع الخیر ہوگا۔ الحمد للہ تعالیٰ یہاں

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۷ فروری ۱۹۴۱ء　　نیازمند

(۳۷)

عرشی صاحب

کرم فرما صاحب افضل عرشی دامت عنایاتہ کو فرشی خاکسار کا سلام

گرامی نامہ پہنچا۔ بندہ لطف و کرم ہوں۔ مقالہ پڑھا غور سے دل لگا کر پڑھا کسی ترمیم کی ضرورت محسوس نہ ہوئی لہٰذا معلوف کو بھیجا جا رہا ہے ممنون ہوں کہ مقدمے میں میرا ذکر لطف خاص سے فرمایا گیا۔ مختصر کے متعلق میں نے کہا تھا کہ آپ نے بھی کی تحقیق کا قدم آگے بڑھایا ہے کم

الفضل و السلام ختم الکلام　　نیاز مند حبیب الرحمٰن

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۵ اپریل ۱۹۴۱ء

(۳۸)

بہار دہلی صاحب

عرض با اتمیانہ کی خدمت میں فرشی نیازانہ کا سلام

اس وقت پروفیسر شیرانی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوں۔ آج کل قدرت اللہ شوق کا تذکرہ طبقات الشعراء حسب فرمائش انجمن ترقی اردو ایڈٹ کر رہے ہیں۔ ۴ نسخے موجود ہیں تاہم مزید نسخہ مطلوب ہے۔ کتاب خانہ ریاست رام پور میں نسخہ مزید ہوگا۔ اگر آپ شیرانی صاحب کو ذیل کے پتے پر آگاہ فرما دیں۔ مجھ کو اس کا اطمینان ہے کہ آپ کا شوق امتحانی مدد میں دریغ فرمائیں گے اس لئے مزید تحریر غیر ضروری ہے والسلام ختم الکلام۔

نیاز مند حبیب الرحمٰن

لاہور ۱۵ اپریل ۱۹۴۱ء

(۳۹)

دہلی صاحب

کرم فرما لطف گستر مدالطافہم السلام علیکم

باعث تکلیف دہی یہ کہ کتاب شرح صدر شہید علی ادب القاضی امام ابی بکر عناف کتاب خانہ ریاست میں ہے یا نہیں حیدر آباد میں اس کے طبع کا اہتمام ہو رہا ہے۔ دونوں نسخہ مطلوب ہے۔　　نیاز مند حبیب الرحمٰن

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۲۴ جولائی ۱۹۴۱ء

(۴۰)

دہلی صاحب

کرم فرما لطف گستر محقق فرخندہ پایہ عرشی صاحب۔ اسلام علیکم

المعارف ۱۲ لالٹی۔ اگست ۱۹۴۱ء میں آپ کا محققانہ مضمون پڑھا شوق انگیز و لطف بخش آپ کی تحقیق اور انداز بیان سے ہمیشہ پیدا ہوتی ہے۔ یک سے زائد ہو پر لطف افزا بلکہ سبق آموز بھی۔ عجب سے اول حیرت یہ ہے کہ صدیوں کی نجی زندگی کے بعد متکبر کس قوت سے غایاں و عیاں ہو رہا ہے۔ حاسس پر ہوئی کہ ظہور الامر قوت کے پرتو سے روز روشن کی طرح نکلا۔ اور جو پردہ چھپانے کے لئے ڈالا گیا تھا وہ ظہور تام کا باعث ہوا۔

اس کے بعد مستشرقین سے جو اضطراب ہوا وہ بھی سبق آموز ہے۔ آج دار المنا لیکہ نام نہاد اہل تحقیق ریوا مدد اپنے ہے ہیں۔ عرشی نے اپنے خیال کے بلندی قائم رکھی۔

الآخر آپ نے کرنی کی تحقیق میں جو مراتب و مدارج طے کیے وہ قابل مبارک باد ہیں۔

آپ کے مضمون کو پڑھ کر پورا اطمینان ہو جاتا ہے کہ طبرکزہ شاعر اور مؤلف شرح ظہور الاسرار ایک ہے

معلوم کی روشنی آپ کی تحقیق سے شاد ہوئی ہوگی۔ جزاکم اللہ تعالیٰ

تھوڑی سی خود نمائی معاف۔ آیۃ الاسرار کا ۱۰ الریڈ کو طبیعت مشتاق مطالعہ ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ اس کی نقل کا اہتمام ہو سکے

کتابخانہ ریاست سے یہ کتابخانہ فیض حاصل کر چکا ہے۔ والسلام والاکرام　　نیاز مند حبیب الرحمٰن

حبیب گنج صلع علی گڑھ ۲۳ اگست ۱۹۴۱ء

(۷۱)

بنام عرشی صاحب

کرم فرما کرم۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔

شکر کرو۔ سروست ہوم منسٹر صاحب کا نام تجویز نہ ہوا۔ تاکہ خط لکھنوں اس تفصیل سے ممنون کیجیے گا معمولی خط کی بیاض کاغذ عمدہ اور مضبوط کس لاگت میں ہاتھ آئے گا۔

اس کے بعد اصحاب مفصل پیش ہوگا۔ والسلام ختم الکلام　　نیاز مند حبیب الرحمٰن

حبیب گنج صلع علی گڑھ ۴ ستمبر ۱۹۴۱ء

(۷۲)

بنام مالک رام

عنایت گستر مہربان

خط پڑھ کر کس قدر خوشی ہوئی۔ کیا بیان کروں۔ جب عرصہ تک کوئی خط نہ آیا تو جا معلیہ سے دریافت کیا جواب شافی میں کسی وقت مالک رام پر نظر پڑی۔ دل خوشی سے اچھل گیا کہ مطلب پا لیا۔ اس سے اور زیادہ خوشی ہوئی کہ باوجود دوری ملک میں کر رہے ہو۔

مفتی ثناء اللہ کا کتاب سراج المعرفت میرے یہاں نہیں ہے رعایت کی بیچ آہنگ مطبوعہ مطبع نور الہدیٰ ہے۔ تذکرہ گلشن کا صحیح کردہ چھپا ہوا نہ ہے۔ مگر مطبع کا نام نہیں۔ انتہا یہ کہ اسٹیل پیچ بالکل سادہ ہے۔ لیکن جا بجا گیرا آباد ہی میں چھاپا گیا ہے۔ اس کے عبارت آرائی سے قطع نظر کر کے مطلب کے الفاظ لکھ رہے ہیں۔

ایزد سخن آفریں راستایش و آفرینندۂ کلام ہیں را نیایش کہ تاریخ دوم شہر شوال المکرم ۱۲۵۲ھ یک ہزار دو صد و پنج ہجرت سرجار انبیا صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم ایں جام جہان نما... بر سوم بہ گلشن بیخار... بیسانتہ و پیوانتہ... نواب [illegible]

اس عبارت بالا کے شروع کرنے سے پہلے یہ الفاظ لکھے ہیں "نقل کتبہ کاتبہ" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس نسخے سے یہ نسخہ چھاپا گیا وہ نواب صاحب کا لکھا ہوا تھا۔ تالیف تذکرہ کا سال ۱۱۸۳ھ ہے۔

الحمد للہ خیریت ہے آپ کی صحت کا آرزومند　　نیازمند حبیب الرحمٰن

حبیب گنج۔ ۱۹ ستمبر ۱۹۴۱ء

(۴۳)

نادری صاحب

کرم فرما لطف گستر۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

زحمت انتظار کی معافی چاہتا ہوں۔ کتاب مرآۃ الاسرار کی نقل برجیہ نمونہ کے کرا دیجئے۔ اجرت کا حساب اصل کتاب کے صفحہ و صفحہ کے مطابق ہوگا۔ عبارتیں کشمکش زیادہ ہیں۔ والسلام

کرم آپ کے کتابخانہ فیض نشانہ میں امام طیبیؒ کا حاشیہ تفسیر کشاف ہے جس پر فتوح الغیب　　نیازمند حبیب الرحمٰن

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۱۶ اگست ۱۹۴۱ء

(۴۴)

نادری صاحب

کرم فرما عنایت گستر۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

ایک معذرت خواہ امیدوار کرم حاضر ہے خطوں کے جواب میں خلاف معمول سستی تاخیر ہوئی ہے کہ آپ کی زحمت انتظار ہی مجھ کو معذرت کرنے نہیں دیتی۔ تشتت اشتعال سے نجات کی مسلسل آرزو مانع ہوئی۔ اس کے ساتھ اتفاق بھی ہے کہ ایسا ہوا۔ ایک باعث یہ ہے کہ مہتمم کتابخانہ آجکل علیل ہے غالب کا نمونہ فارسی خط میرے پاس ہے۔ جب تم صحت پاکر کتابخانے میں آئیں گے تو ارسال خدمت ہوگی

فہرستوں کے زبان کے بابت عرض ہے کہ جس زبان کے کتابیں ہیں اسی زبان میں ان کی فہرست تو نادر الوقوع ہوگا۔ میرا الیما خیال ہے۔

فہرست عربی کا نمونہ مہتمم کے تحویل میں ہے۔ صحت کا انتظار ناگزیر۔ مرآۃ الاسرار کی نقل کے مصارف کا اگر تخمینہ پورا عنایت ہو تو نقل کی بابت لکھوں نمونہ اول دوئم کا تخمینہ عنایت ہو۔ خیریت سابق کا اپر خط زیادہ معذرت ہے والسلام

کمترین سراپا ربط آپ سے ہے اس لئے بکار سرکار رام پور غیر ضروری ہے۔　　نیازمند حبیب الرحمٰن

حبیب گنج ضلع علی گڑھ۔ ۲۶ نومبر ۱۹۴۱ء

(۴۵)

نادری صاحب

کرم فرما لطف گستر۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

شکر زحمت۔ مرآۃ الاسرار کی نقل کے مصارف کی تفصیل معلوم ہوئی۔ کاغذ کے مصارف اور معلوم ہو جائیں اور یہ بھی معلوم ہو جائے کہ کتب کو کیا پیشگی دیا جائے گا تو میں رقم حاضر کروں۔ ۳۰ سطر والے کاتب سے لکھ لیجئے۔ نمونہ کے قلم سے ذرا قلم خفی کر دیا جائے تو زیادہ موزوں معلوم ہوگا۔

مہتمم کتابخانہ تو ہفتہ عشرہ میں ہیں انشاء اللہ تعالیٰ دوسرے قلم سے خط غالب کی نقل ملفوف ہے۔

امید ہے مزاج سامی بخیر ہوگا۔ الحمد للہ یہاں خیریت ہے۔

کمدہ کاغذ کا انتخاب آپکی رائے زریں پر موقوف ہے۔　　نیازمند حبیب الرحمٰن

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۳ جنوری ۱۹۴۲ء

(۴۶)

بنام عرشی صاحب

مخدوم لطف وکرم عرشی صاحب السلام علیکم

ایک عریضہ کی فرمائش یہ دریافت کرنے کی ہے کہ آیا رام پور لائبریری میں اخبار الاخیار حضرت شیخ دہلویؒ کا نسخہ بخط مولف ہے جو بمنت

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۲۶ اپریل ۱۹۴۲ء　　نیازمند حبیب الرحمٰن

(۴۷)

بنام عرشی صاحب

کرم گستر

نیگی اور پوچھ پوچھ کرم معاون میں ذائقہ ادب چکھ رہا ہوں۔ مقالہ مزید عنایت ہو۔ والسلام

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۱۱ مئی ۱۹۴۲ء　　نیازمند حبیب الرحمٰن

(۴۸)

بنام عرشی صاحب

کرم فرما عنایت گستر۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

بنا و شرف الدین نے ٹائپ کے نمونے آپ کے فرمائش کے بموجب میرے پاس بھیج دیئے ہیں۔ تھوڑی تکلیف گوارا کرکے نمونے دیکھئے۔ پسند کیجئے۔ نواب عبدالحمید خاں صاحب نے نمونہ ۲ پسند کیا ہے۔ آپ کو بھی اتفاق ہو تو فرم سے یہ دریافت کر لیجئے کہ نمونہ مذکورہ کے مگر ایک ہزار نسخے طبع ہوں تو کیا نرخ ہوگا نیز ۵۰۰ نسخوں کا۔ آم موسم کے لدے ہوئے بھوم آئے ہیں اہل شوق کو دعوت دے رہے ہیں یاد کر رہے ہیں۔ میں مسرور ہوں کہ بحمدہ تعالیٰ احباب رام پور کرم فرما ہوں گے۔ لطف ہم آمی حاصل ہوگا۔

یارب ایں آرزوئے کس چو توئی است ۔ تو بدیں آرزو مرا برساں

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۱۳ مارچ ۱۹۴۲ء　　نیازمند حبیب الرحمٰن

(۴۹)

بنام عرشی صاحب

لطف وکرم فرما عرآمدہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

یہاں ایک نسخہ کئی نسخوں سے شرح کا کشف امام طیبیؒ کا مقتل کیا گیا ہے۔ اب اس کے مقابلے کا اہتمام ہے۔ نیز مزید نسخوں کی تلاش ہے

جناب میاں محمد شاہ صاحب مرحوم کے خاندان میں ایک سے زائد نسخے ہیں۔ میں اس آستانے کے حاضر باشوں میں سے ہوں مگر جانشین حال

ت نہیں۔ کیا آپ کے اطمینان پر نسخے مل سکتے ہیں۔ مصارف آمد و رفت میرے ذمہ ہیں گے۔
امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر اور مصروف مشاغل علمیہ ہوگا۔ الحمد للہ میں بعافیت ہوں۔ والسلام

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۱۷ اپریل ۱۹۴۳ء نیاز مند حبیب الرحمٰن

(۵۰)

کرم گستر لطف پرور گرامی مرتبت عاشقی کو۔ فرشی کا سلام شوق اور شکر لطف و کرم

حسب معمول مستر تحریر سامی مژدہ اور لے کر آئی انتخاب مرزا غالب کی اشاعت دل نواز خبر ہے۔ نسخہ میرے پاس آئے گا تو قیمت مقرر ہو گی حاضر
ل۔ علی ہذا القیاس دستور الفصاحت الکاشف کے نسخوں کی تفصیل دیکھی۔ یہاں جو نسخہ نقل ہوا ہے۔ اس کے مقابلے اور تصحیح کا اہتمام کیا ہے
ہتا ہے۔ انشاء متعدد نسخے جمع ہیں۔ اگر آپ کے باقاعدہ توسط سے نسخہ ۳۵ اور ۳۶ یا ۳۷ کے ذریعہ بھیج تو زیادہ کرم فرمائی ہوگا اور
در آپ کا ہو۔ انشاء بعد فراغ جلد بحفاظت نسخے واپس ہونگے۔ مصارف آمد و رفت میرے ذمہ ہونگے

الحمد للہ بہ عافیت ہوں۔ آپ کی عافیت کا امیدوار۔ والسلام تمام الکلام نیاز مند حبیب الرحمٰن
حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۷ مئی ۱۹۴۳ء

(۵۱)

بلند پایہ ادیب جناب عاشقی کو خاکسار کا سلام فرشی

شکر کرامت۔ بہ تعمیل ارشاد اصل نسخہ سید حسین سے مقابلہ کیا۔ جو پرچہ ہمدردی نامہ تھا۔ اسی پر نتیجہ مقابلہ لکھ کر واپس کر رہا ہوں۔ یہ مصرع
ہے اگر توفیق از ساحران آخری اس کا پتہ نہ لگا اس لئے مقابلے سے معذور رہا۔ کمر۔ لفافہ مذکر کے دوبارہ نظر ڈال مصرح کی گیا مقابلے
ج پر چھپے ہے

مہتمم کتابخانہ مولوی صاحب شرح حلیہ کے نسخوں کے مقابلے میں منہمک ہیں اس لئے تعمیل ارشاد نہ کر سکے تاخیر کا خیال کر کے اس وقت میں
بہ کر کے تعمیل ارشاد کی۔

مکاتیب غالب کے بارہ دوسرے وقت عرض کر سکوں گا۔ اس وقت کوئی خیال پیش نظر نہیں۔ والسلام

کمر یہاں کا مخطوطہ نسخہ سید حسین ۱۲۸۴ھ کا چھپا ہوا ہے۔ میرزا کو اس میں "مظلہ العالی" سے یاد کیا ہے۔ محمد مرزا خان نے اپنے مطبع محمدی
ا تھا۔

نیاز مند حبیب الرحمٰن
حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۱۴ جون ۱۹۴۳ء

ز نسخہ از ساحران انتزا۔ مالک رام صاحب نے مغلیہ چھاپا ہے۔ اسی پرچہ پر یہ عبارت لکھی ہے "یہ مصرع قطعہ تاریخ مغل میں نہیں ہے یہ بھی معلوم ہوا
صاحب تعین سے ایما ہو مقابلہ کیا جائے حبیب الرحمٰن عفا عنہ۔ کمر۔ دوبارہ دیکھنے میں یہ رنگ گیا اصل میں مغلیہ ہے جیسا مالک رام نے لکھا ہے۔

(۵۲)

بنام عرشی صاحب

ادب نامہ جناب عرشی کی خدمت میں حاکی رفرشی کی تسلیم وتہنیت عید سعید

حافظ شیرازی کا ایک علمی دیوان بخط قوام شیرازی یہاں ہے۔ خط بہت شاندار خطاطی سے پر ہے مگر سن کتابت نہیں ہے۔ معتبر نسخہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے یہاں بہت سے خطاط مرحوم کا نوشتہ نسخہ شوق مہر و محبت ہی کا ہے۔ اگر اس پر سنہ کتابت ہو تو اطلاع سے ممنون کیجئے اس سے دیوان کا زمانہ متعین ہو جاتا ہے والسلام مع الاکرام　　سازمند حبیب الرحمٰن

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۱۰ر اکتوبر ۱۹۴۳ء

(۵۳)

بنام عرشی صاحب

کرم فرما لطف گستر　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمد للہ حال کا نامہ لطف آیا۔ نامہ لطف بردار کی بھی یہ مژدہ لایا۔ پر ہما مژدہ صد گونہ بہجت و راحت ضرور آئے اللہ اکرام سے کرے گا۔ گو مجھے اطمینان نہیں ہے۔ کم از کم ایک شب قیام کیجئے تاکہ کتابوں پر تفصیلی نظر پڑ سکے اور مجھے کماحقہ اس سے نفع پہنچے اس سے زیادہ کرم نوازی و مسعد الصاف آپ سے بعید ہے۔ ہاں مسرت شامل ہوئی خوب ہوا۔ مجلد نسخہ مجھ کو عنایت ہو فہمت مع صرف حاضر کی جائے گی قوام کے دیوان میں آپ کی تقریر چسپاں کیجئے۔ دیتا ہوں تاکہ عہدہ کا کچھ تعین ہو جائے۔

فقط الحمد للہ عافیت ہوں آپ کی عافیت کا آرزومند۔　　سازمند حبیب الرحمٰن

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۱۶ر اکتوبر ۱۹۴۳ء

(۵۴)

بنام ڈاکٹر غلام یزدانی صاحب

کرم فرما یزدانی صاحب السلام علیکم

مدت کے بعد شرف ملاقات ہوئی۔ شکریہ کرم۔ اس لطف پر مزید کرم شمالی افریقہ کے مضمون کی کاپی۔ نقشے دیکھ کر آنکھیں روشن ہوتی ہیں سو کس قدر حاصل مزا ہوں گی ــــ فرانس کی تاریکی البتہ نظر گذر کے لئے لگی ہوئی ہے۔ والسلام　　سازمند حبیب الرحمٰن

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۳ر فروری ۴۴ء

(۵۵)

بنام عرشی صاحب

کرم فرما لطف گستر　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

الطاف نامہ پہنچا۔ نور چشم کے ماموں کی خبر سے دل دکھا یا۔ اللہ تعالیٰ صبر جمیل آپ کو بخشے۔ رضینا بقضاء اللہ تعالیٰ۔ کوشش کی جائے گی کہ طبعین کا مطالبہ رام پور میں ہو سکے۔

حبیب منزل علی گڑھ ۲۵ر اکتوبر ۴۴ء

(۵۶)

عرشی صاحب

کرم وکرم فرما عرشی کو مخلص کا فرشی سلام

گستاخانہ عالیہ ریاست رام پور میں نواب نجیب الدولہ مرحوم والی نجیب آباد کی نادر شبیہ ہے۔ اگر آپ کی توجہ سے اس کی تین تصویریں مجھ کو مل سکیں تو دل سے ممنون ہوں گا۔ مجھ کو حضور پر نور فرماں روائے رام پور کی علم نوازی سے امید ہے کہ پیشگاہ متعلی سے اسکی اجازت صادر ہو سکے گی۔

زیادہ شوق کلام۔

نیازمند حبیب الرحمٰن

سلطان محمد ایٹرل علی گڈھ مورخہ ۷ اپریل ۱۹۴۵ء

(۵۷)

ادیب

ادیب بلند پایہ عرشی بابا یہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

علی گڑھ سے کاڈیٹ کا کھا بھیجا یہاں آیا۔ نادرات شاہی کے انطباع کا مژدہ سنایا۔ اس سوال سے بڑا لطف دل نے پایا کیا جناب نے ملاحظہ فرمائی جناب کی توجہ ہو اور کتاب ملاحظہ ہو جائے یہ کس طرح ممکن ہے۔ ایک نسخہ تحفۃً میرے پاس آجائے۔ نیازمند حبیب الرحمٰن

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۱۷ اپریل ۴۵ء

(۵۸)

عرشی صاحب

کرم فرما لطف گستر السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

شکر کرامت۔ نادرات شاہی آئی۔ ہوا کھیں بار بر جہانگیر کی تحریریں الراقعوں کی تصویریں دیکھ چلی ہیں وہ ان تصنیفوں سے عبرت زدہ ہوتی ہیں۔ تخت نشین، شہریار۔ شاعر یہ۔ سیف عدیم۔ کیسے کیسے امراء گرد حاضر کام کون لے۔ تصویر کی اطلاع کا فرنس کو کرتا ہوں وہیں کی فرمائش پر مکلف ہوا تھا۔

سلک گوہر کا نسخہ یہاں نہیں ہے۔

مولوی معین الدین صاحب کا سلام مسنون نیازمند حبیب الرحمٰن

حبیب گنج ضلع علی گڑھ۔ ۲ مئی ۴۵ء

(۵۹)

عرشی صاحب

کرم فرما الطاف گستر عرشی با امتیاز کی خدمت میں فرشی با نیاز کا سلام اخلاص انعام۔

گوناگوں نوازشوں کا شکر۔ پیکٹ کھولی۔ ایک ہی نظر دیکھا۔ کیا دواجت ہے۔ کیا شان ہے۔ اب نہ دیکھوں گا نہ سیر کروں گا۔

ایک کاپی سید الطاف علی صاحب فرمائش کو دیدوں گا اور دو چاہیں گے تو صبر ان سے ایک کاپی زنکوگراف کرانے کے بعد کما بھجانے کے لئے

میں ہے اور گاہ قیمت ہیچ گئی۔ نادرات شاہی کا شکر کہہ سکتا ہوں

"شفقت اکرم" کم کس طرح ہو سکتا ہے جو ابھی کرم بردیم وہاں خواہد بود۔ کارہ بار کی خیر معمولی مصروفیت باعث سکوت رہی ورنہ بیاض پہلے موفق ہے۔ ان دو لائے آخر و لفظ لفظ پڑھا آپ کی عادی ہمہ گیری۔ بیان کی پاکیزگی لفظ لفظ سے عیاں ہے۔ جس قدر روشنی مطالب کے سمجھانے اور اس عہد کے مناظر کو سامنے لانے کے لئے درکار تھی وہ سب موجود ہے۔ اسکو پڑھ کر کتاب کا پڑھنا لطف بالائے لطف ہے۔

ایک کمی جانکاہ ہے مگر آپ کیا کریں۔ ہیرو میں سب کچھ ہے۔ جوانمردی ہیں ابھی سے تباہ و برباد کیا۔　　نیازمند حبیب الرحمٰن

حبیب منزل علی گڑھ ۳ مئی ۱۹۳۵ء

(۶۰)

بنام طاہر فاروقی صاحب سلامیہ کالج پشاور

مکرم و کرم فرما السلام علیکم

ابھی سید الطاف علی صاحب نے آپ کی تحریر دکھائی جس میں آپ نے علی گڈھ کانفرنس کے سالانہ اجلاس کو گڑھ میں منعقد کرنے اور بلانے کی دعوت نامہ بھیجنے کا عزم ظاہر فرمایا ہے۔ مبارک

کس وقت دعوت نامہ آ رہا ہے انشاء اللہ قبول کیا جائے گا"　　اتفاق دیکھئے کہ

جس وقت آپ کی تحریر پڑھی اسی وقت جواب گڈھ کانفرنس کا لفافہ ملا کھولا پڑھا۔ بدستور معذوری کا اظہار۔ اس سے آپ کی ہمت پر مزید آفریں دل سے نکلی والسلام

۱۵ مئی ۱۹۳۵ء　　نیازمند حبیب الرحمٰن

(۶۱)

بنام عرشی صاحب

کرم فرما حضرت نواز السلام علیکم ورحمۃ اللہ

شکر ہے کہ مراسلت کا سامان ہاتھ آتا رہتا ہے۔ کام بھی بنتا ہے۔ دل شاد کام بھی ہوتا ہے۔ معارف اعظم گڑھ میں اوراق گل پر تبصرہ ہے۔ ملنے کا پتا نہیں۔ میں نے کہا کہ آستانہ عرشی کریم پر حاضر ہوں حصول دعا ہوگا۔ انشاء ایک نسخہ قیمت طلب میرے نام آجائے۔

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۱۱ مئی ۱۹۳۵ء　　نیازمند حبیب الرحمٰن

(۶۲)

بنام عرشی صاحب

کرم فرما السلام علیکم

ابھی (بعد نماز ظہر) الطاف نامہ پڑھا۔ جب روانہ ہو چکا تھا کشش شوق ہے۔ زیر تحشین و تحریر مقالہ انشا تالیفات کتابخانہ کے معیار پر پورا اترے آپ علیل تھے میں بھی علیل رہا۔ اب آپ بفضل تعالیٰ بعافیت ہیں میں بھی آپ کو ضعف ہے مجھ کو بھی روا السلام ختم الکلام

حبیب منزل علی گڑھ ۹ جون ۱۹۳۵ء　　نیازمند حبیب الرحمٰن

(۶۳)

بنام عرشی صاحب

کرم فرما لطف مجسم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج کل بیٹریوں کی مرمت ہے۔ رام پور میں ملتی ہیں نرخ معلوم ہو جائے تو آدمی بھیج دوں۔

ایک تازہ مصرع بھی سن لیجئے۔

کے عناول رافروز و شمع دل ۔ چون ندرد رنگ و بو اصداق گل"

نگاہ نے ذوق "تماز" ڈھونڈا نہ پایا نہ پایا

حبیب منزل علی گڑھ ۱۱ فروری ۱۹۴۵ء　　نیاز مند حبیب الرحمٰن

(۶۴)

بنام عرشی صاحب

کرم فرما　السلام علیکم

ماصات شاہی کا ایک نسخہ قیمت طلب عنایت ہو۔

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۲۰ نومبر ۴۵ء

(۶۵)

بنام عرشی صاحب

مکرم کرم فرما دام لطفکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

سید امام الدین صاحب یہاں آئے۔ مکتبہ حبیب نے ضیافت پیش کی۔ تاریخ خانجہانی کا جو نسخہ یہاں ہے اس کا ایک باب نہیں ہے۔ اگر آپ کی توجہ سے باب مذکور کی نقل جب نشاندہی سید صاحب موصوف ہو سکے تو یہاں کا نسخہ مکمل ہو جائے گا۔ آپ کے کرم میں اضافہ اجرت کتابت اعانہ ہوگا۔ نیاز مند

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۲۲ مارچ　　نیاز مند حبیب الرحمٰن

(۶۶)

بنام عرشی صاحب

کرم فرما لطف گستر عرشی بلند پایہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اس مہینے کا معارف پڑھ رہا تھا۔ عبدالباسط پر نظر پڑی معاً وہ خیال ذہن میں فرشی کے آیا جو عرشی کا ہے یعنی ہم مذکر تصنیف ہے عبدالباسط کی رباعی دیکھی۔ آپ کی تحقیق پڑھی۔ اپنے یہاں کا نسخہ قصائد عبدالباسط جبلی نکال کر دیکھا۔ اس میں وہ رباعی موجود ہے جو معارف میں منقول ہے۔

قصائد عبدالباسط جبلی کا نسخہ یہاں کا قدیم ترین مخطوطہ ہے۔ تاریخ تحریر نہیں۔ کاغذ کا انداز کم سے کم چار سو سال لکھا ہوا ظاہر کرتا۔ نسخہ پورا ہے قصائد میں قطعات بھی نیز رباعیات (تعداد ۱۰۱)

معارف کی منقولہ رباعی کے مصرع چہارم میں "تنز سوختم" کے بعد لالہ کا لفظ رہ گیا ہے۔

اس کاپی کے ساتھ دیوان البالغرفا روانہ ہے اور کسی کاتب کا لکھا ہوا۔ اس پر ۹۹ھ سنہ کتابت درج ہیں۔

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۱۰ر اپریل ۱۹۷۰ء　　نیازمند حبیب

(۶۷)

بنام مرشی صاحب

لطف کرم فرمائے۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

اطہر عباس صاحب افضل پر ایسرچ کر رہے ہیں۔ مہربانی سے جہاں آپ نے کام کیا ہے بدرہم بھیج دیجئے۔ بعد اجنبیت کا آپ کے اخلاق کا ذکر کرکے ممنون کرنا بیادہ تکریر کی ضرورت نہیں کہ خواجہ خود درویش بندہ پرور ہیں والحمد للہ عافیت شامل حال ہے۔ عافیت علیٰ رسلہ۔ مولوی عبدالحمید خاں پروفیسر فارسی جامعہ عثمانیہ پاس پہنچے ہیں۔ آپ کو سلام شوق کہتے ہیں والسلام۔

۱۱ر نومبر ۷۶ء　　نیازمند

(۶۸)

بنام مالک رام

گرامی قدر، السلام ثم السلام

شکریہ بیکراں۔ فسادوں کا کیا کہنا۔ ملک اور اہل ملک کی قسمت۔ ایک عالم اس سے ماتم ہے ؎

ہنوز بے نشانے اندیشہ درست لیکن۔ دو جہاں بہم بریدہ سر شور و شر ندارم

یہ مقالی میں حال ہے۔ واللہ اعلم

تصویروں کی بابت علی گڑھ میں عبدالوحید خاں سے ملی کر انتظام کرنے کا ارادہ ہے۔

"مصنف" کا مطلوب نمبر بھیج کر کے بھیجتا ہوں

ملا جی کا سلام قبول ہو۔ الحمد للہ تعالیٰ عافیت ہے۔ آپ کی عافیت کی تمنا

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۱۷ر مارچ ۱۹۷۰ء

(۶۹)

بنام ڈاکٹر زور

کرم فرمائے من۔ السلام علیکم

اس نیاز نامہ کے ساتھ ایک نسخہ مقالات شروانی کا پیش کرتا ہوں۔ یہ مقالات میری ۴۲ سالہ محنت ادبی کی یادگار ہیں گئے ہیں۔ امید ہے کہ یہ ادبی تحفہ قبول ہوگا۔ کبھی فرصت سے اس پر نظر ڈالی جائے گی

یہ ضروری التماس ہے کہ یہ کتاب عام مطالعے میں نہ رہے بلکہ کتب خواجات کی الماری میں محفوظ رکھی جائے۔

سلطان جہاں منزل علیگڑھ ۲۹ جون ۱۹۷۰ء　　نیاز

(۷۰)

ماہ منشی صاحب

ادیب باامتیاز بلند پایہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

شکریہ و کرامت۔ مقالات شروانی کا نسخہ مرسلہ آپ کے واسطے ہے۔ علی گڑھ لکھ دیا ہے کہ ایک نسخہ کتابخانہ ریاست کے واسطے آپ کے نام ارسال کر دیں۔

ایک علمی منظر "مقالہ" کی قدردانی باعث مسرت و سپاس خاص ہے۔ اس منظر نے مجھ کو ایسے عالم میں دیکھا تھا جس عالم سفلی سے ماورا تھا امید ہے کہ آپ نے اوس کی قدر کی ہو ذوق سلیم کے نزاکت پسندی کی شہادت ہے۔ تحفہ گرامی فرہنگ غالب کا شوق سے انتظار کروں گا۔

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۲ اگست ۱۹۴۰ء　　نیازمند حبیب الرحمٰن

(۷۱)

ماہ منشی صاحب

کرم فرما بحال مخلص دیرینہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

فرہنگ غالب کا نسخہ پہنچا۔ زہے الطاف۔ شکر الطاف قبول ہو۔ غالب آپ کے ذوق خاص سے فیض یاب ہے نیز فارسی ادب۔ ورنہ کون غالب و ادب فارسی کا جویا ہے۔

فرہنگ غالب پر نظر ڈالی۔ بہت فیض رساں تالیف ہے۔ پہلی نظر میں مجھ کو یہ سبق ملا کہ جمال بمعنی دام فارسی بھی ہے۔ ورنہ اس کے ہندی ہونے کا علم تھا۔ والسلام

نیازمند حبیب الرحمٰن

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۲۵ ستمبر ۱۹۴۰ء

(۷۲)

ماہ لک رام

مصدر لطف و کرم۔ علیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

عجب ماہ جمال ہے الطاف نامے کا شکر کروں۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ آپ نے خط بھیجا ہو اور اس کو پاکر میں نے پہلے موقع پر جواب نہ لکھا ہو میری عام عادت جواب وقت پر لکھنے کی ہے۔ اب یا آپ کے خط نہیں پہنچے یا میرے۔

بہر حال، الحمد للہ بعافیت ہوں، صحت درست ہے۔ کسی مرض کی شکایت بفضلہ تعالیٰ نہیں۔ اطمینان رکھئے۔

حالات اس نواح کے پر اضطراب ہیں۔ اخباروں میں آپ پڑھتے ہوں گے۔ میرے مشاغل الحمد باطمینان و فراغ خاطر جاری ہیں۔

امید کہ آپ کا مزاج بھی قرین صحت و عافیت ہوگا۔　　نیازمند حبیب الرحمٰن

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۲۴ اکتوبر ۱۹۴۰ء

(۷۳)

بنام مالک رام

میرے عنایت فرما مالک رام صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ

الحمدللہ تعالےٰ خیریت ہوں، حالات مثل تمام عالم کے یہاں بھی ہیں امید ہے کہ آپ بھی خیریت وعافیت سے ہوں گے

میرزا غالب دہلوی کا خط کتاب خانہ حبیب گنج کا آپ کے پاس سے نہیں آیا ہے۔ آپ نے اس کے فوٹو شاٹ کیے تھے اس خط براہ مہربانی جلد بھیج دیجیے اگر زیادہ تاخیر ہونے کا سر تو نہ ہیجیے گا۔

نیاز مند حبیب الرحمٰن

حبیب گنج ۹ نومبر ۱۹۴۷ء

(۷۴)

بنام مالک رام

گرانی قدر سعادت نشان وعلیکم اسلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

شکریہ یاد آوری۔ آپ کے خطوں کا جواب ہمیشہ وقت پر لکھتا ہوں۔ اس کے وقت پر پہنچنے کا ذمہ دار نہیں ہے آج کل ڈاک کے حالات معلوم۔

ایک ڈاک کا خط علی گڑھ سے پورے چالیس روز میں یہاں پہنچا تھا

علی گڑھ سے۔ انشاء اللہ آپ کی فرمائشوں کی تعمیل کروں گا۔ یہاں سے مناسب نہیں۔

آپ کی والدہ صاحبہ کی خبر بننے سے تر دد ہے۔ اللہ پاک تر دد رفع فرمائے۔ آپ، ان کے جمال سے، وہ آپ کے دیدار سے شاد و شاد کام ہوں آج کل ہر طرف یہی قصے ہیں۔ مال کی سلامت یہ ہے

امید ہے کہ آپ کی والدہ صاحبہ، آپ مع الخیر رہنے۔ الحمدللہ یہاں عافیت ہے　　نیاز مند حبیب الرحمٰن

حبیب گنج ۱۸ نومبر ۱۹۴۷ء

(۷۵)

بنام مرشی صاحب

کرم فرما لطف گستر، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

الحمدللہ تعالیٰ خیریت ہے، امید ہے کہ بعضلہ تعالیٰ آپ بھی بخیریت وعافیت ہوں گے۔ دلی تمنا ہے کہ شرح طیبی کی اشاعت ہو جائے ایسا نادر کتاب اور اب تک گوشۂ ذہول میں۔

اول اس کی صحت کا اہتمام ہے یہاں تین نسخوں سے تقابل و مقابلہ ہو چکا ہے۔ رام پور کے نسخے کی تلاش ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ مکتبہ حبیبیہ کے مہتمم مولوی معین الدین صاحب کو آپ کے پاس رام پور بھیجوں۔ مولوی صاحب نے طیبی غایۃ شوق ترجمہ سے نقل کی ہے۔ موصوف رام پور میں رہ کر وہاں کے نسخوں سے جو کہ قاضی صاحب کے کتب خانے میں ہیں، مقابلہ کریں۔ دوسرے صاحب علم الدین کی مدد پر مقرر ہوں۔ حال میں ایک صاحب یہاں سے گئے ہیں وہ اس کام کے ہیں۔

مکلف خدمت ہوں کہ مولوی صاحب کے قیام میں اور کام میں مدد فرمائیے۔ مصارف یہاں سے ادا ہوں گے انشاء اللہ۔ اس کے بعد بحوالہ رقوم نقل

طبع کا اہتمام ہوگا مولوی صاحب کے قیام کا اہتمام کیا جائے نیز مددگاران تصحیح کا۔ اس طرح اس مقدس کام میں آپ بھی شریک ہو جائیں گے۔ والسلام باالاکرام

حبیب گنج ۸ نومبر ۱۹۴۸ء　　نیازمند حبیب الرحمٰن

(۷۶)

میرے کرم فرما مالک رام صاحب، وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط کیا مسرور ہوں، ممنون ہوں، جزاک اللہ تعالےٰ خیراً

آپ کے خاندانی حوادث پڑھ کر دل دکھا۔ اللہ تعالےٰ رحم فرمائے بچھڑے ہوئے عزیزوں کو مع الخیر والعافیہ ملائے

"مصنف" میں ترجمہ بیشک تشنہ چھپا ہے۔ اور مضامین مفصل بھی جلد سب سال چھپ دیں میں جواب شافی انشاء اللہ پیش کروں گا۔ آپ کا خط یہاں نہیں پہنچا۔

الحمد للہ یہاں خیر و عافیت ہے۔ من و امان ہے۔ والسلام　　نیازمند حبیب الرحمٰن

حبیب گنج ۱۸ دسمبر ۴۸ء

(۷۷)

عزیز القدر سلمہ شکریہ یاد آوری

غالب کا خط واپس آکر داخل کتابخانہ ہو چکا

اب میرا زبانہ درگذار کم لکھنے کا بھی وقت باقی نہیں رہا ہے۔ ۸۳ برس عمر کے ہو چکے۔ خط لکھنے میں اعصاب درد کرتے ہیں۔ اس لئے مراسلت موقوف ہو چکی۔ آپ کی فرمائش کی تعمیل سے مسرور ہوں۔ الحمد للہ تعالےٰ عافیت ہے۔ آپ کے لئے تمنائے عافیت۔ والسلام ختم الکلام

حبیب گنج ۲۸ جنوری ۱۹۴۸ء　　نیازمند حبیب الرحمٰن

(۷۸)

مصدر عنایت و لطف، وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

۲۱ اپریل کا الطاف نامہ پہنچا۔ دل و دماغ کو پڑھ کر خوشی ہوا۔ اے وقت تو خوش کہ وقت من خوش کردی

آپ کے عنایت دل کو ہمیشہ خوش کرتے ہیں۔ اب میرا لکھنے پڑھنے کا نفس بہت کم رہ گیا ہے جو مقتضائے سن ہے۔ تھوڑے لکھنے سے بھی ہاتھ کی رگیں دکھ جاتی ہیں۔ الحمد للہ مزاج بہ عافیت رہتا ہے۔ کوئی شکایت نہیں۔

حبیب گنج سے پٹنہ سے آپ کی مطلوبہ فہرست کتب طلب کرتا ہوں۔ وہاں سے آنے پر آپ کے پاس بھیجی جائے گی انشاء اللہ

اردو کلام کا مجموعہ چھپ گیا ہے۔ دو نسخے بھیجتا ہوں۔ فارسی دیوان بھی زیر طبع ہے۔ چھپ جانے پر وہ بھی پہنچے گا۔ والسلام ختم الکلام

صدر یار جنگ ۲ مئی ۱۹۴۹ء　　نیازمند حبیب الرحمٰن

(۷۹)

بنام مالک رام

میرے مہربان مخلصان یادآور دوستان مدالطافہم وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

۱۲ ماہ گزشتہ کے الطاف نامے کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ بحمداللہ بخیر وعافیت ہوں۔ برادرعزیز عبدالوحید خاں کہتے ہیں کہ انہوں نے جواب لکھ دیا ہے نیز میرے ارادہ دہلی کا ایک نسخہ۔

آج کل موسم یہاں خلاف دستور ٹھنڈا ہے۔ برابر پروائی زور سے مسلسل چل رہی ہے حالانکہ جیٹھ کا مہینہ ہے۔

آپ کی مطلوبہ دو دیوان غزل ہو ہی ہے بعد تبدیل انشاءاللہ روانہ کی جائے گی۔ والسلام مع تحیۃ الاکرام

صدر یار جنگ　۸ مئی ۱۹۴۹ء

(۸۰)

بنام مالک رام

عزیزالقدر گرمی شان سلمہ۔ وعلیکم السلام۔

۱۰ مئی کا نامہ موصول ہوا۔ دل خوش ہوا۔ الحمدللہ تعالیٰ حسب حیثیت وعافیت ہے۔ عام قاعدہ کے مطابق یہ موسم پھوری بلکہ شدت گرما کا ہے۔ کل رات موسم ٹھنڈا رہنے سے بہت تھی ہے۔

آپ کا خط ہمتم کتابخانہ کو بھیج کر ہدایت کرتا ہوں کہ اس کے مطابق فہرست مرتب کرکے بھیجیں جس وقت انشاءاللہ آپ کو بھیجی جائے گی دیوان اردو سے پہلے کسی ایک رجسٹر سے مارک ہوگئے۔ دوبارہ چیک ہو رہے ہیں۔ طبع ہو جانے پر انشاءاللہ نسخہ آپ کو بھیجا جائے گا۔ آپ کے فرمائشی نسخوں کا انشاءاللہ کر دیا جائے گا۔ دو نقل میری طرف سے بطور ہدیہ کتابخانہ آپ کو بھیجی جائے گی۔

آپ دھنسے کے زمانے میں یہاں بھی آئیں تو دل کو بڑی خوشی ہو۔ میری عمر کا بیشتر حصہ سرائے کتب دیکھیں۔ عربی، فارسی اور دوتینوں زبانوں کی ہاتھ کا سرمایہ ہے فہرستیں مسند وار میں نے مرتب کی ہیں اول کو دیکھ کر آپ انشاءاللہ خوش ہوں گے

عزیزی عبدالوحید خاں کو آپ کا سلام و پیام پہنچا دیا گیا

ایک سے زیادہ حاضرین آپ کا پیام سنے اور سن کر خوش ہونے کے اہل ہیں۔ دعا و آرزو یہ ان بادہ پیمانوں کے لئے دلنواز اور سرمستی کا سرور ہے۔ برادرعزیز عبدالوحید خان نے بیان کیا کہ دو دیوان حسرت آپ کو بھیج دیا گیا۔

صدر یار جنگ　۱۴ جون ۱۹۴۹ء

(۸۱)

بنام مالک رام

میرے مہربان عنایت فرما خوش رہو۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مدت کے بعد مکرر مدت بعید وعید کے بعد آپ کی نوازش نامہ دیکھا۔ سطروں پر نظر ڈالی۔ دل پسرور ہوا۔ یاد ہمیشہ دل میں رہتی ہے خط کا جواب نہ لکھنا جب پتہ معلوم نہ تھا۔ اب معلوم ہوا تو لکھ رہا ہوں۔ اس سے خوشی ہوئی کہ اکتوبر میں آپ کا سندوستان آنے کا ارادہ ہے۔ اسی سلسلے میں آپ کو یہاں

کتاب خانے میں دیکھ کر بہت خوشی ہوگی۔

الحمد للہ تعالیٰ خیر و عافیت شامل حال ہے۔ میں بہ عافیت ہوں، اپنے مختلف مشاغل میں مصروف ہوں۔ آپ کی خدمت میں نیاز نامہ لکھنا تھا کہ خط لکھا۔ اگر کوئی ضرورت ذہن میں آئی بے تکلف لکھ دوں گا۔ والسلام ختم الکلام

حبیب گنج — نیاز مند حبیب الرحمٰن

(۸۲)

بنام مولوی مرزا صاحب

الطاف فرمائے مخلصان، تسلیم

آپ مجھ کو اجازت دیں کہ منشی وزیر خاں صاحب سفیر آل انڈیا ایجوکیشنل کانفرنس کو آپ کی خدمت میں پیش کروں۔ منشی صاحب موصوف یہاں اصحاب ہیں۔ امید ہے کہ آپ نہ صرف خود الائف ممبری قبول فرمائیں گے بلکہ اور صاحبوں کو بھی ترغیب کر دلا کر اس خیر کا ذریعہ حاصل فرمائیں گے۔ جو مہم ہماری آپ کو قومی تعلیم سے ہے اس نے ان چند سطروں کے لکھنے کی جرأت دلائی ہے۔

صدر یار جنگ

(۸۳)

جناب نواب صاحب، السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ

۲-۱ بان سنہ حال رفیکشن کو جو کاغذات متعلق کمیشن کے میرے جناب نے دست بدست عنایت فرمائے تھے وہ اس نیاز نامہ کے ساتھ واپس ہیں۔ میں نے اپنی نوشتہ تجویز پر نظر ثانی، سابق رائے میں تبدیلی کی وجہ محسوس کرنے سے میں قاصر رہا۔ بروقت تحریر کرنے تجویز کے وہ امور پیش نظر تھے وہ سب کے ساتھ لحاظ کیا گیا اور تجویز لکھی گئی اب اس قدر عرصہ دراز کے گذر جانے کے بعد تمام وجوہ کو یاد رکھنا اور تائید میں پیش کرنا ممکن نہیں جو رائے قائم کی گئی ہے اس کی بنیاد تجویز مذکور میں ظاہر کر دی گئی ہے۔

آپ کی رائے بالکل آزاد ہے۔ جو رائے قائم فرمائی جائے زیب قلم ہو۔

صدر یار جنگ

(۸۴)

جناب مکرم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ علیہ

مولوی الحاج احمد صاحب سفیر آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڈھ دو کتابیں لے کر حاضر خدمت ہوتے ہیں دونوں کتابوں کو کانفرنس نے شائع کیا ہے۔ جو اپنی اپنی جگہ پر مفید و قابل مطالعہ ہیں۔ ایک کتاب دور جدید کے مسلم علی خیالات کا آئنہ ہے۔ دوسری مرحوم نواب وقار الملک کے سوانح حیات کی مکمل سرگذشت ہے۔ امید ہے جناب کا ذوق علمی اس خدمت کی حوصلہ افزائی کا باعث ہوگا۔ والسلام

صدر یار جنگ — سیکرٹری

(۸۵)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ایک مجموعہ میری تقریروں کا انجمن اسلامیہ کے اہتمام سے شائع کیا گیا ہے۔

ایک نسخہ اس کا بطور ہدیہ آپ کی خدمت میں ارسال کیا جاتا ہے۔

چونکہ میں جائزہ خدمت کر رہا ہوں اس لئے امید ہے کہ یہ مجموعہ یادگار آپ کے کتاب خانہ میں رہے گا۔

صدر یار جنگ

علامہ اقبال

بنام محمد الدین فوق

(۱)

ڈیر فوق!

اہل اللہ کے حالات نے جو آپ نے بنام یارِ دیرینہ تحریر فرمائے ہیں مجھ پر بڑا اثر کیا اور بعض باتوں نے تو جو آپ نے اس بھولی سی کتاب میں درج کی ہیں مجھے اتنا رُلایا کہ میں بے خود ہو گیا۔ خدا کرے آپ کی توجہ اس طرف لگی رہے۔ زمانہ حال کے مسلمانوں کی نجات اسی میں ہے کہ ان لوگوں کے حیرت ناک تذکرے زندہ کیا جائے۔ میں سمجھتا ہوں کہ مسلمانوں کے زوال کی اصل علت یہی فراموش کردہ چیز ہو جانا ہے۔

بھائی فوق! خود بھی اس گوہرِ نایاب کی تلاش میں رہو جو بادشاہوں کے خزانوں میں نہیں مل سکتا بلکہ کسی خرقہ پوش کے پاؤں کی خاک میں اتفاقیہ مل جاتا ہے۔ والسلام!

آپ کا دوست

(شیخ) محمد اقبال (ایم۔اے پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور)

از سیالکوٹ

۷ اکتوبر ۱۹۰۴ء

بنام محمد الدین فوق

(۲)

ڈیر فوق!

السلام علیکم۔ آپ کا نوازش نامہ مجھے کل ملا۔ میں ایک دو روز کے لئے بغرض مشورہ لاہور گیا تھا کیونکہ وہیں کام شروع کرنے کا ارادہ ہے۔ کشمیری میگزین دیکھتا ہوں۔ اس میں جو کامیابی آپ کو ہوئی اور ہو رہی ہے اس کے لئے مبارک باد دیتا ہوں اور جو کچھ آپ کا ہے گا ہے میری نسبت اپنے کالموں میں تحریر فرماتے ہیں اس کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

آپ جموں کے راستے (کشمیر) جائیں تو ضرور سیالکوٹ تشریف لائیں تاکہ مجھے آپ کی دوستانہ قدر و منزلت کرنے کا موقع ملے۔ افسوس ہے کہ میں ابھی کچھ عرصہ تک آپ کے لئے کچھ نہ لکھ سکوں گا کیونکہ فی الحال کتب کی طرف متوجہ ہوں۔ چونکہ اس کام کو شروع

ملاحظہ ہو علامہ کا شعر

تمنا درد دل کی ہے تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

کیا ہے اس واسطے ارادہ ہے کہ اس کو حتی الامکان پورے طور پر کروں۔ روٹی تو خدا ہر ایک کو دیتا ہے۔ میری آرزو ہے کہ میں اس قوم کا کچھ بھلا کروں۔ آپ بھی دعا کریں کہ خدا تعالیٰ اس مہم میں میرا شامل حال ہو۔

انشاءاللہ نومبر میں لاہور آکر مستقل طور پر کام شروع کروں گا۔ اس وقت آپ سے خوب خوب ملاقاتیں رہا کریں گی جیسے کبھی پہلے ہوا کرتی تھیں اور میں کشمیری میگزین کی ترقی اشاعت کے لئے بھی چند باتیں آپ سے کروں گا۔ باقی خیریت ہے اللہ بابا صاحب جوگی کی خدمت میں میرا سلام پہنچا دیجئے[1]۔ علاوہ ازیں تارا چند صاحب تارا (حلوائی سوہن فروش دہلی دروازہ) کی خدمت میں۔ والسلام!

محمد اقبال از شہر سیالکوٹ ۲۹ اگست ۱۹۰۸ء

---

(۳)

بنام منشی محمد الدین فوق

ڈیر فوق!

مرزا فضل[2] اکبر صاحب کا خط مصنوف ہے۔ وہ اس خط کو کمیٹی میں پیش کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک اور کارڈ بھیجا ہے۔ مہربانی کر کے اس کو تعمیل فرما دیں۔ جو خط آپ نے میری طرف سے میگزین میں شائع کیا ہے اس کی چند کاپیاں اگر وہ علیحدہ شائع ہوا ہو، علامہ محمد ذکر متصل محمد بگہ گوجرانوالہ کے نام ارسال کر دیں۔ اگر علیحدہ شائع نہ ہوا ہو تو ان کو جواب لکھ دیں۔ یہ صاحب آپ کے میگزین کے خریدار ہیں۔

راقم

۱۱ مئی ۱۹۰۹ء　　محمد اقبال (آنریری جنرل سیکرٹری انجمن کشمیری مسلمانان لاہور)

---

(۴)

پوسٹ کارڈ بنام منشی محمد الدین فوق

بصد گلشن ما صورت بہار پیا　　کشادہ دیدۂ گل بہر انتظار پیا

۷ مارچ ۱۹۱۲ء لاہور　　اقبال

---

(۵)

بنام منشی محمد الدین فوق

ڈیر فوق!

السلام علیکم۔ آپ آجکل لاہور میں ہیں یا ایبٹ آباد[3] میں؟ ایک دفعہ آپ نے کشمیری میگزین میں میرے حالات شائع کئے تھے۔ اگر اس قسم کی کوئی کاپی آپ کے پاس بچ گئی ہو تو ارسال فرمائیے۔ پھر واپس کر دی جائے گی۔ اگر پاس نہ ہو تو کہیں سے منگوا دیجئے۔

زیادہ کیا عرض کروں۔ آپ کبھی ملتے ہی نہیں۔ اب تو آپ پیر طریقت بھی بن گئے۔ خدا کرے کہ جلد حافظ حاجت علی تارا صاحب کی طرح آپ کے بھی درود کشمیر کے متعلق اطلاعیں شائع ہوا کریں۔ والسلام! اس کارڈ کا جواب جلد ملے۔

۲۳ جولائی ۱۹۱۵ء　　آپ کا خادم محمد اقبال۔ لاہور

---

[1] غالباً جوگی صاحب کا شکریہ اس لئے ادا کیا ہے کہ انہوں نے ولایت سے اقبال کی تشریف آوری پر لاہور کی ایک تقریب میں نظم پڑھی تھی۔ تارا صاحب بھی شاعر تھے شاید انہوں نے بھی کوئی نظم پیش کی ہو۔

[2] میرزا فضل اکبر مرحوم خان صاحب میرزا قطب الدین وکیل راولپنڈی و جاگیردار و مالک اخبار رہنما راولپنڈی کے والد بزرگوار تھے۔

[3] سری نگر کشمیر　　[4] مرحوم علی پوری

(۶)

بنام ۔۔۔ فوق

مخدومی!

السلام علیکم۔ آپ کا کارڈ ابھی ملا ہے۔ بھلا آپ کو آنے کی کیونکر ممانعت ہو سکتی ہے؟ میں نے اس خیال سے لکھا تھا کہ آپ مصروف آدمی ہیں، آنے میں حرج ہوگا اور تکلیف مزید کرانا کل تبدیل فوارہ دروازہ سے دوسرے ہے۔

کتاب جب آئے تو ضرور ہمراہ لائیے بلکہ اس کے آنے میں دیر ہو تو ملا کتاب تشریف لائیے۔ ۲۱ دسمبر کا کشمیری نہیں ملا ورنہ آپ کی تازہ کتاب وجدانی نشتر حلقے گذری ہے۔ والسلام!

آپ کا خادم محمد اقبال۔ لاہور ۲۱ دسمبر ۱۹۱۵ء

(۷)

بنام ۔۔۔ فوق

مخدومی!

السلام علیکم۔ دونوں کتابیں مل گئی ہیں۔ انگریزی کتاب پہلے سے میرے پاس موجود ہے۔ افسوس ہے کہ آپ کو صفت برداشت ہوئی۔

وجدانی نشتر خوب ہے۔ مگر تعجب ہے کہ شیخ صاحب کے ملحدانہ و زندیقانہ شعر "من چہ بروائے مصطفےٰ" و "مارم" کو آپ اس کتاب میں جگہ دیتے ہیں، وہ رطب کی تشریح کس قدر بیہودہ ہے۔ یہی وہ وحدت الوجود ہے جس پر خواجہ حسن نظامی اور اہل طریقت کو ناز ہے اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر رحم کرے اور ہم غریب مسلمانوں کو ان کے فتنوں سے محفوظ رکھے۔ وجدانی نشتر پر ریویو دوسرے صفحہ پر درج ہے۔

محمد اقبال۔ لاہور ۲۳ دسمبر ۱۹۱۵ء

بنام ۔۔۔ صاحب

(۸)

مخدومی!

السلام علیکم۔ آپ کا نوازش نامہ مل گیا ہے۔

میری رائے میں اس بحث پر سب سے بہتر کتاب قرآن کریم ہے مگر تدبر شرط ہے۔ اس میں تمام باتیں موجود ہیں۔ بلکہ Modern Ego Engenics کے تمام مسائل بھی اس میں موجود ہیں۔

زمانہ حال کی سفرجیٹ عورتوں نے اس پر بہت کچھ لکھا ہے۔ ایک کتاب Right of Woman میری نظر سے گزری ہے کسی عورت کی لکھی ہوئی ہے مگر افسوس ہے کہ مصنف کا نام ذہن میں محفوظ نہیں ہے۔

جان اسٹورٹ مل نے بھی اس پر ایک مفصل مضمون لکھا تھا۔ والسلام!

مخلص محمد اقبال۔ لاہور ۲۹ اپریل ۱۹۱۷ء

مکتوب الیہ ڈاکٹر محی الدین احمد

بنام محمد الدین فوق

(۹)

ڈیر فوق!

السلام علیکم۔ آپ کا مرسلہ خط مل گیا ہے۔ منشی قمر الدین جن کو آپ نے سفارشی خط دے کر بھیجا ہے وہ اس قابل نہیں کہ ان کو اجازت دی جائے۔ مجھے یہ بات گذشتہ تجربے سے معلوم ہے۔ ورنہ میری عادت ہے کسی کو محروم کرنا داخل نہیں۔ علاوہ اس کے لوگ تمارتی اوراق کو محفوظ رکھتے ہیں یا نہیں اس بات کی مطلق پروا نہیں کرتے کہ شعر غلط چھپا ہے یا صحیح۔ اس کے بعد اعتراض بھی برستے ہیں اور لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ان نظموں کو میں نے شائع کیا ہے۔

اس سے پیشتر میں اس شخص پر مقدمہ دائر کرنے کو تھا مگر مولوی ظفر علی خاں کے کہنے سے باز رہا۔ اس نے اس سے میری نظموں کو میری اجازت کے بغیر شائع کر دیا تھا۔ اب یہ سب معاملہ مولوی احمد دین وکیل کے سپرد کیا ہے کہ اگر کوئی میرا کلام میری اجازت کے بغیر چھاپے تو اس پر دعویٰ کر دیا جائے۔

اخباروں میں جو کچھ شائع ہوا ہے اسے میں نے پڑھا ہے۔ مگر سب اخبار میری نظر سے نہیں گذرتے۔ "مخبر دکن" کے لئے شکر گذار ہوں۔ مجھے اس معاملہ کا مطلق علم نہیں نہ میں نے حیدر آباد میں کسی کو لکھا ہے نہ وہاں سے مجھے کسی نے تحریک کی ہے میرے خیال میں یہ بات محض اخباری گپ شپ ہے جو حیدر آباد میں تو مجھ سے بہتر آدمی موجود ہوں گے۔

اورینٹل کالج لاہور نے جو انصاف مجھ پر کئے ہیں ان کا مجھے علم نہیں وہ پرچہ تلاش کرنا چاہئے۔ ممکن ہے کہ ان اقدام میں کوئی کام کی بات ہو۔ لکھنؤ والے باور کرتے ہیں کہ اقبال شاعر ہے۔ مگر میری غرض شاعری سے زبان دانی کا اظہار نہیں نہ میں نے آج تک اپنے آپ کو شاعر لکھا ہے۔ حقیقت میں فن شاعری اس قدر دقیق اور مشکل ہے کہ ایک عمر میں بھی انسان اس پر حاوی نہیں ہو سکتا۔ پھر میں کیونکر کامیاب ہو سکتا ہوں جبکہ روزی کے دھندوں ہی سے فرصت نہیں ملتی۔ میرا مقصود گاہ گاہ نظم لکھنے سے صرف اسی قدر ہے کہ چند مطالب جو میرے ذہن میں ہیں ان کو مسلمانوں تک پہنچا دوں اور بس والسلام!

امید ہے کہ آپ قمر الدین صاحب کو اجازت نہ دینے سے ناراض نہ ہوں گے۔ غالباً آپ کو ان کے حالات کا علم نہ تھا ورنہ آپ ان کی سفارش نہ کرتے۔

مخلص محمد اقبال

کسی روز ضرور ملئے۔ آپ کی "نرجیت" اب اس قدر بلند ہو رہی ہے کہ نظر ہی سے غائب ہو گئی۔

محمد اقبال۔ ۹ مارچ ۱۹۱۷ء

بنام منشی محمد الدین فوق

(۱۰)

ڈیر فوق!

السلام علیکم۔ آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ "شیرازۂ رسائل کشمیر" پر مختلف کتابیں لکھ کر آپ نے مسلمانوں پر احسان کیا ہے۔ البتہ کشمیر کی قبر پرستی ایک ایسا مضمون ہے جس پر جہاں تک مجھے معلوم ہے آپ نے اب تک کچھ نہیں لکھا۔ اس پر سب سے زیادہ توجہ کی ضرورت ہے۔

رسالہ زاہنا کے کثیر مصارف میں آپ کے قلم سے نکلا ہے نہایت مفید اور دلچسپ ہے۔ طرز بیان بھی دلکش ہے اور مجھے یقین ہے کہ یہ رسالہ عام لوگوں کے لئے نہایت مفید ہوگا افسوس ہے میں آج تک کشمیر کی سیر نہیں کر سکا لیکن اس سال ارادہ ہے کہ آپ کا رسالہ مجھے بھی ہمراہ لے جائے۔

"اسرار خودی" کی کوئی کاپی اب موجود نہیں۔ مدت ہوئی پہلی ایڈیشن جس کی تعداد بہت زیادہ نہ تھی ختم ہو گئی ہے نسخہ ہائے کہ تعداد میں چھپوانے کی تجویز کی گئی تھی مجھے یقین نہ تھا کہ اصل (صحیح) نسخہ نہیں چھاپا گیا۔ اسلام ہندوستان میں ایک فراموش شدہ چیز ہے۔ اس واسطے اس کے مضمون سے بہت کم لوگوں کو دلچسپی ہوگی۔

ممکن ہے کہ دوسری ایڈیشن شائع ہو۔ ایسا ہوا تو سب سے پہلے ایک کاپی آپ کی خدمت میں ارسال ہوگی۔ اس مثنوی کا دوسرا حصہ بھی ترتیب اختتام ہے۔ والسلام!

مخلص محمد اقبال۔ لاہور ۸ رجون ۱۹۱۷ء

---

(۱۱)

مولوی محمد الدین فوق

ڈیر فوق!

السلام علیکم۔ آپ کا خط مورخہ ۱۵ مطبوعہ اخبار مل گیا ہے جس کے لئے شکریہ ہے۔ مائل ایشیا تک سوسائٹی بنگال کے بعض نمبر پنجاب پبلک لائبریری اور شاید یونیورسٹی لائبریری میں بھی ہوں۔ آپ کسی روز جا کر خود دیکھیں۔

رسالہ نظام کا اجراء مبارک ہو۔ میرے خیال میں تو آپ طریقت ہی کو فروغ دیتے تو شاید حضور نظام تصوف کی اشاعت کا سامان فرماتے۔ محمد دین صاحب صوفی[1] آپ سے بہتر نہیں ہیں لیکن وہ آدمی محاط فہم اور کاروان ہیں۔

میں بھی آپ کے لئے انشاء اللہ کچھ لکھوں گا۔

حکیم محمد دین صاحب کئی روز سے نہیں ملے۔ خدا کرے کہ اچھے ہوں۔ آپ سے ملیں تو میری طرف سے استفسار حال کیجئے۔ والسلام!

محمد اقبال لاہور ۱۶ دسمبر ۱۹۱۸ء

---

(۱۲)

مولوی محمد الدین فوق

ڈیر فوق صاحب!

السلام علیکم۔ آپ کا خط مل گیا ہے جس میں اودھ پنچ (لکھنؤ) کا ایک صفحہ ملفوف تھا۔ میں لاہور میں ہوں۔ سردی کی وجہ سے نہیں باہر نہیں گیا۔

نظم زیر تنقید میری ابتدائی نظموں سے ہے۔ اس میں بہت سی خامیاں ہیں لیکن تعجب ہے کہ معترض نے ان میں سے ایک پر بھی اعتراض نہیں کیا اور جس قدر اعتراض ہیں غالباً کتابت کی غلطیوں پر ہیں۔ لوگ اس نظم کو بار بار چھاپتے ہیں اور بغیر میری اجازت کے کم از کم مجھے یہ حق ہی دکھایا کریں۔ اس کا علاج میرے پاس کچھ نہیں۔ والسلام!

محمد اقبال لاہور ۲۸ دسمبر ۱۹۱۸ء

---

[1] حکیم صاحب نے طریقت بند کر کے نظام جاری کیا تھا [2] مولوی محمد دین صاحب مدیر رسالہ "صوفی" پنڈی بہاؤالدین۔

بنام منشی محمد الدین فوق　　(۱۳)

مدیر فوق!

السلام علیکم۔ ایک کاپی اس نظم کی مجھے بھی ارسال کیجئے جو میں نے آپ کو رسالہ انتظام میں شائع کرنے کے لئے دی تھی اس کا مسودہ بھی میرے پاس موجود نہیں۔

مخلص محمد اقبال از لاہور ۲۵ فروری ۱۹۱۹ء

[منشی سراج الدین صاحب ہمارے کے رہنے والے تھے۔ کئی سال تک مختلف بندوبست افسروں کے ماتحت شامل رہے پھر تحصیلدار ہو گئے۔ اپنی قابلیت اور مکنہ عملی کی بدولت افسال کے عہدے تک پہنچے۔ وہیں سے ریٹائر ہوئے مشن ہائی سکول سرینگر میں پریکٹیکل ٹیچر رہے۔ بعد کشمیر اور جموں میں پریکٹیکل (وکیل) کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔

آج سے قریباً پینتیس چالیس سال قبل، ریاست میں شیخ محمد بخش اور سیٹھ کریم بخش نامور تاجر تھے اور کوٹھی دار تھے کے الٹ پھیر سے ان کی حالت پتلی ہو گئی اور پنجاب نیشنل بنک کی شاخ سری نگر نے حساب کتاب اور لین دین کے معاملہ میں ان کی پگڑی اور قرقیاں کرائیں، ہزاروں کی جائداد سینکڑوں میں نیلام، قرقیوں وغیرہ میں بہت سی بے ضابطگیاں ہوئی تھیں۔ منشی سراج الدین نے جو شیخ محمد بخش مرحوم کے داماد تھے ڈاکٹر شیخ محمد اقبال کی قانونی قابلیت سے فائدہ اٹھانے کے لئے کشمیر بلایا۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم ایم اے بی ایل پلیڈر اور اپنے منشی شیخ طاہر دین کے ہمراہ کشمیر گئے اور تقریباً دو ہفتے سری نگر میں رہے۔ لاہور واپس آکر منشی صاحب کو جو خط ان میں اسی قضیے کے متعلق لکھا ہے۔]

بنام منشی سراج الدین ریٹائرڈ افسال کشمیر　　(۱۴)

مخدومی منشی صاحب!

السلام علیکم۔ آپ کا والا نامہ ابھی ملا ہے جس کے لئے سراپا سپاس ہوں۔

آپ سے رخصت ہو کر پانچ بجے شام راولپنڈی پہنچ گئے اور ۹ بجے شام کی ٹرین بھی مل گئی۔ رستے میں بھی خدا کے فضل کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ آپ کی مستعدی، خدمت گذاری اور مہمان نوازی کی تعریف کرتے کرتے منزل ختم ہو گئی۔ فالحمد للہ علی ذالک

میرا خیال تھا کہ آپ کے نام میں حکم سنا دیا گیا ہوگا مگر بیٹھ کر بلم بخش صاحب کے خط سے معلوم ہوا کہ جج صاحب رخصت سے واپس آکر حکم سنائیں گے۔ آپ سیٹھ صاحب کی خدمت میں عرض کر دیں کہ اگر وہ اشتہار نیلام جو پنڈت جانکی ناتھ نے کیا ہے مثل پر نہیں ہے تو اس کا کچھ اثر نہ سمجھنا چاہئے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ پر بھروسا رکھنا چاہئے۔ وہ مسلمان کی آخری امید ہے۔ شیخ اور بڑے شیخ صاحب سے کہئے کہ درود شریف پڑھنے سے غفلت نہ کریں۔ اس زمانے کے مسلمانوں کے لئے یہ بات خاص طور پر زیادہ کیا عرض کروں۔ خدا کے فضل و کرم سے میں اچھا ہوں۔ میری طرف سے سب کی خدمت میں سلام عرض کیجئے۔ گرمی کی شدت ہے، ابھی تک ہوا میں رطوبت اس کے بظاہر کوئی علامات نظر آتے ہیں۔ خواجہ احمد اللہ صاحب ایڈووکیٹ سری نگر کشمیر ملیں تو میرا سلام ان سے ضرور کہئے۔

بخدمت سیٹھ کریم بخش صاحب مضمون واحد۔　　مخلص محمد اقبال لاہور ۱۹۲۱ء

(۱۵)

بنام منشی سراج الدین صاحب

مخدومی منشی صاحب!

السلام علیکم۔ آپ کی علالت کی خبر معلوم کر کے تردد ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنا فضل کرے۔ نقل فیصلہ مرسلہ سیٹھ کریم بخش صاحب مل گئی ہے اور میں نے فیصلہ بغور پڑھا ہے۔

دفعہ ۴ کے متعلق جج صاحب بہادر نے جو کچھ لکھا ہے میری رائے میں غلط ہے۔ ہائی کورٹ میں اس کی چارہ جوئی ہو سکتی ہے لیکن اگر عدالت ہائی کورٹ اس امر میں ہم سے متفق ہو اور واقعات پر متفق نہ ہو تو ہمیں کوئی فائدہ نہیں۔ اس واسطے زیادہ ضروری امر واقعات کے متعلق ہے۔

واقعات کے متعلق یہ عرض ہے کہ جج صاحب نے وہی بات لکھی ہے اور اپنے فیصلے کو اسی بات پر مبنی کیا ہے جس کا احساس ہمیں پہلے ہی سے تھا یعنی یہ بات کہ واقعات اور بے ضابطگیوں سے ڈگری دار کی بدنیتی ثابت نہیں ہوتی۔ میں نے یہ تمام باتیں پہلے ہی عرض کر دی تھیں۔ سب سے بڑی کمزوری اس مقدمہ میں یہی ہے۔ مجھے امید نہیں کہ ہائی کورٹ جہاں تک بے ضابطگیوں اور غلطیوں کا تعلق ہے، اسے۔ ڈی حکیم صاحب سے مختلف تجویز کرے۔

شیخ صاحبان اپنی جگہ سوچ لیں اور اس تمام ذمہ داری کا اندازہ کر لیں جو اپیل وغیرہ کا نتیجہ ہوگی۔ اگر معمولی مالیت کا مقدمہ ہوتا تو مضائقہ نہ تھا۔ مقدمہ کی مالیت بھی بڑی ہے اور اخراجات وکلاء وغیرہ بھی اسی حیثیت سے ہوں گے۔ غرض ان کو تمام امور ملحوظ رکھ کر آخری فیصلہ کرنا چاہیے۔ میں نہیں چاہتا کہ ان کی ذمہ داری میں اور اضافہ ہو۔ وجوہات اپیل دو چار روز تک لکھ کر ارسال خدمت کر دوں گا۔ اگر آپ کی مرضی ہو تو آپ اپیل دائر کر دیں۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ چند ابتدائی غلطیوں کی وجہ سے اس مقدمہ کا فیصلہ آپ کے حق میں نہ ہو سکا مگر خدا تعالیٰ کی درگاہ سے مایوس نہ ہونا چاہیے۔ اگر یہ صورت نہیں تو اللہ تعالیٰ سیٹھ صاحبان کے لئے کوئی اور صورت پیدا کر دے گا۔ سیٹھ صاحبان کی خدمت میں السلام علیکم۔

مخلص محمد اقبال لاہور ۱۳ اگست ۱۹۲۱ء

(۱۶)

بنام منشی سراج الدین صاحب

ڈیر منشی صاحب!

السلام علیکم۔ آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ الحمد للہ کہ خیریت ہے۔ انشاء اللہ آپ کے ارشاد پر غور کیا جائے گا۔

افسوس کہ رحمان[۱] راہ کا کامل طور پر نہ پتا لگا کر پھانسی سے بچ گیا۔ لارکنز[۲] صاحب سے لاہور میں میں نے اس مقدمہ کا مفصل ذکر کیا تھا اور تمام بڑی بڑی باتیں ان کو سمجھا دی تھیں اور یہ بھی درخواست کی تھی کہ مقدمہ کی سماعت جموں میں کریں تو ہمیں بغیر مزید فیس کے بحث

---

[۱] رحمان راہ سری نگر کا ایک باشندہ تھا اور وہ قتل کے مقدمہ میں ماخوذ تھا۔ یہ مقدمہ سری نگر ہی میں اقبال کو ملا تھا۔ یہ شخص پھانسی سے تو بچ گیا مگر قید ہو گیا۔

[۲] مسٹر لارکنز جج ہائی کورٹ کشمیر بھی علامہ اقبال کی طرح مولانا میر حسن کے شاگرد تھے۔ عربی فارسی خوب جانتے تھے۔

کروں گا مگر افسوس کہ وہ مقدر کشمیر میں نہ تھا۔

بہرحال میں نے منشی اسداللہ کی تحریر پر اپنی بحث کے مفصل نوٹ ان کو بھیج دیئے تھے جو عدالت میں پیش کر دیئے گئے تھے۔ ڈاکٹر حسین صاحب نے مجھ سے کہا تھا کہ تمہاری بحث کے مفصل نوٹ مثل پر موجود ہیں۔ اس وقت اگر میعاد کا سوال نہ اٹھایا جاتا تو مقدمہ مہاراجہ (سر پرتاب سنگھ) کے سامنے ہی غالباً فیصلہ ہو جاتا۔ مگر منشی اسداللہ صاحب یہ خیال کرتے رہے کہ بار بار گھنٹہ کے سامنے پیش ہوگا جہاں رحمان راہ کی برہنگی کی توقع ہے اس واسطے اس وقت التوا کو غنیمت سمجھا گیا۔ ورنہ میں نے خود ان صاحب سے بھی کہہ دیا تھا کہ آپ ابھی فیصلہ کر دیں۔ کیونکہ دوبارہ یہاں آنے کا خرچ موکل اپنی غریبی کی وجہ سے نہ اٹھا سکیں گے۔ مگر منشی اسداللہ صاحب کا یہی خیال تھا کہ التوا بہتر ہے مگر افسوس کہ بعد میں ان کا خیال پورا نہ ہو سکا اور کونسل اب تک نہ بن سکی۔ میں سمجھتے رہے کہ اس نہیں میں جو انہوں نے مجھ کو دی تھی میں دوبارہ کشمیر آجاؤں گا۔ مگر یہ کیونکر ممکن تھا۔

اس کے علاوہ مہاراجہ صاحب کے سامنے میں نے یہ سب کچھ کہہ دیا تھا۔ بہرحال اب میں نے سنا ہے کہ گورنمنٹ آف انڈیا میں لالہ کنور حسین صاحب کے فیصلہ کے خلاف اپیل کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے مندرجہ بالا طویل حالات لکھ کر آپ کو تکلیف دی ہے۔ اس سے غرض یہ ہے کہ اگر رحمان راہ کے وارثوں کا ارادہ اپیل کرنے کا مصمم ہو تو میں بغیر کسی مزید فیس کے ان کی اپیل لکھ دوں گا۔ آپ یہ مراسلہ کے گوش گذار کر دیں۔

چونکہ کشمیر میں یہ معاملہ ہندو مسلمان سوال بن گیا ہے اس واسطے ممکن ہے رحمان راہ کے وارثوں کو یہ خیال ہو کہ گورنمنٹ آف انڈیا کا قانونی ممبر بھی تو ایک کشمیری پنڈت ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور دقت بھی ہے اور وہ یہ کہ جہاں تک مجھے معلوم ہے مہاراجہ کی طرف سے اگر کسی کو پھانسی کا حکم ہو تو اس کی اپیل گورنمنٹ آف انڈیا میں ہوتی ہے۔ قید کا اگر حکم ہو تو اس کی اپیل نہیں ہوتی۔ بہرحال اگر ان کا ارادہ ہو تو مجھے اس میں کچھ عذر نہ ہوگا۔ اس صورت میں آپ ان سے کہہ دیں کہ میری بحث کے مفصل نوٹ اور دیگر کاغذات بھیج دیں۔ انشاء اللہ خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ امید ہے آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔　　والسلام!

مخلص محمد اقبال لاہور۔ ۲ر اپریل ۱۹۲۲ء

---

(۱۷)

بنام میر غلام رشید صاحب[1]

مکرمی!

السلام علیکم۔ آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ میں شملہ میں آفتاب دیکھنے کو ترس گیا۔ اس کے علاوہ اندیشہ تھا کہ ہوا کی رطوبت نقرس عود نہ کر آئے۔

شعر زیر بحث کے متعلق یہ عرض ہے کہ دوسری پارٹی کا خیال نہیں ہے۔ اعتقادات کی بحث نہیں بلکہ فرقہ بندی کی بحث ہے بعض اسلامی فرقے (خاصتاً حنفی) مسیح و علی رضی اللہ عنہ کو نصاریٰ کا خدا اور شیعوں کا علی کہہ کر گالیاں دے لیتے ہیں۔ خود مرزا صاحب مرحوم

---

[1] میر غلام رشید صاحب ان دنوں حکومت ہند کے فارن اینڈ پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ میں ملازم تھے اور اب گلگت ایجنسی سے ریٹائر ہونے کے بعد سرینگر میں مقیم ہیں۔ بڑا سلجھا ہوا علمی ذوق رکھتے ہیں۔

ان کے ذریعہ مولوی عبدالکریم نے شیعوں کی تردید میں بڑی عمدہ طریقہ اختیار کیا ہے[۱]۔ امید ہے کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ چودھری محمد حسین[۲] صاحب سے سلام کہئے گا۔ والسلام

محمد اقبال سیالکوٹ ۱۵ اگست ۱۹۳۲ء

(۱۸)

نام پتہ: خیبا احمد

مخدومی!

السلام علیکم۔ والا نامہ ملا جس کے لئے سراپا سپاس ہوں۔

مولوی عبدالسلام کی دونوں کتابوں سے میں بہت مستفیض ہوا۔ میری طرف سے ان کی خدمت میں بہت بہت آداب عرض کیجئے نیز التماس دعا بھی کیجئے۔ کرسمس کے دنوں میں دلی آنے کی امید نہیں۔ البتہ فروری میں لکھنؤ ہے۔ انشاء اللہ العزیز مولوی صاحب سے بھی شرف نیاز حاصل ہوگا۔ غزل مطلوب کے چند اشعار یاد ہیں عرض کرتا ہوں۔

کبھی اے حقیقت منتظر نظر آ لباس مجاز میں!　　کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبین نیاز میں

طرب آشنائے خروش ہو تو نوائے محرم گوش ہو　　وہ سرود کیا کہ چھپا ہوا ہو سکوت پردہ ساز میں

دم طوف کرمک شمع نے یہ کہا کہ وہ اثر کہن　　نہ ترے فسانہ مسوز میں نہ مری حدیث گداز میں

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے ترا آئینہ ہے وہ آئینہ　　کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئینہ ساز میں

نہ وہ عشق میں رہیں گرمیاں نہ وہ حسن میں رہیں شوخیاں　　نہ وہ غزنوی میں تڑپ رہی نہ وہ خم ہے زلف ایاز میں

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی جو اماں ملی تو کہاں ملی　　مرے جرم خانہ خراب کو ترے عفو بندہ نواز میں[۳]

شاید دو چار شعر اور ہوں گے لیکن اس وقت یاد نہیں آئے، پھر عرض کروں گا۔ جو شعر آپ نے خط میں لکھا ہے معلوم نہیں کس کا ہے مگر شعر خوب ہے۔

---

[۱] اقبال نے نظم "ابر گہربار" یا سنو یا دامت کا ایک شعر ہے ؎

یہ نصاریٰ کا خدا اور وہ علی شیعوں کا　　ہائے کس ڈھنگ سے اچھوں کو برا کہتے ہیں

غالباً اس کے مفہوم کے متعلق دو فریقوں کی رائیں مختلف تھیں۔ اقبال سے پوچھا گیا تو واضح کر دیا کہ اس میں عقائد کی بحث نہیں بلکہ فرقہ بندی کی بحث ہے مناظروں میں بعض اصحاب نے یہ طریقہ اختیار کر لیا تھا کہ مثلاً حضرت مسیح علیہ السلام کے خلاف بڑے انداز میں باتیں کہتے اور کہا جاتا تو کہہ دیتے ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہیں کہتے بلکہ انجیلوں کے مسیح کو کہتے ہیں۔ یہی طریقہ بعض لوگوں نے حضرت علیؓ کے متعلق اختیار کر لیا تھا جیسا کہ اقبال نے خود اجمالاً اشارہ کر دیا ہے گویا اقبال کا یہ شعر اس طریق مناظرہ و گفتگو کے خلاف ہے۔

[۲] جن کو اقبال نے بھری عمر میں اپنی جانشینی کا وصیتی معتمد کیا تھا۔ (محمد عبداللہ قریشی)

[۳] "مگر وہ" اس کا صرف ایک شعر اور ہے ؎

جو میں سر بسجدہ ہوا کبھی تو زمیں سے آنے لگی صدا　　ترا دل تو ہے صنم آشنا تجھے کیا ملے گا نماز میں

حضور سرور کائنات کو مخاطب کر کے چند اشعار جن کے لکھے تھے جو مولوی صاحب کی خدمت میں عرض کیجئے۔ مجھے امید ہے انہیں پسند آئیں گے۔

تیغ لا در پنجۂ ایں کافر حق پرورده　　باز بنگر در جہاں ہنگامۂ الا اللہ من!
از سپہر ما نگاہت کہکشاں افروختہ　　جلوہ داری در ریاض از عاد لی بیگانۂ من
با خدا در پردہ گویم با تو گویم آشکارا　　یا رسول اللہ او پنہاں و تو پیدائے من[1]

مخلص محمد اقبال لاہور ۱۳ دسمبر ۱۹۲۲ء

نوٹ: اس خط کا جواب پیر خورشید احمد کی طرف سے حاشیہ پر ملاحظہ فرمائیں[2]

---

[1] اس کے ساتھ متعدد اور اشعار بھی بھیجے۔

[2] تاریخ اس وقت (۱۳ دسمبر ۱۹۲۲ء)

مطاعی جناب قبلہ ڈاکٹر صاحب

آداب عرض ہے۔ آپ نے اپنے گرامی نامہ میں اس رنگ آفرینش کو "محمدی" سے خطاب فرمایا ہے۔ میں اسے پڑھ کر بہت ڈرا ہوا اول تو اس لیے اور یہ جرأت یہ کہ جناب ایسی ہستی کو خط لکھا ہوں، دوم گستاخانہ آرزو یہ کہ جواب کا امیدوار ہوتا ہوں، اس پر آپ نے محمدی کا خلاف اکبر کا خطاب نہ لکھ دیا۔

جواب میں بہت توقف ہوا۔ اس کی وجہ صرف یہ کہ قبلہ مولوی صاحب کو خط سنانے کا موقع نہیں ملتا تھا۔ کل صبح ہی ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے خط پڑھ کر سنایا۔ فرمانے لگے، ڈاکٹر صاحب کو میرا اسلام کہو اور لکھو ؎

اے سالکِ بے خبر ز راہ و رسمِ منزل ہا　　تا جستہ گہی منزل خود گم کردہ راہی

چوں علت و غایت ہمہ اسباب دلِ ماست　　ایمان بمحمد ﷺ ایمانِ بہ اسباب دلِ ما

پھر مسلسل شب ایک محفل میں بیٹھے ہوئے یہ مطلع ؎

لبھی اے حقیقتِ منتظر نظر آ لباسِ مجاز میں

دُہرا رہے تھے۔ فرمانے لگے، جو کوئی مس لائن ہوتا ہے اسے وہی ملتا ہے۔ جو ذہن اور تخیل ڈاکٹر صاحب کو عطا ہوا ہے اگر وہ کسی اور (ہندی) کو عطا ہوتا تو یہ حضرت برداشت نہ کر سکتے۔ ان کے دماغ پھٹ جاتے اور دیوانے ہو جاتے۔ وغیرہ وغیرہ۔

کل صبح ملا۔ فرماتے تھے میں نے ڈاکٹر صاحب کو رہل میں دیکھا ہے اور ان سے باتیں بھی کی ہیں۔ شاید انہیں یاد ہو۔

میں منتظر ہوں کب فروری آئے اور جناب کی صحبت کے فیض حاصل ہوں۔ اگرچہ یہ فقرہ رسمی ہے کہ میرے لائق کوئی کام ہو سکتا ہو تو لکھیں میں اسے دل سے لکھ رہا ہوں کیونکہ اپنے لئے سعادت جانتا ہوں۔

خورشید

(۱۹)

بنام محمد الدین فوق

ڈیر فوق صاحب!

السلام علیکم۔ آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ آپ کے مصائب کا حال سن کر بہت افسوس ہوا۔ اللہ تعالیٰ صبر جمیل عطا فرمائے۔ مرزی عبداللہ خوفناک حد تک کامیاب رہے تھے کہ ان کو اپنے بیٹے کے قتل کئے جانے کی خبر ملی۔ ایک منٹ تامل کیا پھر خدا کو مخاطب کر کے کہا "ما برضائے او راضی ہستیم۔ بباشید کہ کار خود بکنیم" یہ کہہ کر پھر اس میں مصروف ہو گئے۔ مخلص مسلمان اپنے مصائب کو بھی خدا تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ بنا لیتا ہے۔

"شباب کشمیر" ضرور لکھئے بہت مفید کتاب ہو گی ـــ اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ کشمیر کے لوگوں میں خودداری کی روح پیدا کی جائے۔ میں نے بھی ایک نظم اس مضمون پر لکھی ہے جو عنقریب فارسی مجموعہ میں شامل ہو گی۔ افسوس ہے کہ مجھے تاریخ کشمیر سے بہت کم آگاہی ہے۔ ممکن ہے پنڈت شیو نرائن قسیم آپ کی مدد کر سکیں۔ رام تیرتھ گیانی خالصہ کالج کے پاس ہے۔ اگر نہ ہوئی تو پنجاب پبلک لائبریری سے ضرور مل جائے گی۔

"اسلام میں سیاست" چودہ سال ہوئے انگریزی زبان میں لکھا گیا تھا یعنی ۱۹۰۸ء میں جب ترکی میں انقلاب ہو رہا تھا جس کا سہرا آخر کار ۱۹۰۹ء میں سلطان عبدالحمید خان کی معزولی میں ظاہر ہوا۔ یہ مضمون لندن کے سوشیالوجیکل ریویو میں شائع ہوا تھا۔ پیسہ اخبار نے اس کا جو بہت غلط شائع کیا ہے۔ صحیح ترجمہ زمیندار میں شائع ہوا تھا۔ یہ ترجمہ چودھری محمد حسین صاحب ایم۔ اے سیکرٹری نواب سر ذوالفقار علی خاں صاحب نے کیا تھا معتبر ہے۔ اگر آپ چھاپنا چاہیں تو بڑی خوشی سے پمفلٹ فارم میں شائع کریں مجھے کوئی اعتراض نہیں البتہ چودھری صاحب سے بھی اجازت لے لیں تو بہتر ہے۔ وہ ایک آدھ روز تک سیالکوٹ جانے والے ہیں وہاں سے جنوری کے شروع میں واپس آئیں گے۔ ان کو اجازت دینے میں مجھے یقین ہے تامل نہ ہو گا۔ انگریزی مضمون چند دن ہوئے مسلم آؤٹ لک میں چھپا تھا۔ وہ مطلوب ہو تو مسلم آؤٹ لک سے مل سکتا ہے۔

باقی رہے میرے حالات، سو ان میں کیا رکھا ہے؟

میری طرز رہائش مشرقی ہے۔ آپ جب چاہیں شوق سے تشریف لا سکتے ہیں۔

محمد اقبال، لاہور ۱۹ دسمبر ۱۹۲۲ء

(۲۰)

بنام محمد الدین فوق

ڈیر فوق!

السلام علیکم۔ مخدومی جناب مولوی[1] صاحب نے جو نام لکھے ہیں ان میں سے میں کسی کو نہیں جانتا۔ سوائے عشق پیچہ شاعر کے جو کوئی شاعر نہ تھا ان تک بند ضرور تھا۔ سیالکوٹ کے مشہور قدیم شعراء میں سے شیخ محمد علی راسخ تھے۔ ان کا دیوان فارسی میں بہت ضخیم میں نے خود دیکھا ہے۔ غالباً شاہجہاں یا عالمگیر کے عہد میں تھے۔ ٹیک چند نے بہار عجم میں جا بجا ان کے اشعار کو محاورات فارسی کی سند میں لکھا ہے۔ ایک

---

[1] مولوی اسمٰعیل مراد مولوی سید میر حسن سیالکوٹی۔

شعر مجھے بھول رہا ہے ؎

از جمالے سرو قدے دیگر بہ بند اقتادہ ام　　دوستاں رسمے کہ با ہم بستہ افتادہ ام

غالباً کسی نہ کسی تذکرہ میں ان کا ذکر ضرور مل جائے گا۔ بطوطی صاحب قبلہ مرحسن صاحب کے متعلق جہاں تک مجھے یاد ہے میری کوئی
شاید کوئی شعر اشارۃً کسی نظم میں ہو۔ والسلام!

محمد اقبال لاہور ۴ مارچ ۱۹۲۳ء

---

(۲۱)

بنام میر غلام رشید احمد

مخدومی!

تسلیم۔ سائل صاحب (ریاضی) کا جواب میری رائے ناقص میں صحیح ہے۔ اصل عربی لفظ دُرّۃ (دُرّۃ التاج) ہے۔ ہمیں
دُرّ آتی ہے اور شاید دراری بھی۔ فارسی میں بغیر تشدید بھی لکھتے ہیں۔ دُرِ یکتا، دُرِ ثمین، دُرِ مکنون، دُرِ یتیم، دُرِ خوشاب، دُرِ شاہوار، دُرِ نایاب
جہاں تک مجھے معلوم ہے سب درست ہیں۔ اگر ان ترکیبوں میں دُرِ یکتا وغیرہ میں تشدید بھی لکھیں تو بھی درست ہے۔ افسوس ہے
اس وقت مجھے کوئی یاد نہیں۔ اگر مطالعہ میں آگئی تو لکھ بھیجوں گا۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ دُرِ یکتا اور دُرِّ یکتا دونوں درست ہیں۔ بنیاد صاحب
کا استدلال صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ قاآنی نے ایزد یکتا (حالانکہ یکتا ایزد کی صفت معناً نہ ہونی چاہئے) اور رُخِ یکتا بھی لکھا ہے
صورت میں دُرِ یکتا میں کیا تامل ہو سکتا ہے۔

ساقی نامہ[1] کشمیر کے متعلق بعض لوگوں کا گلہ سن کر مجھے تعجب ہوا۔ افسوس ہے ہندوستان سے فارسی رخصت ہو گئی
نے محض قومی عنایت سے کشمیریوں کی بھی ہوگی۔ کیونکہ ایک زمانہ میں کشمیر ایران کا ہمسر رہ چکا ہے۔ میں نے تو کھڑا دیا ہے
سیاق اشعار سے صاف ظاہر ہے۔ کھڑے کی بنا بھی واقعات پر ہے جن کا میں نے کشمیر میں خود مشاہدہ کیا ہے۔
پنجاب کے کشادہ کی حالت کشمیر کے کشادہ سے بدرجہا بہتر ہے۔ نظم کا موضوع کشادہ کشمیر ہیں نہ کشادہ پنجاب ہے۔

---

[1] ساقی نامہ پیامِ مشرق کی مشہور نظم ہے جو علامہ اقبال نے نشاط باغ کشمیر میں کہی تھی۔ اس میں بہار کا منظر پیش کرنے کے بعد ساقی (خدا) سے دعا کی گئی ہے کہ وہ باشندگانِ کشمیر کے دلوں میں آزادی کا جذبہ پیدا کر دے۔ اس کے چند شعر جنہیں ہجو تصور کیا گیا ہے، یہ ہیں ؎

کشیری کہ با بندگی خو گرفتہ　　بتے می تراشد ز سنگِ مزارے
ضمیرش تہی از خیالِ بلندے　　خودی ناشناسے ز خود شرمسارے
بدشمیر قبا خواجہ از محنت او　　نصیبِ تنش جامہ تار تارے
نہ در سینہ او دلِ بے قرارے　　نہ در دیدۂ او فروغِ نگاہے

اناں مے فشاں قطرۂ بر کشیری
کہ خاکسترش آفریند شرارے

(محمد عبداللہ قریشی)

میرے اشعار کو کشمیری لڑکی ہر جگہ تک کہتی ہیں وہ شعر کے مذاق اور مقام سے بالکل بے بہرہ ہیں۔ ان کے لئے یہی جواب کافی ہے کہ میرے کلام جاہلا بالی خطرناک ہے۔

شعر میں..... کے لفظ سے جو مذاق پیدا ہوتا ہے وہ معلوم نہیں ہم کب پیدا کی جائے گی[1]۔

محمد اقبال لاہور ۲ مئی ۱۹۲۳ء

نام میر خورشید احمد

(۲۲)

بر بنا گوش تو اے نیک تماشا دو یتیم
سنبل تازہ ہے بر دوش نقاوہ سیم (فرنگی)

اس شعر سے ظاہر ہے کہ دو مع التشدید واحد ہے اور اس کی صفت میں لفظ یتیم واقع ہوا ہے جس کے معنی بے نظیر و یکتا کے ہیں۔ والسلام!

محمد اقبال از لاہور ۳ مئی ۱۹۲۳ء

نام میر خورشید احمد

(۲۳)

مکرمی!

تسلیم۔ لفظ دو مع التشدید جمع نہیں بلکہ واحد ہے۔ میں آج صبح قصیدہ بردہ پڑھ رہا تھا اس میں یہ شعر نظر آیا ؎

فالدر یزداد حسناً وہو منتظم
ولیس ینقص قدراً غیر منتظم

یعنی موتی حسن کے اعتبار سے بڑھ جاتا ہے جب سلسلہ میں منسلک ہو اور اگر منسلک نہ ہو تو بھی اس کی قدر گھٹتی نہیں۔ ایسی صورت میں دو یکتا کیونکر غلط ہو سکتا ہے۔ اگر یہ لفظ جمع ہوتا تو یہ کہا جا سکتا تھا کہ یکتا کا لفظ اس کی صفت نہیں ہو سکتا۔ والسلام!

محمد اقبال لاہور یکم جون ۱۹۲۳ء

نام میر خورشید احمد

(۲۴)

مکرم بندہ!

السلام علیکم۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں جہاں آپ چاہیں چھپوائیں۔ ہمایوں بھی اچھا رسالہ ہے امام شرف الدین کا لقب "بصیری" ہے۔ جو لوگ ان کے مخلص کا دستور نہ تھا۔ میں نے مثنوی رموز بیخودی میں بھی اس کا ذکر کیا ہے ؎

اے بصیری را ردا بخشندہ
بر بساط سلمے مرا بخشندہ

والسلام! محمد اقبال لاہور ۳۰ جون ۱۹۲۳ء

---

[1] غالباً قانطہ بڑکی رسم کی طرف اشارہ ہے جو خاص اہتمام سے ادا کی جاتی تھی۔

(۲۵)

بنام مولوی شیدا احمد

مکرمی جناب خورشیدا

ایں صاحب کا میری طرف سے بہت بہت شکریہ ادا کیجئے۔ قطعہ ان کا بہت اچھا ہے کسی اخبار میں اس کی اشاعت کر دیجئے شاید زمینداد اس مطلب کے لئے موزوں ہوگا۔

تعجب ہے عربی شعر کو جناب[1] (نگار) کسی عجمی کا بتاتے ہیں۔ وہ شعر حضرت بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کا ہے جو مصر کے مشہور شعرا میں سے ہیں۔ ان کا نام امام شرف الدین ہے۔ چھٹی صدی کے آخر میں مکہ میں پیدا ہوئے۔ ساتویں صدی کے وسط میں بمقام قاہرہ ان کا انتقال ہوا خالص عرب تھے۔ مشہور قصیدہ بردہ جس کا لوگ ورد کرتے ہیں انہی کی تصانیف سے ہے۔ والسلام!

میں انشاء اللہ اگست میں شملہ آؤں گا۔

محمد اقبال لاہور، ۲۶ جون ۱۹۲۳ء

(۲۶)

بنام منشی محمد الدین فوق

ڈیر فوق صاحب!

السلام علیکم۔ آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ الحمد للہ کہ تا حال ہر طرح خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ اگر آپ نے خواب میں مجھے دوزخ میں دیکھا ہے تو یہ بالکل صحیح ہے کیونکہ لاہور آج کل دوزخ سے کم نہیں۔ باقی خیریت ہے۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام!

مخلص محمد اقبال لاہور، ۳۰ جون ۱۹۲۳ء

---

(۲۷)

بنام نصیر الدین ہاشمی

جناب من!

السلام علیکم۔ میں نقرس کی وجہ سے صاحب فراش تھا اس واسطے اس سے پہلے آپ کے خط کا جواب نہ دے سکا۔ معاف فرمائیے۔

"دکن میں اردو" نہایت مفید کتاب ہے خصوصاً اس کا پہلا حصہ جو میں نے نہایت غور سے پڑھا۔ اردو زبان اور لٹریچر کی تاریخ کے لئے جس قدر مسالہ ممکن ہو جمع کرنا ضروری ہے۔ غالباً پنجاب میں ابھی کچھ پرانا مسالہ موجود ہے، اگر اس کے جمع کرنے میں کسی کو کامیابی ہو گئی تو مورخ اردو کے لئے نئے سوالات پیدا ہوں گے۔

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص محمد اقبال

لاہور، ۱۰ مئی ۱۹۲۵ء

نوٹ: اس خط کے چند سال بعد پنجاب میں "اردو" محمود شیرانی نے شائع فرمائی۔

---

[1] جناب نیاز فتحپوری۔ مدیر نگار، لکھنؤ۔

(۲۸)

بنام منشی محمد الدین فوق

ڈیر فوق!

اودھ پنچ کا مضمون "بیمارانِ لکھنؤ" کے جواب میں ہے۔ مجھے پہلے سے خیال تھا کہ اس کا جواب لکھا جائے گا، بہرحال مرجعہ دلفریبی مذاق کی حالت قابلِ ماتم ہے۔

ذخیرۃ الملوک (مصنفہ میر سید علی ہمدانیؒ) کے دیکھنے کا میں بھی مشتاق ہوں۔ سنتا ہے کوئی شخص کشمیر میں اس کا ترجمہ اردو میں بھی کر رہا ہے۔ والسلام!

محمد اقبال۔ ۵ مئی ۱۹۲۶ء

(۲۹)

بنام میر حسن الدین[1]

جناب من!

السلام علیکم۔ مجھے کوئی قابل نہیں آپ بلاتکلف اس کا ترجمہ شائع فرما سکتے ہیں، مگر میرے نزدیک اس کا ترجمہ کچھ مفید نہ ہوگا۔ یہ کتاب اب سے اٹھارہ سال پہلے لکھی گئی تھی۔ اس وقت سے بہت سے نئے امور کا انکشاف ہوا ہے اور خود میرے خیالات میں بھی بہت کچھ انقلاب آچکا ہے۔ عربی زبان میں غزالی، طوسی وغیرہ پر طبع زاد کتابیں لکھی گئی ہیں جو میری تحریر کے وقت موجود نہ تھیں۔ میرے خیال میں اب اس کتاب کا تھوڑا سا حصہ باقی ہے جو تنقید کی زد سے بچ سکے۔ آئندہ آپ کو اختیار ہے۔ میری رائے میں ترجمہ کرنے سے بہتر یہ بات ہے کہ آپ خود ایسی تاریخ لکھیں۔ فقط!

محمد اقبال لاہور ۱۱ جنوری ۱۹۲۷ء

(۳۰)

لاہور، ۱۰ فروری ۱۹۲۵ء

میر ولی اللہ[2] خوش نویس امام جامع مسجد دہلی کے خاندان سے ہیں اور یہ وہ محترم خاندان ہے جس کے مورثِ اعلیٰ کو شہنشاہ شاہجہاں علیہ الرحمۃ نے بخارا سے بلا کر امام جامع مسجد مقرر کیا تھا۔ میر ولی اللہ کے والد مولانا حافظ امیر الدین مرحوم و مغفور بہادر شاہ بادشاہ دہلی کے استاد تھے۔ ان کے والد حافظ سید محمد سعید سلطنت دکن اور بھوپال کے وظیفہ خوار تھے جو ان کو ان کی خاندانی شرافت و نجابت و تقویٰ کی بنا پر عطا کیا گیا تھا، میرے نزدیک اس خاندان کے افراد قدر کے مستحق ہیں۔

محمد اقبال بیرسٹر ایٹ لا۔

---

[1] میر حسن الدین بی۔ اے ایل ایل بی وکیل جامعہ عثمانیہ کے ایک لائق سپوت تھے۔ اقبال کی کتاب "فلسفۂ عجم" کا ترجمہ کیا تھا جو بعد کو تصدق حسین صاحب تاج نے شائع کیا۔ یہ خط اسی کے ترجمہ کا ذکر کرتا ہے۔ حسن الدین صاحب نے حیدرآباد میں سالہا سال تک ایک ہفتہ وار اخبار مملکت مرتب اور شائع کیا۔ یہ خط تاج صاحب نے ادارے میں داخل کیا ہے اور اب تک نہیں چھپا ہے۔

[2] اصل خط مولی اللہ بشیر کے پاس محفوظ ہے جس کا فوٹو گراف انہوں نے مجھے دیا ہے جو میرے ذخیرے میں موجود ہے۔ مولی اللہ بشیر (جن کا ذکر اس خط میں ہے) یہاں مرحوم اور بڑے اچھے خطاط ہیں۔ (نگین کاظمی)

بنام تمکین کاظمی　　جناب من[1]　　(۳۱)

تسلیم۔ نوازش نامہ ابھی ملا ہے۔ میں ذاتی طور پر ترجموں کا قائل نہیں ہوں۔ تاہم آپ جتنا شعار ترجمہ کر کے بھیجئے تو میں راستے دینے کے قابل ہو سکوں گا۔ اس سے پہلے جو نمونے تراجم کے وصول ہوئے بہت ناقص تھے۔ میں نے خود اسرار خودی کا انگریزی اور اردو میں کچھ حصہ شروع کیا تھا مگر مطالب ادا کرنے سے قاصر رہا۔ جو حصہ لکھا گیا تھا اس کو تلف کر دیا گیا۔ کئی سال بعد پھر یہی کوشش میری کی۔ تقریباً ڈیڑھ سو اشعار لکھے مگر میں ان سے مطمئن نہیں ہوں۔

محمد اقبال لاہور ۱۶ اگست ۳۸ء

بنام تمکین کاظمی　　(۳۲)

جناب من[2]

تسلیم۔ میں نے آپ کا ترجمہ دیکھا ہے افسوس کہ ناقص اور بعض بعض جگہ غلط ہے۔ میری رائے میں اس ترجمہ سے اردو کو کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ محض لفظی ترجمہ ادبی اعتبار سے بے سود بلکہ شاید مضر ہے۔ میری دوستانہ رائے یہ ہے کہ آپ اپنے اوقات کے لئے کوئی بہتر مصرف تلاش کریں۔ امید ہے کہ اس بے لاگ رائے سے آپ ناخوش نہ ہوں گے۔

محمد اقبال لاہور ۴ ستمبر ۳۸ء

بنام تمکین کاظمی　　جناب من[3]　　(۳۳)

تسلیم۔ نوازش نامہ مل گیا ہے۔ زبور عجم پر شوق سے مضمون لکھئے میری طرف سے اجازت ہے۔ فی الحال علالت کی وجہ سے بہت کم لکھنا پڑھتا ہوں۔ درد گردہ نے دو ماہ تک بیقرار کیا۔ اب خدا کے فضل سے اچھا ہوں اور صحت کے خیال سے چند روز کے لئے شملہ میں مقیم ہوں۔ لاہور جانے ہی فرصت کے اوقات الٰہیات اسلامیہ پر کچھ لکھنے میں صرف ہوں گے۔ جن کا وعدہ میں مسمی ایسوسی ایشن مدراس سے کر چکا ہوں اگر فروری ۳۹ء تک یہ کچھ لکھ سکا تو۔ راس میں پڑھے جائیں گے۔ امید ہے کہ آپ مجھے معاف فرمائیں گے۔

محمد اقبال شملہ ۱۸ ستمبر ۳۸ء

---

[1] یہ خط میرا مرسولہ ہے۔ میں نے علامہ کی اسرار خودی کا ترجمہ اردو نظم میں کرنے کا ارادہ کیا تھا اس کی اطلاع علامہ کو دی تو علامہ نے یہ جواب لکھا ہے۔ اصل خط میرے ذخیرے میں محفوظ ہے۔ (تمکین کاظمی)

[2] اس خط کے متعلق لوگوں کو یہ معلوم کر کے حیرت ہوگی کہ یہ میرے نام ہے۔
میں نے اقبال کی فارسی نظموں کا اردو نظم میں ترجمہ کرنا شروع کیا تھا ان دنوں مجھے قافیہ پیمائی کا شوق تھا اور اسی کو میں شاعری تصور کرتا تھا۔ یہ ترجمہ میں نے اقبال کو بھیجا تو انہوں نے یہ رائے دی جو اس خط میں آپ ملاحظہ کر رہے ہیں۔ میں نے غور کیا تو بالکل صحیح مشورہ تھا۔ اسی روز سے میں نے شاعری ترک کر دی اور اب بحمد اللہ اس سے کوسوں دور ہوں۔
میں علامہ اقبال کا ممنون ہوں کہ ان کی وجہ سے میں نے ایک بیکار مشغلہ سے چھٹکارا حاصل کیا۔ یہ خط میرے پاس محفوظ ہے۔ (تمکین کاظمی)

[3] یہ خط بھی میرے نام ہے جو محفوظ ہے۔ (تمکین کاظمی)

نامعلوم مرسلہ قصور

(۳۴)

جناب ایڈیٹر صاحب "انقلاب"

السلام علیکم ۲۶ جولائی کے انقلاب میں آپ نے نواب احمد یار خاں صاحب کے ایک مکتوب کا حوالہ دیا ہے۔ میں اس مکتوب کے متعلق چند باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں اور استدعا کرتا ہوں کہ سطور ذیل اپنے اخبار کے کسی کالم میں شائع فرما کر مجھے ممنون فرمائیے۔

نواب صاحب موصوف تحریر فرماتے ہیں کہ کسی مطبوعہ پمفلٹ میں وہ تمام تجاویز درج تھیں جن پر اب انقلاب معترض ہے اور اس پمفلٹ کی تجاویز پر تمام مسلم ارکان کونسل نے دستخط ثبت کئے تھے اس واسطے نواب صاحب موصوف کے خیال میں اس مسلم کشی کے لئے صرف پنجاب سالمن کمیٹی کے ممبر ہی ذمہ دار نہیں بلکہ تمام مسلم ارکان کونسل ذمہ دار ہیں۔ آپ کو یاد ہوگا یہ مطبوعہ پمفلٹ وہی تحریر ہے جس پر آپ نے متعدد مضامین "انقلاب" میں لکھے تھے اور جس کی تجاویز کے خلاف لاہور کے تمام میونسپل وارڈوں نے ریزولیوشن پاس کئے تھے۔ یہ ریزولیوشن بھی غالباً آپ کے اخبار میں شائع ہو چکے ہیں۔

پنجاب سالمن کمیٹی کی سفارشات کا مجھے کوئی علم نہیں۔ ان کی رپورٹ اب تک شائع نہیں ہوئی لیکن نواب صاحب کے خط سے جس کا ملخص آپ نے "انقلاب" میں شائع کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا مغلطہ بالکل بجا ہے اور غالباً پنجاب سالمن کمیٹی کی سفارشات وہی ہیں جو مذکورہ بالا پمفلٹ میں درج تھیں۔ بہرحال میں نے متعدد ارکان کونسل سے دریافت کیا وہ سب کے سب پمفلٹ مذکورہ کی تجاویز پر دستخط کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ نواب احمد یار خاں صاحب سے بھی میں نے گفتگو کی وہ فرماتے ہیں کہ کوئی میٹنگ کسی جگہ ہوئی تھی جہاں مسلم ارکان کونسل نے ان تجاویز پر دستخط کئے تھے۔ ممکن ہے نواب صاحب کے پاس ان حضرات کے دستخط موجود ہوں۔ جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ میں کسی ایسی میٹنگ میں شریک نہیں ہوا اور نہ کسی پمفلٹ کی تجاویز پر میں نے دستخط کئے ہیں۔ جن ارکان کونسل سے میں نے دریافت کیا ان کے اسمائے گرامی ذیل میں درج ہیں۔

سردار حبیب اللہ۔ مسٹر دین محمد۔ سید محمد حسین شاہ۔ مولوی سراج رحیم بخش۔ پیر اکبر علی۔ ملک محمد امین شمس آبادی۔ مسٹر غلام یٰسین۔

ان حضرات نے بڑے زور سے نواب احمد یار خاں صاحب کے بیان کی تردید کی۔ مسٹر دین محمد تو شاید اس مضمون کی کوئی تحریر بھی آپ کی خدمت میں اشاعت کے لئے ارسال کر چکے ہیں[1]۔ والسلام!

محمد اقبال شملہ ۲۸ جولائی ۲۹ء

---

[1] سالمن کمیشن کی اعانت کے لئے ایک مرکزی سالمن کمیٹی بنی تھی، اس کے علاوہ مختلف صوبوں میں بھی سالمن کمیٹیاں بن گئی تھیں۔ پنجاب سالمن کمیٹی کی سفارشات شائع ہونے سے قبل ایک پمفلٹ شائع ہوا تھا جس میں ایسی باتیں درج تھیں جنہیں پیش نظر رکھتے ہوئے شبہ ہوتا تھا کہ کمیٹی کی سفارشات بھی اسی نوعیت کی ہوں گی۔ "انقلاب" میں اس پمفلٹ پر نکتہ چینی کی گئی۔ نواب احمد یار خاں مرحوم نے تحریر فرمایا کہ اس پمفلٹ پر پنجاب کونسل کے مسلم ممبروں نے دستخط کئے تھے۔ حضرت علامہ مرحوم اس زمانے میں کونسل کے ممبر تھے انہوں نے فوراً اعلان کر دیا کہ میں نے کسی ایسے پمفلٹ پر دستخط نہیں کئے۔ نیز جن ممبران کے نام درج کئے ہیں انہوں نے بھی مرحوم کے استفسار پر دستخط کرنے سے صاف انکار کیا۔ یہ گویا نواب احمد یار خاں مرحوم کے بیان کی تردید تھی۔

(۳۵)

بنام پروفیسر شیخ احمد صدیقی

جناب صدیقی صاحب!

السلام علیکم۔ آپ کا خط مل گیا ہے۔

میری بانگِ ناقص میں خواجہ حافظ کے شعر میں "بادِ پیمائی" ہے[1]۔

پہلے مصرع میں 'اینجا' سے مراد 'دریں بادیہ' ہے۔ مفہوم شعر کا یہ ہے کہ اس دشت میں سینکڑوں ہوائیں بے سلسلہ (یعنی بے لیے آزادانہ) رقص کر رہی ہیں اور یہی ہوائیں اے دل تیری رفیق (حریف بمعنی رفیق) ہیں۔ جب تک تو بادیہ پیما ہے۔ یا ان کا رقص اس وقت سے ہے کہ تو آسانی اور اطمینان سے اس صحرا کو طے کر لے۔ شاعر کا مقصود اپنے آپ کو تسکین دینا ہے کہ تو اس بادیہ گردی میں تنہا نہیں ہے بلکہ عالم کا ہر ذرہ تیری ہی خاطر حالتِ رقص میں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ پہلا مصرع بہت بلند ہے اور کسی اور مضمون کا تقاضی ہے۔ اگر کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام!

محمد اقبال لاہور، ۲۹ دسمبر ۳۷ء

(۳۶)

بنام مدیر انقلاب مہر صاحب

جناب مدیر انقلاب!

السلام علیکم۔ آپ کے بیش قیمت کالموں کی وساطت سے میں ان بے شمار احباب کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے میرے والد مرحوم کی وفات پر مجھ سے اور میرے اعزا سے اظہارِ ہمدردی فرمایا۔ خدا تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے۔ چونکہ فرداً فرداً خطوط اور برقی بیانات کا جواب لکھنے سے قاصر ہوں اس واسطے آپ سے درخواست ہے کہ میرا دلی شکریہ میرے احباب تک پہنچا کر مجھے ممنون فرمائیے۔ والسلام!

مخلص محمد اقبال لاہور یکم ستمبر ۳۷ء

---

[1] خواجہ حافظ کا شعر ہے ؎

صد بادِ صبا این جا بے سلسلہ می رقصند　　زین است حریف اے دل تا بادیہ پیمائی

"بادیہ پیمائی" کی جگہ دیوان میں دو نسخے ہیں۔ ایک "بادہ پیمائی" دوسرا "بادہ ز پیمائی"۔ سوال غالباً یہ تھا کہ تینوں میں سے کون سا صحیح ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے "بادیہ پیمائی" کو درست قرار دیا۔

نام نہیں صاحب　　(۳۷)

ڈیر مہر صاحب!

السلام علیکم۔ آپ کے اخبار میں یہ شائع ہوا ہے کہ جموں کے حوادث کے متعلق جو پرسوں روانہ ہوئے تھے تمام فوٹو لے لئے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ سری نگر میں جو آتشبازی ہوئی اس کے فوٹو بھی میں نے سنا ہے موجود ہیں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ آپ اپنے کسی دوست یا نامہ نگار کی معرفت تمام مذکورہ بالا فوٹو حاصل کر سکیں؟ یہ کام بڑا ضروری اور مفید ہے۔ اس کے لئے فوراً کوشش شروع کیجئے اور میرے انگلستان روانہ ہونے سے پہلے سب کو حاصل کر لیجئے۔ آپ کا جہاز مکتوب ہو چکا یا نہیں؟ چودھری صاحب تو رہ گئے[1]۔ والسلام!

محمد اقبال لاہور ۱۶ اگست ۳۳ء

نام مہر صاحب　　(۳۸)

ڈیر مہر صاحب!

السلام علیکم۔ میں تو دہلی کے لئے تیار تھا اور اب علی بخش بستر وغیرہ بھی باندھ چکا تھا۔ خیال تھا کہ گوڑٹ کی تکلیف ہو مجھے گذشتہ رات ہو گئی تھی۔ آج شام تک رفع ہو جائے گی۔ میں نے اس کا علاج بھی کیا مگر اب گرگابی پہنی تو تکلیف بڑھ گئی۔ اس حالت میں دہلی نہ جا سکوں گا میری طرف سے ورکنگ کمیٹی کی خدمت میں نیز سیٹھ صاحب کی خدمت میں معذرت کر دیجئے[2]۔ والسلام!

محمد اقبال لاہور ۳۰ جنوری ۳۴ء

---

[1] علامہ مرحوم دوسری گول میز کانفرنس میں شرکت کے لئے عازم لندن ہونے والے تھے۔ اس سے پیشتر جموں اور کشمیر میں مسلمانوں کی طرف سے اپنے حقوق کی بازیافت کے لئے تحریک شروع ہو چکی تھی اور حکومت کشمیر نے مسلمانوں پر سخت ظلم کئے تھے۔ "حوادث" میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔ چونکہ میں بھی لندن جا رہا تھا اس لئے مرحوم نے استفسار فرمایا کہ جہاز میں نشست کا بندوبست کر لیا ہے یا نہیں چودھری صاحب سے یہاں بھی چودھری محمد حسین مرحوم مراد ہیں۔

[2] اس مکتوب میں آل انڈیا مسلم کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی کے اجلاس کی طرف اشارہ ہے جو دہلی میں منعقد ہونے والا تھا۔ میں بھی اس کا ممبر تھا اور ساتھ جانے والا تھا لہٰذا مجھے اطلاع دی کہ کانفرنس کی تکلیف شروع ہو جانے کے باعث میرا جانا مشکل ہے۔ سیٹھ صاحب سے مراد حاجی سیٹھ عبداللہ ہارون مرحوم ہیں جنہوں نے علامہ مرحوم کو تشریف آوری کے لئے تاکیدی پیغام بھیجا تھا۔ مہر

(۳۹)

بنام مہر صاحب

ڈیر مہر صاحب!

میں تو آج وہاں جانے کے لئے تیار ہو گیا تھا مگر جاوید کا بخار بدستور ہے۔ رات بھجوا سے ایک سو پانچ ڈاکٹر صاحب نے دیکھا ہے اور کہا ہے کہ بخار میعادی ہے۔ کچھ پتہ کل صبح کے معائنے سے ہوگا۔ اس تشویش میرے لئے سفر مشکل ہے۔ ڈاکٹر نے بھی یہی مشورہ دیا ہے۔ آپ میری طرف سے ہز ہائی نس کی خدمت میں معذرت کے حکم کی تعمیل میں سفر کے لئے تیار تھا مگر مذکورہ بالا ناگہانی اتفاق کی وجہ سے رک گیا۔ زیادہ کیا عرض کروں بہت مشوش

محمد اقبال ۲۹ فروری ۱۹۳۸ء

(۴۰)

بنام نصیر الدین ہاشمی

مخدومی من!

"یعقوب بیگ کی مخفی مطبوعات" کا نسخہ جو آپ نے بکمال عنایت مجھے مرحمت فرمایا ہے اس کے لئے نہایت یہ کتاب اردو زبان اور لٹریچر کی تاریخ میں نہایت مفید ثابت ہوگی۔ مجھے یقین ہے کہ آپ ایسی مفید تالیفات کا سلسلہ جا کامیاب ہوں گے۔ ابھی بہت سے مواد کا جمع ہونا اور بہت سی کتابوں کے صحیح ایڈیشنوں کا چھپنا باقی ہے تاکہ اردو کے تاریخ مدون ہو سکے۔ آپ کا یہ کارنامہ قابلِ قدر ہے اور میں آپ کو اس کتاب کی اشاعت پر مبارک باد دیتا ہوں۔ مخلص محمد اقبال۔

(۴۱)

بنام مہر صاحب

ڈیر مہر صاحب!

گزشتہ رات پنڈت موتی لال نہرو کا ایک تار میرے نام آیا تھا جس کا مقصود یہ تھا کہ میں اس بیان پر دستخط کر دوں جو اور جو آج کے "انقلاب" میں بھی شائع ہوا ہے۔ اس کے جواب میں مندرجہ ذیل تار دیا گیا ہے:

mitted to joint statement already issued from Lahore. Sorry can-
now Sign another statement. Another Unity Conference essential
Sd. Md. Iqbal

محمد اقبال

لہ اس مکتوب میں "ہز ہائی نس" سے مراد اعلیٰحضرت نواب حمید اللہ خان بہادر والیٔ بھوپال ہیں۔ بہت کم اصحاب کو معلوم ہوگا کہ کشمیر میں مسلمانوں نے جو تحریک میں ایک مرتبہ مہر صاحب ہی مسئلہ حالی کشمیر کی خواہش کے مطابق اعلیٰحضرت نواب حمید اللہ خان والی بھوپال سے مصالحت کرا دینے پر آمادہ ہو گئے تھے محمد نے مرحوم کی وساطت سے گفتگو شروع کی تھی۔ چنانچہ حضرت مرحوم دو مرتبہ بھوپال تشریف لے گئے ایک مرتبہ اعلیٰحضرت والیٔ کے لئے والی طالبہ حضرت علامہ مرحوم نے مصالحت کے ساتھ جانے کا ارادہ کیا اور میں نے دیکھا کہ اعلیٰحضرت کی خدمت میں پیش

(۴۲)

بنام مولانا خلیل صاحب

۵ جولائی ۱۹۳۲ء　　(بصیغہ راز)

جناب مولانا!

السلام علیکم۔ مولانا شوکت علی تو اس وقت مفید سکیم کی تیاری میں مصروف ہوں گے۔ آپ ان سے دریافت حالات کر کے اس خط کا جواب دیں۔ کچھ روز ہوئے میں نے ان کی خدمت میں لکھا تھا کہ ایک ہندو بزرگ مسٹر ملت کا خط میرے پاس آیا تھا اس کا مضمون یہ تھا کہ وہ ڈاکٹر مونجے ہماری اسکیم کو جو ہم نے لیگ کی صدارتی ایڈریس میں پیش کی تھی تسلیم کر لیں گے۔ پنڈت مالوی سے بھی مشورہ کرنے کے لئے جا رہا ہوں وہ بھی ہندو مسلمانوں کی صلح کی خاطر اس کو تسلیم کر لیں گے۔ گو اس وقت علانیہ طور پر اس سکیم کو تسلیم کر لینا مصلحت نہیں ہے۔ یہ خط بصیغہ راز تھا اور اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ میں نے مولانا شوکت علی صاحب سے بھی گفتگو کی ہے وہ بھی صلح پر آمادہ ہیں۔ اسکیم جس کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے آپ سمجھ گئے ہوں گے یعنی شمال ہندوستان کے مسلمان صوبوں کا ایک ہو جانا۔

اس خط کے وصول ہونے پر میں نے مولانا شوکت علی کو لکھا اور انہوں نے اس بات کی تصدیق کی کہ مسٹر ملت ان سے ملے تھے میں نے سر محمد کو دو خط اس کے جواب میں لکھے تھے مگر یہ خط قریباً ایک ماہ کے بعد ڈپلومیٹک آفس کے ذریعہ سے میرے پاس آ گئے ہیں۔ پہلے مجھ کو شبہ تھا کہ اس میں کوئی چال اور عیاری نہ ہو مگر اب خطوں کے واپس آ جانے سے یہ شبہ رفع ہوا۔ مسٹر ملت اب معلوم نہیں کہ کہاں ہیں اور مذکورہ بالا خط لکھنے سے ان کا کیا مقصد تھا۔ ممکن ہے مولانا شوکت علی اس پر کچھ روشنی ڈال سکیں بعض لوگ مشورہ دے رہے ہیں کہ میرے خطوط کے واپس آ جانے کے بعد مسٹر ملت کے خط کو شائع کر دینا چاہئے۔ اگر ممکن ہو تو حالات دریافت کرنے کے بعد مجھ کو مطلع فرمائیں۔ امید ہے آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

افسوس کہ بمبئی کے فسادات ختم ہونے میں نہیں آتے۔

مخلص محمد اقبال

---

(۴۳)

بنام ہمبر صاحب

ڈیئر سر صاحب!

کل مع الخیر پیڈرو پہنچے۔ یہاں سے قرطبہ، غرناطہ وغیرہ جائیں گے اور فروری تک واپس پہنچنا ہے۔

آج یہاں کے وزیر تعلیم سے ملاقات ہوئی اور پروفیسر آسن سے جنہوں نے دانتے کی ڈیوائن کامیڈی اور اسلام پر کتاب لکھی ہے۔ صدر جمہوریہ سے غالباً ملاقات ہوگی۔ امید ہے سب طرح خیریت ہوگی۔

چودھری صاحب سے مضمون واپس۔

محمد اقبال

یہ خط جیسا کہ اس کی عبارت سے ظاہر ہے ہسپانیہ کے دارالحکومت میڈرڈ سے بھیجا گیا تھا ۱۹۳۳ء کے اواخر میں حضرت علامہ قبلہ گول میز کانفرنس میں شرکت کے بعد [illegible]

بنام مہر صاحب

(۴۴)

پیرس

ڈیر مہر صاحب!

السلام علیکم۔ کل "انقلاب" کے بہت سے نمبر اقبال شیدائی صاحب[1] سے مل گئے جن کو پڑھ کر بہت مسرت ہوئی۔ ہر طرح کو ہسپانیہ کے سفر سے واپس آیا۔ اب ۱۰ فروری کو مرسیس سے اطالوی جہاز کانٹے دوری پر سوار ہو کر ۲۲ کی صبح کو انشاءاللہ بمبئی پہنچ جاؤں گا۔ ہسپانیہ میں جو کچھ دیکھا ایک خط کے ظرف تنگ میں کیونکر سما سکتا ہے؟

امید ہے آپ کا مزاج بخیر و عافیت ہوگا۔ چودھری محمد حسین صاحب کی خدمت میں سلام عرض کیجئے اور گھر بھر کی خیریت بھیج دیجئے۔

خان صاحب ذکاءالدین[2] کی وفات کی خبر پڑھ کر بہت افسوس ہوا۔ خدا تعالےٰ ان کو غریق رحمت کرے۔ ان کے اہل تک میری طرف سے تعزیت پہنچا دیجئے۔ مجھے ان میں سے کسی کا ایڈریس معلوم نہیں۔

سالک صاحب کس رنگ میں ہیں؟

محمد اقبال یکم فروری ۳۳ء

بنام مہر صاحب

(۴۵)

ڈیر مہر صاحب

یہ اس خط کی نقل ہے جو مسٹر آصف علی بیرسٹر ایٹ لا نے ان حضرات کے نام لکھا تھا جن کے دستخط جیلے مسلم لیگ والے مینی فیسٹو پر تھے۔ آپ کے ملاحظہ کے لئے ارسال کرتا ہوں۔ "ہمدم" کا ایڈیٹر اور مفتی اعظم کے متعلق جو نوٹ ہے اسے بھی پڑھ لیجئے۔

اس کے علاوہ اقبال شیدائی کا خط پریس سے آیا ہے وہ آپ سے متوقع ہے کہ ساہوکاروں اور سود کے متعلق حدیثیں لکھیں جو عام ہوں۔ ان میں پنجاب کے مسلمانوں کے قرضے کا بھی عام طور پر ذکر ہو۔ وہ سمجھتے ہیں کہ شاید ایسے مضامین مسلمانوں کے تنگ ہمدردی پیدا کرنے میں ممد و معاون ہوں گے۔ والسلام!

محمد اقبال

---

[1] انگریزی دور حکومت کے مشہور انقلابی، جو پیرس میں مقیم تھے۔ پاکستان بن جانے کے بعد وطن واپس آئے۔ آج کل کاروبار میں مشغول ہیں۔

[2] خان صاحب ذکاءالدین خان مرحوم ڈسٹرکٹ و سیشن جج جو ڈاکٹر صاحب کے دوست تھے۔

Kucha cholan
Delhi 15. Z. 33.
From - Mr. Asif Ali, Bar-at-Law,

The enclosed letter is a draft manifesto which speak for itself. There is every chance of resuscitating the League after a close examination of the possibilities of making the League representative organization. I can assure you that if we proceed in the manner suggested in the manifesto we can secure the objects we have in view. I am, therefore, requesting you to let me know by wire before the 29th April, 1933, if you agree with the manifesto or you may suggest any alterations.

It is proposed to issue the manifesto to the press on the 30th instt. and unless you suggest any -alteration or decline to be signatory you will be included among the signatories·

Further I request you to send in nominations to the council of the league to be put up before the councile see that all of them are reliable and energetic persons.

Further still I must request you to sed that those who are under notice to pay up arrears lest they are put along with other defaulters (who must be removed or struk off).

I am confident that if we enorl a large electorate of Rs.1/- member we can make the League really representative, I need hardly emphasize the necessity of reorganizing the League befor 1935. The future of muslim politics depend entirely on sound organizations and disorganized muslims will be a source of great wekness and the responsibilities of allowing-the interest of the community no less than this country to suffer, will be ours if we neglect our duty now.

Those who have used the League and other organizations for selfish and narrow ends of their tethervand must go it will be very serious to fail to be stirred now and step in to the field.

Please do you duty.

بنام منشی محمد الدین فوق

(۴۶)

ڈیر فوق صاحب!

مجھے معلوم نہیں لفظ سپرو کے معانی کشمیری زبان میں کیا ہیں۔ ممکن ہے اس کے معنی وہی ہوں جو آپ نے تحریر فرمائے ہیں مگر وہ لڑکا جو چھوٹی عمر میں بشمول کی ذہانت دکھائے۔ البتہ کشمیری برہمنوں کی جو گوت سپرو ہے اس کے اصل کے متعلق جو کچھ میں نے اپنے والد مرحوم سے سنا تھا وہ عرض کرتا ہوں۔

جب مسلمانوں کا کشمیر میں دور دورہ ہوا تو بارہ کشمیر مسلمانوں کے علوم و زبان کی طرف بوجہ قدامت پرستی یا اور وجوہ کے توجہ نہ کرتے تھے۔ اس قوم میں سے پہلے جس گروہ نے فارسی زبان وغیرہ کی طرف توجہ کی اور اس میں امتیاز حاصل کر کے حکومت اسلامی کا اعتماد حاصل کیا وہ سپرو کہلایا۔ اس لفظ کے معنی ہیں۔ وہ شخص جو سب سے پہلے پڑھنا شروع کرے (یا جس نے سب سے پہلے پڑھنا شروع کیا) اس تقدم کے لئے کئی زبانوں میں آتا ہے اور سپرو کا روٹ وہی ہے جو ہمارے مصدر "پڑھنا" کا ہے۔

والد مرحوم کہتے تھے کہ یہ نام کشمیر کے برہمنوں نے اپنے ان بھائی بندوں کو از راہ تعریض و تحقیر دیا تھا جنہوں نے قدیم روایتی تعلقات قومی و مذہبی کو چھوڑ کر سب سے پہلے اسلامی زبان و علوم کو سیکھنا شروع کیا تھا۔ رفتہ رفتہ یہ نام ایک مستقل گوت ہو کر مشہور ہو گیا۔

(لالہ) ٹیک چند (ایم۔ اے) جو پنجاب میں کمشنر تھے، ان کو تحقیق لسان کا بڑا شوق تھا۔ ایک دفعہ انبالہ میں انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ لفظ سپرو کا تعلق ایران کے قدیم بادشاہ شاہ پور سے ہے اور سپرو حقیقت میں ایرانی ہیں جو اسلام سے بہت پہلے ایران کو چھوڑ کر کشمیر میں آباد ہو گئے اور اپنی ذہانت و فطانت کی وجہ سے برہمنوں میں داخل ہو گئے۔ واللہ اعلم۔

پنجاب میں جہاں تک مجھے معلوم ہے کوئی گھر مسلمان سپرو خاندان کا نہیں ہے۔ اعجاز[2] کی شادی کے وقت اس امر کی جستجو کی گئی تھی مگر ناکامی ہوئی۔

محمد اقبال ۱۶ر جنوری ۱۹۳۴ء

بنام مولوی عبدالحق صاحب

(۴۷)

مخدومی!

السلام علیکم۔ مزاج اقدس! آپ کی کانفرنس کے ریڈیو پروگرام دیکھنے میں آئے ہیں ایک انگریزی میں اور ایک اردو میں۔ انگریزی پروگرام کی رو سے اجلاس عام ۲۸ر کو ہے اور اردو پروگرام میں ۲۹ کو بتلایا گیا ہے۔ آپ اگرچہ آج کل بے حد مصروف ہیں مگر اتنی تکلیف آپ کو دوں گا کہ مجھے آپ اطلاع دیں کہ کونسا پروگرام صحیح کہا جائے۔ نیز یہ کہ مشاعرہ کس تاریخ کو ہے؟

جواب رٹل ٹاؤن کے پتے پر ارسال فرمائیں کیونکہ کالج کل سے بند ہو رہا ہے۔ والسلام مع الاکرام!

مخلص محمد اقبال ۲۰ر دسمبر ۱۹۳۷ء

---

[1] علامہ اقبال بھی کشمیری برہمنوں کی سپرو گوت سے تعلق رکھتے تھے تفصیل کے لئے منشی محمد الدین فوق کی کتاب "تاریخ اقوام کشمیر" دیکھئے۔

[2] حضرت علامہ کے بھتیجے شیخ اعجاز احمد صاحب۔

(۴۸)

مولوی محمد یعقوب

ڈیر فرق!

السلام علیکم۔ خط و رسالہ ابھی موصول ہوا۔ کل گورکھپور سے حکیم برہم کا خط آیا تھا انہوں نے مجھ سے "ریاض الاخبار" ارسال کرنے کا وعدہ کیا ہے مگر ابھی پہنچا نہیں۔ اس پرچہ سے حضرت ریاض (خیرآبادی) کی رائے معلوم ہوگی۔ حکیم برہم لکھتے ہیں کہ ہم لوگ آپ کے بہت مشکور ہیں۔ والسلام!

آپ کا اقبال!

اس انگریزی مضمون کا ترجمہ بھی انشاء اللہ ضرور شائع ہوگا۔ غالباً شیخ عبدالقادر صاحب کریں گے، کیونکہ انہوں نے یہ کام اپنے ذمہ لیا ہوا ہے۔ ایڈیٹر سول اینڈ ملٹری نیوز کا میری طرف سے شکریہ ادا کریں۔

آپ کا اقبال!

میں ایڈیٹر صاحب سول اینڈ ملٹری نیوز کا دل سے ممنون ہوں۔ جو رائے انہوں نے میرے ٹوٹے پھوٹے اشعار کی نسبت اپنے قیمتی اخبار میں ظاہر فرمائی ہے حقیقت میں میں اس کے قابل نہیں ؎

حق تو یوں ہے کہ وہ ہے سب شعراء سے بہتر
آپ اچھے ہیں جو کہتے ہیں جلال اچھا ہے

میں ایڈیٹر صاحب کو یقین دلاتا ہوں کہ انشاء اللہ اس انگریزی مضمون کا ترجمہ شیخ عبدالقادر صاحب ایڈیٹر مخزن کریں گے۔

اقبال

لفافہ پر: علی گڑھ منتقل کا آخری نمبر ضرور دیکھئے۔ اس میں حسرت موہانی نے ایک ..... حملہ آپ پر کیا ہے۔

اقبال

(تاریخ ندارد)

---

(۴۹)

سید برکت شاہ صاحب جیلانی

جناب من!

السلام علیکم۔ افسوس ہے کہ میں آپ کے تعمیل ارشاد سے قاصر ہوں۔ مجھے فرصت نہیں ہے۔ اس کے علاوہ فرمائشی اشعار کیونکر لکھے جا سکتے ہیں۔

محمد اقبال!

سر عبدالقادر

بنام خان بہادر بشیرالدین احمد صاحب (۱)

جناب کریم بندہ مولوی صاحب۔ السلام علیکم۔ پندرہ کاپی پراسپکٹس کی ارسال خدمت ہیں، انہیں کاپیلا کے ساتھ ابھی درخواست فارم کے کارڈ شامل نہیں کئے گئے۔ لیکن چونکہ آپ کو اخبار میں مخزن پر نوٹ لکھنے کے لئے پراسپکٹس کی ضرورت تھی، آپ کو فوراً جلد ہی روانہ کیا گیا ہے۔ آپ خود ملاحظہ فرما کر نوٹ لکھ دیجئے۔ اور بعد میں باقی ماندہ کاپیاں اپنے احباب میں تقسیم کرا دیجئے۔ تاکہ جو صاحب اٹاوہ میں خریداری کا قصد رکھتے ہوں ان کے کارڈ میرے نام جلد پہنچ جائیں۔ اور مجھے پتا نمبر نکالنے سے پہلے قدرے اندازہ لگانے کا موقع ملے کہ ہانگ کہاں تک ہوگی۔

لاہور ۲۸ مارچ ۱۹۰۶ء

بندہ عبدالقادر

بنام مولوی حبیب الرحمان صاحب (۲)

میرے کرم فرما جناب خانصاحب۔ السلام علیکم۔ کارڈ مورخہ ۲ مارچ اور لفافہ مورخہ ۴ مارچ پے در پے پہنچے۔ یاد آوری کا شکر ہوں۔ نہایت خوشی ہے کہ آپ بخیریت وطن پہنچ گئے اب "باز آئی" کا مضمون انشاء اللہ اکتوبر میں پھر سر چڑھا جائے گا۔ اگر آپ کو کوئی نقش یہاں سے دل پر لے گئے ہیں تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس سے گہرا نقش آپ چھوڑ گئے ہیں۔ ایک دل پر نہیں بلکہ کئی دلوں پر۔ ہمارے میر نیرنگ صاحب نے انبالے پہنچ کر خط لکھا ہے جس میں آپ سے تعارف ہو جانے کا خصوصیت سے ذکر کیا ہے۔ اور یہاں کے احباب میں تو ڈاکٹر آپ کا ذکر خیر رہتا ہے۔ ابزرور کے منیجر صاحب کو لکھ بھیجتا ہوں کہ وی پی بنام مولوی اللہ خاں صاحب کی خدمت میں بھیج دے۔ اور مخزن بھی علیحدہ بھجوائے دیتا ہوں۔ آپ کی تقریر وطن کے اگلے پرچے میں شائع ہوگی۔ انہوں نے مولوی محبوب عالم صاحب سے لے لی تھی۔ اگر آپ کو بہت زیادہ کاپیاں نہ درکار ہوں تو اخبار کی چند زائد کاپیاں چھپا کر آپ کو بھجوائی جا سکتی ہیں۔ ورنہ وہاں سے کاغذ فارغ ہوتے ہی مطبع رفاہ عام میں دے دوں گا۔ اور ڈیڑھ سو کاپی حسب ایما چھپوا کر بھجوا دوں گا۔ قبر فرد جہاں کے متعلق نظم کا منتظر ہوں۔ زیادہ شوق۔

۶ مارچ ۱۹۰۲ء

بندہ شیخ عبدالقادر از لاہور

بنام مولوی حبیب الرحمان صاحب (۳)

جناب کرم فرمائے بندہ خانصاحب زادہ فانیکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ نظم مرسلہ پہنچی۔ واقعی تصویر عبرت ہے۔ آپ نے جو مضمون انتخاب کیا ہے وہ تو ایسا ہے کہ اس پر کوئی چاہے تو ایک کتاب لکھ دے۔ چند سطور میں کیا لکھا جا سکتا ہے۔ مگر تبا آپ نے لکھا ہے نہایت صاف اور پاکیزہ اور دل گداز ہے اپریل کے پرچے میں آپ اس نظم کو دیکھیں گے۔ یا مخزن کے نئے سال کی ابتدا میں آپ کی نظم چھپے گی۔ خدا کرے کہ سال بھر اُسے آپ کے کلام نظم و نثر سے فیض پہنچتا رہے۔ میں نے آپ کا ریویو پڑھا۔ اور پھر کئی دوستوں کو پڑھنے کے لئے دیا۔ بس ہی ثبوت پسندیدگی کا ہے۔ آپ نے حیات جاوید کی مار بھی خوب دی ہے اور اُس پر تنقید بھی خوب لکھی ہے۔ حیات جاوید ایک ایسی کتاب ہے جس پر بہت سے ریویو نکلنے چاہئے تھے۔ مگر افسوس ہے کہ اپنی قسم کا یہ پہلا ہی نکلا ہے۔ اور یقین نہیں کہ اور بعد میں جلد نکلیں۔ مجھے افسوس ہے کہ مولوی غلام محمد صاحب کے سفر سے آپ نے اور قاری شاہ سلیمان صاحب نے امرت سر کا قصہ متروک کر دیا۔ آج میرے پاس خط آیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کے حاجان آپ کے منتظر تھے۔ بہر حال پھر موقع بشرط خیریت پایا جاتا ہے۔ منشی محبوب عالم صاحب اور شیخ محمد اقبال صاحب کو آپ کا سلام شوق پہنچا دیا تھا۔ وہ اسی شوق سے جواب سلام عرض کرنے کی فرمائش کرتے ہیں۔

۱۴ مارچ ۱۹۰۲ء　　بندہ شیخ عبدالقادر از لاہور

نام خان بہادر بشیر الدین احمد صاحب　　(۴)

جناب مکرم بندہ مولوی صاحب السلام علیکم۔ آپ کا عنایت نامہ مورخہ ۱۷ اپریل ملا۔ اس سے پہلے بھی ایک خط آپ کا آیا تھا جس کے جواب میں بوجہ علالت تاخیر ہوئی۔ کوئی ماسٹر ایسا مجھے دستیاب نہیں ہوا جس کو آپ کے ہاں بھیج سکوں۔ متاسف رہوں گا۔

جن لڑکوں کے سرٹیفکیٹ درکار ہیں۔ ان سب کے رول نمبر اور نام وغیرہ ٹھیک طور پر دریافت کر کے جلد لکھیے میں آپکو سرٹیفکیٹ بھجوا دوں گا۔ سرٹیفکیٹ عرصہ سے تقسیم ہو چکے ہیں۔ یہاں قاعدہ یہ ہے کہ میرا فوٹ سٹوڈنٹ کی درخواست میں جب تک کسی ایسے شخص کے ذریعہ نہ آئے جن کو یونیورسٹی پہچانتی ہو عطائے سند کے لئے غور نہیں ہوتا۔

مخزن کا دوسرا سال شروع ہوا ہے اور پہلے میں کسی قدر حجم بڑھا دیا گیا ہے۔ اپریل کا پرچہ کل آپ کو بھیجا جائے گا۔ چند سطور ہیں نوٹس کے لئے۔

لاہور ۲۳ اپریل ۱۹۰۲ء　　بندہ شیخ عبدالقادر

نام مولوی حبیب الرحمان صاحب　　(۵)

جناب مکرم بندہ خاں صاحب۔ السلام علیکم۔ گو عام عقل انسانی یہ تقاضا کرتی ہے کہ اگر کوئی ایک سال کے عرصے میں دو دفعہ پنجاب آچکا ہو اور دو سفروں میں سے ایک دربار کی چپقلش کا سفر ہو تو اُسے پھر تحریک سفر کرنا نادانی ہے مگر غ

اس دل کو کیا کروں کہ بہلتا کہیں نہیں

آپ کا پچھلے سال جلسۂ انجمن کے موقع پر لاہور میں رونق افروز ہونا کچھ ایسا پسند آگیا ہے اور آپ کی آواز انجمن کے پلیٹ فارم پر پھر سننے کا اشتیاق ایسا ہے کہ وہ مجھے مجبور کرتا ہے کہ آپ کو پھر بلاؤں۔ باوجودیکہ آج ہی سیکرٹری صاحب سے سن چکا ہوں کہ آپ نے عذر کر دیا ہے۔ میرا مطلب لکھنے سے یہ نہیں کہ آپ اپنے کاروبار دنیاوی چھوڑ کر جلسے دیکھنے پر تل جائیں مگر اتنا ضرور کہنا چاہتا ہوں کہ اگر کسی سخت ہرج یا نقصان کے بغیر آپ آسکیں اور اصلی رکاوٹ صرف سہ بارہ سفر پنجاب کی تکالیف سے بچنے کی ہی ہو تو اپنے مشتاقانِ جمال کی خاطر اس کو بھی "بالائے طاقِ غم ہائے دگر" گزارا کر لیجئے۔ اس درخواست میں اقبال اور بیرسٹر چک بھی میرے ساتھ شریک ہیں۔ بلکہ حقیقت یوں ہے کہ میر صاحب کے ایک فقرے نے مجھے اس پُرعبارت درخواست کرنے پر آمادہ کیا ہے انہوں نے لکھا ہے کہ اگر آپ کے خانصاحب سے لاہور میں ملاقات کرا دو تو جانیں۔ اب میں کچھ آپ کی طرح تسخیر کا عمل تو رکھتا نہیں کہ جسے اور جب چاہوں بلا لوں۔ یہی ہے کہ جذبِ دل آزما دیکھوں۔ سو یہ چند حروف لکھتا ہوں میں اکثر یہ دعا مانگا کرتا ہوں کہ خدا ہماری قوم میں ایسے اصحاب پیدا کر دے جو آسودہ حال ہوں اور گو کاروبار اور مشاغل رکھتے ہوں مگر محض فکرِ معیشت سے آزاد ہوں اور مشاغل علمی اور قومی کے لئے بہت سا وقت اُن کے قابو اور اختیار میں ہو اور اس دعا کے وقت آپ جیسے حضرات کی تصویر سامنے ہوتی ہے۔ کیونکہ اگر آپ کو بھی علائق کی مجبوری ایسے مواقع سے جیسے کہ جلسۂ انجمن ہے، روک لے تو پھر امید کس کی طرف نظر اٹھائے۔

بندہ فیض عبدالقادر از لاہور

۶ فروری ۱۹۰۰ء

---

(۶)

بنام مولوی حبیب الرحمان صاحب

میرے عنایت فرما جناب خانصاحب بہادر۔ السلام علیکم۔ کچھ ایسے اتفاقات پیش آئے ہیں کہ وہ جو سال میں ایک آدھ دفعہ آپ سے ملاقات کے سامان ہو جایا کرتے تھے۔ اور یہ وہ موقع ہوتے تھے جن کا میں شوق سے منتظر رہا کرتا تھا کئی دو تین سال کے لئے ان کی راہ مسدود ہو۔ اور میں یہ عرصہ ہندوستان سے باہر گزاروں۔ میں انشاء اللہ تعالیٰ کوئی دو مہینے کے اندر سفر انگلستان کا عازم ہوں اور وہاں مقصد قیام تکمیل فن اخبار نویسی ہے۔ اور اس کے علاوہ کوئی اور چیز بھی حاصل کرنے کا موقع ہو جائے تو وہ بھی فتوحات بالائی میں سمجھ کر حاصل کر لی جائے گی۔ اس لئے اس عزم سے آپ کو مطلع کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ کیونکہ آپ اُن چیدہ بزرگان قوم میں ہیں جن سے مجھے گو نیاز دیرینہ نہیں مگر تھوڑے ہی دنوں میں تعلق گہرا ہو گیا ہے۔ فالحمد للہ علےٰ ذٰلک۔ آپ سے خواستگار دعا ہوں کہ خدا مجھے اس کام میں برکت دے۔ اور توفیق عطا فرمائے۔ کہ واپس آکر کچھ خدمت اُس کے بندوں کی کر سکوں۔ آپ سے ایک دوستانہ التماس ہے کہ میری غیر حاضری میں آپ مخزن کے حال پر خاص نظر عنایت رکھیں۔ اس کا خاطر خواہ انتظام کیا گیا ہے کہ یہ رسالہ میرے پیچھے چلتا رہے۔ ترتیب، اصلاح مضامین وغیرہ کا کام بدستور میں اپنے ہاتھوں میں رکھوں گا اور وہاں سے ایڈٹ کر کے بھیجتا رہوں گا۔ اور یہاں دفتر کا انتظام آگے سے عمدہ کر کے جاؤں گا۔ چھپائی کی تاریخوں کے انضباط کی بھی معقول صورت پبلشرز سے باضابطہ معاہدے کے نتیجے پیدا ہو گئی ہے۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ چند خاص مرد یاں رسالہ اس کے لئے خصوصیت سے سامی رہیں۔ آپ سے ایک درخواست تو یہ ہے کہ آپ ہر مہینے نہیں تو ہر دوسرے مہینے ضرور ایک مضمون۔ نظم نہیں تو نثر ہی بھیجا کریں۔ عطا

کیا کریں۔ مضمون نثر خواہ مختصر ہو مگر مخزن کے رنگ کا ہو۔ آپ نے آج تک نثر کا ایک نمونہ نہیں دیا۔ اور دوسرے یہ کہ بھی کبھی ہمارے بعض چیدہ مضمون نگاروں کو بذریعہ تقاضا کے بیدار کرتے رہیں۔ گو میں خود بھی ان لوگوں سے پختہ وعدے کر جاؤں گا۔

۹ جولائی ۱۹۰۳ء　　خیر اندیش عبدالقادر لاہور

---

(۵)

بنام مولوی حبیب الرحمان صاحب

میرے عنایت فرما جناب خانصاحب۔ السلام علیکم۔ نہ آپ وداع عہد کیجے نہ وداع یار۔ انجمن میں اگر آپ آئیں گے۔ تو انجمن کی رونق بڑھے گی میرا۔ ہاں بیٹھے دل شاد ہوگا۔ اور یہ مسرت کہ آپ اتنی دور سے کسی کے دل کا سرور ہو سکتے ہیں گو آنکھوں سے اوجھل ہوں۔ آپ کو تسلی بخشے گی اور وداع یاس سے نہیں کہتے کہ امید لگی ہوئی ہے۔ کہ اب واپس آئیے۔ دو ڈھائی سال گزرتے کتنے دن لگتے ہیں اگر خدا نے چاہا تو پھر وہی جلسے ہوں گے۔ اور وہی لطف ملاقات۔ ہو سکا تو فن تقریر آپ کی خاطر خدا باقاعدہ سیکھ آؤں گا۔ تاکہ فغاں میں تاثیر زیادہ ہو جائے۔ آپ دعا میں یاد فرمایا کیجئے گا۔ یہ میرے حق میں خاص دوستی ہوگی۔ میں خدا سے چاہتا ہوں کہ انگلستان کی سیر اور وہاں کے قیام کا مجھ پر وہ اثر پڑے جس کی آپ نے آرزو ظاہر فرمائی ہے اور اگر کوئی برا اثر پڑتا ہو تو میں چاہی نہ سکوں۔ مخزن کے متعلق جو تلطف آمیز وعدہ آپ نے فرمایا اس کا شکریہ ادا کرتا ہوں میر صاحب اور اقبال کے علاوہ مندرجہ ذیل حضرات سے خط و کتابت چھیڑ لیجئے گا۔ خالی از دلچسپی نہ ہوگا اور ہمارا مطلب بھی نکل آئے گا۔ سید کاظم حبیب کنتوری، اورنگ آباد۔ میر علی محمد شاد عزیری مجسٹریٹ پٹنہ اور سید اکبر حسین صاحب بی اے جن سے غالباً آپ کی ملاقات ہوگی۔ کبھی مولانا شبلی سے کچھ لکھوانے کی کوشش کیجئے۔ مجھے تو انہوں نے ایک دفعہ جواب دے دیا تھا اس لئے میں متقاضی نہیں ہوا۔ مگر ؎

کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب

ہاں سب حضرات کو اس امر کی تاکید کیجئے گا کہ مضامین عام دلچسپی کے تلاش کریں۔ خالص اسلامی قومی رنگ مخزن میں بدقت کھپتا ہے۔ یا یوں کہئے کہ نہیں کھپتا۔ اور اس کی اس پالیسی سے یہ فائدہ ہو رہا ہے کہ ہندو صاحبان کے ایک معقول تعداد اس کے ناظرین میں ہے اور اس طرح اردو سے کچھ دلچسپی رکھتی ہے۔ میں انشاءاللہ آپ کو ولایت سے خط لکھتا رہوں گا۔ غزل مرسلہ پہنچ گئی سبحان اللہ مقطع کیا لاجواب ہے۔ اور اس کا دوسرا مصرع تو غضب ہی ہے۔ شکریہ قبول فرمائیے۔

کیا یہ سچ ہے کہ ندوے میں بہت سی اندرونی دقتیں پڑی ہوئی ہیں؟ خدا کرے یہ گتھیاں سلجھ جائیں۔ اب کے سنا ہے مدراس میں تحریک ہو رہی ہے جو اندازہ میں نے اہل مدراس کی دین داری کا لگایا ہے اس سے خیال ہوتا ہے کہ وہاں ندوہ کانفرنس سے کچھ بڑھ کر کامیاب ہوگا۔ قلق ہے کہ اب کے بمبئی کی کانفرنس نہ دیکھ سکوں گا۔ مزید آنکہ جو استفسار آپ نے دوبارہ بذریعہ رجسٹرڈ فرمایا ہے اس میں ابھی تک مجھے سند جذب نہیں مگر امید ہے کہ عنقریب آپ کو اطلاع دے سکوں گا۔ کہ انتظام خاطر خواہ ہو گیا ہے۔ ایک نظر محمد حیات صاحب پر ہے اور دوسری شیخ عبدالعزیز پر جو پہلے میرے نائب تھے اور اب کالج میں ہیں۔ ابھی فیصلہ نہیں ہوا۔ دوسرے شاہ دین صاحب اس بارے میں خواجہ احمد شاہ صاحب سے خط و کتابت کر رہے

ہیں۔ اس بات کی خاص احتیاط سوچی گئی ہے کہ اعتدالِ روش میں فرق نہ آئے۔ جو انگریز ہمارے ہاں پہلے تھا اس کی [illegible] دوبارہ قائم کرنے کی تجویز ہو رہی ہے۔ میں اس بارے میں خصوصیت سے کوشش کر رہا ہوں۔ کہ میری غیر حاضری میں [illegible] کے کام میں کوئی ہرج نہ ہو۔ ممکن ہوا تو وہاں سے بھی کچھ اس کی خدمت کرتا رہوں گا۔

۱۶ رجون ۱۹۰۳ء　　بندہ عبدالقادر از لاہور

(۸)

بنام مولوی حبیب الرحمان صاحب

پیارے خانصاحب بہادر۔ السلام علیکم۔ عنایت نامہ پہنچ کر کاشف حالات ہوا۔ آپ کے لئے یہاں آپ کے سب دوست اور اُن سب میں نیازمند بالخصوص برابر چشم براہ ہے۔ اور اس وقت تک اس مجبوری کو کوستے ہیں جس نے ہمیں اس موقع ملاقات سے محروم رکھا۔ تاہم دنیا میں علائق سے چھٹکارا نہیں کسی اور موقع کے منتظر رہیں گے۔ خدا آپ کو خوش رکھے اور کاروبار میں کامیاب۔ میں ہی گڈھ آرنلڈ صاحب کو رخصت کرنے ۲۵ فروری کو گیا تھا۔ اس سفر کا ارادہ [illegible] کی روانگی کے قریب ہوا اس لئے پہلے سے آپ کو خط لکھ نہیں سکا۔ مگر امید غالب تھی کہ آپ وہاں تشریف فرما ہیں گے کیونکہ قریب ٹرسٹی صاحبان کو اس موقع پر بلایا گیا تھا۔ میں نے جاتے ہی دیانت کیا تو کسی نے کہا کہ آپ اس سے شاید ایک دن پہلے تک نمائش میں تھے مگر پھر تشریف لے گئے۔ میں صرف دو روز وہاں ٹھہرا اور اس خیال کے کہ آپ ابھی گئے ہیں بلا بھیجنا مناسب نہ جانا۔ مجھے مسرت ہے کہ مضمون آپ کے پیش نظر ہے۔ مجھے ہر وقت اس کا منتظر سمجھئے۔

۱۱ر اپریل ۱۹۰۴ء　　نیازمند شیخ عبدالقادر از لاہور

(۹)

بنام مولوی بشیرالدین

لندن۔ ۴ جرنٹ　　THOMAS COOK & SON LUDGATE CIRCUS

کرم و شفیق بندہ۔ السلام علیکم۔ آپ نے جن عنایت آمیز الفاظ میں مجھے یاد فرمایا ہے۔ اس کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ آپ کو خط لکھنے کا قصد رکھتا تھا مگر موقعہ نہ ملا۔ اب (کٹا ہوا ہے پڑھا نہیں گیا) ارادے سے کئی [illegible] آپ کے لئے خط لکھ رکھتا ہوں۔ آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا۔ کہ خدا کے فضل سے آبزرور کے جاری رہنے کا عمدہ بندوبست ہو گیا ہے۔ گزشتہ سال میرے رک جانے کا یہی سبب تھا۔ اور اب تسلی ہو گئی تو چلا۔ آپ دیکھیں گے کہ اس میں بہ وجوہ بہ نسبت سابق رونق ہو گی نہ کہ کمی۔ ٹائپ اب نیا آیا ہے۔ ترتیب مضامین میں کچھ جدت کی گئی ہے۔ ہمارے پرانے ایڈیٹر منٹر وائس سے مضامین میں مدد لی گئی ہے اور خدمت ایڈیٹری شیخ عبدالعزیز صاحب، بی اے کے سپرد ہوئی ہے جو پانچ سال میرے ساتھ اسسٹنٹ ایڈیٹری کا کام کر چکے ہیں اور پورا تجربہ اور قابلیت رکھتے ہیں۔ مجھ سے یہ [illegible] ہوا ہے کہ میں ہفتہ وار ایک خط اور ایک مضمون آبزرور کے لئے لکھتا رہوں جس کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے۔ امید کہ آپ کسی مختصر نوٹ میں اس امر کا تذکرہ کر دیں گے۔ تاکہ قدردانوں کو اطمینان ہو جائے۔

نیز آپ دیکھتے ہوں گے کہ مخزن کا کام بھی بخوبی چل رہا ہے اور اس پر بھی میری غیر حاضری کا کوئی مضر اثر نہیں پڑا۔ بلکہ یہاں سے جو مضمون بھیجتا ہوں اور جو تصویریں چھپوانے کا انتظام ہوا ہے اس کے سبب کچھ خوبی بڑھ جاتی

اس کی بھی کسی موقع پر داد دیجئے گا۔ ڈاکٹر ضیاء الدین سے متعدد ملاقاتیں ہو چکی ہیں جن میں متعدد قومی امور کے متعلق مشورے ہوئے، خدا کرے ان کا کچھ نتیجہ ہو۔ وہ چند ضروری مضامین البشیر میں لکھیں گے۔ میں چاہتا ہوں کہ البشیر میری نظر سے گذرا کرے۔ آپ ایک کاپی مجھے بھی باقاعدہ بھیجا کیجئے تو نہایت ممنون ہوں گا۔ اور کاندہار الفاظ سے یاد فرماتے رہیں۔

۲۶ر جولائی سنہ ۱۹۰۴ء　　عبدالقادر

---

(۱۰)

بنام مولوی حبیب الرحمان صاحب

میرے کرم فرما جناب خانصاحب زاد لطفکم۔ السلام علیکم۔ آپ کو یہ تو بذریعہ اخبارات معلوم ہو گیا ہوگا کہ میں آخر انگلستان آ پہنچا۔ خدا کا فضل سفر میں شامل حال رہا۔ اور یہاں اگرچہ اب تک نعمت صحت حاصل ہے اور کام بخوبی ہو رہا ہے۔ فالحمد للہ علےٰ ذالک۔ عجلت میں چلنے کے سبب صرف ایک افسوس رہ گیا کہ آپ حضرات سے وقت رخصت ملنا نہ ہو سکا۔ اچھا۔ یار زندہ صحبت باقی پھر انشاء اللہ کبھی ہم ہوں گے اور آپ۔ اور تصانیف کا جزدان کھلے گا۔ اور اس سے بیدہ بیدہ کلام سے بہرہ اندوز ہوں گا۔ اس خط کے لکھنے سے محض رسید منظور نہیں۔ یہ آپ کو پہلے سے معلوم ہے۔ دو مطلب ہیں۔ ایک سلسلۂ خط و کتابت جاری کرنا۔ آپ مزور اوقات فرصت میں مجھے یاد فرمایا کیجئے۔ آپ کے خطوط سے مشرف ہونا مسرت خاص کا باعث ہوگا۔ اور جواب لکھنے میں مجھے راحت ملے گی۔ دوسرے میری غیر حاضری میں مخزن کی طرف خاص طور پر توجہ فرمانے اور مستقل قلمی امداد دینے کا جو وعدہ آپ نے گزشتہ اگست میں فرمایا تھا اس کی تجدید۔ سو میں جانتا ہوں کہ اس مختصر خط سے دونوں مطلب حاصل ہو جائیں گے اور دوبارہ یاد دہانی کی ضرورت نہ پڑے گی۔ میں نے آج نواب محسن الملک بہادر کو خط لکھا ہے کہ اگر وہاں کے اصحاب کی رائے ہو جائے کہ آرنلڈ صاحب کو پرنسپلی پر بلایا جائے تو ہمیں کوئی باضابطہ قرارداد کر کے ارشاد فرمائیں کہ ہم تحریک کریں۔ ہمیں بہت امید کامیابی کی ہے۔ اگر آپ اس خیال کو پسند فرمائیں تو آپ بھی اس بارے میں سامی ہوں۔ اردو اخبارات میں ندوہ کے متعلق بعض پریشان کن خبریں پڑھتا ہوں۔ معلوم نہیں کہاں تک درست ہیں آپ کچھ مطلع فرمائیں۔

۱۹ر اگست سنہ ۱۹۰۴ء　　نیازمند عبدالقادر از لندن

---

(۱۱)

بنام ڈاکٹر اقبال

پیارے اقبال۔ السلام علیکم۔ آپ کا محبت نامہ مرقومہ ۱۰ر اگست (ایبٹ آباد) ۲۹ر اگست کو ملا۔ میں دو خط سیالکوٹ کے پتے سے لکھ چکا ہوں امید کہ وہ آپ کو مل گئے ہوں گے۔ اگر آپ کے نقل و حرکت مکانی میں کوئی گم ہو گیا۔ تو افسوس ہوگا۔ اب یہ پھر سیالکوٹ ہی کو بھیجتا ہوں کیونکہ آپ نے لکھا ہے کہ آپ ۵ ستمبر کو سیالکوٹ جاویں گے۔ گرڈاک مس ہونے کی جو معذوریاں آپ نے لکھی ہیں وہ معقول ہیں۔ مگر پھر بھی میں چاہتا ہوں کہ آپ معذوری میں بھی کچھ لکھ ہی دیا کریں خواہ دو سطریں ہی کیوں نہ ہوں۔ اس سے دو فائدے ہیں۔ ایک تو سلسلہ نہیں ٹوٹتا دوسرے تسلی ہو جاتی ہے۔ اب دیکھئے پچھلے دونوں آپ کا خط نہ آیا تو مجھ سے بھی ایک آدھ نافہ ہوا۔ آپ تکلیف بالکل کو نہ دیکھا کیجئے بلکہ یہ خیال کیا کیجئے کہ کس طرح ہم منتظر رہتے ہیں۔

تو میرا شوق دیکھ مرا انتظار دیکھ

مثنوی کے مضمون کی تعریف کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ جیسا کہ آگے لکھ چکا ہوں۔ میرے لئے تو یہ بس ہے کہ آپ نے پسند کیا۔ اس میں کئی اوروں کی تعریف آگئی۔

ہاں۔ اگلے ستمبر کے صرف آپ ہی منتظر نہیں[1]۔ یہاں بھی کئی لوگ منتظر ہیں۔ اُن میں سب سے بڑھ کر میں ہوں۔ پھر وہ جو میرے ذریعے مشتاق بنتے جاتے ہیں۔

آرنلڈ صاحب[2] سے اب میں اکثر ملتا رہتا ہوں۔ کیونکہ میری طبیعت نے اجازت نہ دی کہ اُن کی شاگردی سے محروم رہوں اور نہیں تو فرنچ ہی شروع کر دی ہے۔ کچھ کچھ سمجھ میں آنے لگی ہے۔ آپ کے آنے تک خوب واقف ہو جاؤں گا۔ اگر ایبٹ آباد میں لیکچر دیا ہے تو اس کا حال لکھئے گا[3] اور جہلم اگر اتریئے تو پوری کیفیت سے مشکور فرمایئے گا۔ مفصل خط اگلے ہفتہ انشاء اللہ لکھوں گا۔ اب ڈاک کا وقت قریب ہے اور ایک دو دوست ملاقات کے لئے تشریف لے آئے ہیں، اس لئے اسے مختصر کر دینا پڑا۔

لندن ۲ ستمبر ۱۹۰۴ء　　بندہ عبدالقادر

بنام مولانا عبدالعزیز　　(۱۲)

مکرمی مولانا عبدالعزیز صاحب سلامت باشد۔ السلام علیکم۔ یہاں جناب صاحبزادہ صاحب سے ملاقات ہوئی اور آپ کے متعلق گفتگو رہی۔ انشاء اللہ امید پڑتی ہے کہ عنقریب اس اسامی پر کسی کا تقرر ہو گا۔ جس کے لئے آپ نے کوشش کی تھی۔ اور اغلب ہے کہ آپ کے نام ہی قرعۂ فال نکلے۔ آپ کو اگر یہ خط مل جائے۔ تو براہ مہربانی بواپسی مطلع فرمائیں کہ اگر آپ کا تقرر ہو جائے تو آپ کب تک چارج لے سکیں گے۔

میرا خیال ہے کہ ان دنوں آپ وطن گئے ہوئے ہوں گے۔ مگر اب کالجوں کے کھلنے کا زمانہ قریب ہے۔ امید ہے کہ آپ آگئے ہوں یا جلد آنے والے ہوں اور میرا خط آپ کو لاہور میں مل جائے۔ زیادہ خیریت

شملہ ۱۸ ستمبر ۰۴ء　　راقم عبدالقادر

بنام سید ہمایوں مرزا بیرسٹر　　(۱۳)

امید منزل خیرت آباد۔ کرم فرمائے بندہ عام لطفکم۔ السلام علیکم۔ عنایت نامہ ملا۔ میں آج صبح حاضر ہوا۔ اور کل شام جا رہا ہوں۔ اس اثنا میں آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا قصد تھا۔ اب آپ نے خود تحریر فرمایا ہے کہ آپ

---

[1] یہ اس دور کا مکتوب ہے۔ جب سر عبدالقادر مرحوم ولایت جا چکے تھے اور حضرت علامہ جانے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ چنانچہ وہ اگست ۱۹۰۴ء میں ولایت روانہ ہو گئے اور ستمبر میں پہنچے۔

[2] حضرت علامہ مرحوم کے محبوب استاد، جن کے متعلق ایک نظم بھی بانگ درا میں موجود ہے۔

[3] یہ لکچر انگریزی میں تھا اور اسی زمانے میں چھپ گیا تھا۔ بعد ازاں اس کا اردو ترجمہ بھی شائع ہو گیا تھا۔ جس کا عنوان تھا "ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر"۔

تشریف لاتے ہیں۔ زہے نصیب۔ اگر آپ آج ۴ بجے تشریف لاسکیں تو ملاقات سے مجھے نہایت مسرت حاصل ہوگی ورنہ کل صبح ۸ اور ۹ کے درمیان میں مکان پر ہوں گا۔ اس کے بعد پکڑ میں ہوں۔ اگر ان وقتوں میں سے کوئی آپ کے لئے موافق نہ ہوا تو میں کسی وقت موقع نکالکر پہنچوں گا۔

میری طرف سے بہن صاحبہ یعنی بیگم صاحبہ ہمایوں مرزا صاحب کی خدمت میں بعد سلام یہ عرض ہے کہ لیڈی عبدالقادر نے انہیں بہت بہت سلام کہلا بھیجا ہے۔ مگر بعض کام شدنی ایسے درپیش تھے کہ وہ میرے ہمراہ نہیں آسکیں۔ خدا پھر کوئی موقع لائے۔ والسلام

۳۰ دسمبر ۲۷ء　　راقم عبدالقادر۔

(۱۴)

بنام ڈاکٹر زور صاحب

۴ ٹمپل روڈ۔ لاہور۔ مکرمی سید صاحب زاد مظفر۔ السلام علیکم۔ آپ کا عنایت نامہ مرقومہ ۲۷ اگست ملا۔ زور کے زور[1] کا پیغام بہت دلچسپ ہے۔ بچے کو میری طرف سے دعا پہنچا دیں۔ اور کہئے کہ مجھے معلوم ہوتا کہ وہ میرے ساتھ سات بجے جانے کو تیار ہے تو میں ساتھ لے جاتا۔ مگر وہ اکیلے واپس کیسے آتا۔ دیکھئے کیا ہوتا ہے۔

آپ سے مل کر اور آپ کی جماعت کا کام دیکھ کر دل خوش ہوا۔ میں ایک خط نواب مہدی یار جنگ صاحب کو لکھنے کو ہوں۔ اس میں آپ کی جماعت کے کام کا ذکر مناسب الفاظ میں کروں گا۔ اور ان کو توجہ دلاؤں گا۔ سب احباب کو سلام شوق کہہ دیں۔

میں ۵ ر کی صبح کو یہاں پہنچا اور اس وقت سے برابر مصروف ہوں۔ اور احباب بکثرت ملنے کو آرہے ہیں۔ ہر چند کہ تعطیلات کی وجہ سے ایک کثیر تعداد لاہور سے باہر گئی ہوئی ہے۔

فوٹو کا گروپ جو آپ نے ارسال فرمایا۔ اس کا شکریہ قبول فرمائیے۔ فوٹو اچھا نکلا ہے۔

۳۱ اگست ۲۹ء　　آپ کا خیر طلب عبدالقادر

(۱۵)

بنام ڈاکٹر زور

لائل پور۔ مکرمی جناب زور صاحب۔ السلام علیکم۔ عنایت نامہ مرقومہ یکم ستمبر ملا۔ ممنون ہوں۔ آپ کے پہلے خط کا جواب میں نے لاہور سے بھیج دیا تھا۔ اور اسی دن نواب مہدی یار جنگ بہادر کی توجہ ادارۂ ادبیات اردو کی طرف دلائی تھی۔ امید ہے وہ خط ان کو مل گیا ہوگا۔ میں چند روز کے لئے یہاں آیا ہوں۔ اگر خط لکھیں تو لاہور کے پتے سے ہی لکھیں۔ میں عنقریب ثمنہ جانے والا ہوں۔

آج ایک گرامی نامہ لائٹ آنریبل سر اکبر حیدری صاحب کا آیا تھا۔ جس میں انہوں نے آپ کے ادارہ کے مفید کام کا اعتراف کیا تھا۔ خدا کرے آپ کو ہر دو حضرات ممدوح کی توجہ سے ادارہ کی ترقی کے لئے مدد ملے۔ گو آج کل جو حالات ہیں۔ وہ چندان مساعد نہیں۔ بہرحال یہ غنیمت ہے کہ آپ اور آپ کے رفقا اپنے محدود وسائل کے

---

[1] میرا لڑکا سید خواجہ تقی الدین قادری سجادہ نشین۔ (زور)

باوجود ہمہ تن اس کی ترقی میں کوشاں ہیں۔

آپ نے جو مضمون اردو سے متعلق اپنے مجوزہ ارمغان کے لئے طلب کیا ہے اس کے لکھنے کی کوشش کروں گا۔ مگر وعدہ نہیں کر سکتا۔ کیونکہ مجھے ان دنوں بہت کم فرصت رہتی ہے۔ یہ بتائیے کہ دیر سے دیر کب تک مضمون کو پہنچ جانا چاہیئے۔ مخزن کے بعد میں نے جو مضامین اردو میں لکھے۔ انہیں اگر آپ جمع کر کے چھاپنا چاہتے ہیں تو ان کا پتہ بتانے میں آپ کی مدد کرنے کو میں تیار ہوں۔ صرف یہ بتا دیجئے کہ اس زمانے میں کئی دیباچے مصنفین کے اصرار پر ان کی کتابوں کے لئے لکھے گئے۔ ایک سے ایک کا رنگ الگ ہے۔ مثلاً سر اقبال مرحوم کے اردو کلیات کا دیباچہ۔ حفیظ صاحب جالندھری کے شاہ نامے کا دیباچہ، منشی سکھ دیو سنہا بسمل الہ آبادی کے دیوان کا دیباچہ۔ مسٹر ٹوکی مرحوم کے دیوان کا دیباچہ۔ اگر آپ ان کو شامل کرنا پسند کریں گے تو مجموعہ خاصہ بڑا ہو جائے گا۔ ورنہ بعض رسائل کے مضامین ہی ہیں اور بعض ان میں سے دیرپا بھی ہیں۔

آپ کے ہاں کے گروپ کا فوٹو آپ نے بھیجا تھا۔ اس کی رسید دے چکا ہوں آج جو پٹاگروپ آپ نے نام لکھنے کے لئے بھیجا ہے اس پر جو نام یاد آئے ہیں۔ میں نے لکھ دیئے ہیں وہ آپ چھاپ لیں۔ باقی لوگوں میں سے بھی کئی مشکل سے پہچانتا ہوں مگر نام یاد نہیں آتے وہ گروپ واپس ارسال خدمت ہے۔

صرف نواب محسن الملک اور وقار الملک مرحوم اور دیگر ایسے حضرات کے نام میں نے نیچے نہیں لکھے کہ انہیں آپ خود پہچانتے ہیں۔ وہ نام آپ خود لکھ لیجئے۔

۷ ستمبر ۱۹۳۹ء　　آپ کا مخلص عبدالقادر

---

(۱۶)

بنام ڈاکٹر تندر

مکرمی جناب زور صاحب۔ السلام علیکم۔ عنایت نامہ لاہور سے ہوتا ہوا مجھے یہاں ملا۔ میں ۱۰ ستمبر سے یہاں ہوں اور ۲۱ کو انشاء اللہ لاہور واپس جاؤں گا۔

آپ نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ اب میرے مضامین اور مقدمے الگ چھاپے جائیں۔ میرے خیال میں مضامین تین نہ ہوں گے کہ ایک علیحدہ معقول جلد ان سے مرتب ہو سکے۔ اس لئے دونوں کو یکجا چھاپنا بہتر ہوگا۔ افسوس کہ میرے پاس کوئی یادداشت موجود نہیں جس سے معلوم ہو کہ مضامین کہاں کہاں چھپے۔ حافظے سے جو پتے اس وقت یاد ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

۱۔ حال میں جو تین چار مضمون انیس نسواں کے لئے لکھے۔

۲۔ ۱۹۲۸ء ایک مضمون ادبی دنیا لاہور میں چھپا۔ شاید لندن میں اردو۔ عنوان تھا۔ ۱۹۳۹ء میں ایک مضمون کو اور کے عنوان سے ادبی دنیا میں چھپا۔

۳۔ غالباً ۱۹۳۳ء یا ۱۹۳۴ء میں ایک مضمون مسولینی کے متعلق نیرنگ خیال لاہور میں چھپا۔ اور جو یاد آئیں گے بتاؤں گا۔

انیس نمبروں کے مضامین کے لئے میں نے شیخ محمد اکرام صاحب کو لکھا ہے وہ اپنے سب پرچے جو تا حال چھپے ہیں۔ آپ کے پاس بھیج دیں بلکہ ان کو صلاح دی ہے کہ وہ انیس نمبروں کا تبادلہ سب رسائل سے مستقل طور پر (ARRANGE) کرلیں۔ ادبی دنیا اور نیرنگ خیال کے مضامین لاہور جانے کے بعد آپ کو بھجوانے کی کوشش کروں گا۔ ایک نمبر مخزن میں اس زمانے میں شائع ہوا تھا۔ جب اس کا ورثانی یا ثالث تھا اور میں اس کا ایڈیٹر تھا۔ وہ سر اقبال مرحوم کی رموزِ بیخودی پر تھا۔ وہ انتخاب مخزن حصہ سوم میں شائع ہوا تھا۔ اس کتاب کی ایک جلد اگر مل گئی تو وہ بھی آپ کو بھیج دونگا۔

اورینٹل کانفرنس کی بابت جو آخری فیصلہ ہو اس سے مطلع کیجئے گا۔ مرحمان کے لئے مضمون لکھنے کی کوشش کروں گا۔ لیکن یقینی وعدہ نہیں کرسکتا۔ کیونکہ ابھی میں سفروں کی مصروفیات میں ہوں۔ اور خط لکھنے کے لئے بھی مشکل سے وقت نکلتا ہے۔ تا بہ مضمون چہ رسد۔

"مضامین عبدالقادر" یا "مقدمات عبدالقادر" کچھ بہت اچھا نام آپ کی مجوزہ کتاب کے لئے نہیں ہے۔ جب آپ اس کام کو شروع کریں گے تو کچھ اور نام سوجھا ہوگا۔ زیادہ خیریت۔ جواب اگر لکھیں تو لاہور کے پتے سے لکھیں

شملہ ۱۷ ستمبر ۱۹۲۹ء　　آپ کا مخلص عبدالقادر

---

(۱۷)

بنام سید ہمایوں مرزا صاحب بیرسٹر

مکرم بندہ جناب سید ہمایوں مرزا صاحب سلامت باشی۔ السلام علیکم۔ آج اورینٹل کانفرنس کا افتتاح ہے۔ اچھی رونق کا موقع ہوگا۔ اگر آپ پچھلے پہر فارغ ہوں اور اس میں تشریف لانا چاہیں تو اس کے لئے ایک ٹکٹ ارسال خدمت کرتا ہوں۔ تشریف لائیے گا۔ نیز لیڈی عبدالقادر کی طرف سے بیگم صاحبہ[1] کی خدمت میں یہ پیغام دے دیں کہ وہاں ایک نشست گاہ پردہ دار خواتین کے لئے بھی رکھی گئی ہے۔ اگر بیگم صاحبہ اس اجلاس کو دیکھنا چاہیں تو لیڈی عبدالقادر کے پاس پونے پانچ تک پہنچ جائیں۔ یا انہیں اطلاع دیں کہ وہ پونے پانچ بجے اُن کو ہمراہ لے لیں۔ اس صورت میں وہ پونے پانچ سے پہلے تیار رہیں۔ نیز بیگم حمید علی صاحبہ سے بھی پوچھ لیں۔ وہ اگر چلنا چاہیں تو وہ بھی چلیں۔ جواب سے ممنون فرمادیں۔ کہ بیگم صاحبہ اگر جانے کو تیار ہیں تو آیا وہ ادھر آئیں گی یا لیڈی عبدالقادر ادھر آئیں۔ بیگم صاحبہ کو وہ خود خط لکھنے کو تھیں لیکن چونکہ میں آپ کو خط لکھ رہا تھا۔ انہوں نے اسی میں اپنا پیغام بھیج دیا ہے۔ والسلام۔

لاہور ۱۹ نومبر ۳۱ء　　راقم عبدالقادر

---

(۱۸)

بنام ڈاکٹر زور

نئی دہلی ۷، کنگ ایڈورڈ روڈ۔ مکرمی جناب محی الدین زور صاحب۔ تسلیم۔ آپ کے عنایت نامہ کا جواب میرے ذمے ہے۔ تاخیر کی معافی چاہتا ہوں۔ مجھے چونکہ اکتوبر میں دفعتاً یہاں آجانا پڑا اور یہاں آکر غیر معمولی مصروفیت رہی اور درمیان میں کچھ زکام وغیرہ کی تکلیف سے کچھ دن علیل رہا۔ اس لئے خط نہ لکھ سکا۔ میں نے آپ کو مضامین

---

[1] صغریٰ بیگم ہمایوں مرزا۔

اور دیباچے بھجوانے کی تحریک اس اثنا میں بھی جاری رکھی۔ منشی تلوک چند صاحب محروم کے دیوان کا دیباچہ میں نے لکھا تھا۔ ان سے میں نے کہا تھا کہ آپ کو وہ اپنا دیوان بھجوا دیں۔ انہوں نے وعدہ کیا تھا۔ لکھئے کہ بھیجا یا نہیں۔ تاکہ نہ ہو تو انہیں یاد دہانی کی جائے۔

حضرت حفیظ جالندھری کے شاہ نامے کی دو نو جلدوں کے دیباچے میں نے لکھے تھے۔ انہوں نے وعدہ کیا تھا کہ وہ عنقریب حیدرآباد جائیں گے تو دو نو جلدیں آپ کو دیں گے۔ اور جو معاوضہ مل سکیں گے آپ کو بھجوائیں گے۔ یا پہنچا

مسٹر عزیز احمد صاحب ایک دن ملے تھے ان سے معلوم ہوا کہ آپ کے اکاؤنٹ کو پانچ سو روپیہ وزارت تعلیمات سے ملا ہے۔ اگر یہ درست ہے تو موجب مسرت و تشکر ہے۔ چند روز ہوئے خواجہ حمید الدین صاحب منیجر "مدیر سب رس" کا کارڈ آیا تھا۔ کہ جنوری ۴۰ء کے سب رس کے لئے کوئی مضمون بھیجوں۔ مگر میں بایں متاسف ہوں کہ یہاں کے کام کے ساتھ مضمون نگاری کے لئے وقت نہیں نکال سکتا۔ پھر کبھی کچھ لکھ سکوں تو اور بات ہے۔ یہاں کا عارضی کام جلد ختم ہونے کو ہے اور میں اواخر ماہ حال میں لاہور جاؤں گا۔ وہاں کی خط و کتابت کے لئے وہی پتہ ہوگا۔ والسلام

۴ دسمبر ۱۹۳۹ء　　آپ کا مخلص عبدالقادر

---

(۱۹)

بنام ڈاکٹر زور

کنگ ایڈورڈ روڈ۔ نئی دہلی۔ مکرمی ڈاکٹر زور صاحب تسلیم۔ عنایت نامہ پہنچا۔ دیوان محروم آپ کے پاس پہنچ گیا۔ خوب ہوا۔ شیخ محمد اکرام صاحب نے تو کہا تھا انیس نسواں کے پچھلے پرچے بھیج رہے ہیں۔ اب انہیں یاد دہانی کروی جائے گی۔ اسی طرح حفیظ صاحب کو بھی۔ حفیظ صاحب یہاں آئے تھے۔ آپ کے مجوزہ مجموعے کا نام وہ "مضامین شیخ" یا "مضامین سر شیخ" تجویز کرتے تھے۔

آپ کا ایک خط مجھے نہیں ملا۔ اسی میں غالباً (۵۰۰) روپے سرکار سے ملنے کا ذکر تھا۔

آپ اگر اردو کانفرنس کے لئے دہلی آئے تو آپ کی ملاقات سے بہت مسرت ہوگی۔ میں تو یہاں کے کام سے فارغ ہو کر عنقریب لاہور جانے کو ہوں۔ ۲۱ دسمبر کے بعد جو خط مجھے لکھیں اس پر لاہور کا پتہ درج کیجئے۔ کانفرنس کے متعلق میرا ارادہ ہے کہ میں لاہور جا کر اس جلسے کے لئے پھر دہلی آؤں گا اور ۲۸ سے ۳۰ تک مولوی عبدالحق صاحب کے ہاں مقیم ہوں گا۔ زیادہ خیریت

۱۷ دسمبر ۱۹۳۹ء　　آپ کا مخلص عبدالقادر

---

(۲۰)

بنام ڈاکٹر زور

۴۔ ٹمپل روڈ۔ لاہور۔ مکرمی ڈاکٹر زور صاحب۔ السلام علیکم۔ آپ کا عنایت نامہ ملا۔ جس سے معلوم ہوا کہ آپ پہلی اور دوسری جنوری کے لئے لاہور آ رہے ہیں۔ آپ سے مل کر بہت خوشی ہوگی۔ مجھے یہ بڑا افسوس رہا ہے کہ کانفرنس کے جلسے میں بوجہ ناسازی طبع شریک نہیں ہو سکا۔

آپ اگر ۲۱ دسمبر کو دہلی سے روانہ ہونے کو ہیں تو مجھے مندرجہ بالا پتہ پر بذریعہ تار اطلاع دے دیں کہ آپ کس گاڑی سے آ رہے ہیں۔ ایک کا نام فرنٹیر میل ہے جو دہلی سے ۹ بجکر ۲۰ منٹ پر چلتی ہے۔ اور دوسری بٹھنڈہ اور فیروز پور کے راستے چند منٹ بعد چلتی ہے۔ چونکہ یہ دونوں گاڑیاں دو مختلف پلیٹ فارموں پر آتی ہیں اس لئے یہ اطلاع ضروری ہے تاکہ میں کسی کو سٹیشن پر بھیج سکوں۔ اگر یہ اطلاع نہ دے سکیں تو باہر نکل کر یہ پتہ کسی ٹیکسی یا تانگہ والے کو بتا دیجئے۔ وہ آپ کو بہ آسانی لے آئے گا۔ امید کہ آپ یہ دو روز میرے پاس ٹھہریں گے۔ زیادہ خیریت

آپ کا مخلص عبدالقادر

۲۹ دسمبر ۱۹۳۹ء

---

(۲۱)

ڈاکٹر نذیر

۴۔ ٹمپل روڈ۔ لاہور۔ مکرمی ڈاکٹر نذیر صاحب۔ السلام علیکم۔ عنایت نامہ مورخہ ۴ مارچ ملا۔ میں نے اکرام صاحب کو تاکید لکھی ہے کہ وہ اپنا رسالہ آپ کے پاس برابر بھیجتے رہیں۔

سب رسالے مجھے برابر ملتا ہے۔ خوب ہے۔ میں ابھی ان دنوں میں تو کوئی مضمون نہیں لکھ سکتا۔ کیونکہ بعض پہلے وعدے ابھی پورے نہیں کر سکا۔ لیکن جب کوئی چیز خیال میں آئے گی تو لکھوں گا۔

لاہور کے بعض رسالے جو اچھا کاغذ بستور رنگا رہے ہیں صرف اپنے استقلال کا نمونہ دکھا رہے ہیں ورنہ سب گرانی کے شاکی ہیں۔

امید کہ آپ بہمہ وجوہ بخیریت ہوں گے۔ آپ کو مسٹر کے۔ اے حمید صاحب کی کتاب "اتاترک" نوٹ کی ہوگی اس میں میرا دیباچہ ہے۔ آپ کو کوئٹے اور دوسرے دیباچوں کا پتہ چلا ہے۔

آپ کا مخلص عبدالقادر

۸ مارچ ۱۹۴۰ء

---

(۲۲)

صوفی غیرت قادری

مکرمی جناب صوفی محمد شریف صاحب غیرت قادری۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ آپ کا خط اور مسودہ کتاب شاہنامۂ حکیم[1] نذیر احمد صاحب سے کرائے۔ مسودہ میں نے سنبھال لیا ہے۔ انشاء اللہ آہستہ آہستہ اسے پڑھتا رہوں گا۔ اور جب موقع ملے گا تو آپ کے ارشاد کی تعمیل کرونگا۔ آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ آپ ۱۱ اکتوبر کے بعد تشریف لا سکتے ہیں۔ اگر ایسا ۱۲ کو عید ہو جائے تو ۱۳ اکتوبر کو تشریف لائیں۔ میں ۱۳ تک یہاں ہوں۔ ۱۳ کی شام کو واپسی کا ارادہ ہے۔ مل کر مسرت ہوگی۔ لیکن آپ محض تاکید کے لئے تکلیف سفر نہ کریں۔ جب میں لکھنے کے کام سے فارغ ہوں گا تو آپ کو اطلاع دوں گا۔ آپ مل بھی لیں گے اور اپنی کتاب بھی لے جائیں گے۔ زیادہ خیریت۔

آپ کا مخلص اور طالب دعا عبدالقادر

۷ اکتوبر ۴۲ء

---

(۲۳)

صوفی غیر قادری

بہاولپور۔ مکرمی جناب صوفی محمد شریف صاحب۔ السلام علیکم۔ آپ کا عنایت نامہ مرقومہ یکم مارچ ملا۔ میں آپ

---

[1] حکیم نذیر احمد کیف صاحب (غیرت قادری)

اس کتاب کو پڑھ چکا ہوں اور جا بجا سے کچھ انتخاب بھی کیا ہے۔ میں انشاءاللہ جس وقت فرصت ملتی ہے اس مختصر دیباچہ یا تعارف لکھ کر بھیجوں گا۔

ہمارے دوست راجہ عنایت اللہ خاں صاحب کے بے وقت انتقال کی خبر سے از حد ملال ہوا۔ خدا مرحوم کو جنت نصیب کرے اور پس ماندگان کو توفیق صبر دے۔ آپ سے انہیں دلی محبت تھی۔ اس لئے آپ کو ان کی بیماری کی خبر سنا مزید رنج ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

یہ سن کر کہ آپ علیل رہے ہیں افسوس ہوا مگر شکر ہے کہ اب آپ کو خدا نے صحت بخشی ہے۔

میں جلد تو لاہور آنے کا ٹھیرنے کا ارادہ نہیں کر رہا۔ جب دو چار دن کے قیام کی صورت نظر آئے گی تو آپ کو لکھ بھیجوں گا۔ والسلام

۳ مارچ ۱۹۲۳ء　　آپ کا مخلص عبدالقادر

بنام بشیر النسا بیگم صاحبہ بشیر

(۲۴)

عزیزہ من بشیر النسا بیگم صاحبہ۔ تسلیمات۔ میں اور لیڈی عبدالقادر صاحبہ جب سے حیدرآباد سے واپس آنے کا ارادہ کر رہے ہیں کہ آپ کو اور آپ کے شوہر جناب ضامن علی صاحب کو خط لکھیں اور جو تواضع آپ دونوں نے ہمارے قیام حیدرآباد کے دوران میں ہمارے حال پر رکھی اس کا شاکرانہ اعتراف کریں مگر اتفاقات ایسے پیش آئے کہ نہ ہو سکا۔

ہم اورنگ آباد ہوتے ہوئے یکم کو دکن سے نکلے اور تیسری اگست کو لاہور پہنچے حیدرآباد سے جاتے وقت یہ افسوس رہا کہ آپ مہمان خانۂ سرکاری پر ہمیں ملنے آئیں اور ہم نہ تھے۔ جو کتابیں اور غیر مطبوعہ نظمیں آپ دے گئیں وہ مل گئیں۔ پھولوں کے خوبصورت ہار جو آپ نے ہمیں دئے تھے جب ہم آپ کے ہاں چائے پر گئے تھے۔ سارا رستہ ہمارے رفیق سفر رہے۔ اور آپ کی علم دوستی اور ذوق ادب کی یاد دلاتے رہے۔ میں لاہور سے روانہ ہو کر ۵ اگست کو یہاں پہنچا مگر آتے ہی مجھے بخار ہو گیا۔ یوں بیماری کی خبر سنکر لیڈی صاحبہ لاہور سے یہاں آئیں اور چند دن تیمارداری میں مصروف رہیں۔ پھر وہ بیمار ہو گئیں اور مجھ سے زیادہ تکلیف میں رہیں۔ اب ہم دونوں بفضل خدا شفا پا چکے ہیں اس لئے آپ کو خط لکھنے کا رہا ہوا کام یاد آیا۔ آپ کے ادبی مذاق اور خاص کر مرحوم اقبال سے والہانہ عقیدت سے ہم بہت متاثر ہوئے۔ اور آپ کے شوہر کے اخلاق سے (اور جس شوق سے وہ آپ کی ادبی کوششوں کی اشاعت اور نوعیت کے لئے کوشاں رہتے ہیں) بھی ہم بیحد متاثر ہوئے۔ خدا آپ دونوں کو ان ادبی خدمات کے لئے سلامت رکھے۔ اور آپ کے ذوق علمی میں اور ترقی دے۔

آپ نے جو جلدیں رسالۂ سب رس کی لیڈی صاحبہ کو پڑھنے کو دی تھیں وہ ان کے زیر مطالعہ رہی ہیں۔ اور آپ کے مضامین کو انہوں نے بہت پسند کیا۔ وہ خود علیحدہ خط لکھنے کی اس وقت معافی چاہتی ہیں۔ کیونکہ ایک مختصر سے سفر کے لئے جو یہیں پھر درپیش ہے اس وقت وہ تیاری کر رہی ہیں۔ اور آپ کے شکریے میں اور آپ

کو دعا بھیجنے میں میرے ساتھ شریک ہیں۔ آپ دونوں کو ہم دونوں کا سلام۔ آپ لوگ کبھی لاہور آئیں تو مجھے اور انہیں ملیں۔ والسلام

۲۹ اگست ۱۹۴۲ء　　آپ کا مخلص طلب عبدالقادر

(۲۵)

صادق صاحب گورنمنٹ کالج کوئٹہ۔

شملہ

مکرمی جناب سید آغا صادق حسین صاحب۔ السلام علیکم۔ آپ کا خط مورخہ ۱۰ ستمبر لاہور سے مہتا مرا کل یہاں ملا۔ یاد آوری کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اس میں تین غزلیں ملفوف ہیں۔ مجھے بہت پسند آئیں۔ انشاء اللہ انہیں اپنے چند الفاظ کے ساتھ بعض رسائل کو بھیج دوں گا۔

آپ نے لکھا ہے کہ اس سے پہلے ایک خط آپ بھیج چکے ہیں "جس میں زیادہ کاغذات کی گنجائش نہ تھی"۔ وہ خط مجھ تک نہیں پہنچا۔ آیا کہیں ڈاک میں ادھر ادھر ہو گیا یا لاہور والوں نے پتہ بدل کر یہ روانہ کیا۔ درمیان میں ایک مرتبہ یہ ہوا کہ میری ڈاک جو لاہور میں تھی ایک شخص کے ہاتھ دستی یہاں بھیجی گئی اور اس کا سامان جس میں میرے کاغذ بھی تھے ریل میں چوری ہو گیا۔

اگر آپ کا خط کہیں ان کاغذوں کے ساتھ گم ہو گیا ہے تو افسوس ہے۔ آپ یہ لکھئے کہ وہ خط کس مضمون کا تھا۔ اگر اس میں بھی کچھ غزلیں تھیں تو کسی وقت تکلیف فرما کر ان کی نقلیں دوبارہ بھیج دیجئے۔ اگر اس میں کوئی اور مضمون تھا تو اسے پھر اپنے خط میں دہرائیے۔

امید کہ آپ ہر طرح سے بخیریت ہوں گے اور کوئٹہ میں آپ کے وجود سے علمی مجالس میں وہی گرمی ہو گی جو میں نے ۱۹۴۲ء میں دیکھی تھی۔

اس سال ہم مامئی سے یہاں آ گئے تھے اور یہ مہینہ یہاں ختم کر کے اکتوبر کی کسی تاریخ میں لاہور واپس جانے کا قصد ہے۔

والسلام　۱۶ ستمبر ۱۹۴۶ء

آپ کا مخلص عبدالقادر

(۲۶)

آغا صادق حسین صاحب گورنمنٹ کالج کوئٹہ

شملہ

مکرمی جناب سید آغا صادق حسین صاحب۔ السلام علیکم۔ آپ کا عنایت نامہ مورخہ ۸ ستمبر ملا۔ ممنون ہوا۔ جو خط گم ہو گیا تھا، اس کا مضمون معلوم ہو کر خوشی ہوئی کہ آپ اپنا کلام جمع کر کے شائع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اور اس کے لئے "صبح صادق" نام تجویز کیا ہے۔ آپ کے تخلص کے لحاظ سے موزوں نام ہے مزید شائع کیجئے آپ ازراہ لطف اس مجموعہ کو میرے نام معنون کرنا چاہتے ہیں، اس خیال کے لئے آپ کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں، گو میں اپنے آپ کو اس کا مستحق نہیں سمجھتا۔ لیکن اسے آپ کی رائے پر چھوڑتا ہوں۔

آپ یہ بھی چاہتے ہیں کہ آپ کے مجموعہ کلام پر کچھ خامہ فرسائی کروں۔ اس کے لئے میں پورا مسودہ دیکھنا پسند کروں گا۔ اگر مسودہ بھیجیں تو رجسٹری شدہ پارسل ہو۔

میں انشاء اللہ ۲۵ اکتوبر تک لاہور واپس جاؤں گا۔ اس کے بعد خط و کتابت ہو تو وہاں کے پتہ سے ہو۔

والسلام

آپ کا مخلص عبدالقادر

۳۰ ستمبر ۴۶ء

(۲۷)

بنام آغا صادق حسین صاحب گورنمنٹ کالج کوئٹہ

۳ ٹمپل روڈ لاہور

مکرمی آغا صادق حسین صاحب۔ السلام علیکم۔ آپ کے اشعار کا مجموعہ مجھے ۱۴ نومبر کو مل گیا تھا۔ مولوی شمس اللہ صاحب کے صاحبزادے لے کر آئے تھے۔ میں اس وقت دہلی جامعہ ملیہ کے جلسۂ جوبلی میں شامل ہونے کو جا رہا تھا۔ پارسل بنا بنایا رکھا ہے۔ میں دہلی سے ۱۹ کی صبح کو واپس آیا اور اسی شام پھر سفر درپیش تھا۔ کل شام سفر سے واپس آیا ہوں۔ ڈاک میں آپ کا ۱۴ نومبر کا لکھا ہوا خط پایا۔ آپ کی تشویش رفع کرنے کے لئے جلد خط لکھ رہا ہوں۔ میرا خیال تھا کہ مولوی ثناء اللہ صاحب نے یا اُن کے لڑکے نے آپ کو اطلاع کر دی ہوگی۔ کہ مجموعۂ اشعار پہنچا دیا گیا ہے۔ میں تھوڑے دنوں میں فرصت پا کر اسے دیکھنا شروع کروں گا اور پھر رفتہ رفتہ تعمیل ارشاد کی فکر کروں گا۔

امید کہ آپ بہمہ وجوہ بخیریت ہوں گے۔ والسلام

آپ کا مخلص عبدالقادر

۲۸ نومبر ۴۶ء

(۲۸)

بنام آغا صادق حسین صاحب گورنمنٹ کالج کوئٹہ۔

۳ ٹمپل روڈ لاہور

مکرمی سید آغا صادق حسین صاحب۔ السلام علیکم۔ عنایت نامہ مورخہ ۲۸ دسمبر ملا۔ میں خط کی بجائے آپ کا منتظر تھا۔ خط سے معلوم ہوا کہ آپ وطن میں پہنچ کر علیل ہو گئے۔ اور اب جنوری کے تیسرے ہفتے میں یہاں آنے کا ارادہ ہے۔

دعا ہے کہ خدا آپ کو جلد صحت بخشے۔ جب آپ لاہور آئیں گے تو آپ سے مل کر خوشی ہوگی۔

آپ کی "شاہکار فطرت" والی نظم میں نے رسالہ ہمایوں کے جوبلی نمبر میں اشاعت کے لئے بھیجی ہے اور اس کے شروع میں چند سطریں اپنی طرف سے لکھی ہیں۔ والسلام

آپ کا مخلص عبدالقادر

۲۱ دسمبر ۴۶ء

(۲۹)

بنام آغا صادق حسین صاحب گورنمنٹ کالج کوئٹہ۔

۳ ٹمپل روڈ

لاہور

My dear Sadiq

السلام علیکم۔ انگریزی میں مراسلہ لکھ کر قلم نے قدرتی طور پر اردو کی طرف رخ کیا۔ کیونکہ خط آپ کے نام تھا اور جن مصائب کا ذکر آپ کے خط میں تھا اُن کے ساتھ دلی ہمدردی کا اظہار اپنی زبان میں ہی بہتر ہو سکتا ہے۔ مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ آپ کے خاندان اور جائداد پر اتنا بڑا اثر اس انقلاب کا پڑے گا جس سے پنجاب پر اور دہلی پر ایسی

مصیبت آئی ہے اور خاص کر مشرقی پنجاب کے مسلمانوں کو جس تباہی کا سامنا ہوا ہے۔ خدا ان سب پر رحم کرے اور آپ کو پھر گری ہوئی حالت کو سنبھالنے کی ہمت دے۔ فی الحال تو صرف تھوڑی سی تنخواہ پر آپ کا گزارہ محدود ہے۔

بٹالہ کے ایک شاعر کا گھر چوروں نے لوٹ لیا تھا۔ وہ صبح کو اُٹھ کر مکان کے باہر بیٹھ گیا۔ اس کے پاس صرف ایک مینک رہ گئی تھی اور ایک بوتل جس میں پارا تھا۔ دوست پوچھنے آتے تھے کہ کچھ بچا یا نہیں۔ اس نے یہ شعر کہا:

چشم حیران و دل بیتاب با من ماندہ است　　ناں ہمہ یک مینک و سیماب با من ماندہ است

وہی کیفیت آپ کی ہے۔ خدا دل بیتاب کو ترنیق تاب دے۔ خدا کا شکر ہے کہ مستورات کی آبرو محفوظ رہی۔

"فطرت اسلام" پر آپ کی نظم پڑھی۔ ماشاء اللہ خوب نظم ہے۔ میں بھی بعض تفکرات میں مبتلا رہا۔ اس لئے ابھی دیباچہ دیوان صادق نہیں لکھ سکا۔ انشاء اللہ آپ کے تعطیلات میں آنے تک لکھنے کی کوشش کروں گا۔

شملہ پر آپ کا دیوان دیکھ رہا تھا کہ یکایک وہاں کے طوفان سے بچنے کے لئے نکل آنا پڑا۔ فوجی CONVOY کے ذریعہ بمشکل تین دن میں یہاں مع والس پہنچا۔ اس کے بعد سے قدرے علیل ہوں۔ والسلام

۱۹ نومبر ۴۷ء　　آپ کا خیر طلب عبد القادر

(۳۰)

نام آغا صادق حسین صاحب گورنمنٹ کالج کوئٹہ

۳ کمپنی روڈ لاہور

مکرمی آغا سید صادق حسین صاحب صادقؔ۔ السلام علیکم۔ آپ کا خط ۱۵ فروری کا لکھا ہوا ملا۔ افسوس کہ آپ کا ادھر رخصت پر آنے کا ارادہ ملتوی ہو گیا۔

میں جب گزشتہ گرما میں شملہ گیا تھا تو آپ کے کلام کے مسودات ساتھ لے گیا تھا اور ارادہ یہی تھا کہ وہیں سے آپ کو پیش لفظ لکھ کر بھیج دوں گا۔ اشعار کو پڑھنا شروع کیا۔ نصف کے قریب دیکھ چکا تھا۔ شملہ میں افراتفری شروع ہوئی میں معہ بال بچوں کے وہاں سے ایک فوجی قافلہ کی مدد سے باہر آیا۔ تین دن راستے میں سڑک پر صرف ہوئے اور تین جگہ ہمارے قافلہ پر گولی چلی۔ مگر خدا کے فضل سے ہم بخیریت پہنچ گئے۔

اس دوران میں میری صحت کچھ خراب رہی اس لئے وہ کام جہاں تھا وہیں رہا۔ پھر اسے شروع کرنے کی نوبت

---

* یہ شرفا نوادر العین واقف بٹالوی کا ہے۔ مولانا غلام علی آزاد بلگرامی نے "خزانہ عامرہ" میں واقعہ یوں لکھا ہے کہ حاکم لاہوری اور واقف حج کے ارادے سے سورت پہنچے۔ واقف میں جہاز کے سفر کی ہمت نہ رہی اور سورت ہی میں ٹھہرا رہا۔ حاکم حج کے بعد واپس ہوا تو دونوں اورنگ آباد پہنچے۔ اورنگ آباد اور بالاپور کے درمیان سب سامان لٹ گیا۔ اس موقع پر واقف نے مولانا غلام علی آزاد کو حیدر آباد اطلاع بھیجی تھی تو یہ شعر لکھا تھا:

عینک و پارۂ سیماب با من ماندہ است　　چشم خواب و دل بے تاب با من ماندہ است

پارۂ سیماب اس لئے ساتھ تھا کہ واقف کو کیمیاگری کا بہت شوق تھا۔ اور پارہ ساتھ رہتا تھا۔ مولانا آزاد نے حیدر آباد سے کچھ روپے بھیجے تو حاکم و واقف وطن پہنچے۔

نہ آئی۔ انشاء اللہ عنقریب پھر شروع کروں گا۔ اس لئے اگر آپ کا کوئی دوست ان دنوں میں مسعدات گا تو اسے خالی ہی جانا پڑے گا۔

آپ اپنے کلام کے مناظر قدرت والے حصے کو علحدہ چھپوائیں تو مناسب ہوگا۔

یہ سن کر کہ کوئٹہ میں نئی انجمن بہار ادب قائم ہوئی ہے اور آپ اس کے سیکرٹری ہیں، خوشی آپ جیسے حضرات کی خدمت کی ہمیشہ از پیش ضرورت ہے اور کوئٹہ میں آپ کی کوشش سے بہت کچھ

۲۵ فروری ۴۸ء　　آپ کا خیر طلب عبدالقادر

---

(۳۱)

بنام آغا صادق حسین صاحب گورنمنٹ کالج کوئٹہ

۳۔ ٹمپل روڈ، لاہور۔ مکرمی جناب آغا صاحب! تسلیمات! کل آپ کا عنایت نامہ موصول یہ معلوم کرکے کہ آپ کوئٹہ سے ایک اردو رسالہ "سنگ تراش" نکال رہے ہیں، خوشی ہوئی دعا ہے افسوس کہ میں دو تین ہفتہ سے بیمار ہوں اور صاحب فراش۔ بہت زیادہ بیمار ہوگیا تھا! حالت ہے مگر ابھی چلنے پھرنے سے معذور ہوں۔ اس لئے ابھی تو آپ کے رسالے کے لئے کچھ لکھنا صحت اور بشرط حیات آگے چل کر دیکھا جائے گا۔

آپ کے دیوان کا دیباچہ بھی بدستور تعویق میں ہے۔ خدا مجھے اس سے بخیریت عہدہ برآ ہو

۳۱ دسمبر ۱۹۴۷ء　　والسلام عبدالقادر

---

(۳۲)

بنام جناب تمکین کاظمی صاحب

۳۔ ٹمپل روڈ۔ لاہور۔ مکرمی جناب تمکین کاظمی صاحب۔ آپ کا ایک خط میری علالت کے ایک دو دن علالت میں، مجھے افسوس ہے کہ ان حالات میں جواب لکھنے سے میں قاصر رہا، اس کے کا آغاز ہوا، مگر کمزوری اب تک باقی ہے، آپ کی دعا کا دل شکریہ ادا کرتا ہوں۔

آپ کا رسالہ مینا پہنچا، اسے دیکھ کر خوشی ہوئی تھی ابھی کچھ لکھنے کا ارادہ ہی تھا کہ بیماری نے بعد معلوم نہیں کہ اب چل رہا ہے یا نہیں، اس اثنا میں دنیا میں اور خاص کر آپ کی دنیا میں انقلاب عظیم اس کا آپ پر اور آپ کے کاروبار پر کیا اثر پڑا۔

امید ہے کہ آپ ذاتی طور پر بفضلہ بخیریت ہوں گے۔

۲۷ مئی ۴۹ء　　آپ کا خیر طلب عبدالقادر

---

(۳۳)

بنام جناب نصیر الدین ہاشمی صاحب

مکرمی جناب نصیر الدین ہاشمی صاحب زاد لطفکم۔ تسلیم۔ آج بذریعہ رجسٹری آپ کی پیش

قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ میں نے سرسری نظر میں بھی اس قدر تو دیکھ لیا کہ آپ نے نہایت محنت اور کاوش سے ادب اردو کی ایک بڑی خدمت کی ہے۔ کتاب کے مفصل مطالعہ سے انشاء اللہ وقتاً فوقتاً میں مستفید ہوتا رہوں گا۔ امید کہ اردو کے شائقین آپ کی حوصلہ افزائی کریں گے۔ اور آپ اسی طرح کے اہم کام انجام دے سکیں گے۔ والسلام

آپ کا مخلص (سر) عبدالقادر

مولانا محمد علی جوہر

(۱)

قبلہ و کعبہ!

السلام علیکم۔ ابھی سرکار سے آرہا ہوں اور چونکہ رجسٹری شدہ ڈاک میں چند منٹ باقی ہیں اس لئے عریضہ لکھے دیتا ہوں۔ سرکار نے کچھ نہیں کہا۔ صرف یہ پوچھا کہ اطلاع مل گئی یا نہیں؟ میں نے کہا کہ جی ہاں۔ فرمایا، پھر؟ میں نے کہا میں تو کچھ نہیں جانتا ہوں کہ جو حکم آپ سر آنکھوں پر، ہز ایکسی لنسی صاحب کا حکم میں نہیں مانتا۔ سرکار کا حکم ہے میں ان سے واقف نہیں ہوں۔ کہا، پھر؟ میں نے بھی کہا تھا مگر لاٹ صاحب کو شک تھا۔ میں نے کہا کہ اس میں شک کی جگہ ہی نہیں ہے۔ وہ میرے اشارے کے خلاف نہ چلیں گے۔ پھر فرمایا کہ لاٹ صاحب نے کہا کہ آپ ان سے قطع تعلق کر دیجئے۔ اوس پر میں نے کہا کہ یہ ناممکن ہے۔ وہ میری رعایا ہیں۔ ان کا خاندان مدتوں سے میری ریاست کا ایک جزو ہو گیا ہے تو لاٹ صاحب نے کہا کہ خیر آپ اون کو آئندہ جرأت نہ دلائیں۔ سرکار نے فرمایا کہ یہ کیا بات ہے۔ آئندہ آپ کو شکایت کا موقع نہ ملے گا۔ آج ہی تار دے رہے ہیں کہ محمد علی آیا ہے۔ شوکت علی اور محمد علی دونوں کو مفصل کیفیت سمجھا دی ہے آئندہ اطمینان رکھیں شکایت کا موقع نہ ملے گا۔ محمد علی آپ کے پاس حاضر ہونا چاہتا ہے۔ کب بھیجوں۔ میں نے تار میں ایسا کوئی لفظ نہیں آنے دیا کہ جو آپ فرمائیں گے، وہی وہ کرے گا۔ گویا گذشتہ را صلوٰۃ آئندہ را احتیاط[1]۔

محمد علی۔ رام پور ۱۶ر دسمبر ۱۹۰۷ء

(۲)

چھندواڑہ۔ ۲۶ر اپریل ۱۹۱۷ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برادر واجب الاحترام:

السلام علیکم۔ ۸ر اپریل کے محبت نامہ کا جواب آج دیتا ہوں اور محجوب ہوں کہ اس تاخیر کا باعث سوائے اس کے کچھ نہیں بیان کر سکتا کہ اس عرصہ میں برابر غم و غصہ کا شکار رہا۔ میں جو بڑے بڑے معاملات میں بھی آج کے عاصی فیصلوں کا

---

[1] یہ مکتوب غالباً نواب صاحب رام پور کو لکھا گیا تھا۔

قائل نہیں اور ان تمام ہنگاموں کو "شرارِ خس" سے زیادہ نہیں سمجھتا، ۸ راپریل کے فیصلہ پر کیا "بندۂ دامِ فریب" ہوں گا مگر دستور کی موت اس زمانہ میں بھی جبکہ موت کا بازار گرم ہے دو چار آنسو بطور خراج کے وصول کر ہی لیتی ہے اور ۸ راپریل کو میرے چند عزیز ترین دوست نذرِ اجل ہو گئے اس لئے پیرِ اغم و غصہ بے جا نہیں ـــــ مگر موت جسمانی نہیں، اس لئے کہ میں تو اس کا قائل ہی نہیں ہوں۔ بہت سے مُردوں کو جن کی ہڈیوں تک کا بھی پتہ نہیں چلتا "علی احیاء" میں شامل کرتا ہوں مگر ان جیتی جاگتی کھتیلیوں کو جو قومی سٹیج پر نچائی جاتی ہیں اور نچائی جا رہی ہیں مُردوں سے بدتر سمجھتا ہوں کیونکہ موت ان کے حصہ میں کہاں آئی بلکہ ان کی روحوں کو۔ تم تو پہلے ہی کہہ چکے ہو کہ ؎

محروم ہوں، مجبور ہوں، بے تاب و تواں ہوں
مخصوص ترے غم کا مزا میرے لئے ہے

پھر جس چیز کا صحیح معنوں میں اجارہ تم کو اس دربار سے مل گیا ہو اس میں شرکت کے دعویٰ کی مجھ سے جرأت نہیں ہو سکتی۔ تاہم یہ بھی سچ ہے کہ میں بھی کسی قدر محروم و مجبور ہوں۔ اس پر بھی میں نے انصاری کو راہِ راست پر استقامت کی، جس طرح مجھ سے ہو سکا، ترغیب دی اور امید کی کہ میری اس دعا کا کچھ نہ کچھ اثر ضرور ہوگا کہ "ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا" میرا خط (جو ان کو بھیجا گیا تھا) کوئی معمولی تحریر نہ تھی۔ اس میں میرے فگار دل کے متعدد ٹکڑے منسلک تھے۔ مگر برادرم آخر تک یہی معلوم ہوا کہ جس دنیا میں ہم لوگ رہتے ہیں وہ اس دنیا سے بہت مختلف ہے جہاں یہ ہمارے عزیز بس رہے ہیں۔ ہمارے تمام خیالات، تمام اندازے، تمام تخمینے فضول اور غیر متعلق ہیں۔ میں نے غالب کے ایک مصرع پر جو غزل لکھی تھی اس میں ایک شعر تھا ؎

تقوے کے بعد خوف کہاں حُزن پھر کہاں
عالم ہی اک جُدا ہے وہ رنج و محن کہاں

تقوے کا دعویٰ کرتے بھی ڈر لگتا ہے اور یہ سب جھوٹا فخر ہوگا اگر میں کہوں کہ میں متقی اور خدا ترس ہوں۔ مگر باوجود بار بار ارتکابِ اور کم از کم چھوٹی موٹی تکلیفوں کے اب تک اس وعدۂ الٰہی کو سچا جان رہا ہوں اور دیکھ رہا ہوں کہ وہ پورا بھی ہو رہا ہے کہ "سلقی فی قلوب الذین کفروا الرعب" اس لئے باوجود فاسق و فاجر اور بندۂ حرص و ہوا ہونے کے اپنے کو اپنے دیرینہ احباب کی دنیا سے ایک الگ دنیا میں پاتا ہوں اور گو اس دنیا کو اس پرانی دنیا سے بدرجہا بہتر جگہ پاتا ہوں اور خوش ہوں کہ اس کی سرحد میں داخل ہو رہا ہوں۔ تاہم پرانے تعلقات دامنگیر ہوتے ہیں اور گو خون بچھا چھڑا لیتا ہوں تاہم دامن کے ٹکڑے اس خارستانِ گلستان منظر میں لگے رہ جاتے ہیں جن کے لئے آنسوؤں کا ایک چھوٹا سوتا قافلہ رواں ہو جاتا ہے۔ افسوس کہ احرار[1] سے زیادہ ہمت والے نہ نکلے۔ اب انہی کی نہیں بلکہ خود حریت کی جگ ہنسائی ہو رہی ہے۔ مگر اس کا زیادہ رنج نہیں۔ رنج پرانے دوستوں کی رفاقت چھوٹنے کا ہے۔ غالب نے سچ لکھا تھا کہ ؎

دھمکی میں مر گیا جو نہ باب نبرد تھا
عشق نبرد پیشہ طلبگارِ مرد تھا

مگر اچھا ہوا یہ جھوٹا سہارا بھی گیا۔ اب ایک سہارا باقی ہے اور وہ ہمیشہ کافی تھا اور اب بھی ہے۔ غالب کی غزل کا

---

[1] یہاں پڑھا نہیں گیا۔

ایک شعر پچھلے کئی برسوں سے دل میں کھب چکا ہے ؎

بیباک مت کر جیب کو بے فصل گل
کچھ اُدھر کا بھی اشارا چاہیئے

اس پر ایک نامکمل غزل قافیہ کو محدود کر کے میں نے بھی لکھی تھی جس کا ایک شعر ہے ؎

ایک ہی در کا بھکاری ہوں مجھے
اک فقط تیرا سہارا چاہیئے

گو لکھنے کو تو لکھ گیا۔ خود اب جا کر کہیں اس کا مفہوم سمجھا ہوں اور پھر سورۂ یوسف پڑھتا ہوں تو اس آیہ کریمہ کا مطلب اب سمجھ میں آتا ہے جس میں مذکور ہے کہ حضرت یوسفؑ نے فرعون کے جام بردار سے اس کی رہائی کے وقت کہا تھا کہ بھئی ہمارا بھی ذکر اپنے آقا سے کر دینا کہ مفت ظلم ہوتا ہے اور وہ بھول گیا اور اس طرح چند سال اور حضرت یوسفؑ مبتلائے زنداں رہے۔ جب ایسے برگزیدہ پیغمبر کے لئے بھی فرعونوں کی یاد دہانی داخل شرک نہیں تو کم از کم مذموم سمجھی گئی اور اس حد تک شرک کو اس میں بھی استعانت غیر اللہ کا شائبہ معلوم ہوا تو پھر ہمارے تمام تعلقات تو شرک جلی ٹھہرے۔ اقامت صلوٰۃ میرا ایمان، اجماع امت پر میرا اعتماد۔ تاہم بعض اوقات اس تنگ و تاریک بتکدہ میں عبادت اپنی نجات کے لئے زیادہ موزوں معلوم ہوتی ہے جہاں ایک وقت میں ایک ہی عبادت کرنے والا اپنے معبود کے حضور میں کھڑا ہو کر اپنی بندگی کا اظہار کر سکتا ہے خوف ہوتا ہے کہ کہیں اپنے مذہب کی وسیع و فراخ مساجد میں نماز کے ساتھی اور خود امام بھی مجھے کفر و شرک کی طرف نہ گھسیٹ لے جائیں اور دوسروں کی اصلاح تو کجا خود اپنی نجات سے مایوس ہونا پڑے۔ سب کچھ ہو ہوا کر اب بھی رونا ہے کہ اپنی جان بچانے کی کوشش کروں اور رہ، سہ کو چھوڑ کر پھر خانقاہ میں اعتکاف کر لوں۔ بھائی دعا کرو کہ اگر اپنی نجات کے متعلق خوف و ہراس میں کمی بیشی تو ہو کم از کم دوسروں کے متعلق یہ بے اعتباری باقی نہ رہے۔ اگر یہی حالت رہی تو کہیں کا نہ رہا۔ البتہ جب تمہارا خیال آتا ہے اور تم سے بھی زیادہ بہن کا (جو نہ صرف تمہارے ناموس کو بلکہ ہم سب کے ناموس کو اس طرح ہمت و جرأت کے ساتھ سنبھالے ہیں اور صداقت و ساکت نہیں بلکہ کلمۂ حق کو بآواز دہل سب کو سنا رہی ہیں) تو یہ بے اعتباری دور ہوتی ہے اور جس طرح خدا سے میں مایوس نہیں ہوں اسی طرح اس کے بندوں سے مایوسی بھی قرین کفر معلوم ہوتی ہے۔ مگر یہ لوگ قومی اسٹیج کی کٹھ پتلیاں نہیں ہیں۔ وہی غریب اور کمزور لوگ ہیں جن سے اسلام کی ابتدا ہوئی تھی۔ رہے یہ حضرات تو ان کے متعلق تو بدگمانی بہت پہلے سے تھی۔ چنانچہ میں نے متعدد بار ان "آزادوں" کے مضمون کو غزلوں میں باندھا۔ مثلاً ؎

تجھ سے مقابلہ کی کسے تاب ہے ولے　　میرا لہو بھی خوب ہے تیری حنا کے بعد

یا ؎

ہیں اتنے لاف شوق پہ مرعوب حسن بھی　　یہ طائفہ عجیب ہے اک مرد و زن سے دور
ہے بُعد کربلا سے بھی، قُرب یزید بھی　　اور چاہتے یہ ہیں کہ نہ ہوں پنجتن سے دور

یا ؎ دشمنوں سے تطلف ہے تو کچھ　　دوستوں سے بھی مدارا چاہیئے

حافظ تلطف کو دوستوں کے لئے اور مدارا کو دشمنوں کے لئے کافی گردانتے تھے۔ ہم دوستوں کے لئے مدارا [illegible] سب کچھ کر دیا ہے اور آج بھی اس طرح لکھ رہا ہوں کہ گویا ہم ہی انباء اللہ اور احباء اللہ ہیں۔ مگر برادرم ان حیرت انگیز انقلابات کو دیکھ کر خوف ہوتا ہے کہ کہیں بڑا بول آگے نہ آئے۔ بنی اسرائیل کا وہ واقعہ یاد آتا ہے جس کا قرآن کریم میں مذکور ہے "تو تو انا قلیلا منھم"۔ خود مسلمانوں نے بعض اوقات اس خیر القرون میں بھی سنت بنی اسرائیل کی تقلید کی تھی چنانچہ منھزمین احد سے کہا گیا تھا "ولقد کنتم تمنون الموت من قبل ان تلقوہ وقد رایتموہ وانتم تنظرون"۔ دعا کرو کہ یہ حال اپنا بھی نہ ہو بلکہ آخر تک ایمان اور عمل صالح پر قائم رہیں۔ تمہاری دعا ضرور مقبول ہوگی اس لئے کہ اول تو آل رسول، پھر تقلید سنت یعنی سے مشرف ہو چکے ہو۔ اب چونکہ تم نے مجھے بھی اپنے زمرہ میں جو ابرار اور اخیار کا ہے شامل کر لیا ہے اور خود کچھ بچے ہو کہ

ع　خوش اسی حال میں جوہر بھی ہے آزاد بھی ہے

خیر یہ تو ہوا۔ بہن نے لکھا تھا کہ تم پیشگوئی کرتے ہو کہ جمہور کی خواہش کے خلاف　　احباب ان استبداد ایک لیبل یونیورسٹی قائم کرنے میں ہرگز کامیاب نہ ہوں گے۔ ارے بھائی اس میں پیشگوئی ہی کیا ہے۔ تم تو ان کے متبع ہو جو خوابوں کی صحیح تعبیریں بیان فرمایا کرتے تھے اور اس طرح محبس سے نکل کر تخت تک پہنچ گئے۔ میں کہ اس مقام سے بہت دور ہوں۔ یہ تو میں بھی جانتا تھا اور سال گذشتہ ہی میں سب کو جتلا چکا تھا کہ عزیزان من صدر یونیورسٹی کا نہیں ہے بلکہ قوم کی سستی اور تمہاری خواری و خرابی کا۔ اور رہی یونیورسٹی تو سن لو کہ اسے ہم بنائیں گے ہم۔ نہ تمہارے قوم فروش اور کالج فروش کیونکہ ہم سے کسی نے ضمنی وعدہ کر لیا ہے اور وہ وعدہ کا سب سے پکا بھی ہے کہ "ولا تھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مومنون"۔ اگر خوف ہے تو اس شرط کا کہ "ان کنتم مومنون"۔ سو خدا سے دعا ہے کہ ہم کو ایمان پر قائم رکھے اور ان بزرگوں کی تقلید کی توفیق عطا فرمائے جن کے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ "فما وھنوا لما اصابھم فی سبیل اللہ وما ضعفوا وما استکانوا واللہ یحب الصابرین"۔ اگر ہم ایمان پر قائم رہے تو پھر سنت اللہ میں تو تبدیلی ہو ہی نہیں سکتی۔ ہمارا انعام کہیں نہیں گیا ہے۔ وہاں تو ملے ہی گا، مگر بہانہ یہیں مل جائے گا کیونکہ وہ فرماتا ہے کہ:

"فاثابھم اللہ ثواب الدنیا وحسن ثواب الآخرہ واللہ یحب المحسنین"۔

اس پر میں نے لکھا ہے کہ ؎

انعام کا عقبیٰ کے تو کیا پوچھنا لیکن　　دنیا میں بھی ایماں کا صلہ میرے لئے ہے

اچھا اب رخصت ہوتا ہوں۔ تمہارے دونوں دیوان پڑھ چکا اور نہایت غور سے پڑھے اور بار بار پڑھے۔ ارتقائے سخن ظاہر ہے۔ اب اگر یہ لکھتا ہوں کہ

ع　اللہ کرے زور قلم اور زیادہ

تو اس کے صریح معنی یہ ہوئے کہ جو غلطیاں الہ آباد، جھانسی، پرتاب گڈھ اور فیض آباد میں جھیلنا پڑیں ان سے زیادہ کا مستدعی ہوں۔ مگر یہ بھی ہو تو جانتا ہوں کہ تم زیادہ کے بھی متحمل ہو گے اس لئے کہ وہ خود کسی نفس پر اس کی سکت سے زیادہ تکلیف کا بوجھ نہیں ڈالتا اور جو جن کے بس کے ہیں سوا ان کو سوا مانگا ہے۔ غم واندوہ کے لئے لکھا گیا ہے۔ تم میری غزلیں منگواتے ہو،

لہ یہاں کچھ عبارت پڑھی نہیں گئی۔

اچھا بھیج دوں گا۔ مگر بھائی تم شاعر تھے، میں شاعر نہ تھا۔ البتہ عنایت ایزدی نے تمہیں تین دیوانوں والا بنا نے مجھ سے بھی تین چار غزلیں لکھوا دیں۔ پہلے بھی تک بندی کر لیتا تھا مگر کاغذ کے پھولوں میں خوشبو نہیں آنے لگی ہے، سو بقول تمہارے ع ترے غم کو نہ دے کیونکر دعا دل - اس وقت صرف نظر بندی بہن کو کل خط لکھوں گا۔ تم میری افسردگی کا ذکر کر کے میری طرف سے معافی مانگ لینا ورنہ وہ ناراض ہی

تمہارا مرید باعقیدت : محمد علی

---

(۳)

بنام نواب سید علی حسن خاں

مکرمی!

السلام علیکم۔ ہمدم کے ذریعے سے آپ کے برادر محترم نواب فرالحسن[1] خاں صاحب معلوم ہوا۔ خدا مرحوم کو غریق رحمت فرمائے اور آپ کو اور مرحوم کے سب پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ میں نے خط و کتابت تقریباً ترک کر دی ہے مگر دل نہ مانا کہ اس موقع پر اظہار ہمدردی سے در ہوں کہ اس قسم کے اظہار سے کچھ حاصل نہ ہوگا نہ شاید اس کے لکھنے سے کہ آج یا کل سارا ہی دنیا مصائب پر صبر کرنا چاہئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

خدا سے دعا ہے کہ وہ ہم کو ان حوادث سے عبرت حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ترجیح دینے کی ہمت دے۔ یہ سب اس کی امانتیں ہیں اور خدا ہم سب کو امانت میں خیانت سے بچا لئے دعا فرمایئے کہ ثبات قدم عطا فرمائے۔ "ربنا اغفر لنا ذنوبنا واسرافنا فی امرنا وثبت اقدامنا وانصرنا" برادرم رشید الدین حسن صاحب کی خدمت میں بھی آداب عرض کرتا ہوں۔ خدا ان کو بھی صبر عطا فرمائے۔ والسلام!

نیازمند: محمد علی۔ چھندواڑہ (ممالک متوسط)

یہ مکتوب مختصر سی تمہید کا متقاضی ہے۔ سلطان عبدالعزیز مرحوم والی نجد نے حجاز فتح کر کے جنوری ۱۹۲۶ء میں انہیں بادشاہ تسلیم کر لیا مجلس خلافت میں حجاز کے انتظام کا مسئلہ موجود تھا۔ مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی اور ان کے رفقا چاہتے تھے کہ حجاز کا انتظام ادارے کے حوالے کر دیا جائے۔ دوسرے گروہ کے نزدیک یہ تجویز بجا نہ تھی اور اس میں خرابی کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ آزاد اسلامی حکومتیں اس بات کو پسند نہ کرتیں اور صرف مسلمانان ہند کی طرف سے اس کے پیش ہونے کا کوئی اثر

---

[1] یہ نواب صدیق حسن خاں کے فرزند اکبر تھے۔

تنہا انتظام کا سارا بار اٹھا سکتے تھے، نہ ان کی محکومی کے پیش نظر سلطان یا اہل حجاز سے اس تجویز کے قبول کی امید ہو سکتی تھی نہ بصورت مرجوحہ کوئی اور موثر قدم اٹھایا جا سکتا تھا۔ پنجاب کے تمام ارکان خلافت بالاتفاق مولانا محمد علی کی رائے کے خلاف تھے۔ یہی زمانہ ہے جب مولانا نے انہیں "پنجابی ٹولی" کہہ کر پکارنا شروع کیا۔

سلطان عبدالعزیز نے ۱۹۲۶ء میں حج کے موقع پر ایک مؤتمر منعقد کرنے کا فیصلہ کیا اور اس کے لئے تمام اسلامی ملکوں کو دعوت نامے بھیجے۔ مدعوین میں مجلس خلافت بھی شامل تھی۔ نمائندوں کے انتخاب کے لئے مجلس مذکورہ کا ایک اجلاس دہلی میں بلایا گیا۔ اس میں دستور کے مطابق مختلف اصحاب نے مختلف نام پیش کئے۔ ارکان پنجاب کی طرف سے مولانا عبدالقادر قصوری مرحوم کا نام پیش کیا گیا۔ جیسا کہ اندیشہ تھا دونوں کے سلسلے میں خاصی کشمکش اور گرمی پیدا ہوئی۔ مولانا نے جو تفصیلات اپنے مکتوب گرامی میں پیش کی ہیں یا جو قیاس آرائی فرمائی ہے اسے معرض بحث میں لانے کا یہ موقع نہیں تاہم اس حقیقت کا اعتراف کر لینا چاہئے کہ ارکان پنجاب کا پیش کردہ نام منظور نہ ہو سکا اور مولانا محمد علی مرحوم جن اصحاب کو منتخب کرانا چاہتے تھے وہ کثرت رائے سے منتخب ہو گئے۔

چونکہ رائے شماری کی گرمی ہنگامہ میں اک گونہ تلخگواری پیدا ہو گئی تھی اس لئے مولانا ابوالکلام آزاد اور مسیح الملک حکیم اجمل خاں مرحوم نے دونوں فریقوں کو سمجھا کر حالات کو طبعی رفتار پر لانے کی کوشش کی۔ اس سلسلے میں وہ مولانا محمد علی مرحوم سے بھی ملے جس کا ذکر مولانا نے فرمایا ہے۔

میں اس زمانے میں "زمیندار" میں تھا اور پیش نظر معاملے میں اختلاف رائے کے باوجود بے تکلف مولانا محمد علی اور مولانا شوکت علی سے ملتا تھا۔ اپنے فہم و بصیرت کے مطابق میری کوشش یہی تھی کہ ایک خاص معاملے میں اختلاف کے باعث تعلقات میں تلخگواری پیدا نہ ہو۔ اس ضمن میں اپنے خیال کے مطابق معذرت کے مناسب پہلو بھی پیش کرتا رہتا تھا۔

مولانا کی صحت اس وقت بھی خاصی خراب تھی۔ بیماریوں کا غلبہ تھا۔ اپنے معتقدات و آراء میں یگانہ خلوص و بے تکلفی کے باعث وہ تخفیف سے اختلاف پر بھی غصے میں آ جاتے تھے اور سخت سے سخت باتیں کہہ دینے میں بھی تامل نہ فرماتے تھے۔ اس کی شہادت خود مکتوب بھی پیش کر رہا ہے۔ خدا شاہد ہے کہ ان کی کسی بھی بات پر کبھی ملال پیدا نہ ہوا۔ ان کی بے مثال شخصیت اور بے مثال قربانیوں کے باعث دل میں انتہائی عزت و احترام کے جو جذبات موجزن تھے وہ برابر قائم رہے۔ محاسن کی فراوانی نے انہیں محبوبیت کا ایسا پیکر بنا دیا تھا جس سے نیاز مندانہ وابستگی بہر حال زندگی کی ایک عزیز متاع تھی۔ وہ یقیناً ان یگانہ افراد میں سے تھے جن کی جگہ دس عظیم الشان شخصیتیں مل کر بھی پُر نہیں کر سکتیں۔

یہ تحریر پچ کی گئی لیکن اب کہ ان کی وفات پر ربع صدی سے زیادہ مدت گزر چکی ہے، اسے اس کے آثار منبر کر کے طور پر شائع کر دینا غالباً نامناسب نہ سمجھا جائے گا۔　　(غلام رسول مہر)

(۴)

بنام مہر صاحب

برادرم مہر!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ آپ سے جب سے گفتگو ہوئی تھی تو اس قسم کی بحث کو بے سود سمجھ اٹھ کر چلا آیا تھا۔ مگر شوکت صاحب سے آپ کی گفتگو جاری رہی اور اس کے بعد وہ مُصر تھے کہ میں آپ کے او، وہ خیال کروں۔ میں نے اس بنا پر آپ سے تفصیل کے ساتھ گفتگو کرنے کے لئے عرض کیا، ایک ہو کر رہئے اور تنہائی میں گفتگو کیجئے، مگر آپ نہ رُک سکے اور صرف تھوڑی دیر یوں ہی سی بات چیت ہو کر رہ گئی۔

میرا ارادہ تھا کہ آپ کی (خاص آپ کی بھی) اور اہل پنجاب اور جو اہل حدیث شریک تھے ان کی روش کے متعلق تفصیل کے ساتھ ہمدرد میں لکھوں کہ جلسے میں کس طرح جتھہ بندی سے کام لیا گیا اور باوجود کہ پنجا ایک ہی پلڑے میں رکھے جانے تھے، کس طرح باقی ہندوستان نے تقریباً بلا استثنا آپ کی جتھہ بندی کے خلاف اسے شکست دی۔ مگر اس کے متعلق ہدایات، مولانا عبدالماجد دریابادی کے مواجہہ میں جو ایک بڑی حد تک ابن[1] رے کر آپ سے دوبارہ ملنے کے بعد میں نے ان ہدایات کو نظر انداز کرنے کے لئے "ہمدرد" کے عملہ سے کو "زمیندار" میں پہلا مضمون ہی اس جتھہ بندی کو پھر قائم رکھنے کی کوشش میں لکھا ہوا نظر آتا ہے۔ الحمد للہ کہ اب جو کچھ ہے وہ شوکت صاحب، صلح کل شوکت صاحب، بھولے بھالے بڑے بھائی صاحب کے لئے وقف ہے "ایک روعظیم الشان شخصیتوں" کی مجہول شمولیت سے زیادہ سخت کسی لقب کا مستحق نہ سمجھا گیا۔ آپ فرمائیں گے رویہ صحیح نہ تھا۔ مضمون ایک نامہ نگار کا تھا اڈیٹر ذمہ دار نہیں ہے، وغیرہ وغیرہ۔ مگر دیکھئے کہ اہل حدیث کی جتھہ بنا صاحب صدر کیا مولوی کفایت اللہ صاحب تک کی حمایت میں جھلک رہی ہے اور پھر دعویٰ یہ ہے کہ نہ میں خ نہ میرے پیشوا اور مقتدا مولانا عبدالقادر قصوری جن کا انتخاب اہل حدیث کی طرف سے مع اسمٰعیل صاحب غزنو والد کے چنیانوالہ یا چنیاں والی مسجد کے جلسے میں کیا گیا ہے۔ بھائی مہر! یہ جھوٹا انکسار، جھوٹی عقیدتمندی چھوڑ دو سچی لڑائی اچھی۔ ورک اسفل کا مقام بلاوجہ نہیں مقرر کیا گیا ہے ؎

خوب پردہ ہے کہ چلمن سے لگے بیٹھے ہیں
صاف چھپتے بھی نہیں، سامنے آتے بھی نہیں

---

[1] مولانا ابوالکلام آزاد [2] "زمیندار" اس وقت پیش نظر نہیں لیکن یقین ہے کہ اس میں اجلاس کے حالات بیان کئے گئے ہوں گے [3] انہیں بھی مولانا محمد علی مرحوم ہمارا ہم رائے سمجھتے تھے [4] مولانا کفایت اللہ مرحوم صدر جمعیۃ العلما۔

تمہارے" تمہارے ہر طرح نیاز مند" سالک صاحب ؎ کہ سالک بے خبر نیوز راہ و رسم منزلہا" کی نگہ پتہ[1] کا جواب نہ رمضان میں دیا نہ عید کے بعد ہی دیا - تمہارے اور تمہارے" راجہ" ظفر علی خاں صرف "مالک" نہ کہ "مدیر مسئول" کے پروپیگنڈا کا جن کو "زمیندار" کی قلمی پالیسی سے بقول تمہارے کوئی تعلق نہیں[2] ہے جواب دینا ضروری تھا لیکن پھر نہیں دیا حالانکہ دو بار تم نے اور تمہارے جتھہ والوں نے منہ کی کھائی اور پھر ہار کر بگڑی بات کو بنانے کی کوشش کرنے لگے۔ اس کا بھانڈا پھوڑنے کا ارادہ تھا مگر تحمل سے کام لیا گیا - اس کے بعد بھی تم لوگ باز نہ آئے۔ جلسہ میں صدر کی اعانت سے تمہارے جتھہ نے ہر امکانی کوشش ہماری ہر تجویز کی مخالفت میں کی یہاں تک کہ شوکت کا اور میرا نام جس طرح تم نے زمیندار کی فہرست "اہل حق" یعنی اہل حدیث اور بزعم خود منصفانے بیرون پنجاب مثلاً حکیم صاحب اور "ندوی المذہب" سید سلیمان سے خارج کر دیا تھا اسی طرح تمہارے صدر صاحب نے اپنی فہرست سے ہمیں خارج کیا اور مجھے مجبور کیا کہ میں تم لوگوں کی طرح سے پس پردہ نہیں بلکہ صاف صاف خود اپنا اور شوکت صاحب کا نام پیش کروں - پھر جب ووٹ گننے کا وقت آیا تو تم نے سیکرٹری خلافت کمیٹی پر اپنی بیہودہ بے اعتمادی کا ثبوت اس طرح دیا کہ خود ووٹ شماری کرنے بیٹھ گئے - ایک اور شخص نے تم پر بے اعتمادی کا ثبوت اسی طرح دیا مگر ہم نے بند کر دیا اور سیکرٹری کی طرح تمہیں بھی رسماً رائے شماری کرنے دی - وہ تو خدا کی کو منظور تھا کہ تم لوگ ذلیل ہو اور تم نے شعیب غریب کے ۱۶ ووٹ گنے - اگر تم نے بھی افضل کی طرح ۷ گنے ہوتے تو تمہارے صدر صاحب کا استقراء ووٹ ضرور اس غریب کے خلاف ہوتا - پھر ظفر علی خاں کے کذب و افترا کا پردہ چاک کرنے کے جرم میں جناب صدر کی طرف سے ذاتیات کی گندگیوں کا غواص ٹھہرایا گیا - گو ہم لوگ تمہاری طرح جلسہ سے فرار نہ ہو جاتے - ووٹ دوبارہ گنے گئے اور ۱۸ نکلے - تم ذلیل تر ہوئے مگر اس پر بھی تم نے عبرت حاصل نہ کی - اب مطالبہ ہوا کہ عبدالقادر صاحب صدر الصدور جماعت اہل حدیث و پنجابیان خلافت کے ووٹ بھی گنے جائیں - اب تمہارے نمائندے کے فقط ۱۶ ووٹ نکلے اور ۲ اور ذلیل ہوئی - ظفر علی خاں کے ۹ ووٹوں نے تمہیں اور ذلیل کیا[3] - تاہم ان تمام حقیقتوں پر ہم نے پردہ پڑا رہنے دیا - شام ہی کو حکیم صاحب[4] اور تمہارے صدر صاحب تشریف لائے اور مجھے یقین دلایا کہ تمہارے صدر الصدور قصوری صاحب نے بھی اپنی بے قصوری کا ثبوت تم کو سمجھا کر دیا اور سطے پایا کہ تم اور ظفر علی صاحب اور اہل حدیث خلافت کے وفد کے خلاف کچھ نہ لکھو گے اور جلسے کی روداد کے متعلق کوئی مخاصمانہ و معاندانہ پہلو اختیار نہ کیا جائے گا مگر افسوس کہ تم سے نہ رہا گیا اور آخرش یہ تحریر چھپ ہی گئی -

اب تم سے اتنی التجا ہے کہ آئندہ مجھ سے اپنی عقیدتمندی وغیرہ کا دعویٰ میرے سامنے نہ کرو گے - میں کسی سے منافقانہ ملنا نہیں چاہتا - میں جن کو اچھا سمجھتا ہوں ان سے تو شاید اسے چھپا بھی لوں مگر جن کو برا سمجھتا ہوں ان پر کسی نہ کسی طرح اور کم و بیش سخت و سست کہے ہوئے اسے ظاہر کر ہی دیتا ہوں - ایک بار نہیں بلکہ کئی بار تم "زمیندار" میں میرے خلاف لغو یا نیوں کے "سہواً" چھپ جانے کا اعتذار کر چکے ہو - اب آئندہ اس کی ضرورت نہیں ہے ہم تم کو اہل حدیث اور حنبلی اور "غیر مقلد"

---

[1] پنجابی کا لفظ "ڈھگہ" ہے ؎ میں نے دو تین مرتبہ اخبار میں لکھا تھا کہ مولانا ظفر علی خاں "زمیندار" کے مالک ہیں لیکن پالیسی کے ذمہ دار ایڈیٹر یعنی قصوروار یہ لکھا کہ "زمیندار" کی کسی تحریر سے مولانا محمد علی اور مولانا ظفر علی خاں کے باہمی تعلقات میں فرق نہ آئے اور جواب صرف ایڈیٹروں سے مانگا جائے۔ تفصیلات پر بحث غیر ضروری بھی ہے اور غیر مناسب بھی - ؎ مسیح الملک حکیم اجمل خاں مرحوم - مہر

نہیں "وہابی" اور "غیر مقلدوں" کی تقلید جامد کرنے والا اور وہابیوں کی ہر بدعت کی اسی طرح حمایت کرنے والا سمجھتا ہ
بعض غالی حنفی سلطان ابن سعود کے متعلق ہر خبر کا جو ان کے خلاف ہو یقین کرنے والے ثابت ہوتے ہیں۔ گو یہ بھی معلو
مجھے نماز پڑھا تے ہو تو نہ رفع یدین کرتے ہو نہ آمین بالجہر کہتے ہو اور برخلاف اس کے ظفر علی خاں جیسے ایک
کے پیچھے جماعت میں نماز پڑھتے ہیں تو آمین بالجہر پکارتے ہیں۔ میں تم کو بنا دوست نہیں سمجھتا بلکہ حاسد اور دشمن جا
چاہتا تو جو وقت اس خط کی تحریر لکھنے میں صرف کیا ہے "ہمدرد" کا ایک مضمون اسی مطلب کا لکھنے میں صرف کرتا۔
مجاز کا قصہ ہے یہ نہیں چاہتا کہ حق کی حمایت ہی میں کیوں نہ ہو تمہارے اور جتھے کی قلعی کھولنے میں "ہمدرد" کے
کروں اور عین اس وقت جب کہ ہنود کی مخالفت سے مسلمانوں کو بچانے کی تدابیر سوچی جارہی ہیں آپس کے نفا
دوں اس لئے نہیں کو یہ خط لکھ رہا ہوں۔

برادرم! "ایک دو عظیم الشان شخصیتوں" پر رشک و حسد نہ کرو۔ "ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء و
یہ شخصیتوں کی "پرستش" یوں ہی نہیں ہوا کرتی۔ ہمارے پاس تم سے اور تمہارے جتھہ والوں سے زیادہ دولت
تھی، نہ ہی خاندانی وجاہت سے ہم اس درجہ کو پہنچے ہیں۔ قوم کی خدمت کرتے ہیں، اللہ سے ڈرتے ہیں، ا
ڈرنا چاہئے، اور دولت و اثر کی پروا نہیں کرتے۔ سلطان جو برادر "عظیم الشان شخصیتوں" کے آگے بھی صاف
نہیں جھکتے اور منافقانہ کسی سے نہیں ملتے۔ اگر یہ طریقہ استعمال کرو گے تو اسی درجہ پر پہنچ جاؤ گے و
ظفر علی خاں بن جاؤ گے۔

تم نے نہ صبر و تحمل کا اب تک ثبوت دیا ہے نہ انکسار حقیقی اور صفائے قلب کا۔ تم سے اس
ٹھنڈے دل سے" اس عریضہ کو پڑھو گے اور اس پر غور کرو گے۔ لیکن خداوند کریم سے دعا ہے کہ تمہار
اس کا یقین ڈال دے کہ جس غرض سے یہ خط لکھا گیا ہے وہ صرف اس قدر ہے کہ ایک آخری کوشش اور کر
ایک نوجوان مسلمان، جس کو اس نے قابلیت سے محروم ہرگز نہیں رکھا ہے راہ راست پر آجائے اور ر
رشک و حسد اور غلو اور جتھہ بندی کو چھوڑ کر حق پرستی اور حق گوئی کو اپنا شعار بنا لے اور آئندہ چل کر قوم و ملک
خدمت کر سکے۔

یہ تحریر کی ہے اور شائع کرنے کی غرض سے نہیں بھیجی جاتی۔ ۸، ۹ مئی کے جلسے کے انتظامات
و "ہمدرد" کے قرضے کی ادائیگی کی فکر اور پھر اپنے سفر حجاز اور حج کے اخراجات کی فراہمی مارے ڈالتی ہے۔ ا
اتنا وقت میرے پاس نہیں ہے کہ میں محض بحث مباحثے میں الجھتا رہوں۔

اگر میری اس تحریر کی سختی کو جائز سمجھتے ہو تو خیر، ورنہ اسے للہ معاف کر دو کہ زندگی کا کیا اعتبار ہے
کو پہلے ہی خیرباد کہہ چکا ہوں۔ اگر نہیں معاف کر سکتے تو ایک بار دل کھول کر مجھے برا بھلا کہہ لو میں چلنے سے
کرتا جاؤں گا اور کہے سنے کی معافی چاہ لوں گا۔ والسلام!

تمہارا خیر طلب بھائی: محمد علی ۲ رمئی ۱۹۲۶ء

(۵)

بنام مولانا شوکت علی

پیارے شوکت!

عید مبارک۔ عید مبارک کا تحفہ دس سیر بوکاٹ بھیج رہا ہوں۔ یوں تو ہم سب اچھے ہیں، مگر گلزار کے برص کا علاج ہو رہا ہے اور حمیدہ کا علاج بھی حکیم تفضل حسین خاں صاحب کا جاری ہے۔ امجدی کے پاؤں پر بھی کسی قدر زور ہے۔ میں ویسے تو اچھا رہا مگر حکیم تفضل حسین خاں صاحب کی گولیاں کھا رہا ہوں، انشاء اللہ کل پرسوں قادورہ کا امتحان کراؤں گا۔ افلاس نے پریشان کر دیا ہے۔ خدا رحم کرے۔ آپ کی حالت مجھ سے بدتر ہے اور میری ایک حساب سے آپ سے بدتر ہے کہ پندرہ سو روپیہ ماہوار کا خسارہ ہے اور نہ اس کے کم کرنے کی کوئی صورت ہوتی ہے، نہ اس کے کسی سے دلوانے کی۔ خداوند کریم ہمارے ایمان، حب اسلام اور حب وطن کی آزمائش فرما رہا ہے۔

آپ کا خط کل ملا۔ مبین کو اپنی مالی حالت لکھ بھیجی ہے اور پوچھا ہے کہ کم سے کم کس قدر رقم تمہیں درکار ہوگی۔ اگر میں اتنی ادا کر سکا تو کر دیتا، پھر جاری کر کے دونوں اخباروں کے ذریعہ سے خسارہ کو گھٹاؤں گا، ورنہ پھر پبلک زندگی کو خیرباد ہے دو تین لڑکوں کو پڑھا کر پچاس روپیہ ماہوار کما لیا کروں گا، امجدی اور لڑکیاں کپڑا سی کر شستی پیدا کریں گی ان کو بھی پڑھاتا رہوں گا اور مسجد کے ایک گوشہ میں بیٹھ کر قرآن کریم و حدیث شریف پڑھوں گا اور کوئی اگر میرے خیالات سننا چاہے گا تو اسے سنا دیا کروں گا۔ اب یہ ممکن نہیں کہ ترک تعاون جاری رکھ کر، جس کا چھوڑنا ترک اسلام ہے، اخبارات کے خسارے بھی ادا کیا کروں۔ ایک آخری کوشش غالباً اسی ماہ میں اور کر دیکھوں اور شاید آپ کے پاس ایک دو دن کے لئے آؤں فی امان اللہ۔ امجدی اور بچوں کا سلام۔ طارق بہت یاد آتا ہے۔ زہرہ، زاہد، شاہد، شعیب، قمر کو پیار۔ عابد اچھا ہے۔ قطب میاں صاحب اسے زبردستی پچاس روپیہ دے گئے ہیں۔

کہئے آپ نے سلطان ابن سعود، شریف شرف عدنان اور مؤتمر کے ارکان کو خط بھی لکھے یا نہیں۔

مفصل جواب کا منتظر، آپ کا محمد علی۔ ۵ر اپریل ۱۹۲۶ء

(۶)

بنام مولوی محمود احمد عباسی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

برادرم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ شرمندہ ہوں کہ آپ کے ۱۳ر اپریل کے خط کا ۳ر مئی کو جواب دے رہا ہوں۔ آپ غالباً

ایک بار غریب خانہ پر تشریف لائے تھے، مگر وہ وقت میرے لئے نزع کے وقت کی طرح ہوتا ہے، اگر چند منٹ بھی کسی اور طرف توجہ کرنی پڑتی ہے تو اس دن کا اخبار ایک دو اطراف کی ڈاکوں کو کھو دیتا ہے اور ایک ملاقاتی کا لحاظ رکھنا سیکڑوں خریداروں کے ساتھ بد معاملگی کا مجرم بنا دیتا ہے۔ لیکن مجھے افسوس ہوا کہ آپ پھر تشریف نہ لائے، حالانکہ میں نے عثمان (اپنے بھانجے اور مینجر) سے کہہ دیا ہے کہ بھائی تم جانتے ہو اس وقت میں کسی سے ملنا ناممکن ہے، شام کے لئے وقت مقرر کر دو۔ خود مجھ سے ساری عمر وقت کی پابندی نہ ہوئی، میں اب اس کا طالب ہوں کہ لوگ ملنے سے پہلے وقت مقرر کر لیا کریں یا شام کو آیا کریں۔ کیا کروں اگر صبح کو کسی سے ملاقات کرتا ہوں تو اس دن کا اخبار وقت پر نہیں نکل سکتا۔ یوں بھی طوالت کے باعث (جس کا سبب محض یہ خواہش ہوتی ہے کہ جو کچھ میرے ذہن میں ہے وہ دوسروں کو سمجھا دوں) اگر زیادہ محنت کرنا پڑے تو گوارا کیا جائے مگر کہیں ایسا نہ ہو کہ چند الفاظ یا فقروں کی کمی کے باعث میرے خیالات دوسروں کے دماغ و قلب تک نہ پہنچ سکیں) بعض دن کئی ڈاکیں نکل جاتی ہیں اور مقامی فروخت میں بھی کمی ہو جاتی ہے لیکن اس نقصان سے بھی فائدہ تو خریداروں ہی کو پہنچ جاتا ہے۔ اگر محض کسی سے ملاقات کے باعث اخبار وقت پر نہ نکل سکے تو خریداروں کے سامنے کوئی عذر پیش نہیں کر سکتا۔ کاش آپ کسی دن شام کو مجھ سے مل لیتے۔ تو آپ کو نہ خط لکھنا پڑتا، نہ اتنی دیر جواب کا انتظار کرنا پڑتا اور میں بھی سب باتیں آدھ گھنٹے میں آپ کے گوش گذار کر سکتا جن کے لکھنے کے لئے دو گھنٹے درکار ہیں۔ برادرم! اس وقت سارا اسٹاف "ہمدرد" کا میں ہوں ہر روز ۱۰ گھنٹے کی محنت میں ایک لیڈر لکھ دیتا ہوں (جو دو دو تین تین بلکہ چار چار پانچ پانچ لیڈروں کے برابر ہو جاتا ہے) اور ایک خوبیب جعفری ہے جو تاروں کا ترجمہ کرتا ہے اور اخبار کو ترتیب دیتا ہے۔ بعض دن ایک اور سب ایڈیٹر جو اب علیحدہ ہو چکے ہیں، لیڈر یا نوٹ لکھ دیتے ہیں۔ جعفری بیمار ہو گیا تھا تو وہی تاروں کا ترجمہ کر دیتے تھے مگر اپنے جیسے کے مطب کے بعد، اس لئے کہ ڈاکٹر بھی ہیں۔ ایسی حالت میں اگر خود اس اخبار کے ضروری بزنس (BUSINESS) سے بھی غافل رہنا پڑے تو کون سی تعجب کی بات ہے؟ یہ معذرت امید ہے کہ قبول ہو گی۔ اس وقت پانچ بجے ہیں، ابھی تھکا ہارا ایک کالم کا مضمون ختم کر کے پلنگ پر آ لیٹا ہوں۔ لیکن لیٹے لیٹے مشکل نہ لکھی ہوتا تب بھی آپ کو خط لکھنا آسان نہ تھا۔ ہاں عبدالرحمٰن صدیقی نے مجھ سے دو بار آپ کے متعلق ذکر کیا تھا۔ برادر بزرگ فرید احمد صاحب نے بھی دو تین بار زبانی، تحریری اور ٹیلیفون پر ذکر فرمایا تھا لیکن جواب دینا مشکل تھا۔ دلی زبان سے عبدالرحمٰن سے البتہ اس قدر کہا تھا کہ محمود احمد صاحب کو نوکری کی تلاش ہے یا وہ بھی میری طرح پاگل ہو گئے ہیں جو "ہمدرد" میں کام کرنا چاہتے ہیں اور میری ہی طرح ان کو بھی اپنے دل پر قابو نہیں، وہ مجبور کر رہا ہے کہ جو پیغام خدا نے تمہیں دیا ہے وہ دوسروں تک پہنچا دو اور بلاغ ہی یک محدود نہیں رکھتا بلکہ باخبر النفس بھی بنائے ڈالتا ہے۔ ان کا جواب مجھے مطمئن نہ کر سکا۔ فرید احمد صاحب سے یہ پوچھنے کی ہمت نہ تھی۔ آپ کے انجینئر بھائی سے شاید پوچھ لیتا، مگر ان سے ملنا نہ ہوا، حالانکہ ان سے ملنے کا بہت ہی متمنی تھا۔ والدہ مرحومہ کی قبر اور آمنہ مرحومہ (میری لڑکی) کی قبر کے پتھر انہی کی معرفت تیار ہوئے ہیں اور لوح مزار بھی۔ مگر اب تک کام ختم نہیں ہو سکا حالانکہ تقریباً دو سال کی مدت گذر گئی۔ جب جب ملاقات ہو جاتی ہے تقاضا ہو جاتا ہے۔ اللہ اللہ کر کے اب والدہ کی قبر پر تو لوح کندہ ہو کر لگ گئی، گو پتھر قبر پر ٹھیک نہیں جمائے گئے ہیں اور چاروں کونوں کے DECORATIVE پتھر ابھی نصب نہیں ہوئے ہیں اور لڑکی کی لوح مزار تیار بھی نہیں ہوئی ہے، نہ پتھر ہی گڑھ کیسے جا سکے ہیں۔ وہ بیچارے بھی سخت مصروف ہیں۔ خیر اب خود

آپ کا خط آگیا ہے، براہ راست یہ بتلا ہر بھیجو وہ سوال کرتا ہوں۔ "ہمدرد" کا سرمایہ نہ کبھی تھا نہ اب ہے سب کی تنخواہیں حال حال باقی ہیں مگر کوئی نہیں کہہ سکتا کہ پندرہ دن دیر سے ملیں گی یا ڈیڑھ دو مہینے کی دیر سے، کاغذ، ایسوسی ایٹڈ پریس اور مالک مکان کو تو آٹھ آٹھ دس دس ماہ اور ایک ایک سال کا بھی انتظار کرنا پڑا ہے۔ یہ اس لئے کہ پہلے جب آدھا خرچ کریڈٹ کے خریداروں پر پڑتا تھا دونوں اخباروں پر پانچ سو سے لے کر ایک ہزار بارہ سو تک خسارہ ماہوار ہی ہو جاتا تھا اور اب جبکہ سب خرچ ہمدرد ہی پر پڑتا ہے پندرہ سو روپیہ ماہوار کا خسارہ ہے۔ خدا شاہد ہے کہ اس لئے ہرگز اس کارخانے کو نہیں چلا رہا ہوں کہ اپنے اور بال بچوں کے اخراجات کے لئے رقم نکالنا مقصود ہے۔ جب سے "ہمدرد" نکالنے کا خیال ہوا تھا صرف ایک غرض سامنے تھی کہ جو پیغام خدا نے مجھے پہنچایا ہے اسے دنیا تک پہنچا دوں۔ لیکن اب دنیا کی ذہنیت اتنی بدل گئی ہے کہ اخبار اور سفر کے تقریر کے ذریعہ سے یہ پیغام دنیا تک نہیں پہنچا سکتا اس کے لئے مصارف کا انتظام اب ممکن نہیں۔ ارادہ کیا ہے کہ اپنی اس محدود "دنیا" جو "ہمدرد" پڑھتی ہے کو ایک بار اچھی طرح اطلاع دے دوں کہ اگر وہ اسے جاری رکھنا چاہتی ہے تو اس کا فرض ادا کرے اور خریدار بڑھائے تاکہ خواص کی امداد کا انتظار نہ کرنا پڑے (اور اب تو انتظار بھی نہیں کرتا اس لئے کہ یقین ہو گیا ہے کہ امداد نہیں آسکے گی)۔ اگر وہ ایسا نہیں کر سکتی تو پھر اس کارخانے کو بند کر دوں اور فرصت و فراغت کے لئے چند گھنٹے کوئی کام کر لے ہر مہینے چالیس، پچاس یا ساٹھ خود پیدا کر لیا کروں، اتنا ہی بیوی اور بچے بھی پیدا کر لیا کریں، باقی وقت میں انہیں تعلیم دوں، خود تعلیم حاصل کروں اور چند گھنٹے روزانہ اس لئے بچا لیا کروں کہ جو کوئی مجھ سے مشورہ طلب کرنے کے لئے آئے اس کو اپنی رائے سے مطلع کر سکوں تاکہ "گوشہ نشینی" اور خود غرضی کا مجرم نہ بنوں۔ اس طرح پبلک کی وہ خدمت کر سکوں جو ایک پچاس ساٹھ روپیہ کی آمدنی والا کر سکتا ہے۔

اب میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا آپ عین اس زمانے میں جبکہ "ہمدرد" کی حالت یہ ہے، ہاتھ بٹانے کے لئے بیتاب ہیں، یا خود کسب معاش کے لئے اسی طرح مجبور ہیں جس طرح "ہمدرد" کو بند کرنے میں مجبور ہوں گا اور "ہمدرد" کی سب ایڈیٹری اسی طرح کرنا چاہتے ہیں جس طرح "ہمدرد" کو بند کر کے شاید تین چار لڑکوں کی پرائیویٹ ٹیوٹری کرنے لگوں۔ یقیناً میں ایمانداری سے اپنی تنخواہ کے برابر محنت کیا کروں گا لیکن مجھے اس سے بحث نہ ہوگی کہ وہ لڑکے کون ہیں اور کس کے ہیں۔ کیا آپ کو بھی آج اس سے بحث نہیں کہ آپ "ہمدرد" کے سب ایڈیٹر مقرر ہوتے ہیں یا کسی اور اخبار کے، یا آپ کی نظر انتخاب خاص "ہمدرد" پر پڑی ہے آپ نے کہا کہ "ہمدرد" میں کام کرنے کا محرک وہ معاوضہ نہیں ہے جو چند اسپیشمنوں کی شکل میں حاصل ہو، میں اسے تسلیم کرنے کو تیار ہوں۔ لیکن کیا آپ واقعی اس شخص کے ساتھ رہ کر اس کے مصائب میں شریک ہونا چاہتے ہیں جس کے خیالات کو آج مطلق ہر دلعزیزی حاصل نہیں، حالانکہ وہ سمجھتا ہے کہ آج سے زیادہ وہ کبھی محنت نہیں کیا کرتا تھا اور آج سے زیادہ صحیح رہنمائی اس نے کبھی نہ کی تھی اور آج سے زیادہ وہ ہر دلعزیزی کا کبھی بھی مستحق نہ تھا؟ نہ معلوم آپ "ہمدرد" کو پڑھتے بھی ہیں یا نہیں۔ اکتوبر ۱۹۲۶ء سے اس وقت تک سات مہینے مسلسل اتنی محنت میں نے کی ہے کہ کہہ نہیں سکتا اور اردو میں اپنے نزدیک صحیح مذہبی اور سیاسی خیالات کا اتنا انبار لگا دیا ہے کہ چند کتابیں میرے مضامین سے مرتب ہو سکتی ہیں جو باوجود اس زود نویسی کے اس قابل ہوں گی کہ ان سے لوگ برسوں تک فائدہ حاصل کر سکیں۔ لیکن جن کے سامنے ان خیالات کو آج اظہار کرنے کی جسارت

کریں گا وہ مجھے پاگل سمجھیں گے اور کہیں گے کہ یہ خودستائی اس شخص کے بیوقوف اور بیہودہ ہونے کی صاف دلیل ہے
اس خودستائی کی "ہمدرد" کے مضامین پڑھ کر آپ بھی کسی قدر تلافی کر سکتے ہیں تو آیئے، میرے مصائب میں شریک ہوں
اگر یہ نہیں ہے تو بزنس BUSINESS کے طور پر ہی لے لیجئے کہ تاروں کا اور رنگین اخبارات کے CUTTINGS کا
روپیہ ماہوار پر ترجمہ کر سکیں گا اور اخبار کو مرتب کرنے میں مدد دے سکیں گا۔ ہمدرد میں جو اشتہار نکل رہا ہے وہ محض بزنس
کا روائی ہے مگر میں نے اب تک اس کو بھی انجام نہیں دیا اس لئے آس بالکل ٹوٹی نہ تھی امید تھی کہ شاید کوئی اللہ کا
معنوں میں ASSISTANT بھی مل سکے۔ آج کل تجربہ تو یہی کہہ رہا ہے کہ ASSISTANT تو نہیں RESISTANT ضرور
مل جائیں گے۔

تحریری جواب عنایت کرو اور پھر اگر جی چاہے تو ایک دن کے لئے آکر مل جاؤ۔ میں یہاں سے ۸ یا ۹ کو ہٹ
جاؤں گا۔ ۲۳ ۲۴ تک آنا ہوگا۔ بہتر ہے کہ اس سے پہلے ہی سب کچھ طے ہو جائے۔

جواب کا منتظر اور دیر لگانے کی معافی کا خواستگار

آپ کا بھائی: محمد علی ۳ مئی ۱۹۲۷ء

ڈاکٹر صاحب مرحوم کی قبر پر میری طرف سے فاتحہ پڑھ لیجئے گا۔ میں ۱۱ برس کی عمر میں علی گڈھ گیا تھا تو وہ میرے
کے ہادی اور رہنما تھے۔ آج تک اس پر لطف زمانے کو نہیں بھولا ہوں۔

محمد علی

---

(۷)

بنام مولانا شوکت علی صاحب مرحوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیارے بھائی!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ میں ایک ہفتے سے برابر اس کی کوشش کر رہا ہوں کہ آپ کو خط لکھوں
مجھے سخت مشکل معلوم ہوتا ہے آپ کی اور غالباً میری بھی ڈاک کھولی جاتی ہے اور اگرچہ ہماری زندگی ایک کھلے ورق کی طرح
پھر بھی میں نہیں چاہتا کہ بعض باتیں غیروں تک جائیں۔ زبانی گفتگو کرنا اور بھی مشکل ہے اور میرا خیال ہے کہ مجھے اسی طرح
خاموش رہنا پڑے گا۔

پہلے اس کے کہ میں اپنے آئندہ پروگرام کے متعلق کچھ کہوں آپ کو اطلاع دیتا ہوں کہ ایک ہفتہ ہوا کہ ڈنمارک
کا جواب آگیا۔ کیا آپ کے لئے اس کا اندازہ کرنا کچھ مشکل ہے کہ اس کے دیکھتے ہی میرے جذبات و احساسات
کیفیت تھی اور میں اگر اسی وقت اس کا جواب دیتا تو کیا دیتا۔ میں نے ان حضرت سے نہایت ہی حزم و احتیاط سے
کی ہے اور یہی حال تحریر کا رہا ہے۔ افغانستان کے پاسپورٹ کے سلسلے میں مولانا عرفان کو اپنے ہمراہ صوبہ سرحد میں
میں نے جانے کے معاملہ میں جب کہ پہلی بار ان سے نیاز حاصل ہوا تھا اور دوبارہ مولانا عرفان کو منگا پور اور جاوا بھیجا

اور اب جنوبی افریقہ کے داخلہ کے مسئلہ میں۔ میں جانتا ہوں کہ آپ کا طرزِ عمل یہ ہرگز نہ ہوتا اگر میں بھی جوش و خشم مشہور ہوا ضرورت حالات اور ضرورت دونوں کو پیشِ نظر رکھ کر مجبور ہو گیا کہ اس قدر صبر و ضبط سے کام لوں۔ اگر میں واقعی اس قدر زود خشم ہوتا جس قدر کہ ہمارے دوستوں نے دشمنوں سے بھی زیادہ مشہور کیا ہے تو کبھی اس قدر صبر و ضبط کا یارا نہ رکھ سکتا۔ بہرحال اب اس تمام حزم و احتیاط کا یہ نتیجہ نکلا ہے۔ اب جو آپ کی رائے ہو۔ میں نے ابھی اس جواب کی نقل آپ کے ملاحظہ کے لئے کی تو پھر بھی چاہا کہ ان حضرت کو پہلے جواب لکھ دوں اور بعد کو اس کی بھی نقل اس کے ہم رشتہ آپ کو ارسال کر دوں اور تب جا کر آپ کو یہ خط لکھوں۔ مگر میں نے پھر صبر و ضبط سے کام لیا اور ابھی انہیں کوئی جواب نہیں دیا۔ آپ کے دوست سر حبیب اللہ کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے ان کو کچھ لکھا تھا یا نہیں؟ وہ ہندوستان کی طرف سے جنیوا میں سرگرمی فرمائیں گے، نہیں معلوم وہ کیا فرماتے ہیں۔ میرا قیاس ہے کہ انہوں نے انہیں حضرت کے ذریعہ سے پیش بندی فرما دی ہے اور ابھی تو پہلا ہی قدم مشکل ہے، یعنی آپ کو پاسپورٹ ملنا۔ جب آپ اس مرحلے سے بھی گذر جائیں گے تب بھی سر حبیب اللہ سے آپ کو واسطہ پڑے گا، بلکہ براہِ راست آپ کو جنوبی افریقہ کی حکومت سے داخلہ کی اجازت میرے مانگنا پڑے گی اور جب سنگاپور کی حکومت عرفان صاحب کے عہد سرحد کے ریکارڈ کو اس قدر REPROACHABLE سمجھتی ہے تو کیا جنوبی افریقہ کی حکومت ہمارے ریکارڈ کو بالکل IRREPROACHABLE سمجھے گی۔ حقیقتاً دونوں حکومتوں کے درمیان اس معاملہ کے متعلق اب بھی گفتگو و شنید ہو چکی ہوگی تاہم مجھے مطلع کیجئے کہ سر حبیب اللہ کیا فرماتے ہیں اور اس میں کچھ کرنا چاہتے ہیں یا نہیں۔ اگر وہ نہ بھی مدد کریں تب بھی ہمیں پاسپورٹ ملنا اور داخلہ کی اجازت کے حصول کے لئے کوشش کرنا چاہئے تاکہ اتمامِ حجت ہو جائے اور اس کے بعد جو کچھ بھی ہم کو کرنا ہو وہ ہم کریں۔ اسی وجہ سے میں نے سر ڈینیس برے کے خط کا جواب اب تک نہیں لکھا ہے نہ اخبارات کو مولانا عرفان کے متعلق کوئی اطلاع دی ہے۔ حکومت ہمارے ساتھ یہ سلوک کر رہی ہے اور وہ لاہور کا اخبار پنجے والا اور یہاں دہلی کا قدیم پوسٹ مسلمانوں کو اس کا یقین دلا رہے ہیں کہ ہم حکومت سے مل گئے اور آئندہ کبھی بھی اس کی مخالفت نہ کریں گے۔ ان لوگوں کی اس قسم کی مجنونانہ حرکات پر مجھے حیرت نہیں ہوتی، مرتا کیا نہ کرتا، مگر حیرت اس پر ہوتی ہے کہ عوام کا مذاق ان لوگوں نے اس قدر بگاڑ دیا ہے کہ ایک خاصی جماعت ان مجنونانہ باتوں پر یقین لے آنے کو تیار رہے اور اس میں سے بعض جو کبھی مجھ سے اس کی شکایت کرتے تھے کہ آپ ان لوگوں کے منہ کیوں لگتے ہیں یہ اس قابل نہیں کہ آپ جیسا لیڈر ان کا مقابل بنے (حالانکہ اوروں میں کسی نے نہ اس طرف توجہ کی، نہ اتنی ہمت کی کہ ان کے روز افزوں اثر کا مقابلہ کر کے عوام پر ان کی حقیقت ظاہر کر دے اور اس لئے عوام میں ان کا اس قدر مہلک مگر زبردست اثر پھیل گیا) وہی آج اس کی تعریف بھی کر رہے ہیں کہ آپ نے اس بار ان لوگوں کو منہ نہیں لگایا، مگر ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ لوگوں نے یہ افواہ اڑانا شروع کی ہے کہ یہ دونوں بھائی انگریزوں سے مل گئے ہیں اس کی ضرور تردید کر دینا چاہئے۔ خدا کی شان ہے علی برادران کے متعلق یہ افواہ اڑائی جائے اور انہیں اس کی تردید کرنا پڑے۔ یہ لوگ جو ایسی بچوں کی سی باتیں کرتے ہیں، عوام نہیں بلکہ ان سے زیادہ سنجیدہ طبقہ کے لوگ ہیں۔ حقیقتاً سمجھدار لوگوں کی آج اتنی کمی ہے کہ ان کا ایک ہاتھ کی بھی انگلیوں پر گن لینا مشکل نہیں۔ مجھے افسوس ہوتا ہے کہ ہماری ساری عمر کی محنت کا اس سے زیادہ

نتیجہ نہیں نکلا کہ ہندو ایک نامراد اور متعصب اور تنگ دل جماعت بن گئے اور مسلمان ایک جماعت بھی نہ بن سکے بلکہ منتشر افرا
ایک گروہ ہو کر رہ گئے ہیں اور برنارڈ شا کے ڈرامے "BACK TO METHUSELAH" میں EVOLUTION
آخری STAGE - "AS FAR AS THE EYE CAN SEE" میں انسان نے جو LABORATORY میں بیٹھ کر جو مشین
اور عورت کا جوڑا بنایا ہے، اس کی طرح ہو گئے ہیں۔ ان سے جب پوچھا جاتا ہے کہ تم ہمارے متعلق کیا خیال کرتے ہ
جواب دیتے ہیں کہ ہم کیسے بتا سکتے ہیں۔ ہم نے آج صبح کا اخبار نہیں دیکھا ہے۔ مسلمانوں میں آج ایک اخبار بھی نہیں جو
چلانے والے مکر و فریب، زر پرستی اور خود غرضی سے پاک ہوں اور امور عامہ کے متعلق سنجیدگی اور متانت سے اور غور و
کے بعد اپنے رائے کا اظہار کر سکیں اور پھر قوم ہے کہ ہر صبح ان کی رائے کی اس طرح محتاج ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں دو
سے اس کا ارادہ کر رہا تھا کہ بہتر ہے کہ دو تین سال اس "قوم" کو اس کے حال پر چھوڑا جائے۔ اس کا جو فرد خود اس ضر
کو محسوس کرے کہ ہم سے رائے مانگے، تو اسے اظہار رائے سے کبھی محروم نہ کیا جائے مگر خواہ مخواہ ہر وقت اظہار رائے
اختراع کیا جائے اور آئندہ کنواں پیاسے کے پاس دوڑا دوڑا نہ پھرے۔ جب یہ لوگ اپنے حاصل کردہ تلخ تجربہ سے
سیکھ لیں گے کہ یہ اخبار بیچنے والے اور یہ قدآدم پوسٹر اور یہ بھوسوں کے بھوکے خود قوم کے محتاج ہیں، قوم ان کی ہرگز محتاج
نہیں تو وہ بھی اپنی اس روش کو ترک کر دیں گے کہ ؎

جاتا ہوں تھوڑی دور ہر اک تیز رو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

اخبار نویسوں میں آج ایک بھی اہل الرائے نہیں، اگر کچھ ہیں تو "اہل قلم" ہیں جو قلم چلا کر اپنی روٹی کمانا ایک حد تک جانتے
ہیں لہٰذا جو کوئی اہل الرائے اس میدان میں آتا ہے اس کا وہی حشر ہوتا ہے جو ہمیشہ اندھوں میں ایک آنکھوں والے کا ہوتا ہے
یہ سراسر غلط ہے کہ IN THE KINGDOM OF THE BLIND THE ONE-EYED IS KING. حقیقت
کہ IN THE KINGDOM OF THE BLIND THE ONE-EYED IS HUNG. یہ تو عام بحث تھی اب میرے پروگ
کے متعلق سنئے۔ میں حمیدہ کی علالت اور اپنے افلاس کے باعث مجبور تھا کہ برما نہ جاؤں مگر آپ کے اصرار سے اور اس
امید پر کہ میرے گھر کے مصارف کے لئے آپ روپیہ بھجوا سکیں گے میں برما گیا۔ وہاں جو کچھ ہوا اسے میں اپنے خط میں تفصیل
سے تحریر کر چکا ہوں اور اگر آپ نے عرفان صاحب سے پوچھا ہوگا تو انہوں نے بھی ساری کیفیت بیان کر دی ہوگی جب
گھر کے مصارف کے لئے امجدی کو کچھ بھی نہ مل سکا، اور یہاں ماہ بروز مصارف کے لئے تنگ ہونے لگا، اور حمیدہ کی علا
نے دو اداروں کے اخراجات بھی بڑھا دئے، اور ۲۵۔ راجپور روڈ پر ڈاکٹر شرف کی کوٹھی اسے کرایہ پر لینا پڑی، اور اس
ایک کی جگہ دو گھروں کا خرچ درکار تھا، مجھے تعجب ہوا کہ آپ نے مجھے کلکتہ تار دیا کہ کچھ عرصہ تک میں برنگا میں دورہ کروں
جہاں ایک شخص بھی میرا دورہ نہیں چاہتا تھا، الا ماشاء اللہ ان چند لوگوں کے سوائے جنہیں ایک زبردست الیکشن انجینٹ کی
ضرورت تھی جو ہفت میں اللہ کی مدد کیلئے کھڑا ہو جائے یہی وہ قوم ہے جو آج ہماری محتاج ہے، باقی سب مستغنی ہیں، سعدی کو تو اسی کی فکر تھی کہ ؎

شب چو عقد نماز بر بندم چہ خورد بامداد فرزندم

لیکن فاز کی نیت باندھنا تو فرض ہے، ان حکومت پرستوں اور خود غرضوں کا الیکشن ایجنٹ بننا کس نے ہمارے لئے فرض مقرر کیا ہے؟ سر عبدالرحیم صاحب اور فضل الحق صاحب کے MANIFESTO میں اپنی جتھہ بندی کے لئے تو سارے جتن کئے گئے، اگر مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ اور ہندوانی غضب سے بچنے کے بارے میں ایک حرف بھی نہ تھا۔ ان حضرات کا آزمکار بننا ہمارے لئے کب فرض ہے کہ بال بچوں کو بھوکا چھوڑ کر ہم ان کے مفت کے ایجنٹ بنتے پھریں۔ حقیقتاً مجھے تو اب تک یہ بھی نہیں معلوم کہ ان خود غرضوں اور حکومت پرستوں سے کفیع داؤدی صاحب جیسے مخلص مسلمان نے آئندہ کے لئے کیا سمجھوتہ کیا ہے اور میں اگر اس وقت کام کر بھی سکتا تو ہرگز نہ کرتا جب تک یہ ٹٹے نہ ہو جائے کہ نفس پرستوں کے مقابلہ میں ملت پرستوں کا کس طرح انتخاب ہوگا اور جب دونوں کونسلوں میں جا بیٹھیں گے تو ہم عملی کی کیا صورت ہوگی۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ آج میں کسی کام کے قابل بھی نہیں ہوں۔

سب سے پہلے حمیدہ کی علالت ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ وہ برسوں سے بیمار چلی آرہی تھی۔ اکتوبر ۱۹۲۷ء میں اسے شملہ لے کر گیا اور اگرچہ وہاں جانے سے فائدہ ہوا مگر یرقان سے لوٹنے پر ملیریا نے شملہ میں بھی آدبایا تھا اور وہاں بھی ایک ہفتہ صاحب فراش ہی رہی تھی اور دہلی واپس آنے کے بعد پھر بے اطمینانی تھی۔ ۶ مئی ۱۹۲۸ء کو شادی ہوئی اور ۳ مئی سے جو سلسلہ علالت کا شروع ہوا تو آج تک جاری ہے۔ ڈاکٹر انصاری کا ہمیشہ علاج ہوا تھا۔ منصوری میں ڈاکٹر بچر کا علاج ہوا، پھر لیڈی ڈاکٹر کیمبل کا مسلسل علاج ہوتا رہا۔ مگر فروری ۱۹۲۹ء میں حالت اور بگڑ گئی اور حالانکہ ان کا، مس کیمن کا اور ڈاکٹر سنگھ کا CONSULTATION کرایا گیا اور سنگھ کا علاج ہوا لیکن کچھ بھی اصلاح نہیں ہوئی۔ اب تک ملیریا ہی کا شبہ ہوتا رہا۔ اس کے بعد حکیم محمد احمد صاحب کا علاج کرایا گیا مگر فائدہ نہ ہوا۔ ہاضمہ ہمیشہ سے خراب تھا، قولنج کا درد برسوں سے اٹھا کرتا تھا، بہت ہی کم ایک وقت سے زائد کھانا کھاتی تھی مگر اب تو پیچش کے سے آثار معلوم ہوئے اور آنوں آنے لگی، جسے سنگھ نے کونین کا اثر سمجھا۔ حکیم محمد احمد خاں کی دوا سے آنوں آنا بند ہوئی مگر قولنج نے سخت تکلیف دی۔ جب پھر ڈاکٹر انصاری اور ان کے ساتھ ڈاکٹر قریشی کا علاج کرایا گیا تو BACILLUS COLI کا شک گذرا مگر S-K-SEN BACTERIOLOGIST کی رپورٹ سے ثابت ہوا کہ یہ بھی نہیں ہے، تاہم قیاس کیا گیا کہ اشاسی کا ہے اور ایک پچکاری کا سلسلہ شروع ہوا جس سے کوئی فائدہ نہ ہوا اور بخار ۱۰۲ سے بڑھ کر روزانہ ۱۰۳، ۱۰۴ اور ۱۰۵ تک پہنچ گیا۔ تب جا کر ڈاکٹر انصاری نے اس کا اقبال کیا کہ بھائی ہم اب تک اس کے مرض کی تشخیص نہیں کر سکے۔ اتنا جانتے ہیں کہ دق نہیں ہے۔ تاہم چونکہ ایک شب کو باہر سوتے ہوئے سردی لگی اور کچھ اور بڑھا نہ گیا جس سے خفیف سی کھانسی کی خراش پیدا ہو گئی ہے، اب ہم علاج میں پہلے کی طرح دق کی رعایت بھی رکھیں گے۔ ایک ہفتہ یہ علاج جاری رہے، اگر اس سے فائدہ نہ ہو تو سول سرجن کو بلا کر دکھایا جائے تاکہ وہ کوئی آزاد رائے قائم کر سکے۔ آج وہ ہفتہ ختم ہوتا ہے اور غالباً کل سول سرجن بلایا جائے گا۔ روزانہ ۱۰۲ بخار ہوتا ہے۔ سب سے زیادہ تکلیف دہ یہ امر ہے کہ غذا بالکل نہیں ہوتی۔ گذشتہ نصف ماہ میں مرغی کا شوربہ اور روٹی کا چھلکا بھی نہیں کھایا گیا، صرف علی الصبح ایک یا نصف انڈا آملٹ کی شکل میں، ایک یا دو بار یک توس اور مکھن اور ایک یا آدھا پاپا، یہ دن بھر کی کل غذا ہو گئی تھی۔ BULGARIAN BACILLUS CULTURE کا دہی بنا کر دیا گیا، مگر وہ بھی نہ ٹک سکا۔ صبح سے رات تک برابر ابکائی آتی رہتی ہے۔

ابکائی دور کرنے کی دوا بھی اب مطلق کارگر نہیں ہوتی۔ بعض دن صبح کا ناشتہ بھی ٹال دیا جاتا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اس دن غذا مطلق نہیں ہوتی! عرفان صاحب کی موجودگی ہی میں حالت بے حد خراب ملی لیکن آج خراب تر ہے۔ تاہم SPUTUM کا امتحان کرایا گیا تھا۔ رپورٹ سے صرف معمولی سی کھانسی کا پتہ چلا، دق کے کوئی آثار نہیں۔ ایسی مریضہ کو چھوڑ کر نہ میں بنگال کا دورہ کر سکتا تھا اور نہ بمبئی آسکتا ہوں اور جنوبی افریقہ کا تو کسی کو خیال بھی نہیں آسکتا۔ آمنہ کی موت کے بعد ہی میں امجدی سمیت برما جانے کو تیار ہو گیا تھا مگر آپ کو TYPHOID میں موت کے منہ میں چھوڑ کر برما نہیں جا سکتا تھا، صرف کلکتہ جا سکتا تھا، اور گیا تھا۔ قوم اور ملک کا کام ساری عمر کیا ہے، کبھی اپنے عیش و آرام کے خیال نے یا کسی اور ذاتی غرض نے آج تک اس سے نہیں روکا لیکن ایک جوان لڑکی کی موت کے بعد دوسری جوان لڑکی کو ایسی حالت میں چھوڑ کر میں کہیں نہیں جا سکتا۔ خصوصاً ایسی حالت میں کہ اس کا شوہر مجبور ہو کر اپنا روپیہ وصول کرنے کے لئے باہر مارا مارا پھرے۔ میں تو برما چھوڑ کر بھی حمیدہ کو دیکھنے نہیں آیا اگر ماجد کو اس کا ڈوگا ہوا روپیہ دلوانے کے لئے تیار نہ تھا کہ تھرڈ کلاس ہی میں سفر کر کے فوراً الور پہنچ جاؤں بہرحال اس کے کہ تمہارے والد ولایت چلے جائیں تاہم ماجد کو تار دیں لکھ دیا تھا کہ برما کے کام میں اس سے ہرج ضرور ہوگا۔ ماجد کا تار آ گیا کہ کام میں ہرج نہ کیجئے، یہاں پر امید بندھی ہے۔ چنانچہ میں برما نہیں گیا اور دس دن اور وہاں ضائع کئے۔ مجھے اور بھی تعجب آپ کا تار کلکتہ میں پا کر اس سے ہوا کہ آپ نے میری مالی حالت اور میرے کوچہ چیلاں کے مکان سے نکالے جانے کا بھی مطلق خیال نہ کیا۔ آپ کے اصرار پر اعداس امید پر کہ آپ امجدی کو میرے روپیہ میں سے کم از کم اتنا بھجوا دیں گے کہ وہ کام چلا سکیں۔ برما مارچ میں چلا گیا تھا مگر آپ روپیہ فراہم نہ کر سکے اور امجدی جس مصیبت میں گرفتار رہیں اس کا شاید آپ کو اندازہ نہ ہو سکا، ورنہ آپ مجھے ہدایت نہ کرتے کہ برما میں اتنی دیر لگانے کے بعد وہاں سے آتے ہوئے میں بنگال میں دورہ کروں۔ کلکتہ میں خلافت کے سب سے زیادہ پُرجوش اور بااثر کام کرنے والوں کا یہ حال ہے کہ میں نے اس روپیہ کو جو کمریڈ کے دوبارہ اجرا کے لئے گل شیر خاں وغیرہ نے بلا میری اجازت کے جمع کر دیا تھا، چند ماہ کے لئے قرض مانگا کہ جب تک کچھ کمانے کا انتظام کر سکوں کسی قدر افاقت ہو سکے اور انہوں نے حتمی وعدہ بھی کر لیا کہ دو تین دن میں بذریعہ تار روانہ کر دیں گے، آج تک اسے روانہ کر رہے ہیں۔ ایک صاحب سے پانچ سو روپیہ قرض حسنہ ملے تو اس وقت تک کام چلا اور احمد علی بھائی نے امجدی کی جائیداد میں سے پانچ سو روپیہ بھجوائے تو ماجد کے قرضہ میں سے دیئے ورنہ حمیدہ کے علاج کے لئے بھی کچھ نہ تھا۔ ایسی حالت میں وہ کون سا سیاسی یا مذہبی فرض ہے جس کے ادا کرنے کے لئے میں مجبور ہوں کہ بیوی بچوں کو چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوں؟

سب سے بڑی مصیبت مکان کی ہے۔ مسلم لیگ کے جلسہ کے بعد عبدالرحمٰن وکیل کے سامنے صالح صاحب نے قطعی نوٹس دے دیا کہ مکان خالی کر دیا جائے چاہے انہیں کوئی زیادہ کرایہ دینے والا ملے یا نہ ملے، یا کوئی خریدار مکان خریدے یا نہ خریدے۔ آپ کو معلوم ہے کہ صالح صاحب خود ہی اس کی وجہ بھی ظاہر کر چکے ہیں اور وہ یہ ہے کہ میں وہابی اور ابن سعود کا خاص نہیں۔ ان کے الفاظ یہ تھے کہ چچا جان پسند نہیں کرتے (وہ آج کل مکہ مکرمہ میں ہیں) اور آپ اختلاف عقائد بھی رکھتے ہیں۔ گذشتہ سال تو میں نے نہ صرف اس زمانے کا تمام کرایہ، بلکہ حسب قرارداد گذشتہ دور کا بھی کرایہ اس دور کے کرایہ کے ساتھ بقسط پچاس روپیہ ماہوار ادا کر چکا تھا اب جبکہ وہ یہ بھی نہیں کہتے کہ کوئی کرایہ دار تم سے زیادہ کرایہ ادا کرنے کو تیار ہے!

کوئی خریدار خریدتا ہے۔ مجھ سے مکان خالی کرانا اس بنا پر ہے جس بنا پر حسرت اور انوار الحق (انوار صالح کا بھتیجا ہے، مسلم لیگ میں ہمارے خلاف اس قدر زبان حقہ لے رہے تھے اور جس بنا پر مولانا عبدالقادر قصوری اور پنجابی ٹولی بکا ایک نہرو رپورٹ کے موافق ہو گئے ہیں۔ بہرحال میں نے یہ آخری نوٹس پاکر فوراً فیصلہ کر لیا کہ ہمدرد کو بند کر دیا جائے اور اب اس مکان میں اب دن بھی نہ رہا جائے مگر بنا جانا ضروری تھا اس لئے چند مکانات کو فوراً امجدی کو دکھا کر بنا چلا گیا اور امجدی سے کہہ گیا کہ ۱۰ بجے تک قرول باغ چلی جاؤ۔ پریس کو اکھڑوانے کے لئے ماجد، صدیق، اسرائیلی اور جعفری سے کہہ گیا کہ وہ اسے DISMANTLE کرا کے کسی GODOWN وغیرہ میں رکھوا دیں۔ حمیدہ کے لئے اس کی خواہش کے مطابق ایک ٹھنڈی جگہ کی تلاش تھی جو اس وقت قرول باغ میں نہ مل سکی، مگر ڈاکٹر شراف ولایت جا رہے تھے، راجپور روڈ پر ان کا بنگلہ نصف کرایہ پر ماجد نے لے لیا اور وہ اور حمیدہ نوحسب قرارداد ارمٹی سے گھر خالی کر کے چلے گئے مگر قرول باغ میں اس وقت کوئی اور مکان ملے نہ ہو سکا، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مشینوں کے اکھڑوانے، لدوانے اور کسی اور جگہ STORE کرانے کا بندوبست نہ کر سکا۔ ماجد علاوہ تیمارداری کے اپنی مصیبت میں مبتلا ہے اور رات ہی پھر آگرے سے لوٹا ہے اور اب تک کچھ نہ کر سکا۔ اس کو فرصت نہ تھی۔ صدیق صاحب محض بیکار ہیں۔ اسرائیلی صاحب اور جعفری بھی اس میدان کے مرد نہ تھے، اب مجھے حمیدہ کی بیماری میں اتنا ہوش ہے کہ خود کھڑے ہو کر اس کام کو کراؤں۔ جب ماجد باہر جاتا ہے (اور یہ اکثر ہوتا ہے) مجھے اور امجدی کو حمیدہ کے ہاں سونا پڑتا ہے۔ ماجد کے نوکر کی ماں کو نمونیہ ہو گیا اور وہ تار ملتے ہی امروہہ چلا گیا اس لئے اس بار تو کوئی نوکر بھی نہیں ہے۔ میرے پاس عرصہ سے کوئی نوکر نہ تھا۔ دن بھر دوا پلانا، غذا کھلانے کی کوشش کرنا، حرارت معلوم کرنا، ٹکور اور تشفی دینا، ڈاکٹروں کے پاس جانا اور رات کو تھک کر حمیدہ کے پاس پڑ جانا یہ میرا دن رات کا وظیفہ ہے سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ اگر کسی بدمعاش نے ایک پرزہ بھی توڑ ڈالا تو ساری مشین بے کار ہو جائے گی، علاوہ ازیں اکھڑوانے، PACK کرانے اور کہیں سے لدوا کر لے جانے اور STORE کروانے میں صرف کثیر کی ضرورت ہے اور وہ ندارد، مجبور ہو کر فیصلہ کیا ہے کہ پریس کو فروخت کر دوں۔ آپ جانتے ہیں کہ یہ کام آسان نہیں پھر اس کی بھی DEBENTURE HOLDER سے اجازت لینا ہے اور تمام مشینوں اور ٹائپ کی فہرست تیار کرانا اور خریدنے وقت کی قیمت نکال کر اس وقت کی قیمت کا تخمینہ کرنا ہے۔ خدا بھلا کرے خان صاحب عبدالعلی خاں کا کہ پہلے دور کے ٹائپ وغیرہ کی چوری کا تخمینہ لگانے میں انہوں نے جو کوشش کی تھی اس کے کاغذات موجود ہیں جس سے پریس کی بعض چیزوں کی اصل قیمت معلوم ہو سکتی ہے ورنہ عثمان صاحب نے تو اس بری طرح کام کیا ہے کہ کسی چیز کا پتہ لگانا آسان نہیں۔ جس طرح بھی ہو رہا ہے یہ کام کر رہا ہوں۔ اگر ماجد اب چند دن تک یہاں رہے تو میں گھر جا سکوں گا۔ لیکن یہ مہینہ بھی ختم ہو رہا ہے اور اب میں سو روپیہ ماہوار مکان کا کرایہ کس طرح اور کہاں سے لا کر دے سکتا ہوں؟ مجبور ہو کر صالح صاحب سے کہا ہے کہ پہلے دور کے خاتمہ کی طرح نیچے کا پریس کا حصہ مجھے کرایہ پر اس وقت تک کے لئے دے دیں جب تک کہ پریس دو تین ماہ میں فروخت ہو جائے۔ چار دن تک ان کے پیچھے دھوپ اور لُو میں پھرتا رہا۔ کل جواب ملنے والا تھا مگر نہ ملا۔ اگر وہ اس پر راضی ہوتے تو سوا لئے اس کے چارہ نہیں کہ اسی مکان میں ابھی قیام کروں حالانکہ وہ اب بالکل ویرانہ کی طرح سُونا پڑا ہے اور اس کا ہم حصہ میرے لئے

بیکار اور غیر ضروری ہے۔ اگر پریس والا حصہ کرایہ پر چل گیا تو کل ہی قرول باغ کے مکانوں میں سے ایک کو کرایہ پر لے کر بال بچوں کو بلوانا پڑے گا۔ ایسی حالت میں جنوبی افریقہ تو درکنار مجھے افسوس ہے کہ بمبئی تک نہیں آسکتا۔

پھر سب سے آخر میں خود میری علالت ہے۔ یقین جانئے کہ میں سخت بیمار ہوں۔ جنوبی افریقہ کا سفر ممکن نہ تھا کہ اس کے لئے بے حد مفید ہوتا۔ مگر میری گوناگوں مجبوریوں نے اس کا خیال ہی دل سے نکال دیا۔ لیکن اب میں درحقیقت کہیں جا سکتا، اگر حمیدہ اچھی ہوتی اور پیسہ پاس ہوتا تو جاکر کسی گوشہ میں پڑ جاتا اور اپنا علاج کراتا۔ لاہور جاکر وہاں ایک مشہور و معروف حکیم صاحب جن سے تہور صاحب نے مجھے ملایا تھا، علاج کروانے کا اپریل میں وعدہ تھا۔ اب چاہتا تھا کہ ہر ہفتہ آپریشن کے لئے وہاں چلا جایا کروں مگر حمیدہ، مکان، پریس اور مالی حالت سب نے مجبور کر دیا کہ دہلی ہی میں قیام کروں اور حکیم اجمل خاں صاحب سے جو حکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں برسوں سے ان کے نسخے لکھا کرتے تھے، علاج کراؤں۔ وہی حمیدہ دہلی رہ چکے ہیں، اور سول سرجن کے علاج سے بھی فائدہ نہ ہوا تو ان سے یا آلور کے حکیم صاحب سے جو آلور سے علیحدہ ہو کر دہلی آگئے ہیں، حمیدہ کا بھی علاج کرایا جائے گا۔ رہا میں COL. SAIHGAL اور M.S.EYE. SPECIALIST کو آنکھ دکھائی تھی۔ ڈاکٹر صاحب کہ غالباً پانی آرہا ہے وہ کچھ نہ کہہ سکے، نہ علاج کہہ سکے اور کہا کہ دہلی میں تھوڑے تھوڑے عرصے کے بعد ڈاکٹر کو آنکھ دکھاتے رہنا چنانچہ ڈاکٹر نبیہ کو سول ہاسپٹل جاکر گھنٹہ سوا گھنٹہ تک آنکھ دکھائی۔ سب ذیابیطس کا اثر ہے اور پانی آرہا ہے جب بالکل آجائے گا تو آپریشن ہو سکے گا۔ لیکن ایک ذیابیطس کا آپریشن ملک الموت کے لئے پھاٹک کھول دیتا ہے اس لئے ممکن ہے کہ کوئی اور طریقہ علاج کا ڈھونڈا جائے۔ پاؤں میں احساس کی کمی روز کم ہوتی جاتی ہے اور اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لکڑی کے پاؤں ہیں۔ مگر افسوس کہ لکڑی کے بھی نہیں کہ درد سے تو بچوں اور آپریشن کا تو اندیشہ نہ رہے۔ ایسی حالت میں مجبور ہوں کہ کوئی کام نہیں کر سکتا اور گو بمبئی آنے کا قطعی ارادہ تھا اور لہ پر روشنی ڈالنے کا تہیہ کر چکا تھا مگر مختلف مجبوریوں کے باعث اس INQUIRY میں بھی شریک نہیں ہو سکتا۔ حقیقتاً اگر یہ INQUIRY بجائے بمبئی کے دہلی میں بھی ہوتی تو اس کے لئے وقت نکالنا مشکل ہوتا۔

اب تک پریس کے فروخت کرانے کی اجازت DEBENTURE HOLDERS سے نہیں لی اس کے گاہک فراہم کرنے کا کام بھی مطلق نہیں کر سکا ہوں۔ خود مردوں کی طرح ہوں اور ایک اپنے سے بھی سخت معذور لڑکی کی تیمارداری میں مصروف ہوں اور نہیں جانتا کہ کل کو میرا رزاق میرا رزق کہاں سے دلوائے گا۔ ایسا آدمی سب دنیوی کاموں سے معذور ہے اور مجھے معذور سمجھئے اور میرے لئے دعا کیجئے۔

میرا آئندہ کے لئے یہ پروگرام ہے کہ ان جملہ مشغولیتوں سے بچا چھڑا کر قرول باغ میں رہوں اور روزانہ ایک انگریزی اور ایک اردو میں لکھوں، دونوں اسلام کے متعلق اپنے خیالات پریشاں کا مجموعہ اور ان سے جتنا زیادہ سے زیادہ ہو سکے روٹی پیدا کرنے کے لئے، اپنا سفرنامہ دو تین ماہ میں کہ ڈالوں اور چھپوا دوں۔ دیکھئے کہ اس کے لئے بھی فرصت اور سکون نصیب ہوتا ہے یا نہیں۔ اس وقت تو کل کے کھانے کو بھی کچھ نہیں۔

اترسوں شام کو دو مسلمان نوجوانوں سے جو DAILY CHRONICAL میں کام کرتے ہیں معلوم ہوا کہ

لہ یہ لفظ پڑھا نہیں گیا۔

شاہ امان اللہ خاں اور ان کے رفقا اور عزیز دہلی سے صبح کو گذریں گے۔ چیف کمشنر سے ٹیلیفون پر دریافت کرنے پر اس کی تصدیق ہوئی اور معلوم ہوا کہ اگر میں جاکر ملنا چاہوں تو کوئی روک ٹوک نہیں ہے اور اگرچہ وہ خود اسٹیشن پر نہ ہوں گے، حکومت دہلی کی طرف سے کوئی اور شخص تاہم پولس کے عہدہ دار انتظام کے لئے موجود ہوں گے اور MAJOR WICKHAM کو مٹھ سے ہمراہ آرہے ہیں ان سے ملنا کافی ہوگا۔ چنانچہ ۹ بجے گھر پہنچ کر کپڑے بدلے اور سوا چھ بجے اسٹیشن پر پہنچ گیا معلوم ہوا کہ گاڑی پانچ گھنٹے دیر سے آرہی ہے۔ احتیاطاً اسٹیشن والوں سے کہہ گیا کہ اگر کچھ وقت گاڑی پہلے یا پیچھے آنے والی ہو تو ماجد کے ایک پڑوسی کے ہاں مجھے ٹیلیفون کر دیں، چنانچہ ایسا ہی ہوا اور یہ خبر پاکر کہ ٹرین دس بجے پہنچ جائے گی، میں سوا نو بجے ماجد کے مکان پر چل کر ۱۰ بجے اسٹیشن پہنچ گیا۔ ہندو اخبارات INTERVIEW مانگتے تھے مگر میں نے پیچھا چھڑایا۔ دس کے قریب یکایک اسپیشل آگئی۔ ہر شخص کو اجازت تھی کہ پلیٹ فارم پر آئے اور پولس کا صرف اسی قدر انتظام تھا کہ جب گاڑی رک گئی اور اس میں سے بلوچستان کے مسلح پولس والے دس بیس آدمی نکلے تو تماشائی چند قدم پیچھے کھڑے کر دئے گئے۔ میں نے MAJOR WICKHAM سے ملاقات کر کے اعلیحضرت سے ملنے کی خواہش ظاہر کی جو ان کے وزیر تک پہنچا دی گئی مگر میجر وکھم نے کہا کہ غالباً وہ کسی سے نہ ملیں گے، ان کے پاس کپڑے تک نہیں ہیں۔ اتنے میں ان کے چند رفقا اور عزیز گاڑیوں سے اتر کر دوسری گاڑیوں میں جانے والے تھے۔ میں نے سب کو سلام کیا۔ انہی میں امیر یا سردار عنایت اللہ خاں بھی تھے جن کی شکل حبیب اللہ خاں سے کس قدر ملتی ہے اور جسم بھی بھاری پڑ رہا ہے اور چہرہ بھی گول ہے۔ مجھ سے مصافحہ کیا، مگر جب میں نے ہاتھ کو بوسہ دینا چاہا تو ہاتھ شرافت کے ساتھ کھینچ لیا۔ میرا مزاج پوچھا، میں نے کہا کہ اچھا نہیں ہوں، پوچھا بیمار ہو؟ میں نے کہا بیمار اور اس سے زیادہ سوگوار۔ اسلام، مسلمانانِ عالم، ایشیا، افغانستان، ہندوستان اور ان کے خاندان کے حال پر۔۔۔ حسرت بھرے لہجہ میں شکریہ ادا کر کے جلد رخصت ہو گئے۔ اس وقت ان لوگوں سے زیادہ گفتگو کرنا بھی انہیں تکلیف پہنچانا تھا اس لئے میں نے غایت اللہ خاں صاحب کو روکنا نہ چاہا۔ اس کے بعد عبدالہادی خاں صاحب سے بھی ملاقات ہوئی، خود ہی کہا کہ میں عبدالہادی ہوں۔ میں نے ان کے ہاتھ کو بوسہ دیا، انہوں نے میرے ہاتھ کو، میں نے کہا کہ اعلیحضرت کو اگر اطلاع دے دی جائے کہ میں خراج ہمدردی لے کر حاضر ہوا ہوں تو ممنون ہوں گا، کہا ضرور عرض کر دوں گا اس کے بعد لالہ گردھاری لال اور "تیج" کا نمائندہ "ویش بندھو" گپتا اور ہندوستان ٹائمز کے ایڈیٹر صاحب جناب مسٹر ساہنی اور چند اور ہندو اور بھائی احسان اور فری پریس وغیرہ کے چند نمائندے آگئے اور کچھ کیمرہ والے بھی اور عبدالہادی خاں صاحب سے کہا کہ ہم ہنود کی طرف سے حاضر ہوئے ہیں اور ملنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے پوچھا کہ کیا کسی PUBLIC MEETING میں ان کا اس کام کے لئے انتخاب ہوا تھا، تو کہا کہ جلسہ کیسا؟ ہمیں تو صرف گھنٹہ بھر پیشتر ورود اعلیحضرت کا علم ہوا ہے۔ اعلیحضرت نے ان کے لائے ہوئے تھوڑے سے پھل قبول کر لئے اور بلا ملے ہی ان کا شکریہ ادا کر دیا۔ عبدالہادی خاں نے مجھ سے آکر بھی کہا کہ اعلیحضرت شکور ہیں اور انہوں نے یا ان کے کسی اور ساتھی نے مجھ سے کہا تھا کہ آپ کی ہمدردی تو آج کی نہیں ہے، بلکہ ہمیشہ کی ہے۔ دوبار غلام جیلانی خاں سے ملا۔ عبدالہادی خاں تو معمولی پشاور کا سا لباس پہنے ہوئے تھے۔ البتہ زیادہ تر لوگ نیلگوں GREY رنگ کی کسی سوتی کپڑے کی چوڑی دار جرسیں پہنے ہوئے تھے، جو ممکن ہے کہ MILITARY UNIFORM ہوں۔ امیر عنایت اللہ خاں اور

غلام جیلانی خاں دونوں کوٹ اتارے ہوئے تھے اور غالباً شہزادے بھی کوٹ اتارے ہوئے تھے اور
محسوس کر رہے تھے۔ غلام جیلانی خاں کی تو داڑھی بھی چار پانچ دن سے نہیں منڈی تھی اور ٹھنڈی پر ذرا سی
اس کے لگ بھگ منڈی ہوئی داڑھی بھی آ پہنچی تھی۔ عبدالہادی خاں اور غلام جیلانی خاں دونوں نے انکار کیا
CIVIL & MILITARY میں چھپا تھا کوئی لڑائی ہوئی اور شاہ امان اللہ خاں کے ڈھائی ہزار آدمی ما
نے کہا کہ کوئی جنگ نہیں ہوئی اور اعلیحضرت نے خوں ریزی سے احتراز کیا اور جنگ نہیں کی۔ غلام جیلانی
شکایت کی کہ تم انگورا گئے اور مجھ سے نہ ملے۔ میں نے کہا کہ پورا ارادہ تھا لیکن جب معظم کمال پاشا نے ا
تو مجھے بے حد غصہ آیا اور میں فوراً چل دیا اور بھول گیا کہ ابھی آپ سے ملا بھی نہ تھا۔ جب ریل چل دی تب
ہوا۔ میں نے بجاجت سے ان سے معافی چاہی اور پوچھا کہ کیا انہوں نے میرے بیان کو باور کر کے
تو انہوں نے کہا کہ ہاں، آپ معذور تھے۔ میں نے غلام نبی خاں صاحب کا اپنے ساتھ دہلی میں کھانا کھا
پھر ان کے ساتھ پیرس میں افغانی کھانا کھانے کا ذکر کیا۔ کہا کہ مزار شریف ان کے قبضہ میں ہے اور وہ
قندھار صرف پانچ دن پہلے آیا تھا۔ کہا کہ توفیق رشدی بک سے تمہاری ساری گفتگو سنتی تھی۔ وہ مجھ سے
مگر میں سمجھتا ہوں کہ وہ رک کر ملے اور سوائے FORMAL COURTESY کے اور کچھ نہ تھا۔ شاہ امان
کے اس طرح شکریہ ادا کرنے سے میں نے سمجھ لیا کہ وہ ملنا نہیں چاہتے یا ان سے کوئی عہد لے لیا گیا ہے کہ
میں نے غلام جیلانی خاں سے جب کہا کہ میں ہدیۂ ہمدردی پیش کرنا چاہتا ہوں تو کہا کہ میں وزیر صاحب سے
مگر میرا خیال ہے کہ یہ بھی ٹالنے کے لئے تھا۔ دونوں بار انہوں نے خود ہی رخصت ہونے کے الفاظ استع
مجھے محسوس ہوا کہ وہ زیادہ گفتگو سے بھی گھبراتے ہیں۔ البتہ ایک اور شخص جس کے خشخاشی داڑھی تھی اور جو
اور فارسی بھی، وہ نہایت محبت اور جوش سے ملا۔ اس کے ذریعہ میں نے عنایت اللہ خاں صاحب کا
کہ اگر ممکن ہو تو میں مل لوں۔ اس نے تھوڑی دیر بعد آکر جواب دیا کہ وہ سخت متاسف ہیں۔ کوئی جگہ نہیں جہ
وہ گفتگو کر سکیں۔ ایک SALOON CARRIAGE میں وہ اور ان کی مستورات تھیں اور ایک میں
اور ان کے بال بچے اور ان دو SALOON CARRIAGES کے علاوہ چند فرسٹ کلاس کے درجہ
تھے۔ ایک DINNING CAR بھی تھی اور SALOON CARRIAGES میں بھی CHEN
تھے مگر ایک آدھ نوکر کے سوا اس میں کچھ نہ تھا۔ دہلی کے اسٹیشن پر مسلم ریفریشمنٹ روم سے کچھ کھانا پکو
میں نے اسٹیشن سپرنٹنڈنٹ کو یہ کہتے سنا تھا کہ چند ڈبے انہوں نے منگائے ہیں، وہ بھی چڑھانے
ڈپٹی کمشنر گاڑی آنے کے بعد ہی آگیا تھا اور غالباً سپرنٹنڈنٹ پولس بھی۔ ڈپٹی کمشنر کے ساتھ دو نئے چھوٹے
کے بنے ہوئے SUIT CASES تھے اور دو نہایت ہی سستے CUSHIONS جن پر نہ بھالر ٹائپ
کا کوئی COVER وغیرہ تھا، بالکل اس طرح کے جس طرح کے کوئی مسافر اسٹیشن پر خرید کر سر کے نیچے بطو
نہ معلوم کسی کے پاس بستر بھی تھے یا انہی تکیوں پر تکیہ کرنا پڑا تھا۔ BAGGAGE کہیں کچھ بھی نظر نہ آیا۔ ص

نوکروں کے پاس ایک آدھ چمڑے کا ولایتی CABIN TRUNK تھا اور نہ معلوم وہ بیچارہ کہاں کا تھا یا شاہ امان اللہ خاں کے رفقائے سفر میں سے کسی کا۔ بعد کو سنا ہے کہ چند جوڑے جوتوں کے بھی بازار سے لائے گئے تھے۔ پانچ چھ بجے برف کی ٹرین کے رُکتے ہی رکھوا دی گئی تھیں۔ ٹرین کے رُکنے کے بعد ہی شاہ امان اللہ خاں کی گاڑی کی کھڑکیاں اندر سے چڑھا دی گئی تھیں لیکن پلیٹ فارم کی دوسری طرف میں نے لوگوں کو اس طرح کھڑا دیکھا کہ گویا اُدھر سے کھڑکی کھلی ہوئی ہے اور کچھ دکھائی دے رہا ہے۔ چنانچہ میرے آدھ گھنٹہ کھڑا رہنے کے بعد ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ دوسری طرف کی کھڑکی کھلی ہے اور امان اللہ خاں نظر آ رہے ہیں، مگر میں نے اُدھر جانا مناسب نہ سمجھا۔ ان کو اس حالت میں دیکھنا ہم دونوں کے لئے تکلیف دہ ہوتا۔ اس لئے میں ان کی گاڑی کے قریب ہی باورچی خانہ کی گاڑی کے دروازے پر کھڑا رہا جہاں سے کہ ان کے وزیر وغیرہ ان کے درجہ میں جاتے تھے۔ طارق یہاں میرے ساتھ رہے اور نہایت مؤدب اور خاموش کھڑے رہے اور دو تین وزیر صاحب اور دوسرے لوگوں سے مصافحہ بھی کیا۔ عنایت اللہ خاں صاحب کے SALOON کی کھڑکیاں بھی بند تھیں۔ ٹرین پورے گھنٹہ بھر کے بعد دہلی سے روانہ ہوئی۔ نہ معلوم آپ COLABA گئے تھے یا نہیں۔ میں نے عبدالہادی خاں صاحب اور غلام جیلانی خاں صاحب سے جنہوں نے آپ کے متعلق پوچھا کہہ دیا کہ آپ لیبئی میں ہیں، اور انشاء اللہ ضرور ملاقات کریں گے۔

یہ تمام منظر میرے لئے سخت دردانگیز تھا اور میری آنکھوں میں بار بار آنسو ڈبڈبا آتے تھے۔ "تُملک الملک من تشاء و تنزع الملک ممن تشاء و تعز من تشاء و تذل من تشاء بیدک الخیر انک علیٰ کل شئ قدیر۔ دیکھئے اب افغانستان کا کیا حشر ہوتا ہے اور ہندوستان پر اس کا ردِ عمل کیا ہوتا ہے۔ اب اس طول طویل داستان کو ختم کرتا ہوں چار پانچ دن ہوئے اسے شروع کیا تھا اور ۱۲ صفحہ لکھ کر چھوڑنا پڑا تھا۔ آج صبح سے بغیر غسل و وضو و سنہ و حوالے کے اسے شروع کیا تو اس وقت جب کہ ایک ناشتہ نہ کرنے والے شخص کو سوا بارہ بجے سخت بھوک لگ رہی ہے، ختم کرتا ہوں یہ خلافت ہیں ہرگز ہرگز شائع نہ کیجئے گا۔ صرف دوست احباب کو دکھایا جا سکتا ہے، اور وہ بھی اگر آپ کو اس کی ضرورت محسوس ہو، ورنہ صرف آپ کے لئے لکھا گیا ہے۔ خدارا صورت حالات کے سمجھنے میں غلطی نہ کیجئے۔ نہ میں خدا سے مایوس ہوں نہ اپنے نفس سے، لیکن اس وقت جو فیصلہ کیا ہے وہی صحیح ہے، خلافت کے کام کے لئے ہر وقت حاضر ہوں، الا ماشاء اللہ جب آج کی سی مجبوریاں دہلی میں قید کر دیں۔ ڈاکٹر انصاری کا خط پڑھا۔ خدا اس شخص پر رحم کرے۔ اسے سوائے اپنے دنیا میں کوئی مظلوم اور معصوم نظر ہی نہیں آتا۔ اب آپ کسی کی خوشامد نہ کیجئے۔ یہ آپ کی غیر ضروری بلکہ نامناسب فروتنی ہی تھی جس نے پہلے مجھے اور اب آپ کو بھی گالیاں دلوائیں۔ سب کا سلام۔

آپ کا پریشاں حال بھائی:
محمد علی

(۸)

بنام مہر صاحب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

برادرم مہر!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ تمہارا ایک طول طویل محبت نامہ بہ انداز صحافت "تحریر کردہ مجھے چلتے وقت ملا تھا اور شاید نمبر میں روانہ مختصر محبت نامہ ملا جس میں امید ظاہر کی گئی تھی کہ میں ضرور اس کا جواب دوں گا۔ پہلے خط کا جواب دینا ایک بڑھی ہوئی بحث کو اور بڑھانا تھا اور میں اس سے تنگ آگیا تھا اس لئے جواب دینا نہ چاہا مگر دوسرے محبت نامہ کا جواب ضرور دیتا اگر سر کھجانے کی بھی فرصت ملتی۔ اتنا دور دراز کا سفر اس طرح کیا گیا تھا کہ پانچ منٹ بھی راحت سفر باندھنے کے لئے نہ ملے تھے۔ یہی نہیں زاد راہ مہیا کرنے کے لئے بھی وقت نہ ملا تھا۔ کیونکہ جو کچھ میری ریپوزہ گری کے باعث ملا تھا وہ سب "ہمدرد" کو کریڈٹ دینے قرض ادا کرنے کے لئے تھا اور وہ بھی ناکافی تھا۔ میرے لئے، بچوں کے لئے اور "ہمدرد" کے جاری رکھنے کے لئے کچھ بھی نہ تھا۔ چلنے سے دو تین روز پیشتر ہی میری بیوی کا کچھ روپیہ ان کے بھائی کے پاس تھا اس میں سے دو ہزار راستے میں دینے جانے کا وعدہ کیا گیا تو جان میں جان پڑی۔ ایک دوست نے کچھ آخری دن دیا تو وہ بچوں کے کھانے کے لئے چھوڑ گئی۔ علاوہ بیماری کی فکر کے اور علاج کے باعث فرصت نہ ہونے کے مرکزی خلافت کمیٹی کے جلسے، کانگریس کمیٹی کے احمد آباد والے جلسے اور سب سے زیادہ دہلی کی خلافت کانفرنس کے جلسے نے مصروف رکھا تھا۔ بمبئی جاکر ایک دو دن ملے تو کچھ رخت سفر درست کیا۔ ٹیکسی کے کرایے نے ادھیڑ ڈالا مگر وقت کی کمی کے باعث ٹیکسی لینا ناگزیر امر تھا۔ اس روا روی میں باوجود کوشش کے تمہارے مختصر محبت نامہ کا بھی جواب نہ دے سکا۔ معافی کا خواستگار ہوں۔

یہ معذرت میرے ذمہ باقی تھی۔ قرضہ ادا کر کے اب تمہارے آخری محبت نامہ کا جواب مختصراً دیتا ہوں اس لئے کہ رپورٹ کی تیاری میں ہم سب لوگ مشغول ہیں اور ملنے والوں کے ہجوم کے باعث اس کے لئے بھی وقت نہیں ملتا۔

حج و زیارت پر مبارکباد کا شکریہ قبول کرو۔ بھائی خدا کے گھر اور رسول خدا (روحی فداہ) کے مرقد منور کی زیارت کو جاتے وقت ہم میں سے گنہگار سے گنہگار بھی (جیسا کہ میں ہوں) نیت کو بخیر کرنے اور رکھنے کی کوشش کرتا ہے، میں نے بھی یہی کوشش کی۔ اب یہ کوشش کامیاب ہوئی یا ناکام رہی اسے وہی خدا جانتا ہے جو نیتوں کا پرکھنے والا ہے۔ اسلام اور خدا کے گھر اور رسول خدا کے مولد و مدفن کی بہتری کے لئے جو کچھ ہم کر سکتے تھے ہم نے کیا۔ جو کچھ وہاں دیکھا ہے اور جو جو اثر دل پر ہوا اس کو یہاں آکر بیان کر رہے ہیں اور وہ بھی آئندہ کام کے جاری رکھنے کی غرض سے۔ مسلمانوں کی سب سے بڑی ضرورت اتحاد و اتفاق ہے مگر اتحاد و اتفاق اسی وقت اچھا ہے جبکہ حق پر ہو، ورنہ باطل پر اتفاق تو نہایت آسانی سے ہو سکتا ہے۔ خدا سے دعا ہے کہ جو کوششیں ہم سب مسلمانوں کو حق پر متحد کرنے کی کر رہے ہیں ان کو کامیاب کرے۔ ہم

یا کسی اور جماعت سے لڑنا نہیں چاہتے مگر جس طرح ضرورت کے وقت احناف کی ایک جماعت کی مخالفت
ے ڈرے اور ان سے ہم نے اختلاف کیا اسی طرح ضرورت پڑے گی تو اہل حدیث کی جماعت کی مخالفت سے ہم
ہیں ڈریں گے اور اختلاف کریں گے۔ دعا کرو کہ خدا حق سے نہ پھیرے اور کسی جماعت کی باطل پرستی ہم کو
پر آمادہ نہ کرے بلکہ عدل و قسط پر اور حق پر ہم کو قائم رکھے۔ شوکت صاحب کا سلام شوق بھی میرے سلام شوق
شامل ہے اور میری بیوی کی طرف سے بھی تبریک و تہنیت کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔ میری صحت یہاں اتنی خراب تھی
زیارت اور اسلام کی خدمت مقصود سفر نہ ہوتے تو اتنے دور دراز کا سفر اور وہ بھی بغیر طبی مشیر کی ہمراہی کے ہرگز نہ کیا
للہ کہ صحت قیاس سے کہیں بہتر رہی۔ البتہ غالب کا ایک شعر صادق آتا ہے ؎

موت ان کی ہے جو بس مر کے وہیں دفن ہوئے
زندگی ان کی جو اس کوچے سے گھائل آئے

ب بار تو DIABETIC NEURITIS نے فالج کی شکل پیدا کر دی تھی اور موتر کے دوسرے اجلاس میں اسی
یر ہوئی۔ خیال ہوا کہ میاں کی طرف سے بلاوا آ گیا اور باوجود اپنے گناہوں کے ان کی رحمت کے تصور سے مطمئن
ش اور مگن۔ خیر مر کے وہیں دفن ہونے (اور نجدیوں کے ہاتھ سے ہڈیوں کے منتشر کئے جانے) کی نوبت تو نہ
کوچے سے گھائل آنے کے سبب بہ ظاہر ایک نئی زندگی پا کر آیا ہوں۔ امید تو یہ ہے کہ دو شگافوں میں سے
ے میں جو مدینہ منورہ میں دیا گیا تھا ذرا سا چھید ہمیشہ باقی رہے گا۔ ذٰلک من فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ

اب رخصت ہوتا ہوں۔ دیکھو کب ملنا نصیب ہو۔ لاہور اور پنجاب آنے کا ارادہ تو ضرور ہے بشرطیکہ میرے
ے کہیں اور انتشار نہ بڑھ جائے۔

اب یہ لکھو کہ "زمیندار" میں ہو یا قطع تعلق ہو گیا۔ آئندہ کیا ارادہ ہے؟ والسلام!

تمہارا خیر طلب بھائی: محمد علی

---

(۹)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرمی نیرنگ صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ پرسوں کنور عبدالوہاب خاں صاحب تشریف لائے تھے اور ان سے اس
حال معلوم ہوا تھا جو چند حضرات ایک مسلم کانفرنس کو امرتسر میں دینا چاہتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا تھا کہ تمہارے نام بھی
بھی گرامی نامے کا جواب ان کے حجاز جانے سے پیشتر دے دیا تھا۔ پھر وہ حج و زیارت سے مشرف ہو کر واپس آئے
یم تبریک پیش کیا۔ یہ گرامی نامہ اس کا جواب ہے۔ مہر

دعوتی خط آئے گا تاکہ داعیوں میں شریک ہو۔ جو کچھ میں نے ان کی خدمت میں عرض کیا تھا وہی آپ کی خدمت میں بھی عرض کرتا ہوں۔ میں مسلمانوں کی مختلف عناصر کی کانفرنس کو ہندو مسلمانوں کی اتحادی کانفرنس سے بھی زیادہ ضروری سمجھتا تھا اور ہے مسلمانوں کی ایک یونٹی کانفرنس کو مختلف اقوام کی یونٹی کانفرنس سے پہلے منعقد ہونا چاہیئے تھا۔ اگر حماتما جی نے ایک نہایت خطرناک برت نہ رکھ لیا ہوتا تو گذشتہ ستمبر کی یونٹی کانفرنس کا انعقاد بعد میں ہوا ہوتا اور مسلمانوں کی یونٹی کانفرنس کا انعقاد پہلے اوس کے بعد بھی جب کنور عبدالوہاب خاں صاحب نے اس کی طرف مجھے متوجہ کیا تو میں نے ان کی رائے سے اتفاق کیا اور حکیم صاحب اور بھائی سے اس کا ذکر کیا چنانچہ سب نے اتفاق کیا مگر کانگریس کے اجلاس سے پیشتر کوئی انتظام بہ مشکل نظر آیا۔ کانگریس سے واپسی پر بھائی نے اس کی تحریک مسلم لیگ کے جلسے میں کی اور بڑی مشکلوں سے کثرت رائے حاصل کر کے اپنی تحریک کو منظور کرایا۔ تاہم جیسا کہ تمام ..... جماعتوں کا قاعدہ ہے اگر کوئی چیز ان نمائندوں کی مرضی کے خلاف کثرت رائے سے منظور بھی ہو گئی تو یہ لوگ عمل میں تساہل کرتے ہیں یہاں تک کہ وہ چیز کھٹائی میں پڑ جاتی اور تعمیل کا نام بھی نہیں آتا۔ مسلم لیگ نے آل پارٹیز کے اجتماع کے لئے ایک جلسہ ۲۳ جنوری کو طلب کیا مگر باوجود بہ روپے کے تار کے شوکت صاحب کو اس تحریک کے مطابق مسلمانوں کے تمام فریقوں کا آج تک اجتماع نہ ہو سکا آپ کو یاد ہوگا کہ گذشتہ جون میں خلافت کمیٹی کا جلسہ دہلی میں ہوا تھا۔ اس موقع پر بھی مسلمانوں کے تمام فریقوں کو دعوت دی گئی تھی کہ قومی تنظیم کے مسئلہ پر غور کرنے کے لئے دہلی میں مجتمع ہوں۔ اس کے جواب میں بھی مسلم لیگ کے لوگ شریک نہ ہوئے اس لئے شوکت صاحب نے خیال کیا کہ بہتر ہوگا اگر بجائے خلافت کے یہ دعوت خود لیگ کی طرف سے دی جائے لیکن نتیجہ وہی ہوا کہ کوئی اجتماع آج تک نہ ہو سکا۔ مسلم لیگ کی کونسل اور مسلمانوں کا جو اجتماع جنوری گذشتہ میں یہاں ہوا تھا وہ صرف اسی غرض سے تھا کہ ہندوؤں کے مقابلہ میں مسلم لیگ کے خدا وند ہماری تائید حاصل کریں اور چونکہ ہم ان کے تمام خیالات سے متفق نہ تھے اس لئے یہ تو نہ ہوا لیکن پھر بھی ہمیں کو جھکنا پڑا اور مروت کے خیال سے ہم نے کہہ دیا کہ بہت اچھا، آپ اپنے مطالبات کو مسلمانوں کی طرف سے پیش کریں ہم آپ کو پورا موقع دیں گے کہ آپ ہندوؤں کو ان کے پورا کرنے پر راضی کر لیں، تاکہ کل کو یہ نہ ہو کہ آپ شکایت کریں کہ ہندو تو ہمارے مطالبات پورا کرنے پر راضی تھے مگر تمہاری مخالفت نے ان کو روک دیا۔ جناح صاحب اور ان کے ساتھیوں کو پورا موقع دیا گیا کہ وہ اپنے مطالبات پیش کر کے ہندو کو راضی کریں لیکن اس میں انہیں مطلق کامیابی نہ ہوئی اور اجتماع کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ اس کے بعد نہ لیگ کے سیکرٹری صاحب نے، نہ صدر صاحب نے اس ریزولیوشن پر توجہ کی جسے شوکت صاحب نے لیگ میں پیش کر کے منظور کرایا تھا اور مسلمانوں کی آل پارٹیز کانفرنس آج تک جمع نہ ہو سکی۔ الحمد للہ کہ آپ نے اس طرف توجہ فرمائی ہے مگر میں نہیں دیکھتا کہ داعیوں میں مختلف الخیال اور متفرق عناصر شامل ہیں۔ میں نے چھوٹتے ہی کنور صاحب سے پرسوں کہہ دیا تھا کہ اگر اس کانفرنس کا مقصود یہ ہے کہ مختلف الخیال لوگ ایک جگہ جمع ہوں اور فیصلہ کریں کہ مسلمانوں کا وفد کس طرح چلے اور کیا کیا عنصر کس کس طریقہ پر کس کس کام کو کرنے کے لئے تیار ہے اور اس پر اصرار کرنا مقصود نہیں ہے کہ ہم بھی ترک موالات چھوڑ کر موالاتیوں کے طریقوں پر چلنے لگیں تو میں کانفرنس میں بھی شریک ہو سکتا ہوں اور

اس سے کے داعیوں میں بھی۔ لیکن اگر مقصود وہی ہے جو بعض ہمارے پنجابی اور دیگر بھائیوں کا گذشتہ اجلاس خلافت کمیٹی منعقدہ ۲۴ مارچ بمقام دہلی میں تھا، یعنی ترک موالات کو ہم سے ترک کرانا تو میں اس دعوت الی الشر میں شریک نہیں ہو سکتا اور نہ اس کے داعیوں میں۔ ترک موالات کی مشکلات سے میں ناواقف نہیں لیکن دین اور اسلام کی راہ میں ان سے کہیں تکلیف دہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور ہم کو بھی کرنا پڑے گا۔ جو صاحب ۱۹۲۰ء میں ہمارے ساتھ نہ تھے وہ آج بھی ہمارے ساتھ نہ ہوں تو کچھ تعجب کی بات نہیں لیکن جو صاحب اس وقت تارک موالات تھے وہ آج مشکلات سے گھبرا کر موالات کی طرف جائیں تو ان کو مبارک ہو مگر میں تو ادھر طرف قدم نہیں اٹھا سکتا۔ تبلیغ عبادین و ایمان ہے۔ خلافت تنظیم مسلمانان کا نام ہے اور قیام اس کے لئے اس تنظیم کی ضرورت ہے۔ اسلام گوشہ نشینوں اور تسبیح بھانجنے والوں کا مذہب نہیں ہے۔ سیاست بھی تنظیم مسلمانان کا ایک لازمی جزو ہے اور ہم کو ایک اسلامی سیاست کو ہر وقت پیش نظر رکھنا ہے جس میں غیر مسلموں کے ہر گروہ کے ساتھ ہمارا سیاسی تعلق صاف اور غیر مشتبہ نظر آسکے۔ موجودہ "کمزوری بلکہ بے حسی اور ناکارگی" جس کا آپ نے ذکر فرمایا ہے اور جسے آپ دور کرنا چاہتے ہیں محض "بدنظمی" کے باعث نہیں ہے، بلکہ اس باعث ہے کہ ایک جماعت جس میں بگڑی پڑھے لکھے مسلمان اور علماء بھی زیادہ تعداد میں شامل ہیں ایسے "نظم" کو قائم کرانا چاہتے ہیں کہ جس میں ان کے نزدیک وہ مصیبتیں سہنا نہیں پڑیں گی جو ترک موالات میں ہم کو سہنا پڑتی ہیں۔ "متفرق اور متضاد عناصر کا تصادم" دور کرنا بہت اچھا ہے مگر یہ اسی طرح ہو سکتا ہے کہ جو لوگ تارک موالات نہیں ہیں وہ بھی تارک موالات ہو جائیں۔ پھر تو نہ کوئی تفرقہ و تضاد باقی رہے گا اور نہ کوئی تصادم ہوگا یا کم از کم اس طرح ہو سکتا ہے کہ جو حضرات تارک موالات نہیں ہیں وہ صاف کہہ دیں کہ بھائی ہم ان تکالیف کے لئے تیار نہیں ہیں جو ترک موالات میں برداشت کرنا پڑتی ہیں۔ ہم اپنی حد میں رہ کر فلاں فلاں خدمت قوم کی کریں گے۔ جو تارک موالات ہیں وہ مصیبتیں جھیلیں اور اس دشوار گذار راہ سے گذریں، ہماری دعائیں ان کے ساتھ ہیں لیکن اگر "رخصت" چاہنے والے نہ "عزیمت" والے بنیں، نہ اپنے آپ کو "رخصت" چاہنے والا سمجھیں، بلکہ سنہ بہ کر کے اپنے آپ کو "نفس مطمئنہ" والا کہنے لگیں، حالانکہ ہوں "نفس امارہ" کے پنجے میں اور اپنے آپ کو صاحب "عزیمت" سمجھ کر حقیقی صاحبان "عزیمت" کو "رخصت" بھی نہ دیں تو ایسی جماعت کی شرکت خطرہ سے خالی نہیں اور اس کی دعوت، دعوت الی الخیر نہیں بلکہ دعوت الی الشر ہے۔

بھائی نبرنگ! مجھ سے زیادہ میری کمزوریوں کو صرف خدا ہی جانتا ہے۔ میں نیکی کا دم نہیں بھرتا، پاکی کا دعویٰ نہیں کرتا، لیکن یہ جانتا ہوں کہ ایمان کی حفاظت میں ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ جب کھڑا ہونے والا چلنے والے سے اچھا ہوتا ہے اور بیٹھنے والا کھڑے ہونے والے سے۔ میں اگر اپنے میں اتنی قوت نہیں دیکھتا کہ نیکی کی طرف لپکوں تو کم سے کم برائی کی طرف سرکنا بھی نہیں چاہتا اور بہتر یہی ہے کہ جہاں ہوں وہیں کی زمین پکڑ کر بیٹھ جاؤں۔ جو صاحبوں کی فہرست بطور داعیوں کے آپ نے ارسال کی ہے ان کو دعوت، مولانا ظفر علی خاں صاحب کی صدارت اور (معاف کرنا) پنجاب کا اس کانفرنس کی جائے وقوع قرار پانا یہ سب چیزیں مل کر ایک ایسا اجتماع پیدا کر دیتی ہیں جیسے پنجاب کے پانچوں دریا مل جائیں اور جہاں پانی پایاب بھی ہوں وہاں بھی دھارا اس زور سے بہے کہ عبور کرنا

کے پاؤں اکھڑ جائیں اور دریا کی رَو کے ساتھ بہنے کے سوا کوئی چارہ نظر نہ آئے۔ اس دھار کی تیزی میں آج ہمارا کل کے بننے کا پیش خیمہ ہے۔ میں آپ کو جانتا ہوں۔ آپ صحیح معنوں میں شاعر ہیں، آپ کے دل میں مذہب اور قوم کا عشق ہے آپ کیوں ان سوداگروں کے ساتھ اس سیاسی مول تول میں شریک ہوتے ہیں، اگر آپ کو میں انہی جیسا سمجھتا تو ہرگز یہ کچھ نہ لکھتا جو لکھ رہا ہوں۔

ترسم نہ رسی بہ کعبہ اے اعرابی　　کیں رہ کہ تو می روی بہ ترکستان است

آپ دیکھتے ہیں کہ ایک طرف میں علماء سے دست و گریباں ہونے کے لئے تیار ہوں، لیکن دوسری طرف مصطفےٰ کمال پاشا اور عصمت پاشا کی الغائے خلافت اور SECULAR STATE کا قائل نہیں۔ افراط و تفریط دونوں سے بچنا چاہتا ہوں۔ کنور عبدالوہاب خاں صاحب مجھ سے بھی زیادہ تیکھے جوان ہیں۔ میں شیخ ہوں گو "رام پور افغاناں" میں پیدائش اور عرصہ تک سکونت کے باعث کبھی کبھی "پٹھن ولی" پر اتر آتا ہوں لیکن پھر بھی شیخ ہوں، جب ذرا جوش کم ہوتا ہے اور عقل پھر ہدایت کرنے لگتی ہے تو میں نیچی کر لیتا ہوں۔ کنور صاحب اب تک راجپوت ہیں۔ وہ زود خشم ہیں اور الدالخصام کو چھوڑ کر چھٹ بھیوں پر غصہ اتارنے لگتے ہیں مگر ماشاء اللہ آپ جوش اسلامی کے ساتھ عقل کا بھی وافر حصہ رکھتے ہیں اور خود شاعر ہیں۔ ایک قرآن کریم کی اس آیت کریمہ پر غور فرمایئے کہ "و قتمعن من الذین اوتوا الکتب من قبلکم و من الذین اشرکوا اذی کثیرا و ان تصبروا و تتقوا فان ذالک من عزم الامور" (آل عمران آخر سے) جس صبر کو وہ میری کمزوری سمجھتے ہیں وہ میرے نزدیک عزم امور ہے۔ پھر غالب کے اس شعر پر غور کیجئے

نفس نہ انجمن آرزو سے باہر کھینچ　　اگر شراب نہیں انتظار ساغر کھینچ

کنور عبدالوہاب خاں صاحب سمجھتے ہیں کہ مجھے پیاس نہیں لگی مگر میرے مذہب میں شراب نہ بھی ملے تب بھی پانی پینا حرام ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ میں ہنود سے مرعوب ہوں اور ان کی خوشامد کرتا ہوں حالانکہ مجھ ہی بدبخت کے یہ شعر ہیں ؎

فرشتوں نے کیا ہے ان کو سجدہ　　نہیں اے بت یہ بندے تیرے بس کے

جو ہر اور صاحبداراں کی خوشامد کیا خوب　　عرش و کرسی پہ گذر ہے ترے درباری کی

اب کی بار آئے تھے تو فرماتے تھے کہ جو کچھ تم کر رہے ہو اسلام کی محبت کی وجہ سے نہیں بلکہ انگریزوں سے بغض کی وجہ سے۔ خیر یہی سہی لیکن ع مرے بت خانے میں تو کعبہ میں گاڑو برہمن کو۔ میری استوازی کی ذرا بھی داد نہ دی اور معتقد بھی ہوئے تو انہی شہیدان امتحانی کے جن میں سے ایک یعنی فرہاد کے متعلق غالب کہہ گذرے ہیں ؎

دلم بر رنج ناپرواری فرہاد می لرزد　　خدا و ندا بیامرزاں شہید امتحانی را

کنور صاحب بھول گئے کہ اب بھی دفعہ ۱۴۴ الف کا وار دفعہ ۱۵۳ الف کے وار سے زیادہ سخت ہوتا ہے اور زیادہ کثرت سے اور بالخصوص آجکل تو دفعہ ۱۵۳ الف کی سزا حکومت کا مقرب بارگاہ بنتا ہے نہ کہ زندانی۔ خیر اب یہ ڈکھڑا کہاں تک روؤں میں تو آج بھی اپنے کو اسی جگہ پاتا ہوں جہاں ۱۹۲۱ء میں تھا۔ ہنود میں غلامی ہم سے زیادہ سرایت کر گئی ہے اسی باعث مسلمان اور راجپوت راستے کے ساتھیوں میں پھر ہو گئے ہیں۔ اگر میں نے راستے بدلی ہے تو صرف اسی قدر جتنے کہ واقعات بدلے ہیں،

ہندو کو مہاتما گاندھی کی طرف مائل دیکھ کر یقین ہوا تھا کہ اس قوم کے بھی دن پھرے ہیں۔ آج انہیں پھر شاید بدبختی
لیکن انہی کے قدم بقدم چل کر مولوی، مالوی اور منشی لاجپت رائے یعنی انہی دو ہندوؤں کی طرح کے مسلمان سردار دیں
یں چاہتا ہے

نہ پیروی قیس نہ فرہاد کریں گے ہم طرز جنوں اور ہی ایجاد کریں گے

کہ آپ ہی نے مجھے یہ راستہ بھولا ہی میں بتایا تھا اور فرمایا تھا کہ لڑائی ہندو مسلمان کی نہیں بلکہ مالویت اور گاندھیت
ندھیت کا ساتھ دے کر ہندوستان اور اسلام کی خدمت کرنا چاہتا ہوں۔ ایک مسلمان کے لئے محض مالویت
رنا اس کو ہندو میں تقریب پہنچانا ہے اور اس میں نہ اسلام کی بہتری ہے نہ ہندوستان کی اور نہ خود ہندوؤں کی۔
پ کا خیال ہو کہ مہاتما گاندھی سے خود بہت سی غلطیاں ہوئی ہیں۔ ایک حد تک میں اس خیال کی تائید کر سکتا ہوں
سان ہیں فرشتے نہیں نہ خدا ہیں۔ ان پر ہندو کا اور بالخصوص ہندو پنجاب کا ایک عرصہ سے زور رہا ہے۔ آپ کو یاد ہوگا
آپ سے سال گذشتہ میں مسلمانوں کی BRIEF مانگی تھی، مگر جس جس سے اس چیز کے لئے کہا گیا اس نے
اخباروں کے پلندوں کے جو میرے سر پر کھینچ کر مارے گئے، مجھے مشکل ہی سے کوئی چیز بھیجی جس کو میں پڑھ کر مہاتما جی
سلمانوں کا CASE پیش کر سکتا یا جس کو مہاتما جی کو دے سکتا۔ ہم میں جوش زیادہ ہے مگر کام کا طریقہ ہم نہیں جانتے۔
تا ہے۔ بہرحال جو کچھ بھی مہاتما جی نے مسلمانوں کے CASE کے متعلق سنا ہے وہ زیادہ تر مجھی سے یا میری ہی
ہے۔ اگر مسلمانوں کی بے صبری، اشتعال پذیری اور پھر صحیح طریقۂ کار سے ناواقفیت کے باعث مہاتما گاندھی کے
ہیں اور ہندو رسم و رواج اور طریق بود و ماند کا پیدائش سے لے کر اس وقت تک بہت کچھ اثر پڑا ہے، اثر ہوا اور
سلمانوں کے متعلق ایک حد تک غلط فیصلہ کیا تو زیادہ تعجب کی بات نہیں۔ ان کے خیالات کی اصلاح کرنا اب
ہے۔ لیکن اس کے لئے وہ سوقیانہ طریقہ ہرگز مفید نہیں ہو سکتا جس کو حضرت مولانا ظفر الملت والدین ظفر علی خاں صاحب
یا ہے۔ بھائی نیرنگ صاحب! افسوس ہے کہ مسلمان پھر اسی طریقہ پر چلنے لگے ہیں جو ابتداً انہوں نے اختیار کیا تھا ؎

جاتا ہوں تھوڑی دور ہر اک تیز رو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہ بر کو میں

بھئے یہ خط بہت طویل ہو گیا اور جیسا کہ دنیا کا کتا میں ہوں اسی طرح کا یہ میرا خط ہو گیا۔ اس میں رشک ہے حسد ہے،
، اپنی نفاظی ہے، خود ستائی ہے لیکن کیا کروں جیسا میں ہوں ویسا ہی اپنے آپ کو ظاہر کرتا ہوں۔ ایک خاتش و فاجر ہوں
وہ کیا کر سکتا ہوں کہ جو کچھ میرے دل میں ہے اس کو ظاہر کر دوں کم سے کم ایک جرم کا ارتکاب تو اب تک نہیں
یعنی تقدس کا دعویٰ نہیں کرتا اور سجدۂ ریائی سے زمین کو کبھی گندہ اور ناپاک نہیں کرتا۔
جو کچھ میرے دل میں تھا وہ سب کہہ گذرا۔ اب اس سے زیادہ کیا لکھوں اگر ایسا شخص آپ کے کسی کام کا ہو تو
ورنہ معذور ہوں۔

محمد علی

(۱۰)

بنام مولوی عرفان صاحب

انیڈیا پارک ہوٹل مانٹن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برادرم عرفان!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ میں تم سے سخت ناراض ہوں اور جو کچھ اثر تم نے میرے دل و دماغ پر پیدا کر لیا تھا وہ تمہارے لمبئی کے قیام میں بتدریج زائل ہوتا جاتا ہے۔ تم نے مجھے خط لکھنا کیوں بند کر دیا؟ بھوپال آنے میں اس قدر تساہل کیوں کیا جب میں لب گور تھا اور اب جب کہ تم کو اخبارات تک سے معلوم ہو گیا کہ میں پریس میں پڑا تھا تب بھی تم نے دو سطریں لکھ کر عیادت اور مزاج پرسی تک نہ کی۔ لطف یہ ہے کہ میری علالت تک کے حالات جو اخبارات میں چھپے تھے وہ آپ کے اڈیٹر صاحب نے خود بقول آپ کے گا رہے اور آپ نے اس کو ایک معمولی چیز سمجھا۔ میں نے پریس میں جو تکلیف اٹھائی وہ ساری عمر کبھی نہ اٹھائی تھی اور حالانکہ بھائی صاحب اور بھتیجے صاحب اور داماد صاحب موجود تھے، ایک دکھیا بیوی کا دم تھا کہ اکیلی تیمارداری کر رہی تھی اور ایک اکیلی بیوی کو خدا زندہ و سلامت رکھے اور برادر کرے کہ وہ غریب صبح کو اپنے کارخانہ جانے سے پیشتر دیکھ بھال کے جاتا تھا اور میرے کام کرتا تھا اور رات کو تھکا ہارا آتا تھا تب بھی گھنٹہ بھر میری دیکھ بھال کرتا تھا، اسپیشلسٹوں کو بھی وہی ڈھونڈھتا تھا اور لاتا تھا اور ان کو تمام معلومات میری علالت کے متعلق بہم پہنچاتا تھا، ان کی ہدایات مجھے سمجھاتا تھا اور دوائیں وغیرہ خرید کر لاتا تھا بلکہ عمل تک اپنے ہاتھ سے تیار کیا کرتا تھا۔ جب سے یہاں آیا ہوں دو بار صاحب فراش ہو چکا ہوں ایک بار تین دن کے لئے ۱۴ر ۱۵ر اور ۱۶ر نومبر کو اور اب ۲۵ نومبر سے صاحب فراش ہوں۔ بیچ میں بھی ایک تکلیف کے بعد سخت تکلیف اٹھائی اور شب کے بارہ تک درد قلنج میں مبتلا رہا اور دو پہر دن گھر سے نہ نکلا۔ لیکن اب تو نکل ہی بھی تو نہیں نکل سکتا۔ دل کی خرابی کے باعث دوران خون ٹھیک نہیں ہے، اس لئے نیچے کا سارا جسم سخت ورم میں مبتلا ہے۔ دمے والوں کی طرح شب کو سانس چلتی ہے، اس لئے لیٹ بھی نہیں سکتا، ۲۴ گھنٹہ پلنگ پر برابر بیٹھا رہنا پڑتا ہے۔

مگر اس پر بھی وہ کام کر رہا ہوں جو نہ کسی سے ہو سکتا ہے نہ کوئی کرتا ہے۔ بااثر لوگوں پر گفتگو سے اثر ڈالتا ہوں، ٹیلیفون پر رات دن گھنٹوں باتیں ہوا کرتی ہیں خواہ ٹائمز کا فارن اڈیٹر ہو یا مسٹر برنارڈ شا، اور ایسے لوگوں کو اپنے سونے کے کمرہ میں بلا بھی بیٹھتا ہوں اور گھنٹوں ان سے باتیں ہوا کرتی ہیں۔ چنانچہ وزیر ہند نے نہایت شرافت سے خود ہی دو بار یہاں آنے پر اصرار کیا اور بالآخر جب میں بالکل مجبور و معذور تھا تو گذشتہ چہار شنبہ ۲۶ر نومبر کو جس وقت میں کھانا کھا رہا تھا ہوٹل میں آگیا ان کو بھی بلا لیا۔ وہ تو گھنٹوں باتیں ہوتیں، مگر شوکت صاحب آ گئے اور میں نے ان کو نکالا تو کہنے لگے

اس لئے ٹھہرنا چاہتا ہوں کہ تمہیں زیادہ باتیں نہ کرنے دوں (حالانکہ ان کا علم تھا اور خود بھی چاہتے تھے کہ زیادہ باتیں اچھی صاف صاف باتیں ہوں) غریب وزیر ہند نے وعدہ کیا کہ اب دس منٹ اور لے گا اور ڈاکٹر کے حکم کے خلاف کچھ نہ کہے گا نہیں۔ پھر بھی کوئی آدھ گھنٹے اور ٹھہرا اور پہلے بھی تقریباً آدھ گھنٹے باتیں ہو چکی تھیں۔ اس طرح گھنٹہ بھر اب ملا۔ کوئی پندرہ منٹ نواب احمد سعید خاں کے ہوٹل میں اسی طرح کی باتیں ہوئی تھیں۔ مجھ سے اعتراف کیا کہ طرح طرح کے لوگوں سے ملا ہوں، کسی وزیر ہند نے اتنے مختلف الخیال لوگوں سے گفت و شنید نہیں کی، مگر تم نے جو باتیں بتائیں وہ تو عجیب و غریب ہیں۔ پیچیدہ ترین مسائل پر جو مجھ ہی میں نہیں آتے تھے آج ایک روشنی کا سیلاب ٹوٹ پڑا۔ اسی طرح اخبار اسپیکٹیٹر (SPECTATOR) کے اڈیٹر سے دو گھنٹے باتیں ہوا کیں اور اس پر پورا پورا اثر پڑا۔ اسی طرح ٹائمز کے ایک فارن اڈیٹر پر جس کے متعلق ہندوستان اور اسلامی ممالک پر مضامین لکھنا اور لکھوانا ہے، اس سے ڈیڑھ گھنٹے تک یعنی ساڑھے دس سے شب کے بارہ بجے تک ٹیلیفون پر گفتگو ہو چکی تھی اور خود ہی اس نے ملنے کے لئے آنے کی درخواست کی۔ سوا گھنٹہ اس سے ترکی وغیرہ اور نجد اور یمن اور آخر شب ہندوستان کے متعلق گفتگو ہوئی۔ یہ بھی گرویدہ ہو کر گیا ہے اور دونوں اخباروں میں خود اڈیٹروں کے مضمون ان خیالات کے جو میں نے ان پر ظاہر کئے، شائع ہوں گے۔ اچھا اب رخصت ہوتا ہوں۔ یہ خط حیات کو بھوپال پڑھنے کے لئے بھیج دو۔ مجھ میں اتنی جان نہیں ہے کہ اپنے ہاتھ سے چند سطریں بھی لکھ سکوں۔ پلنگ پر نہ لکھا گیا تو میز کرسی پر دس دن میں پہلی بار خط لکھا۔ دوسرے خط سیکرٹری ٹائپ کرتی ہے۔ حیات سے کہنا کہ وہی MISS MANTON یا اب MRS. KELLEY سیکرٹری ہیں، مگر مجھے خوف ہے کہ میں ان کی تنخواہ کا جو وہی ہے دیر تک متحمل نہ ہو سکوں گا کام کی جگہ سے دوری نے مجبور کر کے مسز مادکنڈی کے مکان سے جہاں ۶ گنی ہفتہ دینا پڑتا تھا یہاں بھجوایا ہے جہاں تقریباً بیس پونڈ ہفتہ کا بل آیا ہے اور وہ بھی رعایتی، مگر ڈاکٹروں کا قرب ہے، کام کا قرب ہے، کار و شعب اور شوکت بھائی اور زاہد کا قرب ہے اور غالباً اب موٹر کار رکھنا بھی بند کر دوں اور ٹیکسی پر کر سکوں۔ ہفتہ وار نہ سہی تو دو ہفتے میں ایک بار تو تم براہِ راست چند سطور ہی مجھے لکھ سکتے تھے۔ یہ بھی نہیں کر سکتے تو پھر پرانا سلسلہ بند۔ یوں بھی میں چند دن کا مہمان ہوں۔ یہ کہنا کہ فرصت نہیں ملتی، نہ لکھنے کے باعث بہت پریشان تھے وغیرہ وغیرہ بے کار کے عذرات ہوں گے اور بدتر از گناہ۔ تم کو باری اور سیر سپاٹے کے عاشق ہو، کام سے وقت ملا تو اس میں صرف کیا، بھلا ایک دو رافادہ سطریں لکھنے کے لئے وقت کس طرح ملتا۔

ہاں اتنا اور لکھ دیتا ہوں کہ نہ ہندو لیڈر قابلیت کا ثبوت دے رہے ہیں اور نہ مسلمان۔ سب سے زیادہ اہم کمیٹی وہ ہے جو ترکیبی حکومت کا ڈھانچہ تیار کر رہی ہے اور اس میں اس قدر وقت ان کی بدیانتی اور عدم تدبر سے ضائع ہو رہا ہے کہ خدا کی پناہ۔ مگر باوجود میرے پہلے سے کہلانے کے آغا خاں، شفیع اور جناح نے اس میں میرا نام نہیں رکھا حالانکہ پہلی کمیٹی میں صرف میری موجودگی جلسہ کے باعث میرا نام تھا اور اس پر

آغا خاں کے ذریعے سے مجھے کہلوایا گیا کہ تمہاری صحت اس کی متحمل نہ ہو سکے گی۔ جب وہ کمیٹی اتنی عریض و طو
ہو گئی کہ سب کو اس میں داخل کرنا پڑا تو اب مختلف کمیٹیاں ہر بحث کے لئے بن رہی ہیں۔ اب تک ایک
میں میرا نام نہیں ہے۔ میں نے آغا خاں کو صاف صاف ٹیلیفون پر سنائیں اور ممکن ہے کہ خود ہنو
درخواست پر میرا نام بڑھا دیا جائے۔ البتہ ہندو مسلم کمیٹی میں ضرور میرا نام ہوگا۔ اس معاملے میں شوکت صا
نے میری غیر حاضری میں حسب معمول دخیل کی اور سب بدمعاشوں پر اعتماد کیا اور شفیع داؤدی کی طرح ہر ایک
کے ساتھ مل کر کام کرنے کے ذوق میں تدبر سے کام نہ لیا اور ہر ایک ان کو آلۂ کار بنانا چاہتا ہے، ا
کو صلاح کار و مشیر کوئی نہیں بناتا۔ وہ لوگ خود صلاح کار و مشیر اور مختار عام بن بیٹھے ہیں۔ میں نے اگر ایک
دو بار کھڑکھڑایا تو آنکھیں کھلیں اور ابھی اور انشاء اللہ کھولوں گا۔ اچھا اب رخصت۔

تمہارا اور تم سے بیزار
محمد علی

مولانا شوکت علی

(۱)

کیمپ بہرائچ ۳ ستمبر ۱۸۹۴ء

قبلہ و کعبہ

آپ کے دونوں خط مجھ کو ملے۔ دیر سے جواب دینے کی معافی چاہتا ہوں۔ میں اس عرصہ میں برابر سفر کرتا رہا اور نہایت درجہ کام میں گھرا ہوا تھا۔ افسوس کہ میں کسی طرح سلطان پور حاضر نہیں ہو سکتا کانشکارول کو روپیہ تقسیم کر رہا ہوں اور اس ماہ کے آخر تک برابر کرتا رہوں گا۔ انشاء اللہ اکتوبر میں علی گڈھ حاضر ہوں گا۔ سلطان پور اور فیض آباد میں ایک شخص کو بھی نہیں جانتا مگر انشاء اللہ جس وقت موقع ملا راجہ صاحب اودنڈلہ سے کالج کے لئے روپیہ دلواؤں گا۔ اس کے بارے میں آپ کو بعد میں لکھوں گا خدا کرے آپ سلطان پور میں کامیاب ہوں۔ ڈیوٹی کے لئے میں برابر کوشش کر رہا ہوں اور خدا سے امید ہے کہ قریب ۔۔ کے اور وصول ہو جائے گا۔ آپ عبدالحلیم سے کہہ دیجئے گا۔ غالباً وہ بھی سلطانپور میں ہوں گے۔ جو کچھ لئے چندے آپ کے آنے کے وقت دئے گئے تھے وہ ابھی میں نے وصول نہیں کئے۔ اون کا وصول ہونا آسان ہے مگر اول ۔۔۔ راجہ صاحب نانپارہ سے مل جانا چاہیئے۔ مسٹر حامد علی خان سے بہرائچ ملا تھا اونہوں نے کہا کہ جس وقت عمارت کی بنیاد رکھی جاوے اوسی وقت روپیہ حاضر ہے۔ اس بات پر خوب غور فرمالیجئے گا کہ بنیاد رکھنے کی رسم کس طرح پر ادا کی جاوے گی۔ راجہ صاحب نانپارہ خوشی سے علی گڈھ آنا پسند کریں گے مگر جلسہ ذرا پر تکلف ہو۔ آئندہ کی مدد کی بڑی امید ہے۔ بڑودہ اور بھوپال میں کامیابی پر آپ کو مبارک باد دیتا ہوں۔ مجھے اپنے چھوٹے بھائی مسٹر محمد علی سے بڑی امیدیں ہیں۔ خدا کو منظور ہے تو کچھ سال کے بعد وہ قوم اور کالج کا نام روشن کریں گے۔ اگرچہ ان سے سختی اور بے رحمی سے برتاؤ کیا گیا مگر ہماری کالج کی محبت ایسی نہیں ہے کہ وہ غیر لوگوں کی بے توجہی سے کم ہو جائے۔

امید ہے کہ آپ تندرست اور اچھے ہوں گے۔

آپ کا فرمانبردار
شوکت علی

لہ غالباً یہ خط سر سید مرحوم کے نام ہے۔

بنام مہر صاحب

(۲)

ضروری

برادرم! السلام علیکم۔ میں دیکھتا ہوں کہ اس نام نہاد "خلافت کمیٹی" پنجاب نے آپ دونوں[1] کا نام ہی نکال دیا ہے صوبہ انبالہ سے نہ میر نگ[2] صاحب کا نام ہے نہ نقار اللہ[3] صاحب کا اور نہ صوفی[4] صاحب کا۔ کب تک ان کی لغزشوں کو ہم خاموشی سے دیکھتے رہیں گے؟ یہاں تمام ممالک میں از حد جوش ہے اور کام کے لئے تیار ہیں۔ یہ دقت ہاتھ سے نہیں دینا چاہئے اور تمام مسلمانوں کو ایک جھنڈے کے نیچے جمع کر کے ہر شعبہ میں لگا دینا چاہئے تاکہ دس برس میں ہماری حالت درست ہو جائے۔ مقابلہ سخت کرنا پڑے گا مگر خدا ہماری مدد کرے گا۔ آپ اور برادر مسالک کو ضرور آنا ہوگا۔ ۲۴ تک آپ آ جائیے۔ دفتر کے اور لوگ کام کو دیکھتے رہیں گے اور آپ یہاں سے سب حالات ان کو بھیجتے رہئے۔ ۱۵ دسمبر کے اخبار میں جلد ۳ نمبر ۱۴۹ میں میرے تار کا غلط ترجمہ شائع ہوا ہے عمارت کے لئے مولانا محمد علی کا انتخاب ہوا ہے۔ مجھ کو تو عظیم الشان جلوس مفت میں ہندوؤں کی بدتمیزی کی وجہ سے مل گیا اب ۲۰ دسمبر کو محمد علی آئیں گے۔ لوگ بہت تعداد میں جلوس نکالیں گے۔ مہربانی فرما کر اخبار میں تصحیح فرما دیجئے گا۔ میں کل تار بھی بھیجوں گا آپ ضرور آئیے اور احباب کو ہمراہ لائیے۔ پنجاب میں ہم کو اب کام کرنا ہوگا۔ خدارا ان حضرات سے آزاد ہو جائیے۔ اب تو یہ ہندوؤں کے غلام ہو کر رہنا چاہتے ہیں۔

آپ کا
شوکت علی (خادم کعبہ) کلکتہ ۱۶ دسمبر ۱۹۲۰ء

بنام مہر صاحب

(۳)

برادرم مہر! السلام علیکم! افسوس کہ آپ شملہ میں نہ تھے۔ تکلیف دہ منظر تھا۔ ایک طرف تو کانگریسی مسلمان گاندھی و ہندو کا کھلونا بنے ہوئے تھے۔ دوسری طرف ایک [illegible] فضل حسین[5] اور انگریزی حکام کے منشا کے مطابق ناچ رہا تھا اور ہر طرف بدگمانی اور شکوک کی فضا تھی۔ اس میں ہمارے مہربان سید حبیب[6] خوب لطف لے کر دلچسپی لے رہے تھے اور اب آپ نے اپنی خدمات کا صاف صاف اعلان بھی کر دیا اور چلتے چلتے محمد علی مرحوم پر بھی ہاتھ صاف کر دیا تاکہ بیچارہ غریب کو خبر ہو کہ مرحوم کی جیب ان کو پروا نہیں تو شوکت علی کس شمار میں تھا۔ آپ نے "ریاست" دوسری جولائی کا دیکھا ہوگا یہ خط انہیں کو لکھا جائے گا۔ ان کی زیادہ

---

[1] ان دونوں سے مراد مہر صاحب اور راقم سطور ہے۔ [2] میر غلام بھیک نیرنگ مرحوم [3] مولانا نقار اللہ پانی پتی جو تقسیم کے بعد بھی پانی پت میں مقیم رہے۔ اب انہوں نے پانی پت میں قدیمی مسلمان جمع کر لئے ہیں۔ ایک مسجد میں مسلمان بچوں کے لئے قرآن مجید کی تدریس کا انتظام بھی کرا لیا ہے۔ [4] صوفی افضل حق پانی پتی، دورِ ترک موالات کے ایک امتیاز کار کن تھے، فقیہ بھی کاٹی، مت ہوئی ان کا انتقال ہو چکا ہے۔
[5] سر فضل حسین مرحوم جو اس زمانے میں وائسرائے کی انگزیکٹو کونسل کے ممبر تھے [6] سید حبیب شاہ مرحوم ایڈیٹر "ریاست"
[7] حضرت مولانا ابوالکلام مرحوم

سے بھی بعض ایسی باتیں سُنیں جو سے مجھ کو رنج ہوا۔ میں جو کام کرتا ہوں اپنے دل کی خوشی اور خدا کی رضا جوئی کے لئے کرتا ہوں اور بہت ہوشیاری سے کرتا ہوں تاکہ میری ذات سے اسلام کو اور وطن اور کسی شخص کو نقصان نہ پہنچے مگر اس سے بچنا محال ہے اس لئے غلطیاں ہوتی ہیں مگر میں غرض اور ذاتی منفعت کے لحاظ سے ان کا مرتکب نہیں ہوتا ہوں۔ میں مسلمانوں کے آپس کے اتحاد کا حامی تھا، ہوں اور رہوں گا مگر ایسا اتحاد نہیں جو ان کو نقصان پہنچائے۔ میں اپنے اندرونی معاملات کا تصفیہ کسی انگریزی حاکم کے ہاتھ میں نہیں چھوڑ سکتا اور میں صاف عرض کروں گا کہ مجھ کو سر فضل حسین پر اعتبار نہیں ہے اور نہ میں ان کو اتنا قابل آدمی سمجھتا ہوں کہ مسلمانوں کی قسمت کا فیصلہ ان کے ہاتھ میں چھوڑ دوں۔ انہوں نے یہی نہیں کہ ہندوستان کے مسلمان کے واسطے کچھ نہیں کیا بلکہ پنجاب کے مسلمانوں تک کو سکھوں کے مقابلے کے لئے بھی تیار نہیں کیا۔ ہاں اپنی پارٹی بنائی اور اپنے حاشیہ نشینوں کو فائدہ پہنچایا۔ وہ زبردست اور بہت ٹھنڈے اور گہرے کام کرنے والے ہیں مگر مسلمانوں کی قوم کا مستقبل ان کے سپرد نہیں کیا جا سکتا۔ وہ آسانی سے اپنے اثر سے مسلمانوں میں تفرقہ ڈلوا سکتے ہیں اور سید صاحب جیسے آدمیوں کو اس قدر ہمت دلائیں کہ وہ غریب محمد علی کی روح کو بھی صدمہ پہنچائیں مگر مسلمان اس کو پسند نہیں کریں گے۔ میں "سیاست" کا جواب نہیں دوں گا مگر ان کو جلد معلوم ہو جائے گا کہ مسلمانوں کے دلوں میں محمد علی کی کس قدر محبت اور وقعت ہے۔ یہ خط اقبال کو دکھا دیجئے گا میں دو دن میں بنگلور و مدراس کے دورہ پر جاؤں گا۔ اب اچھا ہوں۔ سالک صاحب کو سلام!

آپ کا بھائی

شوکت علی (خادم کعبہ) بمبئی، ۱۷ جولائی ۱۹۳۱ء

---

(۴)

بنام مہر صاحب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

برادرم مہر!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ میں نے آج آپ کو ایک تار بھیجا ہے جس کی نقل ہمراہ ہذا منسلک ہے۔ میاں جعفر شاہ کو بھی آگے لانے کی ضرورت تھی اور ان کو یوتھ کانفرنس کی صدارت کے لئے انتخاب کیا تھا مگر وہ صوبات علاقہ میں دورہ کر رہے ہیں خدا معلوم آ بھی سکیں گے یا نہیں۔ مجھ کو امید ہے کہ وقت کی نزاکت کا خیال کر کے آپ اس بار کو اپنے ذمہ لے لیں اور اجمیر شریف ۲۴ ستمبر کی شام یا ۲۵ کی صبح کو ضرور پہنچ جائیے اور اپنی قبولیت کا مجھے تار دیجئے۔

یہ شبہ صحیح نہ تھا کہ سر فضل حسین مرحوم انگریز حاکموں کے ایماء سے سب کچھ کر رہے تھے لیکن جو لوگ برٹانوی حکومت کے رکن سمجھے جاتے تھے ان کی تجاویز و تدابیر کے متعلق اس قسم کے شبہات عام تھے۔

ایک طرف ہندوستان کے انگریزوں کی چالبازی اور بے اتفاقی دوسری طرف ہندوؤں کی شرارت۔ ہماری طرف سے کسی کمزوری کا ظاہر ہونا ہلاکت کے ہم معنی ہے۔ گاندھی کی اس نئی حرکت اور غریب اچھوتوں کو ورغلانے نے ان کا اور کانگریس کا اصلی پول کھول دیا۔ ہندو قوم میں انہا درجہ تقلید کا مادہ موجود ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ اگر ہماری طرف سے مسلمانوں کے لئے صاف اور مردانہ ہدایات نہ دی گئیں تو ان کو ہمت پڑے گی کہ مسلمانوں کے خلاف بھی اس حکمت کو کام میں لائیں۔ آپ پر سب باتیں روشن ہیں زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کاش ڈاکٹر اقبال صاحب بھی آپ کے ہمراہ آسکتے تو بہت اچھا ہوتا۔ میں آپ کے تار کا منتظر ہوں۔ خدا کرے آپ بخیریت ہوں۔[2]

آپ کا پریشان بھائی
شوکت علی (خادم کعبہ) بمبئی ۱۶ ستمبر ۱۹۳۲ء

---

[1] اس فقرے میں اشارہ غالباً اس طرف ہے کہ گاندھی جی نے فرقہ وارانہ فیصلے میں اچھوتوں کو الگ نیابت دیئے جانے پر مرن برت کا اعلان کر دیا تھا۔

[2] مولانا شوکت علی مرحوم کا ایک خاص اور نمایاں وصف یہ تھا کہ وہ اپنے ہر نیاز مند کو آگے بڑھانے کی کوشش، نہایت فراخ دلی سے کیا کرتے تھے یہاں جعفر شاہ پھلواروی کانفرنس کی صدارت کے لئے نہ پہنچ سکے تو صدارت کے لئے میرا نام تجویز فرما دیا۔ مجھے بھی خاص مشغولیتوں کے پیش نظر معذرت کرنی پڑی۔

سرکشن پرشاد

بنام عماد الملک

(۱)

جناب من شاد نواز

آج مولوی محمد علی صاحب[1] صوبہ دار رنگل سے خبر وحشت اثر انتقال پر ملال آپ کے فرزند ارجمند جگر سید محمد ہاشم بلگرامی[2] کی مسموع ہوئی جو میرے قدیم رفیق شفیق اور اسکول فلو تھے۔ بجز استماع شاد کے داغ کھائے ہوئے دل ناشاد پر جو کچھ اثر پڑا اس کے اظہار کے لئے الفاظ کا میسر آنا ایک طرح کا مبالغہ ہے۔ چہ جائیکہ آپ کے قلبی اثرات کا اندازہ تو سوائے علام الغیوب کے کوئی کر ہی نہیں سکتا۔

اگرچہ اس داغ کے لئے کسی وقت کسی زمانہ کی تخصیص اور قید نہیں۔ تاہم ایک نوجوان ہونہار لائق فائق اولاد کا صدمۂ مفارقت وہ بھی اس سن و سال میں۔ (اللہ آپ کو دیرگاہ نہ دکھے) بیساختہ امیر انیس مرحوم کا قول یاد دلاتا ہے

کیوں کر نہ جئے جہاں میں پیر جواں کا ساتھ
پیرو جواں کا ساتھ ہے تیر و کماں کا ساتھ

قاضی پیٹھ حیدرآباد - ۲۱ رجنوری ۱۹۱۷ء

شاد

(۲)

بنام نصیر حسین خاں خیال

مائی ڈیر خیال صاحب۔

میں نہایت نادم ہوں کہ آپ کے خط کا جواب بہت دیر سے ادا کر رہا ہوں۔ اس کے وجہ بجز اپنی علالت طبع کے اور خط کے دیر سے پہنچنے کے اور کیا ہو سکتے ہیں۔ جب سے کہ میں گھٹ آیا ہوں اکثر احباب کے خط پہلے چوتھے پانچویں پہنچتے ہیں۔ الغرض میں آپ سے نہایت شرمندگی کے ساتھ معافی چاہتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ میرے تاخیر جواب کا کوئی مخالف اثر خیال خیال میں کوئی انقلاب پیدا نہیں کرے گا۔

الحمد للہ اب ڈائریا سے نجات ملی ہے لیکن کمزوری ہے۔ غالباً کسی روز آپ سے دو چار روز میں ملاقات ہوگا۔ آپ

---

[1] محمد علی محمد نواز جنگ بعد کو حیدرآباد میں انسپکٹر جنرل پولیس رہے۔

[2] عماد الملک کے یہ فرزند ہاشم بلگرامی حیدرآباد ہائی کورٹ میں جج تھے۔

خود دیکھ کر اندازہ کرلیں گے۔

مجھے یقین ہے کہ آپ اور ہمارے بھیا[1] سرعلی سب خیریت سے ہوں گے۔ طاعون نے تو حیدرآباد کو تباہ کر دیا۔ معاذ اللہ۔

اس فقیر کو اطلاع ہوئی کہ ہمارے بھیا کے مکان میں چوہے متاثرہ گرے۔ اللھم احفظنا۔ یقین ہے کہ تبدیل مقام کئے ہوں گے[2]

۲۴ رفروری ۱۹۲۰ء　　شاؔد

---

(۳)

بنام نصیر حسین خاں خیالؔ

شاد نواز حضرت خیال دام محبتہ

آج کی تاریخ تک اس فقیر کے کان چمن گوش روزہ دار براللہ اکبر است کے متمنی تھے اور نہایت بیتابی کے ساتھ دل التوائے سفر کی خبر سننے کا منتظر تھا۔ مگر افسوس ہے کہ اثر الٹا ہوا معلوم ہوتا ہے کہ دعا اور اثر میں بھی دشمنی ہے۔ ابھی معلوم ہوا کہ کل آپ کا قصد روانگی کا ہے[3]

؎ دیدۂ احباب و دل ہمراہ تست　　تو نہ پنداری کہ بے ما می روی

آپ کا سچا خلوص اور آپ کی ہمدردی اہل دکن کے ساتھ اور خصوصاً آپ کا حسن سلوک اس فقیر حقیر کے ساتھ یہ صفات ایسے نہیں ہیں کہ شاؔد آپ کو دل سے بھول جائے۔ اگر خدا نہ کرے ایسا کیا تو شاؔد بھی جماد بے حس ہے۔ چوں کہ آپ کا قصد سفر دور و دراز کا ہے اس لئے شاؔد اپنے خاندان کے عل در آمد کے لحاظ سے حضرت امام ضامن علیہ السلام کے ضامن بھیج کر متوقع ہوں کہ آپ اس کو قبول کرکے شاؔد کو ممنون کریں ؎

بسفر رفتنت مبارک باد　　بسلامت روی و باز آئی

اپنے متعلق تو شاؔد اتنا ہی کہتا ہے کہ جو گزرے گی ہم پر گزر جائے گی۔ آپ کی واپسی[4] تک فلک کی نیرنگیاں قابل دید ہوں گی۔ معلوم نہیں کہ موجودہ گردش لیل و نہار کے بعد زمانے کی کایا پلٹ کس قسم کی ہوتی ہے اور ہم اہل وطنوں کی قسمت کا فیصلہ کیا ہوتا ہے اور مشیت الٰہی کیا ہے۔ بہرحال۔ انی توکلت علی اللہ فھو حسبہ۔

شاؔد کے بچے آپ کو سلام کہہ رہے ہیں۔ خدا حافظ۔

شاؔد

مطابق ۱۰ رمئی ۱۹۲۰ء

---

[1] یہ مہاراجہ کی شرافت اور وضعداری تھی کہ اپنے رقیب سرعلی امام کو بھیا کہا کرتے تھے۔

[2] یہ حیدرآبادی طرز ادا ہے کہ کیا ہوگا کی جگہ بعد اخفاق جمع کا صیغہ استعمال کیا جاتا ہے۔

[3] سرعلی امام کے استعفا کے بعد جناب نصیر حسین خیالؔ کو بھی یک بیک حیدرآباد چھوڑنا پڑا۔

[4] شاید مہاراجہ کو توقع تھی کہ پھر سرعلی اور خیالؔ کی حیدرآباد میں یاد ہوگی۔

(۴)

نصیر حسین خیال

حضرت خیال شاد نواز دام محبتہ

بعد استکلد بسیار آپ کا مؤدت نامہ پہنچا۔ ممنون ہوا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت و عافیت کے ساتھ رکھے اور اپنے اہل و عیال کی طرف سے بھی بعد شادمانی پھرلے پھلے رہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اطمینان خاطر کے ساتھ شاد کو محبت نامہ لکھنے کی توفیق عطا فرمائی۔ سفر یورپ کے اقرا کی خبر نے شاد کے حال کو خوش تو کیا تھا مگر اس کے ساتھ ہی پھر آپ کا قصد بدستور معلوم کر کے افسوس ہوتا ہے۔ اگرچہ اب بھی دور ہیں لیکن ہندستان میں رہ کر جب چاہیں حیدرآباد آسکتے ہیں۔ البتہ یورپ سے حیدرآباد آنا معنی دارد۔ اگر مستقل ارادہ ہے تو بسلامت روی و بازآئی۔ آپ کے حیدرآباد سے رخصت ہونے کے بعد بہت سی چہ میگوئیاں ہوئیں۔ بلکہ اب تک جتنی زبانیں ہیں اتنی ہی باتیں مشہور ہوجاتی ہیں۔ الغرض دنیا بھی عجب تماشا گاہ ہے۔ اسی تماش بینی میں عمر ختم ہوتی جاتی ہے۔ جس میں فطرتاً اللہ تعالیٰ نے تجسس اور تفکر کا مادہ دیا ہے۔ اور ہمائے فکر حدار تفاتک پرواز کرجاتا ہے۔ ویسے معدودے چند ہیں۔ شاد آپ کا دعاگو الحمدللہ مع عیال و اطفال خیریت سے ہے مگر اطمینان قلب میسر نہیں بلکہ روزمرہ انکارات میں بسر ہوتی ہے۔ مگر کیا کیا جائے بجز صبر و شکر کے چارہ نہیں۔ یہاں کے حالات بدستور ہیں۔ اگرچہ آپ کی روزانہ یہاں بھی ملاقات نہیں ہوتی تھی۔ شاد ترستا تھا۔ لیکن آپ کا خلوص اور بذب محبت کا اثر ممنون منت بنا رکھا تھا۔

افسوس کہ آپ دکن سے جدا ہوئے۔ فقیر شاد کی نسبت آپ کا حسن ظن قابل تشکر و امتنان ہے۔ غالباً علالت میں آپ سے سالار جنگ بہادر سے ضرور ملاقات ہوگی۔ شاد کی جانب سے دعا و سلام پہنچا کر شاد کو ممنون فرمانا۔ فاللہ خیراً حافظا۔ فقط

شاد

۱۲ اگست سنہ ۱۹۲۰ء

(۵)

ام عماد الملک

شاد نواز حضرت من

.....

صاحب موصوف نے ایک رسالہ موسوم بہ رسائل عماد الملک تحفتاً جناب کی جانب سے پہنچایا جس کے دیکھنے سے آنکھوں میں نور اور دل میں وجدانی کیفیت سے سرور کا نقشہ سمایا۔ اگرچہ بظاہر چند اوراق کی ایک کتاب ہے جس میں (۲۷) حروف کا ایک بسیط و دلفریب رنگ خانہ ہے۔ مگر ہر ایک شاہدانہ رعنائی و زیبائی سے جلوہ آرا ہے۔ الفاظ کی اجتماعی ہیئت سے فقروں نے جو حسن ترتیب پایا ہے پریزادان معانی کی مجلس کا عکس ہوش ربائی کر رہا ہے۔ اگر محققانہ نظر سے دیکھا جائے تو علم و فضل کا ایک خزانہ ہے۔ جس میں اس ملک اور دوسرے ممالک کے صاحب نظروں کے لئے جواہر بے بہا ہیں۔

شاد آپ کی اس یاد فرمائی اور عنایت کا دل سے کمال درجہ ممنون ہوا۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ جب

اس معدن فضائل و کمال کا مشاہدہ کرتا رہے گا اس عنایت کو دل سے فراموش نہ کرے گا۔ .....

اس نادر رسالے کے طبع ہونے سے پیشتر اگر ایسا کیا جاتا یا شاد کے گوش اخلاص میں اس کی اشاعت کی خبر پہنچتی تو شاد بمقتضائے ذوق طبعی ضرور کوئی قطعہ یا رباعی اس کی توصیف میں لکھ کر بھیجتا۔ شاد کا بھی تحفہ اس کے ساتھ یادگار زمانہ رہتا۔ انشاء اللہ اس کتاب کو بالاستیعاب فرصت سے دیکھ کر استفادہ کروں گا۔ قطعہ

عماد الملک نے بھیجا رسالہ　　کروں کیا اس کی میں تعریف اے شاد
خزانہ ہے یہ حکمت کا یقینی　　دلِ اہل یقین اس کو رکھے یاد

حال میں چند رسالے مہدیہ طبع ہوئے تھے جو روانہ خدمت ہیں۔ بزم توحید۔ قومی لیڈر۔ سراج تقی۔ سعید پرکاش کرشن کلا۔ گیان درپن۔ مثنوی سر وجود۔ آشوب عظیم۔

۱۴ر نومبر ۱۹۲۱ء　　شاد

---

(۶)

بنام عماد الملک

شاد نواز

محبت نامہ رقم زدہ ۱۸ر جولائی ۲۲ء وصول ہوا ..... خدائے بزرگ و برتر بصحت و عافیت بہت دن تک آپ کو زندہ شاد کام رکھے ؎

تنت بہ ناز طبیباں نیازمند مباد　　وجود نازکت آزردۂ گزند مباد
سلامتِ ہمہ آفاق در سلامت تست　　بہیچ عارضہ شخص تو دردمند مباد

.... اقوال حضرت علی علیہ السلام کو آپ کا پسند کرنا فقیر شاد کے لئے باعث نازش ہے کلمات طیبات اور ماہ کامل میں صرف ترجمہ ہے۔ اصل قول حضرت کا نہیں ہے۔ فقیر نے حضرت کے اشعار اور اصل اقوال اور کچھ صاحبوں سے جمع کئے ہیں جن کو اردو میں ترجمہ کرکے نظم کر رہا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ بعد تکمیل اور قبل طبع آپ کے معائنہ کے لئے بھیجوں گا۔ وہ اشعار اور اقوال اور ان کا ترجمہ غالباً آپ پسند فرمائیں گے۔

۲۹ر جولائی ۱۹۲۲ء　　شاد

---

(۷)

بنام خواجہ حسن نظامی

حضرت سلامت۔

فقیر نے بھی محب کے جواب میں کچھ رباعیاں لکھی ہیں اور وہ ایک کتاب کی صورت میں ہیں۔ اس کا نام — "سلک گہر" ہے۔ فقیر کی خواہش ہے۔ کہ آپ اس پر تقریظ لکھیں۔ شوکت بلگرامی مرحوم نے بھی اس پر تقریظ لکھی تھی۔ غبار صاحب متکلم پیشی بھی تقریظ لکھ رہے ہیں۔ مگر حضرت کی تقریظ کی ضرورت ہے۔ سلکِ گہر زیر طبع ہے۔ جہاں تک ممکن ہو تقریظ جلد ارسال فرمائیے۔

اس مژدۂ جاں فزا نے اپنے جامہ سے باہر کر دیا کہ حضرت محرم میں حیدرآباد تشریف فرمائیں گے۔ خدا ہمیں کند

چھوٹی رانی کو دو روز سے پیچش آتوں اور لہو ہے۔ خدا فضل کرے کہ شاد کے لئے خدا نے اس ہستی کو اب باعث آرام فرمایا ہے۔ باقی سب برائے نام ہیں۔

شرح دستخط

مہاراجہ بہادر

سٹی پیلس ۲۴ر جولائی سنہ ۱۹۲۴ء

---

(۸)

بنام عماد الملک

جناب من شاد نوازکرم فرمازاد لطفکم۔

جناب کا نامہ کرم مع دو کتب کے پہنچا۔ ممنون کیا۔ آپ اپنی قدیم مہربانیوں اور تعلقات کے لحاظ سے فقیر شاد کے متعلق حسن ظن رکھتے ہیں یہ آپ کے بندگانہ اشفاق کی دلیل ہے۔ فقیر شاد آپ کو کیا لحاظ سن و سال اور آپ کے فضائل حمیدہ اور اپنے مرتبۂ تلمذ و نیازمندی کے نہ صرف کرم فرما سمجھتا ہے بلکہ اپنا واجب التعزت بزرگ سمجھتا ہے اس پچاس سال کے عرصہ میں حیدرآباد میں جو انقلابات ہوئے ان کے اثرات بد سے محفوظ رہنا یہ آپ کی دانش مندی اور محتاط طبیعت کا نتیجہ ہے۔

افسوس ہے کہ آپ کی بصارت میں کچھ نقص پیدا ہوگیا ہے۔ اور پاؤں نے معذور کردیا ہے۔ یہ سب کچھ کبرسنی کا تقاضا ہے۔ خداوند عالم جل شانہٗ کی جو مشیت ہو اس پر صابر و شاکر رہنا ہی ہمارے لئے سعادت کا موجب ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بصحت و عافیت رکھے۔ آپ کا وجود مغتنمات روزگار سے ہے۔ فقیر کا بھی بہت جی چاہتا ہے کہ گاہے ماہے جناب کے فیض صحبت سے مستفیض ہوں۔ مگر بار خاطر ہونے کا خیال ہر وقت سدراہ ہوتا ہے۔ اگر میری حاضری خل اوقات نہیں سمجھی جاتی تو مہینے میں کم از کم ایک زیادہ سے زیادہ دو مرتبہ آکر صرف آپ کی مزاج پرسی کیا کروں۔ یہ آپ کی مرضی پر منحصر ہے۔

فقیر

شاد

۴ر مئی سنہ ۱۹۲۶ء

---

(۹)

بنام حضرت بے نظیر شاہ وارثی

مولینا

تسلیم عرض ہے کاغذات روانہ خدمت ہیں۔ حضرت وارث میاں کے واقعات اور حالات جیسے جیسے پڑھتا ہوں حیرت کی تصویر بن جاتا ہوں۔ اور قلب میں ایک ایسی قوت پیدا ہوتی جاتی ہے کہ جس کو شاد ہی محسوس کرتا جاتا ہے۔ سبحان اللہ کیسے خاص نفوس اس دنیا سے اٹھ گئے۔ مگر گئے کہاں۔ البتہ ہماری بصیرت کا قصور ہے۔ خدا بصیرت عطا فرمائے۔ ابھی درشن کی تشنا باقی ہے۔ مگر مجھے امید قوی ہے کہ وہ ضرور درشن دیں گے اپنے امیدوار کو محروم نہ کریں گے۔

شاد فقیر

---

(۱۰)

بنام عماد الملک

مائی ڈیر عماد الملک بہادر

محبت نامہ مجھے ملا۔ بجائے اس کے کہ یاد آوری کا شکریہ ادا کروں آپ کی اس مخلصانہ عنایت کا دلی شکریہ

ادا کرتا ہوں۔ کہ آپ نے اپنی نیک دلی اور فطرتی ہمدردی سے مجھے بھی ابنائے جنس کی ہمدردی کا اہل سمجھا اور اس کارِ خیر میں شریک کرکے داخل حسنات کیا جو میرے خیال میں نہ تھا۔ میں نہایت خوشی بلکہ آپ کے شکریہ کے ساتھ سربمہر گلدار آپ کی خدمت میں بھیجتا ہوں۔

مزید محبت بہمیں نمط مستدام باد

شاد

---

(۱۱)

بنام عماد الملک

جناب من شاد نواز

تسلیم۔ آپ کا محبت نامہ پہنچا ..... (۶ سطر) ..... یہ فقیر حقیر آپ کے نوازشات اور دلی خلوص کا ہمیشہ سے ممنون ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ خدا توفیق دے کہ میں اپنی زندگی تک اسی تشکر و امتنان کو نباہ دوں۔

بمبئی میں میرے دو بچے ایک لڑکا اور ایک بچہ تا نمونیہ سے سخت علیل ہو گئے تھے۔ جس کے باعث مجھے چندے وہاں قیام کرنا پڑا .. .. (۵ سطر) .. ... حال میں بندے نے ایک فارسی غزل لکھی تھی جس کی نقل منسلک ہذا ہے۔ بنظر اصلاح دیکھیں ..... (۲ سطر)

(غزل ۷ شعر کی ہے)

مطلع۔ دلا تا چند حرص دین و دنیا شرم دار آخر بشو یکسو ہوائے این و آن از سر بیار آخر

مقطع۔ رسیدی بر در مقصد نشستی بر سر مسند دعائے صبحگاہی شاد مے آید بکار آخر

(اور نگل)

شاد

---

(۱۲)

جناب من

تسلیم۔ جناب کا نامہ الطاف پہنچا۔ آپ کی ہمدردی کا شکریہ۔ بیشک آپ کو مجھ سے محبت ہے۔ اسی لئے محبت کا تقاضا ہی یہ تھا کہ آپ میری ہمدردی فرماتے۔

اخبارات میں جو کچھ ہو رہا ہے حاسدوں کے حسد کے پھپھولے ہیں جو اس شکل میں ظاہر ہو کر پھوٹ رہے ہیں آپ نے جو یہ فرمایا کہ مصاحبت میں جہاں دیدہ پرانا آدمی ہوتا تھا۔ جناب من آپ جہاں دیدہ اور میدان محبت کا دیکھا بھالا تجربہ کار شخصیت ہیں تو اس کا کیا جواب ہے۔ کیا محبت کے سودائی کو کوئی مصاحب کی مصاحبت سدراہ ہو سکتی ہے ہرگز نہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ مالک سے زیادہ تو میرا دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ کس قدر میں اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہوں گا کہ یہ بھی خیال نہ رہا تو پھر بیچارے مصاحب اور واعظ اور پند گو کر ہی کیا سکتے۔ خیر یہ قصہ عجیب و غریب ہے جو آپ نے ایک ہی طرف کے لوگوں کی زبانی قصہ سنا ہے اس لئے آپ نے یکطرفہ فیصلہ صادر فرما دیا۔ در اصل یہ یا ہفت کی

بھڑکائی ہوئی آگ ہے۔ خیر کچھ پروا نہیں۔ واللہ غالبٌ علیٰ امرہٖ ولکن اکثر الناس لا یعلمون۔
جواب پسند آیا اس کا شکریہ۔ خدا حافظ

شاد عفی عنہ

بہ الملک بہادر (۱۳)

مہربان من نواب اکبر الملک بہادر

اعلیحضرت پیر و مرشد مدظلہم العالی نے بجواب اڈریس صرف خاص جو اپنے ارشاد فرمائی اس کی نقل حسب رمدہ منسلک ہذا ہے۔ یقین ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔ جشن سالگرہ مبارک کے طفیل آپ ہم سے نہ ملتے تھے اب تو شاید مہینوں اتفاق نہ ہوگا لے

شاد عفی عنہ

لے یہ خط مہاراجہ کشن پرشاد بہادر کا ہے۔ اس پر تاریخ نہیں ہے۔ مہاراجہ کشن پرشاد اس وقت مدار المہام یعنی وزیر اعظم ہو چکے تھے اور ریاست حیدرآباد سے بڑے عہدہ دار تھے لیکن جس نرم اور ایک حد تک مقربانہ لہجے میں اس خط کا آغاز کیا گیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نواب اکبر الملک کو نواب سے مراسم بڑھانے کے لوگ کس قدر کوشاں رہتے تھے۔

بیخود بدایونی

(۱)

بنام احسن مارہروی

مخدومی!

یہ عریضہ ۲۳ جون کے کارڈ کا جواب ہے اور اس قدر تاخیر کا سبب وہی میری پریشانیاں ہیں جو دم بھر چین نہیں لینے دیتیں۔ ناقدردانی کی شکایت جو میں نے پہلے خط میں لکھی تھی وہ یہاں کے ذی اختیار آفیسروں کی نسبت تھی۔ نہ کہ اپنے احباب کی نسبت، اور احباب میں بھی آپ جو اس ذرۂ بے مقدار کو اس کی حیثیت سے کہیں زیادہ آب و تاب دے رہے ہیں۔ جن سے اب تک ایک حرف بھی نہیں لکھا تھا مگر اس ہفتہ میں جودھپور چھوڑ کر دوسرے کوا ٹھا تو کوئی مشغل یا کوئی ہم سخن ساتھ نہ تھا۔ ریل میں اور اونٹ پر جو کچھ لکھا ہے وہ بھیجتا ہوں۔ والتسلیم!

نیازمند خادم: بیخود از جودھپور۔ ساوڈی۔ پرگنہ ویڑی مارواڑ، ۲۷ ستمبر ۱۹۰۵ء

جواب جودھپور کو بھیجئے گا۔

یہ چند اشعار پہلے کے یاد آگئے ہیں۔

بیخود بدایونی

تذکرہ بیخود کا یارانِ وطن میں رہ گیا
کیا فسانہ حیف کیسی انجمن میں رہ گیا

دل سا رہبر کوچۂ قاتل میں لے آیا ہمیں
فرق اب کیا رہنما و راہزن میں رہ گیا

فصلِ گل ہے دستِ وحشت ہاتھ کاٹے جائیے
تار بھی باقی اگر اب پیرہن میں رہ گیا

کیا جگہ پائی ہے شوخی سے دلِ بیتاب نے
فتنہ بن کر اس کے چشمِ سحر فن میں رہ گیا

سکتے ہیں تیرا دلِ صد چاک کچھ شانہ نہ تھا
پھر یہ کیونکر میری زلفِ پرشکن میں رہ گیا

کیا کہوں میرا دلِ شگفتہ کیا تھا کیا نہ تھا
ایک غنچہ تھا کہ مرجھا کر چمن میں رہ گیا

میرے غم میں اس قدر افسردہ کیوں ہیں اہلِ بزم
میں نہیں میرا فسانہ انجمن میں رہ گیا

یاد رکھنا بھول جاؤ گے یہ سارے چھپے ۔۔۔ میں اگر اے ہم صفیرو اس چمن میں رہ گیا
آبرو جاتی رہے گی دیکھ اے خوں بار آنکھ ۔۔۔ قطرۂ خوں بھی اگر کیجے بدن میں رہ گیا
جان دیدی غم سے لیکن لے استقلال عزم ۔۔۔ وصل ہو کر تیشہ دست کوہکن میں رہ گیا
دوست کا کیا دشمن پر بھی آنچ آنے نہ دی ۔۔۔ خود میں جل کر شعلۂ آتش فگن میں رہ گیا
آپ کے آتے ہی بیخود آپ سے جاتا رہا ۔۔۔ ہائے اتنا ہوش تو دیوانہ پن میں رہ گیا

(۲)

من مارہروی

سیدی و معظمی!

کورنش۔ میری ترقیات کے لئے جو میری آرزو کے خلاف تاریخی کا قطعہ تاریخ عنایت ہوا تھا وہ میرے واسطے باعث افتخار تھا۔ مگر افسوس کہ تمام مجموعہ کی کاپیاں تیار ہو گئیں اور وہ قطعہ نہیں ملنا لہٰذا التجا ہوں کہ وہی یا کوئی اور۔ بہتر تو یہ ہے کہ چند قطعہ برائے واپسی ڈاک عنایت فرمائیے۔ بھلا یہ آرزو تو پوری ہو جائے۔ خیر بہتر مزاج اور دعائے رفع تردّدات کا طالب:

بیخود از جودھپور ۳ جنوری ۱۹۱۲ء

(۳)

من مارہروی

معظمی و متاعی سیدی و سندی سلالہ خاندان برکاتیہ افتخار تلامذہ فصیح الملک مرحوم!

آداب و تسلیم قبول ہو۔ حضور کا ایک عطوفت نامہ بورخہ ۸ اکتوبر دوسرا رقم زدہ ۲۳ جنوری سنہ حال تیسرا مورخہ ۲۲ فروری ۱۹۱۱ء مع قطعات تاریخ و مثنوی میرے پیش نظر ہیں۔ افسوس میں ناتوانی اور علالت کی بدولت نہ رسید لکھ سکا نہ جواب۔ بلکہ اب باوجود وہ خط لے کر بیٹھنے اور مکرمی حضرت دلگیر کی فرمائش غزل اور سہرا لکھنے کا مصمم ارادہ کرنے کے ایک شعر بھی نہ لکھ سکا۔ اس سبب سے معافی اور اس کے ساتھ دعا چاہتا ہوں تاکہ بیماریاں بھی دفع ہوں اور پریشانیاں بھی اور سوا آپ کے خاندان اور آپ کے اجداد کرام! آپ کے عزیزان عالیمقام کی توجہ کے آپ کے بیخود کا کہیں ٹھکانا نہیں ہے۔

قطعات تاریخ اور مثنوی تاریخی کی تعریف و ثنا از خود تصنیف میرے امکان میں نہیں ہے۔ یہ تقدیری بات ہے کہ جانشین داغ کی تقریظ نہ صرف آپ کی تاریخوں سے بلکہ عزیزم سید عنایت احمد حیرت بدایونی و سید افتخار حسین صاحب مضطر خیر آبادی و قاضی کبیر احمد جودھپوری و مرزا احمد حسین بیگ صاحب دہلوی و سید محمد نوح صاحب نوح ناروی، غرض بہت سے احباب کی تصانیف کے مقابلہ میں بہت ہو گئی ہے۔ دیوان میں نے اپنے عنایت فرما اور پرانے ملنے والے مولوی سید نصرت علی صاحب دہلوی صاحب نصرت المطابع واقع فراش خانہ کو چھپنے کے واسطے دیا ہے۔ مگر کاپی باوجود بہت اچھی لکھی جانے اور فوراً واپس بھی دینے کے خود میرے دوست بیمار ہو گئے اور کئی مہینوں تک کاپیاں پڑی رہنے سے پتھر پر اترنے کے قابل نہ رہیں۔ چنانچہ اسی خوش نویس سے دوبارہ پھر کاپیاں لکھوائی گئیں جن کو میں نے دوبارہ تصحیح کے بعد دہلی بھیجا ہے

لہٰذا امید ہے کہ اب جلد چھپے گا۔ کل اجرت وغیرہ سالہ ۳۸۰ روپے ملے ہیں جس میں میرے عنایت فرمانے اپنے مارفہ کی نسبت میری نیازمندی پر خیال زیادہ رکھا ہے اور اس رقم میں سے ۱۰۰ روپے مطبع میں پہنچ چکے ہیں۔ اب آئندہ تقدیر ہے اور اللہ تعالیٰ کی مرضی۔ میں آپ کا ہی خادم ہوں اور مرورثی غلام ہوں، اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کی عنایت کو میرے واسطے تک قائم رکھے اور بیماری و ضعف کے سبب سے میں بہت مجبور ہوں۔ لکھنا، پڑھنا، بولنا، چلنا کوکنڈن معلوم ہوتا ہے۔ نوکری کی مجبوری میں ریل میں بیٹھا ہوا دورہ سے آرہا ہوں اور اپنی عدالت کے اہلکار قاضی عبدالغنی صاحب جو میرے ساتھ بہت محبت رکھتے ہیں ان سے یہ خط لکھوا رہا ہوں۔ والتسلیم!

محمد عبدالحی

خواجہ عشرت لکھنوی

(۱)

احسن مارہروی

لکھنؤ۔ احاطہ خان ساماں ۶ر جولائی ۱۹۰۹ء

مخدومی بھائی احسن صاحب!

تسلیم۔ میں بہت سے مخمصوں میں مبتلا ہوں۔ آپ کا مضمون تو لکھا ہوا مدت سے رکھا تھا۔ لیکن میرا خیال تھا کچھ میں اپنے ملک کے استفسار کے جواب میں انجمن کے متعلق لکھوں۔ وہ اب تک نہ ہو سکا۔ بہرحال ایک مضمون مرسل ہے۔ مئی کے پرچہ میں جگہ ہو تو اس کو لکھوا دیجئے۔ جون کے واسطے اور کچھ لکھنے والا ہوں۔ میرا مضمون آپ ضرور دیکھ لیا کیجئے کیونکہ میں ہمیشہ مسودہ بھیج دیتا ہوں۔ ممکن ہے کوئی غلطی رہ گئی ہو۔ .....

(نامکمل)

---

(۲)

احسن مارہروی

مکرم بندہ جناب سید صاحب!

تسلیم۔ نوازش نامہ موصول ہوا۔ حسب الحکم عالی ایک مضمون نثر کا، دو نظمیں بھیجتا ہوں۔ آئندہ برابر لکھتا رہوں گا۔ مجھ کو اپنا قدیم خادم تصور فرمائیے۔ نہ کبھی آپ سے ناراض ہوا ہوں نہ ہو سکتا ہوں۔ میں آپ کو اپنا قابل تعظیم دوست سمجھتا ہوں۔ میری طرف سے آپ خاطر جمع رکھئے۔ کتابیں جو آپ کی خدمت میں بھیجی ہیں وہ وہی تھیں جو آپ نے بذریعہ پوسٹ کارڈ مجھ سے پہلے طلب کی تھیں اگر خلاف فرمائش میں نے بھیجی ہوتیں تو مجھ کو ضرور افسوس ہوتا لیکن اب صرف آپ کی پسند نہ آنے کا افسوس ہے۔ بہرحال جو آپ کی مرضی ہو میں ہر طرح موجود ہوں۔ فقط!

عشرت۔ از لکھنؤ احاطہ خان ساماں

۱۶ر نومبر ۱۹۱۰ء

غزل

جھانکتا کیوں ہے اگر بھر گئی پوشاک میں خاک　　غافل، کہ دن تجھے سونا ہے اسی خاک میں خاک
نہ سکندر رہے نہ دارا نہ فریدوں ہے نہ جم　　سیکڑوں ہو گئے اس گردشِ افلاک میں خاک
چار دن کے لئے مسند پہ ہے تکیہ بیجا　　موت ہر وقت تنی گھات میں ہے تاک میں خاک
زندگی مٹی ہی سمجھتے ہیں قناعت والے　　کیمیا ہے نظرِ صاحبِ ادراک میں خاک
بعد مرنے کے ٹھکانے سے لگی ہے مٹی　　جم گئی ہے چمن کوچۂ سفاک میں خاک

ہے یہ درگاہِ الٰہی میں دعا عشرت کی
جا کے ہو روضۂ پاک شہِ لولاک میں خاک

غزل دوم

بزمِ ابتر ہمیں نکلے جو وہ میخانے سے　　شیشے توڑے گئے پھینکی گئی پیمانے سے
مدح نکلے گی جو ساقی ترے نذرانے سے　　سیدھی جنت کو چلی جائیگی میخانے سے
محفلِ آباد رہے خیر ہو خم کی ساقی　　ایک دو گھونٹ چھلکتے ہوئے پیمانے سے
کہا کرتے ہیں ہوتی ہے غذا جزوِ بدن　　ہم کو تحلیل ہوئے جاتے ہیں غم کھانے سے
آپ بھی جلتے ہیں غیروں کے جلانے والے　　ہم کو روشن یہ ہوا شمع کے جل جانے سے
قطع کر رشتۂ امید اگر دانا ہے　　کشتِ امید ہری ہو گی نہ اس دانے سے
میکشی ترک نہ مجھ رند سے ہو گی واعظ　　عہد شیشے سے ہے پیمان ہے پیمانے سے

دیکھ کر چل کے ذرا سیر وہاں بھی عشرت
دو قدم خانۂ اللہ ہے بت خانے سے

راشد الخیری

(۱)

از شمس العلماء مولوی سید ممتاز علی

مکرمی و معظمی!

السلام علیکم۔ گرامی نامہ کا ممنون ہوں۔ میرا مقصد ہرگز یہ نہ تھا کہ میرے متعلق جو اعتراض تھا اس کی تردید کروں، بلکہ عصمت کے مضمون سے آپ کو میری طرف سے بدگمانی نہ ہو اور اب کہ چل چلاؤ کا وقت ہے کوئی غلط فہمی نہ ہو جائے۔ آپ ضرورت نہیں۔ خیال فرماتے تو جانے دیجئے۔

حاجیہ تاج بیگم صاحبہ کے معاملہ میں جس قدر میں نے کوفت اٹھائی وہ تھوڑی بہت آپ کے علم میں ہی ہے۔ آپ اس سے باخبر ہیں اب یہ آپ ہی فرمائیے کہ رہائی کے بعد اگر ان کے شوہر نے سنگدلی اختیار کی تو مقدمات میں دہلی سے سشن جج صاحب کی خدمت میں کیونکر لے جاتا۔ میرے اعضا اب وہ نہیں رہے۔ اکثر بیمار رہتا ہوں۔ ایک آنکھ کمزور ہو گئی ہے۔ ایک ٹانگ میں ہر وقت درد رہتا ہے۔

کاش وہ سات روپیہ اس سے پہلے یاد آجاتے۔ اس کے بعد مدتوں حساب رہا۔ کبھی کے محسوب ہو چکے ہوتے۔ اگر یاد فرمائی پر بھی تساہل کرتا تو بدمعاملگی کہی جا سکتی تھی۔ مجھے جہاں تک یاد ہے یہ پہلی مرتبہ آپ نے تحریر فرمایا ہے حالانکہ اس کے بعد عرصہ دراز تک سیکڑوں روپیہ کا حساب رہا۔ یہاں انتیاز نے جو روپیہ بھیجے تھے اس کا حساب آپ دیکھ لیں اور مجھے جہاں تک بھی یاد ہے وہ میں نے مضامین کے واسطے ..... اور شاید ایک آدھ مضمون روانہ بھی کیا تھا۔ مجھے اب معلوم ہوا کہ مضمون کی ضرورت نہیں ہے۔

میں عصمت سے اپنا نام علیحدہ کرنے کی کوشش کر رہا ہوں اور وسط اکتوبر میں دہلی جاؤں گا۔ مہربانی فرما کر آپ میاں امتیاز سلمہ سے فرما دیجئے کہ وہ وسط اکتوبر میں ایک کارڈ حساب کا لکھ کر مجھے دہلی روانہ کر دیں، میں تمام حساب صاف کر دوں گا۔

کتاب کے متعلق اگر تغیر و تبدل کی ضرورت ہو اور دوبارہ محنت کرنے پر درست ہو سکتی ہو تو میں حاضر ہوں۔ اگر نہیں تو میں انشاء اللہ کسی اور کو دلوا دوں گا اور جس وقت اب کوئی درخواست کتاب لکھنے کی آئی تو آپ سے مشورہ لوں گا۔ بیان، امتیاز سلمہ کو دعا۔

نیازمند: راشد الخیری - ۱۲ر جولائی ۱۹۲۱ء

(۲)

بنام منشی امتیاز علی تاج

عزیزم سلمہ!

سلام مسنون۔ ماں یہ ہی درست ہوگا کہ آدھے صفحے پر لکھوا دو اور آدھا چھوڑ دو۔ جب مکمل ہو جائے تو روانہ کرو۔

یہاں کاتبوں کی دقت نہیں ہے مگر چھپائی کی مصیبت واقعی سخت ہے۔ سیاہی عصمت میں بھی ویسی استعمال ہو رہی ہے دلی میں انگریزی سیاہی نہیں ملتی۔ قطعیت میں تو نہیں مگر ہاں چھپائی کا انتظام یہاں ہو جانا ممکن ہے۔ سبجوگ کی کاپیاں ختم ہوتے ہی بھیج دینا۔

میں نے منشی کو مسودہ صاف کرنے کے لئے دیا تھا۔ اس کم بخت نے صاف تو صرف ساڑھے تین سلپ کئے اور ایک سلپ کھو دیا۔ اگر نہ ملا تو مجھے سخت اذیت ہوگی۔

تمہارا خیال آغاز اسلام وغیرہ بہت اچھا ہے اور میں اس کتاب کے ختم کرتے ہی انشاء اللہ اس پر شروع کر دوں گا۔ صرف اتنا خیال ہے اسلام کا نام آجانے سے ذمہ داری بہت بڑھ جائے گی۔ خیر یہ بعد میں طے ہو جائے گا لیکن اس سلسلہ میں جو کتابیں میرے پاس موجود ہیں ان کے علاوہ جو تمہارے ہاں ہوں اور تمہاری رائے میں مجھ کو دیکھنے کی ضرورت ہو تو ابھی سے چھانٹ دینا مطالعہ کے بعد واپس کر دوں گا۔ یہ کتاب میں انشاء اللہ آٹھ دس روز میں ختم کر لوں گا اور میں چاہتا ہوں کہ اس وقت تک مضامین کا معاوضہ اگر طے ہو جائے تو ہو جائے کیونکہ پچھلی دفعہ جو سو روپیہ تم نے بھیجے تھے اس کے بعد مجھ کو سو روپیہ اور لینے پڑے جو پندرہ فروری کو واپس کر دیئے ہیں اور اس کے ساتھ اپنے اخراجات کے واسطے ضرورت ہوگی کیونکہ میں نے اس عرصہ میں کسی سے روپیہ نہیں لیا اور اس وجہ سے دو ایک کو ناخوشی ہوئی۔

بعض ضرورتوں پر خیال کرنے کے بعد میں یہ بھی سوچ رہا ہوں کہ اس کتاب کو ختم کر لوں تو جون میں ایک روز کے واسطے لاہور آجاؤں۔

مولوی صاحب کو میرے خط کا جواب جلد دینا چاہئے اس کے جواب پر مجھ کو اپنی ضروریات کا انتظام کرنا ہے۔ والدعا!

نیازمند: راشد الخیری - دہلی ۲ر فروری

(۳)

مکرمی و معظمی!

تسلیم۔ پہلی رجسٹری کے جواب میں جو گرامی نامہ وصول ہوا اس میں جو کچھ تحریر تھا وہ ایک خاص عنوان سے چونکہ درست تھا اس لئے اس کا جواب میں نے جلد نہ دیا۔

ستمبر میں ملیریا وغیرہ کی وجہ سے میں اور بیوی بچے کچھ ایسے پریشان رہے کہ میں حسب دلخواہ کام نہ کر سکا اور گو ابھی تھوڑا بہت

سلسلہ موجود ہے لیکن میں الزہرا میں خاصی محنت کر رہا ہوں۔ تین پیکٹ روانہ کر چکا ہوں۔ امید تھی کہ چوتھا آج روانہ کروں گا مگر بحث چونکہ حضرت سیدہ کی ام المومنین کے سوائے تعلقات سے تھی اور　　کے بعد تمام کتاب میں مشکل بحث ہے افسوس ہے اس وقت تک مکمل نہ کر سکا انشاء اللہ آج رات کو یہ مسودہ جو تقریباً ایک جزو کا ہوگا مکمل ہو جائے گا۔ اسی طرح دوسرے تیسرے روز میں مسودہ بھیجتا رہوں گا اور امید ہے کہ پندرہ بیس روز میں پانچ چھ جزو آپ کی خدمت میں پہنچ جائیں گے۔

الصالحات کے متعلق آپ یہ ہرگز خیال نہ فرمائیے کہ میں اس کی نظر ثانی نہ کروں گا۔ دونوں میں آسمان زمین کا فرق ہے آپ جب فرمائیں مجھے اس کی نظر ثانی میں تین چار ہفتہ صرف ہوں گے۔

میرا پہلا پیکٹ رجسٹری نہ ہو سکا امید ہے کہ وہ بھی پہنچا ہوگا، یہ تیسرا تھا۔

امید کہ مزاج بہ خیر ہوگا۔

نیاز مند راشد الخیری۔ دہلی ۱۷ اکتوبر

(۴)[1]

مخدومی! اسلام مسنون:

پانی پت کا کارڈ پہنچا۔

امید ہے آج آپ مع الخیر روانہ لاہور ہو گئے ہوں گے۔ وحید مرحوم کے مضمون کو میں نے دوبارہ درست کر دیا تھا اب آپ کے نوٹ آنے پر پھر لکھوں گا۔

کوئی مضمون پورا دردناک اس وقت ہو سکتا ہے جب لکھنے والا واقعات میں محدود نہ ہو جس قدر　　وسیع ہوگا، اسی قدر وہ　　لکھ سکتا ہے اور اس لئے کہ وہ پابند نہیں ہے۔　　اور مقررہ دائرہ　　سے علیحدہ نہیں ہو سکتا لیکن جہاں محض واقعات سے بحث کرنی ہے وہاں واقعات کا لحاظ حد بازی کو سلب کر لیتا اور وہ صرف واقعات کے تحت میں لکھتا ہے۔ بہرحال نوٹ آجانے پر میں دوبارہ لکھوں گا۔

میں دو روز سے بالکل خالی ہوں۔

نیاز مند: راشد الخیری!

پتہ کے واسطے صرف عصمت کافی ہے۔

---

[1] اس خط کے بعض الفاظ پڑھے نہیں گئے۔

حکیم اجمل خاں

(۱)

بنام نواب وقار الملک

مکرمی!

السلام علیکم۔ پارسل جھومر کا روانہ کیا گیا ہے امید ہے کہ خدمت والا میں پہنچا ہوگا۔ جھومر کی لاگت کا پرچہ ہمرستہ خدمت ہذا ہے۔ مبلغ ۱۸۱ سعیت اس کی لاگت میں (جیسا کہ پرچہ حساب میں درج ہے) آتے ہیں۔ مبلغ ۱۵۰ روپیہ آپ کے میرے پاس جمع ہیں۔ مبلغ (۳۱) آپ کی طرف اور واجب الادا ہیں۔

اگر جھومر ناپسند ہو تو واپس ہو سکتا ہے۔ صرف مزدوری بنوائی کی دینی ہوگی۔

اجمل۔ دہلی ۹ مارچ ۱۹۰۵ء

میں کل دہلی سے روانہ ہوں گا۔ آپ کو خدا حافظ کہتا ہوں۔

محمد اجمل

فرحت مرزا آپ کو آداب عرض کرتے ہیں۔

---

(۲)

بنام نواب محسن الملک

مکرم بندہ جناب نواب صاحب!

السلام علیکم۔ میں جب میکلوڈ پر میں تھا تو میں نے سید مصطفےٰ حسین صاحب کے ناگوار قصہ کا حال سنا تھا۔ اگر یہ واقعہ صحیح ہے کہ وہ سنٹرل اسٹینڈنگ کمیٹی کے جلسہ سے اٹھا دئے گئے اور وہ بلائے ہوئے آئے تھے تو میں سمجھتا ہوں کہ ان کی بیجا توہین کی گئی جس کا بدلہ کم سے کم میں اپنے دل میں محسوس کرتا ہوں اور جو مجھے مجبور کرتا ہے کہ میں اس کے اسباب مختصر طور پر آپ سے دریافت کروں۔

اگر مصطفےٰ حسین واقعی بے قصور ہیں اور پرنسپل صاحب نے خود یا کسی دوسرے پروفیسر کے اشارہ سے انہیں تکلیف

پہنچا کر اپنے بے جا حکمرانہ اقتدار کو ثابت کرنا چاہا ہے تو آپ خیال کر سکتے ہیں کہ اس کا ناگوار اثر کہاں تک قابلِ برداشت ہو سکتا ہے۔

گو میں بہت کچھ لکھنا چاہتا ہوں مگر آپ کے جواب آنے سے پہلے میں اپنے خیالات کا اظہار نامناسب سمجھتا ہوں۔ تاہم میں آپ کو یہ بات سمجھانی چاہتا ہوں کہ مصطفےٰ حسین ایک کالج کا طالب علم اور بدبخت مسلمانوں کی قوم کا ایک رکن ہے اس کے ساتھ بُرے برتاؤ کرنے کے یہ معنی ہیں کہ ہر ایک مسلمان کے ساتھ بُرا برتاؤ کیا گیا۔

کالج کے اسٹاف کو ہم عزت کی نگاہ سے دیکھنا چاہتے ہیں اور اس پر یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ وہ ایک شریف قوم کی تعلیم گاہ کی خدمت کر کے اس کی جانب انتہا شکر گذاری کا مستحق ہوگا۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ کالج کا یورپین اسٹاف ایسا خود مختار اور مطلق العنان ہو جائے کہ وہ ہماری توہین یا تحقیر کرنے پر بھی ہماری خاموشی کا متوقع رہے۔ مہربانی فرما کر صحیح واقعات سے مجھے جلد مطلع فرمائیے اور اپنی موجودہ فرم پالیسی کو ترک کیجئے ورنہ آپ دیکھ لیں گے کہ آپ کا کالج بہت سی مشکلوں میں پھنس جائے گا۔

اجمل خاں ۱۹ نومبر ۱۹۰۶ء

(۳)

مولانا شوکت علی

بھائی شوکت علی صاحب!

السلام علیکم۔ میں آج کل لبنان کے ایک چھوٹے سے قصبے عین زحلتا میں ہوں۔ یہاں سے بیروت، عکہ اور حیفہ ہوتا ہوا مصر جاؤں گا۔ چونکہ میں ۲۵ ستمبر کی صبح کو بمبئی پہنچ رہا ہوں اور وہاں دو تین روز قیام بھی کرنا ہے اس لئے بہتر معلوم ہوتا ہے کہ آپ خلافت کی ورکنگ کمیٹی ۲۶ ستمبر کو کر دیجئے تاکہ ضروری مشورہ ہو سکے۔

آپ کو معلوم ہے کہ میں پانچ مہینے باہر رہ کر ہندوستان واپس آ رہا ہوں اور میری لڑکی بھی علیل ہے جس کے پاس میں ایک عرصہ تک قیام کروں گا اس لئے پھر مجھے کسی جلسے کی شرکت کے لئے سفر کرنا بہت دشوار ہوگا۔ اگر آپ میرا اس رائے کے ساتھ اتفاق کریں تو نوٹس جاری کر دیں۔

میں صحت کی درستی کے لئے ہندوستان سے باہر آیا تھا اور اس چھٹی میں جو میں نے ڈپٹی کمشنر کو لکھی تھی اپنے سفر کی غایت بھی یہی لکھ دی تھی اور یہ بھی تحریر کر دیا تھا کہ میرا یہ سفر سیاسی نہیں ہے۔ اس لئے امید ہے کہ آپ اس کا لحاظ رکھیں گے اور نوٹس میں جلسے کی ضرورت کا اظہار کرتے ہوئے کوئی ایسی بات تحریر نہ کریں گے جو میری چھٹی کے مضمون کے خلاف ہو۔

امید ہے کہ آپ کا دورہ کامیاب رہا ہوگا اور آپ کے وزن میں خداوند تعالےٰ کے فضل و کرم سے مزید اضافہ ہوا ہوگا۔

پیارے شعیب کو سلام یا پیار جو آپ مناسب سمجھیں۔

اجمل۔ ۲۰ اگست ۱۹۲۵ء۔ عین زحلتا

(۴)

بنام غلام رسول مہر

پرائیویٹ

مکرمی!

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ آپ کا مہربانی نامہ پہنچا۔ مولانا ظفر علی خاں صاحب سے میرا شکریہ ادا کر دیجئے یہ فرما دیجئے کہ جو آپ کی خوشی ہو وہ میری خواہش پر مقدم ہے[1]۔

مہر صاحب! اسوریہ[2] کی آبادی بہت پریشان حال ہے اور اس کے مصائب خیال اور تصور سے بالاتر ہیں! یہ شام کے فرزندوں نے اپنی عدیم المثال جوانمردی اور حریت پسندی کو دنیا کے سامنے پیش کر دیا ہے تو دوسری طرف ان صدمات کو برداشت کرنے میں جو ڈیڑھ سال سے پے در پے انہیں پہنچ رہے ہیں اپنے صبر و استقلال کو بھی انہوں نے ہر انسان کے دوبرو آشکارا کیا ہے۔ یہ سب کچھ ہے مگر ہم نے ان کے لئے کیا کیا ہے؟ اس کا کوئی معقول اور صحیح جواب ہمارے سامنے نہیں ہے۔

"دمشق ریلیف فنڈ" کے نام سے جو انجمن دہلی میں قائم کی گئی تھی اس نے بھی کوئی عملی کام اب تک نہیں کیا۔ صرف اس قیام کے اعلان کو پڑھ کر جن ہمدرد مسلمانوں نے چندے بھیجے وہ تو دفتر سے سیدھے واپس بھیج دیئے گئے۔ ان چندوں کے سوا جن کی مجموعی غالباً کل تین ہزار ہے نہ اور کوئی رقم آئی اور نہ بھیجی گئی۔ سچ یہ ہے کہ فراہمی چندہ کے لئے کوئی کوشش بھی نہیں کی گئی۔

کیا آپ اور مولانا ظفر علی خاں صاحب اس نیک کام میں "دمشق ریلیف فنڈ کمیٹی" کی اعانت کر سکتے ہیں؟ اور کیا آپ میں اس انسانی اور اسلامی امداد کے لئے فہرست اعانت کھول سکتے ہیں؟ اگر یہ ممکن ہو تو ہندوستانی مسلمانوں کی غفلت اور سستی کاہلی کی کسی قدر اشک شوئی ہو سکتی ہے۔ والسلام!

اجمل۔ ۲۱ اگست ۱۹۲۶ء

---

(۵)

بنام نواب سید علی حسن خاں

مکرمی جناب نواب صاحب!

السلام علیکم! مزاج شریف۔ کرم نامہ پہنچا آپ کا اس سے پہلا خط بھی وصول ہو گیا تھا لیکن افسوس ہے کہ مسلسل دوسری مصروفیتوں کی وجہ سے اب تک آپ کو جواب نہیں دے سکا۔

بھوپال کے معاملہ کی بابت جس وقت موقع ہوا انشاء اللہ کوشش کر کے اس کے نتیجہ سے آپ کو اطلاع دوں گا۔ اطمینان رکھئے امید ہے کہ آپ خدا کے فضل سے مع متعلقین بخیریت ہوں گے۔ والسلام!

اجمل از امپورا اسٹیٹ ۱۰ مارچ ۱۹۲۵ء

---

[1] زمیندار حکیم صاحب مرحوم کے نام اعزازی جاری تھا انہوں نے فرمایا کہ مجھ سے قیمت وصول کی جائے۔ مولانا ظفر علی خاں کی طرف سے ان کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ اعزاز کو قائم رہنے دیجئے یہ اسی کا جواب ہے۔ [2] اس وقت شام میں فرانسیسیوں کے ظلم و ستم انتہا کو پہنچے ہوئے تھے حکیم صاحب

حبیب الرحمٰن خاں شروانی

مہر مجسم دام لطفکم!

السلام علیکم۔ میں نے آج آپ کا ایک قیمتی اور مختصر مضمون علی گڑھ منتھلی میں قصبہ ریڑی کے متعلق سُنا۔ آپ سے مجھے تنہا اس وجہ سے تعلق نہیں ہے کہ آپ جناب محمد تقی خاں صاحب کے لائق فرزند ہیں بلکہ میں آپ کو ستھرے علمی مذاق کی وجہ سے زیادہ دوست رکھتا ہوں۔ علی گڑھ منتھلی کے اس مضمون کو جس کو آپ کے اچھے خیالات کی فہرست میں میں نے اسلامی یادگاروں کے پاکیزہ مذاق کو اور بڑھا دیا ہے

معاف کیجئے گا یہ خط میرے ہاتھ کا لکھا ہوا نہیں ہے کیونکہ میں ابھی لکھ پڑھ نہیں سکتا۔

محمد اجمل!

سائل دہلوی

بنام احسن مارہروی

(۱)

اخلاص مندی سید ظفر احسن صاحب زاد عنایتکم!

تسلیم عرض ہے۔ آج صبح ہی حضرت قبلہ کا عنایت نامہ وصول ہوا اور آپ کا مراسلہ عنایت نامہ اوس میں ملفوف تھا آپ نے جو کچھ اپنا واقعہ اور سانحہ حضرت کو لکھا ہے میں نے سب دیکھا۔ مجھے پہلے ہی تعجب تھا کہ کوئی سبب ضرور دوبارہ نہ ملنے کا ہوا ہوگا ایسے کیونکہ ہر سکتا تھا۔ لیکن حضرت سے کسی نے یہ کیوں کہا ہوگا کہ آپ پھر بھی تشریف لائیے تھے۔ اونہوں سے بدول ہو کر جیسا مجھے لکھا ہے میں نے حرف حرف غیر رنگ کی سیاہی سے نقل کر دیا تھا۔ مجھے آپ کے نقصان اور پریشانیوں کا نہایت الم ہوا۔ اللہ تعالیٰ اپنا رحم و فضل کرے۔ دیکھئے دیکھئے ذرا طبیعت کو روکئے۔ مجھ پر تہمت نہ دیجئے۔ اللہ علیم ہے کہ میں آپ سے نہایت معترف ہوں اور ذرا ملال یا کسی قسم کی ذاتی سے کبھی کچھ نہیں لکھتا بلکہ ہر پہلو سے آپ پر تاکید کرتا ہوں کہ آپ فصیح اللغات سے خفت نہ کریں۔ یہ ورثہ آپ کی عدیم النظیری کی ہے تو ایک بڑے مدعا کا مریخ خون ہو رہا ہے۔ آپ کو مصالح اجازت نہیں دیتے۔ اس طرف رجوع کرنے کی اور آپ کو اپنے لالچ پر خاص طور پر ایسی نظر ہے کہ آپ اوس میں دو سو روپیہ کی سے ماہ دو مہینے میں جو نقصان کا اندیشہ رکھتے ہیں۔ مجھے اعلیٰ درجہ کی اخلاقی تعلیم ہوتی ہے اس سبب سے میں نے کبھی آپ کو کہا یا نہیں ہے اور جب کبھی جو کچھ لکھا ہے بے نشا حضرت قبلہ گاہی قلم نہیں اٹھایا۔ نواب مبر حسن علی خان صاحب بہادر اس کے شاہد ہیں جب آپ کو کوئی خط لکھا حضرت کے ایما سے لکھا اور حضرت کو دکھا کر نواب صاحب[1] کو ملاحظہ کرا کر بھیجا ہے۔ میری طرف آپ اب بھی کوئی تہمت کا وہم نہ لائیں اور نہ میرے رجس و نسیان ہو جاؤں گا بشرطیکہ زندگی اور استاد سلامت رہیں اور منظور خدا ہے تو بہت جلد فصیح اللغات مرتب ہو جائے گی اور کوئی دقت ہو نہیں ہوگی۔ اس فقرے کے معنی بتا دیجئے کیا ہیں ورنہ سوائے خداوند عالم کے اور کسی کی مجال نہیں جو میرے خاتمے کام میں دست اندازی کر سکے۔ نشان نمبر ایک کے لفظ کے معنی آپ کو آپ کے استاد نے کیا بتائے ہیں۔ میں خیال کرتا ہوں کہ آپ بڑے جوش میں یہ دو لفظ لکھ گئے ہیں۔ میں نے پڑھنے لکھنے میں آپ سے بہت زیادہ پاپڑ بیلے ہیں۔ میری نسبت آپ بے تکلف ایسے لفظ نہ برت جایا کیجئے جس کے کئی کئی پہلو نکلتے ہوں۔ نشان نمبر دو کے معنی آپ خود غلط سمجھے ہوئے ہیں۔ جس کام کا ذکر کیا ہے اور جس سے مراد ہے وہ

---

[1] مظاہر دار غفرلہ ہادی۔ [2] نواب مبر حسن علی خان۔

شاید آپ اپنا سمجھے ہوئے ہیں حالانکہ یہ غلط ہے۔ ایسے مغالطہ عبارت کو خبط کر دیتے ہیں اور ان سے پہلو حال کے پیدا ہو جاتے ہیں۔ مجھے آپ کے اغراض سے لا واللہ کوئی تعرض نہیں مگر یہ ملاحی تحریر ہے۔ اگر نفسانیت کو اشتعالک رہیں تو کوئی عجب بھی نہیں۔ اس کے نتیجہ میں شکر رنجی ہوگی اور بے لطفی اور اس سے میں تجاوز کرنا چاہتا ہوں۔ زیادہ شوق ملاقات۔ فقط!

آثم ابو المعظم سراج الدین احمد خان مسائل ۱۲ جنوری ۱۹۰۳ء

---

(۲)

ردی

اخلاص مندی احسن صاحب نادر عنایتکم!

تسلیم۔ ۲۷ ماہ رواں کا عنایت نامہ اس وقت کے ڈاک سے وصول ہوا۔ مجھے عالم صاحب کی تحریر سے آپ کی مفروضیت کا حال دریافت ہو گیا تھا۔ اللہ آپ پر رحم کرے اور آپ کی افکار کو دور فرمائے میں چند مرتبہ آپ کو لکھ چکا ہوں اور ہمیشہ اس بات کا جواب نہیں دیکھتا آپ کی کسی تحریر میں اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ اخلاص مندانہ فصیح الاغات کی ترتیب میں مجھے استمداد نہیں کرتے۔ آپ جب تک وہاں اپنے معاملات میں گھرے ہوئے ہیں وہ مسودہ مجھے دے دیجئے گا کہ میں اوس کو آگے چلتا رکھوں مجھ کو کوئی اعتبار نہ کیجئے حضرت قبلہ کو بھیج دیجئے۔ میں بیچ عرض کرتا ہوں کہ اوستاد کی زندگی کو غنیمت تصور کیجئے، آپ ہیں کس دھن میں؟ جب آپ فارغ ہو جائیے گا اور یہاں آجائیے گا میں سب کچھ آپ کو دے دوں گا۔ کیوں اس قدر بے اعتبار آپ ہوتے ہیں؟ اللہ علیم ہے اگر میں لالچ پر نظر کروں تو بقسم عرض کرتا ہوں کہ آپ کو کوئی حصہ اس کا نہ لینے دوں۔ یہاں یہ خیال ہی نہیں ہے اور آپ مفت بدگمانی ہو رہے ہیں۔ آپ کی محنت کا حصہ بٹاتا ہوں کیونکر آپ کو یقین دلاؤں۔ اون امور کو آپ بغیر ختم کئے نہیں چھوڑ سکتے۔ یہاں اس کے بغیر شروع کئے نہایت نقصان دکھائی دیتا ہے۔ یہ تو آپ نہ فرمائیے کہ بغیر کسی کی مدد کے آپ نے اسے شروع کیا۔ کسی کی مدد کے بغیر تو دونوں حیثیتوں سے یہ چیز آپ کے بس کی نہیں ہے۔ میں نے اوس کے اجزا صاحب عالم کے مشورہ کے موافق پڑھے ہیں۔ اون کی نظر کے بغیر تو حضرت قبلہ تک لے جانے بھی بے سود سے ہوتے تھے۔ علاوہ ازیں بے مدد مالی رقم کے بھی یہ کام آپ کے امکان سے خارج سا ہے۔ بالصورت نفع اللہ علیم ہے کہ اس میں ہم دخل نہ دیں گے جب تک آپ جواب صاف نہ دے دیں گے اس کام کے لئے مگر کتاب کی ترتیب میں تو نقصان نہ ڈالو۔ کون کافر آپ کی امید پر پانی پھیرتا ہے بلکہ درحقیقت آپ ایک عالم کی امیدوں پر پانی پھیرتے ہیں ایک فضول بدگمانی کو اپنے ذہن میں جگہ دے کر دیوانی معاملات میں کس کو یقین ہے کہ کب تک نجات ہو جائے گی۔ یہ بھی آپ کا ایک زعم ہے میں سخت علیل ہوں اور اپنی علالت سے نہایت مشوش ہوں۔ اللہ فضل کرے اگر یہی صورت میری شکایت دورہ دوران سر کی رہی تو مجھے علاج کے لئے ضرور دہلی جانا ہوگا مشین کے معاملہ وغیرہ کو مجھ پر چھوڑ دیجئے آپ جانیں اور منشی عبدالغنی خان اگر وہ ملٹی میرے پاس آئی تو میں منشی عبدالغنی خان کو اطلاع کر دوں گا۔ میں اچھا نہیں ہوں دوران سر اور اختلاج کی بے حد شکایت ہے یہاں آجکل ایسی گرمی ہے جیسے اپنے وطن میں آغاز ماہ اپریل میں ہوتی ہے شب کو کسی قدر خنکی ہوتی ہے ورنہ تمام دن سفید باریک شیروانی پہنی جاتی ہے۔ زیادہ اخلاص والتسلیم۔

آثم ابو المعظم سراج الدین احمد ۳۰ جنوری ۱۹۰۳ء

بنام سید افتخار عالم صاحب مارہروی　　(۳)

مخلصی!

تسلیم۔ آپ کی یاد آوری کا پہلے شکریہ بعد ازاں ۳۰ اگست کے کارڈ کا جواب ہے۔ مجھے دہلی سے واپس آئے کو چار ماہ گذر گئے۔ ناصر میاں بفضلہ تعالیٰ مدرسہ اعزہ میں تعلیم پاتے ہیں۔ فضول اوقات زیادہ گزرتے ہیں، لکھنے پڑھنے سے رغبت نہیں۔ کھیل کا بھی سلیقہ نہیں ہے۔ خود آرائی کا شوق ہے اور روپیہ کی بربادی۔ نظر بد انت بری ہوتی کیا کہوں ——— ہر وقت بکتے بکتے پھوہا پک گیا۔ گلہ ستہ معیار الافشا ملاحظہ میں آیا ہوگا۔ کئی پیچیدگیاں فضل الٰہی سے سلجھ گئیں۔ اس کی معاونت فرض ہے اور احسن صاحب سے بھی میں از سلام یاد دہانی کیجئے گا۔ والتسلیم فقط!

آثم ابو المعظم سراج الدین احمد از حیدر آباد ترپ بازار۔ ۲۵ ستمبر ۱۹۰۳ء

بنام ہمایوں مرزا بیرسٹر　　(۴)

زادعنایتکم تسلیم!

انشاء اللہ تعالیٰ چھ بجے اگر میں نہ بھی آپ کے ساتھ جا سکا تو آپ کے لئے گاڑی حاضر ہو جائے گی۔ ممکن ہے میں قبل و بعد جاؤں واپسی کے لئے بھی آپ کے واسطے انتظام و خیال رکھا جائے گا مطمئن رہیں۔ میں اپنی بابت اس وجہ مشکوک ہوں کہ میری لڑکی علیل ہے۔ والتسلیم۔

آثم ابو المعظم سراج الدین احمد خان ساکل ۱۱ مارچ ۱۹۰۰ء

بنام احسن مارہروی　　(۵)

محترمی سید صاحب زادعنایتکم!

تسلیم۔ بدایوں شریف سے واپس آتے ہی ایسا سخت علیل ہوا ہوں کہ اس وقت تک صاحب فراش ہوں۔ گاؤ تکیہ کے سہارے نیم دراز آپ کو خط لکھ رہا ہوں۔ مرض نہایت مخدوش ہے۔ عارضہ انقباض قلب و دوران سر مل جلے ہیں ——— سل سرچن معالج ہے، اللہ مالک ہے۔ اوہم کے متعلق میں اپنا مطلع حاضر کرتا ہوں اور یہ مطلع اوس غزل کا ہے جو حضرت اوستاد مرحوم کے ملاحظہ سے بھی گذری ہوئی ہے ——

وہ کہتے رہے دل لگی دیر تک　　شب وصل اور مختصر دیر تک

اس مطلع کے مزدوں پڑھے جانے میں آپ کے تمام مطالب حاصل ہو جائیں گے۔ تذکیر و تانیث و اشباع کسی بات کی کسر رہے گی۔ میں اپنی حالت آپ کو لکھ چکا ہوں اس صورت میں خود تو غزل کی نقل کر نہیں سکتا۔ کوئی لکھا پڑھا میسر نہ آئے تو اوس سے لکھوا کر ملفوظ نیاز نامہ کر دوں گا۔ ورنہ شام کو بے غزل یہ خط بند ہو کر ڈاک کے سپرد کر دیا جائے گا۔ مجھے معذور و متصور فرمائیے گا۔ غالباً آپ نے میکریاں سے اوس غزل کی نقل حاصل کر لی ہوگی برادری کے خسر صاحب لے گئے تھے اور آپ سے اونہوں نے نقل بھیجنے کا وعدہ کر لیا تھا۔ جناب سید امیر حسین صاحب دلیر سے ملئے تو میرا سلام کہئے گا۔ زیادہ شوق طاقات۔ والتسلیم۔ اگر آپ کے مطابق طبع نہ ہو تو میرا کلام آپ پبلک میں پیش کریں۔ وہ اس لائق نہیں اور حق و ناحق اکثر مہاجنوں کا اعتراض کرنے کی زحمت اوٹھانی پڑتی ہے۔ آئندہ آپ کو اختیار ہے

آثم ابو المعظم سراج الدین احمد خان ساکل ۲۰ نومبر ۱۹۰۰ء

(۶)

برہوی

برادرم احسن صاحب زاد عنایتکم!

تسلیم۔ عنایت نامہ پہنچا۔ مضمون سند جو سے آگہی ہوئی۔ میں نے آپ کو آپ کے طلب پر جو اشعار سند تحریر کر کے دیئے ہیں وہ بحیثیت استاد مرحوم کے شاگرد ہونے کے نہیں دیئے۔ اس سے قبل آپ کے قلم سے کئی بار میری نسبت لکھا جا چکا ہے کہ میں ان کے تلامذہ میں رشادت کا مرتبہ نہیں رکھتا اور یہ سچ ہے ان کے شاگرد مجھ سے اچھے ہیں۔ میں نے وہ سند میں آپ کو اس وجہ سے لکھ کر دی ہیں کہ میں جہاں آباد کی خاک سے بنا ہوں اور یہاں کے فصیح ترین میں بفضلہ تعالیٰ مانا جاتا ہوں۔ اگر آپ نے محض شاگرد جہاں استاد ہونے کی وجہ سے مجھ سے اشعار امسہ و طلب کئے تھے تو ضرور آپ اون کو طبع نہ کیجئے مگر اتنا عرض کر دینا نامناسب نہ ہوگا کہ جا، جاتے، جاگہ، جاگاہ، جاگہ یہ سب فارسی لفظ ہیں۔ میں سمجھ نہیں سکتا کہ استاد مرحوم نے بقول آپ کے (جائے) کو کیوں اور کب ترک کیا۔ میری غزلوں میں اکثر یہ لفظ اون کے کان تک پہنچا مگر کبھی اس کے متعلق اون کی زبان سے کچھ نہیں سنا۔ چنانچہ میری غزل کا مطلع یہ شاعر ہے جو اون کی اصلاح شدہ ہے۔

پوچھا ہے جائے جائے تری جلوہ گاہ کا — موسیٰ کو لوگ کہتے ہیں بیگانگاہ کا

میں نہیں سمجھ سکتا کہ آپ کو تو اونہوں نے اس کے ترک کرنے کی ہدایت کی لیکن مجھے کچھ بھی نہ لکھا۔ علاوہ ازیں آپ فضل الٰہی سے منتہی تلامذہ میں سے ہیں خود بھی اجتہادی قوت آپ کو حاصل ہے۔ غور تو کیجئے کہ کس قدر پیارا لفظ ہے یہ اپنے خمسہ میں جس پر الزام ترک ہونے کا لگایا جاتا ہے۔ میرے نزدیک اپنے پانچوں لفظوں میں یہی لفظ ہے جو افصح ہے۔ میری آپ سے اخوت و محبت ہے میں اپنا کلام سند میں آپ کی معرفت خود پبلک میں پیش کرنے سے احتراز کروں گا کہ آپ کو میری وجہ سے کاہش نہ اوٹھانی پڑے اور آئندہ اس خدمت سے آپ بھی مجھے معاف فرمائیں گے۔ باقی بافضالہ خیریت ہے۔ فقط!

آثم ابوالمعظم سراج الدین احمد خان سائل ۱۲ فروری سنہ ۱۹۱۰ء

(۷)

شاہجہاں پوری

جان والا جاہ سلمہ اللہ تعالیٰ!

ارجن کا کارڈ موصول ہوا۔ خیریت رسی کی نوید نے مطمئن کیا۔ الحمد للہ تعالیٰ میں بھی تادم تحریر بفضلہ تعالیٰ بہ ہمہ وش عافیت ہوں۔ آپ کی مخلصانہ پرسش نے گرویدۂ اخلاق کر لیا ہے۔ خدائے تعالیٰ آپ کو فائز المرام اور کامیاب رکھے۔ میں عدیم الفرصتی کی وجہ سے خط و کتابت کی رو میں تنقید نہیں کر سکتا، جس قدر اس وضع کی پابندی کرتا ہوں اسی قدر پابندی سے جواب خطوط لکھتا ہوں۔ میری شاعرانہ رائے میرے مخاطبوں کو زیبا نہیں۔ اپنوں کی ہر ادائے مذموم بھی اپنوں کو عزیز ہوا کرتی ہے میں آپ کو اپنا جانتا ہوں اس لئے آپ کی خصوصیات کی سند نہیں۔ بھائی بیباک صاحب کو ہدیۂ دعا پیش کر دیجئے اور مزاج پرسی کر لیجئے باقی بافضل الٰہی بتصدق حضرت ختم پناہی و آلہ و اصحابہ خیریت ہے۔

آثم ابوالمعظم سراج الدین احمد خان سائل ۱۲ جولائی ۱۹۱۰ء شنبہ۔

بنام پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی دہلوی

(۸)

مکرمی برادرم پنڈت جی صاحب زادالطافہم!

تسلیم مع الاکرام۔ آپ کا عنایت نامہ ۱۷ اکتوبر کا میری میز پر جواب دینے والے خطوط میں پڑا رہا اور میں شہر سے باہر رہا۔ ستمبر سے میں سفروں میں ہوں۔ ٹونڈیرہ دون سے واپس آکر صرف دو روز دہلی ٹھہرا تھا کہ .... گیا۔ اورنگ آباد پہنچا۔ پونا گیا ..... پہنچا واپسی میں آگرہ سے دو روز رہا کہ دفعتاً نواب لوہارو کی حالت بُری سنی وہاں سے واپس آیا۔ دو روز بعد ان کا انتقال ہو گیا پانچویں روز بعد اس واقعہ کے میں الہ آباد گیا۔ پھر بنارس رہتا ہوا کانپور آیا۔ ندوہ کے جلسوں میں شرکت کی۔ لکھنؤ آیا۔ یہاں سالانہ مشاعرہ کو بجائے جنوری کے فروری میں قرار دیا جس کی تاریخ ۲۶ ہے۔ وہاں سے رام پور آیا۔ نواب صاحب نے روک لیا۔ ۱۴ تاریخ کو دہلی آیا ہوں ہنوز زحمت سفر سے حواس ٹھکانے نہیں ہوئے ہیں۔ اس دوڑ دھوپ کی وجہ سے نہ مجھے گھر ٹھہرنا نصیب ہوا، نہ کسی کو خط لکھنے کی نوبت آئی۔ رام پور میں ڈاکٹر انصاری سے سُنا کہ لالہ سری رام بھائی بہت علیل ہیں۔ وہیں سے ان کی مزاج پرسی کو خط بھیجا کچھ حال نہیں معلوم ہوا۔ اس سخت سردی کے موسم کے سفروں نے جوڑ جوڑ میں درد پیدا کر دیا ہے۔ ذرا اس سے افاقہ ہو تو بھائی سری رام جی سے مل کر ان کو دیکھوں۔ مثنوی کی رفتار اس سفر نے بہت پست کر دی ہے۔ تین ہزار شعر اب اس کے ہو گئے ہیں۔ شہزادہ جہانگیر[1] میری میں بہ تمام ہو گیا ہے۔ مہرالنسا کا عقد علی قلی سے ہونے والا ہے۔ آپ یہ بتائیے کہ آپ لکھنؤ کب چلیں گے اور کتنے دن وہاں قیام ہوگا۔ کتاب عالی رفاہی والی نہیں ہے۔ اس کی منزلت اپنی خوبیوں کے اعتبار سے ارفع ہے۔ باقی خیریت والتسلیم۔

آثم ابوالمعظم سراج الدین احمد خاں سائل لال دروازہ دہلی ۱۹ دسمبر ۱۹۲۶ء

بنام نواب میر حسن علی خان

(۹)

مکرمی نواب صاحب بہادر سلامت رہیے

میری اور میری بیوی کی جانب سے تسلیم ادب قبول فرمائیے۔ میں متواتر کئی سال سے مختلف امراض اور افکار کا توڑہ بنا ہوا ہوں نقرس کے دورے سخت سخت پڑتے ہیں، اختلاج قلب کی شکایت مزید برآں ہے۔ اب کے رمضان مبارک میں فیصلہ ہی ہو گیا تھا نہ معلوم کیا نیکی بدی کا ارتکاب ابھی مقدر میں باقی ہے جو بچ گیا۔ یہ سال مجھ پر ایسا سخت گزرا ہے کہ خدا دشمن کو بھی نہ نصیب کرے۔ تفصیل واقعات ملاحظہ ہو۔ ایک حکیم اجمل خان صاحب کا انتقال جس کا اثر یہ کہ تقریباً دو ڈھائی ہزار روپیہ سالانہ کا مالی خسارہ ہوا۔ دوسرا واقعہ میرے برادر حقیقی نواب مرزا سراج الدین احمد خاں تاباں کا جس کا خمیازہ یہ کہ مجھ پر دعویٰ مہر اور تقسیم جائداد کا ہو گیا اس کے باوجود کہ میں قابض جائداد پر نہیں اور نہ متوفی نے اتنا چھوڑا کہ ادائگی مہر ہو سکے۔ تیسرا واقعہ میرے حقیقی ماموں زاد بھائی کا جو صاحب جائداد کثیر تھے اور جو ایک بیوی ایک مدخولہ چھوڑ کر مرے۔ بیوی سے ایک بیٹا دو بیٹیاں مدخولہ سے ایک دختر ہے بحیثیت بزرگ خاندان ہونے کے ان کا انتظام مجھ پر ہوا۔ لڑکا ان کا دس برس سے امریکہ میں ہے وہاں اوس کے بیوی بچے بھی ہو گئے۔ وہ اپنے باپ، ماں بہنوں سے کوئی واسطہ نہیں رکھتا۔ باپ کے واقعہ کی اطلاع پاکر اوس نے یہ لکھ دیا کہ مجھے اپنی پھوپی سرمد جہاں بیگم اور چچا سائل صاحب کے نصیب سے اتفاق ہوگا میں اپنی والدہ کے عہد حیات میں جائداد منقولہ اور غیر منقولہ میں دخل دینا پسند نہیں کرتا۔ چوتھا واقعہ میری برادر عمخوار کا

---

[1] جہانگیر مہرالنسا اور علی قلی خاں کے ناموں سے واضح ہے کہ غالباً جہانگیر اور نورجہاں کے متعلق مثنوی شروع کی تھی۔

جن کو میری پھپھی زاد بہن منسوب تھی۔ پانچویں بیٹی حقیقی بھائی کا بیوہ ہونا اس کی عمر اس وقت اٹھائیس سال کی ہے۔ اوس کا خاوند جاگیردار تعلقہ ارچند اضلع پنجاب کا تھا جس کی آمدنی تیرہ لاکھ روپیہ سالانہ کی تھی۔ یہ لڑکی بے اولاد ہونے کی وجہ سے وہاں کے قانون کی رو سے اوس جاگیر میں کوئی دخل نہیں دے سکتی۔ صرف پانچ سو روپیہ ماہوار پائے گی اگر عقد ثانی نہ کرے گی۔ ان تمام واقعات میں کم بیش مجھے فکر میں دور پیش ہیں کہیں بوجذبات کے کہیں بوجہ تعلقات کے۔ ۶۶ سال کی میری عمر امراض ایسے شدید صحت و عافیت کیا دمساوی کر سکتی ہے۔ اپنے افکار میں بہت غلطاں و پیچاں ہوں کہ آپ جیسی محترم ہستی کو بھی خط پر کھنا بھول گیا ہوں ضعف و بڑھاپے کا صورت حالات پر غور کرتے ہوئے جب سیر میں حیدرآباد میں آیا ہوں ۳۴ سال گزرے آپ سے نیاز حاصل کئے ہوں اثنا میں صرف دو دفعہ بلدہ کیا دو دو چار چار روز کے لئے جو نہ جانے کے برابر تھا۔ آپ کے نوازش نامہ کے ورود نے مجھے اور میری اہلیہ کو اس قدر مسرور اور منتعش کیا کہ کچھ عرض نہیں کر سکتا۔ صاحبزادہ کی تشریف آوری غریب خانہ پر موجب مسرت و شادمانی ہوئی۔ کامگار رشید علی جہاں بہادر کی سعادت مندی پر دل لوٹ گیا۔ اچھوں کے اچھے ہی ہونے چاہئیں۔ اون کی تعلیمی کامیابی کی تہنیت قبول کیجئے۔ ناصر میاں مرہٹی میں روانی افروز ہیں اونہوں نے بطور خود یہ تحریر رشید عالم کی سب سے چھوٹی نواسی سے عقد کر لیا ہے اور مجھ سے ڈیڑھ میل کے فاصلے پر علیحدہ رہتے ہیں۔ اس بیوی سے اون کے تین بچے ہوئے ہیں۔ دو زندہ ہیں ایک مر گیا۔ پھپھی میم صاحبہ اون کی میرے پاس ہیں بعد اپنے فرزند کے پیدا ہونے کا اون کا جوان مر گیا ہے اور کمپنی میں ۱۰۰ روپیہ ماہوار کا لڑکہ ہے۔ مجھے علم نہیں کہ اوس کی تنخواہ کہاں آتی ہے اور کہاں صرف ہوتی ہے۔ اوس کی والدہ اور اوس کی خبر گیری سے ناصر میاں کو کوئی تعلق نہیں۔ روٹی کپڑا اور دوسری ضروریات کا حسب استطاعت میں کفیل ہوں۔ ناصر میاں کا منصب بحکم اعلیٰ حضرت چھ سال سے بند ہے۔ یہ بندش منصف کی اون کی میم صاحبہ کی وادفریاد اور اون کے قرض خواہوں کی درخواستوں کے نتیجہ میں ہے۔ سن ناشنوی جو اون کو قدرتی طور پر حاصل ہے ہنوز باقی ہے۔ کوئی تردد اور تفکر اونہوں نے انجام مقصد کا سرکار دکن سے نہیں کیا۔ جو رقم ۵۰ روپیہ ماہانہ اون کو اون کے باپ کے ورثہ میں نصیب ہوئی ہے اوس میں بسا اوقات ہوتی ہے۔ تین برس ہوئے کہ ناتجربہ کاری اور بے احتیاطی کی وجہ سے شکار میں اپنے ہی ہاتھ سے اپنی بندوق سے زخمی ہوئے۔ بک شوٹ کے کارتوس کے سب چھرّے اپنے پاؤں میں لگے تین مہینے اسپتال میں پڑے رہے۔ ٹخنے کی ہڈی ضائع ہو جانے کی وجہ سے لنگ کر کے چلتے ہیں اور اچھے ہیں۔ میری دختر نسیبہ بیگم کی شادی ہوئی کو چھ برس ہے صرف ایک فرزند نرینہ اوس کے ہے جو چار سالہ ہے خاوند اوس کا قوم کا مغل ہے تعلیمی اعتبار سے ایم۔اے ہے پنجاب کے اضلاع میں سب ڈویژنل آفیسر ہے سات سو روپیہ تنخواہ ہے ۷۰۰ روپیہ سالانہ ترقی ہے۔ آجکل ضلع رہتک میں بدلی ہوئی ہے جو یہاں سے ۴۴ میل کے فاصلہ پر ہے دو گھنٹہ میں ریل اور موٹر آجاتے ہیں۔ اللہ کا احسان ہے باہم خوش ہیں۔ سب سے بڑی خوشی اس بات کی ہے کہ باوجود اس تعلیم کے نہایت خوش اعتقاد مسلمان ہے اور پابند صوم و صلوٰۃ۔ میرے دولت کدے پر یہاں آکر ہوئے خدا کے فضل سے ایک کی عمر ۱۴ سال ہے ایک کی ۱۶ سال دونوں دسویں جماعت میں ہیں۔ بڑے کا نام غلام قطب الدین احمد خان ہے چھوٹے کا نام غلام نظام الدین احمد خان اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کی اولاد کو بہرہ مند کرے درازی عمر کے ساتھ۔ کشمیر میں چائے کی کاشت کی خبر آپ کو غلط ملی ہے۔ میرے داماد کی کوٹھی ضلع کانگڑہ دھرم سالے میں ہے اوس کے احاطہ میں البتہ چائے کے چند قطع چھوٹے چھوٹے ہیں جن کی سالانہ آمدنی اوس کو شاید

لہ غالباً یہ حیدرآباد کی طرف اشارہ ہے جس کے لاولد مرنے پر ریاست نہ ڈوب نواب شاہ نواز جنگ کو ملی اور ان سے نواب افتخار حسین خان کو۔

علاوہ پریشان ہو جاتی ہے۔ بروک بانڈ کمپنی کو وہ قطعات اجارہ پر دے رکھے ہیں۔ ہدیۃً ایک دو دفعہ ان کی چاء قدسیہ میرے لئے لائی تھی جنداں قابل تعریف نہیں۔ وہاں سبز چاء اچھی بنتی ہے اگر آپ کو پسند ہو تو میں قدسیہ بیگم کو لکھ دوں کہ دو تین پونڈ بھجوا دے۔ میرے بچا کے ورثہ میں مجھے ایک ہزار سال کا اضافہ ملا ہے۔ آپ کی بڑی صاحبزادی کی وفات کا حال یہاں معلوم ہی نہیں ہوا۔ خبر نے مجھے اور میری اہلیہ کو بہت مغموم کیا۔ اللہ آپ کو صبر عطا فرمائے اور مرحومہ کی اولاد کو بسعادت حصول درجات و مراتب کامیاب فرمائے۔ صاحبزادہ سید اسحٰق احمد میاں کو میری جانب سے دعا کہہ دیجئے یہ بڑا خاندانی بزرگ زادہ ہے اللہ خوش رکھے ان کے نانا ہمارے پیشوا ہیں۔ آپ اپنے کلام کو مرتب طبع کرا دیں یہ ایک لٹریری خدمت ہے جس کی ابھی بہت کمی اور احتیاج ہے۔ نواب صاحب آپ براہ کرم حضرت جہانی اور استاد مرحوم کی سنت کو سلامت رکھئے کہیں کہیں کیا بلکہ اکثر و بیشتر کچھ کہتے رہئے۔ بیگم بعد ادائے تسلیم عرض کرتی ہیں۔ بچوں کی طرف سے آداب و نیاز قبول ہو۔ صاحبزادگان کو دعائے دولت و عمر و التسلیم۔

آثم ابو المعظم سراج الدین احمد خان سائل۔ ۱۲ مئی ۲۹ء

بنام ولی شاہجہان پوری

(۱۰)

مکرمی بھائی صاحب زاد لطافتہم!

تسلیم۔ عنایت نامہ باستمزاج و دعوت شرکت مشاعرہ نمائش شاہجہان پور مجھے دو ہفتہ ہوئے وصول ہوا۔ یاد آوری کا سپاس مند ہوں۔ بھائی صاحب بہتر برس کا ہو چکا ہوں۔ اس کہن سالی پر طرہ یہ کہ مریض اختلاج قلب اور دردِ نقرس کا ہوں۔ گردہ نقرس کا ہو گیا تو بیکار اگر اختلاج نے ستایا تو دیوانہ ہو جاؤں گا۔ اس شدید موسم میں مجھے کہیں یاد فرمایا جاتا ہے۔ دل نہیں چاہتا کہ آپ کی دعوت کو رد کر دوں محبت اور خلوص کے الفاظ میں آپ نے عنایت نامہ ارسال کیا ہے اور جو خلوص آپ مجھ سے برتتے ہیں اس کا میں معترف ہوں۔ خدا آپ کو خوش و خرم رکھے یہ درست اور بجا ہے کہ آپ کی کمیٹی میرے مصارف سفر برداشت کرے اور میری راحت رسانی کے مواقع سے چشم پوشی نہ کرے گی لیکن پھر بھی کچھ نہ کچھ میری جیب سے صرف ہو ہی جائے گا جو مجھے ناگوار ہوگا۔ آپ کو معلوم نہیں جس مالی تکلیف میں آج کل میں مبتلا ہوں۔ میرے بھاوج نے مجھ پر دعویٰ اپنے مہر کا کر کے پچیس ہزار روپیہ ڈگری عدالت سے حاصل کر لی ہے۔ میری جدی جائداد پر زوال سا آگیا ہے۔ یہ رقم مجھے مارچ کے مہینے میں داخل عدالت کرنی ہے یہ فکر مجھے کھائے جاتا ہے۔ تقریباً ڈھائی سو روپیہ ماہوار منعبہ کا فائدہ میرے ہاتھ سے نکلا جاتا ہے یہ فکر مجھے فکر سخن کیا کرنے دے آپ اور رکا مگار رسپر و صاحب کلکٹر صدر شاہجہان پور مجھے معاف کر دیں تو میں بے حد ممنون ہوں گا۔ اگرچہ میرا دل آپ سب احباب کی صورت دیکھنے کو چاہتا ہے لیکن اقتضائے وقت سے معذور سا ہو رہا ہوں اور تاخیر جواب نگاری کا معافی چاہتا ہوں آج کارڈ دعوت بھی بھائی بیباک صاحب نے مجھے بھیج دیا ہے۔ انہی کو وسیلہ جواب قرار دے کہ یہ نیاز نامہ ارسال کر رہا ہوں۔ والتسلیم!

آثم ابو المعظم سراج الدین احمد خان سائل

۳۰ جنوری ۱۹۳۵ء

(۱۱)

شاہجہانپوری

بھائی حکیم صاحب سلامت رہئے!

تسلیم۔ آپ کا عنایت نامہ کارڈ وصول ہوا۔ مجھے حیرت ہے کہ آپ مجھے اس قدر لغو گو سمجھتے ہیں کہ میں آپ کی ایسی پُرمغز طلب کو رد کر رہا ہوں۔ میں ایمان سے عرض کرتا ہوں کہ مجھ پر سخت تشویش کا وقت گذر رہا ہے ورنہ سرتاقدم ساختہ حاضر ہوتا۔ اگر آپ کے دل میں میری کچھ بھی خواہش ہے تو اس کو آئینہ ماہ میرے قلب کا سمجھئے۔ میری عمر ستر سال سے متجاوز ہے۔ میں فضول گوئی سے پرہیز کرتا ہوں اور دوستوں کو دھوکا دینا یا ان سے غلط بات چیت کرنا گناہ عظیم جانتا ہوں۔ طرح اور غیر طرح کا خیال بھی فضول ہے ۷۴ سال کے ذوق سخن کا اقتضا یہ نہیں ہو سکتا کہ میں چند شعر طرح میں نہ عرض کر سکوں امید ہے کہ آپ میری غیر حاضری کو معاف فرمائیں گے اور اس عزت افزائی کا سپاس مند ہوں جو میری نامزدگی آپ نے فرمائی تھی۔ سب صاحبوں کو میرا سلام کہہ دیجئے گا۔ آپ کا بہی خواہ:

ابوالمعظم سائل دہلوی۔ ۱۶ فروری ۱۹۳۵ء

---

(۱۲)

سید دل محمد فضا

سید صاحب عنایت فرمائے بندہ سلامت:

السلام علیکم۔ عنایت نامہ شرف لایا۔ میں نے تعمیل حکم حسب الارشاد کر دی۔ کچھ اپنے اشعار مثنوی کے سنداً حاضر کر دئے ہیں جو مجھے الفاظ مستعمرہ کے متعلق یاد آئے کچھ کہہ دئے ہیں۔ میں کسی سے مخالف نہیں جس کا جو مسلک ہے ہو۔ تذکیر و تانیث جو میری زبان پر میرے روزمرہ میں جاری ہے وہ مسلک اہل ہے۔ صحت میری خراب ہے۔ پاؤں کے ٹوٹنے سے میں محتاج ہو کر فرش ایک سال سے ہو گیا ہوں۔ سردار جگت سنگھ صاحب سے بعد سلام فرما دیجئے کہ اخلاج قلب کے دورے سے نجات ہو گی تو کچھ حاضر کر دوں گا۔ رہنمائے تعلیم کی صورت مجھے سالہا سال سے نہیں ہو سکی۔ آپ مجھے بھول گئے ہیں۔ میں بجائے خود خاموش ہو گیا زیادہ زیادہ۔

آثم ابوالمعظم سراج الدین احمد خاں سائل۔ ۴ دسمبر ۳۵ء

موٹر : مونث

سیاہ رنگ تھا از بس کہ تیز موٹر تھی　　سواری کوئی نہ پہچانی میں نے اندر کی

بائیسکل : مونث

نئی لے آیا ہوں بے پوچھے دام بائیسکل　　ادا کروں گا میں قیمت بچھ کے یکمشت کے بل

دسترس : مونث

کسی ایسے کے دامن تک نہ اپنی دسترس ہے　　کہا کرتے ہیں جو اللہ و بس باقی ہوس ہے

وہی : مذکر

تمہاری سن کے بزرگوں کا قول یاد آیا　　وہی کہا اپنے بتاتا نہیں کوئی کھٹا

اپیل : مذکر

اپیل کر لیا منظور اگر عدالت نے　　تو مجھ کو کھایا ہے پٹنا تمہاری قسمت نے

رتھ : مونث

سواری جو تھی مکلف سوار ہونے کی　　فنس تھی بہلی تھی رتھ تھی تمام سونے کی

گیند : مونث

یہاں کھڑی تھی جو بچی حسین وگلرو تھی　　اوچھالتی رہی تا دیر گیند پھولوں کی

پوزیشن : مذکر

خیال رکھنا ہے جو آدمی پوزیشن کا　　وہ دل کا داغ سمجھتا ہے داغ دامن کا

بنام جناب اعجاز سکندر نازش

(۱۳)

عزیزی نازش صاحب سلمہٗ!

السلام علیکم - آپ کا خط مجھے ملا میں ادب کی خدمت مدت سے کر رہا ہوں اس میں بیگانہ اور بیگانہ کی شہیہ نہیں ہے میں نے آپ کی غزل کے شعر درست کر دیے نظم آپ کی میں نے دیکھی۔ اردو فارسی ادب میں یہ نظم کسی صنف میں داخل نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ انگریزی طرز میں ہو گی کیونکہ اس کے مذاق سے میں آگاہ نہیں اس لئے میں نے اسے ہاتھ نہیں لگایا۔ آپ کی تحریر سے واضح ہوتا ہے کہ آپ خاصے لکھے پڑھے ہیں۔ ٹھیک ہی لکھی ہو گی۔ عاشقانہ رنگ۔ صوفیانہ طرز کی درستی میں اپنی قابلیت کے مرافق کر سکتا ہوں اور خود بہت بڑا اشاعر ہونے کا دعویدار نہیں۔ اردو زبان کی خامی نکال سکتا ہوں۔ فن کا جو عیب ہو گا معلوم ہو جو غلطی ہو گی اس کو سنبھال لوں گا۔ میرا دیوان ابتک نہیں چھپا اس لئے آپ کی خدمت میں بھیجنے سے معذور ہوں۔ اصرار احباب سے کچھ کہہ لیتا تھا۔ اب آنکھوں میں پانی اتر آنے کی وجہ سے اس میں بھی کمی ہو گئی۔ لکھنے پڑھنے میں دوسروں کا محتاج ہوں میری خدمت اگر پسند ہو حاضر ہوں ورنہ میرے معاصرین میں سیکڑوں مجھ سے اچھے ہیں ان سے رجوع فرمائیے۔

مکرر، آنکہ آپ کی ہدایت کے مطابق خط بیرنگ روانہ کیا جاتا ہے۔ والسلام!

ابوالمعظم سراج الدین احمد خان سائل دہلی۔ لال کنواں لال دروازہ ۱۴ جنوری ۱۹۶۱ء

بنام حسن مارہروی

(۱۴)

جناب اخلاص فرمائے من زاد عنایتکم!

تسلیم۔ عنایت نامہ کارڈ دہلی کی سیر کرتا ہوا مجھے کل شب کو یہاں وصول ہوا۔ میں واقعی دہلی گیا تھا مگر جب ہی صرف پندرہ بیس روز کے واپس آگیا تھا۔ کچھ خانگی معاملات کی وجہ سے گیا تھا اس کو تین چار ماہ کا زمانہ بھی مقتضی ہو گیا۔ گلدستہ کا اجرا جو کرتے ہیں۔ وہی اس کی اشاعت کی تقدیم سے واقف بھی ہیں مجھے تو اس کی تاخیر کی شکایت نہیں ہے۔ میں نہایت شرمندہ ہوں کہ اب تک اپنی کاہلی و سہل انگاری سے کیوں جناب رقم سالانہ گلدستہ فصیح الملک نہیں بھیج سکا۔ چنانچہ اسی وقت منی آرڈر فارم لکھ کر آدمی کو دے دیا ہے کہ کل یہ روپیہ روانہ کر دے اور میں اس زیادہ دہی کی تکلیف کے معافی چاہتا ہوں حافظہ کی بابت میں آپ کیوں شرم کریں کام اس لحاظ سے نہیں چلتا نہ معلوم کیسے طبائع ہیں جو سید بھی سیدی باتوں سے بڑا مانا کرتے ہیں آپ کو اپنا پتہ جب تک کوئی اور نہ دوں میرے نام کے رسائل ورسائل حیدرآباد تپہ بازار ہی میں رہیں۔ حسب المطلب چند اشعار اور حاضر کرتا ہوں اگر قابل رد سمجھے رد کر دیں گے اور نہ میرا مدعا اپنے کلام کی اشاعت سے نہیں ہے۔ اپنی قابلیت کا اندازہ مجھے خود ہے۔ فقط!

ابوالمعظم سراج الدین احمد خان سائل دہلی

منشی محمد الدین فوق

نام محمد عبداللہ قریشی

(۱)

محترمی قریشی صاحب۔ السلام علیکم۔ آج نہایت المناک حالات میں (پروفیسر محمد علم الدین) سالک صاحب اور ماسٹر فضل الدین (فوقؔ) صاحب دوپہر کے روانہ لاہور ہو گئے خدا کرے وہ اپنے والد مرحوم کا منہ دیکھ سکیں۔ راستہ خراب ہونے کے باوجود ان کی پریشانی اور ان کے اضطراب نے ان کو ایک دم چین نہیں لینے دیا۔ آج آپ کا ۱۰ ستمبر کا لکھا ہوا لفافہ بھی ان کو ملا تھا۔ میں بھی یہاں چند کتابوں کی وجہ سے پھنسا ہوا ہوں۔ تین دن ہوئے آپ کو بھی کارڈ لکھا تھا کہ (کتاب) اہلیا بائی گھر میں پہنچا دیں۔ یہاں بھی مزید تیس جلدوں کی ضرورت ہے۔ میں نے گھر میں خط لکھا ہوا ہے دوسری کتابوں کے ہمراہ اہلیا بائی بھی امید ہے بھجوا دیں گے۔ آپ کے خط میں سالک صاحب کے والد محترم کی علالت کا کچھ ذکر نہ تھا۔ غالباً ہارٹ فیل ہو گیا ہوگا۔ ہم لوگوں سے ان کی صحت بدرجہا اچھی تھی۔ خداوند کریم مغفرت کرے۔ مسافرت میں ایسے الم انگیز واقعات کا جو صدمہ ہوتا ہے میں بھی اس سے واقف ہوں۔ آپ ان کے بخیریت لاہور پہنچنے سے بھی مطلع فرمائیں اور کتاب اہلیا بائی ضرور گھر میں پہنچا دیں۔ اگر ساری نہیں تو سردست پچاس جلد ہی سہی۔ لیکن یک دم ساری پہنچا دیں گے تو مزدوری ایک ہی دفعہ دینی پڑے گی۔ نیز حاجی صاحب سے آپ نے بیس روپے لئے ہیں یا نہیں؟

ٹ محمد عبداللہ صاحب قریشی کے نام فوق صاحب کے بہت سے خطوط موجود ہیں لیکن ان میں چونکہ بعض ایسے مباحث ہیں جن کا چھپنا فی الحال مناسب نہیں لہٰذا انہیں روک لیا گیا ہے۔ (مدیر)

ٹٹ منشی محمد الدین فوق کے بزرگ کشمیر سے پنجاب آئے اور موضع گھڑال ضلع سیالکوٹ میں آباد ہوئے۔ منشی صاحب فروری ۱۸۷۷ء میں پیدا ہوئے تعلیم سے فراغت کے بعد پہلے پیسہ اخبار میں کام کرتے رہے۔ پھر اپنا اخبار پنجۂ فولاد۔ بعد میں کشمیری میگزین جاری کیا۔ یہی میگزین ہفتہ وار کشمیری بن گیا جو متواتر کشمیر اور اہل کشمیر کی خدمت کرتا رہا۔ کشمیر اور اہل کشمیر کی خدمت کے سلسلے میں منشی صاحب کے کارنامے دنیا بھر پر محیط ہیں۔ ان کی ادارت میں "طریقت" "نظام" بھی نکلتے رہے۔ کشمیر کی تاریخ و اقوام کے متعلق بڑی اچھی کتابیں لکھیں۔ عام تاریخ کے متعلق ان کی تصانیف قابل قدر ہیں۔ وہ بیک وقت اخبار نویس بھی تھے مؤرخ بھی اور شاعر بھی۔ تاریخ لاہور کے متعلق ان کا مسودہ غیر مطبوعہ ہے۔ ۴ اگست ۱۹۴۵ء کو لاہور میں انتقال ہوا۔

(محمد عبداللہ قریشی)

میں نے ان کے نام آپ کے خط میں جو رقعہ لکھا تھا۔ اس میں یہ بھی تحریر تھا کہ وہ آپ کو میرا سارا حساب لکھ کر دے دیں اور آپ مجھے وہ رقعہ ارسال کر دیں۔

خاکسار محمد الدین فوق

۱۳ ستمبر ۱۹۴۱ء　　از سری نگر۔ محلہ شہید گنج۔

بنام محمد عبداللہ قریشی　　(۲)

محترمی جناب قریشی صاحب۔ السلام علیکم۔ آپ کا خط اور کشمیر سے!

ع جہاں تند و تیز بھول گیا اضطراب میں

اور پھر راستے کے دلفریب مناظر کی کیفیت اور آپ کے جادو رقم قلم سے!

ع اللہ کرے زور قلم اور زیادہ

میں اس وقت پیر صاحب (پیر ولی اللہ مخدومی) کے پاس بیٹھا ہوں اور موسم کے لحاظ سے انہی کی چلمہ سے انکار کر رہا ہوں۔ البتہ برف ڈال کے ستو پی لئے ہیں۔ آپ پنڈت گوشہ لال ایڈیٹر "کشمیر کرانیکل" "متصل ڈاک خانہ امیر کدل (سری نگر) سے ملیں اور ان سے میرا چاک (میری ہی تصویر کا) لیتے آئیں۔ جو تاریخ اقوام کشمیر جلد دوم میں درج کروں گا۔ کشمیر کی سیر مبارک ہو اور جس مقصد کے لئے آپ کو سالک صاحب نے بھیجا ہے۔ اس میں کامیابی ہو۔

۵ مئی ۱۹۴۲ء　　خاکسار محمد الدین فوق

بنام محمد عبداللہ قریشی　　(۳)

قلم چکلہ نگیٹ (کشمیر) مکرمی قریشی صاحب۔ السلام علیکم۔ ابھی تک سری نگر نہیں گیا۔ اور دو روز سے پہلے شاید جا بھی نہ سکوں۔ گیا بھی تو پانچ چار دن سے زیادہ نہ رہوں گا۔ میں پانچ چھ دن سیم پور میں رہا۔ وہاں جا سے پہلے انجیر اور خام اخروٹ اور آلو بخارے پر گزارہ ہوتا رہا۔ پھر سوپور اور بارہ مولا گیا۔ ..... سوپور میں چار دن رہا۔ ۲۹ جولائی کو ہند واڑہ سے ہوتا ہوا قلم چکلہ آیا۔ پرسوں ۵ اگست کو بنگس کا وسیع میدان جو چار میل لمبا ہے اور یہاں سے بارہ تیرہ میل ہے۔ ایک جماعت کے ساتھ دیکھنے کے لئے جا رہا ہوں۔ وہاں سے پانچ دن کے بعد واپسی ہے۔ پھر ہلڈارہ۔ راجپور۔ ترینگام۔ لڈروان۔ وہاں سے درگہ مولا۔ پھر ہند واڑہ پھر سوپور غالباً دونوں سے پہلے سوپور پہنچ جاؤں گا۔

آپ اپنے حالات سے اطلاع دیں۔ اخبارات کا کوئی علم نہیں ہے۔ .....

پتہ صرف سوپور ہی لکھیں معرفت پیر عبدالغنی یوسفی۔ سالک صاحب کو سلام۔

۳ اگست ۱۹۴۲ء　　محمد الدین فوق

بنام محمد عبداللہ قریشی　　(۵)

مکرمی جناب قریشی صاحب۔ السلام علیکم۔ امید ہے آپ بفضلہ خیریت سے ہوں گے۔ معلوم ہوتا ہے امسال (پروفیسر محمد علم الدین) سالک صاحب نہیں آئیں گے۔ اور چونکہ وہ نہیں آئیں گے۔ اس لئے آپ بھی نہیں آئیں گے

میں ریذیڈنسی کوارٹر نمبر ۲ میں ہوں اور ابھی تک سری نگر میں ہوں۔ بارشیں ہوتی رہتی ہیں۔ گرمی یہاں بھی خاصی رہی ہے مگر بارشوں سے حرارت و تمازت کا اثر کم ہو جاتا ہے۔

اپنی خیریت مزاج سے اطلاع دیتے رہیں۔ امید ہے آپ کے بچے بھی خیریت سے ہوں گے۔ سالک صاحب کا کیا حال ہے اور کیا شغل ہے؟ یہاں بہت سے واقعات و حالات ہیں۔ لیکن انقلاب والوں نے پرچہ ہی بھیجنا بند کر دیا۔ حالانکہ میں نے یہاں سے بھی ان کو ایک مضمون بھیجا تھا۔ اس کے چھپنے نہ چھپنے کا بھی علم نہیں۔ وہاں کبھی جاتا ہوں تو اخبار نہ بھیجنے کی وجہ تو دریافت کریں، مجھے کسی اور پر اعتبار نہیں ورنہ اخبار تو اور بھی ہیں، یہاں احسان۔ شہباز۔ زمیندار دیکھے جاتے ہیں۔ انقلاب کم نظر آتا ہے۔ حالانکہ آج ساری دنیا میں انقلاب ہی کا دور دورہ ہے۔

۲۰ راگست ۴۲ء محمد دین فوقؔ۔ ریذیڈنسی کوارٹر نمبر ۲ سرینگر کشمیر

---

(۵)

بنام محمد عبداللہ قریشی

مکرم بندہ قریشی صاحب۔ السلام علیکم۔ آج آپ کا نوازش نامہ ملا! اخبار انقلاب بھی ملا۔ لیکن وہ پرچہ درکار ہیں جن میں میرے مضمون ہیں۔ ایک تو لوڈی والا مضمون جو ۷ راگست کے بعد چھپا ہوگا۔ دوسرے ایک اور مضمون ہے جو میں ۲۸ رجولائی کو ڈاک میں ڈال آیا تھا۔ اس میں دو مضمون تھے۔ ایک مضمون محکمہ پنچایت کے متعلق تھا جس میں اعداد و شمار کا ذکر تھا۔ اگر یہ چھپ گیا ہے۔ تو اس کی کاپی ملے تاکہ آئندہ اس مضمون کا سلسلہ جاری رہے۔ آپ ان دونوں پرچوں کو تلاش کر کے بھجوائیں۔

آپ نے یہ کیا غضب کیا کہ آنے کا ارادہ ہی ترک کر دیا۔ میرے خط کا یہی نتیجہ ہونا چاہئے تھا۔ حالات جیسے لاہور میں ہیں ویسے ہی یہاں بھی ہیں۔ خدا سب جگہ ایک ہی ہے۔ بارشیں ہوتی رہتی ہیں۔ جموں کی سڑک تین مرتبہ بند ہو چکی ہے دو دن بند رہ کر آج پھر رواں ہو رہی ہے۔ کرایہ پنڈی تک آج سترہ روپے اور جموں تک آٹھ نو روپے ہے۔ لدی کی طغیانیوں کا حال بھی، اخبارات سے اور آپ کی رپورٹ سے معلوم ہوا ہے۔ سنا ہے ریلوے میں بہت وقت سے جگہ ملتی ہے۔ اس کا آپ کو علم ہوگا۔ آج سے اسمبلی کا اجلاس شروع ہے۔ اگر اخبار انقلاب دو چار دن پہلے آتا تو میں پاس لے لیتا۔ بیکار سمجھ کر نہیں لیا۔ نیز اپنی کتاب کا کام درپیش تھا اور فرصت بھی نہ تھی۔

سالک صاحب کو سلام مسنون۔

محمد الدین فوقؔ

ریذیڈنسی کوارٹر نمبر ۲۔ سری نگر کشمیر

۶ ستمبر ۴۲ء

---

(۶)

بنام محمد عبداللہ قریشی

سری نگر کشمیر۔ محترمی جناب قریشی صاحب۔ السلام علیکم۔ میں نے کشمیر آنے کے قریباً دس دن کے بعد سوپور سے آپ کو کارڈ لکھا تھا۔ تعجب ہے وہ ایک ماہ کے بعد کیوں ملا۔ بلکہ جواب نہ آنے پر میرا خیال تھا کہ آپ شاید سالک صاحب کے ساتھ لاہور سے باہر کہیں دورہ پر ہوں گے۔ میں ۲۹ رجولائی کو سوپور سے باہر نکلا اور ۲۸ راگست کو واپس سوپور آیا۔ اس عرصہ میں قلم چکلا زیلڈورہ اور راجپور میں برجہ بارش وغیرہ کے قیام رہا۔ دو مرتبہ بنگس کی سیر کے لئے تیار ہوئے لیکن ہر بار بارش نے رکاوٹ ڈال دی۔

اب پرسوں سے سری نگر میں ہوں۔ مکانات کی سخت دقت و قلت ہے۔ میں بھی مفتی رشید الدین کے ہاں مقیم ہوں۔ عزیز نذیر الدین (ہائی کورٹ) کا خط مکان کے لئے آیا تھا۔ لیکن مکان ملنا قریباً ناممکن ہے جس سے پوچھتا ہوں کانوں پر ہاتھ رکھتا ہے۔ کل میں پیرولی اللہ کی طرف شوپیاں جا رہا ہوں۔ دیکھئے ملاقات ہوتی ہے یا نہیں۔ اور ہوتی ہے تو کس طرح شوپیاں اور کولگام کے بعد پھر سوپور آؤں گا۔ اور چند دن سیم پور میں رہوں گا۔ سیم پورہ میں بھی کھپ[1] ہے۔ اس لئے اس مرتبہ وہاں بھی نہیں رہا۔ لیکن اب فصل شالی کے کاٹنے کا موقع ہے۔ اس لئے مجبوراً عید تک وہاں ٹھہروں گا۔ عید کے بعد غالباً سیاحوں کی کمی ہو جائے گی۔ اور شاید بشیر احمد کے ہاں کچھ گنجائش نکل سکے۔ اگر ایسا ہوا تو پینڈنسی ہی میں ٹھہروں گا لیکن میرا پتہ سروست سوپور ہی کافی ہے۔ عید کے بعد جب سری نگر آؤں گا تو حیرت (پاندانی) یا (مفتی) سعادت (مرتع کشمیر) سے مل کر جملہ خاتون کے اشعار دریافت کروں گا۔ لیکن چار پانچ شعر تو مع ترجمہ مجھے بھی مل جانے کی توقع ہے۔ آپ کا کارڈ کل مجھے سری نگر میں ملا ہے۔ یہاں ایک پروفیسر کالج تاریخ بدشاہی پر تنقید لکھ رہے ہیں۔ کچھ موافق کچھ مخالف!

۳۰ راگست ۴۲ء　　محمد الدین فوق

بنام محمد عبداللہ قریشی

(۷)

مکرمی جناب قریشی صاحب۔ السلام علیکم۔ لفافہ آپ کا ملا۔ پیرولی اللہ (مخدومی) کے ساتھ نوپورہ اور کولگام میں خوب دن گزرے۔ ان کی ہر بات کرامت ہے۔ اس لئے ان کی ہر بات سے ایمان تازہ ہو جاتا ہے۔ آٹھ دس دن مزے کی سیر رہی۔ سری نگر میں تلت مکان کی وجہ سے میں خود وہاں قیام نہیں کر سکا۔ تین دن رہا اور مفتی (رشید الدین تحصیلدار) صاحب کے مکان پر رہا۔ سیم پور میں خوب دن گزرے ہیں۔ چھلیاں (بھٹے)۔ اخروٹ۔ سیب۔ ناشپاتی کوئی دن خالی نہیں جاتا۔ سیب اس قدر گراں ہے کہ واقعی یا امیر لوگ کھائیں گے۔ یا جس کو ڈاکٹر حکیم بتائیں۔

مکان کا مزور ارادہ ہے۔ لیکن جب تک وہ زمین میرے نام انتقال نہ ہو جائے۔ یا کم سے کم میرے ساتھ اس کا سودا ہی نہ ہو جائے مکان وہاں کس طرح بن سکتا ہے۔ البتہ زچلڈارہ کے حاجہ صاحب زور دے رہے ہیں۔ زمین مفت دیتے ہیں۔ لکڑی جس قدر خرچ ہو وہ بھی مفت۔ وہ جگہ بہت ٹھنڈی ہے اور سیر گاہیں بھی وہاں سے نزدیک ہیں صرف لیبر میرے ذمہ ہے۔ لیکن جو تخمینہ مکان کا بنایا ہے وہ بھی چھ سو سے کم نہیں۔ یہیں آکے بات رہ جاتی ہے میں نے کہا تھا تین سو کے اندر اسٹی میٹ ہو۔

سری نگر والے کی تنقید ابھی کہیں طبع نہیں ہوئی۔ خطوط اقبال بنام سراج الدین کی مطبوعہ کاپی ضرور ارسال کرائیں۔ میر خورشید کو خط لکھوں گا۔ خطوط اقبال بنام فوق بھی ضرور پڑھئے۔ اور انہیں میں اقوام کشمیر جلد دوم والا خط بھی ملا لیجئے۔ درحقیقت وہ بھی میری تحریک ہی سے تھا۔

جملہ خاتون کے اشعار مع ترجمہ امید ہے پانچ چھ ضرور مل جائیں گے۔ سوپورہ والا مضمون ہمدرد میں بھجوا دوں گا۔ کسی اپنے مضمون کے ساتھ۔ اس لئے شاید دیر لگے۔ مجھے افسوس ہے کہ سیر کا باقی حصہ منقض ہو گیا اور عید ماتمی ہو گئی۔ کیونکہ کل اطلاع ملی ہے کہ میری ہمشیرہ معظمہ (اہلیہ ڈپٹی غلام حسین مرزنگ) کا انتقال ہو گیا ہے۔ اس سے طبیعت

[1] بہ معنی ہنگامہ

پریشان ہے۔ خواجہ اللہ بخش گنائی کا حال لکھئے وہ لاہور میں ہیں یا کشمیر میں۔
یوم العید منگل وار (۱۹ ستمبر ۴۲ء) سیم پورہ ڈاکخانہ سوپور کشمیر　　محی الدین فوقؔ

(۸)

بنام محمد عبداللہ قریشی

سیم پورہ۔ ڈاکخانہ سوپور کشمیر۔ مکرمی۔ السلام علیکم۔ بدحواسی ملاحظہ ہو۔ ایڈریس آپ کے نام کا ہے۔ اندر اسی کے مضمون کسی اور کے نام کا ہے۔ آپ کا لفافہ مل گیا ہے۔ زمین مکان کے متعلق کچھ اور طے ہو جائے گی۔ اگلے سال انشاء اللہ رونق رہے گی۔ ممکن ہے زچلڈارہ میں بھی مکان کا سلسلہ ہو جائے۔ مگر وہاں پہلے اپنے نام زمین کا انتقال ہو جانا ضروری ہے۔ اس کے بعد مکان بننا ہے۔ آپ کو خط تو طویل لکھنا چاہتا تھا۔ لیکن سر دست "گندم اگر بہم نہ رسد بھس غنیمت است" پر عمل ہوا ہے۔ آدمی سوپور جا رہا ہے اس لئے وقت نہیں ہے۔
پیر ولی اللہ شاہ صاحب براجمان ہو گئے ہوں گے۔ ان کے حالات سے اطلاع دیں۔ نیز دریافت کریں کہ لڑکی کا انتظام ہوا ہے یا نہیں۔ ان کو اور سالک صاحب کو السلام علیکم۔
یکم اکتوبر ۴۲ء　　محی الدین فوقؔ

(۹)

بنام محمد عبداللہ قریشی

سیم پورہ۔ سوپور کشمیر۔ مکرمی قریشی صاحب۔ السلام علیکم۔ آپ کا ۷ اکتوبر کا لفافہ مجھے ۱۰ اکتوبر کو مل گیا تھا۔ لیکن اسی دن مجھے سری نگر جانا پڑا۔ وہاں سے بیمار ہو کر آیا۔ سوپور میں غنی بابا کے ہاں زیر علاج رہا۔ کل یہاں آیا ہوں اور آج خطوط کے جواب دے رہا ہوں۔ آج ہی میں نے خطوط اقبال کا مضمون پڑھا۔ بہت اچھا اور بہت ہی اچھا لکھا ہے۔ (اخبار) رہبر نے ایک مضمون مانگا تھا۔ اتفاق سے آپ کا مضمون آ گیا تھا۔ میں نے اسے بھیج کر جان چھڑالی۔ محمد عبداللہ کی ذیلداری کا آخری فیصلہ ۱۴ کا تک یعنی ۱۹ اکتوبر کو ہونے والا ہے۔ ویسے ابھی تک وہی ذیلدار ہے۔ لیکن اب اپیل ہے۔ "محمد الدین فوقؔ" کے نام کا مانوگرام بھی تیار کرائیں۔ آپ کا مانوگرام تو بہت اچھا ہے۔ اچھا سا ڈیزائن ہو لیٹر پیپر کے لئے۔ پیر صاحب اور سالک صاحب کو سلام مسنون۔ میں انشاء اللہ نومبر کے ہفتہ اول میں مراجعت لاہور کی توقع رکھتا ہوں۔
تاریخ بدشاہی والا مضمون بھی کہیں طبع ہوا ہے یا بزم ہی میں پڑھا گیا تھا؟ پروفیسر محمد اسلم خان ایم اے انگریزی میں تنقید لکھیں گے۔ ویسے تو میری ندات علمی کا بڑا اعتراف و احترام کرتے ہیں۔ یہ بھی کہتے تھے پہلے مضمون دکھالوں گا
ڈاکٹر صوفی صاحب سے اب تک ملاقات نہیں ہوئی۔ یہاں ارد گرد کے تمام پہاڑ سفید ہو رہے ہیں گو ابھی در و دیوار اور "زمین ہم سفید و فلک ہم سفید" تک نوبت نہیں پہنچی۔ رات کو بارش آج بھی ہوئی۔ سردی شدت سے شروع ہے۔ پتہ سری نگر کا کافی ہے۔ از جانب پیر عبدالغنی صاحب السلام علیکم۔
۷ اکتوبر ۴۲ء　　محی الدین فوقؔ

ڈاکٹر مختار احمد انصاری

(۱) [1]

مخدوم و مکرم جناب نواب صاحب۔ السلام علیکم

والا نامہ باعث افتخار ہوا۔ میں اس طرف کانپور زمینوں کو دیکھنے کی غرض سے چلا گیا تھا اسی وجہ جواب عریضہ میں تاخیر ہوئی۔ خواستگار معافی ہوں۔ حضور کی رائے درست ہے، تمسکات کا انتظام کر کے میں اپنے ہمراہ دورے میں ضرور رکھوں گا۔ پورے پروگرام سے عالی جناب کو میں بعد میں مطلع کروں گا۔ امروہہ صرف حضور کی قدم بوسی کے خیال سے حاضر ہوتا ہوں مجھ کو اندیشہ ہے کہ مجھ کو اس قدر وقت نہ ملے گا۔ کہ میں بچھرایوں جا سکوں۔ میں زیادہ سے زیادہ دو تین ہفتہ تمام بڑے بڑے شہروں میں جہاں زیادہ رقوم جمع کرنے کی امید ہے صرف کر سکوں۔ آپ کو معلوم ہے کہ اس زمانہ دورہ میں مطب مجھ کو بالکل بند کر دینا پڑے گا۔ تین ہفتہ سے زیادہ کی غیر حاضری کا میں کسی طرح متحمل نہ ہو سکوں گا۔

حضور نے تمسکات کی آمدنی کے بارے میں جو انتظام کیا ہے وہ نہایت ہی درست اور مناسب ہے۔ صرف ایک امر کی خاص اطلاع اور یاد دہانی کرانی ضروری ہے۔ وہ یہ کہ بنک کو اس کی ہدایت فرمائیے کہ یہ رقم مہاجرین کی نوآبادی ہو کہ ہند کے مسلمانوں کی جانب سے کی جا رہی ہے اس سوسائٹی کو روانہ کی جائے اس کا پتہ یہ ہے:۔

PROF ESSAD PACHA PRESIDENT INDO-OTTSMAN COLONISATION SOCIETY CONSTANTINAPLE ورنہ رقم اور دوسری نوآبادی یا دوسرے مدمیں صرف ہو گی اور یہ کام جو کہ شروع ہو چکا ہے انجام کو نہ پہنچے گا۔ میں نے محمد علی صاحب کو آپ کا خط دکھا دیا انہوں نے فرمایا کہ نواب صاحب کا ارشاد بہت بجا ہے میں احتیاط کروں گا۔

۱۲ اگست ۱۹۱۳ء ——— مختار احمد انصاری (دہلی)

مخدوم بندہ زاد لطفہٗ (۲) [2]

میں بالکل تیار تھا کہ امروہہ حاضر ہوتا مگر انتظار موقع نے یہ موقع ہاتھ سے کھو دیا۔ مجھ کو بے حد مسرت

---

[1] مطبوعہ ڈاکٹر مختار الدین احمد ان خطوں کے مکتوب الیہم کا پتہ نہیں۔

چوتی اگر آپ اپنے شایان محبت و مقتضائے الفت مجھ کر اس کا موقع رحمت فرمائیں تو جناب صادق الملک کو عطا ہوا ہے
مجھ کر جتنا وقت کہ خدمت کا ہوگا۔ انشاء اللہ جناب کی خدمت میں گزارنا اپنا فخر سمجھوں گا۔ میں اب بھی اپنے
ارادے پر قائم ہوں۔ مگر یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ اس سفر میں خواہ امرو سہ ہو یا کوئی اور مقام کس قدر نقد تمسکات فروخت
ہوں گے جس کی قیمت فوراً وصول ہو جائے گی۔ اس لئے کہ میرا وقت زیادہ وہاں ہی صرف ہوگا۔ جہاں اس کی توقع ہے کہ
نقد ان تمسکات کی کسی قدر فروختگی ہو جائے گی۔ کیونکہ مجھکو فرصت بہت کم ہے اور بڑے بڑے مقامات میں تمسکات
کی فروختگی کے لئے جانا ہے۔ براہ نوازش جناب اس سے مطلع فرمائیں۔ فقط

نیازمند مختار احمد انصاری

۱۵ اگست سنہ ۱۳

---

(۳)

رمضان صاحب

(الوزان)

برادر مکرم۔ السلام علیکم

ہم لوگ کل دیانہ روانہ ہو رہے ہیں۔ وہاں سے وینس ہو کر حکیم صاحب ورسلیس تشریف لے جائیں گے
تاکہ بند سعید سے وہ ریل یا اسٹیمر سے بروت جائیں اور وہاں صحت کی غرض سے دو ڈھائی ماہ قیام فرمائیں میں استانبول
انشاء اللہ ۱۵ جولائی تک پہنچوں گا۔ قنسی بک سے پیرس میں دوبارہ ملاقات کی، ان سے خواہش کی وہ انگورہ لکھ کر
غازی پاشا سے ملاقات کے لئے تمام امور پہلے سے مقرر و طے کر لیں۔ آخیر ماہ مئی میں پیرس سے روانگی کے قبل
پھر ان سے مل کر آیا۔ انہوں نے کہا کہ جواب اس وقت تک نہیں آیا ہے۔ ہمارے پتہ پر لوزان بعد میں مطلع کریں گے
لیکن جب ان کا کوئی خط آخیر جون تک نہ آیا تو ہم نے ان کو تار دیا، اس کا بھی جواب نہ آیا۔ ہم نے السعد بک ڈاکٹر
عاقل مختار بک کمال عمر بک کو بھی خطوط لکھے۔ السعد بک کا خط آیا کہ ہم تمہارے منتظر ہیں۔ کمال عمر بک اور ڈاکٹر عاقل
مختار بک کا جواب نہ آیا۔ ایک تار بھیجا۔ اس کا جواب یہ آیا کہ "تمہارا انگورہ جانا نہیں ممکن ہے لیکن ہم لوگ تم سے قسطنطنیہ میں
بخوشی ملیں گے" اس جواب کے بعد حکیم صاحب نے اپنا جانا ملتوی کر دیا۔ لیکن میں جا رہا ہوں۔ قسطنطنیہ جا کر غازی پاشا
اور دوسرے سرکاری وزرا سے ملنے کی خود بذریعہ تار خواہش کروں گا۔ اگر ملیں گے بہتر ورنہ وہاں لوگوں سے مل کر شام
فلسطین، مصر ہوتا ہوا انشاء اللہ آخیر اگست تک بمبئی پہنچوں گا۔ حکیم صاحب مالنسون سے بھی بچنا چاہتے ہیں اور لبنان
میں آخیر ستمبر تک قیام کرنا چاہتے ہیں۔ میرے لئے مالی وجوہ سے اس قدر طولانی قیام کرنا غیر ممکن ہے۔ ایک فہرست
آپ کو روانہ کرتا ہوں یہ ڈاکٹر رشاد۔ ڈاکٹر وہبی شریف پاشا اور دیگر اتراک نے خلیفہ عبدالمجید آفندی کے پرائیویٹ
سیکرٹری کے مشورہ سے تیار کیا ہے۔ یہ خاندان عثمان کے ان افراد کی فہرست ہے جو کہ بنایت معتمد و مجید ان
شینہ کے لئے پریشان ہیں۔ ان کے واسطے وہ لوگ چاہتے ہیں کہ ہندوستان میں کچھ کیا جائے۔ میں وہاں کی دقتوں
سے واقف ہوں۔ مگر فہرست آپ کے پاس روانہ کرتا ہوں۔ نیز ایک تحریر داماد حامی عثمان بک کی یہ ایک نیک
اور شریف نوجوان خاندان عثمان کے پریس میں مجھے روانگی کے روز ملے اور ان کی ایک تحریر تین روز ہوئے مجھ کو ان

میں ملی۔ میں انشاء اللہ تعالیٰ آپ کو مفصل حالات قسطنطنیہ سے (اگر ممکن ہوا) لکھوں گا۔ اشتباہ اس وجہ سے ہے کہ آج کل وہاں سنا ہے کہ ایک قیامت حکومت نے برپا کر رکھی ہے۔ اسعد بک، مولوی عبدالرحمٰن، یاسین وغیرہ نے خط ایک شخص کے ہاتھ ترکی سے باہر جا کر ڈاک میں ڈلوائے تب ہمارے پاس پہنچے۔ کیا بلحاظ کردوں کی بغاوت کے، کیا بلحاظ وحیدالدین کی سازش کے اور کیا بلحاظ اور اندرونی خطروں کے ترکی حکومت آج کل بے حد متوحش معلوم ہوتی ہے اور ہر قسم کی بندشیں اور سختیاں کر رکھی ہیں۔ تاہم میں نے تو قصد وہاں جانے کا کر لیا ہے۔ جو کچھ بھی معلومات بہم ہو سکیں گی لکھوں گا۔ امیتہ فواد سلیم بک وغیرہ کا خیال ہے کہ غازی پاشا تو ملیں گے نہیں اور میرے ہمراہ ایک جاسوس مزید کر دیا جائے گا۔ میں نے کہا کہ میں ESPIONAGE کا عادی ہوں اس سے وزا میں نہیں گھبراتا اور اگر قید بھی کر دیا جاؤں تو اس کی مجھ کو فکر نہیں۔ قید فرنگ کا جس کو خوف نہیں اس کو ترکی جیل کا خوف کیا ہوگا۔ بہرحال میری تحریر کو آپ اپنے چند خاص آدمیوں تک محدود رکھئے یہ حالات ایسے خواب ہیں کہ ان کو باہر نہ جانا چاہیئے۔ شعیب کو میرا پیار فقط

۵ر جولائی ۱۹۲۵ء　　آپ کا بھائی مختار احمد انصاری

سیّد غلام بھیک نیرنگ

(۱)

بنام شمس العلماء مولوی سیّد ممتاز علی صاحب

انبالہ سٹی نمبر ۲۱۵

۲۹ جون ۱۹۲۶ء

مخدوم بندہ جناب مولوی صاحب سلمکم اللہ تعالےٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ مزاج گرامی۔ میں نادم ہوں کہ آپ کے دو والا نامے جمع ہو گئے اور میں جواب نہ لکھ سکا۔ جواب تو میں فوراً لکھتا مگر مضمون زیادہ غور طلب تھا اس واسطے سوچنے میں زیادہ وقت گذر گیا۔

میں نے آپ کو تو اعداد و رپورٹیں اس غرض سے بھیجی تھیں کہ ان کو دیکھنے سے آپ کو ہمارے مقاصد اور ہمارا طریق انتظام دونوں معلوم ہو جاتے۔ یہ بھی پتہ لگ جاتا کہ ہم نے کس کس قسم کا کام کیا اور یہ بھی کہ کس کام میں کس قدر کامیابی ہوئی، کہاں تک ناکامی رہی۔ کیا کیا نقص ہیں اور کیوں ہیں۔ ہم اب تک بحمد اللہ اشتہاری طریقوں سے محترز رہے اور اس لئے پبلک کو کبھی جھوٹے وعدوں یا فرضی کارناموں سے کسی مغالطے میں نہیں ڈالا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تبلیغ ہماری وجہ معاش نہیں ہے[1]۔

چونکہ آپ رپورٹوں کے پڑھنے کے لئے وقت نہ نکال سکے لہٰذا اب مختصر طور پر یہاں مقاصد جمعیتہ اور اس کا طریق کار لکھ کر عرض کرتا ہوں کہ اب تک کیا کام کیا گیا اور آئندہ کیا ہو سکتا ہے۔

ہم نے تبلیغ میں تین بلکہ چار کاموں کو شامل کیا ہے۔ اوّل انسداد ارتداد۔ دوم تعلیم مسلمانان۔ مسلمانوں کو اس قابل بنانا کہ وہ اغیار کے بہکاوے میں نہ آئیں۔ دوم بوقت ضرورت بذریعہ مناظرہ وغیرہ۔ سوم مسلمانوں کی مالی حالت کی اصلاح تاکہ وہ افلاس کی وجہ سے ارتداد کے پھندے میں نہ پھنسیں (ثابت ہوا ہے کہ ارتداد کی تہ میں صرف جہل ہی نہیں افلاس بھی ہے) چہارم بقدر وسعت غیر مسلموں کو حلقۂ اسلام میں داخل کرنا (اسی میں مرتدین کی واپسی بھی داخل ہے)۔

---

[1] ہم تو اپنے کاروبار کا نقصان گوارا کر کے اس کام کو اللہ تعالےٰ کا کام سمجھ کر کرتے ہیں ہم کو نگاہداری سے کیا مطلب۔

چونکہ ہم نے جمعیۃ مرکزیہ کی بنیاد یکم جولائی ۱۹۲۳ء کو رکھی تھی جب کہ ارتداد کی وبائی صورت ختم ہو چکی تھی اور آریہ سماجی حسن قدرتاً اپنی پندرہ سالہ خفیہ و ریشہ دوانیوں سے ارتداد کے واسطے آمادہ کر سکے تھے ان کو مرتد کر چکے تھے اس واسطے اس جمعیۃ کی ۔ کا مرکز قسم اول و دوم کا کام کر رہا ہے۔ جن دیہات کی حالت خطرناک تھی وہاں مکاتب قائم کئے گئے۔ بچوں کو دینی تعلیم دی گئی مدرس کو بڑوں پر ہاتھ ڈال کر ان کی حالت کو درست کرنے کا بھی ذمہ دار گردانا گیا۔ گشتی مبلغین و واعظین کے ذریعے سے دیہا کے مسلمانوں کو مخالفین اسلام کی ریشہ دوانیوں سے آگاہ کیا گیا۔ برادریوں کی پنچائتیں اور کانفرنسیں کر کے ان کو اسلام کی خوبیاں گنائیں۔ الغرض استحکامی اور دفاعی کام کیا گیا۔ اسی کام کے ضمن میں مرتدین کی واپسی بھی ہوئی۔ مگر مرتدین کی واپسی کو مقصد نہیں بنایا گیا مالی اصلاح کے ضمن میں بہت مقروض ملکانوں کو روپیہ دے کر قرض خواہوں سے ان کو چھڑایا گیا۔ مگر اس عنوان کے تحت میں معتد نہیں ہو سکا۔ مکاتب وغیرہ کے تحت میں جو کام ہوا اس کی تفصیل یہ ہے :

سنہ	تعداد مکاتب	تعداد مبلغین
۱۹۲۳ء	۲۸	۳۸
۱۹۲۴ء	۱۰۴	۵۰
۱۹۲۵ء	۶۶	۱۰
مرتدین جو واپس ہوئے ان کی تعداد		۳۶۰
غیر مسلم جو داخل اسلام ہوئے ان کی تعداد		۴۰۰

اس کے علاوہ اکتالیس ہوا نصعات کی شدھی کو روکا گیا۔

یہ اب تک کے اعمالنامے کا خلاصہ ہے۔ اس کے علاوہ تعلیم مبلغین کا ایک اعلیٰ مدرسہ جو بلاتشبیہ گورو کل کانگڑی کا جواب ثابت ہو اس کے قیام کا فیصلہ ہو گیا ہے، سرمایہ بہم پہنچ گیا ہے۔ ایک بڑے وقف نے اس کی کفالت کر لی ہے۔ اس ایک خاص کمیٹی بن گئی ہے جس میں ہماری جمعیۃ کے صدر صاحب، نائب صدر صاحب اور معتمد عمومی بھی شامل ہیں۔ انشاء اللہ کام جلد سے جلد جاری ہو جائے گا۔ اس میں جمعیت ہذا کا دخل صرف اس قدر ہے کہ یہ جمعیت اس کی محرک ہے اور اس کی سعی سے وجود قائم ہوا مگر اس کے حسنات کا شمار اللہ کے ایک نیک بندے کے نامۂ اعمال میں ہو گا جس نے ایک صدقۂ جاریہ قائم کیا۔ صدقۂ جاریہ سے اس درسگاہ کے مصارف چلیں گے۔

جس قسم کا کام اوپر لکھا گیا وہ اب تک کیا گیا مگر واقعہ یہ ہے کہ مقدار کے لحاظ سے اس وقت تک عشر عشیر بھی نہیں اور صفت کے اعتبار سے بھی جیسا کام ہو سکا ہے اس سے بدرجہا بہتر ہونا چاہئے تھا۔ مبلغ اور مدرس تعداد میں بھی کئی گنا زیادہ ہیں اور اپنی قابلیت کے لحاظ سے بھی ان کو موجودہ حالت سے کئی گنا بہتر ہونا چاہئے۔ اگر کافی روپیہ موجود ہو تو سب کچھ کیا جا سکتا معیار بہت بلند ہونا چاہئے تھا ہے۔ مگر موجودہ حالت میں ہم ہرگز دعویٰ نہیں کرتے کہ ہم معیار تک پہنچ گئے ہیں بلکہ ہر یک سال رپورٹ میں اپنے کام کے نقص اپنے ہی قلم سے لکھ دیتے ہیں۔

۱؎ مُردوں میں دوبارہ جان ڈالنے کو موفر رکھا گیا۔ زندوں کو مرض نفاق سے صحت کرنا مقدم سمجھا گیا۔

بحالات مندرجہ بالا میں ہر ایک ممکن العمل شرط کو پورا کرنے کو آمادہ ہوں۔ بالا یہ کہ مرتدین کو مسلمان بنا بنا کر گنواتا جاؤں اور دوبارہ لیتا جاؤں۔ انک لا تہدی من احببت ولکن اللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم۔ آپ حکم دیں کہ ہماری جانب سے ایک یا دو مبلغ نوکر رکھیں۔ اس کو خاص اس کام پر لگائیں کہ مرتدین میں جا کر کام کرے اور ہر ماہ اس کی کارگذاری کی رپورٹ لوا اور ہم کو دے۔ اس کی تنخواہ ہم دیں گے۔ میں ایسا کروں گا۔ لیکن اگر اس کی سعی ناکام رہی اور کوئی مرتد واپس نہ آیا تو اس صورت میں کیا کروں گا؟ تہذیبی جنبیں اس پر غور کریں جو کام ان کو پسند ہو اس کام کے لئے مناسب شرائط کے ساتھ مناسب احتیاطوں کے ماتحت وہ ہم کو روپیہ دیں۔ ہم صرف یہ وعدہ کرتے ہیں کہ ہم اپنا پورا زور لگائیں گے۔ نتیجہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ ہمارے مبلغ حضرت نوح سے بہتر تو نہ ہوں گے جنہوں نے اعتراف فرمایا: انی دعوت قومی لیلاً ونہاراً فلم یزدہم دعائی الا فراراً۔ جناب خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر تو نہ ہوں جن کو جناب الٰہی سے ارشاد ہوا: انک لا تہدی من احببت ولکن اللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم۔ آدمی اچھے سے اچھا مقرر کر دوں گا۔ اس کے کام کی نگرانی اچھی سے اچھی کر دوں گا۔ آپ کو اور تہذیبی بہنوں کو رپورٹ دیتا رہوں گا مگر ذمہ داری صرف کام کی لوں گا۔ نتائج کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دوں گا۔ والسلام!

بندہ غلام بھیک نیرنگ۔ جنرل سیکرٹری سنٹرل جمعیۃ تبلیغ اسلام

---

(۲)

نام جناب فخر یار جنگ بہادر (حیدرآباد دکن)

مکرمی!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج عالی۔ حضرت مولانا عبد الماجد قادری بدایونی کے انتقال کی خبر آپ کو پہنچ چکی ہوگی۔ بہت بڑی ہستی اٹھ گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم نے اپنا سب کچھ اسلام پر قربان کر دیا۔ وہ عالم تھے، شیخ طریقت تھے، خاندانی پیرزادے تھے، اپنی شخصیت میں بڑی کشش رکھتے تھے، زبردست خطیب تھے۔ اگر وہ اس زمانے کی عام روش پر چلتے تو تقدس کی دکان کھول بیٹھتے اور خدا جانے کتنا کچھ مال و زر کماتے۔ مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ دنیوی نقصانات اٹھاتے رہے۔ امراض میں مبتلا رہے۔ اہل و عیال کی تکلیفوں کو نظر انداز کرتے رہے مگر مرتے دم تک قوم کا غم کھایا اور اسلام کی خدمت کی۔ آخر بحالت خدمت ہی عالم غربت میں جاں دے دی۔ گویا شہادت پائی۔

اب ان کے ورثاء پریشان حال ہیں۔ میں ایک عرضداشت تیار کر رہا ہوں، عنقریب سرکار حیدرآباد میں بھجواؤں گا۔

آج اخباروں کو ایک تار دیا ہے اس کی نقل ملفوف ہے۔ اس کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ ایک اخبار نے لکھ دیا کہ مرحوم کا وظیفہ ان کے بھائی کو مل جائے۔ ایک جگہ ایک جلسے نے تجویز کر دیا کہ بھائی کو وظیفہ میں شریک کر دیا جائے۔ یہ خلط بحث ہے۔ بھائی کی درخواست ایک الگ معاملہ ہے جو آپ کے علم میں ہے۔ یہ معاملہ بالکل الگ ہے۔ مرحوم کے بچوں کو اگر کچھ مل سکے تو منہ مانگا چاہئے۔ اس میں بھائی کا کوئی حق نہیں ہو سکتا ــــ میں عنقریب آپ کو زیادہ تفصیل سے لکھوں گا اور شاید عنقریب حیدرآباد آؤں گا بھی اور وہ بسلسلہ تبلیغ نہیں بلکہ بسلسلہ مسلم ہائی سکول ــــ زیادہ نیاز و السلام!

بندہ غلام بھیک نیرنگ ۵ اکتوبر ۱۹۳۲ء

(۳)

بنام جناب حکیم محمد اسحٰق صاحب

مکرمی حکیم صاحب وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

کل کا مفصل خط مع مراسلہ مولوی سعید حسن صاحب[1] پہنچا۔

گورڑگاؤں کے مرض دو ہیں۔ اوّل مالی مشکلات، دوم کارکنوں کا ایک دوسرے کو نہ سمجھ سکنا اور باہم اختلاف سے گذر کر گرگانی تک پہنچنا۔ چودھری صاحب[2] کی نیت یقیناً بخیر ہے مگر ان میں ایک بات کی کمی ہے جس کی لیڈر میں نہ ہونی چاہئے۔ وہ مختلف طبائع کے لوگوں کو اپنے ساتھ ملا کر نہیں رکھ سکتے۔

میری رائے یہ ہے کہ آپ گورڑگاؤں کے مورچے کو اہمیت نہ دیجئے۔ اب معاملات کی صورت ایسی ہوگئی ہے کہ منتشر لوگوں کو جمع کر لینے سے کام بہتر چلے گا۔ جب تک گورڑگاؤں اور فیروزپور جھرکہ اور ریواڑی میں کوئی سنبھالنے والا تھا مختلف مرکز رکھ سکتے تھے۔ جب سنبھالنے والا نہ رہا تو سب منتشر عناصر کو ایک جگہ جمع کر لینے سے ہی کام بہتر چلے گا۔ انتشار سے نقصان ہوگا لہٰذا آپ گورڑگاؤں سے تو لوگوں کو فوراً بلا لیجئے۔ ریواڑی اور فیروزپور جھرکہ سے معلوم کیجئے کہ وہاں کا کام چل رہا ہے یا نہیں اور لوگ برے اثرات سے محفوظ ہیں یا نہیں۔ اگر ان دونوں سوالوں کا جواب نفی میں ہے تو وہاں کے لوگوں کو بھی دہلی میں بلا لیجئے۔

اچھا میں جانتا ہوں کہ اس طور پر جو خبریں ان مورچوں پر پہنچ کر مفید ہوتی تھیں شاید وہ دیر میں پہنچا کریں مگر اوّل تو میں انتظام کروں گا کہ خبریں برابر ان مقامات پر پہنچیں اور ہم کو پہنچائی جائیں۔ دوم اگر بالفرض خبروں میں کچھ توقف ہوا بھی تو وہ موجودہ مرحلے پر کچھ زیادہ مضرت رساں نہ ہوگا۔

میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اس انتظام سے دہلی کا مالی بوجھ جو پہلے ہی زیادہ ہے اور بڑھ جائے گا مگر اس سے نہ گھبرائیے۔ اوّل تو مولوی سعید حسن صاحب کو دورہ کرنے کی آزادی ہوگی اس سے فائدہ ہوگا۔ دوسرے میں کچھ اور تدبیر بھی کر رہا ہوں۔ انشاء اللہ روپیہ آئے گا۔

ایک بے حد اہم بات: وائسرائے کی ملاقات میں اور پولیٹیکل سکرٹری کی گفتگو میں خاص طور سے تعداد مہاجرین کے بارے میں سوالات کئے گئے۔ پولیٹیکل سکرٹری نے کہا کہ چیف کمشنر کی رپورٹ ہے کہ دو سو سے زائد مہاجرین دہلی میں نہیں ہیں چیف کمشنر نے اگر ایسی رپورٹ کی تو وہ جھوٹ نہیں بولتا۔ کیمپ میں کسی وقت بھی پچاس آدمی سے زیادہ نظر نہیں آتے اور چیف کمشنر کو رپورٹ دینے والے سوائے اس کے کیا کر سکتے ہیں کہ اگر کیمپ پر نظر ڈالیں اور رپورٹ کر دیں۔ اچھا تو میں نے پولیٹیکل سکرٹری کو مؤثر جواب دیا وہ دیا۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ خود اپنے ضمیر کے اطمینان کے واسطے آپ سے پوچھوں کہ آپ تعداد مہاجرین کیا سمجھتے ہیں اور کن وجوہ سے سمجھتے ہیں۔ ہم نے جربار کہا کہ دس ہزار سے زائد نے ہجرت کی تو کس بنیاد پر کہا۔ آج اگر کوئی پوچھے کہ کتنے مہاجرین تا حال

---

[1] یہ تبلیغ کے مبلغ تھے۔ ریواڑی، گورڑگاؤں اور فیروزپور جھرکہ کے مہاجرین کیمپ کے حالات معلوم کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا۔

[2] چودھری یٰسین خان صاحب ایڈووکیٹ بانی میواتی اسکول فرخ نگر ضلع گڑگانواں میواتی قوم کے لیڈر جو ہمارے شریک کار اور مہاجرین کیمپ گورڑگاؤں کے انچارج تھے۔

والد کو واپس نہیں گئے تو کیا جواب دیا جائے اور کس بنیاد پر دیا جائے۔

سوالات بالا کا جواب جہاں تک ممکن ہو مدلل دیجئے۔

میں یہ چاہتا ہوں کہ اگر مجھ کو مہاجرین کی مردم شماری صحیح صحیح مل جائے (کم از کم دہلی ہی کی مل جائے) تو وائسرائے اور چیف کمشنر دونوں کو چیلنج دوں کہ میں فلاں دن فلاں مقام پر تمام مہاجرین کو جمع کرتا ہوں۔ وہ مجمع بالکل نہتا اور قطعاً خاموش ہوگا۔ نہ کچھ بولے گا نہ کوئی حرکت کرے گا حتیٰ کہ اگر آپ برا نہ مانیں تو آپ کو اشارے سے بھی سلام تک نہ کرے گا تاکہ بالکل ہی بتوں کا ایک مجمع دکھائی دے۔ آپ پانچ منٹ کے واسطے اگر ان کو خود دیکھ لیجئے تاکہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ ان کی تعداد کیا ہے اور پھر نہ ہم سے پوچھنے کی ضرورت پڑے نہ حکام الور سے۔

کیا ایسے مجمع کا انتظام مستقبل قریب میں کیا جا سکتا ہے؟

میں انشاء اللہ کل کو یہاں سے ڈیڑھ سو روپیہ بھجواؤں گا اور چندے کے واسطے خاص کوشش کر رہا ہوں۔ آپ کی مشکلات کا بوجھ میرے قلب و دماغ پر ہر وقت ہے مگر اس سے یہ نہ سمجھئے کہ میں آپ کو ان کا ذکر کرنے سے بھی منع کرتا ہوں۔ ذکر ضرور کرتے رہیے تاکہ کسی حد تک آپ کی طبیعت ہلکی ہو اور میں بھی غافل نہ ہو جاؤں۔ والسلام

بندہ: غلام بھیک نیرنگ انبالہ ۱۶ اکتوبر ۱۹۴۷ء

مولوی سعید حسن صاحب کو آپ خود اس خط کا مضمون یعنی خلاصہ جہاں تک ان کے متعلق ہے لکھ دیں۔ میرا وقت آج اور کاموں میں صرف ہو گیا اور خدا جانے پھر کب وقت ملے۔

نوٹ: سید صاحب کے ارشاد کے مطابق گوڑگانواں کا کیمپ توڑ کر مہاجرین کو دہلی بلا لیا گیا اور ۳ نومبر ۴۷ء کو دہلی کیمپ میں تمام مہاجرین کو جمع کیا گیا چیف کمشنر دہلی نے دور سے ہی معائنہ کیا۔ (محمد اسحٰق)

---

(۴)

بنام حکیم محمد اسحٰق حقانی

مکرمی حکیم صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ الحمد للہ کہ میں آج یہاں خیریت سے پہنچ گیا۔ الور کے اسٹیشن پر کوئی نہیں ملا لیکن اس کے سبب کے بارے میں کوئی خاص رائے قائم کرنا مشکل ہے کیونکہ ہماری گاڑی پیچھے کی طرف تھی اور روشنی گل کی ہوئی تھی۔ اگر کوئی ٹارچ سے دیکھتا تو باہر سے دیکھ سکتا تھا۔ ممکن ہے کوئی آیا ہو اور ڈبوں کو بند اور لوگوں کو سوتا ہوا پا کر لوٹ گیا ہو۔ میں جاگ رہا تھا، میری گاڑی کے سامنے کوئی نہیں آیا۔

یہاں خدا کے فضل سے خیریت ہے۔ تجاویز کانفرنس کے بارے میں تار دے چکا ہوں کہ بلا تاریخ اخباروں کو بھیج دی جائے۔

آج صبح مولانا شبلی داؤدی سے مشورہ ہوا، انہوں نے کہا کہ کھلے اجلاس میں جب تجویز منظور ہو گئی تو اب بدل نہیں سکتے۔
بہلول خاں صاحب کے بارے میں آج پریس کو تار دے دیا گیا جس میں مذبیاحق سپرنٹنڈنٹ پولیس جے پور کو بے نقاب کیا گیا۔ جو مشورہ مرزا عبدالقادر بیگ صاحب نے دیا تھا مولانا شبلی داؤدی ایم۔ ایل۔ اے سے مشورہ کر لیا۔ وہ جے پور چلنے کو آمادہ ہیں۔ میں مرزا صاحب کو لکھتا ہوں کہ کیک[1] صاحب کو لکھیں کہ ہم بہلول خان کے متعلق آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ معلوم ہوا ہے کہ جناب البلاغ سرارحق سرویر سے سفر اجمیر شریف کے دوران میں ان تحریروں کی وجہ سے جو میں نے امام صاحب کو لکھی تھیں ایک مرتبہ الور ہو آئے ہیں اور آج صبح پھر گئے ہیں۔ میں ابھی امام صاحب سے نہیں ملا مگر اب ملنے جاؤں گا اگر انہوں نے سانس دیا تو کل کا دن یہاں ٹھہر کر چندے کی کوشش کروں گا۔
آپ ۹ کی صبح کو یہاں ضرور پہنچ جائیں۔ جناب حاجی محمود الحسن صاحب نے مجھ سے فرمایا تھا مگر آپ سے کہنا میں بھول گیا۔ مولوی سعید حسن صاحب کے ہاتھ کہلوایا تھا انہوں نے کہا ہوگا۔ حاجی صاحب کو ۹ اور ۱۰ تاریخ کو عرس کا کام درپیش ہوگا اس واسطے آپ کی ضرورت ہے۔ والسلام!
بندہ: غلام بھیک نیرنگ۔ دہلی، نومبر ۱۹۳۲ء

نوٹ: مہاراجہ جے سنگھ والی الور آبو میں تھے اور کچھ ادھر کے مسلمانوں سے کام لے کر اسے۔ جی۔ جی راجپوتانہ کو اپنے موافق بنانے کی سعی کر رہے تھے اس لئے ضروری ہو گیا کہ ہم اجمیر پہنچ کر اس فتنہ کا سدباب کریں چنانچہ میں اور سید صاحب اجمیر گئے اور وہاں کے لیڈروں بالخصوص مرزا عبدالقادر بیگ صاحب ایڈووکیٹ اجمیر سے مشورہ کے بعد اس فتنہ کا سدباب کیا کہ اطلاع ملی کہ جے پور میں بہلول خاں صاحب دانا کو گرفتار کر لیا گیا جو جمعیت افاغنہ کے صدر رہے تھے۔ اس لئے سید صاحب دہلی روانہ ہو گئے اور حالات کا جائزہ لینے کے لئے میں ٹھہر گیا۔ سید صاحب نے یہ خط مجھے حقانی منزل دہلی سے اجمیر شریف لکھا تھا۔
(محمد اسحٰق)

---

(۵)

بنام جناب حکیم محمد اسحٰق حقانی

مکرمی حکیم صاحب!
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ مولوی سعید حسن صاحب کی چٹھی سے ایک حد تک حالات معلوم ہوئے مگر بعض مضامین تشنہ رہ گئے۔ غلطاً انہوں نے لکھا کہ اس وقت تک کے قرض کی فہرست بھیجتا ہوں مگر لفافے میں کوئی فہرست نہ ملی۔ یہ تو معلوم ہوا کہ ایک بزرگ نے مہاجرین کو واپس جانے سے ایک حد تک منع کرنا چاہا اور میری ہدایات کے خلاف جن کا ان کو علم تھا یہ تجویز کیا کہ سب ٹھہریں اور صرف بعض جائیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ مولوی سعید حسن صاحب کے سمجھانے سے ان

---

[1] انسپکٹر جنرل پولیس جے پور

بزرگ کا وعظ بے اثر ہو گیا مگر خدا جانے یہ خط مولوی صاحب نے کس وقت لکھا تھا کہ اس میں دن بھر کے حالات کا نتیجہ درج نہیں۔ اسی وجہ سے میں نے آپ کو تار دیا ہے کہ مہاجرین کی حالت کی اطلاع بذریعہ تار دیجئے۔

مولوی صاحب کے خط سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض مہاجر روپیہ مانگتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کسی کا قرض ادا کرنا ہے کوئی کہتا ہے کرایہ مکان دینا ہے کوئی کسی اور ضرورت کا حوالہ دیتا ہے۔ مولوی صاحب مجھ سے دریافت فرماتے ہیں کہ کیا کیا جائے اس بات کا جواب مشکل ہے۔ اگر روپیہ موجود ہو تو جن لوگوں کو کوئی معقول اور واقعی ضرورت ہے ان کو دیا جا سکتا ہے مگر بعض لوگوں کی عادت ہی ہے کہ ہر موقع پر کچھ نہ کچھ اینٹھنے کی ترکیب کیا کرتے ہیں۔ آدمی کو دیکھ لیجئے۔ ضرورت کا اندازہ کر لیجئے اور پھر اپنی جیب کو دیکھئے تینوں باتوں پر نظر کرنے کے بعد جیسا مجھ میں آئے کیجئے۔

خدا کرے اس اونٹ کی کوئی کل سیدھی ہو جائے تب اطمینان ہو۔ مہاجرین کے طبائع کے مشکلات ہیں۔ اہل الرائے حضرات کی رائے زنی سے خطرات ہیں۔ خالد[1] حمیدی اور سرہ[2] جیسے لوگوں کے بہکانے کے اندیشے ہیں۔ ٹیٹبری کے سے مزاج والے حضرات کا خوف ہے اور پھر جب یہ تمام منازل بہفت خواں مع الخیر طے ہو چکیں تو یہ کھٹکا باقی ہے کہ دیکھئے فریق ثانی کس حد تک اور کس رنگ میں ایفائے عہد کرے۔

اللہ تعالےٰ مدد فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ والسلام!

بندہ غلام بھیک ۱۰ر دسمبر ۱۹۴۷ء

نوٹ: یہ خط علی گڈھ سے مجھے لکھا تھا میرے علی گڈھ پہنچنے سے قبل۔ (محمد اسحٰق حقانی)

(۶)

بنام جناب حکیم محمد اسحٰق حقانی

مکرمی حکیم صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ آج آپ کا کوئی خط نہیں آیا۔ ممکن ہے آپ نے علی گڈھ کے پتے سے لکھا ہو۔ اگر ایسا ہوا تو خدا جانے کب پہنچے کیونکہ وہاں شادی کے کام میں ڈاکٹر صاحب[3] کو شاید پتہ بدلنے کی بھی فرصت نہ ہو۔ خیر۔

میں کلکتہ میل سے روانہ ہو کر آج یہاں پہنچ گیا۔

الامان مورخہ ۱۲ر دسمبر میں مزید فتنہ انگیزی کی گئی ہے۔ میں نے کل کے خط میں ملا[4] صاحب کو کچھ کھری کھری باتیں لکھ دی تھیں مگر مقامی نامزدگان کے پردے میں۔ آج دل چاہتا ہے کہ صاف صاف ہی لکھ دوں مگر غور کے بعد ملتوی رکھتا ہوں۔ ذرا الور کا نتیجہ آجائے تو دیکھوں گا کہ کیا کرنا چاہیئے۔ آپ کا بڑا خیال آتا ہے کہ اس فتنہ انگیزی کا ہدف ہوتے ہوئے دہلی میں رہنا اور صبر کرنا ایک سخت امتحان ہے۔

خاص طور پر دریافت طلب: ۷ر اگست کو جب آل انڈیا مسلم کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی میں وائسرائے صاحب کے ہاں وفد لے جانا

---

[1] خالد صاحب الور کی طرف سے متعین کئے گئے تھے کہ مہاجرین میں انتشار پیدا کریں تاکہ وہ گھبرا کر الور چلے جائیں۔

[2] خواجہ حسن نظامی صاحب مرحوم [3] ڈاکٹر ظفر الحسن صاحب پرنسپل علی گڈھ یونیورسٹی [4] مولوی نظام الدین صاحب

تجویز ہوا تو تحریک چندہ بھی ہوئی تھی۔ اس وقت ملا الامان صاحب نے بھی ۵۰ روپے کا وعدہ کیا تھا۔ کیا یہ رقم وصول ہو چکی ہے؟ اگر ہوئی تو کس تاریخ میں؟

اچھا ملا صاحب سے انجمن خدام مہاجرین کی جانب سے بھی شکایت کی ہے کہ اس کو نہ پوچھا گیا۔ میں چاہتا ہوں کہ اس انجمن کی صحیح نوعیت کو ظاہر کرنے والے الفاظ میرے سامنے ہوں۔ براہ مہربانی اس قرارداد کی مکمل نقل بھیج دیجئے جس کی رو سے یہ انجمن بنائی گئی تھی تاکہ صاف واضح ہو جائے کہ اس انجمن کا دائرہ کار کیا قرار دیا گیا تھا۔ آیا مہاجرین کی ضروریات خورد و نوش و قیام کا پورا کرنا یا ان کے مطالبات کے لئے پروپیگنڈہ اور جدوجہد کرنا بھی اور خصوصاً صلح اور جنگ کے اختیارات بھی اس کو دئے گئے تھے یا نہیں۔

آپ نے اب تک ان مطالبات کی فہرست نہیں بھیجی جو بسلسلہ مصارف مہاجرین واجب الادا ہیں۔ اگر ممکن ہو تو فوراً بھیجئے۔

خان بہادر حاجی رحیم بخش صاحب لکھتے ہیں کہ لوگ ان سے خطبہ صدارت مانگتے ہیں۔ میرا خیال تو یہ ہے کہ ستیہ گرہ کا پیام آپ کے پاس موجود ہے وہ درست ہو چکی ہیں۔ ان میں سے صرف ۵ کاپیاں رکھ لیجئے باقی خان بہادر صاحب کے پاس ۱۰ فریڈرک روڈ لاہور کے پتے سے بھیج دیجئے۔

چودھری یٰسین خان کو لکھتا ہوں کہ آپ کو روپیہ بھیجیں لیکن اگر آپ خود گوجرانوالہ آئیں تو غالباً بہتر ہوگا۔ والسلام!

بندہ: غلام بھیک نیرنگ ۱۲ دسمبر ۱۹۴۲ء

نوٹ: یہ خط علی گڈھ سے انبالہ پہنچنے کے بعد مجھے ملا تھا۔ (محمد اسحٰق حقانی)

---

(۷)

بنام جناب حکیم محمد اسحٰق حقانی

مکرمی حکیم صاحب! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

جناب حاجی محمود حسن صاحب کا مفصل خط جس پر آپ نے بھی کچھ لکھا اوّل دستی پہنچا اور پوسٹر پہنچے۔ اس کے بعد آپ کا خط جو پہلے لکھا گیا تھا ڈاک سے ملا۔

میں ابھی احرار سے نہیں ملا۔ اور اور کام کرتا رہا مگر شاید کسی وقت مل کر بات کروں گا۔ جیسا قرار پائے گا دیکھا جائیگا آپ اجمیر شریف کو لکھئے کہ وہاں کے احرار بھی ضرور پہنچیں۔

حضرت مولانا سید احمد صاحب شاہی امام کی خدمت میں میں نے لکھا ہے کہ جلد سے جلد ایک ہزار روپیہ قرض دلوائیں خواہ جامع مسجد سے خواہ کہیں اور سے۔

کیا پوسٹروں کے مضمون کو ہینڈ بل کی شکل میں نہیں چھپوایا گیا؟ اگر نہیں چھپوایا گیا تو فوراً چھپوائیے تاکہ بطور دعوت نامہ بھیجے جا سکیں۔ مجھ کو بھی کم از کم تیس کاپیوں کی ضرورت ہوگی تاکہ انگریز کی چٹھی کے ساتھ ممبران اسمبلی و کونسل آف سٹیٹ کو بھیجوں۔ یہ چٹھی کھلی ہے۔ آپ پڑھنے کے بعد بند کر کے بھیجیں۔ مولانا شفیع داؤدی صاحب کی خدمت میں خط لکھ کر اس کے ساتھ

---

۱ یہ ریٹائرڈ سشن جج تھے اور فیروزپور جھرکہ کی کانفرنس کے صدر تھے (محمد اسحٰق حقانی)

ملفوف کرتا ہوں۔ اگر براہِ راست ڈاک سے بھیجوں تو جواب جلد نہیں آئے گا۔ آپ فوراً خاص آدمی ان کی خدمت میں یہ خط دے کر بھیجئے۔ وہ آدمی وہاں موجود رہ کر اس کا جواب لائے اور وہ جواب مجھ کو بھیج دیجئے (اگر کل کی ڈاک سے بھیج سکیں تو اسی سے بھیجئے ورنہ بمقام شملہ) تاکہ میں فوراً ضروری خطوط روانہ کر دوں۔ (میں نے مولانا شفیع سے مہمان اسمبلی کے پتے دریافت کئے ہیں، بغرض ارسال خطوط)

خدا کرے عبدالرحمٰن کو جلد شفا ہو جائے۔ اس کے والد کل شام کو پہنچ ہوں گے۔

والسلام!

بندہ: غلام بھیک نیرنگ۔ لاہور ۲۴ دسمبر ۱۹۳۲ء

جناب حاجی صاحب کی خدمت میں سلام مسنون اور خط کا شکریہ۔

(خاص بات) انتظام ہونا چاہئے کہ اورکانفرنس فیروزپور جھرکہ کا فوٹو لیا جائے ایسے طور سے کہ ایک اجتماعِ عظیم کا اندازہ فوٹو سے ہو سکے۔ کسی ہوشیار فوٹوگرافر سے گفتگو کر کے اس کو ساتھ لے چلئے گا۔

نوٹ: یہ خط فیروزپور جھرکہ کی کانفرنس سے پہلے لاہور سے مجھے لکھا گیا تھا۔
(محمد اسحٰق حقانی)

---

(۸)

نام جناب حکیم محمد اسحٰق حقانی

مکرمی حکیم صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ میں نے آج مولانا الامان[۲] کو خط (اس کی نقل لکھی گئی ہے آپ کسی وقت دیکھیں گے) لکھا ہے جس میں صرف اس مضمون کا ذکر ہے جو الامان مورخہ ۱۲ دسمبر کے صفحہ ۲ پر درج ہے جو آپ ساتھ لائے تھے۔ اس خط میں میں نے مقامی نگار کی خاص خبر لے ڈالی ہے کیونکہ یہ مقامی نگاری کے نام سے چھپا تھا اور مولوی صاحب کو لکھا ہے کہ بظاہر آپ نے مضمون کو دیکھا نہیں اور ادارۂ الامان نے شائع کر دیا۔ آئندہ اس سلسلے کی اشاعت بند کر دیجئے اور انتظار کیجئے کہ دربار الور کے احکام صادر ہو جائیں۔ اس وقت اگر ضرورت ہو تو مقامی نامہ نگار صاحب اپنے دل کے ارمان نکال سکتے ہیں۔

کل جو کچھ آپ سے اور مولانا مظفر[۳] کے درمیان ظہور میں آیا آپ اس کے بارے میں ایک مفصل بیان لکھ کر میرے پاس بھیج دیجئے۔ میں اس سے ضرورت کے وقت کام لوں گا۔ میرے دہلی سے جانے کے بعد جرمانہ کا جو طریق عمل رہا اور جو کچھ پیش گوئیاں ہوئیں وہ بھی لکھ دیجئے۔

---

[۱] یہ انجمن خدام الحاجرین کے دفتر کا کلرک تھا

[۲] مولانا مظہر الدین صاحب مرحوم مدیر "الامان" دہلی　[۳] مولانا مظہر الدین۔

لکھ چکا ہوں آج ہی کلکتہ میل سے واپس ہو جاؤں، انبالے میں ایک ضرورت سے مجھ کو کل موجود ہونا چاہیے یہ لکھ کر میں آج ضرور واپس چلا جاؤں گا لہٰذا آپ ٹرین پر آنے کی تکلیف نہ کریں۔ اب میں انشاء اللہ ۱۵ دسمبر کی صبح کو پہنچوں گا۔ کنیز فاطمہ کا معاملہ اب پھر شروع ہو گیا ہے اور مجھ کو طلب کیا گیا ہے۔

امام صاحب اگر آ گئے ہوں تو ان سے مل کر گل واقعات کا ذکر کر دیں اور معلوم کر کے لکھیں کہ ان کی رائے کیا۔

والسلام!

بندہ: غلام بھیک نیرنگ

آج ڈاکٹر ضیاء الدین احمد صاحب بھی یہاں آ نکلے تھے۔ ان سے ملاقات ہوئی، معلوم ہوا کہ مولانا الطاف الرحمٰن سے شام بھی ملے تھے۔ تب بھی انہوں نے مولوی صاحب کو تمام بات بتا دی تھی لہٰذا کل جو آپ کو ساتھ لیجا کر ملے تو زیر قندِ مکرر میں نے ڈاکٹر صاحب سے ایک ضروری نوٹ لکھوا لیا ہے۔

سیر تیج بہادر سپرو

(۱)

ڈاکٹر طاہر فاروقی ـــــ پروفیسر اسلامیہ کالج پشاور

مخدوم و مکرم بندہ۔

تسلیم و نیاز۔ میں ۱۶ر جنوری سے پٹنہ گیا ہوا تھا۔ اور صبح ہی صبح واپس آیا۔ واپسی پر جناب کے دو والا نامہ مورخہ ۱۶ر جنوری میری نظر سے گزرے۔ آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ آپ نے دسمبر کے پہلے ہفتہ میں مجھے خط بھیجا تھا۔ میں یہاں سے ۲ر دسمبر کو مدراس گیا تھا اور وہاں سے ۱۶ر دسمبر کو واپس آیا۔ میں نے ہر چند آپ کے خط کی تلاش کی مگر مجھے دستیاب نہیں ہوا ممکن ہے کہ وہ میری غیر حاضری کی وجہ سے یا تو یہاں ہی گم ہو گیا یا بذریعہ ڈاک مدراس بھیجا گیا ہو اور مجھے دستیاب نہیں ہوا۔ حالانکہ مجھے جناب کی خدمت میں شرف نیاز حاصل نہیں ہے۔ مگر میں نے پچھلے ہفتہ میں سیرت اقبال کو پڑھا اور پڑھ کر بہت خوش ہوا۔ اگرچہ میں عرصہ سے علامہ اقبال کے کمال شعر و سخن و فلسفہ کا مداح و ثنا خواں رہا ہوں لیکن آپ کی کتاب کو پڑھ کر میں از بس خوش ہوا۔ اگر مجھے اجازت دیں تو میں یہ مزید عرض کروں گا کہ ایسی کتابوں سے اردو زبان کی وسعت معلوم ہوتی ہے اور اقبال کی عظمت کا ہر شخص کی نگاہ میں اضافہ ہو گا۔

بزم اقبال سے مجھے ہر گونہ ہمدردی ہے۔ مجھے اس کی ممبری میں کچھ عذر نہیں ہے۔ مگر میں عادتاً سرپرستی کسی بزم یا انجمن کی قبول نہیں کرتا ہوں۔

جامعہ اردو کے قواعد و ضوابط کی نسبت میں صرف دو باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ اول تو یہ کہ اگر آپ کی خواہش ہے کہ اس بزم کو استحکام حاصل ہو تو آپ اس کو مطابق ایکٹ ۲۱ سنہ ۱۸۶۰ء رجسٹر کرا لیجئے۔ دوسرے یہ کہ اردو کی اشاعت و مقبولیت کے لئے یہ مزید ہے کہ معمولی طور پر اردو میں مشکل الفاظ فارسی و عربی نہ استعمال کی جائیں۔ جو الفاظ اس دو سو برس میں ہماری زبان میں جذب ہو گئے ہیں۔ ان کو خارج کرنا اور اس کے بجائے غیر مانوس الفاظ سنسکرت استعمال کرنا میرے خیال میں اردو کو تباہ کرنے کے برابر ہے۔ یہ مزید ہے کہ ادب و فلسفہ و شعر و سخن کی زبان بازاری زبان نہیں ہو سکتی۔ میں یہ عرض کروں گا کہ اگر آپ جیسے استاد اس طرف توجہ فرمائیں گے تو اردو ان حملوں سے جو آج کل

اس پر ہو رہے ہیں محفوظ رہے گی۔ زیادہ نیاز

۲۰ رجنوری ۱۹۳۹ء　　بندہ تیج بہادر سپرو

بنام مولوی عبدالحق　　(۲)

مخدومی ڈاکٹر صاحب۔

تسلیم و نیاز۔ یہ خط میں ہائی کورٹ سے لکھ رہا ہوں۔ مجھے شام کو مسٹر عزیز کے یہاں ایک جلسہ ہے اُس میں جانا ہے۔ میں ۶ بجے تک واپس آجاؤں گا۔ اور پھر آٹھ بجے مجھے ایک اور صاحب کے یہاں جانا ہے۔

آج آپ ۶ بجے کے بعد تشریف لائیے۔ گھنٹہ بھر تو ضرور بات چیت ہو سکے گی۔ زیادہ نیاز

۵ رجنوری ۴۲ء　　تیج بہادر سپرو

بنام نصیرالدین ہاشمی　　(۳)

جناب مخدومی۔ تسلیم و نیاز　　(۱۹۔ البرٹ روڈ۔ الٰہ آباد)

گرامی نامہ مورخہ ۶ رجون وصول ہوا۔ اس کے بعد آپ کی مرسلہ کتاب "یورپ میں دکھنی مخطوطات" پہنچی۔ میں آپ کی عنایت کا ازبس مشکور ہوں۔

میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ اس عرصہ میں میں نے آپ کی کتاب کل پڑھ لی ہے۔ مگر میں نے مختلف مقامات پر اس کا مطالعہ ضرور کیا ہے۔ اور امید کر رہا ہوں کہ جلد اس سے پورے طور پر واقفیت حاصل کروں گا۔

ظاہر ہے کہ اس قسم کی کتاب بغیر سخت محنت و تحقیقات کے تیار نہیں ہو سکتی۔ جس قدر میں نے اس کا مطالعہ کیا ہے اس سے تو مجھے نہایت دلچسپ معلوم ہوتی ہے۔

نیازمند سر تیج بہادر سپرو

آغا شاعر قزلباش

(۱)

بنام مہاراجہ سرکشن پرشاد

خدا تو بخشتا ہے سب قصور بندوں کے
خدا ئبگانِ کرم کیوں قصور کرتے ہیں

سرکارِ عالی! دام اقبالہٗ!

آداب۔ بعد تسلیم۔ اک عرصہ سے اس تڑپ رہا تھا کہ نہ آفتاب کے لئے کوئی مضمون ہی عنایت ہوا نہ کوئی نظم ہی انطباع کے لئے بخشی گئی۔ گویا کمترین کی حقیقی گذارشوں سے حضور ناخوش ہو گئے۔ خیر یہ میرا نصیب ہے۔ اب سری حضور دربار دام اقبالہٗ تو ولایت ہیں اور یہاں خدا کا فضل ہونے والا ہے یعنی غریب کے گھر میں ایک نئی روح آنے والی ہے زہے نصیب۔ تقدیر۔ بس اللہ ہی مالک ہے۔ راتوں کی نیند اڑ گئی ہے۔

اکتوبر نمبر آفتاب کا خدمت عالی میں بھیجا جائے گا۔ اب سنہ ۱۹۲۱ء انشاء اللہ عام ہوگا۔

عاجز کمترین: قزلباش ۳۰ اکتوبر ۱۹۲۱ء

(۲)

بنام مہاراجہ سرکشن پرشاد

سری حضور یہ مہاراجہ بہادر دام اقبالہٗ ——— کی خدمت بابرکت میں گدائے بے نوا آغا شاعر قزلباش دہلوی کا دست بستہ آداب!

صحیفہ گرامی موصول ہو کر باعث صد افتخار ہوا۔ دو غزلیں پہنچیں، بے حد شاکر فرمایا۔ اس سے پہلے بانسری والا مضمون یا کوئی اور مطلق نہیں پہنچا۔ اگر مضمون پہنچا شکریہ کے ساتھ چھاپا جاتا۔ آئندہ کے لئے حکم دے دیں کہ مضامین اور غزلیں ہمیشہ میرے نام بھیج دی جایا کریں۔ اس طرح تلف ہونے کا خطرہ نہیں رہے گا۔

خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ملک میں اس ناچیز ہستی کے قدر دان اب بھی موجود ہیں۔ چنانچہ میری عرضداشت پر نئی روح کے

خیر مقدم کے لئے کل پانچ نمبر کو پانچ سو روپیہ بذریعہ تار عالیجناب ہز ہائینس نواب صاحب بہادر بھوپال نے عطا فرمایا۔ شکر اللہ شکر اللہ۔

عاجز کمترین قزلباش ۷ نومبر ۱۹۲۱ء

(۳)

بنام مہاراجہ کشن پرشاد

دہلی ستمبر

عالیجاہا! دام اقبالہٗ!

آداب نیاز۔ ابار بار عرض کیا گیا کہ میں دیوانہ مزاج آدمی اس دنیا کے حوادث کا کیونکر مقابلہ کروں لیکن کوئی بھی جواب نہیں ملتا۔ ہائے افسوس ——

کیا جہنم ہے خانۂ دنیا جس کو دیکھا عذاب میں دیکھا

خیر ع رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گزشت

شکر، صد شکر اس مالک حقیقی کا بتاریخ ۹ دسمبر سنہ ۱۹۲۱ء بروز جمعہ بوقت چاشت برخوردار سعادت اطوار فرزند ارجمند بلند اقبال، آغا اقبال علی طول عمرہٗ پیدا ہو گیا۔ مگر اس کے دوسرے ہی دن غریب مرحومہ سیدانی بیگم صاحبہ کو اچانک غش آ گیا۔ تیسری بھی گئی، نبض سرد پڑ گئی۔ بس نزع پھٹے، لینے کے دینے پڑ گئے۔

ڈاکٹر، بیڈی ڈاکٹر، تین دائیاں اور مہمانان ناخواندہ خواندہ کا جم غفیر جمع ہو گیا۔ خدا خدا کر کے تین گھنٹہ تک۔ سوتا، زلیست کے عالم کے بعد فضل الٰہی ہوا۔ ابھی تک علاج جاری ہے۔ ۲۵۰ روپیہ سے اونچا اس تین روز میں ٹھیکری ہو چکا۔ مگر شکر ہے اس قادر و توانا پاک بے نیاز کا کہ کئی جانیں بچ گئیں اور ابھی چھٹی دور ہے۔ اللہ تعالےٰ جل شانہٗ جلد تندرست فرمائے۔ آمین! تم آمین!!

عاجز کمترین آغا قزلباش ۱۳ دسمبر ۱۹۲۱ء

(۴)

بنام مہاراجہ کشن پرشاد

سرکار مہاراجہ صاحب بہادر دام اقبالہٗ!

آداب نیاز، دست بستہ۔

آفتاب کا مارچ نمبر ۱۹۲۲ء بھی پیشگاہ عالی میں بذریعہ ڈاک روانہ کر دیا گیا جس میں دو غزلیں فارسی کی طبع ہو گئیں۔ اب کوئی غزل باقی نہیں۔ مدت سے کوئی مضمون بھی عطا نہیں ہوا۔

آفتاب کا سالانہ چندہ بھی ابھی تک سرکار سے نہیں بھیجا گیا۔ حالانکہ ۱۹۲۲ء کا مارچ نمبر تک چھپ چکا ہے۔ اب اپریل حاضر ہو گا۔ کیا کمترین نہایت ادب سے اس امر کی طرف حضور کی توجہ کو مبذول کر سکتا ہے کہ کاغذ اور اخراجات کے لئے روپیہ کی اشد ضرورت ہے اور جو کچھ فدوی کو بخشا جاتا ہے وہ بذریعہ تار کرامت فرمایا جائے۔

زیادہ حد ادب!

دو مسال کے بعد یہ فتوح غیب بذریعہ تار پہنچنا چاہئے۔ آئندہ حضور مالک ہیں۔

آغا قزلباش ۲۰ر اپریل ۱۹۲۲ء

(۵)

بنام سہیل رہلوی

عزیز من سلمہٗ!

دو خط پے بہ پے پہنچے۔ پہلی دفعہ پہلی اور دوسری دفعہ دوسری غزل۔ جیسی کچھ اس میں جان تھی میں نے نمک مرچ لگا دیا۔ یہ میرا اشعار نہیں ہے کہ شاگرد کے اصلی خیالات کو بالکل بدل دوں اور نہ اس اصلاح کا نام اصلاح ہے۔ اگر یہ اشعار فی نفسہٖ آپ کی جدت طبع کا نتیجہ ہیں تو جس پایہ کے ہیں ان کی اتنی داد مزد ملے گی۔ اس سے زیادہ میرے بس کا روگ نہیں بیشک آپ کا گمان صحیح ہے وہ پنسل سے لکھا ہوا مطلع اور مقطع نہ تو میرا ہے نہ میری طرف سے دیا گیا ہے۔ یہ میاں خلیق کی کارستانی معلوم ہوتی ہے یہ شخص بے حد حریص معلوم ہوتا ہے اور اس کا دہان طمع ہزار شعر مل جانے پر بھی نہیں بند ہوتا۔ بس وہ شعر انہوں نے اپنی طرف سے لکھ دئے اور آپ کے دو شعر خود لے کر انہیں قلمزد کر دیا ہوگا۔ تعداد بھی پوری ہوگئی اور کام کا کام بن گیا۔ آپ مشاعرے میں جانے سے ایک دن قبل مجھ سے ضرور مل لیں اور جلسے کے روز تو ہم اور آپ ساتھ ہی چلیں گے۔

افسر الشعرا۔ ۳۱ر فروری۔ راحت منزل دلی۔

(۶)

بنام آغا آفتاب علی (فرزند آغا صاحب)

برخوردار آفتاب علی طولعمرہٗ!

بعد دعائے درازی عمر و ازدیاد اقبال کے بعد مطالعہ کرو کہ بتاریخ ۱۰ر صبح کی گاڑی سے میں ضعیف و ناتوان، نروانہ اسٹیشن پر اتر اکیتھل جانے والے مسافر یہیں سے دوسری گاڑی میں سوار ہوتے ہیں۔ اسی امید پر میں بھی اترا تھا مگر میری تقدیر سے کچھ ایسا عمل درآمد اب بند ہو چکا تھا۔ چنانچہ اسٹیشن سے باہر جاتے ہی معلوم ہوگیا کہ آج صبح چار بجے تک کوئی گاڑی یہاں سے کیتھل نہیں جائے گی۔ اب نہ اوڑھنا نہ بچھونا، کڑکڑاتے جاڑے کا موسم اور میں تنہا بے پناہ، محض خدا کے رحم پر جنگل بیابان میں کھڑا ہوں۔ یہ پہلی بھول ہوئی۔ دوسری غلطی سنو کہ جس ہینڈ بیگ میں میرا توشہ بھر دسہ ضروریات اور پانوں کی ڈبیا اور کچھ کاغذات تھے اس کی کنجی وہیں گھر میں رہ گئی تھی۔ یہ بھول نمبر دو ہوئی۔ تیسری مشکل یہ کہ اس گاؤں گنوار میں نہ یار نہ آشنا۔ کل صبح چار بجے تک ٹھہروں تو کہاں؟ پہلے سے کوئی ٹھکانہ کیوں نہ کر لیا۔ یہ بھول نمبر تین۔ آخر تن بہ تقدیر اپنے کو خدا کے حوالے کیا اور ایک احاطے میں جا کھڑا ہوا۔ یہیں قضائے الٰہی سے ایک تھانیدار صاحب آنکلے، مجھ سے پوچھا تم کون؟ عرض کیا مسافر جس کا گھر نہ در۔ مگر بیچارے نے خوف خدا کھایا اور کمبل اور ہینڈ بیگ اٹھوا کر مجھے تھانے میں لے گیا۔ دن بھر اور ساری رات نہایت آرام سے رہا۔ اب کل صبح کو یہاں سے کیتھل جانے کا قصد رکھتا ہوں جیتے بچے تو پھر ملیں گے۔

راقم تمہارا ضعیف باپ! ۱۱ر اپریل۔ نروانہ ضلع رہتک

(۷)

بنام سکرٹری آل انڈیا اردو کانفرنس

بندہ نواز!

سلام مسنون - یاد آوری کا شکریہ - مزید شکریہ اس جلیل القدر انجمن کا جس کے اراکین نے اس ہیچ کارہ کو اپنے لائق تصور فرمایا، ورنہ در اصل بسبب ہجوم افکار و مسلسل علالت کے یہ فقیر اس قابل نہیں کہ کسی جلسے یا انجمن میں بیٹھ تبادلۂ خیالات کر سکے - دوسرے جلیل آدمی کی رائے بھی جلیل ہوتی ہے - اس لئے بوجوہ بالا نہایت ضروری ہے کہ آپ نام فہرست اشتراکئے انجمن سے یک لخت قلمزن فرما دیں - میری حقیقی ترجمانی میرے اس پارۂ دل سے ہو سکتی ہے جسے برأت کے لئے پیش کرتا ہوں ؎

زہر کے گھونٹ پی رہے ہیں ہم　　سانس لیتے ہیں جی رہے ہیں ہم

عاجز: افسر الشعرا - ۱۶ دسمبر - جیمس اسکنرز گارڈن - دلی

(۸)

بنام سکرٹری آل انڈیا اردو کانفرنس

صاحب من تسلیم ؎

اشک خوں رنگ لئے جاتا ہے　　داغ اپنے جمائے جاتا ہے

آپ کی بھی وہی مثل ہے، مان نہ مان میں تیرا مہمان - میں برابر عرض کر رہا ہوں کہ میری حالت قابل رحم ہے: نقل و حرکت کی بھی زیادہ مکنت نہیں اور آپ فرماتے ہیں اغراض و مقاصد جلسہ پیش کئے جاتے ہیں ضرور شرکت فرمائیے الامر فوق الادب سمجھ کر اتنا وعدہ کرتا ہوں کہ اگر بد نصیب اور مضمحل طبیعت نے یاری دی تو آخری اجلاس ۲۹ دسمبر والے آخر وقت حاضر ہونے کی کوشش کروں گا - بشرطیکہ اللہ تعالیٰ نے چاہا اور زندگی نے وفا کی -

عاجز: افسر الشعرا - ۱۷ دسمبر - جیمس اسکنرز گارڈن - دلی

(۹)

بنام مہاراجہ سرکشن پرشاد　　و بہ مستعین

سرکار عظم! قدردان نقد سخن مدظلہ العالی!

تسلیم - بصد تکریم - اک عرصہ سے صحت دری مزاج کے تردد سے محروم ہوں "شراب الصالحین" یعنی ترجمہ رباعیات حکیم عمر خیام نیشاپوری کو رباعی کا جواب رباعی میں اسی قوت سے، تین برس کامل خون جگر ٹپکا کر پورا کیا ہے - اگر یہ چیز میری زندگی میں چھپ گئی تو حضور ملاحظہ فرمائیں گے کہ اردو لٹریچر میں روح پھونک دی گئی - مگر رباعیوں کا ڈوبلیکیٹ ۶۰۰ ہوتا ہے - اس ناقدر سے زمانے میں کوئی علمی امداد کرنے والا بھی نہیں - خیر ہمت نوکی ہے اللہ تعالیٰ مددگار ہے - ہز ہائنس نواب خیر پور سندھ دام اقبالہٗ نے تو ایک رقم عطا فرمادی جس -

کام شروع کر دیا ہے۔
کیا اس علمی امداد کے لئے میں حضور سے بھی عرض کروں کہ جلد سے جلد جو حضور پسند فرمائیں کچھ دست کرم کو جنبش دے سکیں۔ دیکھئے فردوسی فرماتا ہے ؎

فریدون فرخ فرشتہ نہ بود　　ز محمود و ز عنبر سرشتہ نہ بود
ز جود و کرم یافت این نیکوی　　تو جود و کرم کن فریدون توی

عالیجاہ! یہ میں خوب جانتا ہوں کہ اس زمانے میں ایسی علمی مراسلت کی کس کو غرض پڑی ہے مگر ہندوستان میں آپ ہی جیسی قدر شناس چند ہستیاں لے دے کر رہ گئیں۔ اگر انہی سے نہ عرض کیا جائے تو بتائیے خدا بتا دیجئے کہ ان جواہر پاروں کو ہم لوگ کہاں لے جائیں؟
ہم لوگ چراغ سحر ہیں۔ چند روز کے بعد یہ بیکار ہستیاں بھی اٹھ جائیں گی۔ پھر نہ یہ چیز ہوگی نہ گاہک۔ آتا اللہ و آتا الیہ راجعون!
نمونہ کے طور پر صرف ایک رباعی کا ترجمہ حاضر ہے۔ آپ کو قسم ہے اپنے مرتبہ اور عزت کی، ایک نظر اسے ضرور ملاحظہ فرمالیں۔ بس کم و بیش ۱۰۰ رباعیوں کا ترجمہ اسی شان سے ہے۔ انصاف آپ ہی پر موقوف ہے۔

حکیم خیام نیشاپوری

آمد سحرے ندا ز میخانۂ ما　　کائے رندِ خراباتی و دیوانۂ ما
برخیز کہ پُر کنیم پیمانہ ز مے　　زاں پیش کہ پُر کنند پیمانۂ ما

افسر الشعراء

آئی یہ ندا صبح کو میخانے سے　　اے رندِ خراباتی و دیوانے سے (یعنی مانند)
اٹھ جلد بھر اس شراب سے ساغر ہم　　کم بخت چھلک جائے نہ پیمانے سے

سرکار والا! عند اللہ انصاف کریں اگر یہ چیز خدانخواستہ نہ چھپی اور میں مر گیا تو پھر تین برس کا مل جو رائیں کالی کی ہیں وہ اکارت ہی گئیں نا۔ اس لئے جبر نہیں، کوئی قرضہ نہیں۔ اگر سرکار اس علمی امداد کو حیاتِ جاودانی خیال فرما کمیں تو سب سے پہلی فرصت میں جو کچھ امداد ہو سکے بذریعہ منی آرڈر کرامت فرمادیں۔ وما علینا الا البلاغ!

عاجز کمترین چراغ سحر افسر الشعرا قزلباش دہلوی۔ جھالرا پاٹن راجپوتانہ

---

(۱۰)

بنام قاضی حسین غبار

خاکساران جہاں را ز حقارت منگر

بھائی غبار!

سلام مسنون۔ آپ غبار ہیں اور ہم خاکسار۔ آپ کے تخلص ہی سے ڈر لگتا ہے۔ بھلا جہاں آپ جیسے مستند روزگار موجود ہوں وہاں ہم جیسے بے سوار ناچیز لوگوں کے لئے کلمۂ خیر کہنے والا کون ہو سکتا ہے۔ بھائی جان! آپ کے اعتراض وارد کرنے

بے اختیار مجھے ہنسی آگئی۔ کیونکہ آپ لوگ وہ ہیں جو نہ خود عمر بھر ترقی کر سکے اور نہ دوسروں کو بلند مرتبہ دیکھ کر خوش ہو سکے لے بھائی میں کیا اور میرا کلام کیا۔ چراغ سرِ رہگذار ہوں خدا جانے کس وقت سرصر اجل کا ایک جھونکا آئے گا اور میں خاموش۔

حکیم خیام کی وہ پہلی ہی رُباعی جس کے ترجمے پر تمام دنیائے ادب نے سر دُھنا ہے اس کے دوسرے مصرعہ میں دیوانے سے کو آنکھ دکھاتے ہیں۔ حالانکہ آپ غبار ہیں۔ پہلے آپ وہ نظر تو پیدا کیجئے جو دیوانے سے کی خوبی کو دیکھ سکے اب رہا چوتھا مصرعہ، وہ آپ کی سمجھ سے بالکل باہر ہے۔ بھلا جس شخص نے ایک ہزار رباعیوں کو ہزار ہزار دفعہ جانچا ہوگا، مصرعہ فارسی کے مطبوعات سے ٹکرایا ہوگا، چار برس کا مل آنکھوں کا تیل اور جگر کا خون ٹپکایا ہوگا، ذرا آپ ہی انصاف کریں وہ زبان دانی کے معنی نہیں سمجھتا۔

مگر بھائی جان یہ وہ ترجمہ نہیں ہے جو مکتب کے ملّا نے کرتے ہیں:

"سعدی گوئے بلاغت ربود"

سعدی گیند بلا کی۔ غرّبود لفظ عربی ہے، آگے چل۔ یا مکھی پر مکھی ماردی۔ خیر صاحب من! مرا بخیر تو امید نیست بدرستان۔ اگر شیت ایزدی شامل حال ہے اور عمر نے وفا کی تو یہ منظوم ترجمہ چھپ جائے گا۔ اس وقت جو اہلِ نظر اس پر ریویو کریں گے وہ سرکار عالیجاہ کے ملاحظہ کے لئے ضرور بھیج دئے جائیں گے ورنہ خیر دل شکنی یہاں کسی کی روا نہیں۔ آپ ناخوش ہیں؟ اچھا خیر معافی چاہتا ہے[1]۔

کے قوام دیہ ساقی جام صہبا بشکند
مے پرستم صبائے گر بدریا بشکند

راقم: عاجز بے سواد غریب آغا شاعر۔ جھالرا پاٹن (راجپوتانہ)

---

[1] آغا شاعر کو یہ معلوم ہوا تھا کہ مہاراجہ کشن پرشاد کے سکرٹری صادق حسین غبار نے ان کے ترجمہ رباعیاتِ عمر خیام میں کچھ عیب نکالے تھے جن کی بنا پر مہاراجہ نے ان کو امید افزا جواب نہیں دیا۔ اس لئے انہوں نے غبار صاحب کو براہِ راست مخاطب کیا ہے۔

ظفر الملک

(۱)

بنام افتخار عالم صاحب

مخدوم و مکرم بندہ! زاد مجدکم

تسلیم مع الاکرام۔ میرے سابقہ عریضے کا جواب اگرچہ نہیں آیا ہے لیکن چونکہ یاد دہانی کرتے رہنا میرا فرض ہے اس لئے میں اپنی طرف سے کوتاہی نہ کروں گا۔ مجھے یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ آپ وطن تشریف لے گئے تھے اور چند ہی روز ہوتے کہ واپس آئے ہیں مجھے آپ کے کریمانہ اخلاق سے امید ہے کہ آپ نے اپنے قیام وطن کے زمانے میں اپنے بھائی صاحب سے الناظر کی علمی اعانت کے لئے خاص طور پر تحریک کی ہوگی اور اس کا نتیجہ جلد ظاہر ہوگا۔ میرے عریضے کا وہاں سے کچھ جواب نہیں آیا جس پر تعجب اور افسوس دونوں ظاہر کرنے کو جی چاہتا ہے شاید مولانا مخدوم عالم صاحب مصروف کار زیادہ رہتے ہیں اس لئے خطوط کی مہلت نہیں ملتی۔ بہرحال میں ان کو دوبارہ اس طرف متوجہ کروں گا اور امید ہے کہ آپ کی زبانی تحریک اور میری یاد دہانی دونوں مل کر مفید اثر پیدا کریں گی۔ آپ نے میں نے سنا ہے کہ اپنے دھندے سے دست برداری حاصل کرنے کا تہیہ کیا ہے جو یقیناً نہایت رکیک اور ملول کن ہوگا اور جس کی مجھے آپ کے سے روشن خیال بزرگ سے امید نہ تھی۔ مولانا "چہ کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی" آپ ان بزرگوں میں ہیں جو قومی خرابیوں اور قومی زوال کے اسباب پر نظر رکھتے ہیں آپ کے دل میں قوم کا درد ہے اور اس درد کے علاج کی دوا بھی آپ کو معلوم ہے۔ آپ کو میرے رسالے کے ساتھ اس قدر ہمدردی بھی تھی کہ قبلہ و کعبہ منشی احمد علی شوق مدظلہ العالی کے دل کو میری طرف سے صاف کرنے اور الناظر کی طرف متوجہ کرنے میں میری اعانت فرمائی جس کا میں بہ دل ممنون و شکر گذار ہوں۔ آپ نے نہایت کریمانہ نفسی سے خود بھی الناظر کی علمی اعانت فرمانے کا وعدہ کیا، اپنے بھائی صاحب کو بھی تحریک کی اور مولانا مظہر الحسن صاحب سے بھی تائید کرتے رہنے کا قصد ظاہر کیا تھا مگر مقام تعجب ہے کہ جو خبر مجھے حال میں ملی ہے وہ ان تمام باتوں کے مخالف یہ ظاہر کرتی ہے کہ آپ صرف مجھے ناامید ہی نہیں بنانا چاہتے بلکہ آپ ذریعہ بننے والے ہیں جناب قبلہ و کعبہ کی الناظر سے دوبارہ علیحدگی اور بے تعلقی کا۔ اگرچہ اس میں کچھ شبہ نہیں کہ جناب قبلہ و کعبہ کا یہ خیال کسی طرح بھی بجا نہیں کہا جا سکتا اور نہ میں سمجھتا ہوں کہ ان کو ایسی سخت شرائط لگانا زیبا ہیں تاہم محض اس وجہ سے کہ وہ میرے بزرگ ہیں میں ان [redacted] مقام کے آگے سر تسلیم خم کرنے پر مجبور رہوں۔ لیکن میں آپ سے

خاطر خواہ زیر باری بھی ہوتی ہے اور وقت و فکر کا بھی صرف رہتا ہے مگر کیا کیا جائے۔ ہر حال میں شکر ہے کہ اگر اس سے بہتر حالت ہو تو کیا کر سکتے ہیں۔ نور الرحمٰن صاحب کو سلام مسنون۔

خاکسار: ظفر الملک۔ لکھنؤ ۲ جنوری ۱۹۲۳ء

---

(۳)

بنام پروفیسر محمد مسلم صاحب پٹنہ

مکرمی!

سلام مسنون۔ گرامی نامہ موصول ہوا۔ الحمد للہ اب گھر میں سب لوگ خیریت سے ہیں۔ بسلسلۂ علالت کی ایک کڑی اگرچہ باقی ہے یعنی میں خود کئی دن سے شدید نزلہ میں مبتلا ہوں مگر امید ہے کہ یہ عارضی ثابت ہو اور واقعی اس کے بعد وہ اسے بالکلیہ نجات مل جائے۔ داؤد سلمہٗ قرآن شریف حفظ کر رہا ہے ۸ پارے ہو چکے ہیں۔ غریب بیماریوں کی وجہ سے کئی سال سے اٹکا رہا ہے ورنہ کب کا حافظ ہو جاتا۔ جب تک اس سے فراغت نہ پائے اور کوئی سلسلۂ تعلیم نہیں شروع کرایا جا سکتا۔ ضعیف و ناتواں اس قدر ہے کہ زیادہ محنت کا محل نہیں۔ بہر حال ابھی تو دسواں سال ہے اس لئے زیادہ فکر نہیں اور نہ فکر انگریزی کی تعلیم دلانا مقصود نہیں اس لئے امید ہے کہ اس مرحلہ سے نکل کر چند سال میں علوم عربیہ کی تکمیل کر لے گا اور ساتھ ہی ساتھ میں خود اسے انشاء اللہ اردو پڑھاؤں گا۔ نیز مراسلت کرنے بھر کی انگریزی تاکہ کاروبار کو سنبھالنے کی اہلیت آئے باقی اللہ کی جو مرضی ہو۔

تازہ الناظر بھیجا جاتا ہے۔ مشورہ اور مضامین دونوں سے سرفراز فرمائیں۔ مطبوعات الناظر کسی قدر کم تعداد میں بھیجی جاتی ہیں میرے پاس مال زیادہ نہیں ہے اور اس وقت کئی جگہ سے تبادلہ کی معاملت درپیش ہے۔ نیز سابقہ تجربہ کی بنا پر امید نہیں کہ جو مال بھیجا جاتا ہے اسے بھی آپ ایک سال کے اندر ختم کر سکیں گے۔ بہر حال جب حاجت ہو تو اور بھیج دیا جائے گا۔ بلٹی ملفوف ہے اور فہرست کتب مرسلہ بھی۔

علی گڈھ کی حاضری کا قصد ضرور ہے۔ جامعہ کے کانووکیشن میں مجھ جیسے بے کار و بے مایہ کو کون پوچھتا ہے۔ وہاں لیڈر کی ضرورت ہے البتہ اپنے طور پر کسی وقت حاضر ہوں گا۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ آپ خواہ مخواہ میرے لئے ایک دعوتی خط روانہ کرا دیں۔ میں اپنی فرصت دیکھ کر ہی یہاں سے ہٹ سکتا ہوں۔ آج کل تو بہت سے کام میری ذاتی توجہ کے محتاج ہیں۔ سب سے زیادہ اہم الناظر بک ایجنسی کی فہرست مرتب کرنے کا کام ہے۔ فہرست سابقہ ختم ہو گئی اور بغیر میرے فہرست مرتب ہو کر چھپ نہیں سکتی۔ کتابوں کی رسید سے مطلع فرمائیے۔

خاکسار: ظفر الملک۔ الناظر بک ایجنسی لکھنؤ ۱۱ جنوری ۱۹۲۳ء

---

(۴)

بنام مولوی محمد اظہار الحسن صاحب وکیل غازی آباد

مکرمی!

سلام مسنون۔ گرامی نامہ معہ مجھی صاحب کی تحریر کے وصول ہو گیا تھا۔ میں اب عذر لنگ سے نجات پا گیا ہوں اس لئے

ایک دن کے لئے سفر بھی کر آیا۔

الیاس مجیبی صاحب کا بیان ابھی خود تصدیق طلب ہے۔ ضمخانۂ عشق یا مراۃ الغیب میں مجھے تو کہیں یہ شعر ملا نہیں۔ ان کے پاس جو نسخہ ہے اس میں شاید ہو۔ از راہ کرم دریافت فرمایئے کہ نسخہ کس مطبع کا ہے اور کس سنہ کا چھپا ہوا، نیز کس صفحہ میں یہ شعر ہے۔ مجھے تو اس ردیف و قافیہ میں منشی امیر احمد صاحب کی کوئی غزل نہیں نظر آئی۔ خدا کرے یہ شعر کہاں سے آگیا۔ خانی آباد میں کہیں دواوین امیر ہوں تو آپ بھی جانچ کریں۔ فلسفۂ سزا والے مضمون کو اب انشاء اللہ زمانہ کے مضمون سے ملا کر دیکھ سکوں گا۔

مارچ کا انتظار امید ہے کہ حل کیا ہوگا۔ اگر کاتب صاحب اچھے رہے تو کوشش ہوگی کہ اپریل نمبر تک مکمل ہو جائے اور اگر دہلی اور لاہور کی ٹھن گئی تو نہیں کہہ سکتا کہ کیا حشر ہو۔ مارچ کے انتظار میں زمیندار کے متعلق مراسلہ درج ہونے سے رہ گیا تھا۔ فہرست مضامین مرتب ہو جانے کے بعد خیال آیا تو اپنے نوٹ میں آپ کی تحریر کا ضروری حصہ لے لیا۔ والسلام!

خاکسار ظفر الملک۔ لکھنؤ ۱۴ مارچ ۱۹۳۰ء

---

(۵)

بجواب ۱۹ سید الطاف علی صاحب بریلوی

مکرمی!

سلام مسنون۔ مزاج گرامی! بیت وقت پہنچے تھے کہ میں وطن گیا ہوا تھا۔ غالباً دو ہی گھنٹہ بعد واپسی ہوئی خیال تھا کہ آپ یونیورسٹی ہوسٹل میں اطمینان سے پہنچ جائیں گے تو پھر تشریف لائیں گے۔ اب گرامی نامے سے معلوم ہوا کہ آپ نے اطلاع نہیں کرایا اور نافون پڑھنے کا خیال فی الحال ترک کر کے وطن گئے۔ خیر انشاء اللہ بریلی ہی میں ملاقات ہوگی۔

میں نے انتظار نکال دیا ہے۔ ایک پرچہ ملاحظہ کے لئے ارسال خدمت ہے۔ انشاء اللہ اگست نمبر میں جو زیر طبع ہے آپ کی کتاب کا بھی اشتہار نکلے گا۔

آپ کی کتاب پر انقلاب میں جو طولانی تبصرہ نکلا ہے وہ بھی ملاحظہ سے گذرا۔ والسلام!

خاکسار ظفر الملک۔ انتظار ایجنسی لکھنؤ۔ ۱۱ اگست ۱۹۳۲ء

---

(۶)

بسم اللہ

بنام جلیل قدوائی صاحب

مکرمی!

سلام مسنون۔ کارڈ ملا۔ اس سے قبل ہی اخبارات سے آپ کے تقرر کی اطلاع مل گئی تھی۔ پھر مولانا سید سلیمان سے ملاقات ہوئی اور حالات معلوم ہوئے۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ کی مراد پوری ہو گئی اور آپ دفتری جھنجھٹ سے نجات پا گئے۔ دعا ہے کہ نئی خدمت سے جو آپ کے ذوق کے مطابق ہے آپ خود بھی پوری طرح مستفید ہوں اور طلبہ کو آپ سے پورا نفع حاصل ہو۔ معلم کا پیشہ بہت معزز اور ذمہ داری کا ہے۔ اگر آپ پوری فرض شناسی کے ساتھ کام کریں گے تو خدا بھی راضی ہوگا اور مخلوق بھی خوش رہے گی۔ مسلم کو اپنے اندر اعلیٰ اخلاق پیدا کرنے کی کوشش رکھنا چاہئے اور اپنے علم کو ترقی دینے کے ساتھ ساتھ اخلاص اور

روحانیت سے مستفید ہونا چاہیے ورنہ محض خانہ پُری ہو جاتی ہے۔

بُرا نہ مانئے گا میں نے آپ کے نانا کے آگے زانوئے شاگردی تہ کیا ہے اس لئے میں آپ کو شمل اپنے عزیزوں کے کبھی مہمل اور بے سمجھے نصیحت کرنے میں تامل نہیں کرتا۔

آپ اب پروفیسر کی کرسی پر بیٹھیں گے۔ طلبہ کو صرف الفاظ اور جملوں کے معانی، اشعار اور نکات زبان ہی آپ سے نہیں سیکھنا ہیں بلکہ اپنی آئندہ زندگی کو کارآمد بنانے کے لئے انسانیت کا سبق بھی آپ ہی سے لینا چاہتے۔ آپ کی گفتگو، آپ کے کردار، آپ کے خیالات اور آپ کی چال ڈھال ہر چیز کا اثر طلبہ پر ہوگا اور ہونا چاہیئے۔ اس لئے کوشش کیجئے کہ آپ اخلاق اور انسانیت میں ان کے روبرو اعلیٰ نمونہ پیش کریں اور یہ اس وقت ممکن ہے جب آپ ہر وقت خود اپنی حالت پر نظر رکھیں۔

اچھا اب اس بحث کو ختم کرتا ہوں۔ ترقی کی خوشی میں مٹھائی تو وہی لوگ کھائیں گے جو علی گڈھ میں موجود ہیں یا پہنچ جائیں۔ مجھے تو آپ فی الحال ایک عمدہ سا مضمون ارسال کیجئے۔

اگست کا انتظار ہے۔ انشاء اللہ کل یا پرسوں روانہ ہوگا۔ ستمبر نمبر کے لئے آپ کا مضمون اسی ماہ کے اندر آجانا چاہیئے مضمون آئے، عذرات کی ضرورت نہیں۔ گرمی ہو یا ہیضہ، کام کی کثرت ہو یا احباب کی دعوتیں مضمون نگاری میں کسی کو حارج نہ ہونا چاہیئے۔ دیکھوں آپ کو ادبیات میں ایم۔ اے پاس کرنے کے بعد اور فسانہ نگاری ترک کر کے کیسا مضمون لکھنا آیا۔ والسلام۔

خاکسار: ظفر الملک۔ لکھنؤ ۱۹ اگست ۱۹۳۴ء

---

(۷)

بنام مولوی محمد اظہار الحسن صاحب وکیل غازی آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرمی!

سلام مسنون۔ گرامی نامہ اور دونوں مضامین وصول ہوئے۔ بہار پر ریویو انشاء اللہ دسمبر نمبر میں نکل جائے گا اور افسانہ بھی۔ افسانہ میں کہیں کہیں لفظی ترمیم کی ضرورت ہوگی۔ "دھوپ لگانا" اچھا نہیں معلوم ہوتا بلکہ ایسے موقعوں پر دھوپ دکھانا لکھتے ہیں۔ افسانہ میں ایک سقم اور ہے۔ معلوم نہیں اصل میں تھا یا ترجمہ میں ہو گیا ہے۔ نرمجن پور کے کیلاش بالو پہلے کلکتہ میں بغیر ملازم کے تھے پھر دفعتہً گنیش ملازم سامنے آتا ہے اور آخر تک اس کا ذکر ہوتا ہے اس لئے ابتدائی قسطوں کو بدلنا ہوگا۔

آپ ماشاء اللہ خوب لکھتے ہیں۔ غلطیاں ہو جانا ذرا تعجب انگیز نہیں ہے اور آپ اس سے ہرگز بددل نہ ہوں۔ جتنے مشاہیر انشاپرداز ہیں ان کی تصانیف میں اب تک غلطیاں موجود ہیں۔ مولانا شبلی خود ایک موقع پر حیدر آباد میں ذکر کرتے تھے کہ جب ان کی کتاب الفاروق چھپی تو مولوی عزیز مرزا مرحوم نے اس میں صدہا زبان کی غلطیاں نکالیں اور ساری کتاب کو سُرخ سیاہی سے رنگ دیا۔ اتفاق سے وہ نسخہ مولوی صاحب کو ملا۔

عبد الماجد صاحب نئے سے نئے ناظر میں لکھتے ہیں اور اس وقت بہترین لکھنے والوں میں شمار ہوتے ہیں مگر ان کی ابتدائی تحریروں میں بارہا میں نے تصرف کیا ہے اور میں خود جو کچھ لکھتا ہوں سال دو سال بعد دیکھتا ہوں تو اس میں بہت سی غلطیاں نظر آتی ہیں۔

باقی رفتہ رفتہ جب مشق بڑھے گی تو غلطیاں خود بخود کم ہوتی جائیں گی۔ اردو ہماری مادری زبان ضرور ہے مگر بغیر کافی محنت کے مادری زبان پر بھی کافی عبور نہیں ہوتا اور جو لوگ ایسے حصوں میں رہتے ہیں جہاں کی زبان دوسرے اثرات کی بنا پر بگڑی ہوئی ہے اسے اس کی توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ بغیر وسیع مطالعہ اور پوری مشق کے صحت کے ساتھ لکھ سکیں گے۔

لکھنؤ بھی اب وہ لکھنؤ نہیں رہا جو کسی زمانہ میں تھا۔ پھر بھی ہندوستان بھر میں اب بھی یہی ایک ایسی جگہ باقی ہے جہاں کے بہت سے عوام تک شستہ اردو بولتے ہیں۔ میرے ایک دوست ہیں سید ہاشمی فرید آبادی، ۱۹۱۶ء میں اردو کانفرنس کے سلسلہ میں یہاں کچھ دن قیام ہوا اور جس مکان میں میرا دفتر ہے اسی میں رہتے تھے۔ اس زمانہ میں یہ پورا مکان میرے قبضہ میں نہ تھا، بلکہ ایک حصہ میں مالک مکان کا کارخانہ تارکشی تھا۔ دن بھر لوگ تارکشی میں مصروف رہتے تھے اور شام کو چلے جاتے تھے۔ ان تارکشوں کے پاس وقتاً فوقتاً باہر کے لوگ بھی آتے رہتے تھے اور کام روک کر وہ آپس میں بھی بات چیت کرتے تھے۔ سید ہاشمی مجھ سے کہا کرتے تھے کہ ایسی شستہ اور شیریں گفتگو میں نے عمر بھر کبھی نہیں سنی۔ اس سے اندازہ ہوگا کہ لکھنؤ کے رہنے والوں کو کتنی آسانی ہے۔ اس پر بھی حالت یہ ہے کہ گنتی کے چند آدمیوں کے سوا یہاں کوئی نثر لکھنا نہیں جانتا۔ اچھے اچھے خاندانی لوگ کوئی عبارت لکھتے ہیں تو وہ اس قابل نہیں ہوتی کہ چھپے۔ اس لئے کہ لکھتے وقت بولنے والی زبان گنگ ہو جاتی ہے اور مشق نہ ہونے کی وجہ سے قلم نہیں چلتا۔

میں اپنے مخصوص احباب سے متوقع رہتا ہوں کہ جہاں کہیں میرا قلم لغزش کھائے پرچہ دیکھنے کے بعد فوراً مطلع کر دیا کریں اور اس بات کے ظاہر کرنے میں تامل نہیں کہ اس طرح پر بہت سی لغزشوں سے آگاہی حاصل ہوئی اور ہوتی رہتی ہے۔ جہاں انسان کے دل میں یہ غرہ پیدا ہوا کہ ہم سب کچھ جانتے ہیں اور ہم سے غلطی نہیں ہو سکتی، وہیں ترقی رک جاتی ہے اور یہ ایسا عیب ہے جو شاعروں اور ادیبوں میں بہت عام ہے۔

قرطاس ابیض پر آپ جو کچھ لکھنا چاہتے ہیں ضرور لکھیں۔ آج تو منتظمہ کمیٹی کی رپورٹ بھی شائع ہو رہی ہے اسے بھی دیکھ لیجئے۔ اگر آپ کے مضمون سے لوگوں کو اس امر کے صحیح اندازہ کا موقع ملے کہ موجودہ حالات کیا ہیں اور جدید سفارشات کے بعد صورت حال کیا ہوگی تو بہت کارآمد ہوگا۔ حجم ضرور بڑھ جائے گا۔ خیر ایک نمبر کے بجائے کئی نمبروں میں اشاعت ہو جائے گی۔

سمجھناک اور سمجھدار، ترکیب میں یکساں ہیں۔ جس طرح سمجھدار کو غلط انعام قرار دے کر رواج دے دیا ہے کوئی وجہ نہیں کہ سمجھناک بھی رائج نہ کیا جا سکے۔ خصوصاً مزاح میں اگر اتنا تو فہیم کا مفہوم ظاہر کرنا منظور رہے۔ عام طور پر یہ لفظ مستعمل نہیں ہاں اسی لئے فوٹ نوٹ لکھ دیا گیا تھا۔

مشنریوں کے پرچے میں نے دیکھے نہیں۔ صرف . . . . . ان کا ذکر سنا اور آپ کی اطلاع کیلئے ذکر کر دیا تھا کہ مزید تلاش کا خیال رہے۔

آزادی والا ٹکڑا سابق کے مسودات میں نکلا۔ ہم نے حوالہ نہیں دیا تھا یا دیا ہو تو وہ مسودہ میں نمایاں نہ تھا۔

ڈاکٹر نعیم الحق صاحب کو دی۔ پی بھیجا جا رہا ہے۔ نوبر نمبر تیاری کے قریب ہے اگر آج شب بات نہ ہوئی تو آج بھی مکمل ہو جاتا۔ اب ذرا دیر لگے گی اس لئے کہ میں بہ ضرورت باہر جا رہا ہوں اور شاید میری واپسی سے قبل پرچہ نہ روانہ ہو سکے۔ والسلام!

خاکسار ظفر الملک۔ لکھنؤ ۲۴ نومبر ۱۹۳۴ء

(۸)

بنام منشی محمد الدین فوق

مکرمی!

سلام مسنون۔ گرامی نامہ مورخہ ۳۰ اگست، وصول ہوا۔ آپ کا نام اور مجھے فراموش ہو جائے۔ آپ نے بھی کمال کر دیا۔ الناظر کے حال ہی کے ایک پرچہ میں آپ کا ذکرِ خیر کیا گیا تھا۔ البتہ عرصہ سے آپ کے حالات سے بے خبری کی وجہ سے میں نے قیاس کیا تھا کہ آپ معلوم ہوتا ہے جدید تغیرات کے لحاظ سے اپنے وطن کشمیر تشریف لے گئے اور وہیں مقیم ہیں۔

گذشتہ سال ایک ہفتہ لاہور میں گذرا اور اب کے سال دو بار لاہور گیا۔ اگست کے دوسرے ہفتے میں وہیں تھا۔ دو تین روز الفالہ دروازہ تک جانا ہوا ایک بار مولوی فیروز الدین کے مطبع اور دوسری بار مولوی احمد علی صاحب کے یہاں۔ اگر یہ معلوم ہوتا کہ آپ وہاں کہیں ہیں تو ضرور حاضر ہو کر قدمبوسی حاصل کرتا۔

معلوم ہوتا ہے پیرانہ سالی کی وجہ سے آپ خلق کا ہجوم سے دست کش ہو گئے ہیں یا اور کوئی سبب ہوگا۔ بہر حال میں آپ کی ذات کو غنیمت سمجھتا ہوں اور متمنی ہوں کہ جلد لاہور حاضر ہونے کا موقع نکلے تو خدمت والا میں حاضری کا شرف حاصل کر سکوں۔

خاکسار: ظفر الملک دفتر رسالہ الناظر لکھنؤ ۱۰ ستمبر ۱۹۳۶ء

(۹)

بنام مولوی محمد اظہار الحسن صاحب وکیل غازی آباد　　بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرمی!

سلام مسنون۔ گرامی نامہ مع مضمون۔ کے وصول ہوا۔ میں نے ارادہ کیا تھا کہ گذشتہ نمبر میں ایڈیٹر و ناشر کے متعلق لکھوں گا مگر موضوع بحث نے نگارنہ چھوڑی۔ آپ کی توقع کے شاید خلاف میں آپ کے خیالات سے بالکل متفق ہوں۔ البتہ بادشاہ سے اپنی دلی ہمدردی کا اظہار ذرا زیادہ تیز لہجہ میں کرنا چاہتا تھا تاکہ برطانوی حکومت نے جو ڈھونگ اکثر اکر رکھا ہے اس کا پول ظاہر ہو اور اہل ہند پر جو رعب جما رکھا ہے وہ زائل ہو جائے۔ ایک ادبی رسالہ کے مضمون میں یہ خیالات تو نہیں مگر کم سے کم اپنا خیال تو پیش ہی کر دینا چاہئے آپ نے ایسی سب باتیں لکھ دی ہیں البتہ لہجہ ذرا نرم ہے۔ ماشاء اللہ آپ کے اشعار بہت خوب ہیں ؎

سعی ناکامیاب کو اکثر　　گردشِ روزگار کہتے ہیں

خوب کہا ہے۔

آجکل میں الیکشن کے جھگڑے میں پھنسا ہوا ہوں۔ الناظر لکھا جا رہا ہے اور امید ہے کہ اس جھگڑے سے فارغ ہونے کے بعد اس کی تکمیل ہو سکے گی۔ آپ کا مضمون انشاء اللہ اسی جنوری نمبر میں شائع ہو جائے گا۔ ایک صاحب کی نظم بھی اسی موضوع پر آئی رکھی ہے۔ دونوں ساتھ نکلیں گے۔ امید ہے کہ آپ بخیریت سے ہوں گے۔ والسلام!

خاکسار: ظفر الملک لکھنؤ ۳۰ جنوری ۱۹۳۷ء

(۱۰)

طبا سالحسن صاحب، وکیل غازی آباد۔

مکرم!

سلام مسنون۔ میں انتخاب کے سلسلے میں باہر گیا ہوا تھا۔ واپس آکر گرامی نامہ دیکھا۔ کلام رسا کی جو قسط آپ نے ارسال فرمائی ہے یہ ایک پرچہ کے لئے کافی ہے بلکہ غالباً آخری غزل درج ہونے سے رہ جائے۔ ۸ صفحے دیئے جائیں گے اور ہر صفحہ میں ۲۵ سطریں ہوتی ہیں یعنی مجموعاً ۲۰۰ سطریں ہر قسط میں آئیں گی۔ آپ آہستہ آہستہ یوں ہی سلسلہ وار نقل کر کے بھیجتے جائیں غزلیات کے بعد قصیدہ، قطعات، وغیرہ شامل کر دیجئے گا۔

آپ نے جو حالات لکھے ہیں وہ میرے نوٹ کے لئے کافی ہوں گے۔ باقی جب آپ دیباچہ لکھیں تو اس میں ذرا مرتب صورت میں حالات بھی درج کر دیجئے گا۔ میں تو صرف اشارات سے کام لوں گا۔

نام فی الحال کلام رسا تجویز کرتا ہوں تاکہ بعد کو مزید کلام مل جائے تو دیوان رسا چھپ سکے اور اگر ۱۳۶۰ھ میں یعنی اب سے ۱۲ سال بعد طباعت ہو تو جذبات رسا تاریخی نام ہو جائے۔

انتخاب سے کل پرسوں تک فارغ ہوتے ہی جنوری نمبر کی طباعت کا کام شروع ہو جائے گا تاکہ اسی فروری میں پرچہ نکل جائے۔ آپ دوسری قسط اس ماہ کے آخر تک ارسال فرما دیں بلکہ ہو سکے تو سارا کلام مرتب کر کے بھیج دیں تاکہ اطمینان سے سب کی کتابت ہو جائے۔ ممکن ہے کہ پرچہ کی اشاعت کو وقت پر لانے کے لئے پھر ایک دبلا نمبر نکالنا پڑے گو عنقریب ہی مدح صحابہؓ کے متعلق گورنمنٹ کی جانب سے کمیٹی تشکیل ہونے والی ہے اور نہیں کہہ سکتا کہ اس سلسلہ میں میرے سر کتنے کام ہوں گے۔ اور اس نمبر کی اشاعت میں کیا بدنظمی واقع ہوگی۔ والسلام!

خاکسار: ظفر الملک۔ لکھنؤ ۶ فروری ۱۹۳۷ء

(۱۱)

ی محمد اظہار الحسن صاحب، وکیل غازی آباد

مکرمی!

سلام مسنون۔ چونکہ جنوری، فروری کا مشترکہ نمبر نکالنے کا تہیہ کر لیا اس لئے ضرورت اس کی ہے کہ حضرت رسا کے تقریباً ۴۰۰ اشعار اور عنایت فرمائیے تاکہ ۸ کے بجائے ۱۶ صفحے درج ہو سکیں۔

زحمت تو ہوگی جس کے لئے معافی کا خواستگار ہوں مگر زیادہ دقت ہو تو پھر ۸ ہی صفحہ پر قناعت کروں گا۔ والسلام!

خاکسار: ظفر الملک۔ لکھنؤ ۱۵ فروری ۱۹۳۷ء

(۱۲)

ی محمد اظہار الحسن صاحب، وکیل غازی آباد

مکرمی!

سلام مسنون۔ کلام رسا کا ہو گیا۔ آپ نے مقدمہ لکھنے کا وعدہ فرمایا تھا۔ اگر وہ لکھ دیا جائے تو انا نظر میں شائع ہونے سے

کتاب میں علیحدہ سے شریک کر دیا جا سکتا ہے۔ تھوڑی سی کتابیں میں نے جو زائد چھپوائی ہیں ان میں شامل ہو جائے گا۔

آپ کا ایک خط جواب طلب خطوط کے زمرہ میں رکھا ہوا ہے۔ کثرت کار نے اب تک سوچ نہ دیا۔ آپ کے دیہات اسمبلی کے ممبر غالباً یہیں رہیں گے۔ خیال تھا کہ کسی دن کونسل چیمبر جاؤں گا تو ان سے ملوں گا مگر آج تک جانے کی مہلت نہ مل سکی۔ شاید اب مل جائے۔ درج صحابہؓ کے مسئلہ کا تصفیہ کرانے کے سلسلے میں بعض احباب سے گفتگو کرنا ہے۔ اکتوبر میں یہ قضیہ طے ہو جائے تو شاید مجھے اطمینان نصیب ہو۔ آجکل وہ مقدمات چل رہے ہیں جو ممکن کے ہنگامہ کی بدولت پیدا ہوئے۔ گورنمنٹ کے دائر کردہ مقدمات تو کچھ ختم ہو چکے اور کچھ ختم ہو جانے کے قریب ہیں باقی وہ مقدمات جو فریقین نے ایک دوسرے کے خلاف دائر کئے ہیں غالباً تا تصفیہ چلتے رہیں گے۔ والسلام!

خاکسار: ظفر الملک۔ لکھنؤ، ۱۰ ستمبر ۱۹۳۷ء

احسن مارہروی

(۱)

نام مولوی بشیرالدین احمد مرحوم

میرے معزز عنایت فرما۔ تسلیم مع التعظیم

آپ کا ہر نہار انبار البشیر ہوا آپنے بتحریک جمعی سید مخدوم عالم صاحب بھائی سید کاظم علی صاحب کے نام ولیو روانہ کیا تھا پہونچا۔ میں بھی خدمت بلا درصاحب موصوف میں حاضر ہوں۔ اور البشیر کے کامآمد مضامین سے اکثر محظوظ ہوتا رہا ہوں اور رہوں گا۔ آپنے جو اخبار ولیو کیا ہے وہ جلد دوم کا پہلا نمبر ہے از روئے قاعدہ حساب کے تو یہ کارروائی ٹھیک ہے مگر یہاں دو ایک صاحب جمعی سید مخدوم عالم صاحب کے مضمون دیکھنے کے مشتاق ہیں۔ مہربانی فرماکر وہ پرچے جن میں جمعی موصوف کا مضمون ہے دیجئے اور ان پرچوں کی قیمت سے اطلاع دیجئے کہ بذریعہ ٹکٹ بھیجدیئے جائیں میں نے مارہرہ سے دو ایک خط آپ کی خدمت میں روانہ کئے تھے جن میں عرض کیا تھا کہ مجھے ایک مختصر رسالہ جو تقریباً ۴۰ صفحہ کا ہوگا آپ کے البشیر پریس میں چھپوانا ہے۔ اس کا جواب مجھے نہیں ملا۔ مہربانی فرماکر اطلاع دیجئے کہ کونسی ہو کیا لیا جائے گا۔ تعداد چھپائی ۵۰۰ ہوگی اور تقطیع ۲۲ × ۲۹ کاغذ کے ۸ صفحے ہوں گے غالباً تقطیع کا ایک نمونہ بھی میں نے آپکے پاس بھیجدیا ہے۔ کاغذ کی قیمت پیشگی حاضر کروں گا اور باقی بعد چھپ۔ مگر آپکے مطبع میں کاتب اچھا نہیں ہے آپ ..... کو کیوں نہیں بلا لیتے تو سب تکلیفیں رفع ہو جائیں۔ منشی نور احمد صاحب کو سلام مسنون۔

فقط منتظر جواب آپ کا: نیازمند خادم، احسن مارہروی

بھوپال آباد دکن محلہ دارالشفا مکان مولوی سید علی حسن صاحب ۱۹ شوال ۱۳۱۷ھ ۱۷ فروری ۱۹۰۰ء

(۲)

نام حضرت دل شاہجہانپوری

احسن نواز تسلیم بیاد

محبت نامہ پہنچا۔ امتنان و انبساط کا باعث ہوا۔ جس طرح سے کہ جناب مجھ بے نام سے عاقبت تھے اسی طرح

بہ عاجز بھی جناب کے اسم گرامی سے آگاہ تھا بحمداللہ کہ اب انشاء اللہ
کا سلسلہ شروع ہو اکثر پرچوں میں ملاقات کا لطف حاصل ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ آپ کے ناولوں کا نام تو میں نے بھی سنا ہے کبھی
کا اتفاق نہیں ہوا مگر جب اصل ہی مل گیا تو نقل کی کیا اصل۔

صبیح اللک کی قدردانی کا بھی شکر گزار ہوں فی زمانہ نظم کے مقابلے میں اردو کی اچھی نثر کی بہت ضرورت
اس لئے میں ممنون ہوں گا اگر مجھ سے زیادہ امداد کی گئی۔ پیمان کی شرائط کے متعلق جو مضمون جناب نے اطمینان کے لئے بھیج دیا ہے
میں رکھ کر بے تکلف عرض کروں گا کہ یہ خالص ادبی رسالے کے لائق ہے یا کیا۔ چونکہ فیصد اشاعت سے دلچسپی لیتے ہوئے بھی
میں جو اردو ادب کے ماہر ہیں اس لئے خیال رہتا ہے کہ شاید وہ طرز مذاق پسند ہو مگر آج کل آپ خود زمانہ شناس اور واقف
ہیں غالباً آپ کی ہر تحریر عیار ہوگی اس لئے آپ بے تکلف اور جلد بھیج دیجئے۔ امید ہے کہ مسلسل کتاب بنا رہے گا
والسلام۔ خاکسار

احسن مارہروی، مارہرہ ضلع ایٹہ

(۳)

بنام منشی محمد تقی ذوقی

ملتے شد کہ رہ ... سم و نامسدود است
نہ کسے ہیرود ... جانہ کسے می آید

برادر شفیقم السلام علیکم

ابتداء زمانہ اور ترک مراسلت کے سبب گمان ہے تحریر ہذا اجنبی معلوم ہو۔ مگر یہ معلوم کرکے کہ نیازمند کہن اب بھی
اس کا کاتب و محرر ہے اجنبیت نہ رہے گی۔ شکر ہے کہ خضر زندہ ہے۔ گو ہم مشاغل تفرقہ نے اور خصوصاً معاملات نے
سے نابلد ہو۔ ہا ہے ـــــ۔ آپ کے افادات قلم کے نمونے اکثر مؤقت الشیوع رسائل میں دیکھتا رہتا ہوں اور کبھی کبھی
کسی تازہ تالیف کا تذکرہ بھی نظر سے گزرتا رہتا ہے۔

آج کی ساعت کیا مبارک ساعت ہے کہ چند منٹ فرصت کے مل گئے ہیں اور بہت دیر سے یہ حبیب خیالیاں
سے رہی ہے۔ جس کا حال کارنامہ نامہ ناکسار ہے۔ امید ہے کہ مزاج گرامی قرین عافیت ہوگا اور آپ کی نوہ سمت یادداشت
سے نامہ خارج نہ ہوا ہوگا۔ سنیے۔ اقتضاء یہ ہے کہ گوشہ نشینی ترک کرکے چند ماہ سے ملی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے
انٹرمیڈیٹ کالج میں مقیم ہوں اور اردو پروفیسر کی خدمت پر مامور ہوں ـــــ اگر آپ کو اور کچھ دلچسپی (مجھ سے نہ سہی)
کا پتہ معلوم ہو تو ضرور لکھیے۔ والسلام خیر الختام

بقلم احسن مارہروی اردو پروفیسر انٹرمیڈیٹ کالج علی گڑھ
۲۰ اگست ۱۹۲۳ء

(۴)

نام ہونے کی خبر طاہر احسن صاحب کو ملی

لطف فرمائیں۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرانی کارڈ ملا۔ اس سے پہلے وہ مانہ بھی مل چکا تھا اور آپ کا بصیرت افروز تبصرہ پڑھ چکا تھا جس سے کلفت کے عوض مسرت حاصل ہوئی۔ میں بہت شکر گزار ہوں کہ آپ نے ایک حد تک میری بضاعت مزجات کو دیکھنے کی طرح دیکھا۔ مگر جیسا کہ میں نے نکتہ ہذا ناتمام مل کے تحت میں عرض کیا ہے اس کے مطابق آپ نے ذرا جلدی کی آپ کی تحریر یقیناً نیک نیتی پر مبنی ہے اور مجھے برا تے نام بھی خدانخواستہ آپ پر نام رکھنے کی گنجائش نہیں۔ آپ کی تنقید میں بعض امور ایسے ہیں جن کا دفاع و حل بعض تبصرہ و کیفیت میں موجود ہے اور بعض ایسے ہیں جن کی تفصیل و تکمیل جلد دوم میں ہوگی۔ اس وقت مختصراً اسی اطلاع پر اکتفا کرتا ہوں کہ آپ کے تبصرے سے مجھے بہت خوشی حاصل ہوئی ہے۔ آپ کے شبہات از سرتا پا تحقیقات اور انصاف پر مبنی ہیں۔ میں فرصت سے اس کے متعلق آئندہ عرض کروں گا۔ بسلسلہ تعطیل چند روز کے لئے وطن آیا ہوا ہوں ۱۸ تک کو صدر گڑھ پہنچ جاؤں گا اگر آپ نے پہلے فرمایا تو مفصل خط و کتابت ہوگی۔ آپ کا یہ ارشاد کہ اس قسم کی کتابوں کو چھپنے اور لکھنے کا شائق ہوں ..... مگر خریدنا مشکل ہے" یہ اشکال اگر کسی مالی مجبوری سے ہے تو بمسرت ایک نسخہ ہدیۃً حاضر ہوگا، اور اگر بنا تے کفایت شعاری ہے تو راستے پر جان سخن۔ رسالہ مرحوم کے بعض حالات ایام اسیری کے زمانہ کے اور راہپور جانے کے میں بتا سکوں گا اور اس سے قبل کے حالات مولوی عبدالوحید صاحب فدا صابر گلاوٹھی سے معلوم ہو سکیں گے آپ اگر چاہیں تو گلاوٹھی کے پتے سے ان کو لکھیں اور مجھے بھی اپنے مطلوب عنوانات لکھکر آگاہ فرمائیں تاکہ جو حال مجھے معلوم ہو عرض کر دوں۔ یہ بھی ارشاد ہو کہ مرحوم سے آپ کا کیا تعلق ہے۔ تاریخ نثار اردو کا حصہ دوم انشاءاللہ ۱۹۵۴ء ماہ میں مکمل ہو جائے گا۔ میری یہ تالیف سیر المصنفین وغیرہ سے پہلے کی ہے اور میں نے اس قسم کی کتابوں کو ابتداً نہیں دیکھا جس کے ثبوت پیش کروں گا۔ والسلام۔

میرا علی گڑھ کا پتہ۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کافی ہوگا

خاکسار:

احسن مارہروی مارہرہ ضلع ایٹہ ۱۷ مئی ۳۱ء

لہ زمانہ کان پور بابت ۱۹۳۱ء جس میں مولانا کی کتاب تاریخ نثار اردو پر مکتب الیہ کا تبصرہ شائع ہوا تھا۔ مکتوب الیہ نے تبصرہ میں مولوی محمد یحییٰ تنہا کی سیر المصنفین کا ذکر کیا جس کی پہلی جلد شائع ہو چکی تھی۔

لہ منشی حیات بخش رستا شاعر رام پور

لہ مولانا نے کتاب میں فرمایا تھا کہ تاریخ نثار اردو لکھنے میں درجہ اولیت حاصل ہے۔

(۵)

بنام محمد اظہار الحسن صاحب غازی آباد

لطف فرمائیے۔ تسلیم۔

میں رسلسلۂ تعطیل محرم وطن چلا گیا تھا۔ کل واپس ہوا ہوں۔ خیال تھا کہ آپ کے مراسلے کا جواب نہا
محبت نامہ ملا۔ شکریہ۔ آپ نے رسا مرحوم کے حالات کی بابت جو الفاظ شکریہ لکھے ہیں یہ مکاتبات
عموماً تمام اہل ادب کا خادم ہوں اور اس خدمت کے معاوضے میں شکریہ وغیرہ کی خواہش نہیں۔ اگر مجھے خود
اور مشرق نہ ہوتا تو بہت سے شاعر از پہلو نکال کر انکار کر دیتا ہمارا ادب اسی سے خراب ہو رہا ہے کہ اگر کوئی کا
ہے تو دوسرے ارباب فن کسی قسم کا سہارا نہیں دیتے۔ بہرحال آئندہ ان تکلفات کو چھوڑ دیئے۔ اور مجھے اپنا
خادم سمجھئے اور کام لیتے جایئے۔ جون میں کالج کھلا رہے گا اور اس شدت موسم میں حاضری کے علاوہ ا
قوی ایسی لاحق ہیں کہ میں یکم جولائی سے پہلے کوئی جواب باصواب پیش نہیں کر سکتا۔ رامپور کو ایک خط ا
جو حالات معلوم ہوں گے آپ کو بھیج دوں گا اور جولائی میں وطن پہونچ کر تہوم صاحب کے خطوط بھی تلاش کر
نیز رسا کا کلام۔ انشاء اللہ سو پچاس غزلیں مجھ سے آپ کو ضرور مل سکیں گی۔ حم خانۂ جاوید بھی میرے پاس
کے پاس ہو تو میں اس کو نہ دیکھوں ورنہ احسن کے حالات و کلام لکھوا دوں گا اور مجھے اس میں کوئی تکلیف
اور مرحوم رسا کی جو خصوصیت تھی اس کا اظہار اب فضول ہے۔ میں اس کو اپنا کام سمجھتا ہوں۔ ہاتے رسا تم
کلامی کا لطف اٹھایا جائے آپ رسا کے خطوط بھی چاہیں گے تر بھیج دوں گا۔ اور یہ لکھیئے کہ رامپور کے رو
اخلاق کو ظاہر کرتے ہیں اور فلورا نامی مسماۃ کے متعلق ہیں انہیں بھی لکھا جاتے یا نہیں۔ باقی باتی

علی گڑھ ۳ رجون ۳۶ء　　خاکسار۔ احسن

غالباً لدھیانے کے شاگرد نظر ہی ہیں۔

(۶)

بنام محمد اظہار الحسن صاحب غازی آباد

لطف فرمائیے۔ تسلیم خلوص تفہیم

محبت نامہ پہنچا۔ آپ اس قدر دیر میں یاد فرماتے ہیں کہ میں معوضہ تعطیل کو بھول بھول جاتا ہوں ا
مندی اور بڑھے ہوئے تردد کے سبب سے ہوتا ہے۔ آج میں نے پرانی ردیوں کا ایک بستہ دیکھا۔ اس
دفیرہ نہیں ملا۔ اب دو ایک دن بعد پھر دیکھوں گا اور انشاء اللہ خطوط و غزلیات ضرور بھیجوں گا۔ آپ اتنی تکلا
کر جس قدر غزلیں آپ کو مل گئی ہیں ان کا ایک ایک آخری مصرع مجھ کو لکھ بھیجئے تاکہ میں ان قافیہ ردا
نہ بھیجوں جو آپ کے پاس پہنچ چکی ہیں۔ مجھے امید ہے کہ میرے پاس غزلوں کا کافی سرمایہ مل جائے گا

کرتی شانی جواب اب تک نہیں ملا۔ وہاں مسیح ور ایک شاگرد ہیں ان کو لکھا ہے کہ وہ معاندین رسالہ قوم سے استفسار کر کے جواب لکھیں۔ حافظ نشتر سکندرآبادی کے پاس کچھ کلام سنا جاتا ہے کیا آپ ان سے نہیں کہہ سکتے؟ رامپور میں ایک صاحب حاجی محمد اسمٰعیل صاحب معتبر ہیں ان کو بھی لکھئے شاید وہ کچھ معلوم حاصل ہو سکیں۔ ان کا پتہ صرف رامپور کافی ہے۔ وہ اپنے آپ کو بلبل تسلیم بھی لکھتے ہیں آپ بھی پتے میں اس لقب کا اضافہ کر دیجئے گا۔

۱۸ رجولائی ۳۱ء　　والسلام خاکسار احسن

۷

بخدمت ملا احسن صاحب غازی آباد

حبیب محترم۔ السلام علیکم

محبت نامہ مورخہ ۱۴ اگست کا جواب آج دے رہا ہوں۔ یہ توقف کچھ ناسازی مزاج اور زیادہ تر کثرت خطوط و نقول غزلیات کے سبب سے ہوا۔ دو تین مرتبہ دو تین بستے دیکھے۔ اس وقت تک ساٹھ ستر خطوط مل سکے وہ سب بلا انتخاب بھیجتا ہوں۔ بلا استعجاب ان کو پڑھئے اور اپنے کام کے نوٹ لکھ لیجئے۔ ان سے آپ کو حسرت اور مرحوم رسا کے مراسم دیرینہ اور خصوصیات کا اندازہ ہو سکے گا اسی طرح مصطفیٰ علی خان شرر نے خطوط رسا کی تقریب اور رامپور کے تعلق اور میری رسالت کا حال کھلے گا مجموعۂ رسا کے ۵۵ کارڈ اور نو لفافے ہیں۔ ۹ لفافے مصطفیٰ علی خان صاحب مرحوم کے ہیں۔ ان کو دیکھئے مگر احتیاط سے جب ضرورت ہو جائے واپس کر دیجئے گا

مختلف گلدستوں اور رسالوں سے ۳۶۔ ۳۷ غزلیں بھیجتا ہوں۔ یہ غزلیں آپ کی لکھی ہوئی غزلوں کے علاوہ ہیں اور غالباً انہی یا ان سے کچھ کم و بیش غزلیں اور میرے پاس ہوں گی جو علی گڑھ سے بھیج سکوں گا کیونکہ بعض رسالے وہاں بھی ساتھ چلے گئے ہیں۔ خطوط اور بھی ہوں گے مگر اب پرانے بستوں کا ٹٹولنا کوہ کندن و کاہ برآوردن ہے۔ پھر بھی تین چار دن گا۔ شاعر ہم نے محسن کاکوروی کی ایک غزل بعنوان کاشمیر بھی کہی تھا اور یہ ۳۲۔ ۳۳ برس پہلے کا واقعہ ہے۔ وہ نخس اگر آپ کے پاس ہو تو خیر ورنہ میں بھیجوں۔ میں نے اور دوسرے احباب نے بھی تضمین لکھی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ سو۔ اسو غزلیں آپ کی ساطت سے آپ کو مل جائیں گی۔ مرسلہ غزلوں میں دو ایک جگہ قابل نظر الفاظ ہیں جن کے متعلق میری رائے ہے کہ وقت اشاعت اس کا اظہار کر دیا جائے۔

آپ نے اپنے اس خط میں مرزا یاس یگانہ کے دو شعر لکھ کر مجھ سے رائے طلب کی ہے۔ یہ کام میرے لئے ناگوار ہے اور میں مناسب نہیں سمجھتا کہ اس کے متعلق بالوضاحت کچھ لکھوں مختصر یہ ہے کہ محاورے کا ترجمہ ناپسندیدہ ہے ناسخ و ذوق نے جب یہ مصرع پڑھا ہے کہ صبا وہ دھول جمانے کو بس سحر ہو جائے تو ہر مشاعرہ معترض نے کہا کہ جناب یہ تو ترجمہ ہو جاتا ہے نہ سحر ہو جاتا۔ وہی عالم یہاں ہے ڈنکا شہرت کے معنی میں بھی مستعمل ہے۔ آپ کے خیال سے متفق ہوں کہ یہاں ڈنکے سے شہرہ زیادہ صحیح ہے۔ البتہ ڈنکے کا جو مفہوم یہاں ہے وہ شہرت میں نہیں۔ رہا علیالسلام

یہ ایک مزاسیہ استعمال ہے یا مرزا غالب نے اکثر اپنے لئے علیہ الرحمہ وغیرہ لکھ دیتے ہیں۔ اور اگر معنی دیکھا جائے تو کوئی برائی بھی نہیں کیونکہ مسنون حیثیت ہے علیہ الرحمہ اور علیہ سلام دعائیہ الفاظ ہیں۔

آج اتوار کی وجہ سے یہ پیکٹ بیرنگ بھیج رہا ہوں اور کل تک انتظار نہیں کر سکتا۔ کہ آج شب کو دو چار روز کے لئے باہر جا رہا ہوں۔

امید ہے کہ مزاج عالی بفانیت ہوگا۔ والسلام

۳ر اگست ۳۱ء دعاگو:۔ احسن مارہروی

(۸)

بنام محمد اظہار الحسن صاحب غازی آباد

نبیرۂ شفیق! اسلام سلیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

رجسٹرڈ پیکٹ پہنچا۔ ملفوظات مل گئے۔ شکریہ۔ مجھے توقف کا کوئی شکوہ نہیں اور آپ کی معذرت کی کوئی ضرورت اس دنیا اور دنیا کی ساری کائنات فانی اور آنی ہے۔ مجھے اب اس کا خیال بھی نہیں کہ ان ماپس شدہ خطوط کو بحفاظت رکھ سکوں گا بہرحال آپنے واپس کر دیئے تو ایک حد تک نگرانی کروں گا مگر نا کچھ۔ اگر واپس نہ کرتے تو بھی کوئی خیال نہ ہوتا۔ جس قصیدے کو آپ رکھنا چاہتے ہیں ضرور رکھئے۔ غالباً وہ قصیدہ نیرنگ رامپور میں شائع ہو چکا ہے۔ مرحوم رسا کا کلام مکمل ہے۔ اور بھی میرے پاس ہر لمحہ فی الحال معمولی تلاش و شوار ہے۔ خصوصاً ماہ مبارک میں۔ خیال رکھوں گا جب کہیں دیکھوں گا نقل کروں گا۔ ... زیادہ تصحیح نہیں ملے گا۔ اور انتخاب میں یہ دشواری ہوگی کہ نہ معلوم کون کون غزلیں آپ کے پاس پہنچ چکی ہیں آپ کی پہلی بھیجی ہوئی یادداشت مخلوط ہو گئی اور اب اس کی تلاش کوہ کندن و کاہ برآوردن سے کم نہیں۔ اگر آپ بھی زحمت اٹھا کر مطلع کا ایک ایک مصرع لکھ دیں تو اس کو پیش نظر رکھکر خیال رکھوں۔ محسن کاکوروی کی جو تضمین مرحوم نے کی تھی وہ افسوس ہے کہ میرے پاس سے کوئی حریف اڑا کر لے گیا۔ کسی صاحب سے دستیاب ہو گئی تو بھیج دوں گا۔ میری تضمین کا کوئی نسخہ مل گیا تو وہ بھی حاضر کر دوں گا۔ اس وقت پیش دست نہیں۔ نشتر صاحب نے جس شعر کی نسبت استاد[1] مرحوم سے کی ہے وہ غلط اور محض خوش خیالی ہے جب کہ بزم اپنا شعر بتاتے ہیں تو انہیں کا ہوگا۔ میرے خیال میں تو استاد مرحوم سے رسا کی ملاقات بھی نہیں ہوئی اور اگر ہوئی ہو تو رامپور کے زمانہ قیام یا رامپور سے چلے آنے کے بعد جب کہ وہ دو چار برس مختلف مقامات پر رہے استاد مرحوم اس مزاج کے آدمی ہو نہ تھے کہ اس قسم کی قصیدہ خوانی کیا کرتے۔ یہ خیال افتراد انتہام ہے۔ رامپور میں نے بھی حالات دریافت کئے۔ مگر کسی نے کوئی بات ایسی نہ کہی جو مجھے معلوم نہ ہو اور جس کو مجملاً آپ تک نہ پہنچا چکا ہوں۔ مرحوم رسا نہایت ظریف اور خوش گفتار لطیفہ سنج تھے۔ اس وقت کوئی لطیفہ یاد نہیں آتا۔ یہ باتیں زبانی

---

[1] یعنی داغ

خاکہ معلوم ہونا چاہتا ہوں کہ وہ برسوں ان کے ہم صحبت اور یکجا رہے ہیں۔ ایڈیٹر ان کے اکثر لطیفے اور شاعری اس قسم کی ہجا کرتے تھے کہ کسی حاکم وغیرہ کی ہجو کہہ دی یا نحوی فقرہ کس دیا۔ مثلاً ایک محنت گیر حاکم کے لئے ایک فقرہ کہا تھا جس کا ایک شعر مجھے بھی یاد ہے ؎

ہوتی ہے اتنا کی تعطیل اس کو ناگوار
اس طرح کا اک سنیچر دنتر سرے میں ہے

ان کے موافق و مخالف مضامین لکھنے والوں میں ایک رجاہت جھنجھانوی تھے جن کے مضامین ان کے ایک رسالے میں شائع ہوتے تھے جس کا نام اصلاح سخن تھا مگر یہ سلسلہ بہت جلد منقطع ہو گیا۔ اسی طرح بعض مضامین نیرنگ اور جلوۂ یار میں نکلے ہیں۔ شرکت میرٹھی کا سال مجھے معلوم نہیں۔ جلال و تسلیم کی کوئی بات مجھے معلوم نہیں۔ میں کسی فرصت کے موقع پر اپنی یادیں پیش کروں گا تاریخ نثار اردو کا در اصل تحت ترتیب ہے اور اپنی انتشاری حالت کے سبب سے کچھ نہیں کہہ سکتا کہ کب تک تمام کر سکوں گا۔ جب شائع ہو گا آپ کے پاس ضرور پہنچے گا۔ مجھے امید ہے کہ آپ معاف فرمائیں گے اور مجھے ہر وقت اپنا ہی خواہ اور خادم سمجھیں گے۔ باقی باقی

۸ رجنوری ۳۲ء — والسلام: دعاگو
احسن مارہروی

(۹)

بنام مولوی مہیش پرشاد

لطف فرمائیے و قدر افزائیے۔ تسلیم خلوص تقدیم

۱۔ ۲ سبہ کا رقم زدہ والا نامہ پہنچ کر مسرت افزا ہوا۔ میں جناب کے اس خلوص و کرم کا شکریہ کس زبان سے ادا کروں۔ اس زمانہ کو ترقی یافتہ کہا جاتا ہے۔ اور اس اعتبار سے کہ مردم شماری روز افزوں ہے اور سامان کے مناظر و نتائج گوں ناگوں ہیں۔ ضرور ترقی یافتہ ہے۔ لیکن وہ خصوصیات مستقل جن کا وجود اب سے پچاس سال قبل فی صد ۹۰ آدمیوں میں نظر آتا تھا اب فی ہزار چار میں دکھائی دیتا (ہے) جس باب میں جناب نے تکلیف دی گئی۔ اس معاملہ میں حقیر نے یہاں ایک ایسے گریجویٹ کو جو چند ساعت کی تکلیف دینی چاہی جن سے اردو، ہندی، بنگالی۔ مرہٹی اور گجراتی تحریروں کو پڑھانا چاہتا تھا میری گزارش پر بخوبی اور باخلاق ظاہری و قبول شاذ و نادر الفاظ ارشاد ہوئے اور دوسرے دن آنے کا وعدہ فرمایا۔ لیکن وہ دن آج آتا ہے نہ کل۔ اور طرفہ یہ کہ وعدہ کنندہ زیادہ سے زیادہ نصف فرلانگ کے فاصلے سے رہتے ہیں۔ بنا بریں سے بایں تفصیل مکمل جواب باصواب آ گیا مگر سوتدم ہے ایک عزیز نہ آ سکے۔ کیا اس ترقی کو حقیقی ترقی کہا جائے یا ترقی معکوس۔ بہرحال دعا ہے کہ ہندوستان کے رہنے والوں کو اخلاق عالم قرض وطن پرستی عطا فرمائے۔

یہ سن کر خوشی ہوئی کہ آپ کو گشتی چٹھی کے امید افزا جواب ملے۔ مگر یہ ظاہر نہ ہوا کہ خطوط آپ تک پہنچے ہیں یا نہ۔ عود ہندی اور اردوئے معلی کے شمارے شائع شدہ ہیں یا غیر مطبوعہ۔ اگر غیر مطبوعہ ہیں تو راقم یہ کامیابی قابل افتخار ہے تاریخ فیروز شاہی کے مشتبہ لفظ کا ابھی تصفیہ نہیں ہوا ہے۔ تحقیقات　　ہماری ہے۔

ہندی قدیم و جدید تحریروں کے جو نمونے آپ نے عنایت کئے ہیں، میرے مقصد کے لئے کافی ہیں۔ ان میں اتنی بات رہ گئی کہ آپ نے اپنی زبان میں ترجمہ فرما دیا۔ میں چاہتا تھا کہ ترجمے کے ساتھ وہ اصلی ہندی تلفظ بھی اردو رسم الخط میں لکھ دیا جاتا کہ اصلی فرض یہی تھی۔ خیر یہ معمولی بات ہے یہاں یہ کام ہو جائے گا۔

عند الملاقات "بگو صاحب[1]" والے شعر میں جس لفظ کا تذکرہ کیا گیا تھا اس کو میں نے اپنے پاس کی مختلف کتابوں میں دیکھا۔ میری مرتبہ کتاب (منتخبات عود ہندی) اصل عود ہندی مطبوعہ مطبع مجتبائی میرٹھ رجب ۱۲۸۵ھ کی نقل ہے۔ ان دونوں میں بھسوڑا بہائے فارسی (پ) سے چھپا ہوا ہے۔ لیکن میرے نزدیک بھسوڑا (بائے موحدہ) سے ہے جس کے متعلق میں نے منتخبات عود ہندی کے حواشی میں لکھ دیا ہے کہ وہ بیہاتی روزمرہ میں بھسوڑا بھس رکھنے کی جگہ کو کہتے ہیں۔ متذکرہ بالا عود ہندی کے سوا اردوئے معلی اکمل المطابع دہلی مطبوعہ ذیقعدہ ۱۲۸۵ھ اور اردوئے معلی مطبوعہ مطبع کریمی لاہور ۱۹۳۲ء میں یہ خطا موجود ہے لیکن ان دونوں کتابوں سے یہ شعر نکال دیا گیا ہے۔ بھسوڑے کے متعلق میرا قیاس اقرب الی الصواب ہے اکثر دیکھا جاتا ہے کہ بطور مذاق اجنبیوں اور سیفہیوں کو ایسے غیر متعلق اور مضحکہ آمیز مقاموں پر چھپا دیتے ہیں۔ شعر کے معنی صاف ہیں۔ دوسرے مصرع میں چھپنا اگر آزاد ہونے کے معنی میں نہیں ہے تو بڑی بیگم یعنی چھوٹی بیگم کا بگڑا ہوا تلفظ ہوگا۔ یعنی بیگم صاحب نے بھسوڑے میں پھنسا دیا اور چھپا (چھوٹی، اچھی) بیگم نے بیل وصولا کرا دیا۔ افسوس ہے کہ میرے پاس یہ مثنوی نہیں اور نہ میں (نے) ابتدائے عمر سے اس وقت تک دیکھی ہے۔ مثنوی مرزا مہر کی جو چھپ گئی ہے وہ لڑکپن اور عنفوان شباب تک میرے پاس تھی اور غالباً اسی کا نام شعاع مہر ہے لیکن اس نام وزن یہ نہیں۔ گزشتہ ایام میں اس کے اکثر اشعار یاد تھے۔ اس وقت ایک مصرع لکھتا ہوں۔ اس سے وزن معلوم ہو جائے گا

مہر ہیں مہر ہیں مشہور جلے تن ہم میں

---

[1] غالب نے مرزا حاتم علی بیگ مہر کے نام ایک خط میں مہر کی ایک مثنوی کا ذکر کرتے ہوئے ایک شعر لکھا ہے۔

بیگم صاحب پھنسوڑ ہی ہیں یا　　چھٹیا بیگ نے بے حرمت کرایا

مکتوب الیہ نے بہ ظاہر اسی سلسلے میں غالباً لفظ "پھنسوڑا" کے لئے　　استفسار کیا تھا۔ صحت صاحب نے فرمایا کہ یہ لفظ "بھسوڑا" ہے یعنی بھس رکھنے کی جگہ۔ بیگم سے مراد بڑی بیگم اور چھٹیا سے مراد چھوٹی بیگم۔

آپ سے خیال رکھا کروں گا اور تلاش شروع کروں گا کہ ان کے اعقاب سے ان کا کلام مل سکے۔ مرحوم کے پوتے سے وہ واقف و تعارف تھا۔ ان کا انتقال ہوگیا۔ غالباً ان کے پوتے مرحوم ہیں۔ پتہ دریافت کرکے ان کو لکھوں گا۔ ان کا دیوان ضرور میرے پاس ہے لیکن اس وقت وہ بھی نہیں ملا۔ شاید وطن کے کتب خانہ میں ہے۔ مارہرہ جاؤں گا تو اسے بھی دیکھوں گا عند الملاقات دیکھے فارسی لفظ صحیح یاد نہیں۔ شاید وہ لفظ "ز" ہے سپاہی خانہ" ہو جس کے معنی میری تحقیق میں شکارو کے ہیں[1]۔

آپ نے عند الملاقات اور اس کے قبل و بعد جو خطوط فصیح الملک کے مقابلہ و تصحیح کے لئے بھیجے ہیں ان کا جواب بھی عرض کرتا ہوں۔ فصیح الملک نمبر ۹۰۰ جلد دوم میں وہ خطوط شائع ہوتے ہیں اور ان میں رشک عرفی و فخر طالب مدالح اور درکشِ ممتنع اور دیگر از خویشم پر بطور نشان شعر ۶۰ کی رقم) تحریر ہے۔ مرقع جلد دوم صد ۲۳ کا پتہ ابھی نہیں چلا۔ یہ لکھئے کہ کس مہینے کے مرقع کا صفحہ (۲۳) ہے۔

امید ہے کہ آپ بخیر ہوں گے۔ باقی باقی۔

۱۳/ دسمبر ۳۳ء آپ کا مخلص

احسن مارہروی

(۱۰)

بنام سید الطاف علی صاحب بی۔ اے

شفیق محترم۔ السلام علیکم

دعا گو ۱۳/ جولائی کو علی گڑھ آگیا۔ آکر سنا کہ آپ نے اپنی خصوصی نوازش و عنایت سے برخوردار سید انعام احسن مسلم میٹریکل کالج پٹنہ کے وظیفے کی بابت اپنے اختیار تمیزی سے ایک مہینے کا وظیفہ قبل میٹنگ عنایت کیا، اس توجہ کا شکریہ قبول فرمایئے۔ یقین ہے کہ ۱۲/ کی میٹنگ میں اس کی باقاعدہ منظوری ہوگئی ہوگی۔

اسی سلسلے میں گزارش ہے کہ مجھے پہلی عرضی دیتے وقت یہ معلوم تھا کہ کانفرنس کا گزشتہ وظیفہ جولائی

---

[1] مرزا غالب کے ایک خط کی عبارت ہے جس کا غالباً مطلب پوچھا گیا تھا۔ چشمارو سے مراد وہ شے ہے جو باغ یا کھیت کو نظر بد سے بچانے کے لئے بنا دیتے ہیں۔

سنہ ۳۶ء تک ہے اس لئے دو ماہ کے لئے مزید درخواست کی گئی تھی۔ اب معلوم ہوا کہ وہ وظیفہ جون تک تھا اور دو ماہ کے لئے زائد وظیفہ جو منظور ہوا وہ اگست تک ہے مگر لطیفہ یہ ہے کہ ستمبر تک امداد کی فہرست ہے۔ اس طرح ۳ ماہ کا وظیفہ ملنا چاہیئے۔ مشورہ دیجئے کہ اس ایک ماہ کے لئے کیا کیا جائے۔ میں دوسری عرضی اسی مضمون کی لکھ کر آپ کے پاس بھیج دوں یا آپ خود اپنی مہربانی سے اس کو منظور کرالیں گے۔ اس کا جواب عطا ہو۔ فضل مولیٰ تعالیٰ سے امید ہے کہ آپ بخیر ہوں گے۔

والسلام۔ دعاگو

احسن مارہروی ۱۵ر جولائی سنہ ۳۶ء

(۱۱)

بنام تمکین کاظمی

محبی و عزیزی۔ السلام علیکم و علی من لدیکم

مدت کے بعد محبت نامہ ملا۔ مجھے آپ کا پتہ یاد نہیں رہا تھا۔ اور ہجوم کار سے اتنا وقت نہیں ملا کہ اپنے رجسٹر یادداشت سے تلاش کرتا۔ اب آپ کی شکایت بجا ہے مگر میرا یہ شکوہ بھی بے جا نہ ہوگا کہ آپ نے مجھے بھلا دیا۔ سینکڑوں مضامین لکھتے ہیں۔ بہت سی تصنیفیں کرتے ہیں مگر دعاگو سے قدیم کو یاد نہیں کرتے آپ حشیم بدور اہل جہان ہیں میں لب گور۔ اگر مجھے تساہل و تغافل ہو تو عجب نہیں آپ کی بے توجہی موجب استعجاب ہے۔ حسب ارشاد شاہکار عثمانی کا ایک نسخہ اس کارڈ کے ساتھ بھیجتا ہوں۔ اگر ممکن ہو تو اس کی رسید میں صبح دکن اور دکن کے جن اخباروں میں اس کے متعلق کچھ لکھا گیا ہو۔ ان اخباروں کے پرچے یا ان کے تراشے بھیجکر ممنون فرمائیے گا۔ کیجئے کہ آجکل کیا تالیف و تصنیف زیر قلم ہے کبھی کبھی یاد کر لیا کیجئے یہ ممکن نہیں کہ آپ یاد کریں اور میں بھول جاؤں۔ ۱۰ اکتوبر تک میں علی گڑھ نہ رہوں گا لہٰذا خط و کتابت اس زمانے میں مارہرے کے پتے سے ہو۔ نیز یہ یاد رہے کہ اب علی گڑھ میں انٹرمیڈیٹ کالج نہیں ہے میرا تعلق مسلم یونیورسٹی سے ہے پتے میں اگر لکھا جائے تو مسلم یونیورسٹی نہ انٹرمیڈیٹ۔

والسلام۔ دعاگو

احسن مارہروی

(۱۲)

بنام تمکین کاظمی

اعز محترم! اسلام مسنون

میں ایک عشرے سے سفر میں تھا رات واپس ہوا ہوں۔ ڈاک میں آپ کا پیکٹ جس میں صبح دکن کا پرچہ

تقاضا پایا" یاد آوری کا شکریہ آپ کے بھیجنے سے پہلے یہ رسالہ مجھے مل چکا تھا۔
سفر کے تکان کی وجہ سے اس وقت مجھے زیادہ لکھنے کی فرصت نہیں صرف رسید لکھ رہا ہوں۔ شاہجہاں عثمانی کے متعلق آپ جو کچھ لکھیں گے۔ یہاں کے اخباروں میں بھی چھپ سکتا ہے اور دکن میں بھی جیسی آپ کی مانے ہر میرے پاس آپ کی مراسلات میں تذکرہ رکھتی اور غنچہ تبسم تو موجود ہیں ارنسٹ اور معاشقہ پر لین نہیں
مولانا عبدالحق صاحب کے متعلق حالات معلوم ہیں جامعہ عثمانیہ کی خدمت کے لائق مجھ میں لیاقت نہیں علاوہ اس کے میری عمر اب پوری ہو چکی ہے نیز رسٹی مل گڑھ دو برس سے توسیع دے رہی ہے اور غالباً وہ بآسانی نہ چھوڑے گی۔ اگرچہ میرا جی چاہتا ہے کہ اگر کچھ دنوں کی زندگی اور ہے تو کچھ پہنچکر اللہ اللہ کروں اور خدمت ادب اب کسی پابندی کی ہمت نہیں اور پھر اتنی دور زیادہ سے زیادہ۔ امید ہے کہ آپ مع الخیر ہوں گے اور اپنی خیریت لکھتے رہیں گے

والسلام دعاگو
احسن مارہروی

۱۱ر اگست ۳۷ء

(۱۳)

یاد آوری کا شکریہ

نیچی واخوی السلام علیکم و تقبل اللہ منکم
مدت سے آپ کے مضامین اور نظمیں مختلف رسالوں میں دیکھتا رہتا ہوں اور ان کو پڑھ کر ایک نامعلوم کشش ہوتی تھی آج معلوم ہوا کہ یہ کشش بے معنی نہ تھی آپ نے حضرت تجلی کا نام اور پتہ بتا کر یہ حجاب تاریکی دور کیا اور مجھے بے حد مسرور۔ بقول مشہور

اے گل تیرا ہمدم تو بتے کسے دادی

مجھے اب تک یہ بھی معلوم نہیں کہ برادر مرحوم کا کب انتقال ہوا۔ جہاں تک میرا حافظہ یاری دیتا ہے وہ بارہ یا سہ بارہ سفر حیدر آباد (۱۹۳۱ یا ۳۲ء) میں لطف ملاقات ان سے حاصل ہوا تھا امید ہے کہ آپ لکھیں گے کہ کب واقع ہوا۔
مجھے اپنا مخلص بے ریا سمجھیں اور ہمیشہ رسل و رسائل کا سلسلہ جاری رکھئے شکر گزار ہوں گا" تاریخ نثر اردو کی داد دہی کا شکریہ۔ حصہ دوم چھپنے کے لئے تیار ہے ذرا جلد اول کی اشاعت ہو لے۔ ایک مطبوعہ اشتہار ملفوف کرتا ہوں ملاحظہ فرمائیں۔ اور دوسری جلد کے مضامین کا اندازہ۔
ان میں جن نمونوں کا ذکر کیا گیا ہے ان ہی میں سے جن نمونے میں آپ قلمی امداد دے سکیں۔ عنایت ہوگی۔ خصوصاً نذیر رعوت وغیرہ کے اردو رقعے جن کی ابتدا ۲۵-۳۰ برس سے ہوتی ہے اور اگر اس سے پہلے

۱ مسیح مالہ تجلی مرحوم سے مولانا کی پرانی دوستی تھی

کے مل سکیں تو کیا کہنا۔ اس وقت ایک سفر کی وجہ سے خاتمہ کرتا ہوں اور آئندہ کے لئے مفصل مکالمت، مراسلت کا وعدہ والسلام

دعاگوئے انام

احسن بدنام ۲۰/ نومبر ۱۹۳۸ء

(۱۴)

بنام ولی شاہجہانپوری

شفیق محترم۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

نوازش نامہ عزت افزا ہوا شکریہ۔ جی ہاں میں اگست ۱۹۳۸ء سے ریٹائر ہو کر گھر آیا اور اب انہیں پرانی روایات کے ماتحت نئی زندگی بسر کر رہا ہوں جنہیں ۱۵۔ ۱۶ برس پہلے ترک کر چکا تھا۔ بہرحال ہی گزارہ ہی گزارو۔

جناب نے جس شعر کی بابت میری ناقص رائے دریافت فرمائی ہے اس کے متعلق حسب ارشاد بے تکلف عرض کرتا ہوں فضا و صبا کی سکیشی کے متعلق میں جناب مرزا یگانہ کا ہم خیال ہوں مگر اس کے ساتھ یہ بھی عرض کروں گا کہ تشبیہات استعارات یا اصطلاحات و محاورات حسب موقع ہمیشہ بدلتے رہے ہیں اور بدلتے رہیں گے۔ بقول شیفتہ

ہم اگلے کہنے والوں کی تقلید کیوں کریں

البتہ نئے الفاظ کے استعمال پر کہنے والے کو کسی قرینے اور مناسبت کا لحاظ ضرور رکھنا چاہیئے۔ یعنی صبا اور فضا کو سکیش بنانے کے لئے کوئی ایسی وجہ ہونی چاہیئے۔ جس سے سننے والے کی ذہنیت میں کوئی الجھن پیدا نہ ہو اگر ایسا قرینہ قائم ہے تو صبا، فضا کو سکیش کہنے پر کوئی اعتراض نہ ہونا چاہیئے۔

مولوی ضیاء احمد صاحب ایم اے بدایونی لیکچرار مسلم یونیورسٹی سے میں خوب واقف ہوں اور میرے ان کے درمیان میں مخلصانہ اور عزیزانہ تعلقات ہیں فرمایئے ان کی بابت کیا ارشاد ہے۔

امید ہے کہ آپ بخیر ہوں گے اور کبھی کبھی یاد فرمائی سے شاد کام فرماتے رہیں گے۔

دعاگوئے بے ریا

۱۱/ اپریل ۱۹۳۹ء احسن بے نوا۔ ۱۱/ اپریل ۱۹۳۹ء

(۱۵)

بنام ولی شاہجہانپوری

لطف فرمائیے تسلیم

نوازش نامہ ملا۔ برخوردار سلمہٗ اللہ تعالیٰ کی کامیابی سے مسرت ہوئی۔ مبارکباد عرض کرتا ہوں اور دست بدعا

ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کو ہمیشہ ہر امتحان میں فائز المرام فرماتے۔ آمین۔ لیکن آپ نے مسلم یونیورسٹی کے متعلق جو استفسار فرمایا ہے اس کا جواب وہاں جائے بغیر نہیں دیا جا سکتا اور چونکہ آجکل تعطیل ہے اور وہاں جانا تک کسی کا صحیح اور مستقل قیام معلوم نہیں ہوتا۔ اس لئے اس قسم کی رسمی پیش کرنا قبل از وقت ہے۔ تعلیمی مشکلیں ہر جگہ پائی جاتی ہیں۔ نیس کی معافی بڑا ٹیڑھا سوال ہے۔ خصوصاً کسی دوسرے کالج کے پاس شدہ کے لئے۔ میں دریافت حال کرنے کے بعد کہہ سکوں گا کہ اب ممکن ہے یا نہیں۔ بریلی کالج میں اگر عبدالشکور صاحب لیکچرار بریلی کالج سے کوئی کام نکل سکے تو میں ان سے کہنے کے لئے تیار ہوں۔ وہ میرے خاص الخاص دوست ہیں۔ برخوردار سے پوچھئے کہ ان کا وہاں کتنا اثر ہے۔

اس وقت زیادہ نویسی کی معافی چاہتا ہوں۔ ۲۳ جون کو مسوری جانے کا قصد ہے اگر وہاں گیا تو شاید ۱۰، ۲۰ روز وہاں رہنا ہو۔ ۲۵ جون کو ایک مشاعرہ بھی ہے بعض خصوصی احباب کا اصرار ہے اور میرا مزاج یہاں کی گرمی سے ناساز رہتا ہے کیا عجب کہ اس سلسلے میں وہاں زیادہ قیام ہو جائے۔ لہٰذا میں بعد واپسی مزید عرض کروں گا آپ نے شکریہ ارشاد فرما کر مجھے شرمندہ کیا۔ یہ تو میرا ذاتی کام تھا

۱۸ جون ۳۹ء

والسلام

دعاگو:۔ احسن مارہروی۔ مارہرہ ضلع ایٹہ

(۱۶)

بنام ڈاکٹر زور

محبی و شفیقی! تسلیم خلوص تضیم

آپ کا علی گڑھ (کانفرنس جوبلی میں) تشریف لانا اور میرا چند منٹ کے لئے ملنا ایک خواب دیکھنا تھا اس وقت اس خیالی گفتگو سے قطع نظر اس خواب کی تعبیر چاہتا ہوں۔ آپ کو یاد ہوگا اثنائے گفتگو میں آپ نے فرمایا تھا کہ میرے پاس مرزا داغ مرحوم کے دو ایک خطوط یا رقعے موجود ہیں۔ اور میں نے استدعا کی تھی کہ اسکی نقل مجھے عنایت کیجئے آپ نے وعدہ فرمایا تھا مگر میں اپنی غفلت سے اب تک نہ چھپا سکا۔ اب مرزا مرحوم کے خطوط مرتب کر چکا ہوں۔ جس کا تاریخی نام "انشائے داغ" ہے۔ یہی تین مہینے میں کروں پریس جا کر اس تاریخی نام کو بے کار نہ ہونے دے۔ لہٰذا امید وار کہ حسب ارشاد ایک دو یا جتنے خطوط یا رقعے مل سکیں مرحمت ہوں۔ اگر ممکن ہو تو نواب عزیز[1] یار جنگ بہادر سے میرا سلام نیاز فرما کر ان سے بھی حاصل کیجئے۔ اگر ان کے سوا کسی کا پتہ اور جناب کو معلوم ہو تو اس سے مطلع فرمائیے میں بہت بہت شکر گزار ہوں گا اگر اس ابدی یادگار میں جناب میرے مددگار ہوں گے۔

---

[1] نواب عزیز یار جنگ عزیز حیدر آبادی مرزا داغ کے تلمیذ رشید تھے۔ ان کے کئی دیوان اور تالیفات چھپ چکی ہیں

آپ کی تازہ تالیفات کے اشتہار دیکھتا ہوں مگر پھر بھول جاتا ہوں۔ اگر آپ کسی گوشہ یا فہرست یادداشت میں میرا نام ٹانک لیں اور جب کوئی تازہ تالیف ہو تو مجھے بھجوا دیں تو ممنون ہوں گا فی الحال روح غالب[1] میں دل پڑا ہوا ہے۔ فضل مولا سے امید ہے کہ مزاج عالی مع الخیر ہو گا۔ والسلام خیر ختام مسلم یونیورسٹی سے ریٹائرڈ ہونے کے بعد اکثر گھر ہی میں رہتا ہوں۔

۲۲/ اکتوبر ۳۹ء آپ کا مخلص

احسن مارہروی

(۱۷)

بنام ڈاکٹر زور

شفیق محترم۔ سلام مسنون

۲۹ اکتوبر کا مالا نامہ جس میں نظام الدولہ بہادر[2] کے نام کے دو خط مرقوم تھے اس کرم و نوازش کی رسید دار دیر میں بھیج رہا ہوں اس توقف کا سبب یہ ہوا کہ آپ نے اس خط میں روح غالب کے بھیجنے کی اطلاع دی تھی۔ اب تک اس انتظار میں رہا کہ وہ پیکٹ مل جائے تو یکجائی رسید شکر گزاری حاضر کروں مگر اب کہ انتظار کی حد گزر چکی نہ روح غالب کا پیکٹ دستیاب ہوا نہ مالہ نامہ۔ سب رس نظر افروز ہوا۔ اطلاعاً عرض کر دہ شد

امید ہے کہ مزاج گرامی ہم آغوش عافیت ہو گا۔ سب رس مجھے ملا تو میں کوشش خدمت کروں گا۔ زیادہ ادب

۹/ نومبر ۳۹ء خاکسار۔ احسن مارہروی

نواب عزیز یار جنگ بہادر کہاں ہیں اس وقت خط بھیج رہا ہوں۔

(۱۸)

بنام منشی محمد دین فوق

برادر شفیق۔ اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

یہ تو ناممکن ہے کہ آپ اپنے بھائی احسن کو بھول گئے ہوں۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ خط و کتابت کے بند

---

[1] روح غالب میری ایک کتاب ہے جس میں غالب کے حالات زندگی اور دلچسپ خطوط شامل ہیں ۱۹۳۸ء میں شائع ہوئی تھی۔

[2] نواب نظام الدولہ فرزند (۱۲۷۶ھ۔ ۱۳۲۹ھ) حیدر آباد میں مرزا داغ کے شاگرد تلامذہ میں سے تھے اور مرحوم نظام میر محبوب علی خان آصف جاہ سادس کے اشاف رکن تھے۔

ہونے سے خیال اور یاد کو دل و دماغ سے بعد ہو گیا ہو۔ بہر حال بفضل مولیٰ تعالیٰ سے امید ہے کہ مزاج بہادر ہم آغوش عافیت ہو گا۔ میں بخیر ہوں۔ اور عمر کی آخری دہائی پوری کر رہا ہوں۔ اور چاہتا ہوں کہ جب تک سانس جاری ہے استاد مرحوم (داغ دہلوی) کی خدمت گزاری کرتا رہوں۔ ان کے کلام کا انتخاب پریس میں بھیج چکا ہوں۔ بعد تکمیل بھیجوں گا۔ اس وقت ان کے خطوط مرتب کر رہا ہوں۔ مجھے یاد ہے کہ مسیے زمانۂ قیام حیدر آباد میں آپکے نام اکثر خطوط گئے ہیں اور امید ہے کہ آپ نے محتاط ادب سے انہیں محفوظ رکھا ہو گا۔ لہٰذا ان کی اصل یا نقل عنایت کیجئے۔ اور جلد عنایت کیجئے۔ اس لئے کہ مجموعہ نکل ہو چکا ہے اور اسی ماہ میں چھپوانا مقصود ہے کیونکہ تاریخی نام انشائے داغ بے کار ہو جائیگا۔ خدا کرے یہ خط آپ کو مل جائے اور اس کا جواب مجھے بھی مل جائے تو پھر مفصل خط و کتابت ہو گی۔ پندرہ صولہ برس مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی خدمت کرنے کے بعد اب ریٹائر ہو کر گھر آ گیا ہوں۔ اگر زندگی رہی تو شاید دسمبر میں مسلم لیگ کے جلسہ میں لاہور آؤں۔ اگر ایسا ہوا تو ۳۰۔ ۳۵ برس بعد پھر ملاقات ہو سکے گی۔ امید ہے کہ مزاج حال بخیر ہو گا۔ آج کل کسی رسالے سے ادارتی تعلق ہے یا نہیں؟

آپ کا برادر کہن

احسن مارہروی

ف:۔ حافظ حاجی سید علی حسن احسن مارہروی نائب سری رام ایم اے کی مشہور تالیف مخزنۂ جاوید جلد اول کی ترتیب کے زمانہ (۱۹۰۳ء یا ۱۹۰۴ء) میں عرصہ تک لاہور میں رہے۔ بلکہ اسی تاریخ کے نام پر یہیں سے ماہانہ رسالہ "شیخ الملک" جاری کیا لاہور سے واپس جا کر اپنے وطن مارہرہ میں رہے۔ پھر علی گڑھ میں اردو کے پروفیسر ہو گئے۔ جہاں سے ریٹائر ہو کر قریباً ۳۵ سال کے بعد فروری ۱۹۴۲ء کے آخری ایام میں بزمانہ جلسہ مسلم لیگ لاہور تشریف لائے اور اگست یا ستمبر ۱۹۴۲ء میں اپنے سب کام ادھورے چھوڑ کر مارہرہ میں انتقال فرما گئے۔

(۱۹)

بنام خواجہ حمید الدین صاحب شاہد[1]

لطف فرمائیں۔ سلام شوق۔

کارڈ مورخہ ۱۲۔ ۱۱۔ ۳۹ نمبری ۱۲۵۴ موصول ہوا۔ اور اس کے ساتھ نمبر کا سب رس پہنچا۔ شکریہ کرم۔ روح خابت کا پیکٹ جس کی روانگی آپنے ۳۰ اکتوبر کو لکھی ہے اس وقت تک مجھے دستیاب نہیں ہوا۔ یہاں میری ڈاک بہ احتیاط آتی ہے اور روزانہ میرا لڑکا لاتا ہے۔ اس میں یقیناً کسی ڈاکو نے ہاتھ صاف کیا۔ سرٹیفکیٹ آف پوسٹنگ کی پرچا

---

[1] خواجہ حمید الدین صاحب شاہد ایم اے لکچرار اردو حیدر گھاٹ کالج اس وقت سب رس کے ایڈیٹر اور ادارۂ ادبیات اردو کے مہتمم تھے۔

کون کہتا ہے۔ اب میں کیا عرض کروں بجز اشتیاق مالا یطاق۔
انشاء اللہ سب رسم کے لئے کچھ حاضر کروں گا۔ مگر حضرت نوؔر کی خدمت مبارک میں میرا سلام پہنچا جائے

والسلام
۷ ار نومبر ۳۹ء　　خاکسار، سید علی احسن مارہروی

(۲۰)

بنام منشی محمد دین فوقؔ

بھائی جان السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

نوازشی کارڈ ملا۔ سرفراز فرمایا۔ امید کرتا ہوں کہ آپ نے استاد مرحوم (داغ دہلوی) کے خطوط کی تلاش پر آمادہ فرمائی ہوگی۔ خدا کرے کہ کچھ خطوط مل گئے ہوں۔ مجھے بھی یاد آیا کہ آپ کے نام استاد مرحوم نے تلوار وغیرہ کے لئے جو خطوط لکھ دیئے تھے غالباً وہ میرے ہی ہاتھ کے تھے۔ ایک دو جس قسم کی تحریریں ہاتھ آئیں بھیج دیجئے۔ رام پور میں خطوط وغیرہ کا پتہ چلا ہے۔ کوشش کر رہا ہوں کہ وہ بھی جلد دستیاب ہو جائیں۔ اس وقت تک جو ذخیرہ جمع ہو گیا ہے وہ بھی کافی ہے اور اب تک جتنے خطوط مشاہیر کے شائع ہوئے ہیں یقیناً ان سے کم نہیں اور میں نے جس ترتیب سے انہیں لکھا ہے وہ غالباً اپنی نوعیت میں نئے ہوں گے۔

مسلم لیگ کا جلسہ اب دسمبر میں نہیں بلکہ مارچ میں ہوگا۔ اگر زندگی رہی تو ضرور آؤں گا۔ اور جب آؤں گا تو آپ سے ملے بغیر نہ رہوں گا۔ میں بھی اب ۶۴ ویں مرحلہ عمر شروع کر چکا ہوں۔ دیکھئے یہ منزل کہاں اور کب ختم ہو[1] باقی باقی۔ والسلام

خیر طلب
مارہرہ ضلع ایٹہ سرکار خورد ۲۰ر نومبر ۱۹۳۹ء　　احسن

(۲۱)

بنام منشی محمد دین فوقؔ

برادر محترم۔ السلام علیکم

کلام فوقؔ کی رجسٹری مجھے ایسے موقع پر موصول ہوئی کہ میں علی گڑھ جانے کے لئے پابہ رکاب تھا۔ وہاں میرے دو لڑکے ہیں اور سات آٹھ پوتے پوتیاں ہیں۔ عید بعد ان سے ملنا ضروری تھا۔ چار پانچ روز رہ کر واپس ہوں گا۔ اس وجہ سے حسب عادت کلام فوقؔ کی رسید نہ لکھ سکا اور نہ شکریہ پیش کر سکا۔ اس سفر میں اس کی خوب سیر کی۔ اور خوب

---

[1] افسوس یہ منزل ستمبر ۴۰ء میں ختم ہو گئی۔

خوب لطف اٹھایا۔ آپ کی متعدد تصویریں نظر افروز ہوتیں جو صورت میرے ذہن میں تھی۔ اس میں بہت تغیر پایا مسیح ہی کوئی تصویر فی الحال مسیح پاس نہیں۔ کوشش کروں گا کہ رسمبر کے آخر میں فوٹو لیا جاتے۔ اس وقت ایک کاپی حاضر کروں گا۔ آپ بھی مجھے نہ پہچان سکیں گے۔

دونوں خط اگرچہ بہت مختصر ہیں مگر اس لحاظ سے کہ آپ کا نام نامی انشائے داغ میں آجانے غنیمت ہیں۔ دعا فرمایئے کہ یہ کام جلد انجام پائے رام پور کے سرکاری کتب خانہ میں استاد مرحوم کی تحریروں کا پتہ چلا ہے ہفتہ عشرہ اس باب میں سعی و کوشش کروں گا۔ اگر وہ مل گئے تو ان کو بھی شامل کروں گا۔ ورنہ جتنے خطوط مل گئے ہیں۔ انہیں کو صاف کر کے پریس کے حوالے کروں گا۔

آپ کا مخلص

۲۸ر نومبر ۳۹ء　　احسن مارہروی

(۲۲)

نام منشی محمد دین فوق

شفیق برادر۔ السلام علیکم

ایک تکلیف دے رہا ہوں اگر طبیعت بحال ہو اور تکلیف نہ ہو تو میری قلمی مدد کیجئے۔ کہ اس کام کے لئے آپ سے زیادہ کوئی میرا دوست لاہور میں نہیں ہے ایک مجموعہ نظم جدید مرتب کر چکا ہوں۔ اس میں چند موجودہ عہد کے شعراء بھی شامل ہیں۔ مگر ان کے حالات سے مجھے علم نہیں۔ شکر گزار ہوں گا اگر حسب ذیل حضرات کے مختصر حالات مع سنہ ولادت لکھ کر یا لکھوا کر جلد از جلد عنایت کئے جائیں:۔

خواجہ دل محمد ایم اے۔ حکیم احمد شجاع۔ گوہر سحر ادیب۔ عبدالرؤف ادیب۔ اسد ملتانی۔ اندر جیت شرما۔ مولوی برکت علی۔ شاہ تراب علی تراب۔ ڈاکٹر تاثیر ایم اے۔ ناجد نجیب آبادی۔ غلام مصطفیٰ خان یگانہ۔ سید ذوالفقار علی بخاری۔ درگا سہائے سرور۔ عبدالمجید سالک۔ پیارے لال شاکر۔ عدم۔ قدوس صہبائی۔ گوپال متل۔ تلوک چند محروم۔ خوشی محمد ناظر۔ نظیر لدھیانوی۔ مولوی الف دین نفیس۔ غلام بھیک نیرنگ۔

ان میں جن کے حالات معلوم نہ ہوں۔ تو اپنی وسیع معلومات سے ان کا اتا پتا بتایا جائے کہ اس نشان سے معلوم کیا جاسکے۔ امید ہے کہ مزاج سامی بہ خیر ہوگا۔

والسلام

آپ کا مخلص

احسن مارہروی

مارہرہ ضلع ایٹہ یوپی سرکار فورڈ ۱۳۰ر دسمبر ۱۹۳۹ء

(۲۳)

بنام ڈاکٹر زور

شفیق محترم۔ تسلیم خلوص تضمیم

دہلی میں ایک یا دو مرتبہ سرسری ملاقات کے بعد پھر فرصتِ مکالمات نہ آئی۔ دارالسلام روانہ ۱۳ء سے تک وہاں رہا مگر پھر دیدار نصیب نہ ہوئے۔ غالباً آپ جلد واپس تشریف لے گئے۔

میں زبانی عرض کر چکا ہوں اور اب بذریعۂ لسانِ قلم عرض کرتا ہوں کہ "روح غالب" کے رسالہ سب رس بھی مجھے ایک مرتبہ کے بعد پھر نہیں ملا۔ اگر ملتا تو شاید کوئی خدمت بجا لاتا۔ یہ نیاز اور مزاج پرسی کے لئے حاضر کیا جا رہا ہے۔ کسی فرصت کے وقت بتوجہ خاص روح غالب کے بھیج فرمایا جائے۔ اگر تحفۃً نہ مل سکے تو قیمت طلب پارسل ہی سہی غرض جو صورت بہتر ہو باعث امید ہے کہ مزاجِ عالی بخیریت ہوگا۔ والسلام

۲۵ر جنوری سنہ آپ کا

سید علی احسن مارہروی

(۲۴)

بنام منشی محمد دین فوق

شفیق برادر۔ السلام علیکم

میں ۲۵ر دسمبر سے ۱۷ر جنوری تک دہلی اور بھوپال کے سفروں میں رہا اس لئے خط نہ دے سکا۔ مزاج معلوم کرکے مسرت ہوتی۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ خوش و خرم رکھے۔ آپ نے اس خط میں استاد مرحوم نقل بھیجی ہے۔ اس قسم کی اور تحریریں بھی مجھے مل گئی تھیں جن کو مجموعہ خط میں لکھ لیا ہے۔ اب اس جائے گا۔ ریاست رام پور سے کچھ پرانے خطوط وغیرہ کے ملنے کی قوی امید ہے۔ اس لئے روک دی گئی ہے۔ انشاء اللہ ان کے وصول ہو جانے کے بعد جلد از جلد انشائے داغ پریس جن حضرات کے حالات کی ضرورت ہوگی۔ دوبارہ یاد دہانی کروں گا۔ سفر کی وجہ سے جو مرحوم میں رک گیا ہے۔ اس کی تکمیل کر رہا ہوں۔

آپ کا

۲۷ر جنوری سنہ احسن مارہروی

مارہرہ ضلع ایٹہ۔ یو پی ۲۷ر جنوری سنہ

(۲۵)

بنام ڈاکٹر ذکی

شفیق محترم۔ تسلیم خلوص تعظیم

روحِ غالب کے لئے نیاز نامہ بھیج کر میں علی گڑھ چلا گیا تھا ۷۔۸ روز رہ کر کل واپس ہوا ہوں۔ آکر روحِ غالب کی رجسٹری پائی۔ اس توجہ و عنایت کا شکر گزار ہوں۔ ابھی بالاستیعاب مطالعہ نہیں کیا ہے۔ پیش لفظ[1] دیباچہ اور چند صفحے حیاتِ غالب کے دیکھ لئے ہیں آپ کا مختصر اور جامع دیباچہ ماتل دل کا مصداق ہے۔ "صحبت کا اثر" اور "مال پریشانی" کے متعلق بہترین رائے ظاہر فرمائی ہے۔ صفحہ ۲۴ سطر ۵ پر مرزا یوسف کے انتقال کا سنہ ۱۸۰۰ء[2] چھپ گیا ہے۔ غالباً اس میں کاتب نے غلطی کی ہے اس وقت ان کی وفات کا صحیح سن یاد نہیں مگر یقینی ہے کہ مرزا غالب کے زمانہ شباب میں انہوں نے انتقال کیا ہے۔ اگر میرا خیال غلط ہے تو تصحیح فرمائی جائے۔ "قید" کے تحت میں محسن بن شبیر صاحب بی اے۔ ایل۔ ایل۔ بی کی کتاب "یوسف سندھی قید فرنگ میں" کا حال پڑھ کر اس کے مطالعے کا اشتیاق ہے۔ امید کہ ادارۂ ادبیات اردو کو ہدایت فرمائی جائے کہ ایک نسخہ مجھے قیمت طلب پارسل کے ذریعہ بھیج دیا جائے اس تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں اور پھر آخر میں شکریہ عرض کرکے رخصت ہوتا ہوں۔ امید ہے کہ مزاج گرامی بعافیت ہوگا۔ والسلام

۱۹ فروری سنہ ۴۰ء　　آپ کا مخلص

سید علی احسن۔ احسن مارہروی

مارہرہ ضلع ایٹہ (یوپی)

(۲۶)

بنام منشی محمد الدین فوق

برادرم جناب فوق۔ سلام مسنون الاسلام

آج انشائے داغ میں آپ کے خطوط صاف کر رہا تھا کہ آپ کا آخری خط جو یکم نومبر سنہ ۱۹۰۱ء کے پنجۂ فولاد سے نقل کرکے آپ نے بھیجا ہے مکرر دیکھا۔ اس خط میں آپ نے یہ لکھا ہے کہ وفات

---

[1] روحِ غالب کا پیش لفظ عمدۃ الملک کے لائق تبین فرزند نواب ڈاکٹر مہدی یار جنگ مہدی حسین بلگرامی وزیر تعلیم و نائب صدر اعظم حیدرآباد نے لکھا تھا۔

[2] یہ دراصل ۱۸۵۷ ہے۔ کاتب نے ۵ کے ہندسے کو صفر لکھ دیا تھا۔

کی تاریخیں بھی اخباروں میں درج ہونا شروع ہو گئیں[1] اگر اس زمانہ کی ایسی کوئی تاریخ وفات آپ کو یاد ہو یا (اخبار) پنجۂ فولاد میں شائع ہوئی ہو تو اسکی نقل عنایت ہو۔ یہ بھی ایک تاریخی یادگار ہو گی۔ امید کہ تکلیف کیجئے اور جواب اور اپنی خیریت مزاج سے مطلع فرمایئے۔

آپ کا مخلص

مارہرہ ضلع ایٹہ (یوپی) ۱۴ر فروری سنہ ۱۹۳۶ء　　احسن مارہروی

---

[1] بات یہ تھی کہ مرزا داغ ان دنوں اکثر علیل رہا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ان کے انتقال کی جھوٹی خبر اخباروں میں شائع ہو گئی اور تعلقات تاریخ وفات بھی چھپنے لگے۔ مرزا صاحب نے خود اس کی تردید میں فوق صاحب کو لکھا:

"دشمنوں نے میری بدخبر اڑائی ہے اور حال یہ ہے کہ اب بفضلہٖ الٰہی سے میں بخوبی صحیح و تندرست ہوں۔ بیماری جاتی رہی۔ میں باقی رہ گیا دشمن داغ کا دل جلانا چاہتے ہیں۔ ان کو داغ دل نصیب ہو۔"

نصیح الملک داغ دہلوی۔ محبوب گنج۔ حیدرآباد۔ (دکن)

یہ خط یکم نومبر سنہ ۱۹۰۶ء کے اخبار پنجۂ فولاد میں مرزا داغ کے تذکرہ کے ساتھ شائع ہوا تھا۔

(محمد عبداللہ قریشی)

صفی لکھنوی

(۱)

بنام کبیر خاں رتنا جالندھری

عزیزی زاد فضلکم!

دعائے طول حیات و ترقی درجات۔ بہت شرمندہ ہوں کہ پورے دو مہینے کے بعد آپ کے خط کا جواب لکھ رہا ہوں بلکہ اس بھی کچھ زائد زمانہ ہوا۔ کچھ مسلسل سفروں کی وجہ سے کچھ خرابیٔ صحت سے مجبور رہا۔ مہینے سے زائد مدت کے لئے بالکل صاحب فراش ہی رہا۔ نشست و برخاست میں تکلیف ہوتی تھی۔ کمر کے درد نے ایسا عاجز کیا تھا کہ کروٹ بدلنا دشوار تھا۔ بحمدہٖ اب صحت ہے۔ آپ نے اپنے خط میں جذبات اور وفاؔ کی نسبت دریافت کیا تھا۔ وادی کا لفظ روزمرہ اہل لکھنؤ کے مطابق مذکر ہی ہے البتہ اہل دہلی نے بعض شعروں میں مونث باندھا ہے۔ ممکن ہے کہ پنجاب میں اس کا استعمال بالتانیث ہو۔ جذبات خواہ جَذْبات ایک نوزاد اُردو لفظ ہے عربی نما اور اردو میں احساسات کے معنوں میں بکثرت استعمال ہو رہا ہے اچھے اچھے لکھے پڑھے اس غلطی میں مبتلا ہیں۔ حالانکہ زبان عربی میں صرف جذب کے معنے کھینچنے کے ہیں۔ فارسیوں نے اس کے آخر میں ہائے مختفی کا اضافہ کر کے کشش کے معنوں میں استعمال کیا ہے جیسے جذبۂ دل۔ اردو میں جذبہ غصے کے معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ جذبہ اور جَذْبات عربی میں کشش یا احساسات دلی کے معنوں میں کہیں نہیں آتے اور نہ فارسیوں نے کہیں جَذْبات یا جَذْبات ان معنوں میں استعمال کیا ہے۔ اگر جذبات اُردو میں FEELINGS کے معنوں میں وضع کر لیا گیا ہے تو ہمیں اس سے بحث نہیں کہ ایسا کیوں ہوا۔ لیکن پھر وہ اردو لفظ کی طرح استعمال ہونا چاہئے نہ کہ بطور عربی یا فارسی کے۔ عربی میں لفظ جذبہ اور جَذْبات آتے ہیں مگر دوسرے معنوں میں ہیں کشش کے معنوں میں نہیں ہیں ورنہ ہم صحیح سمجھتے۔ جب یہ لفظ اردو ہے تو عطف و اضافت کے ساتھ اس کا استعمال قطعاً غلط ہے اس لئے جو شعر کہ آپ نے سند میں پیش کیا ہے وہ بھی غلط ہے۔ آپ یہ بول سکتے ہیں کہ کسی دل کے جذبات بیانگیختہ ہو گئے مگر یہ نہیں کہہ سکتے کہ ان کے جذبات دل بیانگیختہ ہو گئے۔ کیونکہ پہلی صورت میں اُردو ترکیب ہے اور دوسری میں فارسی ترکیب۔ اسی بنا پر میں نے لکھا تھا کہ جذبہ کی صحیح جَذْبات ہے۔ آپ اپنے ان شعروں کو جن میں آپ نے جذبات باندھا ہے مجھے لکھ کر بھیج دیجئے تو میں سمجھ سکوں کہ میں نے انہیں

کبھی تذکرہ نہیں کیا۔ ممکن ہے کہ نظر انداز ہو گئے ہوں۔ آج کل اکثر حضرات نے جو بالکل آزاد ہیں زبان اور طرز شاعری ہر چیز میں تصرفات شروع کئے ہیں اور اسے بگاڑ رہے ہیں۔

..... قطعاً لغو ہوتی ہیں اور غزل کی لطافت سے انہیں کون مناسبت ہے۔ فقط!

خیر اندیش: صفی عفی عنہ۔ لکھنؤ مولوی گنج ۲۸ فروری ۱۹۲۶ء

(۲)

بنام محمد کبیر خاں رسا جالندھری

عزیزی! زاد فضلکم

دعائے حیات و ترقی درجات۔

بحمدہ اچھا ہوں۔ ظریف صاحب کو بفضلہ پہلے کی نسبت اب افاقہ ہے مگر ابھی اچھی طرح اٹھ بیٹھ نہیں سکتے۔ تھوڑی دیر تک بیٹھے رہتے ہیں باقی گردے میں چمک ہونے لگتی ہے علاج برابر ہو رہا ہے۔ میرے چچیرے زاد بھائی جو مجھ سے بڑے تھے اور بمقام سیتاپور آنریری مجسٹریٹ و آنریری منصف تھے، بیماری سے جانبر نہ ہو سکے۔ افسوس ہے کہ انہوں نے وفات پائی، آئندہ اتوار کو ان کا چہلم ہے۔ ایک مرتبہ بغرض تعزیت جا چکا ہوں، غالباً پھر جانا پڑے گا۔ خدا غریق رحمت کرے، بڑی خوبیوں کے آدمی تھے۔ تقریباً پچھتر پچھتر برس کا سن تھا مگر قویٰ بہت زبردست تھے۔ کشیدہ قامت استخوان بہت چوڑے، ڈیل ڈول نہایت حسین، طاقت قدرتی ایسی تھی کہ بھینسے کے دونوں سینگ پکڑ کے زمین پر پچھاڑ دیتے تھے۔ بغاوت عام کے بے شمار کام کرتے رہے۔ کئی مرتبہ نامی نامی ڈاکوؤں کو جنہیں پولیس گرفتار نہیں کر سکتی تھی تن تنہا جا کر گرفتار کیا۔ سپاہیگری کے فنون لکڑی بنوٹ خوب جانتے تھے۔ مشہور شہ زوروں میں تھے۔ سیتاپور کے ضلع میں زمینداری بھی تھی۔ حکام و رعایا سب ان سے خوش تھے باوجود اس قوت و شدت کے نہایت منکسر المزاج، خندہ پیشانی، تحمل، سیر چشم، احباب پرور، مہمان نواز تھے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ رہے نام اللہ کا۔

وصی صاحب سے آپ کا پیام کہہ دیا، سلام کہتے ہیں اور انشاء اللہ کچھ کلام بھیج دیں گے۔ سرور صاحب، مبارک علی خاں صاحب، حمید صاحب، حکیم صاحب، عاشق صاحب، پہلوان، خاور صاحب اور دیگر احباب کو بہت بہت برا سلام پہنچا دیجئے۔ اپنے گھر میں دعا میری طرف سے کہہ دیجئے، بھائیوں کو دعا کہہ دیجئے۔ آپ کا اور سرور صاحب کا مصنفہ قطعہ اور آپ کی دونوں غزلیں بعد اصلاح اسی خط کے ساتھ ملفوف کرتا ہوں۔ سیتاپور چونکہ چلا گیا تھا اس لئے جواب لکھنے میں تاخیر ہوئی۔ آج کل یہاں آگ برس رہی ہے۔ دن بھر لُو چلتی ہے حواس مختل رہتے ہیں۔ باقی حالات بدستور ہیں۔

امید ہے کہ آپ مع الخیر ہوں گے۔ خط پہنچنے پر بذریعہ کارڈ فوراً اطلاع دیجئے تاکہ باعث اطمینان ہو۔

نیاز دعا

عفی عنہ صفی عفی عنہ۔ مولوی گنج لکھنؤ ۸ جون ۱۹۲۷ء

(۳)

بنام محمد کبیر خاں رسا جالندھری

عزیزی زادہ فضلکم!

دعا۔ غزل مشاعرہ کپورتھلہ آج ہی روانہ کر چکا ہوں۔ اس کے بعد یہ خط پہنچا۔ خوں کے مقابلے میں خون واقعی زیادہ فصیح ہے اور اس لئے میں بھی اس مصرع میں ردّ و بدل کرنے والا تھا مگر شاید نظر انداز ہو گیا اس لئے کہ مصرع اجکل ایک تو گرمی کی شدت سے ہر وقت بے کیف رہتا ہے اور حواس مختل۔ دوسری وجہ پریشانی خاطر کی یہ ہے کہ میری چھوٹی بہو عشرہ سے تپ میں مبتلا ہے۔ ۱۰۶ ڈگری تک بعض اوقات بخار پہنچتا ہے اور قریب بہ سرسام حالت پہنچ جاتی ہے اس لئے طبیعت یکسو نہیں رہتی۔ بیشتر وہ متفکر رہتا ہے۔ بہرحال مجھے بے حد مسرت ہوئی کہ تمہارے ذہن میں یہ بات خود ہی آ گئی اور تم نے مصرع بدل دیا۔ (بھی ہے خون کے چھینٹوں سے چادر مہتاب) پہلے مصرع کی جگہ اس کو رکھئے۔ یہ بہت ٹھیک ہے۔ وہ خفیف سا سقم اخفائے نون کا نکل گیا۔ غزل ماشاء اللہ بہت اچھی کہی ہے۔ مجھے بہت پسند آئی۔

سرور صاحب کے اس مصرع کو رگئے نیاز محمد بھی باغ دنیا سے، غالباً میں نے عدد نکال کر نہیں دیکھا تھا ورنہ میں کبھی اس کو جائز نہ رکھتا کہ گئے کے ۲ عدد لئے جائیں گے۔ گئے میں دو ے ہیں۔ پہلی ہمزہ ہو گئی ہے مگر عدد اس کے بھی دس ہی شمار کئے جائیں گے۔ آئی، کے جلال نے اگر گیارہ عدد لئے ہیں تو یہ ہرگز صحیح نہیں۔ اس لئے کہ آئی میں بھی دو ے شمار میں آنا چاہئے۔ پہلی ے بصورت ہمزہ ہے اس کے بھی دس عدد لینا چاہئے اور اس طرح آئی کے ۲۱ عدد ہوتے ہیں۔ کہلائے، بروزن فعولن، اس کے بھی ۷۶ لینا چاہئے۔ کیونکہ اس میں بھی دو ے ہیں۔ پہلی ے ہمزہ کی صورت میں ہے۔ اگر امیر مینائی صاحب نے اس لفظ کے ۶۶ عدد لئے ہیں تو مجھے ان کی رائے سے اتفاق نہیں البتہ کہلائے اگر بروزن فعول کہیں پر نظم میں آئے تو اس حالت میں آپ ۶۶ لے سکتے ہیں کیونکہ کتابت میں صرف ایک ے ہوگی اور اس کے دس شمار کئے جائیں گے۔ گئے نیاز محمد بھی باغ دنیا سے۔ اس مصرع کے عدد ۱۳۵۵ ہوتے ہیں۔ ان سے کہئے کہ دس کا تخرجہ کریں ورنہ مصرع غلط ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے پہلے جوڑ کر کیوں نہ دیکھ لیا۔ آپ کی تاریخ صحیح ہے گئے، کے ۱۳۵۵ ہی عدد ہونا چاہئے۔ سرور صاحب کا وہ قطعہ تاریخ جو انہوں نے گرامی مرحوم کی وفات پر کہا ہے میں نے اس کا مصرع مادہ جوڑ کر دیکھ لیا اور اشعار بھی دیکھ لئے اور ضروری تصرف بعض مقامات پر کر دیا۔ جواب بواپسی ڈاک بھیجتا ہوں تاکہ مشاعرے کے قبل خط آپ کو پہنچ جائے۔ زیادہ دعا۔ جملہ احباب کو سلام۔ اپنے گھر میں دعا۔ وصی صاحب سلام عرض کرتے ہیں۔

صفی عفی عنہ۔ مولوی گنج لکھنؤ ۱۴ر جون ۱۹۲۷ء

---

(۴)

بنام محمد کبیر خاں رسا جالندھری

عزیز سلکم اللہ!

دعائے طول حیات و ترقی درجات۔ مدت مدید کے بعد خط آیا باعث اطمینان خاطر ہوا۔ حق سبحانہ تعالیٰ تمہیں اپنے

حفظ و امان میں رکھے اور مقدمات میں کامیاب کرے اور صحت و عافیت نصیب ہو۔ میں بھی دو سال تک عجب انکار و آلام میں رہا۔ کئی مرتبہ خیال آیا مگر خط بھیجنے کی نوبت نہ آسکی۔ امسال ایک جلسہ ملتان میں تھا اور دعوتی خط بھی بہت اصرار کے ساتھ آیا تھا مگر مجبوریوں کی وجہ سے نہ جا سکا۔ اب سفر میں زحمت بھی محسوس ہوتی ہے اس لئے طبیعت بہت ہچکچاتی ہے کانفرنس کا جلسہ غالباً ایسٹر کی تعطیل میں بمقام منٹگمری ہوگا۔ بوجہ پیرانہ سالی و خرابی صحت قصد شرکت نہیں ہے لیکن اگر ایسا ہی مجبور کیا گیا اور جانا پڑا تو ضرور تم کو اطلاع دوں گا۔

تنظیم الحیات کی ابھی بہت سی جلدیں پڑی ہوئی ہیں یہ نکل جائیں تو اور کلام طبع کراؤں میں کچھ ایسا عدیم الفرصت رہا کہ ان جلدوں کے نکلنے کی اب تک کوئی معقول فکر نہیں کی۔ ٹپکا ٹپکی نکلتی رہتی ہیں۔ آپ کو اختیار ہے جس جس رسالے میں مناسب سمجھئے ریویو کرا دیجئے۔ وصی سلمہٗ اچھے ہیں۔ آج کل روزوں کی وجہ سے اور بھی کمزور ہو رہے ہیں۔ آپ کو سلام کہا ہے اور ان کے بچے نے تسلیم عرض کی ہے۔ گھر میں اب بفضلہٖ سب بصحت و عافیت ہیں۔ گذشتہ سال البتہ پورا سال ملیریا کے حملوں میں گذرا۔ متواتر حملے ہر شخص پر ہوتے رہے۔ نومبر دسمبر سے نجات ملی ہے۔ اپنے گھر میں میری دعا پہنچا دو۔ غزل میں نے دیکھی ماشاء اللہ بہت خوب کہی ہے۔ صرف دو ایک مقامات پر خفیف سا تصرف کرنا پڑا۔ سب شعر اچھے ہیں۔ احباب کو میری طرف سے بہت بہت سلام کہنا خصوصاً سرور صاحب کو۔ تمہارے دیکھنے کو دل بہت چاہتا ہے مگر ضعف و ناتوانی زنجیر پا ہے۔ اگر کانفرنس میں شرکت ہوئی تو انشاء اللہ ضرور ملوں گا۔ زیادہ دعا۔

صفی عفی عنہ۔ ۱۰ فروری ۱۹۳۱ء

---

(۵)

بنام محمد کبیر خاں رسا جالندھری

عزیزی سلمکم اللہ!

دعا۔ میں آج خط لکھنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ تمہارا دوسرا خط مجھے ملا۔ آخر الذکر مصرع جو دوسری بحر میں تم نے کہا ہے وہی بہتر ہے۔ مابقی مصاریع سقم سے خالی نہیں۔ حسب فرمائش اسی پر تین مصرعے لگا دئے گئے۔ مصرع تاریخ میں شاعر کے تخلص کا عدد میں شامل ہونا پسندیدہ نہیں۔ علاوہ بریں مرحومہ کے نام کا اشعار بھی بے تکلفانہ نہیں۔ لہٰذا پہلا قطعہ قلمزد کر دیا گیا۔ الف ممدودہ کے بعض تاریخ گویوں نے دو عدد لئے ہیں لیکن بالعموم ایک ہی لیا جاتا ہے اگر بضرورت کبھی الف ممدودہ کے دو عدد لینے کا اتفاق پڑے تو اس حالت میں رسم الخط بدل دینا چاہئے مثلاً آہ کے اگر آپ ۷ لینا چاہیں تو یوں لکھئے ۱۱۔ قدیم رسم الخط الف ممدودہ کا یہی تھا۔ لیکن اگر الف پر آپ مد لکھیں تو پھر اس کے ۷ شمار کرنا چاہئے نہ کہ ۱۔ بہرکیف بہ لحاظ رسم الخط رائج الوقت دوسرے مصرع تاریخ میں ایک گھٹتا ہے اور تیسرے مصرع تاریخ میں ایک بڑھتا ہے اس لئے یہ دونوں مصرعے بھی قلمزد کر دئے گئے اور چوتھا مصرع جو دوسری بحر میں آپ نے نظم کیا ہے اونے تغیر کے ساتھ قائم رکھا گیا اور اسی پر تین مصرعے لگا کر قطعہ کر دیا گیا بس یہ کافی ہے۔ اس میں مرحومہ اور ان کے بچے دونوں کی وفات کا کنایۃً ذکر ہے نعت میں جو نظم آپ نے کہی ہے اسے اصلاح دے کر اس کے ہمراہ روانہ کرتا ہوں۔ فن تاریخ میں ایک رسالہ جلال مرحوم نے

کھا ہے اس وقت نام میرے ذہن میں نہیں انشاء اللہ دریافت کر کے لکھ بھیجوں گا۔ تنظیم الحیات پر تنقید لکھنے کے متعلق آپ نے کئی خطوں میں لکھا ہے۔ مجھے یاد ہے لیکن آخر اکتوبر سے اب تک میں شدید دردِ سر کے دورے میں مبتلا رہا۔ اس لئے اس کے متعلق بالکل کوئی انتظام نہ کر سکا۔ اسی ناسازیٔ مزاج کی وجہ سے آپ کے پہلے خط کا جواب بھی اب تک نہ لکھ سکا اور نہ آپ کے دوست ذاکر صاحب، مدیر "فانوس" کو کوئی خط لکھ سکا۔ لکھنے پڑھنے میں سخت تکلیف ہوتی ہے۔ اس سے میرا سلام کہہ دیجئے اور خط نہ بھیجنے کی وجہ بیان کر دیجئے۔ پرانی نظمیں وقتاً فوقتاً چھپ چکی ہیں۔ انہیں کیا بھیجوں۔ جدید نظموں کی فکر مدت سے چھوڑ دی اس لئے کہ دماغی کام کرنے سے دردِ سر بڑھ جاتا ہے۔ میں تو شاعری ہی کو خیرباد کہہ چکا ہوں۔ اگر کبھی کوئی جدید نظم یا غزل کہوں گا تو آپ کے رسالے میں بھی بھیج دوں گا۔

سرور صاحب اور دیگر احباب کو میرا سلام پہنچا دیجئے اور اپنے گھر میں دعا کہہ دیجئے۔ آپ کی سالی کا واقعہ دریافت ہو کر بہت قلق ہوا۔ خداوند کریم آپ حضرات کو صبر عطا فرمائے مشیت ایزدی میں کیا چارہ ہے۔ آپ نے اپنے خط سابق میں لفظ "جذبات" کے متعلق لکھا ہے۔ اس لفظ کے متعلق میری وہی رائے اب بھی ہے جو پیشتر لکھ چکا ہوں۔ جذبات اور پرستان یہ دونوں ایسے لفظ ہیں جو اب تک زیرِ تحقیق ہیں۔ اوّل الذکر عربی نما ہے اور مؤخر الذکر فارسی نما۔ لیکن عربی اور فارسی نظموں میں کسی اہلِ زبان نے استعمال نہیں کیا ہے۔ جذب یعنی کشش البتہ عربی لغت میں ہے۔ فارسیوں نے اسے مختفی بڑھا کر جذبہ بنا لیا ہے۔ یہاں تک تو ٹھیک ہے۔ اُردو میں جذبات کا لفظ یعنی FEELINGS جو عطف و اضافت کے ساتھ اپنی تحریروں میں سرسید مرحوم، علامہ شبلی مرحوم اور دیگر مشاہیر نے استعمال کیا ہے۔ اس کی سند کسی عربی یا فارسی شعر میں نہیں ملتی۔ خود تحقیق کئے بغیر محض انہی معاصرین کے اعتبار پر اپنی پرانی نظموں میں دو ایک مقامات پر میں نے اس لفظ کو نظم کیا تھا اور یہ رسے ہی تتبع میں عزیز نے بھی اپنی نظموں میں استعمال کرنا شروع کر دیا مگر عند التحقیق جب مجھ پر یہ واضح ہو گیا کہ کسی عرب یا عجم کے کلامِ منظوم میں جذبات کا لفظ یعنی FEELINGS مستعمل نہیں تو میں نے اسے ترک کر دیا اور اسی بنا پر آپ کو بھی منع کر دیا۔ لوائح حالی کے لائحہ یازدہم میں ایک مقام پر یہ لفظ نثر میں صرف ہوا ہے۔ عبارت یہ ہے "اما چوں آثار جذبات لطف در دے ظہور کند..... الخ" لیکن مجرد ایک شخص کا نثر میں اس لفظ کو استعمال کر دینا اطمینان کے لئے کافی نہیں ہے گو کہ ملا حالی استادِ فن اور بڑے مرتبے کے آدمی ہیں اور ممکن ہے کہ مذکور الصدر اشخاص نے انہی کی تاسی میں اس لفظ کا استعمال نثر اردو میں شروع کر دیا ہو مگر تاوقتیکہ کسی اور اہلِ زبان کے کلام میں اس کا ثبوت بہم نہ پہنچے احتیاط اسی کی مقتضی ہے کہ حتی الوسع اس کے صرف سے احتراز کیا جائے خلاصۂ کلام یہ ہے کہ "جذبات" اور "پرستان" کو اردو کی حیثیت سے استعمال کرنا بالکل جائز ہے۔ لیکن عطف و اضافت کے ساتھ استعمال ان دونوں لفظوں کا اگرچہ حرام مطلق تو نہیں مگر مکروہ ضرور ہے اور میں اسی مسلک پر کاربند ہوں۔ میرا جو مصرع اس لفظ کے جواز میں استدلالاً پیش کیا گیا ہے وہ ۱۸۹۰ء اور ۱۹۰۰ء کے درمیان کا کلام ہے یعنی تقریباً چالیس برس پیشتر کا کلام۔

وصی سلمہٗ نے بہت بہت سلام عرض کیا ہے اور ان کا بچہ تسلیم عرض کر رہا ہے۔ زیادہ دعا۔

خیر اندیش صفی عفی عنہ ۱۸ نومبر ۱۹۳۱ء

(۶)

بنام دل شاہجہان پوری

مکرمی زادلطفکم!

سلام نیاز۔ جناب کا دیوان مرسوم بہ "نغمۂ دل" موصول ہو کر باعث شکر گذاری و منت پذیری نیاز مند ہوا۔ چاہتا ہوں کہ بالاستیعاب اسے دیکھ کر اپنی مختصر رائے پیش کردوں مگر بوجہ ناسازیٔ مزاج و ہجوم افکار اب تک اس کی نوبت نہیں آئی۔ باوقات مختلف جستہ جستہ جو کچھ دیکھا ہے اور اس سے جس قدر لطف حاصل ہوا ہے اس کا اندازہ اس ایک شعر سے ہو سکتا ہے ؎

از نغمۂ دل صفی دلم شد پرکیف
بر دل ریزد: انچہ از دل خیزد

میں تو ہمیشہ سے آپ کے کلام کا دلدادہ ہوں، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ دیوان سلیم المذاقی کا بہترین نمونہ ہے شعرائے صفدر آباد میں آپ کو ایک امتیازی درجہ حاصل ہے۔ حق سبحانہ تعالیٰ آپ کی عمر میں برکت عطا فرمائے۔ محترمی رئیس التحریر حضرت نیاز فتحپوری نے مقدمۂ دیوان میں جو کچھ لکھا ہے مجھے اس سے حرف بحرف اتفاق ہے اور اس کے علاوہ اب کسی تحریر کو تحصیل حاصل سمجھتا ہوں۔

؎ خاموشی از ثنائے تو حد ثنائے تست

ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء

خاکسار: صفی عفی عنہ۔ مولوی گنج لکھنؤ ۲۰ ستمبر ۱۹۳۲ء

---

(۷)

بنام دل شاہجہان پوری

مکرمی و محترمی زادلطفکم!

تسلیم۔ ابھی ابھی کارڈ مورخہ ۲ فروری ۳۵ء وصول ہوا۔ عزیزی ظریف صاحب سلمہٗ آجکل محمود آباد میں ہیں۔ راجہ صاحب دہلی سے واپس آکر وہیں چلے گئے اس لئے وہ بھی انہی کے ہمرکاب محمود آباد گئے۔ مجھے معلوم نہیں کہ شیخ حبیب اللہ صاحب نے راجہ صاحب سے اجازت کے متعلق تحریک کی یا نہیں۔ اگر عزیز موصوف یہاں ہوتے تو میں دریافت کر لیتا۔

اب رہا میرے متعلق تو آپ کو غالباً خوب یاد ہوگا کہ صاف الفاظ میں میں نے عرض کر دیا تھا کہ اگر ایسی سردی رہی تو میں شرکت سے معذور رہوں گا۔ چونکہ وعدہ مشروط تھا اور جو شرط مانع سفر تھی وہ تاریخ معینہ تک فوت نہیں ہو سکتی اس لحاظ سے کہ جب آپ یہاں تشریف لائے تھے اس کے مقابل اب سردی چہار چند ہو گئی ہے۔ ایسی حالت میں میں تعمیل ارشاد سے بالکل قاصر ہوں۔ اگر حاضر ہو سکتا تو طرحی یا غیر طرحی کوئی کلام عرض کر دیتا۔ اسی بنا پر کل دعوت ناموں کے جواب میں معذرت نامے بھیج چکا ہوں۔ آپ ہی کی طرح ہر کرم فرما کا اصرار بلیغ شرکت کے متعلق ہے۔ مگر میں کمالت موجودہ کہیں نہیں جا سکتا۔

جناب کو اپنے شاگرد کا خیال ہے مجھے اپنی صحت کا جس کی ذمہ داری خود مجھ پر ہے لہٰذا مجھے افسوس ہے کہ مشاعروں پر اپنی صحت کو قربان نہیں کر سکتا۔ زیادہ نیاز!

خاکسار: صفی عفی عنہ۔ ۵ فروری ۱۹۳۵ء

---

(۸)

نام جناب شاہجہانپوری

مکرمی زاد لطفکم!

تسلیم۔ کمال مرتبہ شکر گذار ہوں کہ جناب نے مذبر مرض کو تامرض خیال فرما کر حاضری سے مستثنیٰ فرما دیا۔ حقیقت حال یہ ہے کہ اب زیادہ سردی یا زیادہ گرمی میں میری حالت اس قابل نہیں رہتی کہ سفر کر سکوں۔ ورنہ اس سے بہتر کیا تھا کہ حاضر ہو کر آپ حضرات سے مل کر مسرت اندوز ہوتا۔ اسی تاریخ اور اسی وقت آگرے میں بھی ایک مشاعرہ ہے اور وہاں کے جناب نے بھی بے حد اصرار فرمایا تھا مگر میں نے لکھ دیا تھا کہ اگر سفر کے قابل ہوتا تو میں شاہجہان پور کے مشاعرہ میں شرکت کرتا۔ اگر میں چونکہ اسی روز اسی وقت مشاعرہ منعقد ہوگا لہٰذا ایسی صورت میں شرکت کا کوئی موقع ہی نہیں۔ اب رہا ظریف صاحب کا معاملہ ان کے متعلق میں مکرر عرض کر چکا ہوں کہ بغیر اجازت راجہ صاحب ان کی شرکت کہیں ممکن نہیں اور ان کے بارے میں راجہ صاحب ہی کی خدمت میں تحریک ہونا چاہئے۔ ابھی تک راجہ صاحب نے آپ کے مشاعرے یا آگرے کے مشاعرے کے متعلق ظریف صاحب سے کچھ نہیں فرمایا ہے۔ صرف ایک مشاعرے کے متعلق حکم دیا ہے جو اسلامیہ سکول لکھنؤ میں بتاریخ ۲۴ فروری ۱۹۳۵ء ہونے والا ہے اور بس۔ اگر آپ کے مشاعرے یا آگرے کے مشاعرے کے لئے کوئی تحریر محتشم اللہ کی خدمت میں پہنچی تو غالباً اس کا بھی ذکر وہ ضرور فرمائے۔ اطلاعاً گذارش ہے امید کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔ صاحب زادے کو بہت بہت دعا و پیار۔ نیاز

نیاز کیش خیر اندیش: صفی عفی عنہ۔ مولوی گنج لکھنؤ ۱۲ فروری ۱۹۳۵ء

(۹)

بنام جناب طاہر فاروقی صاحب، اسلامیہ کالج پشاور

مکرمی زاد لطفکم

تسلیم۔ کل شب کو عنایت نامہ ملا۔ لطف آمیز اصرار باعث اضافۂ شرمندگی ہوا۔ خط سابق میں تاریخ انعقاد مشاعرۂ شاہجہان پور زیر اہتمام جناب دل صاحب غالباً میں غلط تحریر کر گیا ہوں۔ وہاں بھی اسی تاریخ کو مشاعرہ ہے جس روز آپ کے یہاں یعنی ۱۶ ویں گذر کے شب کو اور اس طرح جب متحد الوقت یہ دونوں مشاعرے ہیں۔ دونوں میں شرکت محال اور اگر ایک میں شرکت کی جائے تو دوسرے کے لئے باعث ملال۔ اس لئے اس کے سوا چارہ نہیں کہ بازی قائم رکھی جائے یعنی کہیں بھی شرکت نہ ہو۔

جناب ضمیر حسن خاں صاحب دل اپنے مشاعرے کے لئے گذشتہ سال سے اصرار فرما رہے ہیں جناب موصوف "انجمن بہار ادب لکھنؤ" کے رجسٹرڈ سے مرحوم شاگرد بہار کی یادگار میں انہی کے نام سے منسوب و معنون ہے اور جس کا صدر میں خود ہوں، ایک ممتاز رکن ہیں نیز میرے ہم فن اور قدیم کرم فرما۔ امسال وہ انجمن مذکور کے اکثر مشاعروں میں اسی وجہ سے شرکت فرماتے رہے کہ اپنے مشاعرے کی شرکت کے لئے اراکین انجمن کو آمادہ کرتے رہیں۔ ان کے مسلسل اور مشاورانہ اصرار

سے مجبور ہو کر میں نے ان سے یہ مشروط وعدہ کر لیا تھا کہ اگر میرا مزاج اچھا رہا اور اشتداد موسم مانع و مزاحم نہ ہوا تو میں حاضر ہوں گا۔ اسی بنا پر ان کے چند عنایت نامے بہ تحریک ایفائے وعدہ و سبب سے اب تک آ چکے ہیں اور میں برابر عذرات موانع حاضری پیش کر رہا ہوں۔ پس ایسی صورت میں کہ ان کے وعدے کو تقدیم زمانی بھی حاصل ہے میں اسے نظر انداز کر کے آگرے کے مشاعرے میں اگر شرکت کروں تو یہ انصافاً کب مستحسن قرار پا سکتا ہے۔ اگر دونوں مشاعرے متحد الوقت نہ ہوتے تو البتہ یہ امر ممکن تھا کہ اپنی صحت کو معرض ہلاکت میں ڈال کر جس طرح بنتا دونوں جگہ شریک ہو جاتا۔ بہ نسبت آگرے کے شاہجہان پور لکھنؤ سے نزدیک بھی ہے لہٰذا وہاں کے مشاعرے کو چھوڑ کر آگرے کے مشاعرے میں شریک ہونا بے حد قابلِ اعتراض ہوگا اور اس شکایت کا کوئی جواب میرے پاس نہیں۔

اب رہا ظریف صاحب کا معاملہ تو وہ بیچارے بندگی و بیچارگی کے عالم میں ہیں۔ راجہ صاحب محمود آباد کے ساتھ ساتھ ان کا قیام رہتا ہے۔ کبھی لکھنؤ میں ہیں کبھی محمود آباد میں، ان کی شرکت و عدم شرکت راجہ صاحب ہی کی اجازت پر منحصر ہے۔

انہی باتوں پر نظر کر کے میں نے عریضہ سابق میں لکھا تھا کہ کسی صاحب کا محض ہم لوگوں کو لے جانے کے لئے زحمت فرمانا بے سود ہوگا۔ اپنے متعلق جو مجبوریاں ہیں وہ بھی عرض کر چکا اب رہا تقریب بہر ملاقات تو اگر زندگی باقی ہے تو انشاء اللہ اس طرف جب کبھی حاضر ہونے کا اتفاق ہوگا ضرور در دولت پر حاضر ہو کر شرفِ دیدار حاصل کروں گا۔ امید ہے کہ مزاج عالی مع جملہ متعلقین مع الخیر ہوگا۔ زیادہ نیاز۔

نیازکیش خیر اندیش: صفی عفی عنہ۔ فروری ۱۹۳۵ء

(۱۰)

بنام طاہر ہاروقی صاحب، اسلامیہ کالج پشاور

مکرمی و محترمی دامت معالیکم!

تسلیم بالتحیۃ والتکریم۔ عید مبارک! سخت محجوب ہوں کہ دعوت نامہ مورخہ ۶ نومبر ۱۹۳۸ء کا جواب اب تک نہ بھیج سکا۔ واقعاً مجھے اپنی محرومیٔ قسمت پر خود افسوس ہے کہ جناب محترمی محمد مرتضےٰ صاحب صدیقی انکم ٹیکس افسر آگرہ کے ذریعے سے اس کے پیشتر چند بار میں یاد فرمایا گیا اور اب جناب خود یاد فرما رہے ہیں مگر حاضری سے برابر قاصر ہوں حقیقت حال یہ ہے کہ ۲۷ سال کی مزمن خاکساری حتی الامکان احباب کے احکام کی بلا عذر تعمیل کرتا رہا اور جو زحمتیں پڑتی رہیں انہیں برداشت کرتا رہا۔ لیکن اب چند سال سے انحطاط قویٰ اور اعراض پیری نے ایسا کمزور کر دیا ہے کہ ان مقامات پر بھی نہیں جا سکتا جہاں التزاماً شریک ہوتا رہتا تھا۔ مثلاً سالانہ مشاعرۂ بورڈنگ ہاؤس یونیورسٹی الہ آباد، یا سالانہ محفلِ قصیدہ خوانی موتی مسجد فیض آباد، یا سالانہ اجلاس ہائے شیعہ کانفرنس وغیرہ وغیرہ۔ یہاں تک کہ خود لکھنؤ کی انجمن بہارِ ادب کے مشاعروں میں شاذ و نادر شرکت کا اتفاق ہوتا ہے حالانکہ انجمن مذکور کا میں خود صدر ہوں اور وہ میرے مرحوم شاگرد "بہار" کے نام سے معنون ہے۔ اس عزلت گزینی کے بعد اب جتنے دعوت نامے مختلف مقامات سے آتے ہیں مجبوراً جواب میں معذرت نامے بھیجنا پڑتے ہیں اور اپنی مجبوریوں کا

اس کر کے بے حد شرمندہ ہوتا ہوں۔ کیا کروں ایک تو خلقۃً کمزور ہوں اس پر طرّہ یہ کہ کئی برس سے خونی بواسیر کے مرض میں مبتلا ہوں جس کے دورے سال میں دو تین بار ضرور ہوتے رہتے ہیں اور اس زمانے میں نقاہت اس درجہ بڑھ جاتی ہے کہ گھنٹے آدھ گھنٹے بھی مسلسل بیٹھ نہیں سکتا۔ زیادہ تر بستر پر پڑا رہتا ہوں۔ سیر و سفر کی مجھے یوں بھی عادت نہیں تھی۔ زمانۂ صحت میں جب کبھی ضروتاً باہر جانے کا اتفاق ہوتا تھا تو بخشے میرے چھوٹے بھائی ظریف مرحوم زندہ تھے، جو میرے ساتھ چل کر میری راحت رسانی کا ہر وقت خیال رکھتے تھے اور جہاں میں خود نہیں جا سکتا تھا اپنی طرف سے انہی کو بھیج دیتا تھا۔ لیکن افسوس صد افسوس اس ضعیفی کے عالم میں انہوں نے مجھے تنہا چھوڑ دیا' اب کہاں جاؤں ؎

افسردہ دل افسردہ کند انجمنے را

میری موجودہ حالت اب کسی طرح اس قابل نہیں کہ سردی کے زمانے میں سفر کروں یا مشاعرے میں رات بھر بیٹھوں۔ میرے لئے ایسی جسارت خودکشی کے مترادف ہوگی لہٰذا امید ہے کہ جناب والا میری معذوریوں پر نظر ترحم فرما کر مجھے معاف فرمائیں گے۔ فقط زیادہ نیاز!

خاکسار: حسنی حسنی عفی عنہ۔ مولوی گنج لکھنؤ۔ ۲۴ نومبر ۱۹۳۸ء

---

(۱۱)

مری

عزیزی سلمکم اللہ!

دعا۔ خط مورخہ ۳۱ مارچ ۴۰ء مجھے مل گیا۔ جواب بھیجنے میں البتہ تاخیر ہو گئی جس کا مجھے افسوس ہے۔ تاخیر کا سبب یہ ہوا کہ ۴ مارچ سے ۱۳ اپریل تک تمہارے بھتیجے کا سالانہ امتحان تھا اور امتحان بھی ایف۔ اے کا فائنل۔ اس لئے مجھے بالکل فرصت نہ ملی۔ چونکہ اردو اور عربی دونوں کی کتابیں وہ مجھی سے پڑھتے رہے ہیں لہٰذا اس زمانے میں اُن سے وقت ان کے تیار کرانے میں صرف ہوا۔ پھر لکھنؤ میں آل پارٹیز کانفرنس ۱۴ اپریل سے شروع ہو گئی۔ دو روز رہی' اس میں شریک ہونا پڑا۔ حالانکہ دہلی کی کانفرنسوں کے بعد سے میں نے کانفرنسوں اور جلسوں مشاعروں میں شرکت قطعاً ترک کر دی ہے۔ پیرانہ سالی' صحت کی خرابی اور سب سے بڑھ کر مصائب و آلام نے بالکل دل افسردہ کر دیا ہے۔ پیوستہ سال بھائی کا داغ اٹھایا پارسال رفیقۂ حیات کی رحلت کا صدمہ اور اس سال تو وہ روح فرسا جانگداز غم نصیب ہوا جس نے بالکل زندہ درگور کر دیا یعنی جوان سلیقہ مند بیٹی جس کے دم سے گھر کا سب انتظام درست تھا' دفعتہً آٹھ روز تپ میں مبتلا ہو کر رحلت کر گئی۔ بہرحال جو خدا کی مرضی۔ اس کی مشیت میں چارہ ہی کیا ہے۔ امسال آل انڈیا شیعہ کانفرنس کا اجلاس بمقام دہلی متصل جامع مسجد ہوگا مگر میں شریک نہ ہو سکوں گا۔ بالکل خانہ نشین ہو گیا ہوں۔ سفر وغیرہ کے قابل نہیں رہا۔ بہت کمزور ہو گیا ہوں اور سب کلام مثلاً قصائد، تاریخیں، نظمیں، قطعات، مکتوبات منظوم وغیرہ مرتب ہو گئے ہیں۔ اب غزلیات اور رباعیات خیام کا ترجمہ منظوم' ان دو چیزوں کی ترتیب باقی ہے اور ظریف مرحوم کے کلام کی ترتیب۔ انہی چیزوں کی ترتیب میں وقت کاٹتا ہوں۔ رباعیاتِ خیام کے متعدد مجموعے مطبوعہ ہندوستان' طہران جمع کر کے ان سے ایک مکمل مجموعہ تیار کیا ہے اور تمام رباعیوں کا

ترجمہ بھی زیادہ تر رباعی اور کم تر قطعے کے دو شعروں میں کر ڈالا ہے اور ترجمے میں اس کا خیال رکھا گیا ہے کہ اصل مضمون سے حتی الوسع علیحدہ نہ ہونے پائے اور اسی کے ساتھ بامحاورہ اردو میں ہو۔ ہر رباعی کے متعلق ایک مفصل نوٹ بھی لکھتا جاتا ہوں۔ مطبوعہ مجموعے جہاں تک میری نظر سے گذرے بے حد مختلف اور نہایت درجہ غلط ہیں۔

سرور صاحب کو میرا اسلام کہئے۔ وصی میاں نے آپ کو سلام کہا ہے اور ان کے بچے نے تسلیم عرض کی ہے امید ہے کہ تمہارا مزاج مع الخیر ہوگا۔ خیر و عافیت سے گاہے ماہے مطلع کر دیا کرو۔ زیادہ دعا۔ الرقوم ۲۰ اپریل سنہ ۱۹۴۰ء

صفی عفی عنہ

مکرر یہ کہ ۲۱ اپریل سے شہر بھر میں بدامنی کا دور تھا اس لئے خط روانہ نہ ہو سکا۔ اب کسی قدر سکون ہے۔

تحریر: ۲۷ اپریل سنہ ۱۹۴۰ء

حررہٗ صفی عفی عنہ

منشی دیا نرائن نگم

منشی دیا نرائن نگم ایڈیٹر رسالہ زمانہ (کانپور) کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ انہوں نے زمانہ کے ذریعے سے بڑی سلامت روی کے ساتھ مدت العمر اردو کی جو خدمت انجام دی وہ تشریح سے بے نیاز۔ متعدد اہل قلم صرف زمانہ ہی کے ذریعے سے روشناس عوام ہوئے ان میں سب سے بڑھ کر قابل ذکر منشی پریم چند ہیں جن کے خطوط میں سے چند خطوط پیش کئے جا رہے ہیں۔

(۱)

سن مارچ روی

عنایت فرمائے دہ تسلیم۔ نوازش نامہ باعث مشکوری ہوا۔ تصویر کی نسبت معترضین کا اعتراض ہے کہ اس کا بیک گراؤنڈ مکمل معلوم ہے جو اس وقت موجود نہ تھا اور خاندان کے آخری دور کی عمارتوں میں سے ہے ان کا خیال ہے کہ تصویر اکبر اعظم کی نہیں بلکہ اکبر ثانی کی ہے۔ مروجہ تصویروں سے اس کی شباہت بھی مختلف ہے۔ اس میں چہرا کسی قدر لمبا ہے۔ عام تصویروں میں بالکل گول ہے۔ چہرے سے بڑھاپے کے آثار نمودار ہیں۔ اکبر بڑھاپے میں سلطان عالم پناہ سے مہابلی ہو گئے تھے اور ڈاڑھی کا بالکل صفایا کر دیا تھا۔ ذاتی طور پر مجھے آپ کے خیال سے اتفاق ہے مگر یہ باتیں بھی قابل لحاظ ہیں۔ میں ایک فورتن کا گروپ چھپوانا چاہتا ہوں۔ آپ کے پاس ہو یا کہیں سے دستیاب ہو سکے تو مزید عنایت فرمائیں۔ بلاک بننے کے بعد میں احتیاط کے ساتھ اصل تصویر کی واپسی کا ذمہ دار ہوں۔ مجھے یہ سن کر نہایت خوشی ہوئی کہ امسال انجمن ترقی اردو کے آپ سکرٹری مقرر ہوئے۔ میں اس انتخاب پر آپ کو تہ دل سے مبارک باد دیتا ہوں انجمن ترقی اردو نے اب تک کوئی کارنمایاں نہیں کیا ہے۔ خدا کرے آپ کے زمانے میں یہ ایک مردہ انجمن کی حالت میں نہ رہے۔ زمانے میں علمی خبروں اور نوٹس کا ایک مفید سلسلہ شائع ہوتا رہا ہے۔ اور اب بھی بالکل بند نہیں ہو گیا ہے کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ اس سلسلے کا ایک حصہ انجمن ترقی اردو کے لئے وقف رہے جس میں آپ اس انجمن کے سیکرٹری کی حیثیت سے لکھتے رہیں۔ اس طرح سے زمانہ انجمن اردو کا ایک باقاعدہ ارگن ہو جائے گا۔ جس کی خریداری ممبران انجمن کے لئے ضروری ہونی چاہیئے۔ محض اس حصے کی علیحدہ کاپیاں بھی شائع ہو سکتی ہیں۔ انجمن کا ایک باقاعدہ رسالہ جس میں اس کے متعلق کل ضروری امور کا روائی سے پبلک کو اطلاع ملتی رہے ہونا ضروری ہے۔ میں زمانے

کے لئے خواہ مخواہ اصرار نہیں کرتا ہوں - مگر یہ ضرور چاہتا ہوں کہ انجمن موصوف ایک کارگزار انجمن ہو جائے - مضامین خاص کے لئے بیشتر سے تکلیف دے رہا ہوں - ماجہ کندن لال اشکی کی سوانح عمری جنوری کے پرچے میں جو اول ہفتہ فروری میں شائع ہو گا ہدیۂ ناظرین ہو گی - اب مارچ یا اپریل کے رسالے کے لئے کوئی چوٹی کا مضمون عنایت فرمائیے

زیادہ نیاز　　۲۶ر جنوری ۱۹۰۶ء　　بندہ دیانرائن نگم - کانپور

(۲)

مکرمی تسلیم - عنایت نامہ صادر ہوا - جواباً عرض ہے کہ میں ایسا نہ بہی شخص نہیں ہوں جو یہ بتا سکوں کہ فلاں ترجمہ صحیح ہے اور فلاں غلط - وید مقدس، رامائن اور مہابھارت وغیرہ کتابوں کے ترجموں کے لئے مندرجہ ذیل پتوں پر خط و کتابت کیجئے - امید ہے کہ آپ کو عمدہ ترجمے دستیاب ہو سکیں گے -

۱ - مطبع منشی نول کشور صاحب مرحوم - لکھنؤ
۲ - پانینی آفس - الہ آباد
۳ - تھیوسوفیکل سوسائٹی - اڈیار - مدراس -
۴ - راجپوت گزٹ - لاہور

۱۰ر جولائی ۱۹۲۸ء　　نیازمند دیانرائن نگم - ایڈیٹر

بنام تلکیں کاظمی

(۳)

مکرمی تسلیم - اکثر رسائل میں آپ کے مفید و دلکش مضامین نظر سے گزرتے ہیں لیکن "زمانہ" جو بلحاظ قدامت آپ کی قلمی اعانت کا زیادہ مستحق ہے آپ کے رشحات فکریہ سے محروم ہے - لہٰذا بذریعہ عریضہ ہذا آپ کی توجہ اس طرف منعطف کراتے ہوئے امیدوار ہوں کہ کوئی علمی مضمون یا دلکش افسانہ مرحمت فرما کر ممنون کیجئے -

دوسرا عریضہ سعیدی صاحب کے نام ہے - مجھے ان کا پتہ معلوم نہیں لہٰذا براہ کرم ان کی خدمت میں بھیج دیجئے نیز مجھے ان کے پتے سے اطلاع دیجئے عنایت ہو گی -

امید ہے کہ آپ جواب سے جلد مطلع فرمائیں گے والتسلیم -

۱۲ر ستمبر ۱۹۲۸ء　　نیازمند دیانرائن نگم - ایڈیٹر

بنام مولوی محمد اظہار الحسن صاحب وکیل غازی آباد

(۴)

DAYA NARAIN NIGAM, CAWNPORE.

مکرمی تسلیم - نوازش نامہ ملا - ملا صاحب کے نظم "دوشیزۂ کاشانہ" پر آپ نے جو تبصرہ لکھا ہے اس کی

اشاعت کا موقع رسالہ زمانہ میں تو نہیں نکل سکتا ہے۔ البتہ اگر آپ فرمائیں تو میں اسے اپنے اخبار آزاد میں شائع کر دوں یا اگر آپ چاہیں تو اسے کسی اور رسالہ میں شائع کرا دیں۔ ملا صاحب کی نظموں کا میں بھی تہ دل سے قدردان ہوں۔ اور اسی لئے جہاں تک ممکن ہوتا ہے میں ان کی نظموں کو رسالہ زمانہ کے لئے حاصل کر لیتا ہوں ان کی تنقید کسی اور رسالہ میں شائع ہو تو بہتر ہوگا۔

کیا اچھا ہو اگر آپ زمانہ کے لئے کسی ادبی و علمی، دینی یا تاریخی مبحث پر قلم اٹھائیں۔

امید مزاج مبارک بخیریت ہوگا۔

۲۴ر جولائی ۱۹۳۰ء　　دیا نرائن نگم۔ ایڈیٹر زمانہ

مولوی محمد اظہار الحسن صاحب وکیل غازی آباد　　(۵)

جناب مکرمی۔ تسلیم عرض۔ نوازش نامہ آیا تھا، شکریہ قبول فرمائیے اور تاخیر جواب کے لئے معاف کیجئے۔ میں شوق سے اردو رسالوں کے مضامین کا خلاصہ شائع کروں گا۔ بشرطیکہ ہر ماہ دس صفحات سے زائد مضمون نہ ہو اور ایک تاریخ مقررہ تک مضمون آجائیں۔ ساتھ ہی موقع بہ موقع خلاصہ تنقیدی شان بھی لئے ہوئے ہو۔ معاوضے کے متعلق بھی آپ ہی تحریر فرمائیے۔ لیکن اتنا خیال رکھئے گا کہ اس وقت مالی پریشانیوں سے رسالے بھی آزاد نہیں ہیں۔ زمانہ یوں بھی کوئی متمول رسالہ نہ تھا۔ کتابوں کے ریویو کا بھی کام ہے۔ بہر نوع آپ کی جو رائے ہو اس سے مطلع فرمائیے۔

کان پور ۲۶ر جون ۱۹۳۲ء　　نیاز مند بندہ دیا نرائن نگم۔ ایڈیٹر زمانہ

مولوی اظہار الحسن صاحب وکیل غازی آباد　　(۶)

میرے مکرم۔ تسلیم۔ نوازش نامہ معہ مضمون صادر ہو کر باعث شکریہ ہوا تھا میں ان دنوں حوادث روزگار سے بہت سرگرداں رہا۔ اس لئے اب تک شکریہ درکنار رسید بھی نہ دے سکا۔ معاف فرمائیے گا۔

آپ کا مضمون مارچ نمبر زمانہ میں درج کر رہا ہوں۔ اختصار اور چستی الفاظ کو میں بھی بہت پسند کرتا ہوں۔ عملی حیثیت سے تحریر میں عبارت کی اٹھان بندی کا بھی بڑا قائل ہوں لیکن میری قطعی رائے ہے کہ اردو میں اضافت کا رواج کم ہونا چاہئے۔ دوسرے جمع کا صیغہ بھی فارسی قاعدوں کے ماتحت نہ ہو۔ وغیرہ وغیرہ۔ بہر حال آپ کا مضمون اسی عنوان پر بعض دیگر مضامین کے ساتھ شائع ہو رہا ہے۔

آئندہ بھی حسب فرصت زمانہ کی قلمی امداد کا سلسلہ جاری رکھئے۔

امید کہ مزاج مبارک بخیریت ہوگا۔

۲۶ر فروری ۱۹۳۱ء　　بندہ دیا نرائن نگم

مولانا وحیدالدین سلیم

(۱)

بنام نواب سید علی حسن مرحوم

مخدومی و مطاعی جناب نواب صاحب دام اقبالکم!

مجھ کو جناب سے دو چار مرتبہ سرسری نیاز حاصل کرنے کا موقع ملا ہے۔ اب معارف کے ذریعہ سے ہر مہینہ زیبیں بوس حاصل ہو جاتا ہے۔ جناب کو معارف کا خریدار نہیں خیال کیا گیا ہے۔ بلکہ جناب کا نام نامی معارف کے سرپرستوں میں ہے۔ اس بنا پر مجھ کو یقین واثق ہے کہ میں جو التماس کروں گا اس کو شرف قبول حاصل ہوگا۔

"البیان" کا فصیح و بلیغ اور پُر زور لٹریچر دیکھنے کے بعد مجھ کو پورا یقین ہو گیا ہے کہ اگر آپ توجہ فرمائیں تو اپنے زورِ قلم اور جادو بیانی سے قوم کو بہت کچھ منفعت پہنچا سکتے ہیں۔ جناب کی اس لیاقت اور فصاحت کو دیکھ کر خیال ہوتا ہے کہ ہماری قوم نہایت ہی بدقسمت ہوگی اگر جناب کی بے نظیر دلچسپ اور مفید تحریروں کے مطالعہ سے محروم رہے۔ میں معارف کے ناظرین کی طرف سے نہایت ادب کے ساتھ یہ التماس کرتا ہوں کہ جناب والا اپنے اوقاتِ گرامی کا ایک حصہ قوم کی فیض رسانی کے لئے وقف کریں اور معارف کے لئے کوئی علمی، تمدنی، اخلاقی، مذہبی یا تاریخی مضمون تحریر فرمائیں۔ میں اور حاجی صاحب اور معارف کے تمام ناظرین نہایت ہی ممنون ہوں گے اگر یہ التماس حرمتِ قبول حاصل کرلے۔

دوسری عرض یہ ہے کہ مولانا شبلی کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ جناب کے کتب خانہ میں "المقتطف" کے (جو مصر کا عربی رسالہ ہے) بہت سے پرچے موجود ہیں۔ اگر بطور امدادِ معارف کے چند روز کے لئے وہ کل پرچے مستعار عنایت فرمائیں تو نہایت شکوری کا باعث ہوگا۔

مجھ کو امید کامل ہے کہ یہ دونوں التماس جناب والا قبول فرمائیں گے اور عریضہ کے جواب سے مشرف فرمائیں گے۔ زیادہ حد ادب۔

خاکسار: وحیدالدین سلیم (ایڈیٹر معارف)
از دفتر معارف علی گڑھ ۱۲ نومبر ۱۹۱۰ء

(۲)

نام نواب سید علی حسن خاں مرحوم

جناب والا!

جناب کا عنایت نامہ مورخہ ۹ مارچ ۱۸۹۹ء مع مضمون عرب کی تصنیفات اور یورپ کی فیاضی میرے پاس اس وقت پہنچا جبکہ میں پانی پت میں والدۂ مرحومہ کی تجہیز و تکفین میں مشغول تھا۔ مضمون کا شکریہ قبول فرمایئے اور اسی مضمون کو مکمل کر کے وقتاً فوقتاً ارسال فرمایئے کیونکہ یہ نہایت عمدہ اور پاکیزہ اور ناظرین معارف کے لئے دلپسند مضمون ہوگا۔ اگر اس کے مکمل کرنے میں دیر ہو تو حسب وعدہ آپ دیگر مختصر مضامین جن کا میٹریل پہلے سے جمع ہے ارسال فرمائیں۔

چونکہ معارف کے سرورق پر ہر مضمون کے ساتھ مضمون نگار کا پورا نام مع خطاب و عہدہ وغیرہ درج کیا جاتا ہے اس لئے نہایت مہربانی ہوگی اگر آپ اس ضروری امر سے آگاہ فرمائیں۔

آپ نے اپنے عنایت نامہ میں میری نسبت جن خیالات کا اظہار فرمایا میں ان کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں۔ قبل اس سے کہ میں آپ کے اس عنایت آمیز استفسار کا جواب دوں اپنی سابقہ اور موجودہ ملازمت کی مختصر کیفیت عرض کر دینی مناسب سمجھتا ہوں۔

میں جب لاہور سے تعلیم پا کر نکلا تو سب سے پہلے ریاست بہاولپور میں بعہدۂ پروفیسر السنۂ شرقیہ اجرٹن کالج مقرر ہوا۔ تین ساڑھے تین برس کی ملازمت کے بعد اتفاقاً جنرل عظیم الدین خاں مرحوم وزیر ریاست رامپور سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے مجبور کیا کہ میں اینگلو اسکول رام پور میں ہیڈ مولوی کا عہدہ منظور کر دوں۔ وزیر مرحوم کے دل میں میری نسبت آئندہ کے لئے جو خیالات تھے وہ بعد چھ مہینہ کے مرحوم کے واقعۂ قتل سے خاک میں مل گئے۔ میں نے فوراً ملازمت کو ترک کیا اور ارادہ کر لیا کہ آئندہ ملازمت نہ کروں گا۔

میں نے اس کے بعد وطن میں مطب کرنا شروع کیا کیونکہ اس سے پیشتر میں ڈاکٹری اور یونانی طب کی تحصیل کر چکا تھا۔ پانچ برس مطب پر گذر گئے اور میں نہایت کامیابی سے اس کام میں مشغول تھا کہ یکایک سرسید مرحوم نے تار دے کر ملاقات کے لئے بلایا۔ میں اس کا مطلب کچھ نہ سمجھا مگر فوراً مولانا حالی کے ساتھ علی گڈھ کو روانہ ہو گیا۔ سرسید مرحوم نے ایک مہینہ کے قریب ٹھہرایا پھر مولانا حالی کو درمیان ڈال کر مجھے چاہا کہ میں یہیں قیام کروں۔ میں نے عرض کیا کہ میں ملازمت سے توبہ کر چکا ہوں۔ فرمایا کہ ملازمت کیسی؟ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ تم میرے ساتھ شریک صلح و راحت ہو کر رہو اور اگر تو پہلے مر جاؤ تو میں اپنے ہاتھ سے تم کو دفن کر دوں اور اگر میں تم سے پہلے مر جاؤں تو تم اپنے ہاتھ سے مجھ کو مٹی دو۔ غرضکہ میں ان کی مصاحبت اور رفاقت میں رہنے پر مجبور ہو گیا اور آخر مرحوم کے دم واپسیں تک بنا بھی میں ان عنایتوں اور مہربانیوں کا اندازہ نہیں کر سکتا جو مرحوم نے میرے حال پر مبذول فرمائیں۔ مرحوم کے بعد میں نے وطن جانے کا ارادہ کیا تو حاجی صاحب نے مجھ سے دریافت کیا کہ اب وہاں جا کر کیا کرو گے؟ میں نے کہا کہ یہی علمی شغل اور اس کے سوا میں کر ہی کیا سکتا ہوں۔ انہوں نے کہا تو جو کام تم وہاں جا کر کرو گے علی گڈھ ہی میں کیوں نہ کر دو۔ اس کام کے لئے اس سے بہتر مقام نہیں ہو سکتا۔ میں تمہارا شریک نفع نقصان ہوتا ہوں۔ علی گڈھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ بند ہو چکا ہے، اگر کوئی صورت تم نکالو تو میں بھی اس میں مدد دے سکتا ہوں اور میں بھی سوائے اس لکھنے پڑھنے کے شغل کے اور کچھ نہیں کر سکتا۔ کیا اچھا ہو کہ میری طبیعت بھی بہلے اور تم بھی اپنے مشغل میں کامیاب ہو۔ چونکہ یہ صورت ملازمت کی نہ تھی میں نے اس کو قبول کر لیا اور اب تک میں اسی میں مصروف ہوں۔ چونکہ یہ کام اپنا ہے

اور اس میں پوری آزادی ہے اس لئے مجھ کو پورا اختیار ہے کہ میں جب چاہوں اس کو ترک کر دوں اور جب تک چاہوں اس کو جاری رکھوں اور یہ میری عین طبیعت کے موافق ہے۔

اب میں آپ کے استفسار کا جواب عرض کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ اجمالاً جو کیفیت اپنی زندگی اور طبیعت کی میں نے بیان کی اس کے لحاظ سے یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ اگر کبھی ایسا موقع ہو جس کی طرف آپ نے اشارہ کیا تو وہ کیا خدمت ہوگی جو لی جائے گی اور کس طور کی اور طریقہ کی؟ میں صرف اسی حالت میں اس امر کا فیصلہ کر سکتا ہوں کہ آیا میں اس خدمت کے قابل ہوں یا نہیں اور آیا وہ میری اقتضائے طبیعت و حالات کے موافق ہے یا نہیں۔ مجمل طور پر میں یہ عرض کروں گا کہ میرے لئے نہایت عزت و افتخار کا باعث ہوگا اگر کبھی آپ مجھے اپنی رفاقت میں قبول کرنا چاہیں۔ میں آپ کی یاد آوری اور قدر افزائی اور محبت و عنایت کا دلی شکریہ پھر عرض کرتا ہوں۔

حاجی صاحب آگرہ میں تشریف رکھتے ہیں اور کتاب "اسامی" ابھی تیار نہیں ہوئی ہے۔ زیادہ نیاز!

خاکسار: وحیدالدین سلیم از علی گڑھ ۱۴ اپریل ۱۸۹۹ء

(۳)

بنام نواب سید علی حسن خاں مرحوم

جناب من!

آپ کے مضمون بلاغت مشحون "عرب کی تصنیفات اور اہل یورپ کی فیاضی" کو ناظرین معارف نے بہت پسند کیا اور اخباروں میں بھی نقل ہوا۔ اب لوگ منتظر، مشتاق اور بیتاب ہیں کہ اس کے باقی حصے بھی اسی آب و تاب سے معارف میں طبع ہو کر ان کی نظر سے گذریں۔ کیا آپ ناظرین کے اس اشتیاق اور انتظار پر رحم نہ کریں گے۔

آپ کی عنایتوں سے تو یہی امید ہے کہ اس کے جواب میں آپ نہ صرف عنایت نامہ ارسال کریں گے بلکہ اپنے مضمون کے بقیہ حصے بھی لطف فرمائیں گے۔

"المقتطف" کی باقی دیگر جلدیں بھی جیسا کہ آپ نے وعدہ فرمایا ہے مرحمت ہوں تو عنایت مربیانہ سے بعید نہ ہوگا۔

والسلام خیرالاختتام

آپ کا نیاز مند قدیم: وحیدالدین سلیم از دفتر "المعارف" علی گڈھ

۶ رجون ۱۸۹۹ء

(۴)

بنام نصیرالدین ہاشمی

عزیز از جان!

تمہارے تین کارڈ ایک ساتھ ملے، میں دیر سے پانی پت پہنچا اس لئے جواب نہ دے سکا۔ امید ہے کہ تم معاف کر دوگے۔ بعض کامیاب شدہ طلبا کے نام تمہارے خط سے معلوم ہوئے مگر پورا نتیجہ پانی پت میں نہ ہونے کے سبب مجھے نہ مل سکا۔ اگر ممکن ہو

ترجمہ کا وہ پرچہ جس میں نتیجہ امتحان شائع ہوا ہے، میرے پاس بھیج دو۔ میں تمہارے لئے ہر وقت دست بدعا ہوں، اللہ تعالیٰ تمہیں اور تمہارے تمام عزیزوں کو خیر و عافیت کے ساتھ رکھے، یہاں گرمی شدید ہے۔ اپنی خیریت سے برابر مطلع کرتے اور ضروری حالات سے خبردار کرتے رہو۔ والسلام!

وحیدالدین سلیم از پانی پت ۱۱ جون ۱۹۲۱ء

(۵)

نصیرالدین ہاشمی

عزیز از جان!

تمہارا محبت نامہ پہنچا۔ بغایت مسرت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ تمہیں دینی اور دنیوی ترقی عطا فرمائے۔ تمہارا بھیجا ہوا صیغہ میرے پاس نہیں پہنچا۔ البتہ ایک طالب علم نے مشہور دکن بھیج دیا ہے اور اس سے نتیجہ پورا معلوم ہو گیا۔ تم اپنی خیریت سے ہر ہفتے برابر مطلع کرتے رہو تاکہ اطمینان ہو۔ میں ہر وقت تمہارے لئے اور تمہارے تمام عزیزوں کے لئے دست بدعا ہوں۔ ضروری حالات سے برابر اطلاع دیتے رہو۔ فقط!

وحیدالدین سلیم از پانی پت، ۲۰ جون ۱۹۲۱ء

(۶)

نصیرالدین ہاشمی

عزیز از جان!

خط تو پہنچا مگر پتہ لکھنا آپ بھول گئے۔ ہر خط میں پتہ لکھنا ضروری تھا۔ معلوم نہیں یہ کارڈ آپ کو مل سکے یا نہیں، کیونکہ پتہ ادھورا ہے۔ خیر میں عنقریب حیدرآباد آتا ہوں، انشاء اللہ تعالیٰ اب آپ کو خط بھیجنے کی ضرورت نہیں۔ والسلام!

وحیدالدین سلیم از پانی پت ۱۲ جولائی ۱۹۲۱ء

نوٹ: مولانا سلیم مرحوم سے مجھ کو اس وقت نیاز حاصل ہوا جبکہ وہ جامعہ عثمانیہ قائم ہونے سے پہلے مولوی حمیدالدین صاحب صدر دارالعلوم کے یہاں مہمان تھے۔ اس کے بعد سلیم مرحوم سے میری ملاقات کا سلسلہ بدستور قائم رہا۔ میں اپنی تعلیم کے بعد جب ملازمت کے سلسلہ میں منسلک ہو گیا اس وقت بھی مولانا سلیم کے یہاں اکثر جایا کرتا۔ مرحوم کو مجھ سے خاص انسیت تھی۔ "دکن میں اردو" مرحوم کے ہی ترغیب کے باعث تالیف کی گئی تھی۔ (نصیرالدین ہاشمی)

نصیر حسین خاں خیال عظیم آبادی

بنام انوار احمد صاحب

(۱)

مکرمی انوار احمد صاحب۔ میں ادھر پھر کلکتہ سے باہر اور اپنے علاج میں مصروف تھا۔ قبل کی نسبت فی الجملہ بہتر ہوں۔ لیکن ابھی تک تندرست نہیں اور دیکھئے گھڑیاں جوتنا ہوتی ہیں۔ آنریبل مولوی فضل حق کے ٹرسٹی منتخب ہو جانے کی وجہ سے کانفرنس کی سنٹرل اسٹینڈنگ کمیٹی میں ایک ممبر کی جگہ خالی ہو گئی ہے اور اس کے لئے میں نے مسٹر نور محمد اسمٰعیل کا نام جوائنٹ سیکرٹری صاحب کی خدمت میں پیش کیا ہے۔ آپ مسٹر موصوف سے خود اچھی طرح واقف اور علی گڈھ و کانفرنس سے ساتھ ان کے شغف سے بخوبی آگاہ ہیں اس لئے مجھے زیادہ کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ امید کرتا ہوں کہ آپ اس انتخاب میں پوری طرح مساعی ہوں گے اور ہم لوگوں کو شکر گزاری کا موقع دیں گے۔ والسلام

پرنسپ انٹریس [illegible] ۱۹۱۰ء

خیال

بنام پروفیسر محمد مسلم عظیم آبادی

(۲)

عزیز مکرم۔ سلام شوق۔ ..... ۲۸ کو آپ کی محبت کی وہ یادگار (راسخ عظیم آبادی مطبوعہ الناظر لکھنؤ) ملی۔ ممنون ہوا۔ مضمون دل لگا کر پڑھا۔ حق یہ ہے کہ آپ نے اردو پر، مذاق صحیح پر، پھر اپنے صوبہ و شہر پر احسان کیا ہے۔ آپ سے متفق ہوں کہ راسخ کا درجہ میر سے کم نہیں۔ بلکہ بعض اعتبار سے کچھ بڑھا ہوا ہے۔ اور اس ضمن میں آپ نے جو کچھ تحریر کیا ہے وہ ہرگز طرف داری و مبالغہ نہیں ہے۔

تمہید میں جو کچھ آپ کے جلے دل سے نکلا اُسے بھی ایک حد تک جائز سمجھتا ہوں۔ لیکن آزاد یا کسی اور کے متعلق آپ کے لئے اہل علم کے قلم کا اشارے پر قابو ہو جانا درست نہیں۔ بلاشک آزاد نے سہل انگاری سے کام لیا اور اس پر ایراد ضرور تھی۔ مگر آپ (معاف کریں) ضرورت سے زیادہ دوڑ گئے ہیں۔ پھر جس چشمہ سے اپنی سیرابی بیان کرتے ہیں، دیکھنا چاہئے کہ خود اس میں کیا دھرا ہے ..... [1]

---

[1] یہ اشارہ اپنے خالی ماموں مولانا سید علی محمد شاد عظیم آبادی کی ایک تالیف "نوائے وطن" کی طرف ہے اب جب کہ دونوں ماموں بھانجے دار بقا میں جا ملے یہ امر کوئی راز باقی نہ رہا کہ مدعا ایک دوسرے سے صاف نہ تھے یہ ایک خانگی عائلہ اور دو مناقشہ تھا۔ جس سے ادبی دنیا کو کوئی دلچسپی نہیں ہو سکتی (ایڈیٹر)

ناسخ کے ذکر میں "نوائے وطن" مثنوی کشش عشق کا سعادت علی خاں کے نام سے معنون ہونا بتلاتی ہے۔ حالانکہ یہ مثنوی آصف الدولہ کو نذر دی گئی۔ نواب وزیر کی تعریف میں اس شعر کو یاد کیجئے:۔

فقط ہے یہ تیرا ہی یُمن قدم ہوا لکھنؤ جس سے رشک ارم

کون نہیں جانتا کہ یہ آصف الدولہ ہی تھے جو ماں اور بی بی سے رنجیدہ ہو کر فیض آباد سے لکھنؤ آ رہے۔ پھر سنئے عمارات کی تعریف میں:۔

عمارات عالی کا ہو وصف کیا نہیں اپنا ادراک اتنا رسا
نہ ہو خوبی قطع ان کی بیاں ورق ہے مرقع کا اک اک مکاں
نظر کیجئے جس پر سو تصویر ہے عجب رنگ سے طرز تعمیر ہے

کیا اس کے بعد بھی بتانے کی ضرورت ہے کہ عمارات کی جا شوق آصف الدولہ سے منسوب ہے، نہ کہ سعادت علی خاں سے۔ اب صاف سنئے:۔

تو سلے آصف الدولہ عالی جناب رہے تا قیام جہاں کامیاب
نہیں تجھ سا حاجت روا خلق کا بہت خوش ہے تجھ سے خدا خلق کا

آپ سے بہتر اسے کون جانتا ہے کہ تذکروں کی ایسی غلطیاں ناقابل معافی ہیں۔ نوائے وطن میں اس ذکر کو یوں پڑھ کر ناسخ کی مٹی خراب ہوتی ہے۔ لوگ اسے مستند سمجھ کر مثنوی کشش عشق کو سعادت علی خاں کے زمانے کی چیز سمجھتے ہوں گے۔ حالانکہ وہ آصف الدولہ کے وقت کی ہے، یعنی جب کہ مثنوی میر حسن نکلی۔ غور کیجئے مصنف کی تحقیق نے غریب ناسخ کو کتنا پیچھے ہٹا دیا۔

پھر اسی طرح مثنوی حسن و عشق کے ذکر میں نوائے وطن کی عبارت ملاحظہ ہو: "غازی الدین حیدر کے زمانہ میں پھر لکھنؤ آئے۔ ایک مثنوی مسمّٰی بہ حسن و عشق ان کے نام سے موزوں کی۔ مگر اب شریعت نے رنگ ہی بدل دیا تھا۔ اس نے بھی کام نہ کیا۔ دار خالی گیا۔" یہ دوسری تاریخی غلطی ہے۔ لکھنؤ میں شریعت نے محمد علی شاہ کے وقت میں رنگ بدلا نہ کہ غازی الدین حیدر کے زمانے میں۔ اسی عہد میں "فسانہ عجائب" تالیف ہوئی۔ اور فصیح نے اپنی مشہور مثنوی "نان و نمک" (تصوف میں) تصنیف کی۔ پھر شریعت نے وہ کون سا رنگ بدل دیا تھا کہ فسانہ عجائب و مثنوی فصیح تو عام ہو جائیں، مگر ناسخ کی مثنوی مقبول نہ ہو؟

کلکتہ میں مراۃ الجمال لکھی گئی۔ اس میں نواب جان ایک کسبی کے حسن و جمال کا ذکر ہے۔ نوائے وطن اس ذکر سے بھی خالی ہے۔ عظیم آباد میں گنجینۂ عشق تصنیف ہوئی جس میں ایک کسبی پر اپنے عاشق ہونے کا نہایت صفائی و دلیری سے حال لکھا اور اس کی تعریف و توصیف کی ہے:۔

(نوٹ ماقبل) دونوں اعلےٰ پایہ کے ادیب تھے۔ ایک فخر روزگار شاعر، دوسرا صاحب طرز نثّار۔ اللہ دونوں کو مغفرت کرے۔

(ذاتی گفتگو بھی اس خط سے حذف کر دی گئی ہے۔ مسلم)

بہت اس شہر میں ہیں خوبرو پر نہیں ہے دلبر اپنا کوئی دلبر
دل اپنا اس صنم کا ہے فقط رام کہ شرفو "جس کا ہے نام خدا نام
اُسی گل کی ہوا ہے دل میں اپنے یہی آتش ہے آب و گل میں اپنے

دنیا کے شاید ہی کسی شاعر نے اپنے عشق کو اس طرح بیان کیا ہو۔ یہاں تو "گفتہ آید در حدیثِ دیگراں" میں سب کچھ کہہ ہے، اور راسخ کا یہی وہ رنگ ہے جسے آپ اس کا امتیازی طرّہ کہتے ہیں .....

فوائے دلی میں راسخ کی وفات کی تاریخ ۱۲۳۸ھ دی گئی ہے۔ مگر گلشنِ بیخار اور تاسی میں ۱۲۴۰ھ ہے۔ تاسی نے راسخ کو تو نہیں مگر شیفتہ کو جو ان کے ہمعصر یا کچھ دنوں بعد کے ہیں دیکھا تھا۔

راسخ کے ذکر میں بہار یا عظیم آباد کی زبان و شاعری کی تحقیق لطف سے خالی نہیں۔ راسخ نواب مہابت جنگ کے یعنی ۱۱۴۳ھ (۱۷۳۰ء) میں پیدا ہوئے۔ ان کی شاعری کی عمر اگر پندرہ برس کے سن سے شمار کی جائے تو ۱۷۵۹ء یعنی پلاسی کے دو برس بعد۔ اور ان کی زبان بتا دے گی کہ صرف چند سال کی مشق کا یہ نتیجہ نہیں۔ بلکہ پشتوں اگر نہیں تو ایک پشت کی ریاضت و صفائی کا نتیجہ ضرور ہے۔ اور اس ایک پشت کا زمانہ کم از کم پچاسی سال مقرر کیا جائے گا۔ یعنی سنہ سے کبھی ادھر کی یہ زبان نہیں ہو سکتی۔ یہ فرض کر لیا جائے (جس کا فرض کیا جانا قیاساً درست نہیں) تو وہ زمانہ عالمگیر کا ثابت ہو گا۔ جو ۱۷۰۷ء میں رخصت ہوا۔ اس سے عالمگیری عہد بلکہ اس سے بہت قبل اردو ہی نہیں بلکہ شاہجہانی یعنی ٹکسالی اُس کا عام رواج آپ کے صوبے میں تھا۔ اور اُس وقت لکھنؤ تو لکھنؤ، فیض آباد میں بھی ٹکسالی اُردو عام نہ تھی۔ فیض آباد محمد شاہ یا زیادہ سے زیادہ فرخ سیر (۱۷۱۹ء) کے وقت میں آباد ہونا شروع ہوا۔ اس لئے عظیم آباد کی زبان اودھ اور دکھن سے بھی قدیم اور مستند ہے۔

اشرف علی خاں کو کہ فغاں دلّی سے عظیم آباد راجہ شتاب رائے کے زمانے میں آئے۔ اور ۱۸۰۶ء میں دہلی راسخ کی عمر اس وقت ۲۴ سال سے کم نہ تھی اور اُس وقت اُن کی شاعری بھی جوانی پر ہو گی۔

فرخ سیر عظیم آباد امیر الامراء نواب حسین علی خاں کے ساتھ ۱۷۱۳ء میں دلی گیا ہے۔ اُس وقت عظیم آباد امرا دہلی کی جاگیر بنا ہوا تھا۔ اور اسی وجہ سے وہاں ٹکسالی اُردو کا بازار گرم تھا۔ انہیں امرا میں سے نواب سید ہدایت علی خاں اسد جنگ المتخلص بہ ضمیر (صاحبِ سیر المتاخرین کے باپ) بھی تھے جو فرخ سیر کے اخیر عہد سے لے کر شاہ عالم ثانی کے وقت تک دلی و عظیم آباد میں رہے۔ نواب اسد جنگ ٹھمریاں، ہولی اور دوہرے خوب کہتے تھے۔ اردو میں بھی ان کی غزلیں ہیں۔ نواب عمدۃ الملک امجد وزیر محمد شاہ کے خاص دوستوں میں سے تھے۔ نواب صاحب کی جاگیر میں پرگنہ جیلہ (بڑا حسین آباد) تھا۔ لیکن زیادہ تر وہ اپنے عملہ اور شاگرد پیشہ سمیت جو دلی کے تھے، عظیم آباد میں رہتے تھے ..... حاجی گنج، پورب دروازہ اور نون گولہ امرائے دہلی کا مسکن رہا ہے ..... شاہ ارزاں خواہ کلاں (جن کے نام سے گھاٹ ہے) اور شاہ صادق (جن کے نام سے غالباً صادق پور ہے) ان سب کر دلی سے توسّل تھا۔ اور یہ سب عمدہ شعرائے اُردو میں سے تھے۔ آپ کے خاندان صادقپور میں بھی زبان کا خاص ذوق و شغف رہا، جیسے

علم و فضل اور فراغت ہمیشہ جلا دیتی رہی۔

غرض راسخ کے ذکر میں عظیم آباد کی زبان کا ذکر بھی ضرور ہے۔ اور جب اس پر غور کیجئے گا تو معلوم ہوگا کہ آپ کے گھر میں جس وقت اللہ عام دا فصح تھی، لکھنؤ اُس وقت شیخوں اور کمبوہوں کا قصبہ و مسکن تھا۔ اور سعادت علی خان کے وقت تک وہاں کی زبان وہی تھی۔ جو کاکوری، موہان، بہرائچ اور محمود آباد میں رائج ہے۔ عمدۃ الملکی مکتب کا اثر فیض آباد پر پڑا۔ اس لئے کہ انجام کے بعد صفدر جنگی و سالار جنگی اُردو کے اسکول اور دفتر کو (بہ جبر و دستی عمدۃ الملک) فیض آباد اُٹھا لائے۔ شاہ حاتم وغیرہ دلی میں عمدۃ الملک کے ملازم اور اُردو کے دفتر میں کلرک تھے۔ اُن پر زبان کا اثر پڑتا رہا۔ اور اس وجہ سے ان کے شاگردوں کی زبان بھی درست ہوئی۔ اس دفتر کے لوگوں میں میر ضاحک اور آتش کے چچا اور ماموں صفدر جنگیوں کے ساتھ فیض آباد آئے اور اُردو کا دفتر اب وہاں قائم ہوگیا۔ میر حسن (صاحب مثنوی) نے اسی دفتر اور نوابانِ فیض آباد کے محلوں میں پرورش پائی۔ میر خلیق وہیں پلے۔ میر انیس کی خالہ گھسیٹی بیگم نواب بہو بیگم صاحبہ کی مصاحب تھیں۔ اور میر انیس اسی محل میں بڑے ہوئے۔ اتنے اُتار چڑھاؤ کے بعد انیس کی زبان ایسی ہوئی ہے اور اسے نوٹ کر لیجئے کہ انیس کے قبل تک لکھنؤ کی زبان وہی تھی جو ناسخ و دبیر کے ہاں مستعمل ہے۔ یہ انیس کے گھر اور عمدۃ الملکی اسکول کا صدقہ تھا کہ لکھنؤ کی زبان اس پایہ کو پہنچ گئی۔

عظیم آباد پر لکھنؤ کی زبان کا کوئی معتدبہ اثر کبھی نہیں پڑا۔ وہاں کے بعض شعرا مصحفی کے البتہ شاگرد ہوئے۔ اور آپ کے ہاں کے اکثر شعرا نے اپنے شاگردوں کو ناسخ وغیرہ کے مقابلے کے لئے تیار کیا اور وہاں بھیجا ہے یعنی اُس وقت تک لکھنؤ کی شاعری و زبان عظیم آبادیوں کے لئے سند نہ تھی۔ فکر، سانس اور برف وغیرہ الفاظ شاہ عالم ثانی کے وقت تک مرتج تھے، وہی لکھنؤ پہنچے اور اسی رستے سے عظیم آباد آئے۔ دلی میں پنجابی اور آگرہ وغیرہ کے اثر سے وہ مذکر ہو گئے، مگر لکھنؤ اور عظیم آباد میں پرانا اثر قائم رہا ....

خیال

۱۲ مئی ۱۹۱۹ء

(۳)

بنام پروفیسر محمد مسلم صاحب پٹنہ

سیف آباد۔ حیدر آباد دکھن۔ مکرمی مسلم۔ آپ کا ۱۴ کا خط پا کر بے حد مسرت ہوئی۔ اس سے قبل آپ کا کوئی خط نہیں ملا۔ اور نہ ضرور جواب دیتا۔ آپ میری عادت سے باخبر ہیں کہ جس حالت میں ہوں جواب خط ضرور دے دیتا ہوں۔ میں ۲۳ اکتوبر سن گزشتہ کو یہاں پہنچا اور معاملات کچھ ایسے الجھے ہوئے تھے کہ رخت سفر اتارنے کے قبل میرا کام شروع ہوگیا اور جب سے مجتبا ہوا ہوں۔ اب تک مجھے اپنی صحیح جگہ معلوم نہیں اور جب تک اس کا فیصلہ نہ ہو جائے میرا جی لگ نہیں سکتا۔

دارالترجمان وغیرہ کا قصہ طولانی اور ناگفتہ بہ ہے۔ بلوں تو بہت کچھ کہہ سکوں۔ میں ان شعبہ جات (دارالترجمان و جامعہ عثمانیہ) کے متعلق خود کر رہا ہوں کہ کس طرح انہیں تقویت ملے۔ آپ مجھ سے برابر خط و کتابت جاری رکھیں۔ راسخ کا تتمہ آخر آپ نے تحریر کر ہی دیا۔ مجھے اس کی بڑی خوشی ہوئی۔ مجھے اب اُس کے دیکھنے کا بیحد

اشتیاق ہے۔ آپ کے قلم سے جو نکلتا ہے میں اُسے دل سے پڑھتا ہوں۔

مجھے اتنی مہلت کہاں کہ اردو کا فرض دالی اسپیچ پر نظر ثانی کر کے اب اُسے شائع کر سکوں۔ کاپیاں اس کی بس مدرجہ تا ہے کہ ہمارے پاس بھی کوئی نسخہ اُس کا نہیں ہے! آپ کی خدمت میں کیا اور کیوں کر بھیجوں۔ دعا کیجئے کہ یا تو مجھے یہاں جلد اپنی صحیح جگہ مل جائے کہ میں مطمئن ہو کر کچھ کام کر سکوں یا یہاں سے گلو خلاصی ہی ہو جائے کہ عافیت کی زندگی نصیب ہو۔ خدا کرے آپ بخیر ہوں۔ والسلام

۲۰ر جنوری سنہ

خیال

عزیزی حسین مرزا سلمہ کہاں ہیں؟

بنام مہاراجہ کشن پرشاد

(۴)

مائی ڈیر مہاراجہ سر یمین السلطنت بہادر۔ عرض بندگی چاکرانہ۔ چند روز ہوئے کہ صاحبزادی سلمہا کی خیر علالت معلوم ہوئی تھی مگر فقیر کچھ اس وجہ عدیم الفرصت رہا کہ مزاج پرسی تک نہ کر سکا شکر کہ اب اس عزیزۂ حبیبہ کا مزاج درست ہے۔ خداوند عالم جناب والا کے یہاں ہر طرح خیریت رکھے آمین۔

کل فقیر کو جناب والا کے مزاج کے دوراز حال نادرست ہونے کی خبر معلوم ہوئی۔ شافی حقیقی جلد صحت عطا فرمائے۔ میں تو اس وجہ معذور ہوں کہ کچھ عرض نہیں کر سکتا۔ مگر مجبوری و معذوری فقیر پر خود جناب والا کی نظر ہوگی۔ اور عدم حاضری پر امید ہے کہ میں خطاوار نہ سمجھا جاؤں گا۔ خداوند عالم جناب کی ذات والا صفات کو تا دیر قائم رکھے۔ امیدوار ہوں کہ دو کلمۂ خیریت سے مطلع فرما کر اطمینان و آبرو بخشی جائے۔

زیادہ بندگی چاکرانہ ــــ

سیف آباد ۱۰ر فروری سنہ ۱۹۲۰ء

نیازمند و خادم ــ خیال

(سید نصیر حسین خاں)

بنام مہاراجہ کشن پرشاد

(۵)

مائی ڈیر مہاراجہ سر یمین السلطنت بہادر۔ عرض بندگی چاکرانہ ــــ فقیر حد درجہ خجل و شرمسار ہے کہ خدمت عالی میں اب تک عریضہ نگار ہونے کا موقعہ نہ مل سکا۔ کلکتہ آکر جناب عالی کی خادمہ سخت علیل ہوئیں اور ڈیڑھ ماہ تک صاحب فراش رہیں۔ خیر۔ اب وہ اچھی ہیں۔ اُن کی علالت کی وجہ سے سفر یورپ بھی ملتوی ہو گیا تھا مگر اب کہ الحمد للہ اطمینان ہے۔ ۲۱ر اگست کو انشاء اللہ بمبئی سے اس سفر کا قصد ہے اور فقیر خدا حافظی کرتا اور امیدوار دعا ہے اگر فرصت و موقعہ ملے تو خیریت مزاج عالی اور صاحبزادوں کی خیر و عافیت سے مطلع فرما کر شاد کام و سرفراز فرمایا جائے۔ یہ فقیر نیازمند جہاں اور جس حال میں رہے گا جناب عالی کے ان اشفاق کو فراموش نہیں کر سکتا جو اس کے حال پر مبذول رہے۔ اور کیا عرض کروں۔ خداوند عالم جناب عالی کی ذات والا صفات کو تا دیر قائم و برقرار رکھے

لہ نواب نصیر حسین خاں خیال حیدرآباد میں سر علی امام صدر اعظم کے سیکرٹری تھے۔ اور اس حیثیت سے مہاراجہ صابق وزیر اعظم سے ان کا موقع بموقع ملنا ناگزیر تھا۔

کہ اس ذات سے ہندستان کو وابستگی قوم کو عزت اور دکھن کو تقویت ہے۔ ظلکم معبود بوب الودود۔

۸ر اگست ۱۹۲۰ء　　عریضۂ ادب۔ نصیر

(۶)

بنام مہاراجہ سرکشن پرشاد

مائی ڈیر مہاراجہ سر سیمین السلطنت بہادر۔ عرض ہے کہ گئی چاکرانہ ——— ایک عرضہ دراز سے خیر و عافیت مزاج مبارک و عالی معلوم نہیں ہوئی۔ امیدوار ہوں کہ ازراہ شفقت بندگانہ دو کلمۂ خیریت ارشاد فرما کر سرفراز و ممتاز کیا جاؤں۔ زیارت و قدم بوسی کے اشتیاق کو کیا عرض کروں۔ اس اثنا میں اکثر شرف ملاقات و نیاز کا قصد ہوا کہ ایک مرتبہ پھر حیدرآباد حاضر ہو کر مشرف ہوں۔ مگر شومئی قسمت سے قاصر رہا۔ الحال اب تک قاصر ہوں۔ دیکھئے ایسا مبارک موقعہ پھر کب نصیب ہوتا اور جناب عالی کب یاد فرما کر فقیر کے دیرینہ اشتیاق کو پورا فرماتے ہیں۔

زیادہ ظلکم معبود بوب الودود۔

۲۲ر جولائی ۲۵ء　　عریضۂ ناچیز خیال

(۷)

بنام سید مسعود حسن رضوی ادیب

مکرم و محترم۔ خدا کرے آپ مع الخیر سفر سے واپس آگئے ہوں۔ جادو کے وہ دو نمبر جن میں مصرع پانچویں پشت کے متعلق بحث ہے، حسب فرمائش بھیجتا ہوں۔ اس سلسلے کا پہلا خط ملاحظہ کر کے دوسرا مطالعہ کیا جائے افسوس کہ شروانی صاحب کا جواب یہاں موجود نہیں۔ اُسے دیکھے بغیر جواب الجواب کے ملاحظہ میں مزہ نہ آئے گا۔ مگر خیر ان کے خط کے بعض اقتباس کچھ مدد دیں گے۔ شروانی صاحب نے طولِ کلام کے علاوہ چونکہ اپنے جواب میں ذرا شوخیِ تحریر سے کام لیا تھا اس لئے جواب الجواب میں اُن کے لب و لہجہ کی تقلید کی گئی تاکہ اُن پر، ور روشن ہو جائے کہ دوسروں کو بھی بولنا اور منہ چڑانا نہیں، بلکہ کچھ آنا آتا ہے۔ اتنی زیادتی محض اُن کے تخاطب کے انداز سے ہو گئی جس کا مجھے افسوس ہے۔ خیر۔ اب اِن دونوں خطوں کو آپ ملاحظہ کر جائیں۔ اِس سے بڑھ کر مجھے اور کیا خوشی ہو سکتی ہے کہ آپ کا سا شخص بھی اِن چیزوں کو دیکھے۔

آج شام کو اگر آپ مکان میں رہیں تو سرِ شام سات بجے تک میں آؤں۔ جناب آرزو سے ملنے کی آرزو بھی پوری ہو جائے گی۔

لکھنو ۱۸ر مئی ۱۹۳۱ء　　دعاگو خیال

(۸)

بنام سید مسعود حسن رضوی ادیب

مکرم و محترم۔ شب کو نواب محبت خاں کا ذکر آیا تھا۔ ان کے متعلق تاسی نے جو لکھا ہے اس کا ترجمہ حاضر کرتا ہوں۔ مثنوی اسرارِ محبت کا ذکر بھی ہے۔ شاید یہ نوٹ آپ کو کچھ مدد دے۔ آپ سے ملنے کو تو بہت دل چاہتا ہے، مگر جب جاتا ہوں نحوست طالعی ہو جاتی ہے اور آپ کی تکلیف کا خیال پیر کی زنجیر بن جاتا ہے۔ ۱۹ر مئی ۱۹۳۱ء　　خیال۔

بنام سید مسعود حسن رضوی ادیب　　(۹)

مکرم و محترم۔ بھیجئے دواور تذکرے آپ کے ہمزبان نکلے۔ لطف کا بیان اس لئے اور پُر لطف ہے کہ محبت خان اُن کے یار تھے۔ انہوں نے اسرار محبت کو سستی پنوں کا قصہ کہہ کر اس حکایت کو اور صاف کر دیا۔ اب مزید تائید کی ضرورت نہیں۔ خط بند کیا جائے کہ وہ جلد شائع ہو جائے۔

کل کے حقیقت میں ایک لکھنوی صاحب کا ایک سلام سامان ہو گئے، شاداں ہو گئے، فقرہ پڑا اس میں ایک شعر ہے ؎

نام پوچھا جب تو لوگوں نے کہا ہے کربلا　　شاہِ یثرب یہ سخن سنتے ہی گریاں ہو گئے

ہماری نظر میں یہ 'گریاں ہو گئے' لکھنوی نہیں۔ یہ جگر 'ہوئے' کی ہے۔ شاہ گریاں ہوئے نہ کہ ہو گئے۔ جناب آمنہ سے بھی اسے پوچھنا چاہئے۔ جو وہ فرمائیں وہ سند۔

آپ شام کو مکان پر رہیں تو سوا سات تک آسکتا ہوں۔

لکھنؤ ۲۰ مئی ۳۱ء چہارشنبہ　　خیال

بنام پروفیسر محمد مسلم صاحب پٹنہ　　(۱۰)

عزیز مکرم۔ سلام و نیاز۔ داستان امیر کا ایک باب مغل اور اُردو بھیجا جاتا ہے۔ اس کے مطالعہ کے بعد قلم و زبان سے اس کی 'قصیدہ خوانی' کی چنداں ضرورت نہیں۔ ضرورت اور اردو کی بڑی خدمت یہ ہے کہ بہار میں اس کی کافی شہرت ہو اور وہاں اس کی خاطر خواہ اشاعت کی جائے۔ اس کے علاوہ یہ چیز جب تک وہاں کے اسکولوں میں رائج نہ ہو گی۔ بہار کا مذاق اس طرح جلد درست نہیں ہو سکتا ایک عرصہ سے جس کی آپ فکر کر رہے ہیں۔ عزیز میں کچھ نہیں جانتا یہ چیز آپ کی ہے اور اس کے پبلشر صاحب جنہوں نے اس کی اشاعت میں کمال محنت و صرف سے کام لیا ہے، آپ کے بھائی یعنی بہاری ہیں اس۔ لئے ان کا خیال و لحاظ کیجئے اور اپنے تدبر و اثر سے پٹنہ یونیورسٹی تک اسے پہنچا کر وہاں کی درسگاہوں میں اسے داخل کرا دیجئے۔ خدا کرے آپ مع الخیر ہوں۔ جواب جلد دیجئے۔ والسلام مع الاکرام

کلکتہ ۱۲ رجون ۳۳ء　　دعاگو۔ خیال

جالبؔ دہلوی

(۱)

حسن بادہروی

مشفق مشفیق بدل، فیق مدالطافکم!

تسلیم نیاز۔ مزاج وہاج!

عنایت نامہ ۸ ماہ حال کو شرف صدور لاکر موجب ابتہاج ہوا تھا اور حسب دستور ۱۰ کو میں نے جواب لکھنے کا ارادہ کر لیا تھا مگر طبیعت کے یکایک بگڑ جانے اور ایک خطرناک مرض کے نمودار ہونے سے معذور رہا اور آپ کو کیا کسی کو بھی جواب نہ دے سکا۔ ۵، ۶ دن صاحب فراش رہا۔ سابقہ نیا نئے سامانوں میں کسلمندیٔ مزاج کی شکایت تو میں نے کی ہی تھی مگر خدانخواستہ کوئی مہلک حالت نہ تھی۔ صرف کام پر جی نہ لگتا تھا اور مزاج ہر وقت مکدر دماغ منتشر رہتا تھا۔ بعض طبابت پیشہ احباب سے مشورہ لیا تو انہوں نے بعد مسہل مفرحات کا استعمال تجویز کیا مگر مسہل میں مجھے تامل تھا۔ اس لئے کہ گو یہاں بارش نہیں ہوئی اور دن معمولی گرمیوں کے سے گذر رہے ہیں تاہم فصل باراں ہونے کے باعث خبر نہیں کس وقت مینہ برسنے لگے۔ مسہل اس سودت میں سخت مضر پڑتا ہے اور اس کا بگاڑ برسوں باصلاح پذیر نہیں ہونے پاتا۔ نظر بریں میں نے کام کو خیر باد کہا اور صبح اٹھ کر معمولی بازاری شربتوں کے استعمال کو کافی سمجھا۔ اوس سے بھلا کیا تسکین ہوتی۔ گھڑی دو گھڑی کے لئے کلیجہ اندر ٹھنڈا ہو جاتا تھا۔ طبیعت کو قوی تصفیہ کی ضرورت تھی اور جب کامل تین ہفتے میں نے اوس کے تقاضے پر توجہ نہ کی تو اوس نے علاج اپنے ہی ہاتھ میں لے لیا۔ اس طرح کہ ہفتے کی شام کو جو میں بازار گیا تو اپنی رغبت سے ملتان کی کھجوریں جو نہایت ذائقہ دار ہوتی ہیں اور لاہور رام تسرے شیرہ زیادہ ہونے کے سبب سے آگے نہیں جانے پاتیں، خرید کر کھائیں۔ ان کی تاثیر بے حد گرم اور چکھنا تا قابل ہضم، اوس پر ایک فاضل دوست کے اصرار سے بڑا پیالہ فالودہ کا پی لیا۔ فالودہ یہاں کی خاص چیز ہے۔ شاید تم نے بھی پیا ہو۔ عجیب مزا رکھتا ہے۔ بالائی، دودھ، برف، شیرہ بہت سی چیزیں ڈالتے ہیں جس سے اوس میں کسی قدر ہم شربت و ہم غذا کی کیفیت آجاتی ہے۔ کھجوریں گرم، فالودہ ٹھنڈا، مگر اسی پر اکتفا نہ کی۔ اونہی صاحب کے یہاں کھانا کھایا جس میں شوربہ کی روٹی اور بازار کا چربی چپڑا ہوا سالن تھا۔ چاول، مٹھائی موجود تھی مگر مجھے رغبت نہیں۔ فالودہ ہنوز پیٹ میں موجود تھا کہ روٹی سالن میں بھیگی ہوئی پہنچی۔ پانی میں ہمیشہ زیادہ پیتا ہوں۔ نکتے پڑھتے، بولتے

ہر وقت گلاس بھرا سامنے دھرا رہتا ہے۔ اوس وقت گرمی کی زیادہ شکایت ہونے کے باعث گھر پر اگر بھی پانی پیا اور ایک مباحثہ میں پھنس کر دو بجے تک جاگنا بھی رہا۔ مگر طبیعت پر ذرا بھی گرانی نہ تھی۔ عارضۂ ذیابیطس کے باعث رات کو نیند میں بار بار خلل آتا ہے اور پیشاب کرنے کے لئے اوٹھتا ہوں مگر اوس روز آنکھ نہ کھلی۔ کیونکہ پانی اوس وقت نہ پہنچا تھا، معدہ میں فساد کر رہا تھا صبح کو یکایک آنکھ کھلی تو طبیعت برہم اور اجابت کی سخت ضرورت محسوس ہوئی۔ حقہ تک نہ پیئے پایا۔ جائے ضرور گیا تو اتنا لمبا دست آیا کہ ہوش اوڑ گئے۔ اوس میں وہ کھجوروں کے چھلکے، فالودہ کے ٹکڑے اور دال کے دانے بجنسہٖ موجود۔ فارغ ہو کر آیا تو پیٹ میں قراقر اور پیچ، اسی حالت میں آنکھ لگ گئی۔ سات بجے اوٹھا تو پھر ضرورت ہوئی اور ویسا ہی دست آیا۔ پھر تو تار بندھ گیا۔ بخار، درد سر، اعضا شکنی سب موجود ہو گئے اور حالت بگڑنے لگی۔ آپ جانئے پردیس اور بیکاری اوس پر بیماری اور ایسی خطرناک بیماری اس نے طبیعت کو اور بھی گھبرا دیا۔ سخت اندیشہ ہوا۔ بہ تجویز خود سکنجبین و گلاب پیا اور برف منگوا کر ڈلیاں منہ میں رکھنے لگا تشنگی زیادہ تھی۔ مالک رفاہ عام پریس بیچارے وطن جا رہے تھے، میری کیفیت سن کر مضطربانہ آئے اور کمال مشوش ہوئے۔ کافور، جوہر الائچی، تیزاب گندھک کی دو خوراکیں بھیجیں۔ دست برابر آتے رہے اور شام ہوتے ہوتے اتنا ضعف ہو گیا کہ پاخانہ تک جانا دشوار تھا۔ رات کو ایک حکیم صاحب کو بلایا۔ اونہوں نے بند کرنے کی صلاح نہ دی بلکہ شربت درد و شربت بنفشہ قوی کے استعمال سے مادہ کو اخراج میں مدد دینی چاہی۔ میں نے اون کی مجوزہ مقدار سے نصف شربت استعمال کئے۔ سوتے سوتے ایک دست آیا۔ بارے آنکھ لگ گئی۔ رات کے دو بجے کے قریب بارش نے جگایا۔ اوس وقت بھی احتیاج ہوئی مگر اس قدر محسوس ہو گیا تھا کہ کھجوروں کے چھلکے اور دانے نہیں نکلتے۔ صبح کو پھر سلسلہ شروع ہوا۔ اب میں بالکل بیحال ہو گیا تھا۔ گو درد سر و بخار نہ تھا مگر کمر میں بہ شدت درد معلوم ہونے لگا۔ ناچار اون حکیم صاحب کو اطلاع دلوائی کہ اب نیم ہضم غذا خارج نہیں ہوتی بلکہ مواد کی مقدار برائے نام رہ گئی ہے، اسہال بند کیجئے۔ اونہوں نے کہلا بھیجا کہ میری تو رائے نہیں لیکن اگر تم مصر ہو تو یہ دوائیں استعمال کرلو۔ تین پڑیاں بھی بھیجیں۔ میں نے اللہ کا نام لے کر شربت کے ساتھ اونہیں شروع کیا۔ خدا خدا کر کے دو بجے کے بعد اسہال موقوف ہوئے۔ چوتھے وقت شوربے میں بھگو کر پھلکا کھایا۔ ایسی نیند آئی اور غفلت طاری ہوئی جیسے کوئی نشے میں ہو۔ واقعی رزق بھی عجیب چیز ہے۔ آدمی ہان کا کیڑا ہے۔ میری اس سے بدتر حالت دہلی، میرٹھ، لکھنؤ میں ہوئی مگر وہاں تیمارداری ضرورت سے زائد کی جاتی تھی۔ معالج بہتر سے بہتر موجود تھے جس سے طبیعت قوی رہتی تھی یہاں بس اللہ کی ذات اور میں۔ خرچ بھی اتنا وافر نہیں کہ کسی نامی ڈاکٹر یا طبیب کو بلا لیا جائے۔ خیر دست تو بند ہو گئے مگر حکیم صاحب کی رائے درست تھی طبیعت کا قرار حاقی لقیضہ نہ ہوا تھا۔ چنانچہ گرانی موجود رہی۔ اجابت بند ہوئی تو ایسی کہ ۳ دن تک پتہ نہیں۔ ناتوانی کا بیحد زور ہو گیا تھا۔ دوسرے روز سے اونہوں نے گلقند بورق نقرہ و طلاء آمیختہ کھلانا شروع کیا۔ اب تک علاج جاری ہے مگر طبیعت زور پکڑ گئی ہے۔ کام پر جی بھی لگتا ہے۔ پہلی سی گرانی سر بھی نہیں۔ ہاں جو شکایات قدیم و مزمنہ ہو چکی ہیں وہ دور نہیں ہوتیں۔ دراصل مجھے ایک مستقل علاج کی ضرورت ہے جو مہینوں جاری رہے۔ گذشتہ چار پانچ سال میں بے روزگاری و پریشان حالی نے کہیں کا نہ رکھا۔ خدا کام کی نہ ہی۔ کسی بات کا ٹھیک نہ رہا۔ تمام دستور العمل ٹوٹ گئے۔ جناب حکیم حاذق الملک مرحوم نے ۱۹۱۹ء میں فرمایا تھا کہ تمہارا علاج ڈیڑھ ماہ کا عرصہ لے گا۔ مجھے اتنے دن دہلی میں رہنے کا اعتماد نہ تھا۔ گو چار مہینے رہا مگر ہر ہفتے جانے کے لئے تیار

سمجھتا تھا۔ ۱۹۰۰ء میں دوبارہ مشورہ لینے پر دو ماہ کی میعاد لگائی اور آغاز ۱۹۰۱ء میں ایک چلّہ اور ایک ہفتہ فرمایا۔ اب ایک سال اور گذرا۔ ظاہر ہے کہ ڈھائی ماہ ہونے چاہئیں۔ میں نے ارادہ بھی کیا تھا کہ اب کے جی لگا کے علاج کروں گا تاکہ ہر وقت کی خلش سے نجات مل جائے مگر بے روزگاری اور اداس کے لازمی نتیجہ تنگدستی میں وہ اطمینان جو علاج کے لئے درکار ہے میسر نہیں آسکتا۔ دیکھئے کیا منظور الٰہی ہے۔ بعض اوقات تو ایسا جی گھبراتا ہے کہ کہیں نکل جاؤں۔ ملازمتیں ملتی ہیں مگر تنخواہ کم۔ اس پر بھی صبر کیا جائے تو پابندی ۵ گھنٹے کی، جس کیلئے میں موجودہ مخدوش حالت ضعف میں قابل نہیں۔ تالیف، تصنیف کے کام بکثرت ملتے ہیں مگر طبیعت آمادہ نہیں ہوتی۔ اپنے ذاتی اخبار کے اجرا کا بندوبست کر رہا تھا مگر جو صاحب شریک ہوتے تھے وہ فرماتے ہیں تم ملازمت کرلو جس میں ترقی اشاعت کے ساتھ تنخواہ میں اضافہ ہوتا جائے۔ اس کے لئے وہ معاہدہ مسودہ لکھنا چاہتے ہیں جس میں مجھے اس لئے تامل ہے کہ جس سرکاری ملازمت پر منشی کے لئے میں نے تین سال اور ۵۰۰ روپے ضائع کئے، اوس کے تو میر منشی ملنے کی بفضل الٰہی امید ہے۔ اوس وقت میں چلا جاؤں گا۔ معاہدہ تحریر ہوگیا تو سدِّ راہ ہوگا۔ ایک اور صاحب اجرا اخبار میں شریک ہوتے ہیں مگر وہ ہندو ہیں۔ گو بظاہر تمام اختیارات میرے سپرد کرنے کو تیار ہیں تاہم امید نہیں کہ اون کی مالکیت سے اخبار کے کام متاثر نہ ہوں اس لئے طبیعت ہچکچاتی ہے۔ غرض اس قسم کی کشمکش و پیچ میں مبتلا ہوں جن سے بقول آپ کے خدا ہی نکالے تو نکلوں۔

"آزاد پنچ" جس شخص نے جاری کیا ہے وہ میرے مالکِ کُل مطابع میں کاتب رہ چکا ہے۔ لیاقت مستعدانہ نہیں، مگر طبیعت اچھی پائی ہے۔ مجھ سے وہ خود فائلیں لے گیا ہے اور اودھ پنچ اور اودھ اخبار، ریاض کے پرچے بھی۔ سلسلہ وہ کبھی کا شروع کر دیتا مگر ایک حکیم صاحب کے برخلاف کئی مضمون لکھے تھے اونہوں نے ناقص کر دی۔ ہے یا کرنے والے ہیں۔ اوس کی اودھ پنچ میں لگا ہوا ہے۔ اور کیسے میں نے تو لکھا تھا کہ ۱۱ تاریخ کا پرچہ پہنچے گا۔ نہ معلوم کہاں ہیں اگر پتہ معلوم ہو تو مجھے لکھ بھیجئے اور سُنا ہے عزیز مارہروی نے اپنا تخلص بدل کر طلسم یا طلسمش رکھا ہے، اگر یہ صحیح ہو تو مجھے اون کا پتہ لکھنا اور اون سے میرا سلام کہہ دینا۔

"معیار الانشا" کے لئے حضرت سائل کو ابھی ایک کارڈ لکھا ہے۔ خدا کرے پرچے بھیج دیں۔ یہ بھی میں نے لکھا ہے کہ قبل از اشاعت مضامین تردید میں مجھ سے مشورہ کر لیا جائے۔ دیکھئے مانتے ہیں یا نہیں۔ زیادہ نیاز! جواب جلدی لکھئے گا۔

ادھر سے بھی عافیت ہے۔ فقط!

آپ کا خادم و ہوا خواہ: جالب دہلوی ایڈیٹر، مکان منشی احمد حسین
مصحح رفاہِ عام پریس، متصل بنری اسٹیٹ، لاہور۔ ۱۷ اگست ۱۹۰۲ء یکشنبہ صباح

---

(۲)

بنام احسن مارہروی

یادآزمائے جالب مدّاشفائکم! تسلیم نیاز۔ مزاج وہاج!

آپ کو اپنے گرامی نامہ مورخہ ۲۹ اکتوبر کا جواب نہ ملنے پر حیرت ہوگی اور عجب نہیں جو میری سہل انگاری پر غصّہ بھی آگیا ہو لیکن جو حالت ان ایام میں مجھ پر اور میری ذات سے وابستہ ہونے کے باعث آپ کے خط پر گذر گئی وہ آپ کے خیال میں بھی نہ آئی ہوگی ورنہ ضرور مجھے قابلِ ہمدردی اور عدم ترسیل جواب کو لائقِ معافی قرار دیتے۔ بھلا سنئے۔ میں نے شاید آپ کو تحریر کیا تھا کہ

ایک معقول سرکاری ملازمت کی کوشش نے مجھے چار سال تک اخباری دنیا سے خارج اور طرح طرح کے مصائب و آلام کا تختۂ مشق بنائے رکھا۔ اب بھی اوس کی امید ہے اور وہی امید اخبار کے معاملہ میں کسی کا پابند نہیں ہونے دیتی۔ ریوازگزٹ کا ڈیکلریشن داخل کیا۔ ٹریڈ معاہدہ طے کر لیں، کام بھی شروع کر دیا مگر کاغذ معاہدہ پر دستخط نہیں کئے بلکہ برابر ٹالتا رہا کیونکہ اوس آسامی پر مقرر ہونے کا وقت قریب آتا جاتا تھا۔ ۱۰ اکتوبر کو ہز آنر صاحب لیفٹیننٹ گورنر کی چٹھی دربارہ اجازت نامہ وصول ہوئی اور حکیم صاحب نے ۱۲ سے کام کرنے کا حکم دیا۔ اوسی روز شوخ عظیم آبادی، ابن علی مراد آبادی اور محمد صدیق امرتسری ندوہ کے جلسہ سے فارغ ہو کر لاہور آئے اور میرے ہاں ٹھہرے۔ اون کی وجہ سے دو ایک روز کام ملتوی رہا۔ اسی اثنا میں جنرل صاحب کے ہیڈ کلرک کی چٹھی منصوری سے بدیں مضمون آئی کہ فوراً میرٹھ جاؤ۔ جہاں نئی پلٹن ۱۰ کو آنے والی ہے اوس میں رفل کا موجودہ منشی بھیجا جائے گا اور تم کو اوس کی جگہ ملے گی۔ رفل بغرض شرکت جنگ مصنوعی ۲۰ کو انبالہ جانے کے لئے میرٹھ چھوڑے گی اور غالباً تم کو ساتھ لیجانا چاہے گی۔ اس پر میں نے چلنے کا سامان کیا۔ والد ماجد بھی سخت علیل تھے۔ اون کی علالت اور میرے دہلی پہنچنے کی تاکید کے خطوط برابر چلے آتے تھے۔ اونہی کو دیکھا کر میں نے حکیم صاحب سے دو ہفتہ کی رخصت لی اور ۱۸ کو لاہور سے روانہ ہو کر دوسرے دن علی الصباح بیندھ پہنچا وہاں ۲۴ گھنٹہ ٹھہر کر ۱۹ کو دہلی آ گیا۔ والد ماجد کی حالت بڑی سقیم پائی۔ پہلے آنکھ میں درد ہوا جس نے چند گھنٹہ میں نصف سر، کنپٹی، رخسار کو گھیر لیا اور ایک رات گذرنے کے بعد بتاشے بتاشے برابر سارے سر، پیشانی، رخسار پر نمودار ہو گئے جن کی سوزش ہر وقت مضطرب رکھتی تھی۔ حکما نے نیشتری کی کوشش کی مگر آبلے نہ بیٹھے اور درد بڑھتا گیا۔ جان پر بن گئی۔ آخر آبلوں کو کاٹ کر پانی نکال دیا گیا اور لگانے پلانے کی ادویہ سے مادہ کا ازالہ کیا گیا۔ جب یہ تدبیر راست نہ آئی تو مسہلوں کی ٹھہری۔ ۷ مسہل علی التواتر ہوئے جنہوں نے رہا سہا مست نکال لیا۔ درد ہلکا پڑا مگر بالکل دور نہ ہونے پایا۔ اس حالت میں جا کر میں نے دیکھا اور فوراً ڈاکٹری علاج شروع کیا۔ اوس سے قدرے افاقہ ہوا تھا کہ میرٹھ سے بھی طلبی کا پیام بذریعہ تار برقی پہنچا اور میں ۲۵ کو یہاں چلا آیا۔ حکم تقرر کا ۲۲ کو پلٹن میں پہنچ گیا تھا جس کا یہ مضمون تھا کہ نئی پلٹن کے آنے پر موجودہ منشی کا تبادلہ اور میرا تقرر عمل میں آئے۔ پلٹن جانے والی تھی۔ اونہوں نے میری فوری تقرر کی کوشش کی مگر جنرل صاحب نے اوسی حکم کو شائع کر دیا اور تقرر پلٹن کے آنے پر موقوف رکھا۔ خیر چند روز کی بات تھی میں پلٹن کے ساتھ حسب الارشاد کرنل صاحب چلا گیا۔ مفلسی، تنگدستی اور پیدل کا سفر۔ جتنی زحمت اوٹھائی بس اللہ کو خوب معلوم ہے مگر سب گوارا تھی اس خوش قسمتی میں کہ آقا مل گئی ہے۔ اب دو تین ماہ کے بعد حالت درست ہو جائے گی۔ ولد در دور عسرت کا فور ہو گی۔ تمہارا خط اور اشتہاروں کا پیکٹ مجھے لاہور، میرٹھ اور کئی پڑاؤں سے ہو کر بڈھل میں ملا تھا۔ جواب میں دو ایک روز میں دے دیتا مگر وہ ساری طمانیت خاک میں مل گئی۔ فلک سفلہ پرور کو میرے اطمینان و خوشحالی پر حسد ہوا اور ایک ہی ہفتہ بعد وہ حکم منسوخ کرا دیا پیپلی کے پڑاؤ پر مجھے خبر پہنچی۔ گویا بجلی گری۔ ہوش جاتے رہے۔ بصد دقت انبالہ پہنچا۔ وہاں اصلی سبب تنسیخ حکم کا معلوم ہوا کہ نئی مال پر جو فوجی لاٹ صاحب رہتے ہیں اونہوں نے نئی پلٹن کے لئے تمام دیسی ملازم کانپور سے بھیج دئے جہاں وہ ایک اور پلٹن کے لئے بیٹھے ہوئے تھے۔ موجودہ منشی کا تبادلہ رہ گیا پھر میرا تقرر کس جگہ پر ہوتا۔ انبالہ سے مظفر نگر ہوتا ہوا میرٹھ آیا۔ مظفر نگر میں ایک صاحب سے ملنے کی توقع تھی جن سے چھوٹے دو برس گذرے۔ وہ بھی نہ ملے اور مجھے صدمہ پر صدمہ ہوا۔ یہاں آنے پر بھی جی نہ بہلا۔ کیونکہ عشرت مع اپنی والدہ کے دہلی گیا ہوا ہے اور والد بدستور علیل ہیں۔ بھاوج کو فالج مار گیا۔ ادھر بیماری ادھر بیکاری، کس کس آفت کو بھگتا جائے۔ لاہور کا روزگار بھی بظاہر گیا گذرا کیونکہ

یکم کو مجھے پہنچنا چاہیئے تھا۔ دوسرے دن کو میرے نہ پہنچنے کی خبر بھی پہنچ گئی جس پر سخت غصہ آیا ہوگا۔ انبالہ سے میں نے معذرت آمیز خط لکھا جس کا جواب نہیں ملا۔ اب وہ حالت ہوئی کہ از من سوختہ و از آں سوختہ۔ نہ تمنا ہی ملائمہ وصال صنم.... الخ۔ مجھے جس قدر اس کا صدمہ ہے وہ بیان نہیں کر سکتا۔ شاید کسی عزیز کے مرنے کا بھی نہ ہوتا اور نہ مدت العمر ہوتا۔ تمام امیدیں بیوی کو اور دین، عیال اطفال، دوست احباب کی خاک میں مل گئیں۔ کیا کروں کیا نہ کروں۔ کچھ نہیں سوجھتا۔ دیکھئے کب تک یہ صورت رہے اور کوئی دوسری شکل ملازمت کی نکلے۔ گو میری عرضی پر سوں واپس آگئی مگر اس آسامی کے ملنے کی امید بھی ہنوز قطع نہیں ہوئی۔ اس لئے کہیں جا نہیں سکتا۔ دعا کرو کہ امید ان افکار و آلام سے نجات دے۔ مجھے کھانا پینا، سونا، بیٹھنا کچھ اچھا معلوم نہیں ہوتا نہ کسی بات میں جی لگتا ہے۔ تمہاری غزلیں پڑھیں۔ ماشاء اللہ کیا رنگ پر ہے۔ صحبت اور ستادہ کی تاثیر ہے۔ ہم کو بھی۔ اللہ نصیب کرے پہلی فرصت باغ سخن میں بھی دیکھی۔ وفا سے ملنا ہوا۔ مجھے وفا اور باغ سخن کے متعلق بہت کچھ کہنا ہے۔ اشتہارات کچھ انبالہ میں لگا سکے کچھ منظر نگر میں شائع کرائے اور باقی یہاں تقسیم کرا دوں گا۔ جواب جلدی لکھنا اب میری طرف سے دیر نہ ہوگی۔ طیش وغیرہم کو سلام شوق۔ مجھے بعض امور میں تمہارے مشورہ کی ضرورت ہے اس لئے جواب جلدی آنا چاہیئے حضرت اوستاد کیسے ہیں۔ فقط!

جالب دہلوی۔ میرٹھ کیمپ۔ اول کرتی ۱۳ نومبر ۱۹۴۷ء جمعہ قبل دوپہر۔

---

(۳)

بنام مولانا شاہ حسین بیاں صاحبؒ

حمد و ہی و مکرمی!

السلام علیکم۔ مجھے دس بارہ روز قبل آپ کا ایک خط ملا تھا جس میں آپ نے ہمدم میں بعض تاروں اور مضامین کے شائع ہونے کا حوالہ دیا تھا۔ میں گذشتہ سوا دو سال سے اس قدر پریشانیوں میں مبتلا ہوں کہ تین مہینے بھی مسلسل اخبار میں کام کرنے کا مجھے موقعہ نہیں ملا۔ امسال ۶ مئی کو عید کے روز میں ایک ماہ اسپتال میں مقیم رہ کر اور دو مرتبہ ایک خطرناک تکلیف دہ آپریشن برداشت کر کے مکان پر واپس آیا تو شیخ شاہد حسین مرحوم سے بعض امور میں اختلاف ہوا۔ میں نے استعفاء پیش کیا جس کو انہوں نے منظور نہ فرمایا اور مجھے ہر طرح کا اطمینان دلا کر اور اپنی معاودت پر ہمدم کے لئے مناسب انتظامات کرنے کا وعدہ فرما کر وہ لاہور تشریف لے گئے۔ یہاں سے واپس آتے ہوئے شملہ پر چلے گئے۔ وہاں یکایک ان کا وقت موعود آپہنچا اور بجائے ان کے ان کی لاش ۳۰ مئی کو یہاں آئی۔ اس وقت ہمدم کی حالت بہت خستہ و شکستہ تھی۔ میں نے اس کے قائم رکھنے کی جد و جہد کی مگر بعض وراثتے مرحوم کی طرف سے عجیب خود غرضانہ طریق عمل کا اظہار ہوا جس کا سلسلہ آج تک جاری ہے۔ خیر خدا خدا کر کے ہمدم کے قائم رکھنے کی کچھ فکر کی گئی۔ مگر ابھی تک اس کے معاملات کا پورا تصفیہ نہیں ہوا۔ ماہ جون کے اواخر میں مجھے بغرض اوائے شہادت اجمیر جانا پڑا اور راستے راہ میں دہلی و آگرہ و دیگر کاموں کی غرض سے قیام کرنا پڑا۔ جولائی میں پھر علی گڈھ و آگرہ کا سفر پیش آیا۔ اگست میں مولانا محمد علی صاحب کے لئے مشینیں و دیگر سامان پریس خریدنے دہلی گیا اور اپنے بھی وہاں منتقل ہونے کا انتظام کیا مگر اس کے بعد ہی ایسے واقعات پیش آئے کہ لوگوں کو ہمدم کی ضرورت پہلے سے زیادہ محسوس ہوئی اور مجھے اس کو قائم رکھنے کے لئے لکھنؤ میں مقیم رہنے پر مجبور کیا گیا۔ ۱۴ ستمبر کو لکھنؤ میں ہندو مسلمانوں کا ہولناک فساد شروع ہوا اور کئی روز تک گلیوں کے اندر خونریزی جاری رہی۔ مجھے ان ایام میں خاص طور پر محنت کرنی پڑی اور اخبار

خدائض کی ادائیگی کے ساتھ مقامی معاملات میں بھی حصہ لینا پڑا۔ اس کے بعد مصالحتی کانفرنس دہلی میں جانا پڑا جہاں سے سیلاب کی وجہ سے لائنیں ٹوٹ جانے کے باعث گیارہ دن بعد واپسی ہوئی۔ اس دوران میں والدہ عشرت کی حالت بہت خراب ہوگئی جس کو میں بیمار چھوڑ گیا تھا۔ انہیں یہاں عشرت کی [redacted] کے وقت سے بعض شکایات لاحق ہوگئی تھیں جو آہستہ آہستہ بڑھتی رہیں۔ اب گیارہ سال سے ان کو بڑی تکلیف تھی اور ہمیشہ علاج جاری رہتا تھا۔ ڈاکٹروں حکیموں نے پیڑو میں نازک مقامات پر رسولی پیدا ہوجانے کی رائے لگائی جس کی وجہ سے اب جسم میں خون پیدا نہ ہوتا تھا اور جو پیدا ہوتا تھا وہ ضائع ہوجاتا تھا۔ اس کے لئے آپریشن کی ضرورت تھی جس پر وہ رضامند نہ ہوتی تھیں اور لیڈی ڈاکٹروں سے بھی خوف کرتی تھیں۔ اب جبکہ ان کی حالت بہت خراب ہوگئی تو بمشکل ان کو رضامند کیا گیا اور میں نے ان کی خالہ صاحبہ کو (جنہوں نے ان کو پالا ہے) میرٹھ سے اور اپنی بہن کو دہلی سے بلایا۔ ۱۵ اکتوبر کو میں انہیں لے کر ہسپتال آیا اور اب تک یہیں مقیم ہوں۔ ابتدا میں دو گھنٹے کے لئے دفتر جاتا تھا، اب کچھ زیادہ وقت گذارتا ہوں اور مضامین یہاں بھی لکھتا ہوں لیکن اخبار کے تمام صیغوں پر توجہ نہیں کرسکتا۔ ۱۷ اکتوبر کو ان کا آپریشن ہوگیا ہے اور اب خدا کے فضل سے ایسی حالت ہے کہ انشاء اللہ چند روز میں گھر واپس جانے کی اجازت مل جائے گی۔ اس وقت شاید میں کافی توجہ اپنے کام پر کرسکوں گا۔ مجھے ہمدرد کے دوبارہ اجرا میں مولانا محمد علی صاحب کو مدد دینی چاہئے تھی مگر افسوس ہے کہ اس کا موقع نہیں ملا میں ان سے بہت شرمندہ ہوں لیکن ملک و قوم کے لئے جہاں میری ناچیز خدمات درکار ہوں وہیں مجھے موجود رہنا چاہئے۔

میں نے آپ کا قیمتی وقت اپنی پرائیویٹ مشکلات کی تفصیل سے ضائع کیا ہے اس کی معافی مانگتا ہوں اور آپ کو اس کا یقین دلانا چاہتا ہوں کہ ہمدم میں اگر کچھ ایسی تحریریں شائع ہوئی ہیں جن سے خدانخواستہ آپ کو رنج پہنچا تو یہ میری لاعلمی میں ہوا ہے اور مجھے اس کا بیحد افسوس ہے۔ میں حضرت قاری شاہ سلیمان صاحب کا دیرینہ معتقد اور ایک پرانا خدمتگذار ہوں اور ہرگز ان کی یا آپ کی ذات کے متعلق ایسی باتوں کی اشاعت روا نہیں رکھ سکتا۔ مجھے ابھی تک یہ دیکھنے کا موقع بھی نہیں ملا کہ تاروں اور مضمونوں میں کیا درج ہوا۔ مجھے آپ کو یہ یقین دلانے کی ضرورت نہیں ہے کہ جب تک ہمدم میرے ہاتھ میں ہے وہ ریکارڈ ترغیبات سے بالاتر رہے گا مجھے عمر بھر رنج رہے گا اگر یہ معلوم ہوا کہ خدانخواستہ جناب قاری صاحب کو بھی اس زمانے میں ہمدم سے کوئی شکایت پیدا ہوئی ہے۔ آپ ان کی خدمت میں میری طرف سے آداب عرض کریں اور کفارۂ یمین کے لئے جو کچھ آپ کی رائے میں ہونا چاہئے اس سے مطلع فرمائیں خواہ مضمون آپکی طرف سے آئیں یا میں اپنی طرف سے لکھ دوں۔

آپ کا ہوا خواہ دلی: سید جالب دہلوی از کمرہ نمبر ۱ پرائیویٹ وارڈ
بلا امپور ہسپتال لکھنؤ روز پنجشنبہ ۱۶ نومبر ۱۹۲۴ء

---

(۴)

بنام مولوی سید الطاف صاحب بریلوی

عزیزی و محبی!

السلام علیکم۔ آپ کا خط کرنال سے واپسی پر مجھے ملا۔ مراسلات جو آپ نے اس کے ساتھ بھیجے تھے وہ اخبار میں درج ہو چکے تھے۔ جو اور مراسلتیں بعد میں آئی ہیں وہ بھی دے دی گئی ہیں۔ ایک آج نکل رہی ہے اور دوسری کل شائع ہوگی۔ مجھے

یہ معلوم کرکے اطمینان ہوا کہ آپ نے اپنی انجمن کی طرف سے مسلمانوں کے بچوں کو تعلیم میں داخل کرانے کا کام بعض محلوں میں شروع کر دیا ہے۔ میں اس وقت بھی تعلیم کو مسلمانوں کے لئے اہم ترین مسئلہ سمجھتا ہوں اور اس کی سخت ضرورت محسوس کرتا ہوں کہ کوئی مسلمان بچہ [redacted] ناداری یا والدین کی غفلت کے سبب از کم پرائمری تعلیم سے محروم نہ رہے۔ یہ کام علاوہ ثواب آخرت کے دنیوی فوائد سے بھی مملو ہے۔ آپ اگر اپنی سرگرمیوں سے مجھے اطلاع دیتے رہیں گے تو میں مناسب تدابیر آپ کو بتاتا رہوں گا اور کچھ نہ کچھ بھی بہم پہنچاؤں گا۔

مولوی عبدالودود صاحب کے واقعہ کا میرے قلب پر جیسا اثر ہے اس کا اظہار بذریعہ خط ناممکن ہے۔ بریلی میں وہی ایک ٹھکانا میرا تھا۔ جناب قاضی خلیل الدین احمد صاحب کی اگرچہ میرے حال پر خاص دیرینہ عنایات ہیں۔ "ہمت" میں انہوں نے جو امداد فرمائی ہے وہ مجھے مدت العمر شکر گذاری کے ساتھ یاد رہے گی مگر مولوی عبدالودود صاحب میرے بے تکلف و مخلص دوست تھے۔ یہی قدرت ہی کا انتظام تھا کہ مجھے اوائل جون میں بریلی پہنچنے کی ترغیب ہوئی اور اس طرح مرحوم سے آخری ملاقات ہوگئی۔ انہوں نے جو کچھ اظہار خیالات اس موقع پر کیا وہ مدت العمر میرے دل سے محو نہ ہوگا۔ شاکر خاں صاحب کا انتخاب اطمینان بخش ہے۔ خدا کرے وہ کام کے ثابت ہوں۔

میں نے سردار موصوف کی خدمت میں ایک خط اس وقت لکھا ہے کہ وہ "ہمت" کو اسلامیہ ہائی اسکول میں جاری کرائیں جس کی مولوی عبدالودود صاحب نے مجھ سے خواہش کی تھی۔ آپ کی اگر ملاقات ہو تو ان کو یہ یاد دلائیں جو آپ کے روبرو کی بات ہے۔ مولوی عبدالودود صاحب کے بھائی سید محمد محسن صاحب کے گاؤں کا پتہ لکھیں۔ مجھے ان سے کام ہے۔

جالب۔ دفتر روزنامہ "ہمت" لکھنؤ

نیا گاؤں۔ پنجشنبہ مورخہ ۱۱ جولائی ۱۹۲۹ء

سید سلیمان ندوی

---

(۱)

بنام ہمایوں مرزا بیرسٹر

محترم دام السامی - السلام علیکم ورحمۃ اللہ - حضرت شاد[1] مرحوم کی وفات کا سانحہ گو غیر متوقع نہ تھا۔ مگر دل نہیں چاہتا تھا کہ مرحوم کبھی ہم سے جدا ہوں۔ حضرت فریاد کی سوانح عمری[2] کی طباعت کے متعلق شاد مرحوم کا بھی ایک والا نامہ آیا تھا۔ اس کا جواب دیا گیا تھا۔ پھر سے کوئی اطلاع نہ آئی۔ شاید یہی علالت کا تسلسل اس کا باعث ہو۔

بہر حال آپ کے والا نامہ نے عزت بخشی اور بہت سے دل پر اثر کرنے والے واقعات سے واقفیت ہوئی۔ آپ مسودہ پر میری نظر ثانی اگر ضروری سمجھیں تو نہایت خوشی سے میں اس کے لئے وقت نکالوں گا۔ مگر مناسب یہ ہے کہ کسی کاتب سے مسودہ صاف کرا لیا جائے تاکہ دیکھنے میں آسانی ہو اور اغلاط کم ہوں۔

مطبع کا نوٹ طبع مرسل ہے ہمارے مہتمم مطبع کا بیان ہے کہ کاغذ کی قیمت اور حساب میں آپ سے غلطی ہوئی ہے۔ . . . . . بقیہ حساب ٹھیک ہے۔ اب آپ جب چاہیں مسودہ بھیج دیں۔ انشاء اللہ اہتمام و توجہ سے چھاپی جائے گی۔ تخمینہ کے وقت سائز، ہر صفحہ کی سطروں کی تعداد اور نسخوں کی تعداد بھی لکھئے گا۔ میرے خیال میں ۲۰×۲۶ کا کتابی سائز جو عموماً رائج ہے مناسب ہوگا۔ ہر صفحہ میں ۱۷ یا ۱۹ سطریں ہوں اور ۵۰۰ کاپیاں کافی ہوں گی۔

آئندہ اگر آپ حساب طبع وارسال زر وغیرہ کے متعلق منیجر صاحب دار المصنفین کے نام سے خط لکھیں گے تو آپ کو جوابات ملتے رہیں گے۔ والسلام

سید سلیمان

۱۶ اکتوبر ۱۹۰۷ء

---

(۲)

بنام نواب سید علی حسن خانصاحب مرحوم

دفتر دار المصنفین اعظم گڑھ - مخدوم مکرم - السلام علیکم - نظم مبارک (دو غزلیں) آپہنچی، پہلی غزل پر شناسی

---

[1] شاد عظیم آبادی جو ہمایوں مرزا بیرسٹر کے والد الفت حسین فریاد کے شاگرد رشید تھے۔

[2] یہ "حیات فریاد" شاد عظیم آبادی نے لکھی تھی۔

حقیقت میں لاجواب ہے، خیالات، بندش، لطفِ زباں، کس کس چیز کی داد دی جائے۔ بارک اللہ فی علمک وفضلک وعصمک من طوارق الحدثان، والسلام

۱۶ اکتوبر ۱۹۱۸ء　　سید سلیمان

---

(۳)

بنام محمد عبداللہ قریشی

دار المصنفین اعظم گڈھ۔ محترم السلام علیکم۔ آپ نے بہت اچھا سوال کیا۔ خدا آپ کو جزائے خیر دے جہاں سدورنگ کی سپیدی کا ذکر ہے۔ اس سے معمولی زرد رنگ مراد ہے۔ اور جہاں صالحت کا ذکر ہے اوس سے شعرانی کا رنگ مراد ہے۔ طبع دوم میں اس شبہ اور غلط فہمی کو دور کر دوں گا۔

کتنے آدمی ہیں جو کتابیں پڑھتے ہیں مگر چونکہ عمل کا ارادہ نہیں ہوتا اس لئے ان کی نظر اس قسم کی باتوں پر نہیں پڑتی خدا ہر شخص کو کتابوں کو غور و تعمق سے پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

سیرۃ کی تیسری جلد مطبع میں ہے۔ یہ حصہ معجزات پر ہے۔ والسلام

۱۷ جنوری ۲۳ء　　سید سلیمان

---

(۴)

بنام نواب سید علی حسن خانصاحب مرحوم

مخدوم محترم دام مجدہٗ السامی! السلام علیکم۔ آپ سے رخصت ہو کر اعظم گڈھ پہنچا۔ یہاں بھی چند روز حرارت اور پھوڑے کی تکلیف رہی۔ مگر آج اچھا ہوں۔ پھوڑے سے بھی ریم نکل گئی ہے۔ اور اب صاف ہے۔ مولوی مسعود علی صاحب بھی اسی دن صبح کو الہ آباد سے آئے۔ وہ سخت علیل ہو گئے تھے۔ نمونیہ کا خطرہ تھا۔ الہ آباد میں بروقت علاج ہوا اور اب اچھے ہیں۔

جب سے آیا ہوں ندوہ کا تخیل قائم ہے۔ مولوی مسعود علی صاحب سے گفتگو ہوئی۔ وہ ندوہ میں کوئی ذمہ دارانہ عہدہ لینے پر کسی طرح راضی نہیں اور نہ مستقل قیام لکھنؤ میں رکھنا پسند کرتے ہیں۔ اس کے لئے بالکل آمادہ ہیں کہ سال میں چند مہینے وہ وہاں اقامت کریں اور تنظیم و تعمیر میں اور فراہمی چندہ میں مدد دیں اور اس کے لئے وہ بہت جلد کارروائی شروع کریں گے۔ مولوی عبدالسلام صاحب عنقریب جائیں گے کہ ایک دو مہینہ رہ کر آخری سال کے طلبا کو ادبی علوم میں مدد دیں۔ اور بچونکی تعلیمی نگرانی کریں۔ مولوی مسعود صاحب نے طلبائے قدیم کو خطوط لکھے ہیں۔ اور اُن کا جلسہ بلانے والے ہیں۔ میری حالت یہ ہے کہ میں تعلیمی نگرانی کے لئے تیار ہوں۔ معتمد دار العلوم بنا دیجے سال میں متعدد پھیرے کروں گا، ندوہ کی نظامت کا بار اگر ڈالیں گے تو قہراً جبراً برداشت کروں گا۔ مولوی حبیب الحسن خان شروانی کا خط آیا ہے۔ مشورہ پوچھا ہے۔

لہ سیرۃ النبی کی دوسری جلد کا مطالعہ کرتے ہوئے ایک جگہ میں نے پڑھا کہ حضورؐ کو زرد رنگ بہت پسند تھا۔ دوسری جگہ لکھا تھا کہ حضورؐ اس سے نفرت فرماتے تھے۔ میں نے مولانا سے اس تضاد کی وجہ دریافت کی۔ یہ خط اسی استفسار کے جواب میں ہے

(محمد عبداللہ قریشی)

مولوی شملوی صاحب کا خط آیا ہے کہ بھوپال میں جس حد تک کوشش کرنی تھی ہو چکی اور اب آپ کے ایما سے حیدرآباد جاتے ہیں۔ عبدالعلی صاحب کے لئے یہ کوشش کی اور مجھے لکھا بلکہ تم جنرل صاحب کو لکھو کہ اس کا وظیفہ ہو جائے۔ چنانچہ میں لکھوں گا اور امید ہے جیسا کہ انہوں نے لکھا ہے کہ ان کو مل جائے گا۔ اس طرح ان کی تعلیم کا بندوبست ہو جائے گا۔

مولوی مرتضیٰ صاحب جو پہلے کتب خانہ میں تھے میرے پاس آئے تھے کہ ان کو کتبخانہ میں کر دیا جائے میں نے کہا کہ اگر کتبخانہ میں آپ کے کام کا ریکارڈ اچھا ہے تو مجھے اختلاف نہیں۔ انہوں نے کہا کہ نواب صاحب خود مرحوم تھے، اگر آپ نے ان کے کام کو پسند کیا ہے تو ضرور ان کو کتب خانہ میں جگہ دے دیجئے۔ کتبخانہ کی حفاظت ضروری اور لازمی ہے۔ اس کا بند رکھنا کتابوں کو نقصان پہنچانا ہے۔

آپ ایجنڈا تو جاری فرما دیجئے۔ اور نظامت کی تجویز بھی درج کر دیجئے۔ اگر عارضاً میرا نام بھی لکھ دیجئے تو ہرج نہیں۔ مستقل انتظام میری نظر میں ہے۔ انشاء اللہ۔

مولوی عبدالرزاق اور مولوی عبدالرحمٰن صاحب گرامی کو خط لکھے گئے ہیں۔ والسلام۔

۱۷ فروری ۲۳ء　　سید سلیمان۔ اعظم گڈھ

---

(۵)

بنام نواب سید علی حسن خانصاحب مرحوم

مخدومی المطاع ادام اللہ مجدہٗ۔ عالی نامہ صادر ہوا، آپ کا عتاب بجا ہے، مگر آپ نے میرے گرد و پیش کے حالات پر نظر نہ فرمائی، بہر حال اب میں ذاتی مجبوریوں اور معذوریوں کی داستان لپیٹ دیتا ہوں اور یہ مصرع پڑھ کر

ہر چہ باداباد ما کشتی در آب انداختیم

اس بار عظیم کو اٹھا لیتا ہوں اب جس طرح آپ مناسب سمجھیں نظامت کی تجویز پیش کیجئے، مولوی حبیب الرحمٰن خانصاحب کا بھی اشارہ میری ہی طرف ہے۔ خدا مجھ سے جس طرح کا کام لینا چاہے گا اس کی توفیق اور ہمت بخشے گا۔

سب سے پہلا کام عمارت کا مسئلہ طے کرنا ہے۔ ہم سب لوگوں نے تو مولوی ظہور احمد اور مولوی نسیم صاحب کے ہاں بالتفصیل عرض کر دیا تھا کہ زمین کا معاوضہ فقد چاہتے ہیں زمین نہیں چاہتے۔ گورنمنٹ کے تعلقات کا یہ قصہ بھی کیوں لگا رہے؟

اواخر مارچ جلسہ کی تاریخ رکھئے، مولوی مسعود علی صاحب جلسہ سے ایک ہفتہ پہلے آپ کے پاس آجائیں گے، فوری کارروائیاں شروع کر دیجئے۔ میں ۲۵ کو وطن جانے کا ارادہ رکھتا ہوں، ڈیڑھ برس ہو گئے۔ جلسہ سے پہلے آجاؤں گا۔ والسلام

۲۱ فروری ۱۹۲۳ء　　سید سلیمان

---

(۶)

بنام نواب سید علی حسن صاحب مرحوم

مخدوم محترم السلام علیکم اگرامی نامہ موصول ہوا؟ اصولی حیثیت سے مجھے اس نظامت کے الاؤنس سے

اختلاف نہیں، لیکن جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے میں اس صورت کو پسند نہیں کر سکتا اور نہ میں اپنے کو دو سماجوں میں ارکانِ ندوہ کے ہاتھ فروخت کر سکتا ہوں، میری حیثیت، چند مہینوں کے بعد جب جوشِ موافقت کم اور جوشِ مخالفت زیادہ ہو جائے گا۔ ایک ہیڈ کلرک کی ہو جائے گی۔ طرح طرح کے طعن ہوں گے نئے نئے حوالے ہوں گے۔ ندوہ کی یہ کس مپرسی اسی وقت تک ہے جب تک وہ سسک رہا ہے۔ جہاں کوششوں میں کامیابی شروع ہوئی اور ترقی کے آثار نظر آئے۔ آپ بھی دیکھیں گے کہ پھر کہاں کہاں سے مدعی اور صاحب طبل و علم پیدا ہوتے ہیں۔

البتہ یہ ہوگا کہ جب میں قیام کروں گا تو جب تک کی مدت اقامت ہوگی۔ میں مصارفِ ضروری کا بل ندوہ میں دے دوں گا۔ گویا معمولی کاروباری حساب کا طریق رہے گا۔ اور بس۔

نواب صاحب قبلہ! میں نے دارالمصنفین اپنی قوتِ بازو سے اور خدا کے فضل و کرم سے بنایا ہے۔ جہاں میں آزاد اور بے غل و غش زندگی بسر کر رہا ہوں۔ ندوہ سے زیادہ یہاں سرمایہ ہے۔ ۱۲ بیگھہ زمین ملکیت ہے۔ بنگلے ہیں۔ کتب خانہ ہے پریس ہے موافق اور غمگسار احباب و رفقا ہیں۔ ان سب کو چھوڑ کر اور اپنے بنے بنائے کام کو لات مار کر ندوہ کے اکھاڑہ میں پاؤں تڑوا کر بیٹھ جاؤں کیا آپ یہ رائے دیں گے۔

دارالمصنفین کو اعظم گڈھ سے لکھنؤ منتقل کرنا گویا اپنے بنائے گھر کو اجاڑنا ہے۔ اور اپنے کو لکھنؤ کی کشمکشوں میں آپ الجھانا ہے۔ سب سے بڑی چیز یہاں کی خاک میں استاد مرحوم کی نعش سپرد ہے۔ جس کا میں مجاور ہوں۔ اور جس کو تا دمِ حیات چھوڑ نہیں سکتا۔ میرے لئے اعظم گڈھ سے باہر بیسیوں ترغیبات کے موقع پیش آئے۔ مگر خدا نے مجھے مستقیم اور مستقل رکھا و بیدہ الفضل!

ندوہ کی نظامت میں قبول کرتا ہوں اور اس سے بہتر کر کے دکھا دوں گا۔ انشاءاللہ جو پچھلے دور میں تھا۔ اگر مخالفتوں اور سازشوں نے مجھے وہاں فرصت دی۔ پنڈت مالوی بنارس ہندو یونیورسٹی کے ناظم و مستد سب کچھ ہیں مگر وہ وہیں کے صرف نہیں رہے! سب اطراف پر غور کر لیجئے پھر فیصلہ کیجئے۔ آپ صرف اپنی تجویز میں الاؤنس کا ذکر کر دیجئے۔ قبول کرنا نہ کرنا میرا کام ہے۔ والسلام

۲۲ فروری ۱۹۲۳ء　　سید سلیمان ندوی از دارالمصنفین۔ اعظم گڈھ

---

(۷)

بنام نواب سید علی حسن خانصاحب مرحوم

مخدوم محترم دام کرمہ۔ السلام علیکم۔ والا نامہ نے مفتخر کیا۔ میں خود چند روز سے خدمت والا میں بذریعہ تحریر حاضر ہونے والا تھا۔ بارے آپ نے پیش قدمی فرمائی، خالی شدہ جگہوں کے لئے مجھے خود فکر ہے اور میں تلاش میں ہوں مدرس صرف و نحو کے لئے عملی مشاق ضروری ہے اس لئے نوآموز آدمی اس جگہ رکھتے ڈرتا ہوں۔ کتبخانہ کے لئے علمی آدمی اور دیانت دار ہونا چاہئے۔ مدرسِ صرف و نحو کی ضرورت فوری ہوگی۔ کتبخانہ کے لئے چند روز توقف بھی ہو سکتا ہے۔ کتبخانہ کے لئے ایک دو آدمیوں نے جو ندوی بھی ہیں درخواست دی ہے اُن سے خط و کتابت کرتا ہوں۔ چندہ نہ ہوئے نواب عماد الملک کا خط میرے جواب میں آیا تھا۔ جس میں اپنی تائید کا یقین دلایا تھا۔ پھر مولینا شروانی کا والا نامہ آیا

کہ تین سو ماہوار کی سفارش انہوں نے کی ہے اور پیشگاہِ عالی میں پیش ہے، نئی درخواست ندوہ کی جانب سے نہ بھیجی جائے
کل شروانی صاحب کا والا نامہ آیا کہ تین سو ماہوار رمضان سے حضور نے ندوہ کے لئے منظور فرمائے، آپ کے
دورِ نظامت کا یہ دیباچہ کامیابی ہے، مبارک، نصاب کے کاغذات مولینا حمید الدین صاحب کو دکھا دیتے رمضان
کے بعد ایک دن مولینا حمید الدین صاحب اور مولینا حفیظ اللہ صاحب کو بلا کر مجلسِ نصاب کا جلسہ کر کے طے کر لینگے
تقیہ دوم کے لئے مولوی عبد الحق صاحب ندوی کی درخواست آئی ہے اور چند اساتذہ نے ان کی تعریف
کی ہے، ان کو مقرر کر لیجئے، مگر تقرر امتحاناً چھ ماہ کے لئے منظور فرمائیے، آپ ان کو کچھ نہ لکھئے۔ میں لکھ دیتا ہوں
اگر یہ تقیہ دوم کے قابل ہوئے تو اس جگہ پر ورنہ صرف و نحو کی مدرسی کی جگہ پر مقرر ہو جائیں گے۔ مجھ کو جو خط انہوں
نے لکھا ہے۔ اس میں دو میں سے ایک جگہ مانگی ہے۔ والسلام

۲۸ر اپریل ۱۹۲۳ء　　سید سلیمان

بنام نواب سید علی حسن خانصاحب مرحوم　　(۸)

مخدوم محترم السلام علیکم! والا نامہ پر تر انگن ہوا، آج کی تاریخ تک تو مولوی مسعود علی صاحب واپس نہیں آئے
شاید آج شب کو یا کل صبح آئیں نہیں معلوم تعمیر گنبد کے متعلق کیا ہوا یہ بہت ہی ضروری اور اہم ہے۔ حضرت والا! میں
تنہا حاضر ہوں گا! کبھی توفیق ملی تو بہ تثنیہ بھی حاضر ہوں گا۔ بہتر ہے اپنی تجویز کے مطابق، مولوی کلیم احمد صاحب کو
کتبخانہ میں اور مولوی عبد الحق کو دار العلوم میں کر دیجئے، مولوی کلیم احمد کی اس بالا خوانی سے مجھے تکلیف ہوئی ہے
سے ان کو سہ ملیں گے کیا یہ ترقی نہیں؟ جو مزید کا مطالبہ ہے دار العلوم میں تو اتنی بھی گنجائش نہیں کہ وہ اس سے
زیادہ پا سکیں۔ مولوی عبد الحق کو میں نے کہہ دیا تھا کہ یا کتبخانہ کی جگہ ملے گی (سہ) یا مدرسی صرف و نحو (سہ)
اس لئے اگر آپ اُن سے بلا کر کہیں گے تو وہ نامنظور کریں گے، موجودہ انگریزی تعلیم کی نسبت میری رائے بہت
بری ہے، ندوہ کی انگریزی تعلیم سے کوئی فائدہ اب تک ہوا ہے اور نہ آئندہ ہوگا۔ اس سے ہزار درجہ بہتر یہ ہے کہ تکمیل
علوم کی طرح تکمیل انگریزی کا درجہ بھی کھولا جائے جس میں فارغ التحصیل اور منتہی طلبہ کو چند سال انگریزی پڑھائی جائے،
بنا بریں جو طلبہ متثنےٰ اپنے والدین کے منشا سے ہوتے ہیں ان کو ہونے دیجئے، البتہ حساب سے متثنےٰ کسی حال میں
نہیں کیا جا سکتا! ندوہ کی رکنیت مجھے منظور ہے۔ جناب مہتمم صاحب تاریخ خضری کو درس میں اس لئے داخل نہیں
کرنا چاہتے کہ وہ شیعی ہے۔ وہ بیچارہ مصر میں زندہ سُنّی موجود ہے میں اُن کو کچھ نہیں لکھ سکتا آپ اُن کو مراسلہ لکھ دیجئے
کہ وہ شیعی نہیں سُنّی ہے۔ جامعہ مصریہ کا استاذ تاریخ ہے جس مقام پر شیعیت اگر ہے تو استاذ اُس کی تردید کر دیگا والسلام

۲۹ر جولائی ۱۹۲۳ء　　سید سلیمان

بنام پروفیسر امین عبد العزیز　　(۹)

صدیقی الجلیل اسعدک اللہ۔ والا نامہ نے مشرف کیا، ایک شامی عیسائی عرب نے (امین ریحانی نام ہے) ابو العلاء
کا انگریزی ترجمہ کیا ہے، جبہ میں اوسکا ساتھ تھا، اوسکی بڑی کوشش تھی کہ تمام عرب طریقہ، ابو العلائی پر آجائیں، تو بیڑا پار ہے، اپکا

ابو العلائی چرخ مئی کے معارف میں نکلے گا، اس کی ایک کاپی گاندھی جی کے پاس بھی بھیج دوں گا۔
ندوہ میں مزے سے رہیے۔ تاریخ مناسب ہے، یکم جون کو مدرسہ کھلے گا، ہمارے ہاں لڑکوں کی بڑی تعداد نہیں چھوٹے سے لے کر بڑے تک صرف ۱۵۰ ہے، مگر کیفیت بہترین ہے، افسوس ہے کہ اس وقت ہمارے ہاں کوئی یکفنی خالص ادیب نہیں، مولوی یوسف ندوی، اور مولوی عبدالرحمٰن نگرامی ہیں، خاصے ادیب ہیں، قلم برداشتہ لکھتے ہیں۔ مگر خصوصی نہیں، خواجہ عبدالواجد ندوی تھے، مگر وہ قسمت دیکھئے کہ مشن کالج کانپور میں لڑکوں کو فارسی پڑھاتے ہیں۔ کیونکہ وہاں ان کو سوا سو ملتے ہیں اور ہم سو سے زیادہ نہیں دے سکتے۔ مدرسہ کی آمدنی کم ہے، لیکن لوگوں کی ضروریات بڑھ گئی ہیں اور وہ اس قدر ایثار نہیں کر سکتے۔ اچھے لوگ کیونکر آئیں، مستقبل سخت تاریک ہے، جدید علماء میں برابر مطیت آ رہی ہے۔ میں نے ازہر اب تک نہیں دیکھا ہے۔ مہربانی کر کے ایک کاپی بھیج دیجئے۔ دیکھ کر واپس کر دوں گا۔ رجسٹرڈ ہو تو اچھا ہے۔ اورینٹل کالج کا میگزین دیکھا، ماشاء اللہ!

سید سلیمان

۱۸ مئی ۱۹۲۵ء

---

(۱۰)

بنام ڈاکٹر عبداللہ

صدیقی الفاضل الاعز الکریم ادام اللہ سعدہ۔ السلام علیکم۔ آپ کے متعدد خطوط میرے ذمہ واجب الادا ہیں، میرا عذر یہ ہے کہ میں ۳۱ جون سے ۱۴ جولائی تک اپنے مستقر سے باہر شہر شہر ندوہ کے چندہ کے لئے مارا مارا پھرا، ڈاک کہیں نہیں منگائی، واپس آکر آپ کے اکٹھے کئی خطوط ملے، کل کی ڈاک سے مضمون کتبخانہ، شروانیہ اور رسالہ تاریخ قبرطان ملا، شکریہ مزید، آپ ابھی تک غالباً حیدرآباد ہی میں ہوں گے۔ اس لئے یہ خط وہیں کے پتہ سے بھیجتا ہوں، رسالے بھی وہیں بھیجتا ہوں۔

معارف میں مضامین نگاروں کے معاوضہ کے معنی آپ کیا سمجھے۔ اسسٹنٹ ایڈیٹر اور سب ایڈیٹر میں نے تو حسب وعدہ آپ سے لکھنؤ ہی میں سفر کابل مانگا تھا، مگر آپ نے بیجا شرم کو راہ دیا، اور انکار کیا، اب آپ کا کارڈ آیا ہے، اس کے مطابق میں دفتر ندوہ میں لکھتا ہوں۔ امید ہے کہ ۱۵، ۲۰ دن میں یہ بل منظور ہو جائے اور آپ کو لاہور کے پتہ سے مل جائے گا۔

مولانا شروانی نے آپ کی آمد اور آپ کی ملاقات پر ایک خط میں بیحد خوشی ظاہر کی ہے، اور لکھا ہے کہ "جیسا تم نے لکھا تھا ویسا ہی پایا"۔

مولانا کے تمام قصیدۂ فارسی مطبوعۂ معارف کے متعلق ایک اور صاحب نے جو اس زمانہ میں حیدرآباد میں تھے، وہی بات لکھی ہے جو آپ نے نواب اکبر یار جنگ کی زبانی نقل کی ہے، ستمبر و اکتوبر میں میرا عزم مدراس میں قیام کا ہے،

معارف مئی جون، جولائی، کا مرسل ہے۔ والسلام

سید سلیمان

۲۲ اگست ۲۵ء

بنام مولانا عرفان صاحب　　(۱۱)

۲۳-۲۴ انڈرسن اسٹریٹ، مدراس۔

مخدوم محترم دام کرمہٗ۔ السلام علیکم، آپ کے اخیر تار نے مجھے بے چین کر دیا، کئی دفعہ تار لکھوایا، اور پھر گھٹوایا، یقین جانیئے کہ رات بھر سکون سے نیند نہیں آئی، گولیوں بھی دماغ کی خشکی اور معدہ کی تبخیر کے باعث تین مہینے ہو گئے کہ نیند کی اصلی لذت سے محروم ہوں، مگر آج کی شب تو صرف کروٹ ہی بدلتے بدلتے گزر گئی اور زبان پر یہ مصرع تھا "دے اور دل ان کو جو نہ دے مجھ کو زبان اور"، کیں اپنے پہلے خط میں اپنی معذرت کے اسباب پوری طرح لکھ چکا ہوں، مگر آپ نے شاید باور نہیں کیا، اس لئے میں دوبارہ اپنا حلفیہ بیان پیش کرتا ہوں اور یہ اس لئے کہ مجھے آپ کے ساتھ جو محبت ہے اس کی وجہ سے یہ خیال کرکے دل میں تکلیف محسوس کرتا ہوں کہ آپ میرے عذرات کو محض بہانہ تصور کرتے ہیں۔

۱- میں یہاں چند ہفتوں کے لئے مسافرانہ آیا، اسباب وسامان جو ایسے بڑے سفر یعنی حجاز کے لئے درکار ہے وہ ساتھ نہیں، پاسپورٹ میرے پاس نہیں، پچھلا پاسپورٹ کہیں اعظم گڈھ میں پڑا ہے۔ پاسپورٹ مدراس میں نہیں مل سکتا، بمبئی میں نہیں مل سکتا، پھر کیونکر اگر بایں ہمہ بے سروسامانی چل کھڑا ہوں تو ۲۰ کو کراچی یا ۳۱ کو بمبئی پی او سے روانہ ہو سکتا ہوں۔ غور فرمائیے۔

۲- ہر شخص جو کچھ بھی اپنے پیچھے تعلقات رکھتا ہے، وہ کسی بڑے سفر سے پہلے کچھ انتظامات کرتا ہے۔ میں پٹنہ کے جلسے میں شریک ہو کر ابھی تک اعظم گڈھ نہیں گیا، چند ہفتوں کے لئے دار المصنفین اور معارف کا کام سنبھال کر، اور مطبع میں چھپنے کی چیزوں کا سامان کرکے مدراس چلا آیا، میں نے مجلس عاملہ میں شرکت وفد سے انکار کر دیا تھا، اب ادھر آپ کے تاروں نے بتایا کہ میرا نام ضروری ہے اور مٹ نہیں سکتا۔ اب اس کی ضرورت ہے کہ میں اعظم گڈھ جا کر چند مہینوں کے کام متعین کر دوں، مطبع میں کتابوں کی چھپائی کا کام مقرر کر دوں، معارف کے مضامین کا سامان کر جاؤں، پچھلی دفعہ جب یورپ گیا خوش قسمتی سے میرے شریک ادارت مولوی عبد الماجد صاحب دریابادی تھے، انہوں نے معارف سے مجھے مستغنی کر دیا تھا۔ اور مطبع میں سیرت دوم کا کام سال بھر کے لئے کافی تھا، دوسری مرتبہ تین مہینوں کا کام درست کرکے گیا، اب نہ مولوی عبد الماجد صاحب ہیں اور نہ مولوی ابو المحسنات مرحوم، الٰہ آباد کوئی کام سنبھالنے والا ہے۔ بایں ہمہ مجھے عرب کے سفر کے لئے مدراس سے واپس جا کر چند مہینوں کے انتظامات اپنی غیر حاضری کے زمانہ کے درست کرکے تیار ہونا چاہئے تھا، اور اس کا موقع نہیں، ایسی حالت میں جانے کے معنی معارف اور دار المصنفین کے بند کر دینے کے ہیں۔

۳- مصیبت جب آتی ہے ایک ساتھ آتی ہے۔ مولوی مسعود علی صاحب کی بھتیجی کی شادی درپیش ہے، بہت دنوں سے وہ ٹال رہے تھے، نومبر کا مہینہ فریق دوم نے آخری مہینہ مقرر کیا ہے کہ شادی کیجئے یا جواب دیجئے اور یہی مہینہ ان کے دو ہزار ادائے فریق کی قسط کا ہے۔ جس کا قصہ شاید آپ جانتے ہوں، اس

لئے وہ اوائل نومبر سے ایک ماہ کے لئے دارالمصنفین چھوڑ کر مجبوراً مکان رہیں گے اور دارالمصنفین کے لئے ہم میں سے ایک کا رہنا ضروری ہے اور اسی لئے اُن کو آزاد کرنے کے لئے مجھے یہاں سے دو چار روز میں روانہ ہو جانا ہے، کیونکہ یہاں جو لیکچر دینے تھے وہ ختم ہو چکے، صرف ایک باقی ہے، جو آج کل میں ہو جائے گا۔

۴ - میں باقاعدہ دارالمصنفین کا نوکر ہوں، اس میں دونوں طرح کے امکان ہیں، پہلے یورپ گیا تو بلا اطلاع گیا، اور تنخواہ جاری رہی، مگر اُس وقت بھائی ایسی تھی کہ وہ مخالفت نہ کر سکے۔ دوسری دفعہ حجاز گیا تو ان کی اجازت لے کر تین مہینہ کی رخصت پر گیا، مگر اس دفعہ باہم بدمزگی ہوئی، اب اس دفعہ پھر اُس بدمزگی کو بڑھانا سوسائٹی یعنی دارالمصنفین کو برباد کرنا ہے، ان میں بعض ممبر بھی ہیں جن کے ذریعہ سے حیدرآباد کی امداد آتی ہے، مجھے یا تو مستعفی ہو جانا چاہئے یا دارالمصنفین کو باہمی اختلاف کی بنا پر توڑ دینا چاہئے۔ گو میں اب بھی زبردستی جا سکتا ہوں مگر بار بار درخواست کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔

۵ - ندوہ کا قصہ یہ ہے کہ نومبر کے آخر میں انجمن میں اس کا سالانہ جلسہ ہے، مولوی مسعود علی صاحب اپنی خانگی مزوریوں کے باعث گھر سے باہر نہیں ہو سکتے۔ اب مجھی کو اُس جلسے کو سنبھالنا ہے، اس مہینے میں میری غیر حاضری کے باعث بعض مخالف ارکان نے مدرسہ پر مجلس تحقیقات تعلیم و اخلاق یعنی انکوائزیشن مجھ پر قائم کیا ہے تاکہ میرے زمانہ معتمدی پر الزام رکھ کر مجھے بدنام کیا جا سکے، اس سے پریشان ہوں، اس کی بچاؤ کی صورت کرنا ہے، ایک مدرس کا انتقال ہو گیا اُس کی جگہ کا انتظام مجھے کرنا ہے، فصاب بنانا ہے، اور سرمایہ کی فراہمی کا انتظام کرنا ہے۔

یہ سب تو وعدہ دور کی یعنی آفیشل چیزیں تھیں، اب میں آخر اپنا جسم آپ کو دکھاتا ہوں، یورپ سے یہ بیماری لے کر آیا کہ کھانے کے دو گھنٹے بعد جگر سے لے کر گردہ تک درد ہوتا ہے، علاج سے دب جاتا ہے اور پھر ہو جاتا ہے، اس کے لئے یہ ضروری ہو گیا ہے کہ خاص قسم کی غذا کھائی جائے اور خاص طریق سے رہا جائے۔ آپ اپنی مہربانی سے ہر قسم کا انتظام اپنے سر لینے کو تیار ہیں، مگر واقعہ یہ ہے کہ میں عرب کو دیکھ چکا ہوں اور آپ صرف سن کر فرماتے ہیں، پچھلی دفعہ عرب کے سفر نے پھر مرض کو پیدا کر دیا، بلکہ اور ایک نئے مرض میں مبتلا کر دیا، عرب میں گوشت عموماً دنبے کا ہوتا ہے جو میرے لئے زہر، روٹی بازاروں میں خمیر کی پکتی ہے نہایت ثقیل، سبزیاں اور ترکاریاں جو میں کھاتا ہوں وہاں نہیں ملتیں، پچھلی دفعہ ہندوستانی باورچی رکھا گیا۔ مگر گوشت اور روٹی کی قسم کو وہ کیا کرتا، وہاں درد شروع ہو گیا، تو دوا بھی بمشکل میسر آسکی، اینٹ کو آگ میں گرم کر کے اس سے جگر، پیٹ اور گردہ کو سیک کر علاج کرتا تھا اور تسکین حاصل کرتا تھا۔ پاخانہ کا وہاں سسٹم ایسا ہے جو ایک دائم المرض کے لئے سوہانِ روح ہے، کہہ نہیں سکتا کہ ایک مہینے میں اس کی کیا تکلیف وہاں اٹھائی ہے، اس سے ایک مرض نیا یہ تحفہ لایا ہوں کہ دونوں سرین کے بیچ میں کوئی رگ، یا پٹھا یا ہڈی ہے، اس میں درد ہو جاتا ہے، اٹھنے بیٹھنے میں تکلیف ہوتی ہے، اور اس قدر تکلیف ہوتی ہے کہ اس حالت میں موٹر کی سواری پر بھی حرکت ہوتی ہے، تو جان نکل جاتی ہے، ایسی حالت

میں رانچی سے کہ معتدبہ تک کئی دن اونٹ یا شدف کی سواری میرے لئے ناقابلِ تحمل ہے، دماغ کا یہ حال ہوگیا ہے کہ ذرا سی فکر یا کسی خیال کی آمد سے نیند جاتی رہتی ہے، تین مہینے سے یہ حال ہے، قلب پر یہ اثر ہے کہ بالکل افسردگی اور پژمردگی آگئی ہے، ذرا سا بولتا ہوں یا تقریر کرتا ہوں تو تھک جاتا ہوں اور سینہ میں درد ہو جاتا ہے۔ یہاں آیا تھا۔ کہ کام کے ساتھ کچھ تفریح اور تبدیل آب و ہوا ہو جائے گی، یہاں ایک مرض جو جاتا رہا تھا عود کر آیا یعنی قارورہ میں سوزش، اور ایک مرض نیا پیدا ہو گیا یعنی سوزش اور درد شکم کے ساتھ دو تین دفعہ دست۔ ڈاکٹری علاج یہاں کیا کوئی فائدہ نہ ہوا، آخر ایک ہفتہ کے لئے بنگلور گیا تھا، وہاں حکیم صاحب قبلہ کے ایک مستعد شاگرد حکیم ہیں انہوں نے دیکھا اور دو تین یونانی قرص، معجون اور شربت تجویز کیا ہے جو روزانہ استعمال میں ہے اور اس سے کسی قدر تخفیف ہے۔

میں نے اپنا دل نکال کر آپ کے سامنے رکھ دیا ہے اور خدا جانتا ہے کہ جو کچھ لکھ رہا ہوں وہ حرف بحرف سچ ہے۔ ناز و نخرہ اور بہانہ کی عادت نہیں، اور نہ طمع دنیا میں گرفتار ہوں، میری سات آٹھ برس کی ملاقات آپ سے ہے۔ آپ جیسے آدمیوں کی شناخت کے مدعی سے میرا کوئی عیب یا ہنر چھپا نہ ہوگا، خدا جانتا ہے کہ آپ کی خواہش کو پوری نہ کرنے کا کس درجہ افسوس ہے، میں گنہگار ہوں، اور اپنی گنہگاری کی سزا آپ کے ہاتھ سے برداشت کرنے کو تیار ہوں۔ کیا کسی طرح اس کی تلافی ہو سکتی ہے؟

میں دو چار روز میں یعنی یکم نومبر کو اعظم گڈھ روانہ ہو جاؤں گا۔ والسلام

۲۶ اکتوبر ۲۵ء　　سید سلیمان

---

(۱۲)

بنام صغرا ہمایوں مرزا صاحبہ

۱۔ عقد بیوگان کا کام الحمد للہ رواج پذیر ہو رہا ہے اور میرا تو اس پر ذاتی عمل ہے۔ پنجاب، صوبہ متحدہ، دہلی اور جو کہ صوبہ بہار میں بھی شرفا کے خاندانوں میں اس کا رواج ہو رہا ہے۔ اس کے لئے رسمی کمیٹی کی چنداں ضرورت نہیں۔ علماء اور نیک خیال اصحاب اس کام کو پھیلا رہے ہیں۔

۲۔ موجودہ سخت پردے کے بجائے اسلامی پردہ کا رواج بہت بہتر ہے۔ بشرطیکہ اسلامی پردہ پر صحیح طور سے عمل کیا جائے۔ ہمارے ہاں گھروں میں جس سے پردہ ہے تو اس قدر سخت کہ قد و قامت اور آواز کا بھی پردہ ہے اور جس سے علاوہ محرم کے پردہ نہیں اوس سے سر و دوش کا بھی پردہ نہیں۔ عورت کا تمام جسم چہرہ اور ہاتھوں کے سوا سب ستر ہے۔ کسی عورت کا اس ستر کے ساتھ کسی غیر محرم کے سامنے آنا گناہ نہیں۔ اسلامی حدود پردہ پر پوری تفصیل کے ساتھ بحث کی ضرورت ہے۔

۳۔ فضول رسوم اور ہندوانی طریقوں کو یقیناً چھوڑ دینا چاہئے۔

۴۔ یقیناً عورتوں کی تعلیم مردوں کی طرح ضروری ہے مگر عورتوں کے لئے نصاب تعلیم مردانہ اسکولوں اور کالجوں سے الگ ہونا چاہئے۔ جو عورتوں کے حالات اور ضروریات کے مطابق ہو۔

۲۲ اکتوبر ۱۹۲۷ء　　سید سلیمان ندوی

(۱۳)

محترم و مکرم دامت مکارمکم۔ السلام علیکم۔ والا نامہ نے عزت بڑھائی۔ معارف کو نہ صرف انڈیا آفس لائبریری کی فہرست پیش کرنے کی پہلی عزت حاصل ہے۔ بلکہ نفس انڈیا آفس لائبریری کے اردو سیکشن کا علم بھی لوگوں کو اوسی کے ذریعہ سے ہوا۔ سب سے پہلے میں جب ۱۹۲۰ء میں انڈیا آفس لائبریری کے دیکھنے کا بھلے موقع ملا تو اوسکی اردو کتابوں پر ایک مختصر مضمون معارف میں لکھ کر بھیجا تھا۔ اور اوسی زمانہ میں اوس میں چھپ گیا تھا۔ اب آپ نے میرے ادھورے کام کی تکمیل کا بیڑا اوٹھایا ہے۔ مجھے خیال آتا ہے کہ وہاں رنگین کی تصنیفات کی تعداد کچھ زیادہ ہیں۔ بہرحال آپ تو اوس سمند کی تھاہ لے ہی رہے ہیں۔ میں ساحل پر بیٹھا سمندر کے مسافر کو کیا بتاؤں۔

آپ کا مضمون بھی پہنچا ہے۔ اوس کی تمہید میں آپ کی کوششوں کا حوالہ دوں گا۔ اور شذرات میں بھی ذکر کروں گا۔ اگر آپ بجائے متفرق پرچوں میں لکھنے کے کسی ایک ہی پرچہ میں لکھا کریں تو علم کی وسعت اور پختگی اور حفاظت کی خدمت بہتر ہو سکے گی۔

معارف کا محولہ نمبر جاتا ہے۔ اسٹوری صاحب کو دکھا دیجئے۔ والسلام

۲۰ر اپریل ۱۹۲۹ء سید سلیمان

بنام امتیاز علی عرشی (۱۴)

نمبر ۴۵۰ - دفتر دار المصنفین اعظم گڈھ۔ محرمی دام لطفہٗ۔ السلام علیکم۔ آپ کا مضمون مارچ میں نہ آسکا۔ شاید اپریل میں آئے۔ پرچہ چھپنے کے بعد آپ کے پاس بھی جائے گا۔ مہربانی فرما کر آپ اپنا پورا نام لکھئے۔

فروری ۲۹ کے معارف میں جس مضمون سے آپ کو اختلاف ہے کیا اوسکے خلاف کچھ مدلل دلائل آپ کے پاس ہیں۔ اگر ہوں تو مطلع فرمائیے۔

سیدنا عمر فاروقؓ کے مکاتیب و خطبات جمع کیجئے۔ کنز العمال۔ موطا امام مالک۔ سنن دارمی تو مطبوعہ ہیں باقی مصنف عبد الرزاق اور مصنف ابن ابی شیبہ قلمی باقی صحاح و سنن و مسانید تو موجود ہی ہیں۔ علاوہ ازیں طبری اور بلاذری بھی ملاحظہ ہو۔

۲۲ر مارچ ۳۰ء سید سلیمان

بنام مولانا عرفان صاحب (۱۵)

دار المصنفین اعظم گڈھ (یوپی)۔ محترم و دوست الطافکم۔ السلام علیکم۔ والا نامہ کا شکریہ، ایں بہ بیداری است یا رب یا بخواب، خواہ کسی دوست کی مزورت ہی سے آپ نے یاد کیا، یا د تو کیا، اور اس پر شکریہ واجب، میں تو قدیمات و طبسیات کی دنیا سے شاید تین سال سے کنارہ کش ہوں، امروہہ کا واقعہ اتفاقی تھا،

لے عمر خیام کا ایک نادر نسخہ معارف اعظم گڈھ جلد ۲۶ نمبر ۴ - ۵ - ۶ بابت ماہ اکتوبر تا دسمبر ۱۹۳۰ء

میں ملی گڈھ جا رہا تھا کہ بیچ میں یہ حادثہ پیش آگیا، آپ کی طرح میرے اکثر ملنے والوں نے امروہہ کے فیصلے کو میری
توہین تقریر کا نتیجہ بنا کر مورد الزام بنایا، خیر یہ بحث تو الگ رہی کہ اس پر معہد والزام بنانا مناسب ہے یا مورد الزام
بہرحال اگر یہ صحیح ہے تو مجھے مسرور ہونے دیجئے کہ میں اس قدر پُر تاثیر مقرر ہوں کہ حاضرین کو جدھر چاہوں جھونک دوں
آپ کے خط پر "خلافت کمیٹی آفس" کا پتہ پڑھ کر میں چونک گیا کہ بارالٰہا! میں اور خلافت کمیٹی! آپ نے
دیکھا جس معاملہ پر آپ کی خلافت کمیٹی نے مجھے معتوب کیا اس کا حشر کیا ہوا اور ابن سعود سے بگاڑ کر کیا پایا یا کیا کھویا
بہرحال گذشت آنچہ گذشت، اب صرف اس کی تلخ یاد باقی رہ گئی ہے، زمانہ اس کو بھی مٹا دے گا۔
اگست میں دیکھئے اگر میری زیارت آپ نہیں کر سکتے، اگر اس فرض کو ادا کرنا ہے تو اعظم گڈھ آنا پڑے گا۔
آپ دار الخلافت سے جہاں چاہیں جا سکتے ہیں، مگر جو جہاں ہے وہ دار الخلافت نہیں پہنچ سکتا۔
آپ کے پرکیف حالات سے میں بے گانہ نہیں ہوں اللھم زد فزد آپ نے مولویوں کو چھوڑ کر گریجوایٹوں
سے عہد باندھا، کیا پوچھ سکتا ہوں ——— تو عہد باکہ بہ بستی، واز کہ بگسستی۔
بہرحال آپ نے جس معاملہ کی نسبت لکھا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارا سال کے تجربوں کے بعد یہ طے
کر لینا پڑا کہ ایجنسیوں کا معاملہ سخت نقصان رساں ہے، بیسیوں واقعات پیش آچکے، شروع میں جوش پیدا ہوا اور
پھر جب مشکل آپڑی، یا نقصان آیا تو کتابوں تک کو واپس نہ کیا، سید جالب، رحمانیہ، بک ڈپو، زمانہ بک ڈپو، اور خدا
جانے کون کون اکابر سے معاملہ پڑا اور سخت نقصان دار المصنفین نے اٹھایا۔ اس وقت سے ہم لوگوں نے یہ قاعدہ
بنایا ہے کہ کسی کو ایجنسی اس طرح نہ دی جائے، آپ بھی اپنے دوست کا تجربہ کر لیں، آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ہمارے
اہل ملک اور ہم قوم کہاں تک حسن معاملہ کی صلاحیت رکھتے ہیں، بہرحال چونکہ آپ نے لکھا ہے، اس لئے ہم اتنا کر
سکتے ہیں کہ آپ ان سے سو روپیہ پیشگی بھجوا دیجئے، اور فہرست بھیجی جاتی ہے اس میں سے وہ ہر ایک کتاب کے جس کو
وہ رکھنا پسند کریں ایک ایک دو دو نسخے منگوالیں اور ہر مہینہ کے آخر میں جو حساب دکتاب ہو وہ دیتے رہیں اور قیمت
ادا کرتے رہیں، مولوی عبدالماجد کی تصنیفات بھی یہیں سے ملتی ہیں اور ان کے لئے بھی یہی شرائط ہیں۔
براہ عنایت اپنے دوست سے فرمائیے کہ آئندہ معاملات کے متعلق مولانا مسعود علی صاحب منیجر
دار المصنفین کو لکھیں اور طے کریں۔
مولانا شوکت علی صاحب کو سلام فرما دیجئے۔ والسلام
۲۴ رجولائی سنہ ۱۹۳۰ء　　سید سلیمان

---

(۱۶)

بنام نواب سید علی حسن خانصاحب مرحوم

مخدوم و کرم وام مجدکم! تسلیم و تکریم! کارڈ نے ممنون کیا۔ میں نے ۲۹ کو ایک مفصل خط لکھا ہے
جس سے بعض غلط فہمیاں دور ہو گئی ہوں گی۔ میں اپنی غلط روی و خطاکاری کا منت کش ہوں کہ اس کی بدولت
ایک عمدہ رباعی یا قطعہ عالم وجود میں آیا۔ اور اس سے میں سرفراز ہوا۔ مجھ سے اس کا جواب ممکن نہ تھا کہ اول

نقش شاعری پھر فارسی میں شاعری میرے لئے تقریباً مشکل ہے۔ مگر میں اس کو بھی آپ ہی کا فیضِ سخن جانتا ہوں کہ کچھ غلط سلط سا میری زبان سے بھی نکل گیا۔

لطفِ تو چارہ گرِ دردِ ما بایستے　　حسنِ من با ظلم نیز، تا با بایستے
در میانِ طلبِ حق و عطائے تو ہست　　آنچہ من طلبم از تو عطا بایستے

آج کل گھر میں بیماریوں کا سلسلہ ہے، سہیل کو کل ایک ہفتہ کے بعد بخار آتا تو آج سے اُن کی ماں کو بخار ہے۔ وسط اگست تک شاید آنا ہو۔ والسلام

۱۲ اگست سنہ ۱۹۳۰ء　　سید سلیمان

---

(۱۷)

بنام محمد عبداللہ قریشی

دار المصنفین اعظم گڈھ۔ کرم و علیکم السلام۔ کرمت نامہ کا شکریہ۔ یہ آپ اچھا کر رہے ہیں کہ اوس (نکلسن کی کتاب) پر ایک مفصل تنقید کا اردو میں لکھتے ہیں۔ اوس کے قابل اعتراض مقامات مولوی خواجہ عبدالواجد صاحب ندوی ایم اے پروفیسر مشن کالج کانپور سے پوچھئے۔ انہوں نے اوس کا ترجمہ اردو میں (ترقی اردو کے لئے) کیا ہے۔ اور اوس پر حواشی تردیدی لکھے ہیں۔

"نگار" کی طرف توجہ کی بڑی ضرورت ہے۔ یہ شبابیات و اباحیات مضامین کے ذریعہ سے نوجوان مسلموں میں الحاد کا بیج بو رہا ہے۔ اگر صرف پنجاب میں اس کا بائیکاٹ ہو جائے۔ تو اوسکی آنکھیں کھولنے کو کافی ہے۔ آئندہ ہفتہ میں ہمت لکھنؤ میں ایک مراسلہ اس کی بابت چھپے گا۔ وہ نمبر آپ کے پاس بھیجوں گا۔ اخراجات میں شرکت کا شکریہ!

انقلاب کے اڈیٹروں کو اس کی بابت لکھا۔ مگر جواب سے بھی محرومی رہی۔ تا بہ دیگراں چہ رسد۔

ہمارے دوست مولوی عبدالماجد صاحب دریابادی عنقریب اس کام کو شروع کریں گے۔ میں آپ کا خط اون کی خدمت میں بھی بھیج دیتا ہوں۔ والسلام

یکم ستمبر سنہ ۱۹۳۱ء　　سید سلیمان

---

(۱۸)

بنام محمد عبداللہ قریشی[1]

شبلی ہوٹل۔ بادشاہ باغ لکھنؤ۔ مکرم۔ اسلام علیکم۔ نامۂ عالی کا شکریہ۔ نکلسن کی کتاب کا کیا حشر ہوا؟ پروفیسر شیخ صاحب کا بھی عنایت نامہ ملا ہے۔

نیاز کا فتنۂ نگار تو بحمداللہ ختم ہوا۔

---

[1] اس خط کا پہلا حصہ میرے متعلق ہے اور باقی ڈاکٹر عبداللہ چغتائی کے متعلق ہے۔ اتفاق سے ہم دونوں کی خط و کتابت بیک وقت ہو رہی تھی۔ مولانا نے دونوں کو ایک سمجھ لیا۔ میں نے قریشی اور چغتائی کی طرف توجہ دلائی تو آپ نے التباس نام میں غلطی کا اعتراف کیا۔
(محمد عبداللہ قریشی)

کچھ فیصلہ نہیں کرسکتا۔ میرے علم میں کوئی ایسا واقعہ جس سے اس مرقع کا معرض ہوسکے، نہیں ہے،

بہادر حاجی معین الدین صاحب ندوی رامپور میں مہتمم تالیفات ہیں۔ میں اس عہدہ کا مطلب نہیں سمجھ سکا نہ انہوں نے خود لکھا وہ ان باتوں میں مست ہیں۔ بارے آپنے مضمون کو بھیجا ہے۔ اگر آپ اس نئی چیز کی تفصیل بنا سکیں تو مہتمم بانی کیا عہدہ ہے کیا تنخواہ ہے کس کی ماتحتی ہے کتنے دنوں کی جگہ ہے۔

آپ رامپور آنے کی پر اصرار دعوت نہیں دیتے۔ نتیجہ یہ ہے کہ رامپور کے کتبخانہ سے محروم رہ جاتا ہوں۔

۲۰ رجون ۳۳ء　　والسلام۔ سید سلیمان

میرا فوٹ متعلق کتبخانۂ رامپور آپ کے اندر آپ کے فقیروں کی نظر سے بھی گزرا؟ یا یہ تیروں ہی اچٹ کر رہ گیا۔ سلیمان

بنام نواب سید علی حسن خانصاحب مرحوم

(۲۴)

مخدوم محترم دام کرمہٗ۔ السلام علیکم۔ والا نامہ مع جوابات مدسین موصول ہوئے! شکریہ ہاں یہ سچ ہے کہ مولوی عبدالحق نا تجربہ کار اور سادہ ہیں۔ مگر کام ہی سے تجربہ آتا ہے اچھا ہے ابھی یوں ہی رہنے دیجئے میں کسی ایسے کی تلاش میں ہوں۔

عمارت کے کام میں میں نہیں سمجھتا کہ کیا دقتیں حائل ہیں۔ آیا یہ ہے کہ جلسہ نے اس کو طے نہیں کیا ہے یا یہ ہے کہ مزدور و معمار اور مسالہ نہیں ملتا! اگر دوسری وقت ہے تو خیر، اگر پہلی وقت ہے تو تعجب ہے کہ اب تک حل نہ ہوا۔ میرے خیال میں تو ایک تخمینہ بنوا کر جلسۂ نظامت سے بالفعل منظوری لے کر اتنا روپیہ معتمد تعمیرات کے نام بنک میں جمع کرا دیجئے یا معتمد مال کی معرفت وقتاً فوقتاً ادا کرتے رہنا چاہئے۔

عملی کاموں کے لئے قوانین کی لفظی پابندی کبھی نہیں چل سکتی اور ہمیشہ کام میں رکاوٹ پیش آئے گی۔ آپ بے قاعدگی اور اعتراضات کا خوف نہ کیجئے، اس سے کوئی کام کرنے والا آدمی نہیں بچا ہے اور نہ بچے گا اور نہ بچ سکتا ہے یہ خیال دل سے دور کر دیجئے۔

مولوی مسعود علی صاحب ندوہ کے کام سے گھبرا اٹھے ہیں کہ ان حالات میں کام کرنا بہت مشکل ہے۔ وہ چھوڑ کر چلے آنا چاہتے ہیں۔ بارے میں نے عید اضحیٰ تک روکا ہے کہ ۱۲ - ۱۳ عید تک میں بھی آؤنگا۔

خان بہادر سید حسین صاحب تو تعمیر کو خصوصاً گنبد کی تعمیر کو بہت ضروری سمجھتے تھے! ان کی وجہ سے تو وقت ہو نہیں سکتی! پھر کیا وقت ہے جس کے لئے اس قدر تعویق و تاخیر و تعلل ہے۔

مولینا شروانی عید الضحیٰ میں مکان آرہے ہیں، مجھے لکھا ہے کہ دل یہ چاہتا ہے کہ اس مرتبہ لکھنؤ آؤں، میں بھی ان سے آنے کا اصرار کرتا ہوں، میں بھی اس زمانہ میں وہیں ہوں گا۔ والسلام

۱۶ رجولائی ۱۹۳۳ء　　سید سلیمان

بنام اثر صہبائی

(۲۵)

صہبائی سمی! شاد باد زندہ باد۔ کل آپ کا خط ملا پڑھ کر بے انتہا خوشی ہوئی۔ انسانوں کی کمی نہیں انسانیت

کی کمی ہے۔ آپ کے خط سے آپ کے بلند اخلاق، متواضع خو اور متین طبیعت کا اندازہ ہوا۔ آپ میرے الفاظ سے مایوس نہ ہوں۔ ترقی اور کمال ایسے ہی لوگوں کی قسمت ہے۔ آپ کے مشیرانِ سخن نے آپ کو مشورہ دینے میں کمی کی ہے۔ آپ نے مشورہ لینے میں کمی نہیں کی ہے۔

میرا مقدمہ تیار ہو چکا تھا مگر آپ کے رنگِ جواب کے انتظار میں بھیج نہیں رہا تھا۔ اب آپ کا جواب آیا اور آپ کے طرزِ اخلاق سے اطمینان ہوا۔ آپ ان صفحوں کو پڑھیں جہاں کہیں آپ کو اتفاق نہ ہو آپ مجھے اطلاع دیں میں غور کروں گا اور تغیر کر دوں گا۔

اپنے والد ماجد کو میرا سلام کہئے۔ مجھے آپ کے اس رشتہ اور نسبتِ پدری کی خبر نہ تھی، تو گویا آپ ہمارے مخدوم مولانا ابراہیم صاحب سیالکوٹی کے عزیز ہیں کیا یہ میں صحیح سمجھا۔

میں نے اپنی تصویر خود کبھی نہیں کھچوائی لیکن اگر کسی نے لے لی تو میں نے مزاحمت بھی نہیں کی۔ والسلام

۱۵ ستمبر ۳۳ء　　سید سلیمان

میر الدین ہاشمی

(۲۶)

دار المصنفین اعظم گڈھ۔ محترم دام لطفکم۔ السلام علیکم، میرا مضمون ہاشم علی برہان پوری پر چہ ہندوستانی میں چھپ گیا ہے۔ اس کی ایک کاپی مرسل ہے۔

۲۔ شائع شدہ کتابوں اور رسالوں کا دوبارہ طبع کرانا معارف کے حدود سے باہر ہے۔

۳۔ آپ کے فاضلانہ مضامین قابلِ اشاعت ضرور ہیں مگر دار المصنفین کو اپنے اصول کی بنا پر معذوری ہے۔

مدت سے آپ نے معارف کو یاد نہیں فرمایا۔

۱۹ فروری ۳۴ء　　سید سلیمان

تیار علی عرشی

(۲۷)

دار المصنفین اعظم گڈھ۔ مکرم سلام مسنون۔ ایک صفحہ کا مضمون پہنچا۔ عبارت کا مطلب آپ نے صحیح سمجھا عربی طباعت کا آغاز سولھویں صدی سے شروع ہوا ہے۔ ۱۵۹۳ء میں رومہ میں قانون شیخ طبع ہوا تھا۔

پبلک لائبریری کے لئے فہرست کتب مرسل ہے اس کے ساتھ یہی رعایت ممکن ہے کہ قیمت میں تاجرانہ کمیشن ۲۵ فی صد دیا جائے۔ اس کے متعلق مولوی مسعود علی صاحب ندوی منیجر دار المصنفین کو لکھئے۔ فہرست کتب مرسل ہے۔

میں شاید ۱۸۔ ۲۰ اکتوبر کو بجنور ایک دوست کے اصرار پر جا رہا ہوں۔ فرمائیے تو حاضر ہوں "اردو ادب پر نواب خلد آشیاں کے دربار کا اثر" اچھا موضوع ہے مگر شرط یہ ہے کہ طبیعت حاضر ہو۔ والسلام

۷ اکتوبر ۱۹۳۳ء　　سید سلیمان

مہر صاحب

(۲۸)

نمبر ۲۲۷۷۔ دار المصنفین اعظم گڈھ (یوپی) مکرمی وعلیکم السلام۔ یاد آوری کا شکریہ۔ کامیاب سفر پر مبارکباد

دیتا ہوں، میرا سفرنامہ کیا وہ تو چلتے پھرتے معلومات کا بیان ہے۔ پہلے سے اس کا خیال بھی نہ تھا تاہم حضرت خواجہ صاحب نظامی کے سفرنامے سے تو زیادہ مکمل صحیح اور پُرمعلومات ہے۔ آپ کا سفرنامہ بھی یقیناً دلچسپ ہے۔ اور پُرمعلومات ہونا تو اس کا ظاہر ہے۔ میں نے جس روانگی میں یہ سفر کیا، اس میں اتنا کچھ لکھنا بھی غنیمت ہے۔

چہل زینہ کے متعلق مجھے غلطی ہوئی ہوگی، مغرب کا وقت تھا[1]۔ میں پوری عبارت بھی پڑھ نہیں سکا ابھی تک پرسول "اصلاح" میں اس کا جو حال نکلا ہے اس میں بھی پیمائش و پیمانہ ہی سے بحث ہے۔ ضرورت ہے کہ پوری عبارت کا محققانہ مطالعہ کیا جائے۔

میرے احباب افغانستان کو جب آپ خط لکھیں تو میرا بھی جوابی سلام پہنچا دیں۔

"سیرۃ النبی" جلد چہارم کی دو جلدیں بذریعہ ریلوے پارسل مرسل ہیں۔ مولوی بشیر صاحب[2] اور ظفر حسن صاحب[3] کو بھجوا دیجئے۔ ظفر حسن صاحب کو یہ بھی لکھئے کہ اس کی طبع دوم چھپ رہی ہے جس میں بعض تبدیلیاں اور اضافے ہیں، وہ ترجمہ بالفعل شروع کریں۔ مگر طبع دوم سے بعد کو ملالیں۔ طبع دوم ان کے پاس بھیجوں گا، ان کے پتہ سے مطلع فرمائیے۔ میں نے ان کے شریک ترجمہ کے نام حسب طلب سیرۃ چہارم قسطنطنیہ بھیجی تھی۔ مگر واپس آگئی ان کسٹم گھر سے دینا پڑا۔ پچھلی دفعہ لاہور ایسا سرسری گیا کہ آپ کے دفتر تک بھی پہنچ نہ سکا، جس کا افسوس ہے۔

امید ہے کہ دریائے کابل کی (جو تنگ چشمان سمرقند و بخارا کی طرح تنگ ہے) زیارت سے آشوب چشم جاتا رہا ہوگا۔ والسلام

۹ نومبر ۱۹۲۶ء　　سید سلیمان ندوی

بنام امتیاز علی عرشی

(۲۹)

نمبر ۸۴۲۳ - مکرم اسلام علیکم۔ عنایت نامہ ملا۔ میں نے جی گڈھ کے پچھلے سفر میں رام پور آنے کی جو بات چاہی تھی آپ کا خط میری روانگی کے بعد آیا۔ اور واپسی پر ملا۔ افسوس ہوا۔ اب دوبارہ عرض ہے کہ ۲۵ کو پھر علی گڈھ پہنچنا ہے۔ کورٹ کا اجلاس ہے۔ میں ۲۷ کو یا شاید ۲۶ ہی کو رام پور آسکتا ہوں۔ مہربانی کرکے اس پتے سے خط کا

---

[1] میں نے سید سلیمان مرحوم کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ ان کے سفرنامے میں جو بالاقساط "معارف" میں چھپا تھا چہل زینہ (قندھار کے ذکر میں ایک مزوگذاشت ہوئی

[2] مولانا محمد بشیر شہید رئیس مجاہدین چمرکنڈ۔

[3] ظفر حسن صاحب ایبک۔ یہ ان طلبہ میں سے تھے جو فروری ۱۹۱۵ء میں لاہور سے ہجرت کرکے پہلے سرحد آزاد میں پھر افغانستان چلے گئے تھے۔ ظفر حسن صاحب بعد ازاں رئیس رہتے ہوئے ترکیہ پہنچ گئے اور حربی کالج کا امتحان پاس کرکے فوج میں معزز عہدے پر مامور ہوئے انہوں نے ترکیہ میں توطن اختیار کر لیا۔ میں ۱۹۲۶ء میں کابل گیا تھا۔ تو وہاں آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے مولانا شبلی کی سیرت النبی کا ترجمہ ترکی زبان میں کیا تھا۔ جو تھی جلد انہیں نہیں ملی تھی۔ میں نے مولانا سید سلیمان سے منگوا کر انہیں اور مولانا محمد بشیر کو بھجوا دی۔ (غلام رسول مہر)

جواب دیجئے بتوسط مولانا ابوبکر صاحب مسلم یونیورسٹی علی گڈھ۔

حاجی معین الدین صاحب تو روانہ ہو گئے بشہر خود روم و شہر یار خود باشم۔ اب ان کی جگہ پر کیا انتظام ہوا ایک صاحب جو زیر بے پیش نظر ہیں کیا موقع ہے؟ آپ کا مضمون دسمبر میں جا رہا ہے۔

۱۷ نومبر ۳۴ء　　سید سلیمان

---

(۳۰)

بنام امتیاز علی عرشی

مسلم یونیورسٹی علی گڈھ۔ مکرم السلام علیکم۔ عنایت نامہ ملا۔ فوٹو کا شکریہ میرا ارادہ مصمم تھا۔ کہ حاضر ہوں مگر افسوس کہ یہاں آکر بیمار ہو گیا۔ ۲۴ گھنٹے کے فاقہ کے بعد آج کھچڑی ملی ہے اور کوئی وقت مناسب رامپور پہنچنے یا یہاں سے روانہ ہونے کا نہیں ملتا اس لئے بصد افسوس اس وقت سفر رامپور کو ملتوی کرتا ہوں اور آپ سے معذرت کرتا ہوں۔ عرفت سبق بضیع العمر انکہ یار زندہ صحبت باقی۔ والسلام

۲۶ نومبر ۱۹۳۴ء　　سید سلیمان

---

(۳۱)

بنام نصیر الدین ہاشمی

صاحب الفضل[1]۔ وعلیکم السلام۔ عنایت نامہ کا شکریہ۔ سفر نامہ افغانستان آپ کو پسند آیا تو اس میں آپ کی محبت کی نظر کو دخل ہے۔ حسن لیلیٰ میں نہیں۔ چشم مجنوں میں ہے۔

دسمبر سے معارف میں بعنوان شذرات تاریخ ہندوستان کی جلدوں کی تعداد و ترتیب لکھی گئی ہے۔ دسویں جلد بہمنیہ و سلطنت ہائے دکن سے متعلق ہوگی۔ اگر پروفیسر عبدالمجید صاحب صدیقی اس جلد کو لکھنا چاہیں تو آپ دریافت کر کے مطلع فرمائیے۔ اگر وہ اس جلد کا کام اپنے ذمہ لیں تو مجھے بڑی خوشی ہوگی۔

عہد آصفی کے لئے سراج الدین صاحب طالب اور آرکاٹ کے لئے محمد غوث صاحب لکھ سکتے ہیں۔ مگر ان کے لئے چودھویں جلد میں صفحات محدود ہوں گے زیادہ سے زیادہ پچیس پچیس۔ تیس تیس صفحے۔

"حیات شبلی" لکھی پڑی ہے اور بری فرصت کی منتظر ہے حضرت امجد کی شاعری پر آپ کا رسالہ ملا ریویو ہوگا۔ آپکی عنایات کا شکریہ تاریخ ہند کیلئے نوٹ کیجئے آپ کی پیشگی قیمتوں کے وصول کرنے سے بڑی ذمہ داری آجاتی ہے۔ جس سے ڈرتا ہوں۔ والسلام

۱۱ دسمبر ۱۹۳۴ء　　سید سلیمان

---

(۳۲)

بنام امتیاز علی عرشی

دار المصنفین اعظم گڈھ۔ مکرم السلام علیکم۔ آپکے مجھ پر طرح طرح کے الزام ہوں گے۔ اور کم از کم بے اعتنائی اور بے رخی کی تہمت تو مجھ پر قدرۃً قائم ہونی چاہئے گو براءۃ انا منہا برا تہ عائشہ

آپ کا بنجاب والا خط میرے پنجاب سے واپس آنے کے بعد اعظم گڈھ واپس ہو کر ملا۔ میری نیت ہمیشہ درست لیکن ارادہ ہمیشہ غلط ہوتا ہے اور اس ارادہ کی غلطی کے سبب سے ہمیشہ ندامت ہوتی ہے۔ ارادہ کی غلط

---

[1] بیت الفضل میرے نو تعمیر مکان کا نام تھا۔ افسوس ہے کہ اس کو فروخت کر دیا گیا۔ ہاشمی

کے معنی یہ ہیں کہ صحت کی خرابی کے سبب سے اکثر سفروں میں بیمار ہو جاتا ہوں۔ اور واپسی میں فسخ ارادہ کرنا ہوتا ہے کتابخانۂ رام پور کی زیارت کس کو آپ کی طرف نہ کھینچے گی۔ لیکن مجھے یقین آگیا ہے کہ ضمنی سفر کے بجائے جب تک وہاں کے لئے مستقل سفر کی نیت نہ کی جائے گی، شگون ٹھیک نہ ہوگا۔

امید ہے کہ ۱۹۳۵ء میں اگر زندہ رہا تو اپنے شوق کی تسکین اور آپ کے حکم کی تعمیل اسی سال کروں گا۔

عرفت ۔ ربی بفسخ العزم ۔ کا فقرہ نہیں پڑھتا۔ والسلام

۱۹ر مئی ۱۹۳۵ء　　سید سلیمان

بنام نصیر الدین ہاشمی

(۳۳)

ولو المصنفین اعظم گڈھ۔ کرم دام لطفکم۔ السلام علیکم عنایت نامہ ملا، پرسش احوال کا شکریہ، وہ بچی اپنی حالت سے باخبر نہ ہو سکی، اوس کی وفات کی اطلاع مجھے حیدر آباد ہی میں مل چکی تھی، اس لئے جلد چل پڑا۔

میرے حسن سیرت کے ساتھ اگر وہ ہے آپ کی گرویدگی خود آپ کے حسن سیرت کی دلیل ہے۔ سچ یہ ہے کہ اس دفعہ احباب دکن کی محبتوں کا بیحد ممنون رہا۔ خاص کر بے نیاز امجد کی نیاز مندی کے شرف کو اس سفر کا حاصل سمجھتا ہوں۔ کلیات امجد کی ترتیب بسا ضروری ہے۔ یہ امجد کے چمکانے کے لئے نہیں بلکہ امجد کے وجود سے دنیا کو مستفید ہونے کے لئے۔

جی ہاں جن کتب خانوں کی کتابوں کی فہرستیں نوٹ کی ہیں ان کا ذکر سفر دکن کے فوائد علمی میں آئے گا۔ نواب سالار جنگ بہادر کے کتب خانہ کی فہرست چھپ جائے، تو بہتر ہے۔

میں نے غلام غوث صاحب کو ایک کتاب سحر حلال مصنفہ ولیا احمد معمار کے متعلق کتب خانہ مدراس سے دریافت کی فرمائش کی تھی، آپ سے ملاقات ہو تو پھر فرمائش کر دیجئے کہ کتاب کا پہلا صفحہ مجھے نقل کر کے بھیجدیں۔

جشن سمین کی شرکت بعض حالات پر مشروط ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ والسلام

یکم ستمبر ۱۹۳۵ء　　سید سلیمان

بنام نواب سید شمس الحسن صاحب

(۳۴)

برادرم سلمہ اللہ تعالیٰ! السلام علیکم! ابھی آپ کا تار ملا! تار کیا تھا! بجلی تھی جو دلوں پر گری۔ ہائے اُن کا آخری دیدار کتنا کم نصیب ہوا؟ وہ نہ صرف آپ کے باپ، بلکہ ہم سب کے بزرگ تھے اور میں اسی نظر سے ان کو دیکھتا تھا اُن کا وجود بزرگوں کی نشانی تھی۔ اور ہمارے لئے بڑا سہارا تھے۔ آہ آپکو اور برادرم امیر حسن خاں اور آپ کے دوسرے بھائیوں کو کیا لکھوں اور کیونکر صبر کی تلقین کروں، ان کا سایہ آپ لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی رحمت و برکت تھی جس سے افسوس کہ آپ لوگ محروم ہو گئے۔ بیگم صاحبہ کی خدمت میں تعزیت کن لفظوں میں پیش کروں زبان و بیان قاصر ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جوار رحمت میں جگہ دے اور آپ لوگوں کو صبر جمیل عطا فرمائے تعزیت کے لئے میں خود حاضر ہوتا مگر رمضان اور ابلیہ کی علالت کے سبب سے قاصر رہا۔ بہر حال مجھے امید ہے

کہ آپ لوگ جب تک میں جیتا ہوں اِس رشتہ کو شکست نہ ہونے دیں گے۔ والسلام
۱۷ر نومبر ۱۹۳۶ء　　شریکِ غم: سید سلیمان

---

(۳۵)

بنام نصیر الدین ہاشمی

دار المصنفین اعظم گڈھ۔ مکرمی السلام علیکم۔ میں اپریل سے خانہ جدوشش تھا۔ اب تک مرکز پہ پاؤں نہیں جمے ہیں۔

حیدر آباد کی واپسی کے بعد بہت کچھ لکھنے کا ارادہ تھا۔ مگر میں ایسا بیمار پڑا کہ جینے کے لالے پڑ گئے اب اچھا ہوا تو اکثر باتیں حافظہ سے نکل گئیں۔

کلام امجد کی تدوین و ترتیب ضروری فرض ہے۔ مکاتیب شبلی کی تیسری جلد کا ارادہ نہیں۔ سابقہ جلدیں دوبارہ طبع ہو چکی ہیں۔

یہ سن کر کہ سراج الدین صاحب مرحوم کی زندگی کا چراغ گل ہو گیا افسوس ہوا بظاہر خیریت ہے۔ اندر کا حال خدا جانے والسلام۔

۸ ستمبر ۱۹۳۷ء　　سید سلیمان

---

(۳۶)

بنام مولوی سید الطاف علی صاحب بریلوی

نمبر ۱۴۷ دار المصنفین اعظم گڈھ۔ مکرمی السلام علیکم۔ آپ کا انگریزی رسالہ[1] ملا۔ یہ پرچہ ہوگا۔ مگر آپ کا رسالہ مجھے سفر میں ملا تھا، دیکھنا یہ ہے کہ یہاں ساتھ آیا ہے یا نہیں۔

مجھے اپنے مضمون کا برابر انتظار ہے۔ آپ کے احساسات کی میں نے بڑی قدر کی۔ آپ کا خیال درست ہے۔ مسلمانوں کے فائدے اور خدمت کے لحاظ سے ہمارے پرانے گھروندے بے کار ہو چکے۔ یا وہ اپنا چولا بدلیں یا مدت کے گھاٹ اتر جائیں۔

لیکن آپ کی ذاتی وابستگی و محبت کے لحاظ سے میں کبھی آپ کو یہ رائے نہیں دے سکتا کہ آپ اپنی جگہ سے ہٹیں۔ اس وقت تو جو جہاں ہے وہیں پر اس کو قدم جمائے رہنا ہے۔ آپ ایسا کیوں نہ کریں کہ آپ بحیثیت ملازم جہاں ہیں وہاں بحد ملازمت اپنا کام بطور فرض کرتے رہیں۔ اور ہمارے دار المصنفین کے لئے وہ مطلوبہ جلد لکھئے۔ جس کی فرمائش میں نے آپ سے کی ہے۔ دار المصنفین آپ کو بطور معاوضہ نہیں بطور ہدیہ شکر گذاری سو روپے نذر کرے گی۔ یہ نذر حقیر ہے۔ مگر حالات نے مجبور کر رکھا ہے، ممکن ہے میں اس سے زیادہ کر سکوں، مگر وعدہ نہیں۔ انشاء اللہ علی گڈھ جلسہ حاضری ہوگی، باتیں ہوں گی۔ والسلام

۲ر جون ۱۹۳۸ء　　سید سلیمان

---

[1] "مسلمانوں کی تعلیمی جدوجہد۔"

بنام زبیری صاحب

(۳۷)

دفتر دار المصنفین اعظم گڈھ، مکرم السلام علیکم۔ عنایت نامہ کا شکریہ۔ دونوں ٹکڑے مفید تھے کام آئیں گے۔ مگر آپ نے یہ نہیں لکھا کہ ان دونوں کا ماخذ کیا ہے مہربانی فرما کر ماخذ سے مطلع فرمائیے۔

باقی آپ کی تسمیات تو میں نہیں سمجھا۔ مولوی عبد السلام صاحب سمجھیں یا آپ سمجھیں یہاں تو معاملہ صاف ہے۔ آج کل مولوی عبد السلام صاحب پر مراق کا سخت دورہ ہے۔ بیکار سے ہو رہے ہیں۔ کیا آپ نے مکان بدل لیا؟ والسلام

۱۲ر دسمبر ۱۹۳۸ء　　سید سلیمان

بنام زبیری صاحب

(۳۸)

دفتر دار المصنفین اعظم گڈھ۔ مکرم السلام علیکم۔ اد ھر بہت مصروف تھا جواب نہ دے سکا۔ مجموعہ خطوط سرسید کہاں سے ملے گا۔ مجموعہ خطوط حالی بھی چاہئے۔

میں علی گڈھ گیا تھا آپ کو پوچھا تو معلوم ہوا کہ آپ آج کل مولوی عبد الحق صاحب کے ساتھ دہلی میں ہیں۔ میں آج کل خریداران معارف کی توسیع کی کوشش میں ہوں کیا آپ اس میں حصہ نہ لیں گے۔ والسلام

۲۳ر جنوری ۱۹۳۶ء　　سید سلیمان

بنام محمد امین زبیری صاحب

(۳۹)

دار المصنفین اعظم گڈھ۔ مکرم السلام علیکم معلوم نہیں آپ کہاں ہیں آپ نے اپنے ایک اطلاعنامہ میں مولوی شبلی صاحب کا وہ عربی قصیدہ نقل کر کے بھیجا ہے جو اکتوبر ۱۸۸۱ء میں مولانا نے سرسید کی مدح میں لکھا تھا آپ براہ مہربانی اکتوبر ۱۸۸۱ء کے انسٹی ٹیوٹ میں دیکھ کر مطلع فرمائیے کہ اکتوبر ۱۸۸۱ء کی تاریخ صحیح ہے۔ ہو سکے تو تاریخ مہینہ کی بھی لکھئے اور انسٹی ٹیوٹ کے جلد اور نمبر یا تاریخ اشاعت۔

پھر اس سے مطلع فرمائیے کہ مولانا جنوری ۱۸۸۲ء یا ۱۸۸۳ء میں علیگڈھ میں پروفیسر مقرر ہوئے؟

جواب جلد عنایت فرمائیے۔ بھوپال میں کیا ہوا۔ والسلام

۱۶ر اکتوبر ۱۹۳۹ء　　سید سلیمان

بنام محمد امین زبیری صاحب

(۴۰)

دار العلوم ندوہ لکھنؤ۔ محب مکرم السلام علیکم۔ آپ کے لفافہ سے جو خط برآمد ہوا اس کو پڑھ کر مجھے بے حد ہنسی آئی۔ وہ ایک دل جلے کے خط کا جواب تھا۔ جو پوری میں ندوہ کے لئے کوئی جائداد وقف کرنا چاہتا ہے دیکھئے وہ دل جلا آپ کا خط پا کر کیسا چراغ پا ہوتا ہے۔ بہر حال آپ کے خط میں یہ تھا

(۱) اس عربی قصیدہ کی تمہید لکھ بھیجئے جو اکتوبر ۱۸۸۱ء کے گزٹ میں ہے

(۲) آپ کو معلوم ہے کہ سرسید اور مولانا میں اخیر زمانہ میں اختلافات پیدا ہو گئے تھے۔ اس کے وجوہ کیا

ہیں اور اسباب کیا تھے۔

(۳) میں مولانا مرحوم کے خطبات اور تقریریں چھپوانا چاہتا ہوں۔ اس لئے یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ کانفرنس کی کن کن روداوں میں ان کی چھوٹی بڑی تقریریں ملیں گی۔ ان کا حوالہ اور ہو سکے تو ان روداوں کے نسخوں کی بہم رسانی یا ان تقریروں کی نقل جس کی اُجرت دی جائے گی۔

(۴) کانفرنس کے اجلاس اوّل میں مولانا نے کن تجویزوں کی تائید یا تحریک فرمائی اور ان پر جو تقریر بھی کی ہو بقید تاریخ و اجلاس بھیج دیجئے۔

(۵) ترقی پنشن پر مبارک باد قبول فرمائیے۔

آج کل ندوہ کا کام اپنے ذمہ لیا ہے اس میں مدد فرمائیے۔ الندوہ کا بھی قصہ ہے۔ ہاں آپ نے دوسرے خط میں دار المصنفین کی تاریخ کی جو تحریک اس موقع پر کی ہے وہ بہ محل ہے انشاءاللہ عمل کی کوشش کی جائے گی والسلام

سید سلیمان

۲۷ نومبر ۳۹ء

---

(۴۱)

بنام محمد امین زبیری صاحب

دار المصنفین اعظم گڈھ۔ سلام علیکم۔ ازہر والا مضمون پہنچا۔ یہ ہمارے ہاں نہ تھا۔ آپ ان تقریروں کو بھیج دیجئے۔ میں ان کو درست کر لوں گا۔ "صرف دولت" والی تقریر ہو تو وہ بھی بھیج دیجئے "جمہوریت" والا مضمون بھی بھیج دیجئے۔

ایک مہینہ کے بعد حیدرآباد، پونا اور بمبئی کے سفر سے واپس آیا ہوں۔ حیدرآباد میں ندوہ کی ماہوار کے اضافہ کے لئے عریضہ پیش کیا ہے۔ اللہ مالک ہے۔

ریویو جو بھیجا ہے وہ شائع ہوگا۔

الندوہ دوبارہ جاری کیا ہے خدا کرے جاری رہے اگر نہ دیکھا ہو تو دفتر الندوہ بادشاہ باغ لکھنؤ سے منگوائیے۔ قیمت وہی مگر وہی حجم۔ مضامین خلافت۔ ہندی۔ قرآن کا انگریزی ترجمہ۔ اوقاف اسلامی۔ اسٹرائک ندوہ۔ اوقاف اسلامی موجود ہیں۔ جمہوریت والا مضمون بھیجئے۔ والسلام

سید سلیمان

۲۷ فروری سنہ ۴۰ء

---

(۴۲)

بنام مالک رام

دار المصنفین اعظم گڈھ۔ جناب من تسلیم۔ آپ کے سب خط ملتے رہے۔ پوسٹل آرڈر بھی ملا تھا۔ بارہا جواب دینے کو جی چاہا۔ مگر تواتر سفر اور اس حیلہ سے کہ آپ اتنی دور پہنچ گئے ہیں، جواب میں توقف ہوتا رہا میں بحمداللہ مع الخیر ہوں، اور آپ کے لئے داعی خیر!

آپ کا رسالہ بھی بحفاظت میرے پاس ہے۔ واپس اس لئے نہیں کرتا کہ مجھے اوس پر کچھ لکھنا پڑے گا اور اگر آپ میری تحریر کے بغیر واپس کرنے کو کہیں تو میں ہر وقت واپس کر سکتا ہوں۔ بعض مقامات تصحیح طلب ہیں۔

اب آپ کی عربی گفتگو تو پوری رواں ہو چکی ہوگی۔ ابھی لاہور گیا تھا، آپ کے احباب سے ملاقات ہوئی۔ پرچہ گزشتہ مارچ سے آپ کے نام جاری کر دیا گیا ہے۔ پوسٹل آفیسر میں غلطی تھی۔ اس لئے وہ آپ کے نام ۱۹ مارچ سنہ کو واپس کر دیا گیا ہے کہ دوبارہ بھیج دیں۔ والسلام

۲۳ اپریل سنہ ۱۹۲۰ء

سید سلیمان

بنام زبیری صاحب

(۴۳)

دار المصنفین اعظم گڈھ۔ مکرم السلام علیکم۔ سوانح شبلی اب قریب ختم ہے۔ آپ نے مولانا کا مضمون جمہوریت جس کو آپ فرماتے تھے مجھے نہیں بھیجا۔ براہ کرم جلد بھیج دیجئے۔ اور جس اخبار سے لے کر بھیجئے اس کا نام اور تاریخ اشاعت بھی لکھ دیجئے۔ امید ہے کہ مزاج بخیر ہوگا۔

مولوی عبد السلام بخیر ہیں۔

حیات شبلی میں آپ کا نام بھی آیا ہے۔ والسلام

۹ اکتوبر سنہ ۱۹۲۰ء

سید سلیمان

بنام نواب سید شمس الحسن صاحب

(۴۴)

برادر عزیز۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ امید ہے کہ مزاج بخیر ہوگا۔ ادارۂ معارف اسلامیہ کا جو اجلاس لکھنؤ میں آپ لوگ کر رہے ہیں، ادارہ کی طرف سے ایک مشاعرہ بھی ترتیب دیا جائے۔ جس میں ممتاز شعراء شریک ہوں۔ میرے خیال میں اس کام کی اہمیت آپ ہی کو ہے۔ آپ اس شعبہ کا کام اپنے ہاتھ میں لے لیں، غالباً اس تجویز میں کسی کو اختلاف نہ ہوگا۔ کام حسب ذیل ہیں:-

۱- ۱۶ یا ۱۷ یا ۱۸ مارچ سنہ ۱۹۲۱ء کو رات کے وقت ایک مشاعرہ کا انعقاد۔ تاریخ و وقت و مقام متعین کیجئے۔

۲- ریڈیو آفس سے دریافت کیجئے کہ کیا وہ رے لے کریں گے۔ اور اگر اس کے لئے بجلی کی ضرورت ہو تو وہ جنریٹر میں نہیں یونیورسٹی میں ہے تو پھر یونیورسٹی میں انتظام اور اگر تار لگا کر یہاں انتظام کر سکتے ہیں تو خیر جنریٹر ہی ہیں۔

۳- شعراء کا انتخاب! (محمد باشریک شاعر کو نہ بلائیے) اتنے نام یاد آتے ہیں:- جگر صاحب۔ روش صدیقی صاحب، حفیظ جالندھری لاہور۔ پروفیسر اکبر۔ منیر ہوشیارپوری گورنمنٹ کالج۔ لکھنؤ کے شعراء تو آپ جانتے ہیں۔

۴- طرح جو پسند ہو۔ یا عنوان کسی نظم کا۔ یا عام۔

۵- کیا ان صاحبوں کی خدمت میں کچھ پیش کرنا بھی ہوگا۔ میرے خیال میں دس پندرہ شاعر کافی ہوں گے۔

امید ہے کہ جواب سے شاد کام فرمائیں گے۔ اچھے صاحب اور عزیزی امیر حسن خانصاحب کو سلام مسنون آپ لوگوں کی کوشش سے اراکین استقبالیہ کچھ بن جاتے۔ بڑا مرحلہ تو روپیہ کا ہے۔ صدارت استقبالیہ کا فیصلہ بھی نہیں ہوا۔ صدر اجلاس کے لئے نواب مہدی یار جنگ کا انتخاب ادارہ کی مجلس عاملہ نے کیا ہے معلوم نہیں

ہوا کہ وہ قبول کریں گے یا نہیں - مشاعرہ کی صدارت کے لئے اقبال سہیل صاحب کو آپ پسند کریں گے یا جو نام آپ پسند کریں - والسلام

یکم جنوری ۱۹۴۲ء　　سلیمان

(۴۵)

بنام نواب شمس الحسن صاحب

برادر عزیز دعائے خیر! خط ملا - گو بدیر - اسی لئے اس کے جواب میں جواب بھی دیر سے دے رہا ہوں! ۱۸ر مارچ کی شب مشاعرہ کی تاریخ پر تین سو روپیہ کا سامان تو خدا دشوار ہے - کوئی راجہ صاحب ابھی تک ہاتھ نہیں آئے - کوئی نواب ہی صاحب ہاتھ آجائیں - پرسوں شب کو میں نے جناب نواب صاحب مرحوم آپ کے والد کو خواب میں دیکھا - تخت پر وہ حسب عادت دوزانو بیٹھے ہیں - میں بھی ہوں - ناشتہ سے فرصت ہوئی ہے اور میں رخصت ہو رہا ہوں - رخصتی کے وقت سواری کو پوچھتے ہیں اور میں معذرت کر دیتا ہوں - گویا اب بھی ان کی شفقت میرے حال پر ہے - بہرحال نو دس بارہ شعراء کا انتخاب کیجئے اور انٹر کا کرایہ منظور کیجئے - اس میں کچھ کمی ہو جائے گی مگر شعراء نازک خیال کی نازک دماغی کے بار کا متحمل کون ہوگا -

اچھے صاحب اور برادرم امیر حسن خاں سلام قبول فرمائیں - والسلام

۱۹ر جنوری ۱۹۴۲ء　　سلیمان

(۴۶)

بنام مولوی محمد امین زبیری صاحب

دار المصنفین اعظم گڈھ - مکرم السلام علیکم - آپ کا عنایت نامہ مجھے ملا تھا - جس طرح مجھے آپ کی نہیں آپکو میری بھی خبر نہیں - کئی مہینوں سے میں مبتلائے مصائب گوناگوں ہوں - ساڑھے چار مہینوں کے بعد ۸ر ستمبر کو اعظم گڈھ آیا ہوں ایک ماہ ریل و ڈاک کے ہنگاموں میں اس طرح کارہا کہ نہ مسافر خانہ مقیم - گھر جانے کی وجہ ایک لڑکی کے نکاح کی تقریب تھی مہینوں کے بھمیلوں کے بعد بالآخر انجام پائی - صاحبزادہ نے امسال بی اے پاس کیا ان کی لڑکی کی فکر ہے - داماد نے ایم اے سال ان بی کیا اس کی فکر الگ دامنگیر ہے چھوٹی لڑکی کی شادی برادری سے الگ الہ آباد میں کی ہے نام سید حسین صاحب ہے وہ بلیا میں ڈپٹی کلکٹر ہیں - پچھلے نومبر میں یہ شادی ہوئی - اس ہنگامۂ بدتمیزی کے زمانہ (میں) ان کی تعیناتی بلیا ہی میں تھی بلوائیوں نے ۱۹ر اگست کو ان کے بنگلہ پر حملہ کیا انہوں نے دو گھنٹہ قبل بنگلہ چھوڑ دیا تھا اور معہ بیوی کے ایک غریب مسلمان کے گھر میں پناہ لی - لڑکی حاملہ تھی وہیں اس مکان میں اسکو وضع حمل ہوا - مجبوراً بے احتیاطی کے باعث بڑی مشکل سے اس کی جان بچی - نوزائیدہ بچی ضائع ہو گئی - سارا سامان اسباب بلوائیوں نے لوٹ لیا جس میں زیادہ تر اس کا سامان جہیز تھا - ایک کپڑا اور ایک برتن تک نہ چھوڑا ہزاروں کا مال لے گئے میری حالت صحت چند ماہ کے اندر بہت گھٹ گئی ہے اس وقت بھی آشوب چشم میں مبتلا ہوں اب ایک آنکھ اچھی ہے اسی سے کام لے رہا ہوں - بڑی لڑکی کی نسبت میرے ایک چچازاد بھائی کے لڑکے سے تھی جو مہینہ مقرر تھا اس میں ان کا انتقال ہو گیا - لڑکے ابو سہیل کی نسبت دوسرے چچازاد بھائی کی لڑکی سے تھی وہ میسور میں انسپکٹر دارالـ

وفعتہ تاریخ تقریب سے چند روز پہلے وہ چل بسے اور تقریب رک گئی۔ یہ سب امور پورے سال بھر سوہانِ روح بنے رہے۔ خدا کرے کہ اب بھی میرے سلسلہ مصائب کا خاتمہ ہو اور اللہ تعالیٰ مزید ابتلا میں نہ ڈالے۔ اس کے احسانات کی حد نہیں اور ممکن ہے کہ یہ مصائب بھی اس کی حکمت کے رو سے میرے لئے رحمت ہی کا باعث ہوں ہم اپنے جہل اور غیب کی خبر نہ رکھنے کی وجہ سے اس کو مصیبت خیال کرتے ہیں۔

بہرحال یہ تو ذاتی حالات تھے جن کا مختصر ذکر اس لئے کیا گیا تاکہ معلوم ہو کہ دنیا میں فارغ کوئی نہیں۔

مجھے آپ کی علالت کی خبر مطلق نہیں ہوئی آپ کو مجھ سے یہ بدگمانی ہے کہ علی گڑھ کی فضا سے متاثر ہو کر آپ سے الگ ہو گیا ہوں۔ اختلاف رائے دوسری چیز ہے مگر میں نے بار بار آپ کو یقین دلایا ہے کہ اس اختلاف رائے کا ہماری ذاتی دوستی و محبت پر کوئی اثر نہیں پڑا ہے ایک مسلمان کے پاس قسم کے سوا یقین دلانے کا کوئی دوسرا طریقہ نہیں قسم کھتا ہوں کہ میں آپ سے اپنی دوستی و محبت کے اسی جذبہ پر قائم ہوں جس پر علیگڈھ سے پہلے تھا۔ آپ کے وہ احسانات مجھے یاد ہیں جو آپ نے دار المصنفین پر فرمائے ہیں اور میری شرافت کے لئے یہی کافی ہے کہ میں آپ کا شکر گزار رہوں آپ اس باب میں بلائے خدا کبھی شک نہ فرمائیں کہ مجھے اس سے بے حد تکلیف ہوتی ہے۔

آپ کو کیوں یقین نہیں آتا کہ سالہا سال سے مجھے عملی سیاسیات سے کوئی تعلق نہیں اور سوائے ندوہ اور دار المصنفین کے میں کوئی دوسرا کام نہیں کرتا۔ علی گڑھ کا تعلق بھی کورٹ کے ہنگامہ تک۔ ہاں پھر مجھے کوئی خبر نہیں کہ کیا ہوا اور کیا ہوتا ہے۔ ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب سے بعض بعض جلسوں میں ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ باتیں بھی ہوئیں۔ پارٹی پالٹکس سے نہ مجھے پہلے کبھی دلچسپی رہی اور نہ اب ہے۔

آپ کو شکایت ہے کہ آپ کی کتاب پر ریویو نہ ہوا۔ آپ کی کتاب لاکر اڈیٹر صاحب کو دے دی تھی پھر نہ آپ نے یاد دلایا اور نہ مجھے یاد آیا کہ میں پوچھتا۔ میں بھی آدمی۔ بھولتا بھی ہوں اور بھول بھی سکتا ہوں۔ آپ نے پوچھا تو ہوتا۔

آپ نے مولانا شبلی کے خطوط مانگے تھے وہ خطوط اور کاغذات میں گم تھے اور تلاش کی آمکسی سے پڑے رہے بارے ایک ضرورت سے کاغذات کو الٹ پلٹ رہا تھا تو وہ مل گئے اب بھیج دیتا ہوں۔ خدا کرے جلد مل جائیں۔ رمضان کے روزوں کے اندر میں نے ایک گھنٹہ تک تمام کاغذات الٹے مگر وہ اس وقت نہیں ملے۔ مولوی عبد السلام صاحب آپ کے دوست گواہ ہیں۔ میں اب بھی کوشش کروں گا انشاء اللہ۔ جب وہ مل جائیں واپس ہوں گے۔

امید ہے کہ آپ میری طرف سے اپنا دل صاف رکھیں گے اور ویسا ہی سمجھتے رہیں گے جیسا پہلے سمجھا کرتے تھے ــــ صفحۂ مہر پراں نام و نشان است کہ بود۔

حیات شبلی کے دیباچہ میں بھی آپ کی امداد کا ذکر آئے گا۔ والسلام

سید سلیمان

۲۰ ستمبر ۱۹۴۲ء

بنام زبیری صاحب　　(۴۷)

محب مکرم زاد لطفکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ عنایت نامہ نے مسرور کیا مشکور کیا۔ میرے لڑکے کا نام ابوسہیل ہے مگر وہ اپنے کو اختر سہیل یا اے سہیل لکھتے ہیں انہوں نے امسال مسلم یونیورسٹی سے تھرڈ کلاس بی اے کیا ہے میں واقعی ان کے لئے بہت پریشان ہوں کہ کیا کیا جائے۔ سنٹرل ہوم ڈیپارٹمنٹ میں کلرکی کی کوشش کا خیال تھا۔ مگر ذرائع مفقود۔ آنریبل سید عبدالعزیز صاحب سے قدیم ملاقات ہے ان سے دوسروں کے لئے سفارش کرتا ہوں مگر اپنے لئے شرماتا ہوں۔ ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب اگر چاہیں تو وہ سب کچھ کر سکتے ہیں بشرطیکہ چاہیں۔ آپ کی کوشش واثر سے بہت کچھ امید پڑتی ہے۔ ان کا سبجکٹ ایف اے تک تو تاریخ اور عربی تھی مگر بی اے میں اردو، تاریخ اسلام اور انگریزی تھی۔ لٹریچر سے ذوق رکھتے ہیں۔ محنتی اور مستعد بہت ہیں۔ ہر کام کو پوری جانفشانی سے کرتے ہیں ریلوے میں اچھی طرح چل سکتے ہیں وہ خود کمپیٹیشن میں بیٹھنا چاہتے ہیں آپ کا خط میں نے ان کو دے دیا اس کو پڑھ کر بہت خوش ہوئے اور آپ کی ہمدردی سے متاثر۔ وہ ایک ہفتہ کے لئے پٹنہ گئے ہیں واپس آجائیں تو میں ان کو آپ کے پاس علیگڈھ بھیج دوں گا۔ آپ جو مناسب مشورہ دیں گے وہ کریں گے۔

میرے داماد اردو میں ایم اے اور ایل ایل بی ہیں دونوں مسلم یونیورسٹی سے سیکنڈ کلاس میں کیا ہے اُن کا ارادہ منصفی کا ہے۔ پٹنہ میں جسٹس فضل علی اب چیف ہیں۔ شیعہ ہیں ان سے کام لینا پڑیگا۔ سوال یہاں بھی ذریعہ کا ہے بہرحال آپ کی کوششوں سے جو مدد حاصل ہوگی وہ شاید مجھ سے زیادہ کامیاب ہو۔ عزیزی یامین کی کامیابی کا حال پڑھا اور سُنا مبارک کرے آمین۔ اس میں عزیز موصوف کی ہوشمندی اور صحیح راہ عمل کو بھی دخل ہے اللہ تعالیٰ آپ کے اور صاحبزادوں کو بھی کامیاب کرے کہ اس عمر میں آپ کو اطمینان نصیب ہو۔

حیات شبلی کے ۳۰۰ صفحے چھپ چکے ہیں ۶۰۰ ابھی باقی ہیں۔ میں اب لکھنؤ جا رہا ہوں ۲۵ اکتوبر سے دو ہفتوں تک تھانہ بھون رہوں گا۔ لکھنؤ کا پتہ دارالعلوم ندوہ لکھنؤ اور تھانہ بھون کا خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون ضلع مظفر نگر۔ عزیزی سہیل کو براہ راست شبلی منزل اعظم گڈھ کے پتہ سے لکھ سکتے ہیں۔ والسلام۔

۱۹ اکتوبر ۱۹۲۲ء　　سید سلیمان

بنام زبیری صاحب　　(۴۸)

اعظم گڈھ۔ مجبی منشی محمد امین صاحب زبیری سول لائنس علیگڈھ۔

مکرم زاد لطفکم۔ السلام علیکم۔ عنایت نامہ مجھے تھانہ بھون میں ملا تھا۔ عزیزی سہیل کو ایک پھوڑا نکل آیا تھا وہ پٹنہ وانا پور اسپتال میں پڑے تھے ابھی واپس آئے ہیں اور میں بھی پرسوں ہی واپس آیا ہوں۔ عزیزم سلمہ آپ کے پاس علیگڈھ جا رہے ہیں۔ اب آپ ہیں اور وہ ہیں ان کو جو مشورہ ان کے لائق دیجئے۔ وہ انشاء اللہ عمل کریں گے خدا کرے کہ آپ کی کوششیں کامیاب ہوں امید ہے کہ آپ ان کو مطیع و فرماں بردار پائیں گے۔ دسمبر تک یہ قسمت آزمائی کریں گے۔ امید ہے کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام۔ سید سلیمان ۷ نومبر ۱۹۲۲ء

بنام زبیری صاحب　　(۴۹)

جناب مجی منشی محمد امین صاحب زبیری زاد لطفہٗ۔ السلام علیکم۔ آپ کے مراسلے دو عزیز تو چھپے ہی ہوئے ہیں اب ایک تیسرا بھی چھپانا چاہتا ہوں۔ علیگڈھ گزٹ ۱۵ دسمبر ۴۲ء میں ملفوفہ اشتہار چھپا ہے۔ میرے ایک نوجوان عزیز جو میرے پاس اسی قسم کا کام کرتے ہیں لیکن یہاں مشاہرہ کم پاتے ہیں۔ اس اشتہار کے مطابق اپنے کو پیش کرتے ہیں۔ درخواست تو انہوں نے حفیظ الرحمان صاحب حفیظ منزل میرلیس روڈ علیگڈھ کے نام بھیج دی ہے میں ان صاحب سے واقف نہیں اگر آپ کو واقفیت ہو اور ضرور واقفیت ہوگی تو آپ براہ مہربانی کوشش فرما کر تقرر کرا دیں۔ بہت ممنون ہوں گا۔ افسوس کہ قلم تعویل کا عادی نہیں ورنہ زیادہ لکھتا عزیزی سہیل ابھی تک ناکام ہیں۔ شاید ڈاکٹر صاحب نے حسب توقع دلچسپی نہیں لی۔ بہرحال ممنون ہوں کہ اس گرانی میں آپ ان دو ناخواندہ مہمانوں کی میزبانی فرما رہے ہیں۔

کیا ان لوگوں کی کامیابی کی کوئی توقع ہے؟ آپ کی رائے سننی چاہتا ہوں۔ افسوس کہ میں اچھا نہیں ورنہ علیگڈھ خود آتا۔ گھر میں بھی علالت ہے۔ والسلام

۲۲ دسمبر ۱۹۴۲ء　　سید سلیمان

بنام مالک رام　　(۵۰)

دار المصنفین اعظم گڈھ۔ مکرم تسلیم۔ آپ کے خط ملتے رہتے ہیں۔ معلوم نہیں کہ جواب بھی آپ کو ملتا ہے یا نہیں۔ ہندوستان خوش ہے اور انتظار کے دن دیکھ رہا ہے۔

آپ کی کتاب کا مسودہ اب تک میرے پاس رکھا ہوا ہے۔ اس میں چند باتیں تنقید کے قابل ہیں یہاں کسی کا نام بتائیے تو اس کو یہ امانت سپرد کر دوں۔

۹ فروری ۴۳ء　　سید سلیمان

بنام مولوی عبدالرزاق صاحب مولف البرامکہ　　(۵۱)

دار المصنفین اعظم گڈھ۔ مکرم السلام علیکم "یاد ایام" کی اصل اور کاپیاں واپس مرسل ہیں۔ میں دوبارہ عرض کرتا ہوں کہ آپ نے مولانا شبلی کے حال میں غایت بے تکلفی سے بعض ایسے واقعات نقل کئے ہیں جو احباب کے لئے اور وہ بھی آغاز شباب کے لئے ہوتے ہیں۔ دور جوانی افتد چنانکہ تو دانی۔ مگر اب جب وہ اواخر عمر میں ایک مقدس کام کے بانی ہوئے ان کا تذکرہ کرنا اور لکھنا بالکل نامناسب ہے گناہ کا ستر چاہئے نہ کہ تشہیر اس لئے ازراہ عنایت بلکہ اس دوستی کے واسطے سے جو آپ کو مولانا مرحوم سے تھی یہ عرض کرتا ہوں کہ ان واقعات پر پردہ ڈالئے تاکہ ان کا نام نیک ضائع نہ ہو اور یوں بھی عیب و گناہ کا برملا اظہار اور فخر مسلمان کے لئے زیبا نہیں آپ کا یہ فرمانا کہ "عطیہ بیگم صاحبہ کی علمی قدردانی نے مولانا کی فارسی شاعری میں نئی روح پھونک دی تھی" بالکل غلط واقعہ ہے غزلوں کا آغاز ۱۹۰۵ء سے ہوا ہے اور خطوط و ملاقات کا سلسلہ ۱۹۱۰ء سے ہے والسلام سلیمان

بنام فصیح الدین ہاشمی　　(۵۲)

مکرم۔ السلام علیکم۔ جواباً عرض ہے۔ جہاں تک میری نظر ہے چھوٹی لڑکیوں کی تعلیم کے لئے گھر سے باہر کوئی چہار دیواری مسلمانوں نے نہیں بنائی۔ اور نہ مساجد میں اور نہ کتاب یعنی مکاتب میں لڑکوں کے ساتھ وہ نظر آئیں۔ صرف ساحل ہند میں ایک ساحلی شہر تھا۔ جہاں ابن بطوطہ کو لڑکیوں کے مکاتب نظر آئے۔ اور سکا بیان ہے کہ ساحل ہند میں ہنور کے مقام میں ۱۳ مکتب لڑکیوں کے تھے جلد ۳ صفحہ ۱۳۳ مصر)۔

عملی تواتر سے جو واقعہ ثابت ہوتا ہے وہ وہی ہے جو اصغری خانم کے مدرسہ کا ہے۔ یا یہ کہ امراء اپنی لڑکیوں کے لئے کوئی معلمہ یا مستند و ثقہ و معمر معلم بپابندی پردہ مقرر کرتے تھے جیسا کہ سلاطین مغل کی خواتین زیب النساء وغیرہ کے احوال میں ہے۔

بے شبہ اعلیٰ التعلیم جیسے علم حدیث وغیرہ میں یہ طریقہ بھی مذکور ہے کہ مساجد و محافل میں کسی استاد یا محدث کے املاء میں عورتیں بھی حاضر ہو کر سنتی تھیں اور روایت کرتی تھیں۔ بلکہ وہ بھی مجلس میں بیٹھ کر املاء حدیث کرتی تھیں۔ اور مرد تلامذہ و سامعین انکو سنتے تھے۔ لیکن پہلی صورت میں عورتوں کا انتظام نشست الگ تھا۔ اختلاط نہ ہوتا تھا۔ جیسا کہ احادیث میں ہے کہ عورتوں کے لئے الگ انتظام ہوتا تھا۔ اور دوسری صورت میں بیچ میں پردہ حائل ہوتا تھا۔ جیسا کہ ام المومنین حضرت عائشہ کے احوال میں ہے۔ یا اگر وہ بہت بوڑھی ہوتی تھیں تو کشف وجہ بھی کرتی ہوں گی۔ مگر تصریح میری نظر میں نہیں ہے۔

یہ بھی تھا کہ باپ اور بھائی اپنی عزیز بیٹیوں اور بہنوں کو خود اعلیٰ تعلیم دیتے تھے۔ اور اس کی مثالیں بہ کثرت ہندوستان میں پہلے بھی تھیں اور اب بھی ہیں۔ اور بعض فقیہات اسلام کے تذکروں میں بھی ہے۔ بعض اپنے شوہروں سے علم حاصل کرتی تھیں۔ والسلام

۱۵ ستمبر ۱۹۴۳ء　　سید سلیمان

بنام زبیری صاحب　　(۵۳)

جونپور۔ بذریعہ ڈپٹی سید حسین صاحب۔ محب مکرم۔ السلام علیکم۔ میں اس وقت ضعف معدہ و ضعف اعصاب میں مبتلا ہوں۔ یہاں بغرض علاج مقیم ہوں۔ مشاغل دماغی سے کلیتہً احتراز ہے۔

سیرت شبلی ختم ہو گئی ہے اس کا مقدمہ و دیباچہ معارف نومبر میں معہ فہرست چھپ رہا ہے۔

آپ اپنے محفوظات دماغی و تحریری سب سپرد قلم کر دیجئے۔ بہرحال وہ مفید ہوں گے اور آئندہ کام کرنے والوں کے لئے بطور مسالہ کے کام آئیں گے۔

مسلم یونیورسٹی کے مباحث سے مجھے دور ہی رکھئے اعتراضات کی بجائے ڈیپارٹمنٹ کو اپنے مشورے دیں تو زیادہ بہتر اور پھر کوئی صیغہ اپنے مقام پر ہے۔ فداعربی و فارسی اور دوسرے صیغوں پر بھی نظر دوڑایئے۔

جی ہاں میاں سہیل سے فرصت ملی میاں سہیل محکمہ تک میں انسپکٹر ہو کر مظفرپور (بہار) میں ہیں۔

میاں عاصم نے پٹنہ میں وکالت شروع کی۔ والسلام
۳۱ر اکتوبر ۱۹۴۳ء
سید سلیمان

بنام مالک رام

(۵۴)

دارالمصنفین اعظم گڈھ۔ کرمفرمائے من آداب عرض ہے۔ ایک زمانہ کے بعد آپ نے یاد فرمایا۔ گزشتہ زمانہ میں تو یہ معلوم ہی نہیں ہوتا تھا کہ جو جہاں ہے وہ وہاں ہے بھی یا نہیں۔ خیر یہ معلوم کرکے خوشی ہوئی کہ آپ اپنی جگہ پر ہیں اور بخیریت ہیں۔

آپ نے میرے خط نہ لکھنے کی شکایت کی ہے۔ صحیح ہے ایک تو بعد مکانی، پھر میری صحت کی خرابی اور اس پر سستی جو تقاضائے عمر و طبیعت ہے۔ یہ سب اسباب جمع ہیں۔ اس لئے بجز اس کے احباب معاف فرمائیں اور کیا عرض کیا جاسکتا ہے۔

آپ کے مضمون میں بعض باتیں تصحیح طلب ہیں۔ مضمون پر نشان بنا دیا گیا ہے۔ اور الگ کاغذ پر ایک نوٹ بھی ہے۔ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے اس زمانہ کے کسی مدعی اجتہاد اہل قرآن سے مشورے لئے ہیں۔ وہ اونکے ذاتی افکار ہیں۔ اون کا تعلق اسلام کے قانون و شریعت سے نہیں۔

آپ کا یہ مضمون آپ کے دوست کے نام بھیجا جا رہا ہے۔

نگار میں نہیں دیکھتا۔ آپ کا جو مضمون اوس میں نکل رہا ہے، وہ بھی نہیں دیکھا۔

اب تو پابندیاں کم ہو رہی ہیں۔ کچھ معرکے اجتماعی و تمدنی و اخلاقی و تعلیمی احوال و ترقیات سے باخبر کرسکتے ہیں۔ اور کا مستقبل آپ کی نگاہ میں کیا ہے۔

معارف کے لئے کنٹرولر کو لکھا جائے گا۔ دیکھئے کیا جواب ملے۔ والسلام۔

۳۰ر دسمبر ۱۹۴۵ء
سید سلیمان ندوی

بنام مالک رام

(۵۵)

دارالمصنفین اعظم گڈھ۔ مکرم تحیت و تسلیم۔ آپ کا والا نامہ ملا۔ آپ نے معارف کے ساتھ جس محبت اور قدردانی کا ثبوت دیا ہے۔ وہ مستحق شکریہ ہے۔ ڈاکخانہ سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ معہ پارسل نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے حیات شبلی و سیر افغانستان بھیجنے سے معذوری ہے۔

دفتر سے دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ گزشتہ برسوں کے حسب ذیل پرچے مل سکتے ہیں۔ باقی آؤٹ آف اسٹاک ہیں۔

۱۹۴۱ء مکمل ۱۲ پرچے ہیں۔
۱۹۴۲ء ۸ پرچے۔ مارچ، اپریل، مئی، جون، جولائی، اکتوبر، نومبر، دسمبر
۱۹۴۳ء ۴ پرچے۔ مارچ، اپریل، نومبر، دسمبر

۱۹۲۶ء ۸ پرچے۔ اپریل، مئی، جولائی، اگست، ستمبر، اکتوبر، نومبر، دسمبر۔
۱۹۲۷ء فروری، مارچ، جون، اگست، ستمبر، اکتوبر، نومبر، دسمبر۔

لغتہ دار جہ کے متعلق مولانا شبلی صاحب اپنے سفرنامہ سے (؟ میں) جو کچھ لکھ چکے ہیں۔ یا میری لغات جدیدہ میں جو کچھ ہے، اوسکو پڑھ کر لکھیں۔

کہئے آپ نے اتنے دنوں تک مسلمانوں کو تو دیکھا، اسلام کو بھی دیکھا۔ وہ اسلام نہیں، جو بازاروں میں اور شہروں میں ہے۔ وہ اسلام جو کتابوں میں ہے۔ میرے خطبات مدراس کا عربی میں ترجمہ ہو رہا ہے۔ کیا کسی اچھے عربی پریس میں آپ اوس کے چھپوانے کا بندوبست کر سکتے ہیں۔ میں اپنے مصر کے پرانے احباب سے بالکل لاعلم ہوں، ورنہ اون سے کام لے سکتا تھا۔ یہ خطبات سیرۃ نبوی پر ہیں۔ والسلام

۲۴ مارچ ۱۹۲۶ء　　سید سلیمان

بنام مالک رام　　(۵۶)

مکرم تسلیم و تحیت۔ والا نامہ ملا۔ بل مرسل ہے۔ خطبات مدراس ہنوز عربی میں مکمل نہیں ہوئی ہے۔ ضخامت غالباً ۲۰۰ صفحوں کی ہوگی۔ تقطیع معارف کی۔

بحمد اللہ اچھا ہوں۔ گو کسی کام کے قابل نہیں۔

خطوط شبلی معمولی خطوط ہیں۔ حسن و عشق کی داستان کا رنگ اوسکو سوری عبدالحق اور امین زبیری نے دیا ہے۔ نہ مجھے اوس سے واقفیت اور نہ وہ میرے علم میں ہے۔ اس لئے میں لکھنے سے قاصر ہوں۔ جو صاحب اس سے واقف ہوں۔ ... ... وہ لکھیں۔ چنانچہ امین زبیری نے ابھی تبصرہ برحیات شبلی لکھا ہے اور چھاپا ہے۔ اوس میں ان واقعات کی طرف اشارہ کیا ہے، جو سرتاپا ظن فاسد ہے والسلام۔

۱۶ جون ۱۹۲۶ء　　سید سلیمان

بنام تمکین کاظمی　　(۵۷)

مکرم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ نواز شنامہ ملا۔ ادبی خدمت کا یہ نیا جوش مبارک ہو۔ باقی میرا حال تو یہ ہے۔

گئے دن ٹکٹکی کے باندھنے کے　　اب آنکھیں رہتی ہیں دو وقت پر بند

معذرت خواہ ہوں۔ والسلام

بھوپال ۱۳ نومبر ۱۹۲۶ء　　سید سلیمان

بنام نصیر الدین ہاشمی　　(۵۸)

بھوپال۔ مکرم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ قرآن پاک کے اس مبارک نسخہ کا صدقہ ہے کہ آپ کا سواد خط ان نورانی حرفوں میں نظر آیا۔ الحمد للہ بخیر ہوں۔ اور داعی خیر

ملکاپوری صاحب کا بیان جب تک کسی قدیم سند پر مبنی نہ ہو وثوق کے قابل نہیں۔ سلاطین کے کتب خانوں میں عموماً اون کے کتب خانوں کی کتابوں پر مہریں ہوتی تھیں۔ ان مہروں سے اس نسخہ پاک کا خالی ہونا اوس کی نسبت کو مشکوک بتاتا ہے۔

نسخہ کی آخر کی عبارت ضعیف عباد اللہ اگر آپ نے صحیح نقل کیا ہے تو غلط ہے۔ اضعف عباد اللہ چاہئے جیسے اس کے بعد واعجز خلق اللہ ہے۔ پھر نام کے آخر میں الحسنی الحسینی لکھا ہے۔ حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی کے طریق کے خلاف ہے۔ کیونکہ ان کی تصنیفات غنیۃ الطالبین وغیرہ میں اس طرح نہیں کہیں لکھا گیا ہے۔ علمائے عراق عربی و فارسی دونوں پر قدرت رکھتے ہیں۔ تاہم ان اشعار کی زبان میں کسی قدامت عہد کا اثر نہیں معلوم ہوتا۔ اصل شے خط اور کاغذ کی پہچان ہے۔ یہ اشعار اگر نستعلیق میں لکھے ہوئے ہیں تو وہ پھر حضرت سیدنا شیخ جیلانی قدس سرہ کا ہرگز نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ خط نویں صدی میں ایجاد ہوا ہے۔ عربی خط سے بھی کچھ اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

امید کہ مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام

۲۰ جنوری ۱۹۴۷ء　　سید سلیمان ندوی

بنام نصیر الدین ہاشمی

(۵۹)

مکرم السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ آپ کا والا نامہ ملا تھا۔ جی چاہتا تھا کہ آپ کے لئے معلومات کا تحفہ پیش کروں۔ مگر یہاں کتابیں نہ میرے پاس ہیں نہ دوسروں کے پاس ہیں۔ اس لئے معذوری رہی۔ اور امروز فردا میں معاملہ ٹلتا رہا بہتر ہے کہ آپ سید صباح الدین عبدالرحمان رفیق دار المصنفین اعظم گڈھ سے مغلیہ دور کی کوتوالی کے فرائض کے متعلق دریافت کریں۔ وہ ان چیزوں پر کتاب لکھ رہے ہیں اور وہاں ماخذ بھی موجود ہیں۔

غواصی کا دیوان بڑی غواصی کے بعد آپ کو ہاتھ آیا۔ اب یہ دنایاب آپ کو مبارک۔ معارف کے نمائش خانہ میں میں بھی اوسکو دیکھوں گا۔

حیدرآباد آنا بلا تقریب تو ہوتا نہیں۔ اور کوئی مستقل تقریب ابھی تک پیدا ہوئی نہیں۔ اور یوں بھی اب وہ آزادی نہیں۔ پابندی ہے۔ والسلام

بھوپال ۹ اکتوبر ۱۹۴۷ء　　سید سلیمان

بنام تمکین کاظمی

(۶۰)

مکرم السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ الحمد للہ بخیریت یہاں اور تماشائے روزگار دیکھ رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مشکلوں کو حل فرمائیں۔ معلوم نہیں آج کل آپ کے ادبی مشاغل کیا ہیں۔ والسلام

بھوپال ۱۲ اپریل ۱۹۴۹ء　　سید سلیمان

بنام عبدالباری بی اے (علیگ)　　(۶۱)

مکرمی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ آپ کا عنایت نامہ ملا۔ زبیری صاحب نے حضرت مولانا شبلی نعمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ ان کے اخلاق کا آئینہ ہے۔ میں نے ان کی کتابیں نہ پوری پڑھیں اور نہ ان کے جواب دینے کا کبھی ارادہ کیا۔ آپ اگر جواب لکھنا چاہتے ہیں تو میں آپ کو روکتا نہیں تاہم میں اپنی طبیعت کی بنا پر زبیری صاحب کو اپنی مرت آپ مرجانا زیادہ پسند کرتا ہوں۔ تاہم اگر آپ اس سلسلے میں مجھ سے ملنا چاہیں تو شام کو مغرب و عصر کے درمیان میرے غریب خانہ پر مل سکتے ہیں جو انڈیا ہائی کمشنر جہانگیر روڈ کے پاس چمن اسٹریٹ میں ہے مکان کا نام ڈارمنزل ہے۔ دروازہ پر نام کا بورڈ لگا ہوا ہے

دارالسلام۔ کراچی ۲۲ر جولائی ۱۹۵۳ء　　سید سلیمان

خواجہ حسن نظامی

بنام منشی محمد الدین فوق

(۱)

بھائی بی وحدتی صاحب۔ السلام علیکم۔ ایک مہینہ لگاتار سفر کاٹھیاواڑ گجرات و دکن میں سرگرداں رہا۔ اثنائے سفر میں آپ کا عنایت نامہ ملا تھا مگر افسوس ہے کہ جواب لکھنے کی فرصت میسر نہ آسکی۔

آپ پنجاب کے پہلے اخبار نویس ہیں جنہوں نے اصلی خلوص و محبت سے اپنا فرض محسوس کیا۔ خدا تعالیٰ آپکو جزائے خیر دیگا۔[1]

میں پرسوں سفر سے آیا ہوں اور کام کی کثرت ہے۔ فرصت میں غور کروں گا۔ اور اپنے سفر کے نتائج سے بھی آگاہ کیا جائے گا۔ قادیانیوں کا ذکر بھی ضروری تھا۔ کیونکہ اس وقت تو ہم کو توجہ دلائی ہے اور جذبات نہیاں کرنے ہیں۔ کام کے وقت ہر شے تقسیم اور علحدہ ہو جائے گی۔

۲۷ نومبر ۱۹۱۷ء

دعاگو حسن نظامی دہلی

بنام مہاراجہ سرکشن پرشاد

(۲)

بدین بسیرا، درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی دہلی۔

خماری شاہ صاحب[2]۔ السلام علیکم۔ مدت سے خط نہیں آیا۔ میں بھی ایک مہینہ سے سفر میں تھا۔ حور بانو کا اب تک وہی حال ہے۔ ناسور اور بخار کی تکلیف قائم ہے۔ ۱۷-۱۸ ربیع الثانی کو حضرت محبوب الٰہیؒ کا سالانہ عرس ہوگا۔ اطلاعاً مرقوم ہے۔ بیت المقدس سے ایک وفد آیا ہے۔ پرسوں وائسرائے نے ان کی دعوت کی تھی اور اعلیٰ حضرت حضور نظام کے نام اپنے ہاتھ سے ایک خط لکھ کر ان کو دیا ہے۔ وہ آج حیدرآباد کی طرف روانہ ہوئے ہیں اطلاعاً لکھا گیا۔

---

[1] مولانا ظفر علی خاں نے "ستارۂ صبح" کے نام سے ایک اخبار نکالا تھا۔ جو پہلے ہفت وار تھا۔ بعد ازاں روزانہ ہو گیا۔ اس میں غلط قسم کے تصوف اور غلط قسم کے پیروں کے خلاف بھی مضامین شائع ہوئے تھے۔ جس سے بعض حلقہ ہائے تصوف میں مخالفت شروع ہو گئی۔ فوق صاحب نے اسی زمانے میں رسالہ "طریقت" جاری کر رکھا تھا۔ جس میں بعض مضامین صحیح قسم کے پیروں کی حمایت میں شائع کئے گئے۔ خواجہ صاحب کا یہ اشارہ اسی طرف ہے۔

[2] خواجہ صاحب اپنے خلفا کو خطاب دیا کرتے تھے۔ مہاراجہ کشن پرشاد کو انہوں نے خماری شاہ کا خطاب دیا تھا۔

خواجہ بابا[1] کی آنکھ کیسی ہے۔ آپ تو آج کل دانسرائے کی آمد میں مصروف ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ انجام خیر فرمائے۔ اور آپ کی خوشی دیکھنی اور سننی نصیب ہو[2]

۳ ربیع الثانی ۱۳۴۲ھ ـــــ ۱۲ نومبر ۱۹۲۳ء

دعاگو۔ حسن نظامی

لنگر شریف کے لئے جو ماہوار آپ کے ہاں سے مقرر ہے عرس کے قریب آجائے تو معاون لنگر میں کام آئیگی۔

بنام مہاراجہ سرکشن پرشاد (۳)

رین بسیرا۔ درگاہ حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی دہلی ـــ تار کا پتہ "خواجہ دہلی"

تمہاری شاہ صاحب السلام علیکم۔ خط رجسٹرڈ مورخہ ۱۲ دسمبر وصول ہوا۔ درویش کے مضمون میں جماعت علی شاہ صاحب ہی کے واقعہ کا اشارہ تھا۔ آپ مجھ سے پہلے اس قصہ کو فرما چکے ہیں۔

اگرچہ آپ کا خیال بلحاظ تدبر درست ہے کہ جماعت علی شاہ صاحب جیسے لوگ ان جوابات سے قائل نہیں ہوں گے۔ بلکہ اور مند کریں گے۔ مگر ملک میں ان کے علاوہ بھی ایک جماعت کثیر ایسی ہے جو اس قسم کے مضامین شائع ہونے سے بدگمانیوں اور فضول افواہوں سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔ اس واسطے میں نے وہ مضمون شائع کرنا ضروری سمجھا اور مناسب معلوم ہوا تو آپ کا یہ خط بھی خانگی الفاظ قلم زد کرنے کے بعد شائع کر دیا جائے گا۔ کہ اس خط میں نہایت مخلصانہ سچی تحریر ہے۔ اگر خط شائع ہوا تو جماعت علی شاہ کا قصہ درج نہ ہوگا۔

میں کل ایک خط آپ کو لکھ چکا ہوں۔ اور دو تار بھی آپ کو دئے ہیں۔ امید ہے کہ وصول ہوئے ہوں گے۔ میں خود آمنے سامنے ملنا اور بات چیت کرنا ضروری خیال کرتا ہوں۔ خدا کے فضل سے حرم بانو کو بھی اب آرام ہے۔ یعنی قابل فکر حالت نہیں ہے۔ شادی اگر مقرر ہو گئی تو فوراً چلا آؤں گا، ورنہ پندرہ دن کے بعد ارادہ ہے۔ محض آپ ہی سے ملاقات کرنی چاہتا ہوں کہ مریدوں کی بھیڑ بھاڑ سے بچکر کہیں ٹھہروں۔ خواجہ بابا اور بچوں کو دعا

۱۵ دسمبر ۱۹۲۳ء

دعاگو۔ حسن نظامی

بنام صغریٰ ہمایوں مرزا صاحبہ (۴)

"مقیم خانہ باغ" ڈیوڑھی مہاراجہ سرکشن پرشاد صدر اعظم بہادر ـــ حیدرآباد دکن۔

عزیزہ ہمایوں بانو۔ السلام علیکم۔ خط ملا۔ لکھی ہوئی تقریر تبلیغ نسواں کے لئے دہلی چلی گئی ہے۔ چھپ کر آنے والی ہے۔

میں آج مہاراجہ کے مکان میں سب کو لے کر جا رہا ہوں اور آج کسی وقت آپ سے ملنے آؤں گا۔

---

[1] اشارہ ہے خواجہ پرشاد کی طرف۔ مہاراجہ کو ہندو سانبوں سے لڑکیاں تھیں کوئی لڑکا زندہ نہ رہا تھا۔ خواجہ صاحب کی دعا سے جب لڑکا ہوا تو اس کا نام خواجہ پرشاد رکھا۔ چنانچہ یہی لڑکا ان کا جانشین ہوا۔ حالانکہ مسلمان بیویوں سے اس سے بڑی عمر کے لڑکے موجود تھے۔ خواجہ پرشاد نے اپنے والد کے بعد چند سال کے اندر ہی بمبئی میں مشتبہ حالات میں وفات پائی۔

[2] مہاراجہ آخر میں تعمیری مرتبہ حیدرآباد کے وزیر اعظم ہوئے اور خواجہ صاحب نے یہ خوشی بھی دیکھ لی

سید ہمایوں مرزا صاحب کو تسلیم۔ اُن کی علالت کی خبر ہے تھی۔ دو تین بجے تک اُن سے اور آپ سے ملنے آؤں گا۔

۳۰ر جولائی ۱۹۲۹ء　　دعاگو۔ حسن نظامی

ریلوے کے کاغذات مرسلہ سید صاحب وصول ہو گئے ہیں۔

بنام سید ہمایوں مرزا صاحب　　(۵)

مخلص نواز جناب سید ہمایوں مرزا صاحب بیرسٹر

السلام علیکم۔ میں یہ خط خصوصیت سے آپ کی خدمت میں اس لئے لکھتا ہوں کہ آپ کو ملک و قوم کی موجودہ حالت کا پورا احساس ہے۔ اور آپ کے دل میں اصلاح و ترقی کا ایک خاص درد ہے۔

میرا خیال یہ ہے کہ نئے تمدن و تہذیب اور قدیمی تمدن کے باہمی تصادم کے موجودہ زمانہ میں جب کہ سیاسی خیالات اور مذہبی عقائد میں انقلابات بھی پیدا ہو رہے ہیں بڑی ضرورت ہے کہ ہم سب اپنے ملک و قوم کی عورتوں کو ہر انقلابی خطرہ سے بچائیں اور ان کو اپنی اولاد کی عمدہ تعلیم و تربیت کے لئے تیار کریں۔ اور ان میں قومی و ملکی احساس کو بڑھائیں۔ اور مختلف صوبوں کی عورتوں کو باہم متحد کریں۔

اس کے لئے تجویز ہے کہ جنوری ۱۹۳۰ء سے ایک ہفتہ وار زنانہ اخبار جاری کیا جائے جو با تصویر ہو اور جس میں مکسی اور لیتھو کی تصویروں کے ذریعہ عورتوں کی اصلاح و ترقی اور متحد ہونے کے لئے مضامین شائع کئے جائیں۔ اس اخبار کا نام "عورتوں کا اخبار" ہو اور وہ دہلی سے میں خود جاری کروں۔ اس کی قیمت چار روپے سالانہ ہو۔ اور اس کا ایک ماہوار ایڈیشن بھی ہو جو ایک روپیہ سالانہ میں دیا جائے تاکہ غریب لوگ بھی فائدہ اٹھا سکیں

پس یہ خط اس لئے لکھتا ہوں کہ پہلے آپ کا مشورہ حاصل کر لیا جائے کہ آپ اس کی ضرورت سمجھتے ہیں یا نہیں۔ اور اس بڑے کام میں کچھ مدد دے سکتے ہیں یا نہیں۔

۱۹ر نومبر ۱۹۲۹ء　　دعاگو۔ حسن نظامی

بنام منشی محمد الدین فوق　　(۶)

مخلص نواز وحدتی صاحب۔

السلام علیکم۔ آپ کے خط کے جواب میں بہت دیر ہو گئی۔ کیونکہ میں بہت بیمار تھا۔ آپ کی کتاب "تاریخ کا روشن پہلو" بیماری کے زمانہ میں سرہانے رہتی تھی اور میں اس کو بار بار پڑھتا تھا۔ اب انشاء اللہ اس کی نسبت روزنامچہ میں لکھوں گا۔

۱۶ر اپریل ۱۹۳۲ء　　دعاگو۔ حسن نظامی، درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء دہلی۔

بنام سید ہمایوں مرزا　　(۷)

از دفتر خواجہ حسن نظامی۔ دہلی۔ مخلص نواز سید ہمایوں مرزا صاحب۔

السلام علیکم۔ امید ہے کہ ہمایوں بانو اور آپ خیریت سے ہوں گے۔ میں نے ایک ہفتہ وار اخبار جاری کیا

ہے۔ جس میں ہر ہفتہ چار صفحے انگریزی کے، دو عربی کے، دو فارسی کے ہوں گے اور عورتوں اور بچوں کے لئے مخصوص مضامین درج کئے جائیں گے۔ (اس کا نام منادی ہوگا۔ ۳۲ صفحہ کا ہوگا)

میں چاہتا ہوں کہ ہر ہفتہ آپ اور ہمایوں بانو ایک ایک مضمون اس اخبار کے لئے بھیج دیا کریں۔ آپ کی ساری زندگی خدمت ملک و قوم میں گزری ہے اس لئے امید ہے کہ آپ دونوں اس بڑے قومی کام کے لئے وقت نکالیں گے۔

آپ انگریزی میں لکھیے اور ہمایوں بانو اردو میں۔ ہر خط کا مضمون ہمیشہ ایک مقررہ نصب العین کے لئے ہونا چاہیئے۔ جو خود آپ اپنی آسانی کے موافق منتخب کر سکتے ہیں۔ خط بہت بڑا نہ ہو۔ مختصر کافی ہے۔ تاکہ پابندی سے لکھ سکیں۔

میرے خیال میں آپ کا خط ممالک اسلامیہ میں آثار بیداری کے لئے مخصوص ہوا کرے۔ ۔ ۔

کپڑے میں کس کر گلے میں ڈال دیجئے۔

آپ کا وہ سارا خط تازہ منادی میں شائع ہوا ہے۔ خیریت لکھئے۔ یہاں سب کو فکر ہے۔ اور سب دعا مانگتے ہیں

۲۰ر جون ۱۹۳۶ء دعاگو: حسن نظامی

روح سے خاص طور سے دعا کرائی جاتی ہے۔

بنام بشیر النسا بیگم صاحبہ بشیر (۱۰)

حیدرآباد دکن بشیر منزل دبیرپورہ

آج رات کو دس بجے میں نے بشیر منزل میں دکن کی مشہور ہونہار شاعرہ بشیر النسا بیگم بشیر کا سلام ان کی زبان سے سنا۔ ان کے شوہر مرزا ضامن علی صاحب اور ان کے بڑے بھائی مرزا محمد فاروق علی صاحب وکیل بھی موجود تھے بشیر کا کلام مطبوعہ اور غیر مطبوعہ دیکھا بھی تھا۔ اور دوسروں سے سنا بھی تھا۔ مگر خود بشیر کی زبانی ان کا کلام سننے کا آج پہلا موقع تھا۔ وہ مرد شاعروں کی طرح بن بن کر نہیں پڑھتیں۔ بلکہ جس طرح ان کا کلام بے ساختہ ہوتا ہے ایسے ہی ان کے پڑھنے کا طریقہ بھی بناوٹ سے پاک ہوتا ہے بہت سلاست اور سادگی سے وہ اشعار ادا کرتی ہیں جس سے ان کی موزوں طبیعت کی روانی اور صفائی ظاہر ہوتی ہے۔

اہل دکن خوش نصیب ہیں کہ ان کی عورتوں میں بشیر جیسی ہونہار شاعرہ ہیں۔ آج ان کے دسترخوان کی نفاست کو دیکھ کر میں نے سمجھا کہ دسترخوان پر کھانوں کی شکل میں بھی غزلیں نظر آتی ہیں۔ کھانوں کی ترتیب میں تمیز اور سلیقہ تھا۔ مگر ایسا سلیقہ جو شاعری کی شان دکھاتا تھا۔ کوئی کھانا اور اس کی نشست شاعری کی تختی سے خارج نہ تھی۔ میں اگر شاعر ہوتا تو بتا دیتا کہ کھانے اس ترتیب سے چنے گئے ہیں کہ کہیں ردامی ہے، کہیں خسہ ہے، کہیں تضمین ہے کہیں طرح کا مصرع ہے، کہ اکیلا بیٹھا پکار رہا ہے کہ نیچے گرہ کا مصرع لگائیے۔

بہرحال شاعر نہ ہونے کے باوجود میں یہ داد شاعرانہ زبان میں لکھ رہا ہوں کہ حیدرآباد میں اور اس کے بیشمار شعراء میں ایک ناسوزوں غزل کی طرح یادگار رہے۔ آخر میں میری دعا ہے کہ بشیر کو خدا اتنے دن زندہ رکھے کہ اردو زبان تمام ملک میں قومی بولی تسلیم کر لی جائے۔ اور ہر گھر بشیر کے کلام کی دھوم مچے۔

۲۱ر اگست ۱۹۳۹ء راقم حسن نظامی دہلوی مسافر

بنام بشیر النسا بیگم صاحبہ بشیر (۱۱)

دختر روحانی بشیر النسا بیگم چمن آرا اور ان کے شوہر مرزا ضامن علی صاحب کو بعد دعا کے معلوم ہو کہ میری صحت کا شیرازہ ایسا بکھرا ہے کہ ہر روز کوئی نہ کوئی تکلیف پیش آتی ہے۔ ایسی حالت میں حیدرآباد آنا بہت مشکل ہے۔ حیدرآباد آنا ہو یا نہ ہو تم دونوں میاں بیوی کے دلوں میں پہلے بھی تھا اب بھی ہوں آئندہ بھی رہوں گا اور تم دونوں بھی میرے دل میں اور میرے تصورات میں ہمیشہ نفس کا لجھر رہتے ہو۔

۴ر دسمبر ۱۹۳۹ء دعاگو حسن نظامی

(۱۲)

بنام ڈاکٹر زور

مخلص نواز ڈاکٹر زور صاحب

السلام علیکم۔ حیدرآباد سے واپس آنے کے بعد اتنا زیادہ مشغول ہوا کہ آپ کو تاناشاہ کے حالات اور ٹیپو سلطان کے حالات کی نقلوں کی یاد دہانی نہ کرا سکا۔ اب یہ خط خیریت طلبی اور دونوں کتابوں کے حصول کی خود طلبی سے ارسال خدمت کرتا ہوں۔ سجادہ نشین صاحب[1] کی خدمت میں تعظیم۔

مخلص حسن نظامی

۱۵ر اپریل ۱۹۴۶ء

یہ بھی معلوم کرنا ہے کہ زاہد حسین صاحب نے آپ کے عزیز کے لئے کچھ کیا یا نہیں جن کی میں نے سفارش کی تھی اور آپ کے کتب خانے کے واسطے بھی کچھ ہوا یا نہیں۔

حسن نظامی

(۱۳)

بنام ڈاکٹر زور صاحب

مخلص نواز زور صاحب

السلام علیکم۔ مکتوب گرامی مورخہ نسیان پہونچا۔ بہت خوشی ہوئی کہ آپ کی خانقاہ میں کتب خانہ قائم ہوا۔ منادی میں بھی اس کا ذکر کروں گا اور زاہد حسین صاحب کو بھی خط لکھوں گا۔ اب مطلوبہ کتب کی نقل نہ بھیجئے۔ کیونکہ میں اب کچھ دن آرام کرنا چاہتا ہوں۔

سجادہ نشین صاحب کی خدمت میں تسلیمات۔

مخلص حسن نظامی

۱۶ر اپریل ۱۹۴۶ء

(۱۴)

بنام ڈاکٹر زور

ہادی منزل۔ باغ عام روڈ۔ حیدرآباد۔ برادر محترم ڈاکٹر زور صاحب۔

آداب عرض ہے۔ جواب نامہ ملا۔ شکریہ۔ میں پنجشنبہ سے ہادی منزل میں منادی کے انتظامات کے لئے آگیا ہوں۔ املا نویس اور عمدہ کاتب کی بہت ضرورت ہے۔ اگر کوئی عمدہ اور زود نویس خوش خط املا نویس آپ مہیا کرسکیں تو ایک روپیہ گھنٹہ اجرت دوں گا۔

اور کاتب ایسا ہو جو میرے یہاں رہ کر کام کرے تو بہت ہی اچھا ہو تاکہ میں دہلی کے مروجہ اصول کتابت بتاتا جاؤں ورنہ یہاں کا طرز تحریر باہر والوں کو پسند نہیں آئے گا۔

بہت عنایت ہوگی اگر آپ اس کام میں سعی فرمائیں گے۔

حضرت شاہ صاحب[2] کی خدمت میں استدعائے دعا۔ وہ معصوم ہیں اُن کی دعا ضرور قبول ہوگی۔

مخلص حسن نظامی

۳۰ر نومبر ۱۹۴۶ء

---

[1] میرے (ڈاکٹر زور کا) لڑکا سید شاہ نقی الدین احمد قادری جو اپنے دادا حضرت مشکل آسان ثانی کی درگاہ کا سجادہ نشین ہے۔

[2] میرے لڑکے سید شاہ نقی الدین قادری کو سجادہ نشین ہونے کی وجہ سے خواجہ صاحب بہت چاہتے اور تعظیم دیتے تھے۔

(۱۵)

بنام مولوی وحید احمد صاحب بدایونی

محرۂ قدیم شمس العلما حضرت خواجہ حسن نظامی صدر آل انڈیا چشتی پارٹی و جانشین حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء۔ دہلی

بخدمت جناب مولوی وحید احمد صاحب بدایونی۔

السلام علیکم! مکتوب گرامی مورخہ ۱۵ جون ۱۹۲۹ء آج وصول ہوا۔ شکریہ۔ میں ۲ اکتوبر ۱۹۲۸ء کو حیدرآباد گیا تھا اور یکم جون ۱۹۲۹ء کو اپنے گھر میں واپس آیا۔ آپ کی مرسلہ کتاب مجھے نہیں ملی۔ لیکن میں اس کی دید کا مشتاق ہو گیا۔ ممکن ہے آپ نے دہلی کے پتہ پر بھیجی ہو مگر یہاں کوئی انتظام باقی نہ تھا۔ آپ میرے آقا حضرت سلطان المشائخ کے ہموطن ہیں، اس واسطے آپ کو اس طرف جو توجہ ہوتی ہے میں اس کو ارواح مقدسہ کی توجہ کا نتیجہ سمجھتا ہوں۔ اس سلسلے میں مزید خط و کتابت بھی چاہتا ہوں مگر پہلے کتاب دیکھنی ضروری ہے۔

۱۶ جون ۱۹۲۹ء　　مخلص حسن نظامی

(۱۶)

بنام وحید احمد صاحب رئیس شیخوپورہ (بدایوں)

دفتر امیر خسرو اردو لائبریری دہلی۔

پیارے ماموں روشن دل بیدار قلم وحید احمد صاحب فریدی۔

السلام علیکم۔ آپ نے میرے سفارشی مکتوب پر جتنی زیادہ توجہ کی اس کا حال مجھ سے کہا گیا تو میرے دل پر اس کا بہت اثر ہوا۔ میں نے آج آپ کو ماموں لکھا ہے۔ اس لئے کہ آپ حضرت بابا صاحب کی اولاد ہیں اور میں آل ہوں۔ میرے دل پر حوادث اور انقلاب ایام کا بہت ہی کم اثر ہے اور اس کو میں خدا کی سب سے بڑی نعمت تصور کرتا ہوں۔ روشن دل اور بیدار قلم بھی حقیقت سمجھ کر لکھے گئے ہیں۔ اور میں ایمان رکھتا ہوں کہ اولیاء اللہ کی روحانی تجلیات ہم سب کو صراط مستقیم دکھاتی رہیں گی۔ منادی اخبار آپ کو ملا یا نہیں۔ مادر ہمدرد کتاب بھی روانہ کرونگا۔

۱۸ مارچ ۱۹۵۰ء　　مخلص حسن نظامی

(۱۷)

بنام مولینا وحید احمد صاحب فریدی رئیس شیخوپورہ بدایوں

مخلص نواز جناب مولانا وحید احمد صاحب فریدی۔

السلام علیکم۔ آپ کا خط اور کتاب گرد راہ لالہ انوپ سنگھ صاحب کے ذریعے مجھے ملی۔ یکم اپریل کے منادی اخبار میں مختصر تبصرہ گرد راہ پر لکھا ہے۔ ۔ ۔

میں نواب سید محفوظ علی کے پاس جانے والا ہوں جن کے آپ شروع سے رفیق کار تھے اور آپ کو اپنی جانشینی دینی چاہتا ہوں۔ ایسی جانشینی نہیں جس میں میری اولاد کو آپ سے اختلاف ہو بلکہ ایسی جانشینی جس کا ذکر حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ نے آخر وقت کیا تھا کہ میرا جانشین وہ ہے جو اپنا حصہ چھوڑ دے اور چونکہ میں نے ساری عمر اس پر عمل کیا یعنی درگاہ کی آمدنی کا حصہ چھوڑا اور اسی قسم کے بہت سے حصے چھوڑے اس واسطے میں یقین کے ساتھ دعویٰ کرتا ہوں کہ میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کا جانشین ہوں اور اب حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کی جانشینی شربیان وحید احمد کے حصے میں آئے گی جو حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے پیرزادے اور ان کے ہم وطن ہیں۔ فلسفوں کے الجھاؤ سے باہر آیئے اور ڈوبنے والوں کو بتایئے کہ تم سب بھول گئے ہو اور بھول کی وجہ سے ڈوب رہے ہو ورنہ درحقیقت تم سب کو تیرنا آتا ہے۔ تیرو اور پار نکل جاؤ۔ جس سیاسی ماحول میں آپ کی نشوونما ہوئی ہے۔ اس کے تیرنے کی مجھے امید نہیں ہے۔ وہ تو ڈوب کر رہے گا۔ میں تو اس حال کا اشارہ کرتا ہوں جس کا ذکر لاحول میں ہے اور جس لاحول سے لوگ نفرت کرتے ہیں اور جس لاحول کو لوگ شیطان کا کوڑا سمجھتے ہیں۔ حالانکہ اس حول کے ساتھ قوت کا لفظ موجود ہے یعنی جس ماحول سے قوت پیدا ہوتی ہے وہ ماحول اللہ دیا کرتا ہے۔

مخلص حسن نظامی

۳۰ مارچ ۱۹۵۰ء

بنام مولینا وحید احمد صاحب فریدی رئیس شیخوپور (بدایوں)　(۱۸)

محرم راز مولوی وحید احمد صاحب۔

السلام علیکم۔ چار صفحات کا مکتوب گرامی پہنچا۔ اُس وقت جبکہ میں دونوں ملکوں کے بڑے وزیروں کو اپنے ہاں قوالی کی مجلس میں بلا دینے کے خط بھیج رہا تھا۔ "گردراہ" کی رجسٹری بھی ملی۔ لالہ انوپ سنگھ کو بھیج دونگا لالہ مول چند کے لئے جتنا آپ کر چکے ہیں وہی کافی ہے اور زیادہ فکر کرنا تضیع اوقات ہے۔ ہر چیز کی ایک حد ہونی چاہئے۔ مجھے اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ جو لوگ ذاتی خواہشوں میں اتنے زیادہ ڈوبے ہوئے ہیں وہ قدرت کے موجودہ عطیے کو سنبھال نہیں سکیں گے۔ میری قوم بھی اسی گناہ میں مبتلا ہے۔ ہر انسان فطرتاً ذاتیات کا دلدادہ ہوتا ہے اور میں بھی ذاتیات کا دلدادہ ہوں مگر خدا نے یہ نعمت دی ہے کہ اپنے نیک و بد حالات کو ترازو میں تول سکتا ہوں اور خود پسندی میں ایک حد کے اندر رہتا ہوں۔ تصوف کی اصلیت کتاب میرے پاس نہ رہی تھی۔ اچھا ہوا کہ آپ نے اور بھیج دی۔ اب میں اس پر بھی کچھ لکھوں گا۔ آپ کا خط حقائق و معانی کا دریا ہے اور میں بڑھاپے اور بیماری اور .. .. گرد و پیش کے افکار کے سبب خیالات کو یکسو کر کے سب مندرجات کا جواب نہیں لکھ سکتا تاہم یہ خط اپنی خاص تحریروں میں رکھ لوں گا۔ میرے ہاں قوالی ہال کی دیواروں پر مثنوی کا پہلا شعر اور حافظ کا شعر "حدیث از مطرب و مے گو" لکھے ہوئے ہیں اور یہ بھی لکھا ہے۔ "زندگی کا ساز بھی کیا ساز ہے۔ بج رہا ہے اور بے آواز ہے"۔ مگر قوالی کی مجلس کے وقت کوئی ان نوشتوں کو نہیں پڑھتا۔ اس سے میں نتیجہ نکالتا

ہوں کہ دنیا ساز کی طلبگار ہے۔ بے ساز آواز اس کو اپنی طرف نہیں کھینچ سکتی۔ اس واسطے میں بھی زمانہ سازی کر رہا ہوں۔ تاکہ "زمانہ باتو نہ سازد تو با زمانہ بساز" پر عمل ہو جائے۔

۵ر اپریل ۱۹۵۰ء　　مخلص طالب دیدار حسن نظامی

اتنا لکھوا چکا تو ملا محمد واحدی صاحب کا کراچی سے خط آگیا۔ وہ میرے دل نشین لوگوں میں ہیں بس دو آدمی زیادہ دل نشین ہیں ایک واحدی صاحب، دوسرے بھیا احسان صاحب۔ مگر دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے، واحدی صاحب مذہب میں غرق ہیں۔ بھیا مذہب سے کوسوں دور ہیں مگر محرم حقائق و معارف و لدنیہ ہیں۔

میرے جسم کی بغاوت کا زور بڑھ رہا ہے۔ مگر میرے عزم کی قوت تبسم کناں مقابلہ کر رہی ہے۔ یہ سطریں بے نظر آنکھوں کی مدد سے خود لکھی ہیں کہہ نہیں سکتا کہ ٹھیک لکھیں یا غلطیاں رہ گئیں۔　　حسن نظامی

بنام مولینا وحید احمد صاحب فریدی رئیس شیخوپور (بدایوں)　(۱۹)

محرم اسرار فرد (زید کو سلام اور محبت کے پیغام کے بعد معلوم ہو کہ ۸ر اپریل کا خط آج ۱۱ر کو ملا۔ جی چاہتا تھا کہ اس کا جواب بھی اپنے ہاتھ سے لکھوں مگر پچھلی رات تحریری کام زیادہ کیا تھا۔ اس لئے خط لکھواتا ہوں۔

تصوف کی کتاب ہر وقت سامنے رکھتا ہوں اور جلدی تبصرہ لکھنا چاہتا ہوں تاکہ اجمیر شریف کے سالانہ عرس کے زائرین تک پہنچ جائے۔ کیونکہ آج کل وہاں نامحرم بہت کم جاتے ہیں یا بالکل نہیں جاتے۔ بس وہی جاتے ہیں جو محرم اسرار ہیں۔ انوپ سنگھ اور مول چند کی نسبت میں نے جو کچھ لکھا تھا اُس سے آپ نے میرے انقباض کا نتیجہ درست نہیں نکالا۔ بلکہ میں آپ کی اور اپنی بات چیت سے غیریت کا حجاب دور کرنا چاہتا تھا کہ جتنا کام آپ کر سکتے تھے اُس سے زیادہ آپ نے کر دیا۔ اب بعد کی رسہ کشی سے بے تعلق ہو جائیے۔ اور مجھے روزانہ ایک خط لکھ دیا کیجئے۔ کیونکہ آپ کے خط سے مجھے بہت سکون حاصل ہوتا ہے۔ جب آپ کا خط آیا تو ریاست ریواں سے پانچ عورتیں اور ایک مرد بیعت ہونے کے لئے آئے اور ضلع حصار سے ایک ہندو عورت مرد تعویذ کے لئے آئے۔ میں نے ان دونوں کو آپ کے خط میں اس لئے یاد کیا کہ پچھلی رات سے دونوں قوموں کے بھوتنے کی نسبت مختلف نوٹ لکھتے لکھتے تھک گیا تھا اور اس وقت آپ کو یہ لکھنا چاہتا ہوں کہ جس خلوص اور سچی محبت سے یہ آنے والے میرا کہنا مانیں گے اُس خلوص و محبت سے لیاقت نہرو کی رعایا اُن کا کہنا نہیں مانے گی۔ حالانکہ ان دونوں کے پاس طاقت ہے، دولت ہے، اقتدار ہے اور میرے پاس ان میں سے بہت کم۔

قرآنی میں آنے کی ان دونوں کو فرصت نہیں ملی۔ میں نے خدا کا شکر کیا کہ میں اس قرآنی سے محفوظ رہا جس میں قرآنی کے مضمون کی طرف توجہ کم ہوتی اور قرآنی سننے والوں کی حفاظت جان کی طرف توجہ زیادہ ہوتی میں آج کل بولتا قرآن کتاب لکھ رہا ہوں۔ جس میں اُن آیات کو جمع کیا ہے جو خدا کی طرف سے بندوں کو مخاطب کرتی ہیں۔

ایک دفعہ امین آباد لکھنؤ میں حضرت اکبر الہ آبادی ٹھہرے ہوئے تھے اور میں ان سے ملنے گیا ہوا تھا۔

نوکر نے آکر خبر دی مولانا ابوالکلام صاحب ملنے آرہے ہیں۔ حضرت اکبر نے مجھ سے کہا چلئے ابوالہلال صاحب آرہے ہیں، ہم کہیں بھاگ چلیں۔ میں نے کہا بھاگنے کی کیا ضرورت ہے آنے دیجئے۔ کہا۔ میرے اعصاب کمزور ہیں، آپ کے اعصاب مضبوط ہیں۔ مگر بحث کا وقت نہیں ہے، جلدی چلئے۔ چنانچہ ہم دونوں بالاخانہ سے نیچے اترے اور ایک یکے والے کو بلایا، ایک طرف میں بیٹھا، ایک طرف حضرت اکبر بیٹھے۔ یکے والے نے لکھنوی تمیزداری سے پوچھا، حضور کہاں چلئے گا، فرمایا جلدی چل یہ پوچھنے کا وقت نہیں ہے۔ یکہ چلا۔ سڑک مڑی۔ یکے والے نے پھر دریافت کیا کہاں لے چلوں؟ فرمایا۔ حجت نہ کرو جہاں جی چاہے لے چلو۔ یکے والا حیران کہ عجب سواری ملی ہے۔ مجھے بھی خلجان کہ مولانا ابوالکلام سے اس قدر گھبرانے کی کیا ضرورت ہے۔ آخر امین آباد کی ایک دکان کے سامنے اترے اور یکے والے کو کرایہ دیا اور دوکاندار کے پاس پہنچے۔ وہ واقف تھا۔ تعظیم کے لئے کھڑا ہوگیا۔ انہوں نے کہا میں دکان کے آخری حصے میں جانا چاہتا ہوں، دکان کے تین درجے تھے حضرت اکبر آخری تیسرے درجہ میں جاکر بیٹھ گئے اور مجھ سے پوچھا یہاں تو ابوالہلال صاحب نہیں آجائیں گے؟ میں نے کہا یہ جگہ بالکل محفوظ ہے لیکن آخر ان سے ڈرنے اور بچنے کی وجہ کیا ہے؟ فرمایا جب آپ کا سر جیمس مسٹن سے جھگڑا ہوا تھا تو مجھ پر آپ سے تعلق نہ رکھنے کے سبب بڑی یورش ہوئی تھی۔ اب انگریزوں کے مخالف ابوالہلال سے ملوں گا تو خبر نہیں افسران ضلع کتنا زیادہ ستائیں گے۔

یہ قصہ اس لئے لکھا کہ ہر دور میں ذات پاک کسی نہ کسی خوف کی شکل میں تجلی دکھایا کرتی ہے۔ مگر میں ہمیشہ اس تجلی کی زیارت سے محروم رہا۔ یعنی کسی ڈرنے کی چیز سے کبھی نہیں ڈرا۔ جب قاتل ۳۰ جنوری ۱۹۴۸ء کی شام کو میرے خسر کو قتل کر چکا تو میرے سامنے آیا اور پستول سے گولی چلائی جو میرے کان کے پاس سے نکل کر چلی گئی، پھر دوسری گولی چلائی جو دوسرے کان کے پاس سے نکل گئی۔ پھر تیسری گولی چلائی جو سر سے گزر گئی۔ چوتھی گولی چلا کر وہ بھاگا اور میں اُس کے پیچھے پکڑنے کو دوڑا۔ اگر ڈر جاتا تو ذات پاک کی تجلی اُس خوف میں دیکھ لیتا۔ نہیں ڈرا۔ تو ذات پاک کی تجلی صراط مستقیم میں دیکھ لی۔ خبر نہیں امین آباد میں اب بھی ہوٹل ہیں یا نہیں۔ کیونکہ میں ہوٹل کے قیام کو آزادی اور راحت کا ذریعہ سمجھتا ہوں۔ ہوائی جہاز میں آؤں گا تو دو رات امین آباد کے ہوٹل میں ٹھہروں گا اور آپ سے اور فرنگی محل والوں سے مل کر چلا آؤں گا۔ گھانس کی منڈی کو بھی دیکھ لوں گا۔ جہاں بھوپال والے نواب نورالحسن خاں صاحب کے پاس کچھ دن رہا تھا۔ اگرچہ گھسیاری منڈی میں اب کوئی جاننے والا نہیں ہے مگر میں گھسیاری منڈی کا جاننے والا ہوں۔ ھوالاول والآخر والظاھر والباطن۔

آپ کے کتنے بچے ہیں اور ان کے کیا کیا نام ہیں؟ کل میری تین سالہ نواسی جھومتی ہوئی آئی اور کہا۔ دودھ ملیدہ اللہ ہی دے گا۔ مست قلندر اللہ ہی دے گا۔ وہ جھومتی تھی اور میں دل میں کہتا تھا۔ دعوے کرتے ہیں لم یلد ولم یولد کا۔ اور تردید دکھاتے ہیں قدم قدم پر۔ ہمہ اوست اور ہمہ از اوست۔ وہ سب کچھ ہے اور سب کچھ اس سے ہے۔ وجود و شہود کو آپ نے جس عالمانہ اور فلسفیانہ انداز سے اپنی کتاب میں لکھا ہے

اس کو تو میں سمجھنے کی بساط بھی نہیں رکھتا لیکن نہرو لیاقت کے سمجھوتے میں جتنا میں نے خدا کو بے نقاب دیکھا ہے اتنا شاید منصور نے بھی نہ دیکھا ہوگا۔

گڈ بائی مائی ڈیر سن موہن۔

۱۱ اپریل سنہ ۱۹۵۰ء　　مخلص حسن نظامی

یہ لکھنا بھول گیا کہ ۶ دن سے پان تمباکو چھوڑ دیا ہے اور قطب عالم کی ملاقات کا استعارہ کر رہا ہوں جو ۷۱ دن میں ختم ہوگا۔ پان تمباکو کی عادت پچاس برس سے ہے اس لئے ایک طرح کی غشی اور غنودگی طاری رہتی ہے صبح کے ساڑھے دس بجے ہیں۔ چار بجے سے لکھ رہا ہوں۔

(۲۰)

بنام مولانا وحید احمد

جناب مینجر صاحب ہوٹل دی ہارٹ[1]

کسی بوائے کو آواز دیجئے کہ کمرہ نمبر ۱ کا مسافر ناشتہ مانگتا ہے۔

صورت حال یہ ہے کہ ۱۳ اپریل کا خط آج ۱۵ کو ملا۔ جب آپ یہ خط لکھ رہے تھے میں اپنے گھر سے دس میل دور انکم ٹیکس آفیسر سے ملنے جا رہا تھا۔ لاکھوں عورت مرد جمنا اشنان کر کے گھروں میں واپس جا رہے تھے۔ قدم قدم پر اندیشہ ہوتا تھا کہ کسی سے ٹکر ہو جائے گی۔

مجھے معلوم نہ تھا بیساکھی کیا چیز ہوتی ہے کیونکہ اس کا چرچا پنجاب میں زیادہ ہے۔ اب پنجاب کے پانچوں دریا دہلی کے کوزے میں بند ہیں۔ انکم ٹیکس آفیسر محب الفقراء ہندو ہیں۔ مجھے دیکھ کر کہا آج نیا سال ہے شگون بہت اچھا ہے۔ ساس نے سونے کی گھڑی کلائی پر باندھی اور خدا نے آپ کو گھر بیٹھے بھیج دیا۔

یہ سن کر کہ بیساکھی حساب کا نیا سال ہے مجھے اس لئے دل نواز معلوم ہوا کہ میں بھی اپنے انکم ٹیکس کا حساب سمجھنے سمجھانے گیا تھا۔

پھر کل صبح درگاہ حضرت خواجہ باقی باللہ میں گیا۔ سالانہ عرس میں شریک ہوا۔ سیکڑوں زائرین کو چیخیں مار کر روتے ہوئے دیکھا اور سنا۔ مزارات کو شکستہ پایا۔ درگاہ کے دروازے پر حافظ ویران کی قبر تھی جس پر لکھا تھا کہ

مرقد ویران پہ بھی فاتحہ پڑھتے جانا　　ان سے کہہ دو جو ہیں اس در سے گزرنے والے

دیکھا تو یہ کتبہ بھی ویران تھا۔ شاعر نے ویران تخلص رکھ کر بدشگونی کی تھی۔ میں نے آج سے چالیس برس پہلے ایک کارٹون بنایا تھا کہ اسکول ماسٹر سلطان ٹرکی شاہ ایران شاگرد کو پڑھا رہے ہیں لکھو بورڈ پر "ایران"۔ شاگرد جواب دیتا ہے۔ ماسٹر زار روس نے بتایا تھا کہ یہ لفظ ویران ہے، ایران نہیں۔

مجھے آپ کے بچوں کے نام پڑھ کر ایسی خوشی ہوئی۔ گویا ہوٹل دی ہارٹ میں ٹھہر گیا ہوں اور میری نواسی

---

[1] میں نے ٹھہرنے کے متعلق گزارش کی تھی کہ ایک ہوٹل میرے یہاں ہے اس میں قیام فرمایئے اور اس کا نام HOTEL de HEART ہے

گل رعنا آپ کی فوامی کے ساتھ باتیں بنا رہی ہے۔

یہ بتانا کہ مسافر ہوٹل دی ہارٹ میں کب آئے گا، دشوار ہے کیونکہ بیماریوں نے اتنا زور پکڑا ہے کہ کل دوپہر سے آج سہ پہر تک کچھ نہیں کھایا اور پان چھوڑے ہوئے سات دن سے زیادہ عرصہ ہوگیا۔ خیال آیا اگر لکھنؤ جاؤں گا اور عمانی لکھنؤ کے پان کی گلوری مجھے بھیجیں گی تو کیونکر انکار کروں گا۔

قطب عالم سے اگر ملنا ہو بھی جائے کہ موسیٰ کی طرح انجان میں رہوں گا یا خضر کی طرح قطب عالم کو انجان پاؤں گا۔ یہ تو تصورات اور تخیلات کو ایک مرکز پر جمع کرنے کی حکمتیں ہیں ورنہ آدم نہ بود و من بدم تو نہ بود و من بدم۔ او خود نہ بود و من بدم من عاشق دیرینہ ام۔

آج شام کو ایک منسٹر صاحب کے آنریں مجھے بھی ان کے ساتھ کھانا کھانا ہے۔ ان کا نام لوری ہے۔ اور وہ بیرسٹر بھی ہیں اور میرے پرانے دوستوں میں ہیں۔ بیاور کے رہنے والے ہیں۔ اگر آج رات کو ان سے ملوں اور کہوں کہ آپ ری پبلک کو مانتے ہیں یا نہیں اور وہ جواب دیں (آیم نو۔ ری) تو میں کہوں گا جس مقام پر آپ رہتے ہیں اس کا نام بھی فارسی ہندی سے مرکب ہے۔ پہلا لفظ بیا دوسرا لفظ وَر۔ بیاور۔ اور وَر ہندی میں طاقتدار اور غالب کو کہتے ہیں۔

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ۱۴ شعبان تک اگر میں اپنے جسم سے باہر نہ چلا گیا تو اس کے بعد رمضان میں آؤں گا تاکہ روزہ نہ رکھنے کا بہانہ ہاتھ آجائے۔ وجود و شہود کی بحث میں نے اس لئے پسند کی کہ ساری عمر عام فہم وجودی رہا ہوں اور مولانا سید ظہور احمد وحشی شاہجہان پوری نے میری شان میں ایک فارسی غزل لکھی تھی جس میں میرے وجودی عقائد کو بہت شاعرانہ انداز سے ظاہر کیا تھا۔ وجود، شہود، کبود، بہت سے قوافی تھے۔

حضرت اکبر فرمایا کرتے تھے آنے والے انقلاب کے سیلاب میں سب بہہ جائیں گے فقط صوفی باقی رہیں گے۔ آپ کی کتاب تصوف کو جب پڑھتا ہوں اکبر یاد آتے ہیں۔ آپ کے کچھ مسودات قرن اول کے، کہیں سے مل تو میں ان کو دیکھنا چاہتا ہوں تاکہ آپ کی زندگی کے ارتقائی درجوں کو سمجھ سکوں۔ نہ آپ کے لئے نہ اپنے لئے، نہ قوم کے لئے، نہ ملک کے لئے بلکہ ہوٹل "دی ہارٹ" کے لئے۔

دمشق کے ہوٹل دارالسرور میں ٹھہرا ہوا تھا کہ غالب پاشا گورنر شام ملنے آئے۔ میں نے کہا آپ ملک عرب کے گورنر ہیں۔ آپ کا قرآن عربی میں۔ حدیث عربی میں۔ پھر آپ عرب بچوں کی ابتدائی تعلیم میں عربی کو داخل کیوں نہیں کرتے۔ جواب دیا۔ میں نے ابھی مرکزی حکومت کو لکھا ہے۔ کل وہ بات یاد آئی۔ جب بنارس سے پیام ادب کتاب آئی۔ جس میں جواہر لال کا ایک مضمون اردو کی حمایت میں شائع ہوا ہے۔ میں نے خیال کیا غالب پاشا باوجود غالب نام کے مغلوب تھے اور جواہر لال باوجود بڑے حاکم کے عوام کے محکوم ہیں۔

آپ شعر بھی کہتے ہیں؟ اور اگر کہتے ہیں تو کس زبان میں۔ اور جب آپ خواب دیکھتے ہیں تو ملنے والوں سے بات کس زبان میں کرتے ہیں۔

میرے بچوں کے ناموں کی فہرست یہ ہے۔ بڑا لڑکا حسین دوسرے علی تیسرے زید پاشا اُن کے بعد حسن ابوطالب پھر مہدی۔ بڑی لڑکی حمد بانو مرگئی۔ دوسری لڑکی روح بانو۔ تیسری کوثر۔ حسین کے چار لڑکے سلمان۔ عثمان۔ امان۔ رمان۔ ایک لڑکی قدسیہ۔ علی کے دو لڑکے ولی اور وصی اور دو لڑکیاں طاہرہ قرۃ العین اور فریدہ۔ روح کے بڑے لڑکے روح دوسرے نوح۔ ایک لڑکی گل رعنا۔

میری بینائی بہت کمزور ہے۔ دائیں آنکھ سے کچھ تھوڑا سا نظر آتا ہے۔ بائیں سے کچھ نظر نہیں آتا۔ ہر وقت ہلکا ہلکا بخار رہتا ہے۔ گردہ، معدہ، جگر خراب ہے۔ آنتیں بھی خراب ہیں۔ نیند بھی کم آتی ہے مگر غصہ زیادہ آتا ہے۔ اور یہ قرآن کی بتائی ہوئی مومن کی شان نہیں ہے باقی سب صفات مومن میرے اندر ہیں۔ ایک کوتاہی میرے ذہن اور دماغ میں پیدا ہوگئی ہے کہ میں چاروں طرف دیکھ کر کہتا ہوں کہ لوگ کام کر رہے ہیں۔ مگر ان کو کام کرنا نہیں آتا۔ مجھے کام کرنا آتا ہے لیکن کام لینا نہیں آتا۔ اس واسطے میرے کسی کام میں ترتیب اور موزونیت باقی نہیں رہی ہے۔ اور اس کی وجہ سے دماغی اور ذہنی اذیت میں ہر وقت مبتلا رہتا ہوں۔ گڈ بائی مائی ڈیر اَنکل۔

۱۵ر اپریل سنہ ۱۹۵۰ء

حسن نظامی

بنام جناب شفا گوالیاری بھوپال (۲۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ از درگاہ شریف دہلی۔ مجی جناب شفا صاحب

السلام علیکم۔ آپ کی کتاب آیات شفا پہنچی اور آج ۱۹ر ستمبر کا کارڈ بھی پہنچا۔ شکریہ۔ میں آپ کے کلام کے مجموعے کی نسبت منادی میں کچھ لکھوں گا۔ مگر مشکل یہ ہے کہ آپ نے نام ایسا رکھا ہے جس پر مجھے اعتراض ہے کیونکہ اس میں آیات کی بے ادبی ہوتی ہے۔ اگر اس مجموعے میں آیات شفا کا بھی ذکر آجاتا تو بات موزوں ہو جاتی مثلاً فیہ شفاء للناس وغیرہ تو زیادہ اچھا ہوتا۔ بہرحال میں اعتراض نہیں کروں گا اور تعارف کردوں گا۔

۲۰ر ستمبر سنہ ۱۹۵۱ء

مخلص حسن نظامی

بنام خواجہ حمید الدین صاحب شاہد (۲۲)

از دفتر اخبار منادی دہلی

۲۶ر دسمبر سنہ ۱۹۵۲ء

السلام علیکم۔ دسمبر سنہ ۵۲ء کا رسالہ سب رس آج ملا۔ فوراً پڑھا۔ سہ ماہی کرنے کی تجویز بہت نامناسب ہے۔ اس کو ہفت روزہ کر دیجئے اور سائز کتابی یعنی $\frac{۲۰ \times ۳۰}{۱۶}$ کر دیجئے۔ صفحات ۱۶ ہوں یعنی صرف ایک جز۔

اب تک نام کے لحاظ سے سب رس ناکام ہے کیونکہ اس میں دوسرے رسالوں کا رس نہیں ہوتا۔

ہفت روزہ کرنے اور صفحات ۱۶ تک محدود ہو جانے سے خرچ کم ہو جائے گا۔ اب بڑے سائز کے ۴۸ صفحات ہوتے ہیں۔ ۱۶ صفحات کرنے سے خرچ کم ہو جائے گا۔ ترتیب کا خلاصہ میرے خیال میں یہ ہے کہ اردو کے مشہور (مگر ادبی) رسالوں سے نظم و نثر اقتباس کر لیجئے تاکہ سب رس نام صادق آئے۔ قیمت بھی لاگت کے اندر لکھئے بہت جلد اشاعت بڑھ جائیگی خرچ کم ہو جائیگا۔ میں بیماری کے سبب منادی کی خدمت نہیں کر سکتا اور کئی ماہ سے اخبار بند ہے (حسن نظامی)

بنام شاہ سلیمان پھلواری (۲۳)

آداب عرض۔ نوازش نامے موصول ہوئے۔ بریلی گیا ہوا تھا اس لئے جواب[1] عرض نہ کر سکا۔
انیسہ کے خط سے حالات حضرت خواجہ صاحب میں واحدی کو بڑی مدد ملے گی۔ وہ بڑی محنت سے سوانح مرتب کر رہے ہیں۔

بارش شروع ہوتے ہی مجھ کو بخار کھانسی شروع ہے۔ خبر نہیں کیا کیا دولے اور منصوبے اب کے عرس اجمیر شریف کے لئے دل میں تھے مگر سب برباد ہوتے نظر آتے ہیں کیونکہ وہ زمانہ ابھی سے آگیا جس میں متواتر دو ماہ بیمار رہتا ہوں۔ اطباء کی رائے ہے کہ فوراً کوٹھ جانا چاہئے ورنہ مرض بڑھ جائے گا، آپ بتائیے کیا کروں۔

چاہتا یہ ہوں کہ اخبارات میں صدارت حلقہ کے لئے آپ کا اسم گرامی شائع کرادوں اور آپ اپنے طور پر عارضی طریقے سے کسی کو دبیر الحلقہ مقرر کر دیں، اس کے بعد میں بے فکر ہو کر ۲ ماہ کے لئے کوٹھ چلا جاؤں واپسی کے بعد چاہے یہی عہدہ پھر مجھ کو دے دیا جائے۔ یا کوئی دوسری خدمت سپرد ہو جائے۔ بہر حال حلقہ کے لئے صدر کی ضرورت مدت سے ہے اور وہ آپ سے بڑھ کر دوسرا نہیں ہو سکتا۔ اب آپ یہ کام سنبھالئے۔ خدمات کے لئے میں اور واحدی ہر طرح حاضر ہیں، صرف عارضی آرام کا خواہاں ہوں۔ جان ہے تو جہان ہے۔ کھانسی بخار سے بڑا اندیشہ ہے احتیاط کی تاکید چاروں طرف سے ہے۔

آپ کے جواب کا منتظر:۔ حسن نظامی

برادرم حسن میاں صاحب سے فرمائیے کہ خانقاہ سے سہروردیہ مضمون کا بقیہ جلدی بھجوائیے۔ پرچہ جلدی چھپے گا۔

بنام سید ہمایوں مرزا صاحب (۲۴)

از مکان سید عبدالرحمٰن صاحب گتہ دار[2]

مخلص نواز سید ہمایوں مرزا صاحب

السلام علیکم۔ مکتوب گرامی جس کا ذکر کل شام کو آچکا ہے۔ اس وقت وصول ہوا۔ جواب تو اس کا میری حاضری نے دے دیا ہے مگر اظہار تشکر قلبی بھی ضروری ہے۔

جناب بیگم صاحبہ کے نامۂ عالی کو پڑھنے کے بعد مجھ کو ندامت ہوئی۔ بیشک حیدرآباد آنے کے قبل مجھے ان کی خدمت میں اطلاع دینی ضروری تھی مگر ایسا ناگہاں آنا ہوا ہے کہ وقت کا تعین کرنا ممکن نہ تھا اس لئے کسی کو بھی صحیح اطلاع نہ دے سکا تھا۔

---

[1] یہ خط تقریباً اڑتالیس سال پہلے کا ہے۔ خواجہ حسن نظامی صاحب نے سارے ملک کا دورہ کرنے کے بعد حلقۂ نظام المشائخ قائم کیا تھا، اور ایک ہمہ گیر تنظیم کی تھی۔ رسالہ نظام المشائخ دہلی، اس کا ترجمان تھا۔ یہ خط اسی سلسلے کا ہے:۔

[2] گتہ دار جدآ! دکن کی زبان میں ٹھیکیدار کو کہتے ہیں۔

اب ڈاکٹر قمرالدین صاحب[1] سے معلوم کرکے فرصت کا وقت آپ کی خدمت میں عرض کروں گا۔ اور دولت پر حاضر ہوں گا۔ ابھی ڈاکٹر صاحب سے ملاقات نہیں ہوئی ہے دوپہر کے بعد آئیں گے۔

نیازمند حسن نظامی

بنام ہاشمی صاحب　　(۲۵)

مخلص نواز ہاشمی صاحب۔

السلام علیکم۔ ۷ رمضان کا خط آج ۱۲ کو ملا۔ میرا ارادہ شروع رمضان میں حیدرآباد آنے کا تھا۔ مگر مقامی مزوریات کے سبب ملتوی کرنا پڑا۔ اعلیٰ حضرت نے بھی یاد فرمایا تھا۔ اور میں نے سیٹس بھی ریزرو کرالی تھیں۔ اب انشاء اللہ عید کے بعد ارادہ کروں گا۔

دعاگو حسن نظامی

بنام مولوی نصیرالدین صاحب ہاشمی　　(۲۶)

از آرام محل سوماجیگوڑہ ـــ متصل بنگلہ نواب لیاقت جنگ

بھی جناب مولوی نصیرالدین صاحب ہاشمی

السلام علیکم۔ آپ نے خواتین دکن کی نسبت جو کتابیں دی تھیں وہ دہلی میں رہ گئی ہیں۔ اور اب مجھے کتاب دکن یونین میں خواتین دکن کا ذکر لکھنا ہے۔ لہذا ایک ایک جلد سب کتابوں کی ہاوی منزل میں بھیج دیجئے۔ اور آپ نے جتنی کتابیں لکھی ہوں وہ بھی بھیج دیجئے یا ان کی فہرست یعنی نام وغیرہ بھیج دیجئے تاکہ آپ کے تذکرے میں ان کو لکھوں۔

مخلص نظامی

بنام صغری ہمایوں مرزا صاحبہ　　(۲۷)

"مقیم خانہ باغ" ڈیوڑھی مہاراجہ سرکشن پرشاد صدر اعظم بہادر۔ حیدرآباد دکن۔

عزیزہ ہمایوں بانو

السلام علیکم۔ لفافہ ملا۔ کارڈ واپس ارسال ہیں۔ انیس الغربا انجمن نے مجھے عورتوں کے زنانہ جلسہ میں مدعو کیا ہے جو ۱۰۔ ربیع الاول کو ہوگا۔ اور کوئی جلسہ تو مجھے معلوم نہیں ہوا۔

خواب شائع نہیں ہوں گے۔ قواعد انجمن خواتین شائع کردیئے جائیں گے۔ رسالۂ امن کا شکریہ۔ آپ نے خواجہ بانو کو جمعہ کی صبح کو بلایا ہے مگر تاریخ نہیں لکھی۔ ایک جمعہ پرسوں ہے۔ آپ مہاراجہ بہادر کے ہاں ٹیلی فون کے ذریعہ خبر دے دیجئے کہ کون جمعہ مقصود ہے۔

سید صاحب کے مزاج کا حال نہ لکھا میں نے مہاراجہ بہادر سے کل ان کے معاملہ کا ذکر کیا ہے۔

دعاگو حسن نظامی

---

[1] خواجہ صاحب کے ایک خلیفہ جن کو ہلالی شاہ خطاب دیا تھا۔ خواجہ صاحب کی زندگی ہی میں فوت ہوئے۔

بنام سید ہمایوں مرزا صاحب بیرسٹر　　(۲۸)

مکرمی مخلصی نواز سید ہمایوں مرزا صاحب

السلام علیکم۔ مکتوب گرامی ملا۔ کل دوپہر کے قریب آپ کے دولت خانہ پر برائے مزاج پرسی ہمایوں بانو صاحبہ حاضر ہوں گا۔ غلام احمد صاحب[1] کے ہاں کھانا کھا کر۔

مگر آپ کے در دولت پر قیام کرنا بہت دشوار معلوم ہوتا ہے۔ بر چند کوشش کی لیکن کوئی تجویز ایسی نہ نکلی۔ کل زبانی عرض کروں گا۔

دعاگو حسن نظامی

بنام صغریٰ ہمایوں مرزا صاحبہ　　(۲۹)

عزیزہ ہمایوں بانو

سلام۔ بہت نادم ہوں کہ حسب وعدہ تمہارے پاس نہ آسکا۔ حالانکہ روز ارادہ کرتا ہوں۔ مگر ملنے والوں کی یہ حالت ہے کہ میں وقت پر کھانا بھی نہیں کھا سکتا۔ اور اب پرسوں سے تو بخار میں مبتلا ہوں۔ کل دو بجے خواجہ بانو ہارون خان صاحب شروانی کے ہاں اور چار بجے حیدری صاحب کے ہاں جانے کا وعدہ کر چکی ہیں اور اس وقت ایک نیاز میں گئی ہوئی ہیں اور رات کو واپس آئیں گی اگر وعدہ ہوتا تو وہ ضرور آتیں۔ یا ممکن ہے کہ حیدری صاحب کے ہاں سے واپس ہو کر اس جلسہ میں آجائیں۔

سید صاحب کو سلام کہئے۔ چونکہ باہر مردانہ میں ہوں اس لئے کاغذ موجود نہ تھا اندر زنانہ میں ہے معاف کیجئے گا۔

دعاگو حسن نظامی

---

[1] غلام احمد خاں منصب جنگ صوبہ دار اورنگ آباد اب نواب ظہیر یار جنگ امیر پائیگاہ کے سکرٹری ہیں۔

پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی دہلوی

بنام فوق صاحب

(۱)

لاہور نسبت روڈ۔ میرے مکرم فوق صاحب خوش رہیں۔ تسلیم۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ میں لالہ سری رام مرحوم کے تذکرہ نم خانۂ جاوید کی تکمیل کر رہا ہوں۔ ت کی ردیف میرے ہاتھوں میں ہے۔ اور آپ کے صرف دس پندرہ شعر مسودے میں موجود ہیں۔ یہ جی نہیں چاہتا کہ بس اسی پر اکتفا کروں۔ لہٰذا مستدعی خدمت ہوں کہ مہربانی سے اپنے حالات۔ فہرست تصانیف و غیرہ اور مزید کلام عنایت فرمائیے۔ تاکہ درج تذکرہ ہو۔ یہ جلد جلد ہی پریس میں جانے والی ہے۔ ملاقات کو تو تیس برس سے زیادت خانہ کا پتہ نہیں صدہ حاضر رہتا۔

۷ راگست ۱۹۳۲ء

نیازمند برجموہن دتاتریہ کیفی

بنام فوق صاحب

(۲)

جناب مکرم تسلیم۔ یاد ہوگا آپ نے کشمیر سے لکھا تھا کہ تذکرہ نم خانۂ جاوید کے لئے اپنے حالات اور تازہ کلام لاہور پہنچ کر عنایت فرمائیں گے۔ چنانچہ یاد دہانی کرتا ہوں اور عنایت کا طالب ہوں۔ میں اس مہینہ کے آخری ہفتہ میں دہلی جاؤں گا اس سے قبل نوازش فرمائیں تو سہولت ہے ورنہ اپنی اولیں فرصت کے وقت یاد رکھیں۔

۹ رنومبر ۱۹۳۲ء لاہور

نیازکیش (پنڈت) برجموہن دتاتریہ (کیفی دہلوی)

بنام فوق صاحب

(۳)

۱۷ علی پور روڈ۔ دہلی۔ مکرمی فوق صاحب تسلیم۔ میں اب دہلی آگیا ہوں۔ آپ کے کلام اور حالات کا انتظار ہے نم خانہ کی جلد پریس کے لئے تیار ہے۔ امید ہے جواب جلد عطا فرمائیے گا۔

۱۹ ردسمبر ۱۹۳۲ء

(پنڈت) برجموہن دتاتریہ کیفی

بنام فوق صاحب

(۴)

۱۷ علی پور روڈ۔ دہلی۔ مکرم من جناب فوق صاحب تسلیم۔ جناب کا کلام اور حالات بذریعہ رجسٹری موصول ہوئے انشاء اللہ جلد زیب تذکرہ ہوں گے۔ توجہ کا شکریہ۔ امید ہے آپ خیریت سے ہوں گے ۱۳/۱۲/۳۲ نیازکیش برجموہن دتاتریہ کیفی

(۵)

از شیخ محمد اسماعیل پانی پتی

گرد تانک پورہ - لائل پور - جناب مکرم! تسلیم! عنایت نامہ کا شکریہ - کالیداس کی یہ تصنیفیں اردو میں ترجمہ ہوئی ہیں - یا کہئے کہ اردو میں آئی ہیں -

(۱) وکرم اردشی - لکھنؤ کے عزیز مرزا مرحوم نے اردو میں اصل ناٹک کو منتقل کیا اور شروع میں ولسن کے دیباچہ کا ترجمہ دے دیا - یہ سنسکرت میں ڈرامہ کے فن کے قواعد وغیرہ کے متعلق ہے -

(۲) میگھ دوت - ایک نظم ہے جس کا ترجمہ "پیک ابر" کے نام سے مثنوی کی صنف میں چھپ چکا ہے شاید اسی کتاب کا ایک اور ترجمہ بھی کیا ہے کسی نے -

(۳) شکنتلا کے کئی اڈیشن تجارتی سٹیج کے لئے نکالے گئے تھے - جن میں سے کوئی بھی کتب خانہ میں رکھنے کے قابل نہیں -

انگریزی میں کالیداس کی تمام کتابوں کے ترجمے موجود ہیں - کئی تر شکنتلا کے ہیں - ایک صاحب ہیں - پنڈت لچھمی چند شاستری ایم اے - ایم - او - ایل - دہلی یونیورسٹی کے شعبۂ سنسکرت کے صدر ہیں - انہوں نے ایک کتاب انگریزی میں لکھی ہے جس کا نام ہے BIRTH PLACE OF KALIDAS ضرورت سمجھیں تو ان سے منگوالیں - نام سے مضمون کا پتا چلتا ہے سنسکرت لٹریچر کی تاریخ پر جو کتابیں یورپین مستشرقین نے لکھیں - ان میں کالیداس کی شاعری پر خاصا مفصل تبصرہ ہے - میکڈانل کی "ہسٹری آف سنسکرت لٹریچر" سے بہت امداد ملے گی -

میں بہت نادم ہوں کہ اس موضوع پر اور زیادہ واقفیت پیش نہیں کر سکتا - میری ساری کتابیں ماڈل ٹاؤن (لاہور) میں پڑی ہوئی ہیں - کئی برس گزرے پروفیسر رشید احمد صدیقی صاحب (علی گڈھ یونیورسٹی) نے ایک رسالہ سہ ماہنہ نکالا تھا جس کا نام سہیل تھا - یاد پڑتا ہے کہ اس کے پہلے یا دوسرے نمبر میں پیک ابر کا تذکرہ یا تبصرہ تھا -

ولسن نے دو جلدوں میں بہت سے سنسکرت ڈراموں کے ترجمے کئے - اس کتاب کا نام ہے ہندو تھیٹر - اس کے علاوہ سر ولیم جونز نے بھی شکنتلا کا ترجمہ کیا -

کالیداس کے ہندی ترجمے حسب ذیل ہوئے ہیں :-

(۱) مالوی اگنی متر

لہ میں نے سنہ ۱۹۳۰ء میں کالیداس پر ایک تحقیقی مقالہ لکھنے کا ارادہ کیا - اور کچھ عرصہ کی محنت کے بعد ایک مضمون مرتب کر کے رسالہ ہمایوں تعلیم لاہور کے "جوبلی نمبر" میں شائع کیا - مگر کالیداس کے متعلق تحقیق برابر جاری رکھی - اس سلسلہ میں میں نے ہندوستان کی تمام پبلک لائبریریوں اور بعض مشہور افراد کو خطوط لکھے کہ آپ کے علم میں کالیداس کی سوانح اور اس کے ڈراموں اور اس کے تراجم کے متعلق جو واقفیت ہو وہ مجھے بھیج دیں - اسی ذیل میں پنڈت برجموہن صاحب کیفی مرحوم کو بھی خط لکھا - مرحوم نے جواب دیا وہ محض اتفاق سے ۱۹۴۷ء کی ہولناک تباہی سے بچ کر پاکستان آگئے - اور آج میں اسے قارئین "نقوش" کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں - یہ خالص تاریخی اور علمی خط ہے - امید ہے علم دوست اصحاب کے لئے اندازہ معلومات کا ذریعہ ہوگا -

خاکسار محمد اسماعیل پانی پتی

(۲) مشکسکا - مترجم راجہ کشن سنگھ
(۳) رگھوونش
(۴) کمار سمبھو
(۵) میگھ دوت - کنہیالال

کسی ہندی کتب فروش سے یہ کتابیں مل سکتی ہیں۔

۶ر نومبر ۱۹۳۸ء　　نیازکیش برجموہن دتاتریہ

بنام طاہر فاروقی صاحب پروفیسر اسلامیہ کالج پشاور　　(۶)

انجمن ترقی اردو (ہند) "دارالسلام" نمبر ۱ - دریا گنج - دہلی - میرے مکرم تسلیم - ۱۲ر حال کا اشفاق نامہ پہنچ کر شکریہ کا موجب ہوا۔ مشاعرے کی بابت معلوم ہوا - بہتر تھا کہ مشاعرے کی صدارت کے لئے آپ کسی بڑے اور بہتر شاعر کو تلاش کرتے۔ رہا میرا میں اپنی جنوری یا کہئے نئے سال کی مصروفیتوں کے بارے میں اس وقت کچھ نہیں کہہ سکتا۔ مشاعرے کے لئے وقت ضرور نکلے گا۔ لیکن کس تاریخ کو؟ یہ میں ایک ہفتہ کے اندر عرض کروں گا۔ کچھ تعینات جنوری اور فروری میں ایسے ہیں جو پختگی چاہتے ہیں اسی کا انتظار ہے۔ مجھے یہ پسند نہیں کہ ایک تاریخ مقرر ہو کر ٹل جائے۔

میری رائے میں دن کا مشاعرہ ٹھیک ہوگا اگر آپ کے حاضرین کو ناپسند نہ ہو۔ یہ ممکن یا مناسب نہ ہو تو رات کو سہی

۱۵ر دسمبر ۳۹ء　　نیازکیش برجموہن دتاتریہ کیفی

بنام طاہر فاروقی صاحب　　(۷)

انجمن ترقی اردو (ہند) ۱ - دریا گنج، دہلی - میرے مکرم تسلیم سابقہ عریضہ کے سلسلے میں گزارش ہے کہ جنوری میں کئی تقریبوں میں یہاں اور باہر رکا ہوا ہوں - فروری کی ۳ر تاریخ کو سنیچر ہے - یا تو اس تاریخ شب کو یا ۴ر فروری کو دن کے وقت آپ اپنا مشاعرہ رکھ دیں - ۲ر فروری کو یہاں ریڈیو میں میری تقریر ہے - اس لئے ۳ر فروری کی رات یا ۴ر فروری کا دن ٹھیک ہوگا - دن اور رات کا فیصلہ آپ اپنی اور اپنے سامعین کی سہولت کے لحاظ سے کر لیں۔

یہ تو فرمایئے کہ یہ مشاعرہ ہوگا یا مناظرہ اور کرطرحی ہوگا یا کیسا - تاریخ اور وقت کی تعین کے بعد ان امور سے بھی مفصل مطلع فرمایئے۔

۱۸ر دسمبر ۳۹ء　　اخلاص کیش برجموہن دتاتریہ کیفی

بنام طاہر فاروقی صاحب　　(۸)

انجمن ترقی اردو (ہند) ۱ - دریا گنج، دہلی - میرے مکرم تسلیم - پہلا عریضہ حاضر خدمت ہوا ہوگا - مشاعرہ کی تاریخ کے بارے میں اب یہ عرض ہے کہ ۳ر فروری کے بدلے ۱۰ر فروری (اتوار) کو دن کے وقت مشاعرہ رکھئے اگر دن کا وقت مقامی مصلحتوں کی بنا پر مناسب نہ ہو تو ۱۰ر فروری (سنیچر) کی شب مقرر کر دیجئے۔

۳ر فروری کو کھنؤ میں انجمن پہلا ادب کا سالانہ اجلاس ہے اور مجھے کھنؤ والوں نے شرکت کے لئے بہت

مجبور کیا ہے۔ ان کی تاریخ مقرر ہو چکی ہے اور ہمارے آگرے کے مشاعرہ کی تاریخ کا ابھی اعلان نہیں ہوا ہے۔ اس لئے مجھے لکھنؤ کی دعوت منظور کر لینی پڑی۔ جواب مرحمت ہو۔

۱۲ر جنوری سنہ

اخلاص کیش و تازہ کیفی

بنام ڈاکٹر فاروقی صاحب پروفیسر اسلامیہ کالج پشاور　　(۹)

میرے مکرم تسلیم۔ آپ کے نوازش نامے کا شکریہ۔ میں آپ کی دعاؤں کو سمجھا۔ مشاعرے کی تاریخ ۲۰ر جنوری ہی رہنے دیجئے۔ میرے پروگرام کا تو یہ حال ہے کہ اگلے ہی دن (۲۸ر جنوری کو) یہاں ایک ایسی تقریب کا اوڈنٹ پہلے سے موجود ہے۔ خیر۔ یہ تو ہوا۔ آپ یہاں کے شاعروں کی بابت پوچھتے ہیں۔ آپ سے کیا چھپا ہوا ہے۔ اور بھی ۷ میں اب آدھی صدی کے بعد پھر آیا ہوں دلی میں۔ میں سبھی کو اچھا سمجھتا ہوں۔ آپ زیادہ کو بلانا نہیں چاہتے۔ چند نام لکھے دیتا ہوں۔ بلانا نہ بلانا آپ کی مرضی پر ہے۔ یہ خیال نہ کریں کہ فلاں کو نہ بلایا تو کیفی کو گلہ ہوگا، سمجھ گئے آپ:۔

۱۔ پروفیسر ظفر تاباں۔ رائمجس کالج۔ دریا گنج۔ دہلی

۲۔ مسٹر اکبر حیدری۔ 'اکبر منزل' مچھلی والاں۔ دہلی

۳۔ منشی عبدالخالق نہال۔ کوچہ سعداللہ۔ پھول منڈی۔ دہلی۔

لکھنؤ سے جن اصحاب کے نام لکھ دوں خوف ہے کہ وہ آ نہ سکیں گے۔ کیونکہ ابھی وہ لوگ کھانسی زکام لے کر یہاں سے گئے ہیں اور شروع فروری ہی میں ان کے ہاں ہنگامہ ہونے کو ہے۔ میں سراج اور قدیر کا نام لکھتا۔ بہ ہر حال آپ جسے چاہیں بلائیں۔

شاید کسی خط میں اسی تقریب کے بارے میں کچھ باتیں پوچھی تھیں۔ امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔

۶ر جنوری سنہ

اخلاص کیش برجوہی و تازہ کیفی

بنام آغا محمد صادق صاحب پروفیسر گورنمنٹ کالج کوئٹہ　　(۱۰)

۱۔ دریا گنج دہلی۔ جناب مکرم بتسلیم۔ عنایت نامہ کا شکریہ۔ استفسارات کے جواب یہ ہیں:۔

(۱) پیڈل چلانا بہتر ہوگا میری رائے میں۔

(۲) ریوڑیاں زمسکرا اور دَ ساکن ہیں اور ڈ مکسور۔

(۳) غرّہ۔ اگرچہ اسکے معنی بعض لغات میں مغرور بھی لکھ دیا ہے لیکن استعمال اس لفظ کا غرور ہی کے معنی میں ہوتا ہے۔

(۴) شفا کے معنی ہیں بیماری کے بعد اچھا ہو جانا یعنی صحت بدنی کا عود کرنا۔ زخم کی ہمیشہ تندرستی کے منافی ہے کیونکہ اس کے معنی ہوں گے کہ زخم بیماری سے پہلے جیسا تھا ویسا ہی ہو گیا جس کے معنی کچھ نہیں بنتے کیونکہ زخم تو خود ایک ایسی بیماری ہے۔ اسی وجہ سے دوسری شکل یعنی زخم کو شفا ہو گئی بھی غلط ٹھہرتا ہے۔ صحیح فقرہ ہوگا "زخم

سے شفا ہو گئی" جسم کو متعدد ہے۔

۲۳ر نومبر ۴۰ء　　نیاز کیش برجموہن دتاتریہ کیفی

بنام امتیاز علی صاحب عرشی

(۱۱)

انجمن ترقی اردو (ہند) دریا گنج، دہلی۔ مکرم میرے تسلیم۔ والا نامے کا شکریہ۔ ۲۲ر مارچ کو آپ یاد فرماتے ہیں بحمداللہ کتنی سعید تقریب ہے۔ حضرت آج کل سفر واقعی مقرر صورت ہو گیا ہے۔ کل پنجاب جا رہا ہوں ایک ادبی جلسے میں۔ ۱۴ر کو واپسی کا خیال ہے اگر اس وقت اس بڈھے جسم میں کچھ دم کس باقی رہا تو حاضر ہو جاؤں گا۔ نہ جا سکا تو مقالہ بھیج دوں گا۔ مگر آپ کس غرض سے طلب فرماتے ہیں۔ پتہ انگریزی میں لکھا کیجئے [1]

۸ر فروری ۴۲ء　　اخلاص کیش برجموہن دتاتریہ کیفی

بنام امتیاز علی صاحب عرشی

(۱۲)

میرے مکرم تسلیم۔ ایک تکلیف دے راہوں جس کے لئے معافی مانگتا ہوں۔ جب سے شمالی ہند میں یہ گڑبڑ ہوئی ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب کی خیریت معلوم نہ ہو سکی۔ ہاشمی صاحب فرید آبادی کو لکھا۔ اُن سے بھی جواب نہ ملا۔ حالات ہی ایسے تھے اگر آپ کو مولوی صاحب کا پتہ معلوم ہو کہ کہاں ہیں تو مہربانی سے مطلع فرمائیے۔ ہاشمی صاحب غالباً رام پور میں ہوں اُن سے آپ دریافت کر سکیں گے۔

دہلی سے صرف اتنا معلوم ہو سکا کہ انجمن کا دفتر۔ بعض کہتے ہیں کتب خانہ بھی۔ جلا دیا گیا وہاں اس وقت بھارت انشورنس کمپنی کا دفتر ہے، کتب خانہ میں بہت نایاب مسالہ اور کتابیں تھیں۔ یہ علمی نقصان پورا نہ ہو سکے گا۔

میں کسی طرح گرتا پڑتا یہاں بمبئی پہنچ گیا ہوں اور بہار کے موسم تک یہیں ٹھہروں گا۔

پھر معافی کی استدعا اور شکریہ کے ساتھ

ابھی کسی نے کہا مولوی صاحب بھوپال میں ہیں۔ یہ نہ معلوم ہوا وہاں کس کے پاس ہیں۔ شعیب صاحب کے پاس۔ یا۔؟

یکم دسمبر ۴۷ء　　نیاز کیش برجموہن دتاتریہ کیفی

بنام حبیب کیفوی

(۱۳)

آل پاکستان انجمن ترقی اردو۔ شارو امنڈ۔ ہسپتال روڈ۔ کراچی ۱۔

عزیز حبیب! مولوی صاحب نے آج تمہارا خط دیا۔ مدت بعد خیریت معلوم ہوئی۔ خیر دیر آید درست آید۔ جموں میں تمہارے کاروبار اور سامان کا کیا ہوا۔ بچا کہ گیا؟ سیالکوٹ میں کیا کرتے ہو۔ بال بچے کہاں ہیں؟ سب کچھ مفصل لکھو۔ نسیم کی لڑکی کا خط آیا تھا۔ جس سے معلوم ہوا کہ نسیم اور ہم پور میں نظر بند ہے۔ حکومت نے کوئی سیاسی

[1] اردو میں پتے والے خط یہاں ڈاک کے علاوہ ڈاکٹی دفتر میں چلے جاتے ہیں۔

پتہ نکالا ہوگا۔ پچھلی دفعہ وہ کس تحصیل میں تھا؟ میرے خیال میں وہ تحصیل اس وقت جنگاہ بنی ہوئی ہے۔ میں دہلی جاؤں تو اس کے لئے کوشش کروں گا۔

ہمارا پروگرام غیر مستقل ہے۔ اس وقت تک صرف اتنا طے ہوا ہے کہ مولوی صاحب مستقل طور پر یہاں رہیں گے اور میں دہلی میں رہوں گا۔ اگلے مہینے کی کسی تاریخ کو میں دہلی جاؤں گا۔ اور ہماری زبان کو پھر جاری کروں گا صحت میری لائل پور کے مقابلے میں کچھ بہتر ہے۔ جوڑوں کی تکلیف جو رہتی تھی رہ گئی۔ اس عمر میں شفائے کلی ناممکن ہے۔ دل کی حالت بہتر ہے۔ سو پچاس قدم آہستہ خرام کر لیتا ہوں۔ گھٹنے ٹھیک نہیں ہوئے۔ یہ بڑی تکلیف ہے۔

خط جلدی لکھنا اور سب کچھ لکھنا۔ نسیم کے بال بچے جہلم میں ہیں۔ ان کا پتہ کہیں رہ گیا۔ لائل پور والوں کو معلوم ہوگا۔

کیفی

۱۴ جولائی ۱۹۴۸ء

(۱۴)

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو

۱۷۔ علی پور روڈ سول لائنز دہلی۔ میرے مہربان۔ آداب۔ علی گڈھ میگزین کا غالب نمبر تو مجھے بھی پہنچ گیا تھا مگر صحت کی خرابی کی وجہ سے اسے پورا نہ دیکھ سکا۔

آپ کی محنت اور دقت نظر کی جتنی داد دی جائے کم ہے۔ میں یہ دیکھ کر بہت خوش ہوں کہ آپ نے مرزا غالب سے متعلق ان امور پر زیادہ زور دیا ہے۔ جن کی طرف بہت کم توجہ کی جاتی ہے خاص کر ادیبوں اور شاعروں کے حالات لکھتے ہوئے۔ ایک ادیب بہ حیثیت ایک انسان کے پیش نہیں کیا جاتا بلکہ صرف اس کا کلام تنقید کی روشنی میں پیش کیا جاتا ہے۔ غالب پر کافی سے زیادہ لٹریچر نکل چکا ہے اور اس کی شاعری پر ہر پہلو سے بحث ہو چکی ہے۔ اس لئے یہ اچھا ہوا کہ اس نمبر میں ان امور کی طرف کم توجہ کی گئی۔ شاعر ہو یا ادیب، فلسفی ہو سیاسی پہلے وہ ایک انسان اور شہری ہے۔ اس کے بعد اور کچھ۔

یہ مقصود نہیں اور نہ توقع ہے کہ اس ضخیم نمبر کے ہر مضمون کی نسبت کچھ لکھوں۔ ہر مضمون اپنی جگہ انفرادی حیثیت اور افادیت رکھتا ہے۔

آثار غالب بھی ضروری چیز ہے اس کی حیثیت تاریخی ہے۔ ایسی باتیں جو اس میں درج ہیں اکثر بھول

(نوٹ) حبیب کیفوی صاحب شاعری میں کیفی صاحب کے شاگرد تھے۔ ان کی نظموں کا ایک مجموعہ آتش چنار کے نام سے حال ہی میں شائع ہوا ہے۔ عمروں میں ان کا خاصا کاروبار تھا۔ دعوتی سامان کرایہ پر دیتے تھے ۱۹۴۷ء کی تقسیم ہند پاکستان کے ہنگاموں میں سب کچھ ضائع ہو گیا۔

مولوی صاحب سے مراد بابائے اردو مولوی عبدالحق ہیں۔

نسیم صاحب پنڈت جی کے ایک اور ہونہار شاگرد تھے۔ ریاست میں تحصیلداری کے عہدے پر فائز تھے۔ شعر خوب کہتے تھے۔ ڈوگروں کے ہاتھوں قتل ہو گئے۔ پورا نام سید ذوالفقار علی تھا۔

(محمد عبداللہ قریشی)

جاپاکرتی ہیں اور یہ اعتقاد تشنہ رہ جاتا ہے۔ دنیا کو صرف اتنا یاد رہ جاتا ہے کہ برلن قاطع پر مرزا نے کچھ اعتراض کئے تھے جن پر زبردست مناظرہ چل پڑا اور بس۔

ایک اور خاص بات جو اس نمبر کے اکثر مضامین میں پائی گئی یہ ہے کہ اکثر لکھنے والوں نے سنسنی خیزی سے کام لیا ہے رعب اور جنبہ داری دونوں سے دور دور رہے ہیں۔ یہ بات اس قسم کے نمبروں میں نہیں پائی جاتی۔

یہ اچھا ہوا کہ مختار الدین احمد صاحب نے اصلی افادت اور معنوی اہمیت پر نظر رکھی اور اس نمبر کی تیاری میں ہنگامی ٹیپ ٹاپ سے کام نہ رکھا۔

۲۰ر جنوری ۵۰ء　　کیفی

بنام شفا گوالیاری

(۱۵)

۱۷۔ علی پور روڈ سول لائنز دہلی۔ جناب من۔ یاد دہانی غیر ضروری ہے پچھلی دفعہ آپ کا جوابی پوسٹ کارڈ تھا۔ اسی پر جواب لکھ کر ڈاک میں ڈال دیا گیا تھا۔ نہیں پہنچا تو آپ کے لکھے ہوئے پتہ میں غلطی ہوگی یا ڈاکخانہ کی عنایت۔ غیر پہلا مصرع یہ ہے ؎

"کوئی محفل تھی نہ اپنی کوئی محفل میں نہ تھا"

اپنی سے پہلے نہ کا لفظ جو واقع ہوا ہے وہ ظاہر کرتا ہے کہ نہ اپنی کوئی محفل تھی نہ کسی اور کی جب کہ شاعر کا منشا یہ نہیں ہے۔ لہٰذا موجودہ صورت میں پہلا مصرع غلط ہے اور پھر یہ ہے کہ شاعر دل کو محفل سے تشبیہہ دیتا ہے محفل کے معنی ہیں ایک جگہ آدمیوں کا مجمع ہونا جہاں کوئی نہ ہو اُسے محفل نہیں کہہ سکتے۔

خیر اگر یوں بدل دیں تو یہ مصرعہ کچھ معنی دے سکتا ہے ؎

سر بسر سونی پڑی تھی کوئی محفل میں نہ تھا　　وہ بھی کیا دن تھے کسی کا حشق جب دل میں نہ تھا

اپنے ڈاکخانہ کو ڈانٹیئے۔ والسلام

۱۴ر ستمبر ۵۰ء　　کیفی

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب آرزو

(۱۶)

جناب مکرم۔ آپ کا عنایت نامہ مل گیا تھا۔ لیکن ان دنوں میں میری طبیعت بہت ناساز رہی۔ مخزن الغرائب کی نقل کی بابت لاہور لکھا ہے۔ غالب کے شاگردوں کے متعلق یہ عرض ہے کہ یہ سلسلہ تو مالک رام صاحب نے چھیڑ دیا ہے اب انہیں کو پورا کرنے دیجئے۔ میرے ان کے تعلقات بھی ہیں۔ یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ ان کے سلسلے میں مداخلت کروں۔ امید کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔

۳ر فروری ۵۲ء　　کیفی

بنام ڈاکٹر مختار الدین صاحب آرزو

(۱۷)

۱۷۔ علی پور روڈ۔ دہلی۔ جناب میرے۔ مقدر میں یہی تھا کہ میں آپ سے شرمندہ ہوں۔ آپ کی فرمائش کی تعمیل

نہیں کر سکتا، اس کا مجھ کو سخت رنج ہے۔ اب تک اس قابل نہیں ہمتا ہوں کہ یہ سطریں آپ کو اپنی قلم سے لکھوں مجھے امید ہے میری مجبوریوں کا لحاظ رکھتے ہوئے آپ درگزر کریں گے۔ اور مجھے معذور رکھیں گے۔

۱۶ مئی ۵۲ء　　کیفی

بنام امتیاز علی صاحب عرشی　　(۱۸)

۱۷- علی پور روڈ سول لائنز دہلی۔ مکرم میرے۔ آداب۔ ایک زحمت دینے کی معافی چاہتا ہوں "انشائے داغ" مرتبہ احسن مارہروی مرحوم آپ نے دیکھی ہوگی اس میں مرزا داغ کا ایک خط بھی ایسا نہیں جو انہوں نے رام پور سے لکھا، تیس پینتیس برس داغ رام پور میں رہے کیا اس زمانے میں انہوں نے کسی کو خط لکھا ہی نہیں۔ یہ مزور ہے کہ خط کاتب کے ہاتھ سے نکل کر مکتوب الیہ کی ملکیت ہو جاتا ہے۔ بعض مقامی معاصرین یا نواب خلد آشیاں کو مزور کبھی کوئی خط گیا ہوگا میں نہایت ممنون ہوں گا۔ اگر اس بارے میں میری مدد کر سکیں، اگر آپ کے نجی ذخیرے میں یا سرکاری کتب خانے میں مرزا داغ کے کچھ خطوط محفوظ ہوں تو براہ کرم مطلع فرمائیے۔ اگر وہ صرف چند ایک ہیں تو اُن کی نقل عنایت فرمائیے، مع اُجرت نقل کی اطلاع کے۔ اگر بہت سے ہیں تو آپ کی صلاح اور اجازت سے اُن کے لئے مناسب انتظام کیا جائیگا

۱۸ اگست ۵۲ء　　جواب کا طالب نیازمند برجموہن دتاتریہ کیفی

میری غرض ان خطوط سے ہے جن کی نوعیت ادبی ہو یا جو کاتب کے کردار و اخلاق پر روشنی ڈالتے ہوں۔ (کیفی)

بنام امتیاز علی صاحب عرشی　　(۱۹)

۱۷- علی پور روڈ دہلی۔ مہربان میرے۔ آداب۔ فرمائیے نظر عنایت میں کتنی دیر ہے۔ لکھنؤ سے تقاضا ہے اور میں آپ کی امداد کا منتظر ہوں۔ صرف چند خطوں کے انتخاب اقتباس کافی ہوں گے جو مرزا داغ کے کردار و اخلاق کے خاص گوشوں پر روشنی ڈالتے ہوں، اصلاح سخن سے متعلق تو طومار ہوگا۔ اسے جانے دیجئے اور جو عرض کیا گیا ہے اس کی طرف توجہ فرمائیے۔

۲۷ اگست ۵۲ء　　منتظر جواب نیازمند برجموہن دتاتریہ کیفی

بنام امتیاز علی صاحب عرشی　　(۲۰)

۱۷- علی پور روڈ سول لائنز دہلی۔ مکرم میرے تسلیم۔ بہت بہت شکریہ۔ نقل خطوط واپس کر رہا ہوں۔ میں نے صرف ان خطوط سے استفادہ کیا ہے۔ عیش پرستی کے سلسلہ میں۔

مکتوب الیہ

صفحہ ۴ ——— ملکہ جان، صفحہ ۲ ——— حیدن بائی، صفحہ ۱۰ ——— نسّاخ

صفحہ ۱۵ ——— حجاب، صفحہ ۱۸ ——— ملکہ جان، صفحہ ۲۰ ——— محمد وزیر

میں نہیں جانتا کہ کس زبان سے آپ کی اس عنایت کا شکریہ ادا کروں۔

۱ ستمبر ۵۲ء　　نیازمند برجموہن دتاتریہ کیفی

بنام سید صادق محمد نقشا　　(۲۱)

۱۷- علی پور روڈ سول لائنز دہلی۔ جناب من۔ آپ کا کارڈ مل گیا تھا۔ جس میں آپ نے ڈھاکنا اور ڈھاپنڈ کے متعلق دریافت کیا تھا۔

دونوں لفظ اردو کے ہیں۔ مزید واقفیت کے لئے دیکھئے لاہور کا رسالہ الحمرا ماہ اگست ۱۹۵۴ء صفحہ

۴ ستمبر ۱۹۵۴ء　　آپ کا مخلص کیفی

مولانا مناظر احسن گیلانی

(۱)

بنام مولوی سید الطاف علی بریلوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرم و محترم مولانا الطاف علی صاحب دام مجدکم العالی!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ آپ کے ہدایا (یعنی دفتر مصنف) اور ..... المصنفین کے شائع کردہ رسائل مولانا فضل اللہ صاحب استاد جامعہ عثمانیہ کے ذریعے سے اس وقت ملے جب موسم گرما کی تعطیل کے بعد میں حیدرآباد پہنچا، کئی دن سے شکریہ کا خط لکھنا چاہتا تھا۔ آج توفیق ہوئی۔ اس طباعت کی گرانی کے زمانہ میں آپ نے بڑی ہمت کا کام شروع کیا ہے۔ آپ کے رسالوں میں میری دلچسپی کی چیز مولانا فضل حق و عبدالحق خیرآبادی رحمۃ اللہ علیہما کے حالات تھے۔ میرے تعلیمی خانوادہ کے یہ اکابر ہیں البتہ جن صاحب نے لکھا ہے ان سے واقف نہیں ہوں ..... تو خیال گزرا کہ نواب صدر یار جنگ بہادر نے اس خیرآبادی خاندان کے "چراغ سحر" حضرت مولانا برکات احمد کے حالات مجھ سے لکھوا کر، معارف اعظم گڈھ میں شائع فرمانے کی صورت نکال دی تھی۔ میرے اس مضمون کو بھی جداگانہ ان ہی بزرگوں کی سوانح عمریوں کے طریقہ سے آپ کیوں نہ شائع کرادیں ارشاد ہو تو میں معارف سے نکال کر اس کو بھیج دوں یا آپ کے پاس معارف کی پرانی جلدیں ہوں، یا کسی اور صاحب کے پاس مل جائیں تو ان سے بھی نکال کر اس کو شائع کرا سکتے ہیں، اگر خواہش ہو۔ دوسری بات یہ عرض کرنی ہے کہ پرسوں علیگڈھ سے پھر ایک صاحب کا خط آیا ہے کہ وہاں پہنچ کر میں تقریر کروں۔ ان کا خط مجھ سے گم ہوگیا ہے۔ غالباً "قادری" کی نسبت اپنے نام کے ساتھ لکھتے ہیں۔ یہ کیا وہی قصہ ہے جس میں مجھے بلایا گیا تھا یا کوئی دوسری چیز ہے اور آنے کی صورت کیا ہوگی؟ حیدرآباد سے علی گڈھ کے آمد و رفت کا مسئلہ مصارف کے لحاظ سے بھی قابل غور ہے۔ بہرحال اگر آپ کو کچھ اس کا علم ہو تو مطلع فرمائیے۔ فقط!

مناظر احسن گیلانی۔ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن ۲۹ جولائی ۱۹۴۲ء

(۲)

بنام ڈاکٹر زور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برادر محترم ڈاکٹر زور صاحب سلکم اللہ تعالیٰ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ میرے چھوٹے بھائی برادرم مظہر احسن گیلانی[1] سلمہ اللہ تعالیٰ جو خوش قسمتی سے آپ ہی کے زیر سایہ کام کر رہے ہیں موسم گرما کی تعطیل میں جب یہاں آئے تو آپ کی علمی سرگرمیوں کا بھی تذکرہ کرتے رہے اور یہ بھی کہ چلتے پھرتے اس دور افتادہ ناکارہ کو آپ نے یاد فرمایا ہے۔ دیر تک جامعہ عثمانیہ کی پرانی صحبتوں کا نقشہ آنکھوں کے سامنے گھوم گیا۔ اللہ اللہ وہ بیتے ہوئے دن افضل حسین صاحب کے بنگلے[2] میں کالج کا افتتاح۔ آپ جیسے ہونہار فرزندان دکن کا اس میں داخلہ اور اس کے بعد تیس سال تک جو کچھ دیکھتا رہا تھا اچانک حافظہ میں ساری باتیں کروٹیں لینے لگیں۔ حالانکہ زیادہ تو اب آنے والے دنوں کا خیال سامنے رہتا ہے جن میں بہرحال اس خاکی دنیا سے رشتہ توڑ لینے پر مجبور ہونا پڑے گا لیکن کچھ دیر کے لئے مستقبل کی جگہ ماضی نے لے لی۔ یاد کرتا رہا، ان ساری باتوں کو یاد کرتا رہا جو یاد آسکتی تھیں۔ باتیں جن میں خندہ کے ساتھ گریہ بھی شریک ہے۔ گذرے ہوئے وہ دن اور گذر جائیں گے یہ دن بھی جو اب گذر رہے ہیں۔ "کل یوم ہو فی شان"۔ مظہر سلمہٗ نے آپ کی جدید الاشاعت دکن[3] کا بھی ذکر کیا تھا۔ میں نے اپنے کسی خط میں ان کتابوں کے مطالعہ کی تمنا کا اظہار کیا تھا۔ آپ تک میری اس آرزو کو مظہر سلمہٗ پہنچائیں گے اور اتنی اہمیت آپ اس کو دیں گے کہ سننے کے ساتھ دونوں کتابیں ارسال فرما دیں گے۔ میں اس کی توقع نہیں کرتا تھا لیکن کل آپ کا مرسلہ پارسل ملا۔ اقتان و تشکر کے آنسوؤں سے آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ اب بھی اس فقیہ کی یاد یاران دکن کے دلوں میں باقی ہے اس کا خیال آیا۔ دیر تک متاثر رہا۔ پارسل کو کھولنے کے ساتھ بیک نشست دونوں ہی کتابوں کو پڑھ گیا۔ دل کے زخم ہرے ہو گئے آپ نے خوب ہی تیر و نشتر تیار کئے ہیں۔

ایک ایسے ہرے بھرے چمن کو لوگ کیوں اجاڑنا چاہتے ہیں۔ دکن میں بھی اتنا تھا کہ بارو احمد نگر، بیجاپور، ایلچ پور، حیدرآباد کو کیوں بنانا چاہتے ہو۔ اپنے گھر کو اپنے ہاتھوں اجاڑتے ہو۔ خداوند رحیم لوگوں کی سمجھ درست کرے۔ چند ذہنی اور فکری احساسات کے اختلاف کو اتنا اہم بنا دینا سمجھ میں نہیں آتا کہ لوگ اس کو کب سمجھیں گے۔ افکار و احساسات میں یکسانی بھی وجہ تو دو حقیقی ماں جائے بھائیوں میں پیدا نہیں ہو سکتی۔ دین کا اختلاف یا مذہب کا اختلاف چند ذہنی تاثرات کے سوا اور بھی کچھ ہے۔ آخر دنیا اس راز کو کب پائے گی۔ بھیڑوں اور بکریوں، شیروں اور لومڑیوں میں تو واقعی اختلافات ہوتے ہیں لیکن عیسائی، مسلمان، ہندو، یہودی کسی معنی میں بھی ان سبھوں میں کوئی ایسی ٹھوس خارجی بنیادیں اختلافات کی پائی جاتی ہیں جن کی وجہ سے کہا جا سکتا ہے کہ یہ وہ نہیں ہیں۔ سب ہی تو آدمی ہیں۔ وہی دو کان، دو ٹانگیں، دو آنکھیں، اندر باہر سب کچھ سب ہی میں تو مشترک ہے۔ کیوں نہیں افکار و خیالات کے اختلافات کے ساتھ ہم مل جل کر ایک دوسرے کے ساتھ زندگی گذار سکتے اور کوئی ایسی زندگی چاہے بھی تو آسمان کے نیچے زمین کے اوپر کہیں اس کو ایسی زندگی میسر آسکتی ہے جو احساس و افکار کے اعتبار سے قطعاً سپاٹ ہو۔ نشیب و فراز اس میں نہ ہو۔

---

[1] لکچرار معاشیات چادر گھاٹ کالج　[2] اس بنگلہ کی جگہ اب حیدرآباد اسٹیٹ بنک کی عالی شان عمارت بنی ہے۔

[3] 'داستان ادب حیدرآباد' اور 'حیدرآباد فرخندہ بنیاد'

آپ کے تمہیدی کلمات سے دل بہت متاثر ہوا۔ قنوط اور یاس ابلیسی خاصیت ہے۔ ابلیس کو ابلیس کہتے ہی اس لئے ہیں کہ وہ ناامید ہے۔ اپنے پیدا کرنے والے خالق کے متعلق یقین رکھنا چاہئے کہ وہ ارحم الراحمین ہیں۔ حسن ظن خدا کے ساتھ رکھنا بھی رجائیت ہے۔ رجائیت کے رجحانات بھی آپ کی کتابوں کی جان ہیں۔ آج پر کل کو کمیں قیاس کیا جائے جب فردا ہمارے سامنے دیرونہ سے مختلف حالات کو لاسکتا ہے۔ تو اس فردا کے پیچھے جو فردے پوشیدہ ہیں ہم کیسے کہہ سکتے ہیں کہ کن حالات کو ہمارے یا ہماری آئندہ نسلوں کے آگے لائیں گے۔

لاحول ولا قوۃ قلم بہکا چلا جا رہا ہے۔ اٹھایا تو تھا کہ آپ کی اس نوازش نو کا شکریہ پیش کروں لیکن جنون میں خدا جانے کیا کیا بکتا چلا گیا۔ آپ کام کئے جائیے اور امیدوں کی امنگوں سے معمور ہو کر کئے جائیے۔ آپ کا یہ نیازمند اگرچہ بوڑھا اور ازکار رفتہ ہو چکا ہے زبان تو بند ہو چکی ہے قلم ابھی کچھ ساتھ دے رہا ہے۔ جو کچھ ممکن ہے کرتا ہی رہتا ہوں۔ اپنے عزیزوں اور عنایت فرماؤں کو بھی اس کی تائید کرتا ہوں۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور حدیث ہے (ترجمہ جس کا یہ ہے) کہ قیامت ہی کیوں نہ قائم ہو رہی ہو لیکن تو پودا جو تیرے ہاتھ ہے اس کو نصب کر دے۔" قیامت اپنا کام کرے ہم اپنے کام کو انجام دیں فقط!

مناظر احسن گیلانی۔ گیلانی (بہار)، ۱۸ ستمبر ۱۹۵۳ء

---

(۳)

بنام مدیر "مدینہ" بجنور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محترمی مدیر صاحب اخبار مدینہ! ایدکم اللہ بروح اللہ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ فقیر کے عریضہ کے جواب میں کئی ہفتے ہوئے آپ کا نوازش نامہ مل چکا تھا۔ جواب کی فکر ہی میں تھا کہ مولانا سید سلیمان مرحوم کی مجلس ماتم میں شریک ہونے کے لئے لکھنؤ جانے پر مجبور ہونا پڑا۔ وہاں سے واپسی کے دوسرے یا تیسرے دن شب کو میرے مکان میں سرقہ کا ایک شدید حادثہ پیش آیا، چوروں کی کافی تعداد گھر میں گھس گئی اور جو کچھ بھی لے جا سکتی تھی اطمینان کے ساتھ لے کر چمپت ہو گئی۔ ہم لوگ سوتے کے سوتے رہے۔ صبح کو آنکھیں کھلیں تو آنکھیں کھل گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ بے چاری عورتوں کے زیور اور لباس کا کوئی حصہ جو لینے کے قابل تھا نہ بچا۔ رات کو چور آئے اور دن کو پولس کے دھاوے شروع ہوئے۔ شدید دماغی پریشانیوں میں مبتلا ہو گیا۔ مدتوں سے یہ لطیفہ بھلائے ہوئے تھا کہ مولوی ابوالاعلیٰ مودودی کی حکومت الٰہیہ قائم ہو گئی۔ بندوں اور خدا کے درمیان حکومت و کومت کا کوئی واسطہ باقی نہ رہا۔ آج ملک ان ہی حالات سے گذر رہا ہے۔ کوئی دن شاید ہی گذرتا ہے جب چوری، ڈاکہ وغیرہ کی خبریں سننے میں نہیں آتیں۔ حد یہ ہے کہ مجھ جیسے بے نوا کو بھی نشانہ بنا ہی لیا گیا۔ بہرحال میں بہت شرمندہ ہوں کہ مدینہ فقیر کے نام آپ مسلسل بھیج رہے ہیں۔ بدل اشتراک کے لینے پر بھی آمادہ نہیں اور فقیر بھی اپنی کسی خدمت کو اب تک پیش نہ کر سکا۔ آج چند صفحے لکھ کر بھیج رہا ہوں۔ ایک تو وقتی اور اصلاحی مضمون ہے دوسرا صرف تاریخی اور تیسرا صرف ذہنی۔ لیکن زمانہ کی ضرورتوں ہی سے ان میں ہر ایک کا تعلق ہے۔ ایک ہی دفعہ بھیج دیتا ہوں تاکہ جب جیسے جیسے موقع ملے ان کو شائع فرماتے رہئے۔ مدینہ کی سنجیدگی اور متانت سے دل بہت خوش ہوتا ہے۔ افسوس ہے کہ آپ حضرات سے نیاز کے حاصل کرنے کا موقع نہیں۔ پیرانہ سالی میں سیر و سفر کا مسئلہ میرے لئے کافی دشوار ہو گیا ہے۔ فقط!

مناظر احسن گیلانی۔ گیلانی (بہار)، یکم فروری ۱۹۵۴ء

(۴)

بنام مدیر "مدینہ"

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والا قدر کرم و محترم مدیر صاحب "مدینہ" اسعدکم اللہ فی الدارین وایدکم بروح اللہ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ! اللہ اللہ چار ساڑھے چار مہینے کی بے ہوشی یا نیم بے ہوشی کے بعد آپ کا یہ دعاگو مناظر احسن گیلانی پھر ہوش میں آیا ہے۔ "مدینہ" پر بھی نظر پڑی اور "مدینہ" کے بعد "مدینہ" والے کے نوازش نامہ سے بھی سرفراز ہوا۔ "مدینہ" کو جس حال میں چھوڑ کر غائب ہوا تھا، عجیب بات ہے کہ اسی حال اور اسی روش پر اس کو پایا۔ کاظمی صاحب کا تھیسس مقالہ نہ صرف معلوماتی مقالہ ہے بلکہ ذہنی انقلاب کی کافی ضمانتوں کو سمیٹے ہوئے ہے۔ بستر علالت پر لیٹ جانے سے پہلے دماغ میں جو نقشہ مدینہ کے مقالات کے متعلق تھا، ایک بڑا پہلو ان کا اس مقالہ میں بھی آگیا ہے۔ بڑی دلچسپیوں کے ساتھ کاظمی صاحب کے اس مقالہ کو پڑھ رہا ہوں۔ کیا انگریزی میں کوئی کتاب انہوں نے لکھی ہے یا خاص مدینہ کے لئے اردو ہی میں تحریر فرمایا گیا ہے۔ بعض فقروں سے پتہ چلتا ہے کہ انگریزی سے غالباً یہ ترجمہ ہوا۔

آپ نے مدینہ میں بھی اور اپنے گرامی نامہ میں اس پر ازکار رفتہ کی قلمی جولانیوں کا تماشہ دیکھنے والوں کو منتظر بنا دیا ہے۔ دنگل میں یہ بوڑھا کب اترتا ہے، اترتا بھی ہے یا نہیں ابھی نہیں کہا جا سکتا۔ دواؤں اور پرہیز کی ان تختیوں میں کیا عرض کروں کہ جی کتنا گھبراتا رہتا ہے۔ لیکن کروں کیا؟ ڈاکٹروں کے ہجوم میں ہوں تاہم کوشش کروں گا کہ پہلی فرصت میں قلم اگر اٹھاؤں تو مدینہ ہی کیلئے اٹھاؤں۔ بس دعا فرمایئے کہ ڈاکٹری جکڑبندیوں سے بھی نجات حاصل ہو۔ آپ کی طرف سے جو نوازشیں اس فقیر پر ہوتی ہیں ان کا شکر گذار ہوں۔ ان ہی دنوں میں جب پٹنہ ہسپتال کے آہنی پلنگ پر تڑپ رہا تھا چند نما جاتی مصرعے ایک خاص زبان میں دل و دماغ میں گھومنے لگے۔ خاص زبان سے مطلب یہ ہے کہ اردویت سے زیادہ 'ہندیت' کا رنگ ان پر غالب تھا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ان میں ہمارے بہار کی دیہاتی اور مقامی بولی کے چند الفاظ بھی شریک ہو گئے ہوں۔ آپ کے ذاتی ملاحظہ کے لئے ان کو نقل کر کے بھیج رہا ہوں۔ اگر مدینہ کے صفحات اس زبان کے متحمل ہوں تو سوچئے۔ منظوم حصہ میں کیا اس کی بھی گنجائش نکل سکتی ہے؟ آپ کا مرثیہ اچھے محمد صاحب مرحوم کا اسی حصہ میں نظر سے جس وقت گذرا اسی زمانہ میں یہ خطرہ دل میں پیدا ہوا۔ اتنی کڑی اور کرخت زمین میں آپ نے طبع آزمائی فرمائی کہ اس کے نباہ لے جانے پر تعجب ہوا۔ مرحوم کے توانائی کی فراہمی آسان کام نہ تھا لیکن آپ کو کافی الفاظ مل ہی گئے۔ ہمارے دوست مجید صاحب زائر مرحوم کی نعتیہ نظموں کے کیا کہنے۔ ایک ایک مصرع تیر و نشتر سے بھی زیادہ کام کرتے ہیں۔ بہت دنوں سے اُن کا نہ کوئی خط ہی آیا ہے اور نہ بے چارے کا حال معلوم ہے۔ جہاں رہیں مست بادۂ الست رہیں۔ موقع ہو تو سلام فقیر کا پہنچا دیجئے گا۔

ہندی آمیز نظموں میں "دھرمی" کے تخلص کو استعمال کرتا ہوں۔ اسی تخلص کی طرف یہ نظم بھی منسوب ہے۔ فقط!

مناظر احسن گیلانی - گیلانی (بہار) ۵ راگست ۱۹۵۴ء

(۵)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بسی صاحب گیلانی

برادر عزیز سلمہٗ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ تمہاری خیر و عافیت کے خط کا روز انتظار رہتا ہے اور جب تک مرا نہیں ہمارا یہ انتظار باقی ہی رہے گا ادھر دو واقعے ایسے پیش آئے جو یا سارے ایسے پیش آئے کہ دل و دماغ پر دونوں کا کافی اثر ہے۔ پہلا قاتلی حادثہ ہے شاید بانیدپور والوں سے اس کی خبر تم تک پہنچ چکی ہوگی۔ وارث الہدیٰ[1] و تجربے چار سے دس سال بعد وطن مالوف آئے تھے۔ ان کے کلکٹر بھائی کی سالی کی شادی مولوی شمس الہدیٰ[2] کے صاحبزادے عمیس کے بھائی اویس سلمہٗ سے ہونے والی تھی لیکن چند دن بھی گذرنے نہ پائے تھے، شاید ایک ہفتہ بھی نہیں کہ مونگیر قلعہ کی اسی کوٹھی میں ان کا ہارٹ فیل ہوگیا جہاں ان کے بھائی بحیثیت کلکٹر ہونے کے مقیم ہیں۔ ایں ہم سخت است کہ گویند۔ جواں مرد۔ سنا کہ کراچی میں بیس پچیس دن پہلے ان کا لڑکا آٹھ نو سال کی عمر کا مر چکا تھا۔ غم غلط کرنے کے لئے اپنے کنبہ میں آئے تھے۔ لیکن کیا معلوم تھا کہ بانیدپور کی مٹی کھینچ کر بیچارے کو لائی تھی۔

دوسرے حادثہ کا تعلق میری ذات خاص سے ہے۔ میرے ٹونک کے ساتھی شیخ مہتاب المعروف بہ مولانا عبدالرحمٰن الچشتی الوہابی کی وفات دو دن کی مختصر علالت کے بعد ٹونک میں ہوگئی۔ ہم دونوں ساٹھا سال تک ساتھ رہے تھے۔ پرانی گندی ہوئی صحبتیں یاد آتی ہیں۔ چشتی بے چارہ اچھا گویا بھی تھا۔ مولانا بن جانے سے پیشتر لہرا لہرا کر گایا کرتے تھے۔ شاید کسی تھیٹر کی سنی ہوئی یہ نظم بہت پسند تھی ؎

موسے پیت لگا کے پیا اب پیت لگانا چھوڑ دیا
ایسے بسے کسی دیس میں جا اب دیس کا آنا چھوڑ دیا

پہلی بیت ہندی کی پڑھ کر آگے بڑھتے ؎

مرنے کی دشمنوں کو ہمارے خوشی نہ ہو
ہاں آبرو نہ جائے، یہ جگ میں ہنسی نہ ہو
آ کے تربت پہ آنسو بہانا رے

اور خدا جانے کیا کیا پڑھتے۔ آخری بند یہ تھا ؎

دل کے پھپھولے جل اٹھے سینے کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے
اس سلگی کو آ کر بجھانا رے

واغ اور آبیر کی بھی لمبی لمبی غزلیں خوب یاد تھیں۔ چار پانچ طالب علم ہم لوگ ایک ہی مکان میں رہتے۔ استرواح نفس کے لئے

برحمی الدین صاحب سابق شریک معتمد تعلیمات حیدرآباد کے داماد جو حیدرآباد میں محکمۂ اطلاعات کے مدگار ناظم تھے۔

[1] وارث الہدیٰ صاحب کلکٹر مونگیر بہار۔　[2] لکچرار ریاضی علی گڈھ یونیورسٹی۔

چشتی مرحوم کا گانا اس زمانہ میں دل کو بہلا دیا کرتا تھا۔

اللھم اغفرلہٗ وارحمہٗ

اور بحمدہٖ وجہ بحمد اللہ ادھر خیریت ہے۔ ڈاکٹر صاحب[1] قبلہ کی خدمت میں سلام عرض کر دیجئے۔ بچوں کو پیار۔

مناظر احسن گیلانی[2] - ۴ر جون ۱۹۵۶ء

---

(۶)

بنام "مدینہ"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گرامی قدر مدیر صاحب جریدہ غرا "مدینہ" ایدکم اللہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ جی ہاں! مدینہ کا وہ شمارہ جس میں فقیر کا مقالہ "تدبیر ما" شائع فرمایا گیا ہے۔ وہ بھی ملا اور اس کے چند دن بعد آپ کا نوازش نامہ بھی باعث ابتہاج ونشاط ہوا۔ آپ نے حادثہ سرفہ والی خبر شائع فرمادی۔ حوادث کی خبروں کو شائع کرنا اخباری فرض ہے لیکن اس فقیر کے دوستوں، قدر فرماؤں کو آپ نے تشویش میں مبتلا کر دیا۔ ہند و پاکستان کے مختلف حصوں سے خطوط موصول ہو رہے ہیں۔ لوگ تفصیلات دریافت کرتے ہیں۔ بھلا اس طومار کا جواب یہ فقیر کہاں تک دے؟ اگر شکایت کا پہلو پیدا ہو سکتا ہے تو اسی تجربہ کی وجہ سے ہو سکتا ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ آپ کی نیت بخیر ہی تھی۔ فجزاکم اللہ عن خیر الجزاء۔

کل جو شمارہ ملا ہے اس میں دوسرا "مقصورہ" (دکن کے قدیم دفاتر میں اصطلاح تھی، نتھی کئے ہوئے کاغذات کو کہتے تھے) یعنی دیو بچہ والی داستان بھی نظر سے گذری۔ خیال آیا کہ آپ کے خط کا جواب بھی دے دوں اور "تدبیر ما" کے عنوان کی دوسری قسط بھی نتھی کر دوں۔

آپ نے اپنے گرامی نامے میں فرمائش کی ہے کہ جمعیت العلماء کے عملی کاروبار کے سلسلے میں مقالات ومضامین "مدینہ" میں جو شائع ہو رہے ہیں ان کے متعلق فقیر بھی اپنے احساسات کو قلمبند کر کے خدمت والا میں ارسال کر دے۔ اس میں شک نہیں،

نوگر حمد سے تھوڑا سا گلہ بھی سن لے

آپ کے پہلے مقالہ کے اس عنوان ہی پر جھوم گیا تھا، مدینہ غریب "العلماء" کی وکالت وحمایت میں ہر قسم کی رسوائیوں کو اس زمانہ میں برداشت کرتا رہا جب غریب مولویوں کا کوئی پرسان حال نہ رہا تھا۔ فقیر کے قلم سے ایک دفعہ ایک فقرہ نکل گیا تھا۔

ڈبوں کے بغیر جمعیت العلماء کا انجن ملک کے طول وعرض میں دوڑ رہا ہے تو ہمارے بعض بزرگوں پر یہ فقرہ کافی گراں گذرا تھا۔ بہرحال نوگزی حمد کے بعد مدینہ کی طرف "مشکوٰۃ ارباب وفا" بڑی عجیب بات تھی۔ فقیر نے بڑی دلچسپی کے ساتھ اس کو پڑھا تھا۔ پھر مولانا سید محمد میاں صاحب کے جوابی مقالہ اور جواب در جواب کے سارے قصے نظر سے گذر ہی رہے ہیں۔ کاش ایک رکاوٹ نہ ہوتی تو آپ کے حکم کی تعمیل میں پس وپیش کرنے کی کوئی وجہ نہ ہو سکتی تھی۔

---

[1] ڈاکٹر محمد عثمان خان وظیفہ یاب رکن دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد میں مولانا کے پڑوسی تھے۔

[2] یہ مولانا کا آخری خط ہے۔ ۴ر جون کو اپنے بھائی مظہر احسن گیلانی لکچرار چادر گھاٹ کالج کے نام لکھ کر پوسٹ کیا جو ان کے وصال (۶ر جون بوقت صبح) کے بعد ان کے بھائی کو ملا یعنی ۶ر جون کی صبح بذریعہ تار وفات کی اطلاع ملی اور شام کو یہ خط ملا۔

اور وہ رکاوٹ یہ نہیں ہے کہ جمعیت العلماء کے بزرگوں سے نیازمندی کا تعلق رکھتا ہوں بلکہ خود اپنا ذاتی حال سب سے زیادہ مانع ہے۔ آپ شاید واقف ہوں یا نہ واقف ہوں۔ فقیر کے ساتھ ایک عجیب صورت حال پیش آئی۔ دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہونے کے بعد کچھ دن وہاں کی خدمت کا شرف بھی حاصل ہوا، حضرت شیخ الہندؒ سے تلمذ ہی کی نہیں بیعت کی سعادت بھی اس کو بخت کو میسر آئی تھی لیکن تقدیر کے کرشمے تھے کہ "ذاتی علم پروری" کے تصور میں اپنی ساری صلاحیتوں کو کھو بیٹھا ہوں نوجوانی ہی کے دنوں میں عثمانیہ یونیورسٹی کے احاطہ میں داخل کر دیا گیا اور کام کرنے کا جو زمانہ تھا، دکن کی پہاڑیوں میں وہی زمانہ میرا سر پھوڑنے میں گذر گیا۔ آپ ہی بتائیں کہ مجھ جیسے نافرض شناس انسان کے اندر اس کی جرأت کیسے پیدا ہو سکتی ہے جس نے کچھ نہیں کیا وہی ان لوگوں پر زبان کیسے کھول سکتا ہے جنہوں نے سب کچھ نہیں تو بہت کچھ کیا اور کچھ نہ کچھ اب بھی اپنی حد تک کرتے ہی چلے جاتے ہیں۔ یہ داستان درد کی کافی طویل ہے۔ مختصراً عرض کرنے کے بعد امیدوار ہوں کہ اس راہ میں میری معذوری کا اندازہ آپ فرمائیں گے۔ اس "تدبیر" کے عنوان کے تحت مجھے ابھی کچھ اور باتیں بھی عرض کرنی ہیں۔ ممکن ہے ذیلاً اس کے اندر اپنے نقطۂ نظر کا ذکر بھی آجائے۔ سردست اس مسئلہ میں فقیر کو نہ الجھائیے تو اس پر بڑا احسان ہوگا۔

ہاں ایک بات اور بھی عرض کرنی ہے۔ فقیر کے مضامین یا "منتخبات" کے متعلق ایک چھوٹا خیال بحیثیت مدیر آپ کو رکھنا چاہئے بلکہ حالات کے اقتضاؤں کو دیکھ کر آپ کو ترمیم کل و اصلاح کا بھی اختیار رہے یا سرے سے کوئی مضمون ناقابل اشاعت محسوس ہو تو ہرگز شائع نہ فرمائیے۔ میں ایک دیہات میں عزلت گزیں ہوں۔ باہر کے ماحول کے تخمینہ میں غلطی ہو جائے تو کچھ بعید نہیں۔ وہی مضمون ہو "لحم بقرہ" کے متعلق ترجمہ کر کے فقیر نے بھیجا ہے۔ نہیں کہہ سکتا کہ موجودہ حالات میں اس کا شائع کرنا مفید ہوگا یا مضر! میں نے تو صرف اس لئے ترجمہ کر دیا کہ مسلمانوں کے متعلق غیروں میں کچھ اس قسم کا خیال پھیل گیا ہے کہ مسلمان ہونے کے لئے "لحم بقرہ" کا استعمال شاید ضروری ہے لیکن اس کے ساتھ دوسرے پہلوؤں کا خیال بھی کرنا چاہئے۔ کسی وجہ سے اور کسی عنوان سے اس ترجمہ کا شائع کرنا قرین مصلحت نظر آئے تو میری یہ التجا قبول فرمالی جائے کہ مترجم کے نام کو ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں۔ ایک مطبوعہ کتاب کی عربی عبارتوں کا ترجمہ ہے "عنوان تراشی" میں آپ کی مہارت کا لوہا دل نے مان لیا۔ سچی بات بھی ہے کہ عنوان سے مضمون کی قیمت پر بہت زیادہ اثر پڑتا ہے۔

اور کیا عرض کروں، ممکن ہو تو فرصت سے فقیر کے اس نیاز نامے کا جواب عطا فرمائیے۔

مولوی محمد حسین صاحب اور مولانا ابن کامل صاحب سے سلام فرما دیجئے۔ فقط!

مناظر احسن گیلانی

(۷)

العزیز الاخ المحترم المقدر زور صدر شعبۃ الاردو یہ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ"۔ میں ایک ضرورت سے بھی چاہتا ہوں کہ چند منٹ کے لئے آپ سے ملوں۔ نیز ذرا یہ بھی سوچ رکھئے کہ دکن کے عہد سلطنت آصفیہ بھنیاد حوالہ الملوک دونوں عہد میں جو پائے جاتے تھے ان کا اور ان کی

خدمات کا سُراغ کن کن کتابوں میں مل سکتا ہے۔ رکنیات میں آپ کی نظر وسیع ہے۔ یہ بتائیے کہ آج یا کل کالج میں کس وقت آپ سے ملوں۔

نیازمند: مناظر احسن گیلانی

(۸)

بنام ڈاکٹر زور

برادر محترم ڈاکٹر زور صاحب دام لطفہ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ غالباً آپ کو اطلاع ہو چکی ہوگی کہ بارگاہِ خسروی سے دارالعلوم ندوۃ العلماء کی امداد میں تین سو ماہوار کا اضافہ منظور ہو گیا۔ ہمدردانِ ندوہ کی مسرت کا باعث ہے۔ سید سلیمان صاحب اور ان کے رفقاب یا بد کا ہیں۔ مہینہ کی بھی ابتدا ہے موعودہ رقم دارالعلوم کی امداد جو آپ نے براہِ مہربانی منظور فرمائی تھی کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ سید صاحب تک اسے اب پہنچا دی جائے۔

مناظر احسن گیلانی

(۹)

بنام ڈاکٹر زور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برادر عزیز معظم ڈاکٹر پروفیسر زور صاحب قادری صدر شعبہ دارالعلوم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ عریضہ نیاز کو آپ کی خدمت میں ایک حاجت مند مسلمان پیش کریں گے۔ آپ سے ایک سفارشی چٹھی کے آرزو مند ہیں۔ براہ راست آپ سے چونکہ ان کا تعارف نہیں ہے اس لئے خاکسار کو آپ تک رسائی کا وسیلہ بنا رہے ہیں۔ اگر کسی قسم کا مضائقہ محسوس نہ ہو تو چند کلماتِ خیر سے ایک ضرورت مند کی امداد سے انشاءاللہ آپ دریغ نہ فرمائیں گے امید ہے کہ آپ بخیر ہوں گے۔

نیازکیش ودعاگو: مناظر احسن گیلانی

(۱۰)

بنام ڈاکٹر زور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرم ومخدوم ڈاکٹر زور صاحب پروفیسر کلیہ جامعہ عثمانیہ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ حاملِ ہذا میرے شعبہ کے طالب علم ہیں۔ سال چہارم میں تعلیم پا رہے ہیں۔ اس سے تو آپ واقف ہی ہوں گے کہ میرے شعبہ دینیات کے طلبہ کا دو مضمون (انگریزی ادب وعربی ادب) تو ہی ہوتا ہے جو فنون کے طلبہ کا نصاب ہے۔ صرف ایک مضمون (حدیث وتفسیر وکلام) اختیاری اور ایک لازمی فقہ کا مضمون۔ یہ دینیات کے مضامین ان کے ہوتے ہیں۔ اس لئے گویا یہ فنون اور دینیات کے جامع ہوتے ہیں۔ لیکن دینیات کا لفظ ان غریبوں کے ساتھ ایسا لگ گیا ہے کہ جس محکمہ میں بھی یہ درخواست دیتے ہیں ناواقفیت کی وجہ سے لوگ بلا سمجھ کر ان کو ٹال دیتے ہیں۔ گویا انکو کوئی ہنر آتا ہی

یہ صفتیں لے کر آدمی ملا ہو۔ مگر یہ ملا ہیں مرکب۔ لیکن ؎

یوسف کو پکڑے بیٹھے ہیں محشر میں داد خواہ
اک کھلبلی مچی ہے ترے استباہ میں

یہ بچہ جو آپ کے پاس جا رہا ہے بڑا غریب آدمی ہے۔ میں ان کے والد سے بھی واقف ہوں۔ بڑی پریشانیوں سے یہ بی۔ اے تک پہنچا ہے۔ محکمۂ آبکاری میں کچھ عملوں کی جائیدادیں قدر طلب ہیں میں تو جانتا نہ تھا ان ہی سے معلوم ہوا کہ کمشنر آبکاری حال اور آپ کے درمیان ع ہم ہوئے تم ہوئے کہ میر ہوئے، والا قصہ ہے۔ اگر ایسی بات ہے تو یقیناً دونوں کے مزاج ہمزلفی بھی ہوں گے۔ کیا چند کلمات خیر سے اس غریب بے وسیلہ آدمی کی آپ امداد فرما کر اجر دارین حاصل کریں گے؟ فقط!

مناظر احسن گیلانی

---

(۱۱)

انوار اعظم　　بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عزیز محترم مولوی سید انوار اعظم سلمہٗ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ آپ کی ناسازی مزاج کے ساتھ امتحان کی کامیابی کا حال بھی معلوم ہوتا رہا۔ آنے جانے والوں سے بھی پوچھتا رہا۔ مسرت ہوئی کہ اب آپ اچھے ہیں معلوم نہیں تقریری امتحان جو ہونے والا تھا وہ مرحلہ بھی گذر چکا یا نہیں۔ اس وقت آپ کی خدمت میں اپنے ایک عزیز حیدر آبادی دوست مولوی ڈاکٹر یوسف الدین صاحب پی ایچ ڈی کو بھیج رہا ہوں۔ یہ بیچارے اس فقیر سے ملنے کے لئے حیدر آباد سے گیلانی آئے۔ تقریباً ایک ہفتہ قیام کر کے اب حیدر آباد واپس جا رہے ہیں جہاں عثمانیہ یونیورسٹی میں پروفیسر کی خدمت انجام دیتے ہیں۔ یہ اردو اور انگریزی دونوں زبانوں کے مصنف ہیں اور حد سے زیادہ علمی ذوق رکھتے ہیں۔ بہار اگر کسی علمی مذاق والے آدمی کا خدا بخش خاں مرحوم کی لائبریری دیکھے بغیر جانا کسی طرح مناسب نہ ہوگا۔ یہ اتفاق کی بات ہے کہ آں برادر گویا آجکل لائبریری کے صحن ہی میں مقیم ہیں　　آپ ان سے مل کر انشاء اللہ بہت خوش ہوں گے۔ صد سے زیادہ شریف طبیعت کے مالک ہیں۔ اسی سے اندازہ کیجئے کہ مجھ دہقانی سے ملنے کے لئے اتنا طویل و عریض سفر انہوں نے اختیار کیا۔ امید ہے کہ آپ کی وجہ سے ان کو پٹنہ میں کافی سہولت میسر آئے گی۔

پھلواری شریف کی حاضری کا موقع اگر مل جائے تو اس میں بھی امید ہے آپ ان کی مدد فرمائیں گے۔

اور کوئی خاص بات قابل ذکر نہیں ہے گیلانی کے ہونے والے تقریر بات بخیر و خوبی انجام پا گئے۔ اگرچہ فقیر ان دعوتوں کی لذتوں سے محروم ہی رہا۔ ادھر طبیعت میں پھر کچھ گڑبڑ سی پیدا ہو گئی۔ دیکھیں زندگی کی اس کشمکش سے کب نجات ملتی ہے۔

العابدین صاحب ایم۔ ایس۔ ایس۔ ناظم آبکاری میرے رشتہ کے بھائی تھے اور ان کی دختر میرے سالے نواب ناصر الدین احمد صاحب سے ہے۔ مولانا کو اسی لئے شبہ ہوا کہ شاید وہ میرے ہم زلف ہیں۔

ایک عزیز جو آجکل سینٹ کولمبا کالج ہزاری باغ (بہار) میں فارسی کے لکچرار ہیں۔

دس پندرہ دن سے محی الدین[1] سلمہٗ کا بھی کوئی خط وغیرہ نہیں آیا ہے۔ شاید تمہارے پاس آیا ہو تو اطلاع دیجیو۔ سکندر[2] سلمہٗ گئے تھے چلے گئے۔ فقط!

مناظر احسن گیلانی

(۱۲)

بنام مولانا محمد عون صاحب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔

زبدۃ الکلام العربیہ مولانا محمد عون صاحب انصر کم اللہ فی الدارین!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ امید کہ آپ لوگ بعافیت ہوں گے۔ فقیر کی ناسازیٔ مزاج کا حال وہی ہے جس سے مطلع کر چکا ہوں۔

اس وقت آپ کی خدمت میں اپنے ایک حیدرآبادی عزیز اور دوست ڈاکٹر یوسف الدین صاحب پی۔ ایچ۔ ڈی پروفیسر جامعہ عثمانیہ کو پیش کرنے کی عزت حاصل کر رہا ہوں۔ ان ہی کے ذریعہ سے "الحاوی" کے متعلق فقیر نے دریافت کیا تھا۔ جواب میں دائرۃ المعارف کے ناظم صاحب کی طرف سے الحاوی کے حصہ اولیٰ مطبوعہ کو لائے ہیں جنہیں بھیج رہا ہوں۔ مولانا شہاب الدین صاحب دیکھ کر خوش ہوں گے کہ ان کی کتاب یہی نہیں کہ ضائع نہیں ہوئی ہے بلکہ اس سے کام لیا جا رہا ہے۔ اس سلسلہ میں مناسب ہوگا، ہمارے ڈاکٹر یوسف الدین صاحب کو واسطہ بنا لیجئے انشاء اللہ ان کی کوشش بار آور ہوگی۔ اپنے اعمام اولوالعظمت عالی احترام کی خدمت میں سلام عرض کر دیجئے۔ ثقافت لاہور سے پرچہ نکل رہا ہے۔ جعفر میاں اس کے بھی سرسید ہیں کیا انہوں نے "اجتہاد مطلق" کے دروازے کو اپنے لئے وا فرما لیا ہے؟

حضرت سجادہ صاحب کی خدمت میں سلام اور طلب دعا کی درخواست ہے۔ فقط!

مناظر احسن گیلانی

(۱۳)

بنام جناب پروفیسر شیو موہن لعل صاحب ماتھر[3]

کرم فرمائے فقیر جناب پروفیسر شیو موہن لعل صاحب!

پرسوں خاکسار کتب خانہ میں ایک ایسی کتاب سے مسرور ہوا کہ زندگی کی چند خاص مسرتوں میں اس کو شمار کروں گا یعنی آپ کی مترجمہ کتاب "تاریخ فلسفہ ہندی" کی جلدوں پر نظر پڑی ایک چیز جس کے شوق سے بے زمانہ سے تڑپ رہا تھا۔ گو اس سلسلہ میں بعض کتابیں میرے مطالعہ سے گذر چکی تھیں لیکن آپ کی کتاب کی بات ہی اور تھی۔ اسی وقت لایا اور کل جمعہ کا سارا دن اس سے پہلے کی رات۔ الغرض سارا وقت جو بھی مل سکا اسی کتاب کے مطالعہ میں صرف ہوا۔ پہلی جلد قریب قریب ختم کر چکا ہوں۔ میں آپ کو ایک

---

[1] مولانا کے صاحبزادے سید محی الدین احسن گیلانی بی۔ اے۔ ایس افسر واہ چھاؤنی، آواہ راولپنڈی۔

[2] مکتوب الیہ کے منجھلے بھائی سید سکندر اعظم گیلانی ایم۔ اے (ڈھاکہ)

[3] جامعہ عثمانیہ میں فلسفہ کے استاد تھے۔ اب وظیفہ پر علیحدہ ہو چکے ہیں۔

کامیاب ترجمہ میں کامیاب ہونے کی مبارکباد دیتا ہوں۔ کامیابی کی سب سے بڑی دلیل یہی ہو سکتی ہے کہ مجھ جیسا ناواقف نما قاری بھی اس کی لذت میں ایسا ڈوب گیا کہ پھر ہوش و حواس کی خبر نہ رہی۔ اگرچہ اس میں شاید کچھ دخل میرے اس دماغی عارضہ کو بھی ہو جس میں مدت تک مبتلا رہا۔ فلسفہ کا ڈسا ہوا آدمی ہوں حالانکہ جی اکتا چکا ہے لیکن پھر اسی قسم کی باتیں کوئی کرنے لگتا ہے تو بیتے ہوئے دن یاد آجاتے ہیں۔ بہرحال میں آپ کا ممنون ہوں کہ زبان کے حجاب کو اٹھا کر ہندی فلسفہ کے صحیح خط و خال کو آپ نے میرے سامنے نمایاں کر دیا۔ ابھی دو جلدیں باقی ہیں ان کو بھی انشاء اللہ پڑھوں گا۔

اس سلسلہ میں ایک بات عرض کرنی ہے آپ کو کچھ بھی زحمت اگر مل جائے تو بڑی مہربانی ہوگی اگر میرے ان دو سوالوں کا جواب عنایت فرمائیں:

(۱) شری شنکر آچاریہ کے دادا "استاد گوڑپاد" کا وطن کہاں تھا اور تعلیم انہوں نے کہاں پائی تھی۔ اس کتاب سے اس کا پتہ نہ چلا البتہ شنکر کے استاد گوبند کے متعلق اتنا لکھا ہے کہ نربدا ندی کے کنارے کسی غار میں رہتے تھے۔

بہرحال مجھے گوڑپاد کے حالات کی جستجو ہے کیا ان کے متعلق کچھ معلومات آپ فراہم فرما سکتے ہیں؟

گپتا صاحب نے جن مؤقفوں پر اس کو برہمن بتایا ہے کہ لوگوں کو گوڑپاد پر بودھسٹ ہونے کا شبہ تھا۔

(۲) شری شنکر آچاریہ کی شرح گوڑپاد کی کاریکا کے خاتمہ سے گپتا صاحب نے ایک عبارت نقل کی ہے

"وہ اپنے بڑے گرو کے قدموں پر سر رکھ کر اس کی تعریف کرتا ہے جو اس کی تعریف و توصیف کا مستحق ہے جس نے دیکھا۔ دوبارہ پیدائش کے مگرمچھوں کے خوف سے لوگ سمندر میں ڈوب رہے ہیں۔" گپتا ص ۲

گپتا صاحب نے حاشیہ میں گوڑپاد کاریکا بھاشیہ آسند آشرم اڈیشن صفحہ ۲۱۴ کا حوالہ دیا ہے۔ جناب کیا اتنی تکلیف میری طرف سے فرما سکتے ہیں کہ خود سنسکرت میں ان خط کشیدہ الفاظ کی تعبیر کن لفظوں سے کی گئی ہے اور ان اصلی الفاظ کی تفسیر میں کچھ اور پہلو بھی لغت کی مدد سے پیدا ہو سکتے ہیں۔ میری سمجھ میں "پیدائش" کا مفہوم واضح شکلوں میں نہیں آیا۔ "پیدائش" سنسکرت کے کس لفظ کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ بظاہر اشارہ "اواگون" کے چکر کی طرف معلوم ہوتا ہے۔ مگر یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ سنسکرت کے الفاظ میں اور کنجائش بھی کیا نکل سکتی ہیں۔

بہرحال میں آپ کی عدیم الفرصتی سے واقف ہوں۔ نیز اس کی بھی توقع پوری نہیں کہ گوڑپاد کی کتاب کی یہ شرح اصل سنسکرت زبان میں حیدرآباد میں مل بھی سکتی ہے یا نہیں؟ کیا جامعہ میں اس کا نسخہ نہیں منگایا گیا ہے۔ یہ کتاب تو چھپی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔

آپ کا بے حد ممنون و دعاگو: مناظر احسن گیلانی

(۱۴)

بنام نصیر الدین ہاشمی

مکرم و محترم ہاشمی صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ تقریباً ایک مہینے سے آپ کی تقریر مطبوعہ "دارالعلوم" کے حالات پر جو چھپ چکی ہے۔ تلاش کر رہا ہوں باوجودیکہ خود میرے پاس تھی اور کئی کتابوں کے ساتھ میں نے اس کو مجلد بھی کرا لیا تھا۔ لیکن پوری کتاب ہی کوئی

صاحب لے گئے۔ جامعہ عثمانیہ کے کتب خانے میں بھی نہیں اہل۔ مجبوراً آپ کو لکھ رہا ہوں۔ اگر اس کا کوئی نسخہ آپ کے پاس موجود ہو، زائد ہو تو ہدیتہً اور زائد نہ ہو تو چند دن کے لئے عاریتہً بھیج دیجئے۔ بھیجنے کی شکل یہ آسان ہوگی۔ آپ کے اردگرد یا آپ کے خاندان کے بچوں میں کوئی لڑکا جامعہ میں پڑھتے ہوں گے۔ ان کے حوالہ کر دیجئے مجھے اس کی سخت ضرورت پیش آگئی ہے جس طرح ممکن ہو۔ کسی طرح اس تقریر کو مجھ تک پہنچانے کی کوشش کر کے مجھے مرہون منت فرمائیے۔ فقط!

نیازمند قدیم: مناظر احسن گیلانی

---

(۱۵)

بنام نصیر الدین ہاشمی

مخدوم و محترم!

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ آپ سے فقیر نے تو صرف یہ دریافت کیا تھا کہ آپ کی یہ کتاب کہاں ملے گی تاکہ جامعہ کے کتب خانے کے لئے اور ۱۰ کے لئے دو نسخوں کا آرڈر دے دوں۔ اگر اس کی طباعت کا مجھے پہلے علم ہو جاتا تو خواہ اور کوئی قدر کرے یا نہ کرے خاکسار آپ کی علمی دیدہ ریزیوں کا صرف قدر دان ہی نہیں ہے بلکہ آپ کو ان چند مخصوص مصنفین میں خیال کرتا ہے جو خاموشی کے ساتھ مفید اور پُرمواد کتابوں کی تیاری میں مصروف ہیں۔ آپ کے احسانات سے اُردو زبان سبکدوش نہیں ہو سکتی۔ دکن کی اُردو کے آپ ہی ابوالاباء یا ہیروڈوٹس ہیں۔ گو بعد کو لکھنے والوں نے بہت کچھ لکھنے کی کوشش کی ہے لیکن..... کا اجر آپ ہی کے لئے مختص رہے گا۔ اردو زبان کی تاریخ کا لکھنے والا آپ کی محنتوں کے ثمرات اور نتائج سے بے نیاز ہو کر میں تو نہیں سمجھتا کہ اپنی کتاب کو صحیح معنوں میں مکمل کر سکتا ہے۔ اب آپ نے "دکن کے علم" کی طرف توجہ کی۔ ہے۔ تجربہ آپ کو ہوا ہوگا کہ یہ کتنا دشوار کام ہے۔ مجھ سے بعض لوگوں نے شکایت کی کہ اپنی کتاب میں دکن کے لئے تو نے بہت کم جگہ رکھی۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ سوچ کے اور پہلے سے ارادہ کر کے یہ کتاب لکھی ہی نہیں گئی اچانک ٹپک پڑی۔ میں نے دیباچے میں جو لکھا ہے کہ اکیس بائیس دن کی محنت ہے۔ یہ شاعری نہیں واقعہ ہے۔ اس پر بھی ابتدا سے آخر تک دکن کے ساحل کو میری کتاب مسلسل چومتی چلی گئی ہے میں نے اس کتاب میں دعویٰ کیا ہے کہ سب سے پہلا دار الحدیث ہندوستان میں دکن ہی میں قائم ہوا۔ سب سے پہلے علم حدیث کی سرپرستی شاہان بہمنیہ ہی نے کی۔ افضل الدولہ بہادر، مولانا عبدالنبی احمد نگری، مولانا انوار اللہ خان وغیرہ کے متعلق تو مجھے بعض ایسی باتیں ملیں کہ اگر وہ نہ ملتیں تو میرا دعویٰ دلیل ہی سے مفلس رہ جاتا۔

آپ محنت کئے چلے جائیے پچھلی نسلوں کے قلب میں گذشتہ نسلوں کی بے وقعتی کا بیج شعوری غیر شعوری طور پر موجودہ طرز تعلیم نے بو دیا ہے۔ میں اس کو صرف علمی ہی نہیں بلکہ دینی کام سمجھتا ہوں۔ اگر اس غلط جذبہ کا واقعات کی روشنی میں ازالہ کیا جائے۔ حق تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ کی تائید روح القدس سے فرمائے۔ مقصد ہمیشہ اپنے سامنے ایسا رکھئے جس کے نتائج دنیا سے زیادہ آخرت میں آپ کے سامنے آئیں۔

نیازمند:

مناظر احسن گیلانی

---

(۱۶)

بنام نصیر الدین ہاشمی

دردہ فراز! تحیۃ وسلام! جزاکم اللہ عنا خیر الجزاء۔

ھل جزاء الاحسان الا الاحسان۔ ہر عمل کرنے کے لئے بھی ضرورت ہے کہ احسان کی قوت ہو۔ جس کے پاس کچھ نہیں ہے صرف اسی سے جس کے پاس سب کچھ ہے عرض کر سکتا ہے۔ حق تعالیٰ آپ کی محنتوں کو بار آور فرمائے جس دوسری کتاب کا آپ نے حوالہ دیا ہے میں نے غالباً اس کے قلمی مسودے کا مطالعہ کسی صاحب کے دکھانے سے کیا تھا مگر اس کا علم نہ تھا کہ کتاب طبع ہو گئی ہے معلوم نہیں کہاں ملتی ہے۔ جامعہ عثمانیہ کے کتب خانے میں خدا جانے اس کا کوئی نسخہ آیا ہے یا نہیں آیا ہے اگر آ گیا تو دیکھ لوں گا ورنہ آپ سے دریافت کر کے دو نسخے منگواؤں گا۔ فقط!

مناظر احسن گیلانی

آپ کی نظر سے خاکسار کی کتاب تعلیم و تربیت گذری ہے یا نہیں۔ افسوس ہے کہ اس کا کوئی زائد نسخہ میرے پاس نہیں ہے۔ صرف ایک نسخہ جسے اشاعت ثانی کے لئے تیار کر رہا ہوں۔ دلی سے منگوا کر بھیج دوں گا۔ انشاء اللہ آئندہ ایڈیشن میں آپ کی کتاب سے معلومات کا اضافہ اس میں کروں گا۔ جنوبی ہند کی چیزیں اس وقت بہت کم ملیں لیکن کچھ چیزوں کا ذکر اس میں کیا گیا ہے۔ فقط!

مناظر احسن گیلانی

سجاد حیدر یلدرم

بنام جلیل قدوائی

ڈیر جلیل

ابھی خواجہ سرور آئے تھے۔ میں نے ان کے ساتھ کل مرڈ سے لکھنؤ جانے کا وعدہ کر لیا ہے۔ لیکن سوچتا ہوں وہاں سے واپس آکر دوسرے ہی دن مجھے اکیڈمی کے جلسے میں الہ آباد بھی جانا ہے اور اتنی بڑی مسافت میرے لئے واقعتاً کلیتہً ناقابل برداشت ہو جائے گی۔ آپ ان سے کہئے کہ اگر اس سفر میں مجھے ہمراہ نہ لے چلیں تو حج کا ثواب نذر کروں گا حضور کی!

خاکسار: سجاد

(۲)

بنام جلیل قدوائی

ڈیر جلیل۔ سلام مسنون!

آپ سے رخصت ہو کر بخیریت ہردوائی پہونچا:

"پھر وہی گنج قفس اور وہی صیاد کا گھر"

اب کی کا سفر علی گڑھ "زبان تیل لکڑی" کی نظر ہو گیا اور کسی سے نہ مل سکا۔ جب یہاں سے چلا تھا یہ سوچ کر چلا تھا کہ اور کسی سے ملوں یا نہ ملوں۔ آپ سے ضرور ملوں گا۔ خدا کا شکر ہے کہ یہ آرزو پوری ہوئی اور آپ نے اس قدر مہربانی فرمائی کہ مسز جلیل سے بھی مجھے ملا دیا۔ میں ان کی صفات و اخلاق کا بہت اچھا اثر لے کر آیا ہوں۔ خدا کرے آپ کی توقعات ان سے پوری ہوں۔ علی گڑھ میں مسز سجاد سے اکثر آپ کی نسبت گفتگو رہتی تھی اور باوجودیکہ وہ آپ کے بعض دوستوں کے سامنے آنی تھیں وہ آپ کے سامنے اس خیال سے نہیں آتیں کہ آپ بے پردگی کو معیوب سمجھیں گے مگر افسوس آپ نے اس نظریہ کو اس وقت غلط ثابت کیا جب مسز سجاد علی گڑھ میں نہیں ہیں۔ مسز جلیل کو میرا سلام اور اس سے زیادہ دعائیں کہئے۔

رہا آپ احباب کی یہ کوشش کہ مجھے علی گڈھ دوبارہ بلائیں مجھے اس کی کامیابی میں شبہ ہے۔ خداوندان یونیورسٹی
؎ ملاتے ہیں اسی کو خاک میں جو دل سے ملتا ہے۔
آپ کا چاہنے والا: سجاد۔ ہردوئی۔ ستمبر ۱۹۱۹ء

(۳)

بنام جلیل قدوائی

ڈیر جلیل

یہ تو آپ سن ہی چکے ہوں گے کہ میں نے پھر ہندوستان چھوڑ دیا۔ دربس کے لئے جلاوطنی اختیار کر لی۔ یہاں فرصت ہے اور تنہائی۔ اس لئے کبھی کبھی شعر بھی کہہ لیتے جاتے ہیں۔ چنانچہ یہاں پہنچ کر جو کچھ لکھا ہے اس میں سے کچھ پیش کرتا ہوں۔

قید خود اختیاری

ہوں مبارک دوستو دنیا کی تم کو وسعتیں!
میری قسمت میں فقط ایک تنگ زنداں رہ گیا
ہم کو کیا محو خور ہوں محو گل گشت چمن
چل دیئے اہل جنوں خالی بیاباں رہ گیا

انڈمن کا جزیرہ بہت بدنام ہے مگر یہاں عیش بھی ہے۔ کالے آدمیوں کے لئے نہیں جن کی قسمت میں محنت و مشقت کے سوا کچھ نہیں۔ انگریزوں کے لئے۔ ان کی الگ آبادی ہے۔ بنگلے ہیں۔ سبزہ ہے کلب ہے۔ جس میں میں اور انگریز ہر طرف نظر آتے ہیں مگر ہندوستانی نہیں۔ ہاں میں اس کلب میں شامل کر لیا گیا ہوں۔ مگر چونکہ ناچنا آتا ہے نہ پینا اوتو کی طرح بیٹھا رہتا ہوں۔ اس پر ایک شعر کہا ہے

واہ کس کے واسطے تو ہو گیا عشرت کدہ
انڈمن کیوں ہند کا منحوس زنداں ہو گیا

میری سستی دیکھئے اب تک یونیورسٹی سے امتحان کا معاوضہ اور سفر خرچ میں نے وصول نہیں کیا اور اب مجھے تاریخیں بھی یاد نہیں۔ میں نے عشرت الٰہی کو لکھا ہے۔ میرا ٹی اے بل اور نیز زبانی امتحان کے معاوضہ کا بل VIVA VOCE EXAMINATON REMUNERATION BILL بنا کر بھیج دیجئے۔ نہایت ممنون ہوں گا۔ ایک ٹیچنگ اسٹاف ڈپارٹمنٹ کی اٹینڈ ATTEND کی تھی اور دوسری مرتبہ VIVA VOCE کے لئے علی گڈھ گیا تھا۔ تاریخیں وغیرہ آپ وہاں ریکارڈ دیکھ کر معلوم کر لیجئے گا۔

ہاں وہ نظم "سچ" تو مائل مقصود ہوا خوب ہوا" جو تیدین صاحب کی شادی پر لکھی تھی" علی گڑھ میگزین میں چھپی ہے۔ اس کی ایک کاپی مجھے بھجوا دیں۔

نذر سجاد نے "نیرنگ خیال" میں جو کچھ شائع کرایا وہ اضطراری طور پر تھا۔ مجھے شرمندگی کی ضرورت نہیں۔ ہاں بہتر ہوتا اگر وہ نظم چھپنے سے پہلے کسی کو دکھائی گئی ہوتی۔ کم سے کم آپ کو دکھائی گئی ہوتی۔

آپ لوگوں کا خیال اور تذکرہ ہر وقت رہتا ہے۔ اس پر کہا ہے۔

تیدین و سرور و قدوائی کا ذکر و خیال
درد بھی یہ ہو گیا اور یہ ہی درمان ہو گیا

مسز جلیل کی خدمت میں آداب۔

خاکسار: سجاد پورٹ بلیر۔ انڈمان ۲۱-۷-۱۹۳۴ء

(۴)

بنام جلیل قدوائی

مائی ڈیر جلیل

آپ کا محبت نامہ ملا۔ مدت کے بعد آپ کی تحریر دیکھ کر بیحد خوشی حاصل ہوئی۔

میں خود آپ کی موجودہ نوکری سے مطمئن نہیں ہوں۔ مگر آپ کو یہ مدنظر رکھنا چاہیئے کہ یہ نوکری اس اصول پر کی گئی تھی کہ خیال سے بیگار بھاں ظاہر ہے کہ آپ تمام عمر اس نوکری پر بسر نہیں کر سکتے۔ لیکن جو تجویز آپ نے لکھی ہے وہ ایسی نہیں ہے کہ آپ اس پر فوراً عمل پیرا ہو جائیں۔ آپ نے جن ذمہ داریوں کی تفصیل لکھی ہے میری رائے میں وہی آپ کو موجودہ نوکری سے دست بردار ہونے سے روکنے کے لئے کافی ہیں فرض کیا کہ آپ نے موجودہ نوکری چھوڑ کر دو سال میں ایم اے (اردو) کر لیا۔ اس کے بعد کیا یقین ہے کہ آپ کو ایجوکیشن ڈپارٹمنٹ میں فوراً نوکری مل جائے گی آج کل کی کشمکش کا اندازہ کیجئے تو یہ خیال کرنا کچھ غلط اندازہ نہیں کہ آپ کو از سر نو بڑی جد و جہد کرنی ہوگی جو بی اے پاس کرنے کے بعد کرنی پڑی تھی۔ اور پھر نتیجہ یقینی نہیں۔ میری رائے میں آپ موجودہ Appointment کو ہرگز نہ چھوڑیں (میں نہیں کہتا کہ آپ اس پر قانع رہیں) اگر کسی طرح سے یہ ممکن ہو کہ آپ اپنے عہدہ کا کام بھی کرتے رہیں اور بی ٹی میں داخل ہو سکیں تو یہ کیجئے۔ ورنہ تیاگ کے محنت کر کے ایل ایل بی پاس کیجئے۔ اور نوکریوں کے لئے بھی کوشاں رہیئے اور اگر آپ کسی حال امید کسی صورت میں اپنے اس ارادہ سے باز نہیں آ سکتے تو میرے نام دس روپیہ ماہوار لکھ دیجئے۔ بہر حال آپ جولائی میں داخل ہونا چاہتے ہیں اس سے قبل میں انشاء اللہ واپس آ جاؤں گا اور بالشافہ آپ سے بحث کروں گا۔

خواجہ تیدین اور خواجہ منظور کے متعلق خوشخبری سن کر دو تین شعر بے ساختہ قلم سے نکل گئے ہیں اور ملفوف ہیں۔ انہیں پہنچا دیجئے گا۔

میری تسلیم مسز جبیل کی خدمت میں عرض کر دیجئے گا۔ مسز سجاد بھی آپ کو اور مسز جبیل کو سلام کہتی ہیں۔

خاکسار: سجاد پورٹ بلیر۔ انڈمان ۹-۲-۱۹۳۱ء

یہ تینوں شعر علی گڑھ میگزین کے ایڈیٹر صاحب کو دے دیجئے گا۔ اگر پسند کریں تو میگزین میں شائع کر دیں۔

سجاد

(۵)

بنام جبیل قدوائی

مائی ڈیر جبیل

عنایت نامے کا شکریہ۔ میں یہاں پہنچ تو گیا ہوں مگر ابھی پوری طرح یکسو نہیں ہوا۔ مکان کی بہت دقت ہے۔ ایک بنگلہ ملا جس میں ایک اور صاحب آدھے کے شریک ہیں بلکہ شریک غالب۔

علی گڑھ سے غازی پور اس قدر دور ہے کہ تین دن کی چھٹی سے کم میں علی گڑھ آنا جانا اور وہاں کسی میٹنگ میں شریک ہونا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے مجھے خوف ہے کہ کورٹ کی میٹنگ میں بھی شریک نہ ہو سکوں گا۔ اگرچہ میں کوشش کروں گا کہ شریک ہو سکوں۔ اگر کورٹ کی میٹنگ میں شریک ہوا تو دو سے روز یعنی دوشنبہ کو یہاں نہیں پہنچ سکتا۔

خلیل احمد صاحب مراد کو میں نے اطلاع دے دی تھی کہ اولڈ بوائز ڈنر میں بھی نہیں آ سکتا۔ بال بچوں کو لئے بے ٹھکانے ڈاک بنگلے میں پڑا تھا۔ غرض کہ گو ہندوستان آ گیا مگر علی گڑھ سے دور ہی رہا۔

ع آ کے منزل کے قریب وارد منزل نہ ہوتے

بچی کی ولادت کی خبر سے بیحد خوشی ہوئی۔ خدا اسے پروان چڑھائے اور آپ اس کی سینکڑوں خوشیاں دیکھیں۔ میں دس روپیہ سے زیادہ نکال سکتا تو بخوشی نکالتا۔ میں بہت جلد Long Furlough Preparatory To Retirement (سبکدوش ہونے سے پیشتر طویل فرلو) لینے والا ہوں۔ غالباً ایک سال کے بعد فرلو سے واپس آنے کے وقت تنخواہ آدھی رہ جائے گی۔ ذمہ داریاں یہی قائم رہیں گی۔ میں تو ہندوستان چھوڑ کر قسطنطنیہ جانا چاہتا ہوں۔

خاکسار: سجاد گورکھپور (یو۔پی) ۱۶-۱۱-۱۹۳۱ء

(۶)

بنام جبیل قدوائی

مائی ڈیر جبیل

آپ کا عنایت نامہ ملا تھا۔ جواب میں تاخیر ہوئی معاف کیجئے۔ میں جس تاریخ سے کہتے آپ کو روپیہ بھیجنا شروع کر دوں۔

Dr. Zakir Husain Library Jamia Millia Islamia New Delhi
Accession No. 131620
Date 12.6.96

میرے بھائی سید وحید الدین حمید انا میں مسلی سرجن چیف اسید ہے آپ ان سے ملے ہوں گے۔

خاکسار: سید سجاد حیدر غازی پور ۴-۶-۳۱ء

(۷)

بنام جلیل قدوائی

مائی ڈیر جلیل

چونکہ تمہیں آپ نے اپنی کامیابی کی خوشخبری کی مجھے اطلاع نہیں دی تھی اس لئے جب مدتوں کے بعد آپ کا خط آیا تو میں نے بھی چپ سادھ لی۔

آپ کا اردو میں ایم اے ہونا آپ کے لئے کوئی ایسی بات نہیں جس کی مبارکباد دی جائے ہاں الہ آباد یونیورسٹی کے لئے قابل مبارک ہے کہ اس کے ہاں سے شاید پہلا (حقیقی معنوں میں) اردو کا ایم اے ہوا ہے۔ یہ خط میں اس لئے لکھ رہا ہوں کہ آپ کو اطلاع دوں کہ میں خدا خدا کر کے غازی پور سے چھٹکارا حاصل کر رہا ہوں۔

۲۴ دسمبر ۱۹۳۳ء سے آٹھ مہینے کی چھٹی پر جا رہا ہوں۔ فلسطین۔ شام۔ ٹرکی کی سیاحت مدنظر ہے۔ خدا پوری کرے روانہ ہونے سے قبل آپ لوگوں سے ملنے ضلع گڑھ بھی آؤں گا۔

خواجہ منظور صاحب اور خواجہ غلام السیدین صاحب سے میرا سلام کہہ دیجئے گا۔ مسز جلیل کی خدمت میں آداب۔

خاکسار: سید سجاد حیدر غازی پور (یو۔ پی) ۱۳-۱۲-۳۳ء

(۸)

بنام جلیل قدوائی

مائی ڈیر جلیل

عنایت نامے کا شکریہ۔ جواب دیر میں دینے کی معذرت نہیں کرتا۔ اس لئے کہ آپ کا خط بھی دیر میں آیا تھا۔

جن Liabilities کا ادا کرنا زیادہ ضروری ہے بے شک انہیں پہلے ادا کرنا چاہیئے۔ میرے لئے جلدی نہ کیجئے۔

میں کورٹ کی میٹنگ میں آنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ انشاء اللہ اس وقت ملاقات ہوگی۔

خاکسار: سجاد۔ اٹاوہ۔ ۲۱-۱۱-۳۴ء

نبی امیؐ

سیرت رسول پر مستند اور کارآمد کتاب جسے سوانح نگاری کے امام عمر ابوالنصر نے پیش کر کے عربی داں طبقہ میں فضیلت کی منزلیں طے کر لیں۔ اب اسے شیخ محمد احمد نانی بی نے اردو کے قالب میں ڈھال کر اردو ادب کو ایک غیر فانی کتابؔ دے دی اس کا ایک ایک فقرہ عشق رسول میں ڈوب کر لکھا گیا ہے۔

قیمت پانچ روپے

●

صاحب

مدیر نقوش کے اسکیچوں کا مجموعہ

اس کتاب میں مشہور ادیبوں پر بڑے ہی معرکے کے سخصی مضامین ہیں۔ اب تک اس انداز کے کسی نے بھی مضامین نہیں لکھے۔ یہی وجہ ہے کہ اسے قبول عام کی سند بھی حاصل ہے اور مشہور نقادوں نے بھی اس کتاب کو بے حد سراہا ہے۔

قیمت تین روپے

ادارہ فروغ اردو - لاہور